فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ.

(۹-التوبہ:۱۲۲)

ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما: کتاب الله، وسنة نبیه. (موطأ إمام مالك)

فتاویٰ فلاحیہ جلد چہارم

دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل اور
دارالعلوم مدنی دارالتربیت، کرمالی کے مسند افتاء سے دیے گئے فتاویٰ کا بیش قیمت مجموعہ

از: حضرت مفتی احمد ابراہیم بیمات رحمۃ اللہ علیہ

سابق شیخ الحدیث وصدر مفتی: دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر، گجرات،
صدر جمعیۃ علماء ہند، گجرات شاخ، و بانی دارالعلوم مدنی دارالتربیت، کرمالی

مرتب: مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی

استاذ حدیث وفقہ: دارالعلوم اسلامیہ عربیہ، ماٹلی والا، بھروچ، گجرات

ناشر: حافظ اسجد بن مفتی احمد بیمات صاحب

خادم قرآن: مسجد عمر، ہیملٹن، کینیڈا۔ فون: 905 578 2547

رکن منتظمہ: دارالعلوم مدنی دارالتربیت، کرمالی، بھروچ، گجرات، پن نمبر: 394115

تفصیلات

نام : **فتاویٰ فلاحیہ** جلد چہارم

صاحب فتاویٰ: حضرت مفتی احمد بن ابراہیم بیمات رحمۃ اللہ علیہ

مرتب : مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی

[خادم حدیث وافتا: دارالعلوم ماٹلی والا، بھروچ]

ناشر : حافظ اسجد بن مفتی احمد بیمات

(خادم: مسجد عمر، ہیملٹن، کینیڈا)

بہ اہتمام: دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر

سن طباعت: ربیع الاول، ۱۴۳۹ھ، موافق: دسمبر ۲۰۱۷ء

ملنے کے پتے:

1	دارالعلوم مدنی دارالتربیت، کرمالی، انکلیشور، بھروچ، گجرات	02646 274243
2	حافظ اسجد بن مفتی احمد بیمات صاحب، خادم قرآن: مسجد عمر، ہیملٹن، کینیڈا	905 578 2547
3	مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی، دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ، گجرات	940 951 8452
4	مدنی ویلفیئر ٹرسٹ، کوسمبا، سورت، گجرات	9408 746664
5	ادارۂ صدیق، ڈابھیل، ضلع: نوساری، گجرات	09904 886188
6	مکتبۂ نعیمیہ، دیوبند، یوپی	01336 22329
7	جامعہ قاسم العلوم، 3482 لورینس ایونیو، E، سیکنڈ فلور، یونٹ: 208، M1H 3E5، سکاربورو، کینیڈا	www.jq.bom.co
8	مدرسہ اسلامیہ عربیہ، آزادویل، ساؤتھ افریقہ	114 132786
9	مدرسہ تعلیم الدین، اسپنگو بیچ، ڈربن، ساؤتھ افریقہ	273 19029916
10	مولانا اُسامہ ساچا، 19، انگھم روڈ، تھورن ہل لیس، ویسٹ یارک شائر، یو-کے	+447712124569
11	مفتی اسعد بن عبدالرزاق پالن پوری، دارالعلوم مرکز اسلامی، انکلیشور	9427 640 250
12	جے ایم سی انڈیا پبلشر پرائیویٹ لمیٹیڈ، جھاہاؤس، ویسٹ نظام الدین	011 24352220

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست فتاویٰ فلاحیہ جلد چہارم

[فہرست:.......... ۳-۳۴]

کتاب الصوم والاعتکاف (۴۵-۲۴۴)

باب رؤیۃ الهلال واختلاف المطالع

[رؤیت ہلال اور اختلاف مطالع کا بیان]

باب وجوب الصوم وشرائطه (۱۳۲-۱۳۷)

[روزہ کا وجوب اور اس کی شرطیں]

باب مفسدات الصوم (۱۳۸-۱۴۷)

[مفسدات صوم کا بیان]

باب التسحر والافطار (۱۴۸-۱۶۱)

[سحری وافطار کا بیان]

باب قضاء الصوم وکفارته (۱۶۲-۱۷۹)

[روزے کی قضاء وکفارہ کا بیان]

باب الصوم النفل وغيره (۱۸۰-۱۹۵)

[نفلی روزے کا بیان]

باب التراویح (۱۹۶-۲۰۷)

[تراویح کا بیان]

متفرقات الصوم (۲۰۸-۲۱۳)

[روزہ کے متفرق مسائل]

باب الاعتکاف (۲۱۴-۲۴۴)

[اعتکاف کا بیان]

کتاب الحج (۲۴۵-۵۳۴)

فرضیۃ الحج وشرائطہ وأرکانہ (۲۴۶-۳۱۵)

[حج: فرضیت، شرائط اور ارکان]

باب المواقیت (۳۱۶-۳۲۵)

[میقات کا بیان]

باب الإحرام والتلبیة (۳۲۶-۳۴۵)

[احرام اور تلبیہ کا بیان]

باب الطواف والسعي والحلق والقصر (۳۹۳-۳۴۶)

[طواف، سعی اور حلق وقصر کا بیان]

باب الإفراد، والتمتع، والقران (۳۹۴-۳۹۹)

[حج افراد، تمتع اور قران کا بیان]

باب الحج عن الغير (۴۰۰-۴۵۷)

[حج بدل کا بیان]

باب الجنایة (۴۵۸-۴۸۹)

[جنایت کا بیان]

باب العمرۃ (۴۹۰-۵۰۱)

[عمرہ کا بیان]

فصل زیارة النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم (۵۰۲-۵۰۷)

[روضۂ اقدس اور مدینہ منورہ کی زیارت کا بیان]

باب متفرقات الحج (۵۰۸-۵۳۴)

[حج کے متفرق مسائل]

كتاب الأضحية والعقيقة (۵۳۵-۷۴۵)

باب من يجب عليه الأضحية (۵۳۶-۵۶۹)

[قربانی کا وجوب]

باب في أفضل الضحايا وفيما يجوز منها وما لا يجوز (۵۷۰-۶۰۱)

[قربانی کے لیے افضل اور ناجائز جانور کا بیان]

باب سن الأضحية (۶۰۲-۶۱۳)

[قربانی کے جانور کی عمر کا بیان]

باب أيام الأضحية ومكانها ووقتها وقضائها (۶۱۴-۶۳۳)

[قربانی: ایام، مکان، وقت اور قضاء کا بیان]

باب لحوم الأضاحي (۶۳۴-۶۵۳)

[قربانی کے گوشت کا بیان]

باب في مصرف جلد الأضحية (۶۵۴-۶۷۹)

[قربانی کی کھال کا مصرف]

باب الشركة في الضحايا (۶۸۰-۶۹۵)

[قربانی میں شرکت کا بیان]

باب الأضحية عن الغير (۶۹۶-۷۰۷)

[دوسرے کی جانب سے قربانی]

متفرقات الأضحية (۷۰۸-۷۱۵)

[قربانی کے متفرق مسائل]

باب العقيقة (۷۱۶-۷۴۵)

[عقیقہ کا بیان]

تقریظ وتائید

خلیفہ شیخ الحدیث

حضرت مولانا ومفتی اسماعیل کچھولوی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی: جامعہ حسینیہ، راندیر، سورت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، أما بعد!

محترمی ومکرمی جناب حافظ اسجد صاحب

بعد سلام مسنون، امید ہے کہ مزاج عالی بخیر ہوگا، آپ کی طرف سے مرسلہ ہدیہ ''فتاویٰ فلاحیہ'' پہلی، دوسری اور تیسری جلد موصول ہوکر موجب منت ہوئی، اللہ جل شانہٗ دارین میں بہت ہی بہتر جزاء خیر نصیب فرمائے۔

حضرت الاستاذ حضرت مولانا مفتی احمد صاحب بیمات –نور اللہ مرقدہ و برد مضجعہ– کے فتاویٰ کی زیارت کر کے بہت ہی زیادہ دلی مسرت وشادمانی ہوئی، حضرت کے اخلاص اور قبولیت ہی کی نشانیوں میں سے میں یہ سمجھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دنیا سے پردہ کرنے کے باوجود ان کے فیض کو جاری اور ساری رکھا ہے، اور آپ حضرات کے لیے بھی بہت ہی سعادت کی بات ہے کہ آپ لوگوں نے والد کے حق کو ادا کردیا، بلکہ اچھے طریقے سے اجاگر کیا۔

ظاہر بات ہے کہ فتاویٰ اکثر گجراتی میں ہوں گے، اس کا اتنا بہتر، عمدہ، سلیس اردو میں ترجمہ کرنا اور

سب جوابوں کو فقہ کی کتابوں کے حوالہ جات سے مزین کرنا واقعی بہت اہم اور نازک کام ہے، جو آپ حضرات نے کیا، جب آدمی مخلص ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے معاونین بھی ایسے ہی مہیا کر دیتا ہے۔

طباعت، ترتیب، دیدہ زیبی؛ کسی میں کوئی کمی نہیں، بلکہ فوقیت ہی فوقیت ہے، اللہ تعالیٰ شرف قبولیت سے نوازے، ذخیرۂ آخرت اور صدقہ جاریہ بنائے، آمین۔

اللہ کرے بقیہ حصے اور اچھی طرح اور آسانی کے ساتھ طبع ہو کر ہم لوگوں کے لیے مدد و معاون ہو، والسلام۔

العبد اسماعیل کچھولوی غفرلہ
۲۱رصفرالمظفر ۱۴۳۹ھ
۲۰۱۷/۱۱/۱۱

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

تقریظ وکلمات تحسین

از: حضرت اقدس مولانا ابراہیم پانڈور صاحب دامت برکاتہم

خلیفہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ وخادم خاص حضرت فقیہ الامتؒ

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی أما بعد.

قرآن کریم نے شریعت سے ناواقف مؤمنین کو اہل ذکر (یعنی قرآن وحدیث اور شریعت مطہرہ کے ماہرین) سے رہبری حاصل کرنے کا حکم فرمایا ہے، تاکہ مرضی الٰہی کے مطابق زندگی گزار کر دارین کی سعادت حاصل ہو سکے، ارشاد ربانی ہے: "فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (النحل: ۴۳) اِس حکم خداوندی کی تعمیل میں امت مسلمہ ہمیشہ ماہرین شریعت سے پوچھ پوچھ کر زندگی گزارتی رہی ہے، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم براہ راست حضرت سید المرسلین علیہ الصلاۃ والسلام سے احکام ومسائل دریافت کر کے اُن کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی گزارتے تھے، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے تابعین عظام، اُن سے تبع تابعین، اُن سے اُن کے بعد والے اِسی طرح بعد میں آنے والے اپنے پیش رو علماء وفقہاء سے مسائل دریافت کر کے عمل کرتے رہے، اور سوال وجواب کا یہ سلسلہ قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک تسلسل کے ساتھ جاری ہے، کچھ پاک طینت سعادت مند نفوس ایسے بھی ہوئے کہ: عمل کے ساتھ ساتھ احکامِ شریعت کو بعد والوں کے افادے کی خاطر تحریری شکل میں محفوظ بھی کرتے رہے، اِس طرح فتاویٰ کی شکل میں علوم اسلامی کا

ایک عظیم الشان ذخیرہ امت کے نفع کے لیے وجود میں آتا رہا، اور دنیا اُن سے فیض یاب ہوتی رہی۔

زیر نظر فتاویٰ فلاحیہ بھی اُسی زریں سلسلے کی ایک عظیم کڑی ہے، جو گجرات کے مشہور و معروف بافیض عالم دین، اکابرین دیوبند کے فکروں کے امین، عظیم مصلح و مفکر حضرت مولانا مفتی احمد بیمات صاحبؒ کے علوم و معارف سے بھرپور گجراتی فتاویٰ کے اردو ترجمے کا مجموعہ ہے، جن کی ترتیب، تحقیق، تخریج اور نظر ثانی کا کام باہمت جواں سال فاضل جناب مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی صاحب (استاذ حدیث وفقہ و مفتی دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ گجرات) بڑی دیدہ ریزی و جانفشانی سے انجام دے رہے ہیں، جس کے لیے موصوف بجا طور پر ہم سب کے شکریے کے مستحق ہیں، کتاب کی عظمت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ: کئی نامی گرامی اکابر علماء و اہم شخصیات؛ جیسے: محقق عصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی، اور مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری وغیرہم نے اپنی تائیدی تحریرات وتقریظات کے ذریعے انتہائی وقیع الفاظ میں حوصلہ بخش انداز میں مرتب موصوف کی سراہنا کرتے ہوئے، صاحب فتاویٰ کی خدمت میں زبردست خراج تحسین پیش کی ہے، بڑی مسرت کی بات ہے کہ: عزیزم حافظ اسجد بن مفتی احمد بیمات صاحب زید مجدہ انتہائی فکر و لگن کے ساتھ اِن فتاویٰ کی نشر و اشاعت کا انتظام کر رہے ہیں، دل سے دعاء کرتا ہوں کہ: حق تعالیٰ شانہ حضرت مفتی احمد بیمات صاحب نور اللہ مرقدہ کے اِس علمی فیض سے امت مسلمہ کو زیادہ سے زیادہ مستفیض فرما کر اُن کے حق میں صدقہ جاریہ بنائے، اور مترجمین، مرتبین، ناشرین اور تمام معاونین کو اپنی شایان شان بہترین بدلہ نصیب فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین۔

ابراہیم پانڈور عفی عنہ
وارد حال دہلی
۲ رذی الحجہ ۱۴۳۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین، أما بعد.

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ ہی نبوت کا دروازہ بند ہوگیا اور کار نبوت کی ذمہ داری علماء امت کے کندھوں پر ڈالی گئی، علماء امت نے اس بار گراں کو اپنے کندھوں پر اٹھایا اور ہر زمانے میں اسلام کی مختلف جہات سے خدمت کی، اکابر دیوبند کو اللہ تعالیٰ نے اس اعتبار سے امتیازی شان عطا فرمائی، جنہوں نے دین کی تمام جہت کو، اور دنیا کے ہر خطے اور اسلام کے ہر گوشے کو اپنی خدمت کا میدان بنایا، اور ہر طرح کی جد وجہد اور محنت سے اسلام اور اسلامی تعلیمات کو عام کیا۔

انہیں اکابر میں والد گرامی حضرت مولانا ومفتی احمد ابراہیم بیمات رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی تھی، جنہوں نے دین کے مختلف شعبوں کے ذریعے علوم اسلامی کی اشاعت کی ہر ممکن کوشش فرمائی؛ اسی سلسلے کی مضبوط کڑی حضرت والا کی فتاویٰ نویسی کی خدمت ہے، جسے آپ نے طویل عرصے تک دار العلوم فلاح دارین، ترکیسر، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل اور اپنے قائم کردہ ادارہ دار العلوم مدنی دار التربیت، کرمالی، رویدرا میں انجام دیا۔

آپ کے فتاویٰ، مختلف رجسٹروں میں موجود تھے، خدشہ تھا کہ کہیں ضائع نہ ہوجائیں اور امت، حضرت والا کی ایک انتہائی اہم علمی خدمت سے فائدہ اٹھانے سے محروم ہوجائے، بس اسی جذبے کے تحت اس ناچیز نے والد گرامی کی بیش قیمت متعدد کتابوں کی طباعت کا بیڑا اٹھانے کے ساتھ ساتھ، آپؒ کے فتاویٰ کی نشر واشاعت کا انتہائی مشکل کام اپنے ذمے لیا، اللہ کے فضل وکرم سے حضرت والد گرامیؒ کے فتاویٰ ''فتاویٰ فلاحیہ'' کے نام سے اب تک تین جلدوں میں شائع کیے گئے، زیر نظر کتاب ''فتاویٰ فلاحیہ'' کی چوتھی جلد ہے، جسے علماء اور باذوق قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے۔

یہ جلد سات سو سے زائد صفحات اور ۵۰۰ر سے زائد مسائل پر مشتمل ہے، روزہ، حج اور قربانی وعقیقہ کے مسائل کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

پہلی جلد کی طباعت کے بعد بہت سے اکابر علماء اور شائقین نے پسندیدگی کا اظہار فرمایا، حوصلہ افزا کلمات کہے، اور تمام جلدوں میں اسی معیار کو برقرار رکھنے کی تاکید کی، دوسری اور تیسری جلد میں بھی اس معیار کو برقرار رکھا گیا، اور اس چوتھی جلد میں بھی اس کے معیار سے سمجھوتا نہیں کیا گیا ہے؛ اس لیے توقع ہے کہ ان شاء اللہ اس سے امت کو بڑا فائدہ ہوگا۔

اس موقع پر میں شکر گذار ہوں مشہور عالم دین، والد گرامی کے فیض یافتہ، حضرت مولانا ومفتی اسماعیل کچھولوی صاحب دامت برکاتہم کا، کہ انھوں نے اپنی قیمتی تحریر عنایت فرمائی۔

میں مشکور ہوں، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کے مجاز بیعت اور فقیہ الامت حضرت مولانا محمود حسن گنگوہیؒ کے خادم خاص حضرت مولانا ابراہیم پانڈور صاحب کا کہ انہوں نے اس کام کی تحسین فرما کر حوصلہ افزائی فرمائی۔

نیز میں ممنون ہوں مرتب فتاویٰ حضرت مفتی مجتبیٰ حسن قاسمی صاحب کا، کہ انھوں نے انتہائی جاں فشانی کے ساتھ فتاویٰ کی ترتیب ونظر ثانی کا کام انجام دیا، اور معیار کو بلند سے بلند تر کرنے کے لیے ہر طرح کی سعی وکوشش کو بروئے کار لائے، اللہ تعالیٰ انھیں اپنی شایان شان بدلہ عطا فرمائے۔

قارئین کے علم میں یہ بات ہوگی کہ والد گرامی کے بیشتر فتاویٰ گجراتی زبان میں تھے، مختلف علماء کے ذریعے ترجمے کرائے گئے، میں ان تمام علماء کا شکریہ ادا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں ان اہل خیر حضرات کا شکریہ ادا نہ کروں، جنہوں نے اپنی جائز آمدنی اور حلال مال سے ہمارا تعاون فرمایا، اللہ ہر ایک کی جائز تمنا پوری فرمادے اور فتاویٰ فلاحیہ کو مفتی صاحب کی دیگر تصانیف کی طرح شرف قبولیت سے نوازے، آمین یارب العالمین۔

۲۲ر ربیع الاول ۱۴۳۹ھ
موافق: ۱۱ر دسمبر ۲۰۱۷ء

(حافظ) اسجد بن مفتی احمد بیمات
رکن منتظمہ: دار العلوم مدنی دار التربیت، کرمالی، بھروچ، گجرات
خادم القرآن: مسجد عمر، ہیملٹن، کینیڈا
e-mail:hafizasjed@hotmail.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مرتب

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، أما بعد!

فتاویٰ فلاحیہ کی چوتھی جلد پیش خدمت ہے، شکر گذاری کے اس موقع پر احقر بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہے کہ اس نے اس کم سواد کو "فتاویٰ فلاحیہ" کے اِس اہم علمی سلسلہ کو جاری رکھنے کی توفیق بخشی، ورنہ تو یہ کسی بھی لائق نہیں ہے، دعاء ہے کہ جس نے توفیق بخشی ہے، وہی اسے قبولیت بھی عطا فرمادے، اور بقیہ جلدوں کی تکمیل کی ہمت بھی، **وما ذلك عليه بعزيز.**

"صوم واعتکاف، حج اور قربانی وعقیقہ" سے متعلق ۲۹؍ابواب، ساڑھے پانچ سو سے زائد سوال و جواب، اور سات سو پینتالیس [745] صفحات پر مشتمل اس چوتھی جلد کو احقر نے اپنی وسعت کے مطابق خوب سے خوب تر بنانے کی سعی کی ہے، کوشش کی ہے کہ کوئی مسئلہ حوالے کے بغیر نہ رہے، نصوص کے ذکر کرنے کا خاص اہتمام کیا گیا ہے، اور ان تمام امور کا لحاظ کیا گیا ہے، جن سے پہلی، دوسری اور تیسری جلد مزین ہے۔

عام طور پر اکابر علماء کی تحریر وفتاویٰ میں حوالے کا اہتمام نہیں ہوتا تھا یا برائے نام حوالے درج کیے جاتے تھے، کہیں صرف کتاب کے نام پر اکتفا کیا جاتا، تو کہیں عبارت کا مفید مطلب ٹکڑا لکھ دیا جاتا، عموماً یہی طریقہ ان کے عہد میں رائج تھا اور باعث اطمینان بھی، عوام کے لیے عبارت اور حوالے کی ضرورت نہ تھی، اور اہل علم کا اشتغالِ علم، اس درجے کا تھا کہ اشارے سے اصل مسئلے تک پہنچ جاتے تھے۔ ادھر علمی انحطاط آیا اور اشتغال علم کی وہ کیفیت باقی نہیں رہی، جو اکابر کا حصہ تھی؛ اس لیے حوالے کے طور پر طویل عبارت لکھنے کا رواج چل پڑا، اور آج کی ذرائع مواصلات کی ترقی یافتہ دنیا میں عوام بھی بغیر حوالے کے کسی بات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔

ناچیز نے اسی کے پیش نظر تفصیلی عبارت، اور اس پر کی گئی علمی بحث کو ذکر کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا ہے، سیاق و سباق کے ساتھ عبارت اس انداز میں نقل کی گئی ہے کہ اصل کتاب کی جانب رجوع کی ضرورت باقی نہ رہے۔ بعض ذہین اور نازک طبیعتوں کے لیے یہ طرز گرچہ باعث کلفت ہے، لیکن احقر کی ذکر کردہ وجہ سے وہ مطمئن ہو جائیں گے، ان سب کے باوجود اگر علم و تحقیق کے راہ رو کو یہ انداز ہضم نہ ہو، تو وہ یہ سوچ کر اس حقیر کو معذور سمجھیں کہ:

وللناس فیما یعشقون مذاهب.

تخریج و تعلیق کا ایک اہم مقصد تسہیل ہے، اس لیے کسی مسئلہ کی متعلقہ عبارت اگر ماقبل میں آگئی ہے، تو صرف پچھلے حوالے کی جانب رجوع کا مشورہ نہیں دیا گیا ہے؛ بل کہ موقع کی مناسبت سے اسے [**بعض مقامات پر**] دوبارہ درج کر دیا گیا ہے، اس کی وجہ سے تکرار ضرور پیدا ہوتا ہے، لیکن فی نفسہ اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا سکتا۔

چوتھی جلد پریس کے حوالے کی جارہی ہے، اس موقع پر میرے کرم فرما مفکر ملت، **حضرت مولانا عبد اللہ کاپودروی** دامت برکاتہم سخت علیل ہیں، حضرت والا کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ ہم جیسے نوجوان فضلاء کے معمولی کام کی بھی بڑی حوصلہ افزائی فرماتے ہیں، جس سے تحریک پاکر آدمی یکسو ہو جاتا ہے، کام میں جی لگتا ہے، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جو کچھ کام کیا گیا ہے، اس کی بھی اہمیت ہے، ابھی پچھلے دنوں عیادت کی غرض سے حاضری ہوئی، حضرت والا کی طبیعت ایسی نہیں تھی کہ کوئی بات ہو، بس سلام و دعا پر اکتفا کیا گیا؛ لیکن اس دوران بھی حضرت والا نے پوچھ لیا کہ کام کہاں تک پہنچا، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جلد از جلد صحت کاملہ عطا فرمائے اور ان کا سایہ تادیر امت مسلمہ پر باقی رکھے، آمین۔

میں شکر گذار ہوں دار العلوم اسلامیہ عربیہ، ماٹلی والا کے عالی وقار مہتمم و شیخ الحدیث، **حضرت مولانا اقبال بن محمد ٹنکاروی** دامت برکاتہم کا، جنہوں نے علمی کام کرنے کا انتہائی خوش گوار ماحول فراہم کیا ہے اور موقع بہ موقع فتاویٰ کے بارے میں معلوم کرتے رہتے ہیں کہ کام کس مرحلے میں ہے۔ لکھنے پڑھنے والوں پر یہ مخفی نہیں کہ آج کے ماحول میں – جب کہ علمی ذوق ختم ہوتا جارہا ہے – کسی ادارے کے ذمہ دار اعلیٰ کا، کسی علمی کاز کے بارے میں یہ دریافت کرنا کہ وہ کس مرحلے میں ہے، کام کرنے والے کے لیے کسی اکسیر سے کم نہیں، اس سے ہمت جوان ہوتی ہے اور کام کرنے والوں میں نیا جوش و جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا اپنی شایان شان بدلہ عطا فرمائے، آمین۔

میں ممنون ہوں صاحب نظر عالم دین و مفتی، اکابر کے نور نظر، حضرت شیخ الحدیث کے فیض یافتہ حضرت مفتی اسماعیل کچھولوی دامت برکاتہم (شیخ الحدیث و صدر مفتی: جامعہ حسینیہ – راندیر، سورت) کا، کہ انہوں نے خط لکھ کر حوصلہ افزائی فرمائی، اسی طرح میں ممنون ہوں فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے خادم خاص اور شیخ الحدیثؒ کے مجاز بیعت،

حضرت مولانا ابراہیم پانڈور صاحب دامت برکاتہم کا، کہ انہوں نے کلمات تحسین کے ذریعے حوصلہ افزائی فرمائی۔

نیز ممنون ہوں دار العلوم سعادت دارین، ستپون کے شیخ الحدیث اور مولانا پانڈوور صاحب کے خلیفہ، حضرت مولانا شوکت علی قاسمی بھاگل پوری صاحب کا، کہ وہ مولانا پانڈور صاحب کی قیمتی تحریر کے حصول کا ذریعہ بنے اور فتاویٰ کی ترتیب میں ذاتی طور پر متعدد امور کی جانب نشان دہی فرمائی، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

میں اپنے کرم فرما جناب حافظ اسجد مفتی احمد بیمات صاحب کا دل کی اتھاہ گہرائی سے شکریہ ادا کرتا ہوں، کہ انہوں نے وقفے وقفے سے کام کا تقاضہ کیا، ان کے خلوص اور پیہم تقاضے کی وجہ سے یہ جلد بھی تمام ہوئی، اللہ تعالیٰ انھیں بہترین بدلہ عطا فرمائے، ان کے اہل خانہ اور بیمات فیملی کو دینی و دنیوی ترقیات سے نوازے، آمین۔

دار العلوم اسلامیہ، بلتھر اروڈ، بلیا، ضلع یوپی کے استاذ، وسیع النظر عالم، میرے رفیق درس حضرت مولانا مفتی شمشیر حیدر صاحب کا تہِ دل سے شکر گذار ہوں کہ انہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر کتاب الاضحیہ والعقیقہ کے بیشتر مسائل کی عمدہ تخریج فرمائی، اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اپنی شایان شان بدلہ عطا فرمائے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیشتر فتاویٰ گجراتی زبان میں تھے، مفتی اسعد صاحب پالن پوری (استاذ و مفتی: دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور) کے توسط سے گجرات کے مختلف علماء سے ترجمہ کرایا گیا، پھر ناچیز کو اس کی تخریج و ترتیب کی ذمہ داری سونپی گئی، ناچیز نے نہج متعین کیا اور اسی کے مطابق متعدد ابواب و کتاب کی تخریج، متعدد باصلاحیت علماء و فضلا سے کرائی گئی، جن علماء نے تخریج کا کام انجام دیا ہے، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

[۱] **مفتی اُسامہ قاسمی پالن پوری** (استاذ: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل) [۲] **مفتی محمد نعمان قاسمی حنفی** (استاذ حدیث: دار العلوم مدنی دار التربیت، کرمالی، رویدرا) [۳] **مولانا حسین احمد قاسمی** (استاذ حدیث وادب: دار العلوم مدنی دار التربیت، کرمالی) [۴] **مولانا اکرام الحق قاسمی** (سابق استاذ حدیث: دار العلوم مدنی دار التربیت، کرمالی) [۵] **مولانا الطاف سنجیواڑہ** (استاذ: دار العلوم، سوجترا) [۶] **مفتی رفیق صاحب** (استاذ: دار العلوم کرمالی و امام و خطیب کرمالی) [شاید ان کے علاوہ اور بھی چند علماء ہوں، جن کا نام رہ گیا ہو]

تخریج کے مرحلے کے بعد، اہم کام تحقیق، نظر ثانی اور پورے فتاویٰ کی زبان میں یکسانیت پیدا کرنے کا تھا، جسے ناچیز اپنی بساط کے مطابق انجام دے رہا ہے، بعض مسائل کی تخریج باقی رہ گئی تھی، طلبہ کی مدد سے ان کی تخریج کرائی جا رہی ہے، بس دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو اپنی رضا اور خوش نودی کا باعث بنائے، آمین۔

چوتھی جلد کی تحقیق وتخریج اور تصحیح کے دوران دار العلوم ماٹلی والا کے شعبۂ تخصص فی الفقہ کے طلبہ (مولوی

محمد سلمان بن منور، احمد آبادی ☆ مولوی شاداب بن اسلم، احمد آبادی ☆ مولوی محمد حسین بن عبد القادر، ہمت نگر ☆ مولوی اظہار الحق بن حافظ شبیر احمد، اورنگ آبادی ☆ مولوی سید حذیفہ بن سید ابرار، مہوا ☆ مولوی محمد معاویہ بن مولانا عبد المجید مظاہری، احمد آبادی ☆ مولوی عبد الجبار بن عبد السلام ☆ مولوی صادق بن مولانا عبد الغفار قاسمی، پالن پوری ☆ اور یاسین بن مولانا عبد اللطیف انجار، کچھ) نے حوالہ جات کی تخریج اور پروف ریڈنگ میں تعاون کیا، اللہ تعالیٰ ان میں علمی ذوق پیدا فرمائے، اور مستقبل میں علمی مشغلہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

احقر کے لیے یہ بات بلا شبہ قابل مسرت ہے کہ بعض علماء فتاویٰ کو حرفاً حرفاً پڑھتے ہیں اور ناچیز کی جانب سے درآئی کمی کی نشان دہی فرماتے ہیں، ایسا ہی ایک تفصیلی فون دار القرآن والحدیث، ٹنکاریہ کے استاذ مولانا یعقوب صاحب صغیر ولنوی کا آیا، ان سے ایک مجلس میں ملاقات بھی ہوئی تھی اور انہوں نے ''فتاویٰ فلاحیہ'' کے تعلق سے اپنے گراں قدر تأثر کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''مولانا! میں نے مطالعہ کے دوران فتاویٰ فلاحیہ کے بعض مقامات پر علامت ونشانی لگا رکھی ہے کہ جب بھی موقع ملے گا، تو آپ کو اس سے مطلع کروں گا''۔ میں نے کہا کہ ضرور مطلع فرمائیں۔

مولانا نے حسب وعدہ دوسری جلد کے دس بارہ مقامات کی نشان دہی کی، جہاں تقدیم وتاخیر یا اجمال کی وجہ سے بات مکمل واضح نہیں تھی، میں مولانا کا مشکور ہوں اور بتا نہیں سکتا کہ ان کے اس عمل سے مجھے کتنی خوشی ہوئی ہے، ان شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں اس میں مناسب ترمیم کردی جائے گی، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

اہل ذوق سے درخواست ہے کہ اس میں اگر کوئی غلطی درآئی ہو، تو اسے اس حقیر کی جانب سے سمجھیں اور بلا تکلف مطلع فرمائیں، حقیر ممنون ہوگا۔

مجتبیٰ حسن قاسمی

خادم حدیث وفقہ: دار العلوم اسلامیہ عربیہ، ماٹلی والا، بھروچ

برائے رابطہ: 09409518452

Email: qasmimujtaba@gmail.com

مورخہ: ۲۲/ربیع الاول ۱۴۳۹ھ

۱۱/دسمبر ۲۰۱۷ء، بہ روز: پیر

کتاب الصوم والاعتکاف

روزے اور اعتکاف کا بیان

عن أبي هريرة رضي الله عنه، يقول: قال النبي -صلى الله عليه وسلم-: أو قال: قال أبو القاسم صلى الله عليه وسلم: صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته، فإن اغمي عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين. (صحيح البخاري:۱/۲۵۶، رقم الحديث: ۱۹۰۹، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: إذا رأيتم الهلال فصوموا، وإذا رأيتموه فأفطروا، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم:۱/۳۴۷، رقم الحديث: ۱۷-(۱۰۸۱)، كتاب الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال، والفطر لرؤية الهلال... الخ، ط: ديوبند)

باب رؤية الهلال واختلاف المطالع

[رؤیت ہلال اور اختلاف مطالع کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب رؤية الهلال واختلاف المطالع

[رؤیت ہلال اور اختلاف مطالع کا بیان]

[۱] ایک ملک میں چاند نظر آنے پر، دوسرے ملک کے لیے صوم وافطار کا حکم

۱۴۸۸- سوال: بعض لوگ ایسا کہتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالی نے پوری دنیا میں چاند تو ایک ہی پیدا کیا ہے؛ لٰہذا دنیا کے جس کونے میں بھی چاند نظر آجائے، وہاں سے آنے والی خبر کا اعتبار دوسرے لوگوں کو کر لینا چاہیے اور اس کے مطابق رمضان وعید منانا چاہیے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداومصليا:

چاند تو اللہ رب العزت نے ایک ہی پیدا کیا ہے، لیکن اس کے دِکھنے میں اختلاف ہوتا ہے، چناں چہ ایک دن وہ بعض جگہوں پر تو نظر آتا ہے، اور بعض جگہوں پر نظر نہیں آتا، یہ ایک قدرتی اختلاف ہے کہ کسی جگہ ایک دن پہلے نظر آجاتا ہے اور کسی جگہ ایک دن کے بعد، جہاں جب چاند نظر آئے گا، وہاں اسی دن اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ (۱)

(۱) لأن كل قوم مخاطبون بما عندهم وانفصال الهلال عن شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار كما أن دخول الوقت وخروجه يختلف باختلاف الأقطار حتى إذا زالت الشمس في المشرق لا يلزم منه أن تزول في المغرب، وكذا طلوع الفجر وغروب الشمس بل كلما تحركت الشمس درجة فتلك طلوع فجر لقوم وطلوع=

یہ ایسا ہی ہے، جیسے کہ سورج کے ایک ہونے کے باوجود کسی جگہ فجر کی نماز ادا کی جا رہی ہے اور کسی جگہ ظہر کی نماز، تو کسی جگہ عصر اور مغرب کی نماز پڑھی جا رہی ہے، چناں چہ سعودی عرب میں صبح صادق ہونے سے ہندوستان اور پاکستان والوں کے لیے فجر کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

ٹھیک اسی طریقے سے جہاں چاند نظر آیا ہے، وہاں کے لوگوں کے لیے رمضان اور عید منانا تو جائز ہے اور جہاں چاند نظر نہیں آیا ہے، وہاں کے لوگوں کے لیے اپنے پڑوس والے ملکوں کی خبروں اور گواہی کا اعتبار کرتے ہوئے رمضان اور عید کا منانا جائز ہے؛ البتہ دو ملکوں کے درمیان ایک دن کا فاصلہ ہو، تو وہاں ایک دوسرے کی رؤیت کا اعتبار کرنا درست نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] انگلینڈ میں چاند کا مسئلہ

۱۴۸۹- سوال: انگلینڈ میں پوری دنیا کے لوگ بستے ہیں، جس کی وجہ سے مسائل میں بہ کثرت اختلافات ہوتے ہیں، ان اختلافی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ چاند کا بھی ہے۔

یہاں انگلینڈ والوں کا کہنا یہ ہے کہ سعودی عرب ہمارا مرکز ہے؛ اس لیے اسی کے حساب سے چلنا چاہیے، جب کہ انڈین حضرات کہتے ہیں کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو؛ لیکن مشکل یہ ہے کہ انگلینڈ میں چاند دکھائی نہیں دیتا۔

سن ۱۹۷۷ء میں ''حج'' سنیچر کو ہوا تھا، جس کا اعتبار کرتے ہوئے کچھ حضرات نے دوسرے دن یعنی اتوار کو عید الاضحیٰ منائی تھی، جب کہ اکثر [تقریباً نوے فی صد] حضرات نے منگل کو عید قرباں منائی تھی،

=شمس لآخرين وغروب لبعض ونصف ليل لغيرهم. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ): ۱/ ۳۲۱، كتاب الصوم، قبيل: باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة* درر الحكام شرح غرر الأحكام- محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا - أو منلا أو المولى - خسرو (م: ۸۸۵هـ): ۱/ ۲۰۱، كتاب الصوم، قبيل: باب موجب الإفساد، ط: دار إحياء الكتب العربية)

(۱) وفي "القدوري" إذا كان بين البلدتين تفاوتاً لا تختلف المطالع لزم حكم إحدى البلدتين حكم البلدة الأخرى، فأما إذا كان تفاوتاً تختلف المطالع لم يلزم إحدى البلدتين حكم البلدة الأخرى. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني -أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد ،ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۲/ ۳۷۹، كتاب الصوم، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی اختلافی صورت میں صحیح کیا ہے؟ شریعت اس سلسلہ میں کیا رہنمائی کرتی ہے؟ یعنی چاند کے مسئلہ میں کس حساب کا اعتبار کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: ”صوموا الرؤیته وأفطروا الرؤیته“[1] پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اگر انگلینڈ میں بادل کی وجہ سے چاند نظر نہ آتا ہو، تو قریبی ممالک مثلاً: مراکش وغیرہ کے چاند کا اعتبار ہوگا۔[2] اگر وہاں سے چاند کے متعلق گواہی آجائے یا خبر متواتر سے یقین حاصل ہوجائے کہ چاند ہوگیا ہے، تو اس کے مطابق چاند کا فیصلہ کرلینا جائز ہے۔[3] سعودی عرب کے چاند کے حساب سے اہل انگلینڈ کو عید کرنا جائز نہیں۔[4] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه، يقول: قال النبي -صلى الله عليه وسلم-: أو قال: قال أبو القاسم صلى الله عليه وسلم: صوموا الرؤيته وأفطروا الرؤيته، فإن اغمي عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين. (صحيح البخاري: ۲۵۶/۱، رقم الحديث: ۱۹۰۹، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: إذا رأيتم الهلال فصوموا، وإذا رأيتموه فأفطروا، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۳۴۷/۱، رقم الحديث: ۱۷-(۱۰۸۱)، كتاب الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال، والفطر لرؤية الهلال... الخ، ط: ديوبند)

(۲) وفي ”القدوري“ إذا كان بين البلدتين تفاوتاً لا تختلف المطالع لزم حكم إحدى البلدتين حكم البلدة الأخرى، فأما إذا كان تفاوتاً تختلف المطالع لم يلزم إحدى البلدتين حكم البلدة الأخرى. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني -أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۳۷۹/۲، كتاب الصوم، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۳) وذكر شمس الأئمة الحلواني: أن الصحيح من مذهب أصحابنا رحمهم الله أن الخبر إذا استفاض، وتحقق فيما بين أهل البلدة الأخرى يلزمهم حكم أهل هذه البلدة الأخرى. (المصدر السابق، وانظر: الفتاوى التاتارخانية: ۳۶۶/۳، كتاب الصوم، الفصل: رؤية الهلال، ت: شبير أحمد القاسمي، ط: زكريا- ديوبند ☆ مجمع الأنهر: ۳۵۰/۱، كتاب الصوم، ط: مكتبة فقيه الأمة- ديوبند ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۳۵۹/۳، زكريا- ديوبند)

(۴) اس مسئلے کی بنیاد در حقیقت ایک دوسرے مسئلے پر ہے، اور وہ یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا شرعاً اعتبار ہوگا یا نہیں؟

یہ مسئلہ متقدمین و متاخرین کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے، اس سلسلے میں فقہاء کرام کے تین اقوال ہیں:

۱- امام اعظمؒ سے منقول ہے اور ظاہر الروایہ بھی یہی ہے، نیز بیشتر فقہاء احناف نے اسی کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے کہ اختلاف مطلع کا کوئی اعتبار نہیں۔ [ظاہر ہے کہ اس کو پوری دنیا میں نافذ کرنے میں بڑی مشکلات پیش آئیں گی، اور بدیہیات و مشاہدات کے خلاف بھی ہے]

۲- ہر جگہ اور ہر حال میں اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ [یہ قول بھی قابل عمل نہیں]

بقیہ اگلے صفحہ پر

گذشتہ صفحہ کا:

۳- بلاد قریبہ میں تو اس کا اعتبار نہیں، البتہ بلاد بعیدہ میں معتبر ہے۔ بلاد قریبہ وبعیدہ کا مدار عرف کو قرار دینا چاہیے کہ اکثر بلاد شمالیہ وبلاد جنوبیہ میں اختلافِ مطالع ہوتا ہے، جنوب میں چاند نظر آتا ہے اور شمال میں نظر نہیں آتا۔

اس تیسرے قول کو علامہ زیلعی اور صاحب بدائع نے اختیار کیا ہے۔

علماء دیوبند کی رائے بھی یہی ہے اور اسی کے مطابق ان کا عمل ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ہمارے استاذ محترم حضرت سید محمد انور شاہ کشمیریؒ بھی اسی کی ترجیح کے قائل تھے، اور استاذ محترم مولانا شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم میں اسی قول کو ترجیح دینے کے لیے ایک ایسی چیز کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اس پر نظر کرنے کے بعد اس قول کی ترجیح واضح ہوجاتی ہے، خصوصاً اس زمانے میں، جب کہ مشرق ومغرب کے فاصلے چند گھنٹوں میں طے ہورہے ہیں، وہ یہ ہے کہ قرآن وسنت میں یہ بات منصوص وقطعی ہے کہ کوئی مہینہ انتیس دن سے کم اور تیس دن سے زائد نہیں ہوتا، بلاد بعیدہ اور مشرق ومغرب کے فاصلوں میں اگر اختلاف مطالع کو نظر انداز کردیا جائے، تو اس نص قطعی کے خلاف یہ لازم آئے گا کہ کسی شہر میں اٹھائیس کو بعید ملک میں اس کی شہادت پہنچ جائے کہ آج وہاں چاند دیکھ لیا گیا ہے، تو اگر اس شہر کو دوسرے کے تابع کیا جائے، تو اس کا مہینہ اٹھائیس کا رہ جائے گا، جو شریعت کے مقرر کردہ حساب سے کم یا زیادہ بن جاتا ہے، جو صحیح نہیں۔

حضرت علامہ عثمانیؒ کی تحقیق سے اس کا فیصلہ بھی ہوگیا کہ بلاد قریبہ اور بلاد بعیدہ میں قرب وبعد کا معیار کیا اور کتنی مسافت ہوگی، وہ یہ ہے کہ جن بلاد میں اتنا فاصلہ ہو کہ ایک جگہ کی رویت کا دوسری جگہ اعتبار کرنے کے نتیجے میں مہینے کے دن اٹھائیس رہ جائیں، یا اکتیس ہوجائیں، وہاں اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور جہاں اس قدر فاصلہ نہ ہو، وہاں نظر انداز کردیا جائے گا۔ (رؤیت ہلال، ص: ۵۸-۵۹، ط: دار المعارف، کراچی، ملخصا)

علامہ زیلعیؒ نے بڑی تفصیل سے اس مسئلے کو تحریر فرمایا ہے، نیز دلیل دیتے ہوئے ایک حدیث پاک کا ذکر کیا ہے، عبارت طویل ہے، تاہم مفید ہے، اور حضرت مفتی محمد شفیع عثمانیؒ کی ذکر کردہ باتوں کی بنیاد بھی ہے، ان کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

قال - رحمه الله - (ولا عبرة باختلاف المطالع) وقيل يعتبر، ومعناه أنه إذا رأى الهلال أهل بلد، ولم يره أهل بلدة أخرى، يجب أن يصوموا برؤية أولئك كيفما كان على قول من قال لا عبرة باختلاف المطالع، وعلى قول من اعتبره ينظر فإن كان بينهما تقارب بحيث لا تختلف المطالع يجب، وإن كان بحيث تختلف لا يجب، وأكثر المشايخ على أنه لا يعتبر، حتى إذا صام أهل بلدة ثلاثين يوما، وأهل بلدة أخرى تسعة وعشرين يوما، يجب عليهم قضاء يوم.

والأشبه أن يعتبر لأن كل قوم مخاطبون بما عندهم وانفصال الهلال عن شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار كما أن دخول الوقت وخروجه يختلف باختلاف الأقطار حتى إذا زالت الشمس في المشرق لا يلزم منه أن تزول في المغرب، وكذا طلوع الفجر وغروب الشمس بل كلما تحركت الشمس درجة فتلك طلوع فجر لقوم وطلوع شمس لآخرين وغروب لبعض ونصف ليل لغيرهم.

وروي أن أبا موسى الضرير الفقيه صاحب المختصر قدم الإسكندرية فسئل عمن صعد على منارة =

[۳] رؤیت ہلال: چند مسائل

۱۴۹۰- سوال: (۱) حنفی مسلک میں مطلع کا اختلاف معتبر نہیں لیکن کتنے فاصلہ سے چاند کی خبر و گواہی حاصل ہو، تو رمضان وعید کا چاند تسلیم کر سکتے ہیں؟

(۲) مطلع کا اختلاف طلوع وغروب میں- جس پر نماز کی بنیاد رکھی گئی ہے- معتبر مانا جاتا ہے، اور اسی کے مطابق نماز ادا کی جاتی ہے، کہ کہیں مغرب کی نماز کا وقت ۶ ربجے سے شروع ہوتا ہے تو کہیں ۷ ربجے سے۔

سوال یہ ہے کہ جس طریقہ سے نماز ایک عبادت ہے، اور اس میں اختلاف مطالع کو معتبر مانا گیا ہے،

= الإسكندرية فيرى الشمس بزمان طويل بعدما غربت عندهم في البلد أيحل له أن يفطر فقال لا ويحل لأهل البلد لأن كلا مخاطب بما عنده.

والدليل على اعتبار المطالع ما روي عن كريب أن أم الفضل بعثته إلى معاوية بالشام فقال فقدمت الشام وقضيت حاجتها واستهل علي شهر رمضان وأنا بالشام فرأيت الهلال ليلة الجمعة ثم قدمت المدينة في آخر الشهر فسألني عبد الله بن عباس ثم ذكر الهلال فقال متى رأيتم الهلال فقلت رأيناه ليلة الجمعة فقال أنت رأيته فقلت نعم ورآه الناس وصاموا وصام معاوية فقال لكنا رأيناه ليلة السبت فلا نزال نصوم حتى نكمل ثلاثين أو نراه فقلت أولا نكتفي برؤية معاوية وصيامه فقال لا هكذا أمرنا رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال في المنتقى رواه الجماعة إلا البخاري وابن ماجه. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ) :۱/۳۲۱، كتاب الصوم، قبيل :باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة★درر الحكام شرح غرر الأحكام- محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا- أو منلا أو المولى - خسرو (المتوفى:۸۸۵هـ):۱/۲۰۱، كتاب الصوم، قبيل: باب موجب الإفساد، ط: دار إحياء الكتب العربية)

مذکورہ تفصیل سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ مکہ معظمہ یا سعودی عرب کی رؤیت صرف انہی علاقوں تک مانی جاسکتی ہے، جہاں اس رؤیت کو تسلیم کر لینے سے ان علاقوں کا مہینہ ۲۹ ردن سے کم یا ۳۰ ردن سے زیادہ کا ماننا لازم نہ آتا ہو، اور مکہ وسعودی عرب سے دور دراز کے وہ علاقے، جہاں مکہ مکرمہ یا سعودی عرب کی رؤیت تسلیم کرنے کی وجہ سے مہینہ میں کمی وبیشی ماننی پڑتی ہو، وہاں مکہ مکرمہ اور سعودی عرب کی رؤیت معتبر نہیں ہوگی، قرآن کریم، سنت نبویہ اور فقہی جزئیات وکلیات کی روشنی میں سعودی عرب کی رؤیت کو ساری دنیا کے لیے معیار قرار دینا، غلط اور نا قابل عمل اور حدیث پاک: "صوموا الرؤيته وأفطروا الرؤيته" کے خلاف ہے۔

شیخ وھبہ زحیلیؒ رقم فرماتے ہیں:

وأجمعوا أنه لا يراعي ذلك في البلدان النائية جدا كالأندلس، والحجاز، وأندونيسا والمغرب العربي. (الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۴۰، دار الفكر)

[مجتبیٰ حسن قاسمی]

اسی طرح روزہ بھی عبادت ہے، تو اس میں بھی اس (اختلاف مطالع) کا اعتبار کیا جانا چاہیے، شرعی اعتبار سے آخر اس میں حرج کیا ہے؟

(۳) آسمان ابر آلود تھا، جس کی وجہ سے رمضان یا عید کا چاند نظر نہیں آیا؛ لیکن بعض گواہی دینے والے موجود ہیں، حالاں کہ وہ عادل نہیں ہیں، بے نمازی ہیں، تو ان کی شہادت معتبر ہوگی یا نہیں؟

(۴) آسمان ابر آلود ہونے کی صورت میں کسی شہر یا کسی دوسری جگہ سے فون کے ذریعہ خبر ملی اور فون پر خبر دینے والا ایک شخص ہے، تو کیا حکم ہے؟

خبر دینے والے کی شناخت نہ ہو، بایں طور کہ ان کی آواز پہچان میں نہ آئے، ایسے ایک دو شخص فون پر گواہی دیں، تو ان کا کیا حکم ہے؟

(۵) مطلع صاف ہے اور معتبر گواہی بھی نہیں ملی؛ لیکن دوسری جگہ سے فون پر خبر ملی کہ ہمارے یہاں کل عید ہے، فون بھی ایک دو آدمیوں کا ہے؛ لیکن فون کرنے والے انجان ہیں، تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ کیا عید کا چاند ثابت مانا جائے گا؟

(۶) فون سے دی ہوئی خبر شہادت کے حکم میں ہے یا خبر کے؟ کیا کسی جگہ سے فون پر خبر ملے کہ "کل ہم روزہ رکھیں گے"، یا "کل ہم عید منائیں گے"، اس طرح کے الفاظ سے ملنے والی خبر کو قبول کر کے رمضان یا عید کا اعلان کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

(۱) حنفی مسلک کے مطابق مشرق کا باشندہ مغرب میں جا کر گواہی دے اور اس میں قبول شہادت کی شرطیں موجود ہوں، تو اس کی گواہی قبول کر لی جائے گی، اس شرط کے ساتھ کہ مہینہ ۲۸ رکا نہ ہونے پائے؛ کیوں کہ اسلامی مہینہ ۲۹ یا ۳۰ کا ہوتا ہے۔ [۱]

---

[۱] (واختلاف المطالع) ورؤيته نهارا قبل الزوال وبعده (غير معتبر على) ظاهر (المذهب) وعليه أكثر المشايخ وعليه الفتوى بحر عن الخلاصة (فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب) إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب. (الدر المختار) ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله: بطريق موجب) كأن يتحمل اثنان الشهادة أو يشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبر أن أهل بلدة كذا رأوه، لأنه حكاية. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۹۳، كتاب الصوم، قبيل: باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، ط: دار الفكر - بيروت ☆ حاشية الطحطاوي، ص: ۶۵۶، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال، ت: محمد عبد العزيز، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ الفتا وى =

(۲) مطالع کا اختلاف امر مشاہد ہے، کسی جگہ صبح صادق ہے، تو کسی جگہ آفتاب غروب ہو رہا ہوتا ہے، کسی جگہ ظہر کا تو کسی جگہ عصر یا مغرب یا عشاء کا وقت ہوتا ہے، ان باتوں کو معمولی عقل رکھنے والا بھی سمجھتا ہے۔(۲)

نماز ایک عبادت ہے اور اس کے صحیح ہونے کے لیے اور بندہ پر واجب ہونے کے لیے وقت کا ہونا شرط ہے، اس سے پہلے نماز صحیح نہیں ہوگی۔(۳) اسی طرح روزہ کا بندہ کے ذمہ فرض ہونے کے لیے ماہِ رمضان کا ہونا ضروری ہے۔(۴)

ماہ رمضان وشوال کے ثبوت کے لیے شریعت میں کچھ اصول وقانون مقرر ہیں، مثلاً مطلع صاف ہو، تو رمضان وعید ہر دو موقعے کے لیے ''خبر مستفیض'' -یعنی اتنے افراد کا خبر دینا کہ چاند کے ہونے کا یقین ہو جائے- ضروری ہے، اور اگر مطلع صاف نہ ہو، تو ہلال رمضان کے لیے ایک معتبر شخص کی خبر اور ہلال عید کے

=التاتارخانية: ٣/٣٦٦، كتاب الصوم، الفصل الثاني في رؤية الهلال، ط: زكريا- ديوبند☆البحر الرائق: ٢/٢٩٠، كتاب الصوم، بما يثبت شهر رمضان، ط: دار الكتاب الإسلامي☆مجمع الأنهر: ١/٢٣٩، كتاب الصوم، مايثبت به رمضان، ط: دار إحياء التراث العربي)

(٢) اعلم أن نفس اختلاف المطالع لا نزاع فيه بمعنى أنه قد يكون بين البلدتين بعد بحيث يطلع الهلال له ليلة كذا في إحدى البلدتين دون الأخرى وكذا مطالع الشمس؛ لأن انفصال الهلال عن شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار حتى إذا زالت الشمس في المشرق لا يلزم أن تزول في المغرب، وكذا طلوع الفجر وغروب الشمس بل كلما تحركت الشمس درجة فتلك طلوع فجر لقوم وطلوع شمس لآخرين وغروب لبعض ونصف ليل لغيرهم كما في الزيلعي وقدر البعد الذي تختلف فيه المطالع مسيرة شهر فأكثر على ما في القهستاني عن الجواهر. (رد المحتار على الدر المختار - ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (م: ١٢٥٢هـ): ٢/٣٩٣، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، مطلب في اختلاف المطالع، ط: دار الفكر - بيروت☆تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق-عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ٧٤٣هـ): ١/٣٢١، كتاب الصوم، قبيل: باب مايفسد الصوم وما لا يفسده، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة☆درر الحكام شرح غرر الأحكام-محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا - أو منلا أو المولى - خسرو (م: ٨٨٥هـ): ١/٢٠١، كتاب الصوم، قبيل: باب موجب الإفساد في الصوم، ط: دار إحياء الكتب العربية☆مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ'داماد أفندي' (م: ١٠٧٨هـ): ١/٢٣٩، كتاب الصوم، مايثبت به رمضان، قبيل: باب موجب الفساد، ط: دار إحياء التراث العربي)

(٣) إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ (٤-النساء: ١٠٣)

(٤) شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۔ (٢-البقرة: ١٨٥)

لیے دو معتبر آدمی کی گواہی ضروری ہے۔(۵)

ان تمام صورتوں میں یہ بھی ملحوظ رہے کہ مہینہ ۲۹/دن سے کم اور ۳۰/دن سے زیادہ کا ہونا لازم نہ آئے، کیوں کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اسلامی مہینے کے بارے میں فرمایا ہے کہ یا تو ۲۹/کا ہوگا یا ۳۰/کا۔(۶)

نیز اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید مناؤ۔(۷)

ان تفصیلات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بلاد قریبہ میں تو اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، البتہ بلاد بعیدہ میں معتبر ہے۔ بلاد قریبہ و بعیدہ کا مدار عرف کو قرار دینا چاہیے کہ اکثر بلاد شمالیہ و بلاد جنوبیہ میں اختلافِ مطالع ہوتا ہے، جنوب میں چاند نظر آتا ہے اور شمال میں نظر نہیں آتا۔

اسی قول کو علامہ زیلعی اور صاحب بدائع نے اختیار کیا ہے، علماء دیوبند کی رائے بھی یہی ہے اور اسی کے مطابق ان کا عمل ہے۔(۸)

(۳) فاسق گواہ بننے کے لائق ہے یا نہیں اور اس کی گواہی قابل قبول ہوگی یا نہیں؟ یہ قاضی کی صواب دید پر موقوف ہے، اگر کوئی ایسا شخص ہو، جو ذی وجاہت ہو، معاشرے میں اس کی عزت ہو؛ لیکن اس سے فسق کا کوئی عمل صادر ہوجائے، تو قاضی کے لیے جائز ہے کہ اس کی گواہی قبول کرلے، مثلاً: داڑھی منڈوانے والا، اپنے اس عمل (ڈاڑھی منڈوانے) کی وجہ سے فاسق ہے؛ لیکن ہے وہ امانت دار، کبھی جھوٹ نہیں بولتا، سماج میں عزت وآبرو اور مرتبہ والا ہے، ایسا شخص جب گواہی دے گا اور قاضی اس سے مطمئن ہوگا

(۵) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں آنے والا سوال بہ عنوان: ''ریڈیو، تار اور ٹیلی فون وغیرہ کے ذریعہ موصول ہونے والی چاند کی خبریں''

(۶) ابن عمر رضي الله عنهما، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: إنا أمة أمية، لا نكتب ولا نحسب، الشهر هكذا وهكذا، يعني مرة تسعة وعشرين، ومرة ثلاثين. (صحيح البخاري: ۱/۲۵۶، رقم الحديث: ۱۹۱۳، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا نكتب ولا نحسب، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۳۴۷، رقم الحديث: ۱۵-(۱۰۸۰)، كتاب الصوم، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال، والفطر لرؤية الهلال، وأنه إذا غم في أوله أو آخره أكملت عدة الشهر ثلاثين يوما، ط: ديوبند)

(۷) عن أبي هريرة رضي الله عنه، يقول: قال النبي -صلى الله عليه وسلم- : أو قال: قال أبو القاسم صلى الله عليه وسلم: صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته، فإن أغمي عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين. (صحيح البخاري: ۱/۲۵۶، رقم الحديث: ۱۹۰۹، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: إذا رأيتم الهلال فصوموا، وإذا رأيتموه فأفطروا، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۳۴۷، رقم الحديث: ۱۷-(۱۰۸۱)، كتاب الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال، والفطر لرؤية الهلال، ط: ديوبند)

(۸) رؤیت ہلال، ص: ۵۸-۵۹، ط: دار المعارف، کراچی، ملخصاً۔ مزید تفصیل کے لیے سوال سابق ملاحظہ فرمائیں۔

تو گواہی قبول کرسکتا ہے۔[9] ہاں کوئی ایسا ہو، جس کی شکل وصورت شریعت کے مطابق ہے، نماز بھی پڑھتا ہے، حج بھی کر رکھا ہے؛ لیکن شراب پیتا ہے، بے حیائی کے کام کرتا ہے، نشہ آور اشیاء اور شراب کھلم کھلا بیچتا ہے، یا جوا کھیلتا ہے، عوام کے سامنے گالی گلوچ کرتا ہے، تو ایسے شخص کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔[10]

الغرض لوگوں کی نگاہوں سے بچ بچا کر کوئی شراب بیچتا ہو، یا دیگر گناہوں میں ملوث ہو، تو ایسے شخص کو بھی فاسق وفاجر کہا جائے گا؛ اس کو توبہ کرنی چاہیے، البتہ اس کی گواہی قبول کرنے کا قاضی کو اختیار ہے۔

''درمختار'' میں ہے کہ جو شخص چھپ کر گناہ کرتا ہو اور دوسرا شخص اس کو جانتا ہو، تو اس کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کی گواہی دے کر اس کے گناہ کو ظاہر کرے اور اس میں نقص پیدا کرے۔[11]

---

(9) قال الله تعالى: {يا أيها الذين آمنوا إن جاءكم فاسق بنبإ فتبينوا} [الحجرات:6] أمر بالتبين، والتثبت لا بالرد حتى إذا غلب على ظنه أنه صادق في الشهادة جاز أن يحكم به وعن أبي يوسف - رحمه الله - أن الفاسق إذا كان وجيها في الناس ذا مروءة تقبل شهادته لعدم تمكن تهمة الكذب في شهادته؛ لأنه لو جاهته لا يتجاسر أحد على استئجاره لأداء الشهادة ولمروءته يمتنع عن الكذب من غير منفعة له في ذلك. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق-عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ٧٤٣هـ): ٢١٠/٤، كتاب الشهادت، باب ما يشترط للشهادة في ثبوت الولادة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية- بولاق ☆الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ٥٩٣هـ): ١١٧/٣، كتاب الشهادات، مراتب الشهادات، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت☆ الفتاوى الهندية: ٤٦٦/٣، كتاب الشهادات، الفصل الثاني فيمن لا تقبل شهادته لفسقه، ط: دار الفكر-بيروت)

قال في جامع الفتاوى: وأما شهادة الفاسق، فإن تحرى القاضي الصدق في شهادته تقبل وإلا فلا اهـ فتامل: وفي الفتاوى الحامدية: هذا إذا غلب على ظنه صدقه وهو مما يحفظ درر أول كتاب القضاء، وظاهر قوله وهو مما يحفظ اعتماده اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ٤٦٦/٥، كتاب الشهادات، ط: دار الفكر-بيروت☆بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع- علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ٥٨٧هـ): ٢٧١/٦، كتاب الشهادة، فصل في شرائط ركن الشهادة، ط: دار الكتب العلمية)

(10) ومن يكون معلنا بالفسق فلا مروءة له شرعا فلا يلزم قبول شهادته حتما على وجه لا بد منه. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق: ٢١٠/٤، كتاب الشهادت، باب ما يشترط للشهادة في ثبوت الولادة☆الفتاوى الهندية: ٤٦٦/٣، كتاب الشهادات، الفصل الثاني فيمن لا تقبل شهادته لفسقه، ط: دار الفكر-بيروت)

[11] (وسترها في الحدود أبر) لحديث "من ستر ستر" فالأولى الكتمان إلا لمتهتك، بحر. (الدر المختار مع رد المحتار: ٤٦٤/٥، كتاب الشهادات، ط: دار الفكر - بيروت★ مجمع الأنهر: ١٨٦/٢، كتاب الشهادات، ط: دار إحياء التراث العربي☆البحر الرائق: ٥٩/٧، كتاب الشهادات، ط: دار الكتاب الإسلامي)

لہٰذا مذکورہ تفصیل کی روشنی میں کہ ایسا فاسق، جو مروت والا ہو، کھلم کھلا گناہ کے کام نہ کرتا ہو، گواہی دے اور قاضی و کمیٹی کے کارکن اس سے مطمئن ہو جائیں، تو اس کی گواہی قبول کرنا جائز ہے۔

(۴) فون پر خبر دی جائے کہ رمضان کا چاند ہو گیا ہے اور سننے والے کو اطمینان ہو جائے، تو خود روزہ رکھ سکتا ہے، البتہ دوسرے لوگوں کو روزہ کا حکم نہیں دے سکتا۔ صورت مسئولہ میں - جب کہ آواز بھی نہیں پہچانی جارہی ہے - جس نے فون پر یہ خبر سنی ہے، اس کے لیے بھی روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔ رمضان سمجھ کر اگلے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ روزہ رکھنے کے لیے چاند کا علم ضروری ہے اور جب آپ اس کو جانتے نہیں، تو اس کی خبر سے آپ کو کیسے یقین حاصل ہوگا۔[۱۲]

(۵) پانچ دس جگہ سے فون کے ذریعے اطلاع آئے کہ چاند ہو گیا ہے، لیکن آپ فون کرنے والے کو نہیں جانتے ہیں، تو عید منانا جائز نہیں ہے۔ ہلالِ عید کے لیے (مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں) دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی، یا شہادت علی الشہادت یا (مطلع صاف ہونے کی صورت میں) خبر مستفیض ضروری ہے۔[۱۳] صورت مسئولہ میں فون سے ہلال عید ثابت نہیں ہوگا، الا یہ کہ اس قدر تواتر سے فون آئے کہ ان کا انکار ممکن نہ ہو۔

(۶) فون سے دی ہوئی خبر ''شہادت'' نہیں ہو سکتی۔ شہادت کے تحقق کے لیے گواہوں کا مجلس میں حاضر ہونا ضروری ہے، اس کے بغیر گواہی متحقق نہیں ہوگی، خود ہندوستان میں کوئی شخص کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو،

(۱۲) قال الشيخ المفتي محمد شفيع -رحمه الله-: إنه لا يلزم لثبوت رمضان الشهادة الشرعية، بل يكفي خبر عدل، الخبر على التلفون معتبر إذا عرف المتكلم، وهو ثقة. (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص:۲۰۸، ط: قاسمی کتب خانہ - دیوبند)

حضرت مفتی نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

مطلع صاف نہ ہو، اور موقع ہلال رمضان کے ثبوت کا ہو، تو صرف ایک ٹیلی فون بھی اپنے عمل کے لیے کافی ہوگا، مگر دوسروں کو مجبور کرنا یا ان پر زبردستی کرنا درست نہ ہوگا، البتہ ترغیب دے سکتے ہیں۔ (رؤیت ہلال کا شرعی حکم، ص:۲۵، ط: عظیم بک ڈپو - دیوبند)

حضرت مفتی نظام الدین صاحبؒ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: اور پھر یہ شخص، جو ٹیلی فون پر بول رہا ہے، یہ بھی خوب جانا پہچانا ہو، اور معتبر و متدین شخص ہو، اور اس کی آواز بھی خوب پہچانی جارہی ہو۔ (حوالہ سابق، ص:۲۴)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: کفایت المفتی: ۴/۲۱۶، کتاب الصوم، ط: زکریا - دیوبند ☆ منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۵۰۱، ایفا پبلی کیشنز - نئی دہلی۔

(۱۳) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیں آنے والا سوال بہ عنوان: ''ریڈیو، تار اور ٹیلی فون وغیرہ کے ذریعہ موصول ہونے والی چاند کی خبریں''۔

ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ میں جا کر ہی اس کو گواہی دینی پڑتی ہے؛ لہٰذا فون کے ذریعے دی ہوئی خبر، گواہی کے حکم میں نہیں ہوگی۔ [۱۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] رؤیتِ ہلال کا مدار اور مملکتِ سعودیہ کا اِس بارے میں طرزِ عمل

۱۴۹۱- سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ سعودی عرب میں ہمیشہ سب سے پہلے چاند کی رؤیت ہو جاتی ہے، کبھی اُس کے خلاف نہیں ہوتا، ہمیشہ پوری دنیا سے ایک یا دو دِن پہلے وہاں رویتِ ہلال کا اعلان ہو جاتا ہے، سعودی عرب کی رویت کے بارے میں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ وہاں چاند کو دیکھ کر فیصلہ نہیں کیا جاتا؛ بلکہ (New Moon) قرانِ شمس وقمر ہوتے ہی وہاں رؤیت مان لی جاتی ہے، یا یہ کہ ہمیشہ شہادت ہی پر فیصلہ کرتے ہیں، کبھی عمومی رویت نہیں ہوتی، کبھی قرانِ شمس وقمر کے فوراً بعد رویتِ ہلال کا اعلان ہوتا ہے اور کبھی تو اُس سے پہلے بھی ہو جاتا ہے، قرانِ شمس وقمر کے اوقات سے اِس بات کا پختہ ثبوت ملتا ہے، نیز کئی شہادتیں اِس بات کا ثبوت دیتی ہیں کہ صبح مشرق میں چاند نظر آیا اور اُسی شام سعودی عرب میں رویت کا اعلان ہوا، یا سورج گہن میں ہے اور اُسی وقت سعودی عرب میں رویت کا اعلان ہوا، حالاں کہ یہ ناممکن ہے۔ [سورج گہن کے ثبوت اور سعودی عرب میں اسی دن کے چاند کے اعلان کی تصدیق کی فوٹو کاپی ارسالِ خدمت ہے۔]

سعودی عرب کی رؤیت کے مطابق کبھی چودھویں یا پندرہویں کو بدر نہیں ہوتا؛ بل کہ پندرہویں اور سولہویں کو بدر ہوتا ہے، ہر مشاہدہ کرنے والے کو اِس بات کا بہ خوبی علم ہے، جب کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وہاں رؤیتِ ہلال کمیٹی ہے، اور وہ لوگ دیکھ کر فیصلہ کرتے ہیں، تو اب سوال یہ ہے کہ کیا سعودی عرب کی رویت ہم برطانیہ والوں کے لیے حجت ہے؟ رویتِ ہلال کی اطلاع لینے کا شرعی معتبر طریقہ کیا ہے؟ شعبان و رمضان کی آمد قریب ہے؛ اِس لیے جلد جواب مرحمت فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

---

(۱۴) قال الكمال الشهادة لغة إخبار قاطع وفي عرف أهل الشرع إخبار صدق بإثبات حق بلفظ الشهادة في مجلس القضاء. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق- عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ): ۲۰۶/۴، كتاب الشهادة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۴۶۱/۵، كتاب الشهادات، ط: دار الفكر - بيروت ☆ مجمع الأنهر: ۱۸۵/۲، كتاب الشهادات، ط: دار إحياء التراث العربي)

الجواب حامداً ومصلیا:

رؤیتِ ہلال میں احناف کے یہاں منجمین (ماہرین حساب و ہیئت) کے اصول کا اعتبار نہیں ہے، اِس لیے اگر سعودی عرب میں اثباتِ ہلال منجمین کے قواعد کے مطابق ہوتا ہو اور رویت پر دارو مدار نہ ہو، تو مملکتِ سعودی عرب کا فیصلہ نا قابل اعتبار ہے۔[۱]

لیکن اگر رؤیت کی بنا پر اثباتِ ہلال ہوتا ہے اور سعودی عرب کا یہی دعویٰ ہے کہ ہمیشہ اُن کے ہاں رؤیتِ ہلال کی شہادت پر فیصلہ ہوتا ہے، تو اُن کا فیصلہ درست ہے، اور جس قدر اشکالات اصولِ منجمین پر مبنی ہیں، وہ خود نا قابل اعتبار ٹھہریں گے، رہی یہ بات کہ سعودی عرب میں اگر رویتِ ہلال کا اثبات ہوتا ہو، تو دو دِن کا فرق نہیں ہوسکتا، یا وہاں عمومی رؤیت پر فیصلہ نہیں ہوتا، حالاں کہ مطلع صاف ہونے کی صورت میں جمِ غفیر کی شہادت ضروری ہوتی ہے، ایک دو کی شہادت کافی نہیں، یہ دونوں باتیں قطعی نہیں ہیں۔

چنانچہ حضرت اِمام ابو یوسفؒ کا مسلک ہے کہ ۳۰ رشعبان کو زوال سے پہلے قمر کی رؤیت ہو، تو یہ

(۱) ولا عبرة بقول المؤقتين، ولو عدولا على المذهب، قال في الوهبانية: وقول أولي التوقيت ليس بموجب، وقيل نعم، والبعض إن كان يكثر. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله: ولا عبرة بقول المؤقتين) أي في وجوب الصوم على الناس، بل في المعراج لا يعتبر قولهم بالإجماع، ولا يجوز للمنجم أن يعمل بحساب نفسه، وفي النهر فلا يلزم بقول المؤقتين أنه أي الهلال يكون في السماء ليلة كذا وإن كانوا عدولا في الصحيح كما في الإيضاح وللإمام السبكي الشافعي تأليف مال فيه إلى اعتماد قولهم، لأن الحساب قطعي. اهـ. ومثله في شرح الوهبانية. ــــــــ [مطلب ما قاله السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود] قلت ما قاله السبكي رده متأخرو أهل مذهبه، منهم ابن حجر والرملي في شرحي المنهاج... ــــــــ والاحتمالات التي ذكرها السبكي بقوله ولأن الشاهد قد يشتبه عليه إلخ لا أثر لها شرعا لإمكان وجودها في غيرها من الشهادات اهـ (قوله: وقيل نعم إلخ) يوهم أنه قيل بأنه موجب للعمل، وليس كذلك بل الخلاف في جواز الاعتماد عليهم، وقد حكى في القنية الأقوال الثلاثة فنقل أولا عن القاضي عبد الجبار، وصاحب جمع العلوم أنه لا بأس بالاعتماد على قولهم، ونقل عن ابن مقاتل أنه كان يسألهم ويعتمد على قولهم إذا اتفق عليه جماعة منهم، ثم نقل عن شرح السرخسي أنه يعيد وعن شمس الأئمة الحلواني: أن الشرط في وجوب الصوم والإفطار الرؤية، ولا يؤخذ فيه بقولهم، ثم نقل عن مجد الأئمة الترجماني أنه اتفق أصحاب أبي حنيفة إلا النادر والشافعي أنه لا اعتماد على قولهم. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۸۷/۲، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، مطلب لا عبرة بقول المؤقتين في الصوم، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۱۹۷/۱، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، ط: دار الفكر)

چاند گذشتہ شب کا مانا جائے گا اور ۳۰ شعبان کو یکم رمضان قرار دیا جائے گا، مثلاً یوم الشک جمعہ کو ہے، اور زوال سے قبل چاند نظر آیا، تو جمعہ کے دِن پہلا روزہ شمار ہوگا، اگر چہ احناف کے ہاں یہ قول مفتیٰ بہ نہیں، طرفین کا قول معمول بہا ہے، اگر کوئی اِمام ابویوسفؒ کے قول پر عمل کرے، تو دیگر ممالک کے مقابلہ میں ہندوستان میں ایک روز مقدم ہو جائے گا، معلوم ہوا کہ اختلافِ اقوال کی بنیاد پر ایک جگہ میں ایک روز کی تقدیم ممکن ہے، تو اہل سعودی عرب، اِمام ابویوسفؒ کی روایت کے مطابق رویت کا عمل کریں تو ایک دِن اور بعدِ مسافت اور اختلافِ مطلع کے لحاظ سے دو دِن کا فرق قرین قیاس ہے، اور جب اُن کا دعویٰ ہے کہ وہ رؤیت پر عمل کرتے ہیں، تو اُن کا فیصلہ درست ہے۔ (شامی)[۲]

---

[۲] ورؤيته بالنهار لليلة الآتية مطلقا على المذهب ذكره الحدادي. (الدر المختار) ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله: ورؤيته بالنهار لليلة الآتية مطلقا) أي سواء رئي قبل الزوال أو بعده (وقوله على المذهب) : أي الذي هو قول أبي حنيفة ومحمد، قال في البدائع: فلا يكون ذلك اليوم من رمضان عندهما، وقال أبو يوسف: إن كان بعد الزوال فكذلك وإن كان قبله فهو لليلة الماضية ويكون اليوم من رمضان.

وعلى هذا الخلاف هلال شوال فعندهما يكون للمستقبلة مطلقا ويكون اليوم من رمضان، وعنده لو قبل الزوال يكون الماضية ويكون اليوم يوم الفطر؛ لأنه لا يرى قبل الزوال عادة إلا أن يكون لليلتين فيجب في هلال رمضان كون اليوم من رمضان، وفي هلال شوال كونه يوم الفطر، والأصل عندهما أنه لا تعتبر رؤيته نهارا، وإنما العبرة لرؤيته بعد غروب الشمس لقوله - صلى الله عليه وسلم -: صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته، أمر بالصوم والفطر بعد الرؤية ففيما قاله أبو يوسف مخالفة النص اهـ ملخصا.

وفي الفتح: أوجب الحديث سبق الرؤية على الصوم والفطر، والمفهوم المتبادر منه الرؤية عند عشية آخر كل شهر عند الصحابة والتابعين ومن بعدهم بخلاف ما قبل الزوال من الثلاثين والمختار قولهما اهـ.

قلت: والحاصل: إذا رئي الهلال يوم الجمعة مثلا قبل الزوال فعند أبي يوسف هو لليلة الماضية بمعنى أنه يعتبر أن الهلال قد وجد في الأفق ليلة الجمعة فغاب، ثم ظهر نهارا فظهوره في النهار في حكم ظهوره في ليلة ثانية من ابتداء الشهر؛ لأنه لو لم يكن قبل ليلة لم يمكن رؤيته نهارا؛ لأنه لا يرى قبل الزوال إلا أن يكون لليلتين، فلا منافاة بين كونه لليلة الماضية وكونه لليلتين؛ لأن النهار صار بمنزلة ليلة ثانية وإذا كان لليلة الماضية يكون يوم الجمعة المذكور أول الشهر، فيجب صومه إن كان رمضان، ويجب فطره إن كان شوالا.

وأما عندهما فلا يكون للماضية مطلقا بل هو للمستقبلة وليس كونه للمستقبلة ثابتا برؤيته نهارا؛ لأنه لا عبرة عندهما برؤيته نهارا وإنما ثبت بإكمال العدة؛ لأن الخلاف على ما صرح به في البدائع والفتح إنما هو في رؤيته يوم الشك وهو يوم الثلاثين من شعبان أو من رمضان. فإذا كان يوم الجمعة المذكور يوم الثلاثين من الشهر ورئي فيه الهلال نهارا فعند أبي يوسف ذلك اليوم أول الشهر وعندهما لا عبرة لهذه الرؤية ويكون أول الشهر يوم السبت=

بلکہ خود احناف کے ہاں روایت ہے کہ مطلع صاف ہونے کی صورت میں بھی دو شاہد کی شہادت سے اثباتِ رؤیت ہوسکتا ہے، اسی طرح ایک ایسا شخص جس نے بلند مقام سے چاند دیکھا ہو اور وہ معتبر و عادل ہو تو اُس کی خبر اثباتِ رمضان کے لیے کافی ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم مصریؒ نے جم غفیر کے بجائے دو شاہد کی روایت کو ترجیح دی ہے، اور حضرت علامہ شامیؒ نے بھی اُسے قابل ترجیح فرمایا ہے۔

چناں چہ فرماتے ہیں کہ لوگ رویتِ ہلال کے سلسلہ میں تکاسل کے عادی ہوگئے ہیں، اِس لیے جمِ غفیر پر مدار مشکل ہوگیا ہے، اِس لیے علامہ علاء الدین حصکفیؒ درِمختار میں فرماتے ہیں کہ قاضی کے ہاں (بصورتِ دعویٰ) دو شاہد رویتِ ہلال کی گواہی دیں اور قاضی فیصلہ کردے، تو روزہ لازم ہوجائے گا، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں جو کہ البحر الرائق کی مختار روایت بھی ہے کہ اگر رویت کے مطابق فیصلہ کیا، یا قاضی کا مسلک یہی ہو تو روزہ لازم ہوجائے گا۔ (شامی)[٣]

= سواء وجدت هذه الرؤية أو لا، لأن الشهر لا يزيد على الثلاثين فلم تفد هذه الرؤية شيئا وحينئذ فقولهم هو لليلة المستقبلة عندهما بيان للواقع، وتصريح بمخالفة القول بأنه للماضية، فلا منافاة حينئذ بين قولهم هو للمستقبلة عندهما وقولهم لا عبرة برؤيته نهارا عندهما. (رد المحتار على الدر المختار: ٣٩٢/٢، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، مطلب في رؤية الهلال نهارا، ط: دار الفكر-بيروت)

[٣] (و) قبل (بلا علة جمع عظيم يقع العلم) الشرعي وهو غلبة الظن (بخبرهم وهو مفوض إلى رأي الإمام من غير تقدير بعدد) على المذهب وعن الإمام أنه يكتفى بشاهدين واختاره في البحر وصحح في الأقضية الاكتفاء بواحد إن جاء من خارج البلد أو كان على مكان مرتفع، واختاره ظهير الدين. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله: واختاره في البحر) حيث قال وينبغي العمل على هذه الرواية في زماننا؛ لأن الناس تكاسلت عن ترائي الأهلة فانتفى قولهم مع توجههم طالبين لما توجهوا إليه، فكان التفرد غير ظاهر في الغلط، ثم أيد ذلك بأن ظاهر الولوالجية والظهيرية يدل على أن ظاهر الرواية هو اشتراط العدد لا الجمع العظيم، والعدد يصدق باثنين اهـ وأقره في النهر والمنح ونازعه محشيه الرملي بأن ظاهر المذهب اشتراط الجمع العظيم، فيتعين العمل به لغلبة الفسق والافتراء على الشهر إلخ.

أقول: أنت خبير بأن كثيرا من الأحكام تغيرت لتغير الأزمان، ولو اشترط في زماننا الجمع العظيم لزم أن لا يصوم الناس إلا بعد ليلتين أو ثلاث لما هو مشاهد من تكاسل الناس، بل كثيرا ما رأيناهم يشتمون من يشهد بالشهر ويؤذونه وحينئذ فليس في شهادة الاثنين تفرد من بين الجمع الغفير حتى يظهر غلط الشاهد، فانتفت علة ظاهر الرواية فتعين الإفتاء بالرواية الأخرى.

(قوله: وصحح في الأقضية إلخ) هو اسم كتاب واعتمده في الفتاوى الصغرى أيضا وهو قول الطحاوي، =

اور یہ اصول بھی ہے کہ قاضی کے نزدیک مجتہد فیہا یا مختلف فیہا مسائل میں جو روایت راجح ہو، اُس کے مطابق اگر اُس نے فیصلہ کر دیا، تو وہ لازم ہو جائے گا، اُس کا ابطال اور اُس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہوتا۔ (الاشباہ والنظائر)[۴]

اِس لیے سعودی عرب میں با قاعدہ قاضی کا فیصلہ رؤیت کے بارے میں ہو، تو وہ سعودی عرب کے لوگوں کے لیے تو لازم ہے، خواہ جس کسی روایت کے مطابق ہو، جب بحیثیتِ قضاء یہ فیصلہ جائز ٹھہرا، تو ایسے ممالک جن کے ہاں کوئی مستقل رویت نہیں اور اُن کو دوسرے ممالک ہی کی رویت پر اکتفاء کرنا ضروری ہو گیا ہے اور اُن کے لیے قریب میں کوئی رویت کے مسئلہ میں قابل اعتبار ملک نہیں ہے، تو اِس مجبوری کی حالت میں وہ سعودی عرب کی رویت کے مطابق عمل کر سکتے ہیں، کیوں کہ احناف میں متقدمین کے قول کے مطابق اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں ہے۔ [۵] اور مراکش کی رویت پر بھی عمل ممکن ہے، جہاں سے اطلاع مل جائے اور جس کی رؤیت سابق ہو، اُس پر عمل کیا جائے گا۔

شرائطِ صحت عمل وصحتِ اثبات:

سعودی عرب یا مراکش سے خبر وشہادت کا کوئی ایسا با قاعدہ انتظام ہو سکتا ہو کہ وقت پر اصول وضوابط کے مطابق شہادت حاصل ہو جائے تو ایسا انتظام کرنا ضروری ہے، اور یہ بہ ظاہر مشکل ہے، تو پھر بہ ذریعۂ ریڈیو

= وأشار إليه الإمام محمد في كتاب الاستحسان من الأصل، لكن في الخلاصة ظاهر الرواية أنه لا فرق بين المصر وخارجه معراج وغيره.

قلت: لكن قال في النهاية عند قوله: ومن رأى هلال رمضان وحده صام إلخ، وفي المبسوط: وإنما يرد الإمام شهادته إذا كانت السماء مصحية، وهو من أهل المصر، فأما إذا كانت متغيمة، أو جاء من خارج المصر، أو كان في موضع مرتفع، فإنه يقبل عندنا. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ٣٨٨/٢، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، مطلب ما قاله السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود، ط: دار الفكر - بيروت)

[۴] ومنها: حكم القاضي في المسائل الاجتهادية لا ينقض، وهو معنى قول أصحابنا في كتاب القضاء: إذا رفع إليه حكم حاكم أمضاه إن لم يخالف الكتاب والسنة والإجماع. (الاشباه والنظائر - ابن نجيم المصري (م: ٩٧٠هـ) ص: ٩٠، النوع الثاني من القواعد [قواعد كلية يتخرج عليها ما لا ينحصر من الصور الجزئية] القاعدة الأولى: الاجتهاد لا ينقض بالاجتهاد، ط: الشيخ زكريا عميرات، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۵) تفصیل وتخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیں عنوان: انگلینڈ میں چاند کا مسئلہ اور اس کا حاشیہ نمبر: (۴)۔

خبر نشر ہو یا شہادت نشر ہو دونوں کی خبر درست ہے، یقین اور ظنِ غالب ہلال کمیٹی کا معتبر ہوگا، اِسی طرح ٹیلی فون سے معتبر آدمی کی آواز پہنچائی جا رہی ہے اور یقین یا ظنِ غالب ہو جاتا ہے، تو اُس پر عمل کرنا جائز ہے۔

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔ (۲) (احسن الفتاویٰ: ۴/ ۴۱۶)

[۵] رویتِ ہلال کی تحقیق کے لیے علمِ فلکیات کا سہارا لینا

۱۴۹۲- سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین مندرجۂ ذیل مسائل کے بارے میں:

(۱) علمِ ہیئت و فلکیات اور علمِ نجوم سے استفادہ اور تعاون حاصل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ تاکہ کوئی شخص چاند کی جھوٹی گواہی دے کر مغالطہ میں نہ ڈال دے، جب کہ آج کل جھوٹی گواہی پیشہ بن چکی ہے، تو علمِ فلکیات کا سہارا لے کر چاند کا صحیح تعین ہو سکے۔

(۲) کیا سعودی عرب کی رؤیت حنفی مسلک کے مطابق پوری اُترتی ہے؟ اور برطانیہ کے حنفی المسلک مسلمانوں کے لیے سعودی عرب کی رویت حجت ہے؟

(۳) کیا سورج گہن کے دِن بھی چاند نظر آ سکتا ہے؟ سعودی عرب میں محرم اور رجب میں نظر آیا تھا، ثبوت کے لیے کاغذات اِرسالِ خدمت ہیں۔

(۴) سعودی عربیہ میں ساری دنیا سے پہلے چاند نظر آنے کی کوئی خاص وجہ ہے؟ ہم سے قریب کا ملک مراکش ہے، جہاں باقاعدہ رویت ہوتی ہے، ہمارا مطلع بھی ایک ہے، جب کہ سعودی عرب ہم سے کافی دور ہے، مطلع بھی علاحدہ ہے، تو اِن دونوں جگہوں میں سے ہمیں ہلال کے سلسلہ میں کس کی پیروی کرنی چاہیے؟

---

(۲) سوال: برطانیہ میں ہر وقت ابر رہنے کی وجہ سے رؤیت ہلال ممکن نہیں، تو رمضان و عیدین کا ثبوت کیسے ہوگا؟

جواب: ہلال رمضان کے لیے کسی ایسے ملک کے ریڈیو پر اعتماد کیا جائے، جس کے بارے میں یہ یقین ہو کہ وہاں ضوابطِ شرعیہ کے مطابق رؤیت ہلال کا فیصلہ ہوتا ہے، خواہ یہ ملک کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو، دوسری صورت یہ ہے کہ کسی دوسرے علاقہ کے کسی معتبر عالم سے بہ ذریعہ ٹیلی فون معلوم کر کے اس کے مطابق عمل کیا جائے، بہ شرطے کہ آواز کی پہچان یا دوسرے ذرائع سے یہ معلوم ہو جائے کہ ٹیلی فون پر کون بول رہا ہے۔ بندہ نے مسئلہ اختلاف مطالع پر انفراداً، واجتماعاً بارہا غور کیا ہے، ہر مرتبہ یہی نتیجہ نکلا کہ عند الاحناف بلاد بعیدہ میں بھی اختلاف مطالع غیر معتبر ہے، اور یہی قول مفتیٰ بہ ہے، ضرورت کے پیش نظر بلاد بعیدہ و قریبہ میں فرق کے قائلین کو بھی وسعت سے کام لینا چاہیے۔ ــــــــ ہلال عیدین سے متعلق خبر مستفیض موصول ہو، تو اس پر عمل کیا جائے، ورنہ تکمیل ثلاثین لازم ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۴/ ۴۲۵-۴۲۶، کتاب الصوم، جہاں ہمیشہ ابر کی وجہ سے رؤیت ممکن نہ ہو، ط: دار الاشاعت- دہلی)

الجواب حامداً ومصلیا:

(۱) علمِ فلکیات سے استفادہ اور استعانت میں کوئی حرج نہیں؛ لیکن جب علمِ فلکیات کے اصول حجت شرعیہ سے متعارض ہوجائیں، تو حجتِ شرعیہ کے مقابلے میں اُن کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا، شہادت حجتِ شرعیہ ہے، اگر علمِ فلکیات کے اصول، کسی شاہدِ عدل، موافقِ شرع کی شہادت کے خلاف ہوں، تو اُس وقت شہادت ہی کا اعتبار ہوگا، نہ کہ علمِ فلکیات کے اصولوں کا، علامہ سبکیؒ کا قول ہے کہ شہادت ظنی ہے، اور علمِ حساب قطعی ہے، اِس لیے اگر شہادت حسابِ فلکی کے خلاف ہوجائے تو وہ مردود ہوگی، لیکن دیگر علماءِ شافعیہ نے علامہ سبکیؒ کے اِس قول کی تردید فرمائی ہے، نیز فقہاء نے نقل کیا ہے کہ تمام علماءِ احناف اِس بات پر متفق ہیں کہ منجمین کے قول کا اعتماد اِس بارے میں نہیں ہوگا، اگر چہ وہ عادل ہوں۔ (شامی)[۱]

چناں چہ فرماتے ہیں کہ اگر ۲۹ کو طلوعِ شمس سے پہلے مشرق میں چاند نظر آیا، پھر شام کو غروب کے بعد بھی نظر آیا اور شرعی بینہ رؤیت پر قائم ہوگیا تو حاکم کو رؤیت کی بنا پر فیصلہ کرنا ہوگا، جیسا کہ حدیثِ پاک میں منصوص ہے، اور منجمین کے اِس قاعدے کا اعتبار نہیں ہوگا کہ چاند نظر آئے تو اُسی روز شام کو ہلال نہیں ہوسکتا۔ (ج:۲/ ۳۹۳)[۲]

رہی یہ بات کہ آج کل گواہی میں جھوٹ کا احتمال ہوتا ہے، تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ہر زمانہ میں اِس قسم کے حالات رونما ہوتے رہے ہیں، چناں چہ فقہاءِ کرام نے اِس طرح کے احتمالات کا اعتبار نہیں فرمایا ہے، شریعتِ مطہرہ نے شاہدین کی عدالت کو مدار بنایا ہے، اِس قسم کا عقلی احتمال تو ہر قسم کی شہادت کے متعلق نکالا جاسکتا ہے۔

(۲) اگر سعودیہ کے اثباتِ ہلال کا مدار اصولِ حساب وفلکیات پر ہے، تو اُس کا اعتبار نہیں، اور برطانیہ کے مسلمانوں کے لیے اُس پر عمل کرنا جائز نہیں، اگر اُن کا مدار رویت پر ہو تو جائز ہے، جب کہ یہ

---

[۱] سوال سابق کا حاشیہ نمبر (۱) ملاحظہ فرمائیں۔

[۲] أما إذا رئي يوم التاسع والعشرين قبل الشمس ثم رئي ليلة الثلاثين بعد الغروب، وشهدت بينة شرعية بذلك فإن الحاكم يحكم برؤيته ليلا كما هو نص الحديث، ولا يلتفت إلى قول المنجمين إنه لا تمكن رؤيته صباحا ثم مساء في يوم واحد كما قدمناه عن فتاوى الشمس الرملي الشافعي. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۹۲، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، مطلب ما قاله السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود، ط: دار الفكر - بيروت)

فیصلۂ رویت بقضاءِ قاضی صادر ہوا ہو۔

(۳) اگر سورج گہن کے دِن بھی چاند کے نظر آنے کی گواہی شاہدین عدل نے دی ہے، تو وہ مانی جائے گی، اور اصولِ علمِ فلکیات کا اعتبار اُس وقت نہیں ہوگا۔

(۴) اگر برطانیہ اور مراکش کا مطلع ایک ہو تو عمل مراکش کی رویت کے مطابق ہوگا، مطلع اگر علاحدہ ہے تو جس ملک کی خبر پہلے اور بہ سہولت ملتی ہے تو اُس پر عمل جائز ہوگا۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] عید کے چاند کے متعلق ریڈیو کی خبر

۱۴۹۳- سوال: (۱) عید کے چاند کے لیے ریڈیو سے سنی ہوئی خبر کب معتبر ہوگی؟

(۲) آپ کی کتاب، جو چاند کے متعلق ہے، اس کے صفحہ ۶۱ پر علامہ رحمتی کا مذہب لکھا ہے کہ ریڈیو سے ۵ / یا ۶ / جگہ کی خبر آئی ہو، تو معتبر مانی جائے گی، دریافت یہ کرنا ہے کہ اس [قول] پر عمل کرنا کیسا ہے؟

(۳) ریڈیو پر مسلمان عورت چاند کی خبر نشر کرے، تو کیا اس کو قبول کیا جا سکتا ہے؟ اس سال عید کے چاند کی خبر احمد آباد سے مسلم لڑکی نے نشر کی ہے، اس کو معتبر مان کر عید کرنا کیسا ہے؟

خبر کو معتبر ماننے اور قبول کرنے والا شخص کہتا ہے کہ میں اس لڑکی کی آواز کو پہچانتا ہوں، خلاصہ یہ کہ اس سال عید کے موقع پر احمد آباد سے جو چاند کی خبر آئی ہے، اس کا اعتبار کر سکتے ہیں یا نہیں؟

مفتی شفیع صاحب کی تصنیف ''آلات جدیدہ کے شرعی احکام'' کے صفحہ ۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰ پر ''ہلال کے معاملہ میں آلات جدیدہ کی خبروں کا درجہ'' میں مندرج تفصیل کو دلیل بنا کر عید کے چاند کی خبر، ریڈیو سے، معتبر ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

اگر احمد آباد، بمبئی یا دہلی سے ریڈیو پر خبر دی جا رہی ہے، تو مندرجۂ ذیل باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا: (۱) جہاں سے خبر دی جا رہی ہے، وہاں چاند کمیٹی ہے یا نہیں؟ (۲) وہاں کے ذمہ دار حضرات کی علمی لیاقت اور دینی معلومات کیسی ہے؟

(۳) تفصیل وتخریج کے لیے سوال سابق ملاحظہ فرمائیں۔

اگر یہ دونوں باتیں پائی جائیں، تو اس کے بعد لازم ہے کہ ہلال کمیٹی کا صدر یا کوئی ذمہ دار بہ ذات خود، ریڈیو پر آکر یہ فیصلہ سنائے کہ میرا نام فلاں ہے، میں ہلال کمیٹی کا صدر/ذمہ دار ہوں، ہلال کمیٹی کے سامنے دو تین حضرات نے چاند دیکھنے کی گواہی دی ہے، گواہی کے قبول ہونے کی شرطیں ان میں موجود تھی، اس لیے ہم نے ان کی گواہی کو قبول کیا ہے اور آئندہ کل عید کرنے کا فیصلہ کیا ہے''۔

مذکورہ فیصلہ کو ریڈیو پر سننے کے بعد، سننے والے دو، چار اشخاص اپنے گاؤں کی چاند کمیٹی کے روبرو یا امام کے سامنے اس کو پیش کریں۔ اگر امام صاحب کو شرح صدر ہو، تو عید کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔[1]

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ گورنمنٹ نے آج تک ہلال کمیٹی کے ذمہ دار کو بہ ذات خود ریڈیو پر آنے اور اپنی خبر نشر کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔

ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ہلال کمیٹی کا ذمہ دار کسی کو وکیل بنائے اور وہ مسلمان ہو اور مذکورہ بالا تفصیل کے ساتھ ریڈیو پر خبر دے، تو مذکورہ بالا کاروائی کے بعد ہلال عید کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے، مگر اس کو بھی گورنمنٹ نے قبول نہیں کیا ہے۔

موجودہ دور میں ہلال کمیٹی اور اس کے اندرونی اشخاص کا بھی علم نہیں ہوتا، اور ریڈیو صرف یہ خبر نشر کرتا ہے کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا، صرف اس خبر کی بنیاد پر ہلال عید کا فیصلہ صحیح نہیں ہے۔

(۲) میری کتاب میں مذکور عبارت کا مطلب یہ ہے کہ چار، پانچ یا چھ چاند دیکھنے والے افراد بہ ذات خود ریڈیو پر آکر خبر دیں کہ ''میں قاسم ہوں، احمد آباد کا باشندہ ہوں، میں نے چاند کا مشاہدہ کیا ہے، اور

---

(۱) جس شہر میں باقاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے، عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے، تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے، صرف وہ فیصلہ نشر کرے، جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے اور اس کو نشر کرنے میں پوری احتیاط سے کام لے، جن الفاظ میں فیصلہ دیا گیا ہے، وہ الفاظ بعینہ نشر کیے جائیں، جس ریڈیو پر ایسی احتیاط کی پابندی نہ ہو، اس کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا کسی کے لیے درست نہیں۔
اور جس طرح ایک شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی کا فیصلہ اس شہر اور اس کے مضافات کے لیے واجب العمل ہے، اسی طرح اگر کوئی قاضی یا مجسٹریٹ یا ہلال کمیٹی پورے ضلع یا صوبہ یا پورے ملک کے لیے ہو، تو اس کا فیصلہ اپنے حدود ولایت میں واجب العمل ہوگا۔
(آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص:۱۸۸، باب: ہلال کے معاملہ میں آلات جدیدہ کی خبروں کا درجہ، ط: قاسمی کتب خانہ-دیوبند☆ جواہر الفقہ: ۵/۱۷۷)

میں اس کی خبر دیتا ہوں، مختلف جگہوں سے ایسی پانچ، چھ مختلف افراد کی خبر آئے، تو عید کر سکتے ہیں۔[2]

واضح رہے کہ گورنمنٹ نے اس کی بھی اجازت نہیں دی ہے اور وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ ریڈیو پر وہ کیا بولے گا، ہمیں اعتماد نہیں ہے، اگر آج مسلمانوں کو ریڈیو پر بولنے کی اجازت دے دیں، تو کل دوسری قوم کا کوئی شخص بھی اجازت طلب کر سکتا ہے؛ اس لیے گورنمنٹ کی دشواری بھی ہم سمجھ سکتے ہیں۔

(۳) احمد آباد کے ریڈیو اسٹیشن سے خبر نشر کرنے والی لڑکی کون ہے، اس کا ہمیں علم نہیں ہے، اس لیے اس کا فیصلہ قابل قبول نہیں ہے۔

اب تو آئے دن ریڈیو میں خبر آتی رہتی ہے کہ احمد آباد میں چاند ہو گیا، دہلی میں چاند ہو گیا، پٹنہ میں چاند ہو گیا، وغیرہ، ایسی خبر کا اعتبار نہیں ہے۔

مثال کے طور پر کوئی کہے کہ ترکیسر میں چاند ہو گیا، کوسمبا میں چاند ہو گیا، ایسی ہی ۱۵-۲۰ خبریں آئیں، تو بھی چاند کا ثبوت نہیں ہوگا؛ کیوں کہ خبر دینے والے کی شناخت نہیں ہوتی ہے۔[3]

کوسمبا میں ایک مولانا صاحب نے اس طرح کی خبر کو، چاند سے متعلق میری کتاب سے دلیل پکڑ کر، معتبر مانا تھا، جو کہ غلط ہے، تفصیلاً ''کوساڈی'' میں فتوی لکھا گیا ہے، اسے پڑھ کر اور پڑھا کر لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کریں اور لوگوں کو گمراہی و بدعملی سے بچائیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۲) في الذخيرة قال شمس الأئمة الحلواني: الصحيح من مذهب أصحابنا أن الخبر إذا استفاض وتحقق فيما بين أهل البلدة الأخرى يلزمهم حكم هذه البلدة اهـ ومثله في الشرنبلالية عن المغني. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۹۰، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/۳۹۰، كتاب الصوم، مايثبت به رمضان، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۳) لو شهد جماعة أن أهل بلدة قد رأوا هلال رمضان قبلكم بيوم فصاموا، وهذا اليوم ثلاثون بحسابهم، ولم ير هؤلاء الهلال لا يباح فطر غد، ولا يترك التراويح في هذه الليلة، لأنهم لم يشهدوا بالرؤية، ولا على شهادة غيرهم، وإنما حكوا رؤية غيرهم. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۹۹، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/۲۹۱، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم و مالايفسد، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ مجمع الأنهر: ۱/۲۳۹، كتاب الصوم، باب موجب الفساد، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۹۰، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر-بيروت)

[۷] عرفہ کا روزہ کب رکھا جائے؟ اور ہندوستان میں عید کب شمار ہوگی؟

۱۴۹۴- سوال: کھرالو، مؤرخہ: ۲۲/۱۱/۷۷ ۱۹ء

محترمی جناب مفتی صاحب دارالعلوم ترکیسر، ضلع سورت،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین، اس مسئلے میں کہ حج ۹/ ذی الحجہ کو منائی جاتی ہے، اور دنیا بھر کے مسلمان اس دن عرفہ کا روزہ رکھتے ہیں، پر امسال حج ۷/ ذی الحجہ [ہندوستان کے اعتبار سے] سنیچر کے روز ادا کی گئی، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح نماز، روزہ اور زکات میں اوقات کی پابندی ہے، اور اوقاتِ مکروہہ میں ادا نہیں ہوتے، اسی طرح حج میں بھی ہے یا نہیں؟ یا نویں ذی الحجہ کے بغیر کوئی بھی اگلی پچھلی تاریخ مقرر کر کے حج کی ادائیگی ممکن ہے؟

اس طرح تبدیلیٔ اوقات کی صورت میں فریضہ میں کچھ نقص تو نہ رہ جائے گا؟

اور اگر نقص کا امکان ہو، تو اس وقت حجاجِ کرام کو کیا کرنا چاہیے؟ تقریباً ہر سال تاریخ کا اختلاف ہوتا ہے، یہ جان کر کہ چاند وہاں جلد دکھائی دیا ہو؟ اور یہ ممکن بھی ہے، پر ہمیشہ نہیں، پھر ہندوستان سے عرب کے فاصلے کے حساب سے ایک روز سے زائد کا فرق نہیں ہوسکتا ہے۔

عید، حج کے دوسرے دن منائی جاتی ہے، اب ہمیں [ہندوستان میں] عرفہ اور عید کب منانے چاہئیں، عرفہ حج کا دن ہے، جس دن روزہ رکھا جاتا ہے، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ عرفہ کا روزہ کب رکھا جائے؟ یہاں [ہندوستان میں] ۹/ ذی الحجہ کو حج تو ہو چکا، اور عرفات میں کوئی نہ ہوگا، اور حج تو ختم ہو چکا، تو عرفہ کا روزہ کب رکھا جائے؟ اور عید کب منائی جائے؟ حج کے دوسرے تیسرے روز، یا عرب کے اعتبار سے ۹/ ذی الحجہ اور ۱۰/ ذی الحجہ کو عرفہ اور عید کی جائے؟

اس طرح حج سے عرفہ کی اور عید کی مناسبت قائم نہیں رہتی، ہونا تو یہ چاہیے کہ حج جب بھی ہو، اس روز عرفہ، اور دوسرے روز دنیا بھر کے مسلمانوں کو عید منانی چاہیے، دنیا کے کسی بھی خطے میں رہتے ہوں، اس زمانے میں حج کی تاریخ کی خبر دینا کوئی مشکل امر نہیں۔ کتابی حوالے سے مدلّل جواب مرحمت

فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔　　　　خاکسار: صالح محمد خان غفرلہٗ

الجواب حامداو مصلیا:

جناب کو غلط فہمی ہورہی ہے، حرمین شریفین میں من وجہٍ اسلامی نظام ہے، لہٰذا اثباتِ رویتِ ہلال کے لیے قاضی کے پاس گواہی آتی ہے، شاہدوں کے متعلق تحقیق وتفتیش کے بعد فیصلہ کیا جاتا ہے؛ میں ۱۹۷۳ء میں حرم شریف میں موجود تھا، ۲۹ /شعبان کو مکہ مکرمہ پہنچا، عشاء سے پہلے عمرہ سے فراغت ہوئی، اور عشاء کی اذان کے بعد رمضان شریف کا اعلان ہوا۔ یہی حال عید کے چاند کے متعلق مدینہ شریف میں ہوا، ۲۹ / رمضان کے بعد، ۳۰ / رمضان کی رات شروع ہوئی، عشاء کی نماز سے پہلے اعلان ہوا کہ چاند ہوگیا، لہٰذا آئندہ کل عید ہوگی، لہٰذا آپ کو وہم کرنے کی ضرورت نہیں، خواہ حنبلی، مالکی اور اہلِ حدیث علماء حرمین شریفین کے حکام ہوں؛ کیوں کہ ان کے نزدیک بھی وقت سے پہلے ارکانِ حج جائز نہیں ہیں، لاکھوں حجاج کے حج کا معاملہ ہے، لہٰذا وہ لوگ بھی احتیاط برتتے ہیں۔[1]

عموماً ہر ماہ ایک دو دن کا فرق رہتا ہے، ہمارے یہاں اس وقت ۷ / ذی الحجہ تھی، اور عرب میں ۹ / ذی الحجہ تھی، حج کا ادا ہوجانا، ۹ / ذی الحجہ کو وقوفِ عرفہ پر ہوتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الحج عرفة".[2]

(۱) ص (أو أخطأ الحج بعاشر فقط)

ش: يعني أنه إذا أخطأ جماعة أهل الموسم، وهو المراد بالحج فوقفوا في اليوم العاشر، فإن وقوفهم يجزئهم واحترز بقوله: فقط مما إذا أخطأوا ووقفوا في الثامن، فإن وقوفهم لا يجزئهم، وهذا هو المعروف من المذهب،... وهو قول مالك والليث والأوزاعي وأبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد بن الحسن. (مواهب الجليل في شرح مختصر خليل - شمس الدين أبو عبد الله محمد بن محمد بن عبد الرحمن الطرابلسي المغربي، المعروف بالحطاب الرُّعيني المالكي (م: ۹۵۴هـ): ۹۵/۳، باب الحج، فرع شرب مسكرا حتى غاب عقله اختيارا وفاته الوقوف بعرفة، ط: دار الفكر)

(۲) عن عبد الرحمن بن يعمر، قال: شهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم فأتاه ناس، فسألوه عن الحج؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الحج عرفة، فمن أدرك ليلة عرفة قبل طلوع الفجر من ليلة جمع، فقد تم حجه. (المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي - أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳هـ): ۲۵۶/۵، رقم الحديث: ۳۰۱۶، كتاب مناسك الحج، فرض الوقوف بعرفة، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

عن عبد الرحمن بن يعمر، أن ناسا من أهل نجد أتوا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو بعرفة فسألوه، فأمر مناديا، فنادى: الحج عرفة، من جاء ليلة جمع قبل طلوع الفجر فقد أدرك الحج، أيام منى ثلاثة، فمن تعجل في يومين فلا إثم عليه، ومن تأخر فلا إثم عليه، قال: وزاد يحيى: وأردف رجلا فنادى. (سنن الترمذي: ۱۷۸/۱، رقم الحديث: ۸۸۹، أبواب الحج، باب ما جاء فيمن أدرك الإمام بجمع فقد أدرك الحج، ط: ديوبند)

اس دن کو یوم حج سے تعبیر کرتے ہیں، اس لیے کہ حج کا رکنِ اعظم وقوفِ عرفہ ہے، لہٰذا حجاجِ کرام کو وہاں احکام کی ادائیگی میں تعجیل کرنی چاہیے، اس لیے جس دن وقوفِ عرفہ کا اعلان ہو، ان کے لیے اطاعت ضروری ہے۔

اہلِ ہند کو اپنی رویت پر عمل کرنا ہوگا، ہمارے یہاں ۹؍ذی الحجہ جس دن ہے، اس دن روزہ رکھنا ہے، اور دسویں دن عید کرنی ہوگی۔ (۱) اہلِ عرب اور حرمین شریفین کی تاریخ ہندوستان والوں کے لیے حجت نہیں، اور اہلِ عرب کی تاریخ کے مطابق ۹؍ذی الحجہ کو روزہ رکھنے سے روزہ رکھنے کا ثواب نہیں ملے گا، اس لیے کہ ہندوستان میں وہ ۷؍ یا ۸؍ذی الحجہ کا دن ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۲۴؍ذی الحجہ ۱۹۷۷ء

[۸] ٹیلی فون کی گواہی کا حکم

۱۴۹۵- سوال: ٹیلیفون پر دی جانے والی گواہی کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کا اعتبار کیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ٹیلیفون پر دی جانے والی گواہی شرعی گواہی کے قائم مقام نہیں ہے؛ لہٰذا اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا؛ کیوں کہ گواہوں کا مجلسِ گواہ میں موجود ہونا ضروری ہے اور یہاں (فون پر گواہی دینے کی صورت میں) گواہ مجلس میں موجود نہیں ہیں۔ (۲)

---

(۱) لأن كل قوم مخاطبون بما عندهم وانفصال الهلال عن شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار كما أن دخول الوقت وخروجه يختلف باختلاف الأقطار حتى إذا زالت الشمس في المشرق لا يلزم منه أن تزول في المغرب، وكذا طلوع الفجر وغروب الشمس بل كلما تحركت الشمس درجة فتلك طلوع فجر لقوم وطلوع شمس لآخرين وغروب لبعض ونصف ليل لغيرهم. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ): ۱/۳۲۱، كتاب الصوم، قبيل: باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة ☆ درر الحكام شرح غرر الأحكام - محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا - أو منلا أو المولى - خسرو (م: ۸۸۵هـ): ۱/۲۰۱، كتاب الصوم، قبيل: باب موجب الإفساد، ط: دار إحياء الكتب العربية)

(۲) قال الكمال: الشهادة لغة إخبار قاطع، وفي عرف أهل الشرع إخبار صدق بإثبات حق بلفظ الشهادة في مجلس القضاء. (تبيين الحقائق: ۴/۲۰۶، كتاب الشهادة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق)

ولو سمع من وراء الحجاب لا يسعه أن يشهد لاحتمال أن يكون غيره، إذ النغمة تشبه النغمة إلا إذا كان في الداخل وحده ودخل وعلم الشاهد أنه ليس فيه غيره، ثم جلس على المسلك وليس له مسلك غيره فسمع إقرار=

لیکن فون کا شیوع عام ہے؛ اس لیے بعض کڑی شرطوں کے ساتھ اس کی خبر کا اعتبار کیا گیا ہے۔

ٹیلی فون کی خبر کا اعتبار اس وقت کیا جا سکتا ہے؛ جب کہ شہر میں کسی نے بھی چاند نہ دیکھا ہو اور جہاں سے ٹیلی فون کے ذریعہ چاند کی کی خبر آ رہی ہے، وہاں مستقل طور پر ہلال کمیٹی بھی قائم ہو، شرعی قاضی بھی ہو اور ان کے سامنے گواہوں نے بہ ذات خود گواہی دی ہو، جس کی بنیاد پر قاضی نے رؤیت کا اعلان کیا۔ اس اعلان کو ٹیلی فون کے ذریعے نقل کیا جائے، یا معتبر آدمی نے بہ ذریعۂ ٹیلی فون رؤیت ہلال کمیٹی کو یہ خبر دی ہو کہ میرے سامنے فلاں فلاں آدمی نے چاند دیکھنے کی بات کہی ہے۔ تو ان صورتوں میں فون کی خبر کو معتبر مانا جائے گا۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] اہلِ کناڈا کے لیے، امریکہ والوں کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟

گذشتہ سے پیوستہ

۱۴۹۶- سوال: کناڈا سے قریبی ملک امریکہ ہے، وہاں کے بعض صوبوں میں مسلمان بھی آباد ہیں، تو وہاں سے چاند کی آنے والی خبر کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کناڈا والوں کے لیے امریکہ سے آنے والی خبر کا اعتبار مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ (۲)

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= الداخل، ولا يراه؛ لأنه يحصل به العلم. (الفتاوى الهندية: ۳/ ۴۵۲، كتاب الشهادة، الباب الثاني في بيان تحمل الشهادة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ مجمع الأنهر: ۲/ ۱۹۱، كتاب الشهادات، فصل في بيان أنواع ما يتحمله الشاهد، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ تبيين الحقائق: ۴/ ۲۱۴، كتاب الشهادة، فصل مايشترط للشهادة في ثبوت الولادة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق)

(۱) اگر ملک کے مختلف حصوں اور سمتوں سے دس بیس ریڈیو، اور ٹیلی فون و ٹیلی ویژن یا خط وغیرہ کے ذریعے خود چاند دیکھنے والوں کی طرف سے اطمینان بخش خبریں آ جائیں، تو ان پر اطمینان کیا جا سکتا ہے، شرط یہ ہے کہ خبر دینے والے کی طرف سے شناخت پوری ہو جائے اور وہ یہ بیان کریں کہ ہم نے چاند دیکھا ہے، یا یہ کہ ہمارے سامنے فلاں شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی کے سامنے شہادت پیش ہوئی، اور اس نے شہادت کا اعتبار کر کے چاند ہونے کا فیصلہ کر دیا۔ (آلات جدیدہ کے شرعی احکام - مفتی محمد شفیع صاحبؒ، ص: ۱۸۹، ہلال کے معاملے میں آلات جدیدہ کی خبروں کا درجہ، ط: کتب خانہ قاسمی - دیوبند ☆ رؤیت ہلال، ص: ۵۱، ط: ادارہ ارف التبلیغ، نبیہ منزل - دیوبند)

غور کیجیے! ان تمام صورتوں میں جدید آلات کا اعتبار خبروں میں کیا گیا ہے، شہادت میں نہیں۔　　　　[مجتبیٰ حسن قاسمی]

(۲) سوال سابق [ٹیلی فون کی گواہی کا حکم] کا حاشیہ نمبر (۲) ملاحظہ کریں۔

[۱۰] ''کناڈا'' والوں کے لیے ''باربڈوز'' اور ''پناما'' والوں کی گواہی کا اعتبار

گزشتہ سے پیوستہ

۱۴۹۷-سوال: کناڈا سے جنوب میں باربڈوز اور پناما ہے، وہاں سے آنے والی خبر کا اعتبار کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ ان کی گواہی کا اعتبار کیا جا سکتا ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] ''کناڈا'' والوں کے لیے ''انگلینڈ'' اور ''ڈیوزبری'' سے آنے والی خبروں کا اعتبار

گزشتہ سے پیوستہ

۱۴۹۸-سوال: انگلینڈ یا ڈیوزبری مرکز سے آنے والی چاند کی خبر کا اعتبار کناڈا والے کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیا:

انگلینڈ یا ڈیوزبری یا ان کے علاوہ دوسرا کوئی اور ملک ہو، اگر آپ حضرات نے اپنی ہلال کمیٹی کو وہاں کی ہلال کمیٹی سے منسلک کر رکھا ہے، تو وہاں سے آنے والی رمضان اور عید کے چاند کی خبر کا اعتبار کیا جائے گا، بشرطے کہ مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ خبر آئے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۲] کناڈا والوں کے لیے ''سعودی عرب'' والوں کی خبروں کا اعتبار کرنا

گزشتہ سے پیوستہ

۱۴۹۹-سوال: سعودی عرب سے آنے والی خبروں کا اعتبار کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

اگر سعودی عرب سے آپ کا ملک اتنی دور ہے کہ چاند کی رؤیت میں ایک دن کا فرق لازم ہے- گویا مطلع مختلف ہے، اور وہاں کی رؤیت کا اعتبار کرنے میں مہینہ ۲۸/دن یا ۳۱/کا ہو جاتا ہے- تو وہاں کی چاند کی خبر کا اعتبار کر کے رمضان وعید کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ہے، اور اگر ایک دن کا فرق نہیں ہے، تو مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ وہاں کی خبر کا اعتبار کیا جائے گا۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱-۲-۳) ''ٹیلی فون کی گواہی کا حکم'' کا حاشیہ (صفحہ سابق کا حاشیہ نمبر:۱) ملاحظہ کریں۔

[۱۳] رمضان اور عید کے چاند کے لیے کتنے آدمیوں کی شہادت ضروری ہے؟

۱۵۰۰- سوال: رمضان اور عید کے چاند کے لیے کتنے اور کیسے آدمیوں کی شہادت قابلِ قبول ہے؟ کیا فون کی خبر و گواہی معتبر ہے؟

الجواب حامدًا ومصلّیا:

رمضان اور عید کے چاند کے ثبوت کے لیے اگر مطلع (آسمان) صاف ہو، تو ایک مرد یا دو عورتوں کی گواہی کافی نہیں ہے، بل کہ خبر دینے والوں کی اتنی تعداد ہونی ضروری ہے کہ اُن کی خبر سننے والے کو چاند کے ہونے کا یقین ہو جائے۔(۱)

اور اگر مطلع صاف نہ ہو، تو ایک مرد یا عورت رمضان کے چاند کے لیے ہلال کمیٹی کو بتائے کہ ہم نے خود چاند دیکھا ہے، یا ہمارے سامنے بعض لوگوں نے چاند دیکھنے کی شہادت دی ہے، اور اُن لوگوں میں شہادت کی شرائط بھی موجود ہیں، تو ان کی خبر معتبر ہوگی۔(۲)

(۱) مطلع صاف ہو، تو ایک یا دو ٹیلی فون کی خبر کافی نہیں ہے، بلکہ اتنے لوگوں کی خبر کا ہونا ضروری ہے

---

(۱) قال: "وإذا لم تكن بالسماء علة لم تقبل الشهادة حتى يراه جمع كثير يقع العلم بخبرهم". (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/۱۱۹، كتاب الصوم، فصل في رؤية الهلال، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت)

نعم إذا تواردت أخبار "راديو" متعددة من شتى الجهات، ولا تختلف جهات الأنباء عن البلد الذي لم ير فيه الهلال ببعد يختلف فيه المطلع فيسوغ العمل بهذه الأنباء المرسلة، وتدخل في حد الاستفاضة المفيدة للطمانينة. (معارف السنن- السيد محمد يوسف بن السيد زكريا الحسيني البنوري (م: ۱۳۹۷هـ): ۵/۳۴۰، كتاب الصوم، باب ما جاء أن الصوم لرؤية الهلال والإفطار له، ط: ايج، ايم سعيد، كراتشي، الباكستان)

(۲) **وإن كانت السماء متغيمة، فإنه يقبل خبر الواحدة العدل، ذكرا كان أو أنثى، حرا كان أو عبدا، محدودا في القذف أو لا بعد ما تاب وصار عدلا؛ لأن هذا من باب الإخبار دون الشهادة، يلزم الشاهد الصوم فيتعدى إلى غيره؛ لكنه من باب الدين فيشترط فيه العدالة.** (تحفة الفقهاء- محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۴۰هـ): ۱/۳۴۶، كتاب الصوم، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ المحيط البرهاني- ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۵/۲۸۵، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الأول في العمل بخبر الواحد، ط: دار الكتب العلمية ☆ تبيين الحقائق: ۱/۳۲۱، كتاب الصوم، ط: المطبعة الكبرى الأميرية، بولاق ☆ العناية شرح الهداية: ۱/۳۲۳، فصل في رؤية الهلال، ط: دار الفكر- بيروت)

کہ اُن کا جھوٹ پر متفق ہونا مشکل اور محال ہو، اور عقل بھی اُن کے جھوٹے ہونے کو تسلیم نہ کرے۔ (۱)

(۲) مطلع (آسمان) صاف نہ ہو، تو رمضان کے چاند کے لیے ایک ٹیلی فون کی خبر اپنے عمل کے لیے کافی ہے، دوسرے کو حکم نہیں دے سکتے۔

(۳) بادل کی وجہ سے مطلع صاف نہ ہو اور معاملہ عید وغیرہ کے چاند کا ہو، تو دو گواہ کی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر چاند کا ثبوت نہیں ہوگا، اس صورت میں فون کی خبر معتبر نہیں ہوگی، ہاں جہاں سے فون کے ذریعے خبر دی جارہی ہو، وہاں قاضی یا ہلال کمیٹی کا نمائندہ گواہی لے لے، اور فون کے ذریعے قاضی یا ہلال کمیٹی کو مطلع کردے، تو ہلال عید ثابت ہو جائے گا۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] سعودی عرب میں دیکھے گئے چاند کا ہندوستان میں حکم؟

۱۵۰۱- سوال: سعودی عرب میں ایک دن پہلے چاند نظر آجاتا ہے؛ تو کیا وہاں کے اعلان کے بعد ہمیں چاند کو ثابت مان لینا جائز ہے، یا ہم کیلنڈر کی تاریخ کا اعتبار کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عربی ممالک میں، بالخصوص سعودی عرب میں چاند دیکھ کر چاند کی تاریخ کا اعلان ہوتا ہے، ثبوت شہر کا شریعت میں مدار بھی یہی ہے، کیلنڈر کی تاریخ مدار نہیں۔ (۳)

---

(۱) قد مر تخريجه مراراً عن الأستاذ الشيخ المفتي نظام الدين رحمه الله وفتاواه المسمى بـ 'منتخبات نظام الفتاوى'.

(۲) "ويشترط" في الثبوت "لبقية الأهلة" إذا كان بالسماء علة "شهادة رجلين عدلين أو" شهادة "حر وحرتين غير محدودين في قذف" وإلا فجمع عظيم. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح - حسن بن عمار الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹ھ) ص: ۲۴۳، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال وفي صوم يوم الشك وغيره، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

قال - رحمه الله - (والأضحى كالفطر) أي هلال الأضحى كهلال الفطر حتى لا يثبت إلا بما يثبت به هلال الفطر؛ لأنه تعلق به حق العباد وهو التوسع بلحوم الأضاحي فصار كالفطر. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳ھ): ۳۲۱/۱، كتاب الصوم، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق)

"وهلال الأضحى" في الحكم "كالفطر" فلا بد من نصاب الشهادة مع العلة والجمع العظيم مع الصحو على ظاهر الرواية وهو الأصح لما تعلق به من نفع العباد. (مراقي الفلاح، ص: ۲۴۳)

(۳) عن أبي هريرة رضي الله عنه، يقول: قال النبي - صلى الله عليه وسلم -: أو قال: قال أبو القاسم صلى الله عليه وسلم: صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته، فإن أغمي عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين. (صحيح البخاري: ۲۵۶/۱، رقم الحديث:=

ہماری ہندوستانی تاریخ کے مقابلہ میں وہاں کی تاریخ کبھی ایک دن اور کبھی دو دن آگے ہوتی ہے، زمین کے گول ہونے کی وجہ سے وہاں چاند کبھی ایک دن پہلے نظر آجاتا ہے؛ اس لیے وہاں دیکھا گیا چاند، ہمارے لیے حجت نہیں ہے، وہاں کی گواہی مطلع مختلف ہونے کی وجہ سے ہمارے لیے قابل عمل نہیں۔ (۱)

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] ۲۸/ رمضان کو شوال کے چاند کی خبر آئے تو؟

۱۵۰۲- سوال: کسی جگہ چاند نظر نہ آئے اور ۲۸/ رمضان کو باہر سے خبر آئے یا شرعی گواہی

= ۱۹۰۹، کتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: إذا رأيتم الهلال فصوموا، وإذا رأيتموه فأفطروا، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۴۷، رقم الحديث: ۱۷-(۱۰۸۱)، كتاب الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال، والفطر لرؤية الهلال... الخ، ط: ديوبند)

(وإذا ثبت في موضع لزم جميع الناس) ولا اعتبار باختلاف المطالع... (وقيل: يختلف باختلاف المطالع). وفي التبيين: والأشبه أن يعتبر هذا القول؛ لأن كل قوم يخاطبون بما عندهم، وانفصال الهلال عن شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار كما أن دخول الوقت وخروجه يختلف باختلافهما. وقال في الدرر يؤيده ما مر في أول كتاب الصلاة أن صلاة العشاء والوتر لا تجب بفاقد وقتهما. وفي الاختيار: وذكر في فتاوى الحسامية: إذا صام أهل مصر ثلاثين يوما برؤية، وأهل مصر آخر تسعة وعشرين يوما برؤية، فعليهم قضاء يوم إن كان بين المصرين قرب بحيث يتحد المطلع، وإن كان بعد بحيث يختلف لا يلزم أحد المصرين حكم الآخر. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ 'داماد أفندي' (م: ۱۰۷۸هـ): ۱/ ۲۳۹، كتاب الصوم، ما يثبت به رمضان، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ): ۱/ ۳۲۱، أول كتاب الصوم، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة ☆ درر الحكام شرح غرر الأحكام - محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا - أو منلا أو المولى - خسرو (م: ۸۸۵هـ): ۱/ ۲۰۱، كتاب الصوم، قبيل: باب موجب الإفساد في الصوم، ط: دار إحياء الكتب العربية ☆ رد المحتار: ۲/ ۳۹۳، ط: دار الفكر)

(۱) فأما إذا كانت بعيدة فلا يلزم أحد البلدين حكم الآخر لأن مطالع البلاد عند المسافة الفاحشة تختلف فيعتبر في أهل كل بلد مطالع بلدهم دون البلد الآخر. (بدائع الصنائع: ۲/ ۸۳، كتاب الصوم، فصل شرائط أنواع الصيام، ط: دار الكتب العلمية ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۳۶۵، كتاب الصوم، الفصل: اختلاف المطالع، ط: زكريا - ديوبند ☆ تبيين الحقائق: ۲/ ۱۶۴، كتاب الصوم)

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں عنوان: ''انگلینڈ میں چاند کا مسئلہ''

سے اطلاع پہنچے کہ چاند دیکھا گیا ہے، تو اگلے دن عید کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

شرعاً مہینہ ۲۹ / یا ۳۰ / کا ہی ہوتا ہے، ۲۸ / یا ۳۱ / کا نہیں ہوتا ہے۔ (۱) لہٰذا اگر ۲۸ / رمضان کو چاند کی گواہی آئے، یا باہر سے کوئی خبر آئے، جس کی بناء پر چاند ہونے کا یقین ہو جائے، تو ۲۹ / ویں دن عید کی نماز ہوگی، البتہ ۲۸ / دن کے بعد ہی چاند کے ثبوت سے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ شروع میں چاند کے سلسلے میں غلطی ہوئی ہے اور رمضان ایک دن تاخیر سے شروع کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے ایک دن کے روزہ کی قضا لازم ہوگی۔ (۲)

اگر ۲۸ / کو شب میں چاند کا شرعی ثبوت نہ ہو، بل کہ یوں ہی اڑتی ہوئی خبر ہو، تو ۲۹ / کو روزہ رکھنا لازم ہوگا اور عید کرنا حرام ہوگا۔

نوٹ: مذکور خبر شریعت کے اصول وقواعد کے موافق ہو، تب ہی اگلے دن عید کرنا درست ہوگا، صرف چار پانچ فون قریب کی جگہوں سے آئے ہوں، تو اس پر مدار رکھتے ہوئے ۲۹ / کو عید کرنا صحیح نہ ہوگا۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ابن عمر رضي الله عنهما، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: إنا أمة أمية، لا نكتب ولا نحسب، الشهر هكذا وهكذا، يعني مرة تسعة وعشرين، ومرة ثلاثين. (صحيح البخاري: ۱/۲۵۶، رقم الحديث: ۱۹۱۳، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا نكتب ولا نحسب، ط: ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۱/۳۴۷، رقم الحديث: ۱۵-(۱۰۸۰)، كتاب الصوم، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال، والفطر لرؤية الهلال، وأنه إذا غم في أوله أو آخره أكملت عدة الشهر ثلاثين يوما، ط: ديوبند)

(۲) عن الوليد، قال: صمنا على عهد علي رضي الله عنه ثمانية وعشرين يوما، فأمرنا بقضاء يوم. (السنن الكبرى - أبوبكر البيهقي (م: ۴۵۸هـ): ۴/۴۲۰، رقم الحديث: ۸۲۰۴، باب الشهر يخرج في حساب الصائمين ثماني وعشرين فيقضون يوما واحدا، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

ولو رأوا هلال شعبان وعدوه ثلاثين يوما، ثم شرعوا في صوم رمضان فلما صاموا ثمانية وعشرين يوما رأوا هلال شوال، فعليهم أن يقضوا يوما واحدا، لأنهم غلطوا بيوم واحد بيقين. (الفتاوى التاتارخانية: ۳/۳۶۴، كتاب الصوم، رؤية الهلال، ط: زكريا ديوبند)

إذا صام أهل مصر شهر رمضان على غير رؤية ثمانية وعشرين يوما ثم رأوا هلال شوال إن عدوا شعبان برؤيته ثلاثين يوما، ولم يروا هلال رمضان قضوا يوما واحدا. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۹۹، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، ط: دار الفكر ☆الفتاوى الخانية على هامش الهندية: ۱/۱۹۹، ط: زكريا - ديوبند)

(۳) ثم إنما يلزم الصوم على متأخري الرؤية إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب؛ حتى لو شهد جماعة أن أهل بلدة قد رأوا هلال رمضان قبلكم بيوم فصاموا، وهذا اليوم ثلاثون بحسابهم، ولم ير هؤلاء الهلال لا يباح فطر غد،=

[۱۶] رمضان اور عید کے چاند کے ثبوت کے لیے ریڈیو کی خبر کا حکم

۱۵۰۳- سوال: آل انڈیا ریڈیو یا ریڈیو پاکستان سے باضابطہ شرائط کے ساتھ رمضان المبارک اور عید الفطر کے چاند کا اعلان ہوا؛ لیکن ہمارے یہاں کہیں چاند نظر نہیں آیا، ایسی صورت میں ''ترکیسر ہلال کمیٹی'' (گجرات کی ہلال کمیٹی کی جانب سے تسلیم شدہ) اس ریڈیائی خبر کو معتبر مان کر رمضان اور عید کے چاند کا اعلان کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس کے اس فیصلے کو دوسرے گاؤں اور دیہات والے تسلیم کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

صورت مسئولہ میں ریڈیو کی اطلاع چند شرائط کے ساتھ معتبر مانی جا سکتی ہے:

(۱) جہاں سے یہ خبر نشر ہو رہی ہے، وہ اسلامی ملک ہو اور وہاں کا سربراہ بھی مسلمان ہو۔[۱]

(۲) اگر اسلامی ملک نہ ہو، تو مسلمانوں کا کوئی معتبر اور قابل اعتماد نمائندہ شہادت کے بعد خبر نشر کر رہا ہو۔[۲]

=ولا يترك التراويح في هذه الليلة؛ لأنهم لم يشهدوا بالرؤية، ولا على شهادة غيرهم، وإنما حكوا رؤية غيرهم، ولو شهدوا أن قاضي بلدة كذا شهد عنده اثنان برؤية الهلال في ليلة كذا وقضى بشهادتهما جاز لهذا القاضي أن يحكم بشهادتهما؛ لأن قضاء القاضي حجة وقد شهدوا به كذا في فتح القدير. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۹۹، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، ط: دار الفكر)

(۱) يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (۴۹-الحجرات: ۶)

والصحيح من هذا كله أنه مفوض إلى رأي الإمام. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۸۸، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، مطلب ما قاله السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود، ط: دار الفكر-بيروت)

حتى لو أخبر رجل عدل القاضي بمجيء رمضان يقبل ويأمر الناس بالصوم يعني في يوم الغيم ولا يشترط لفظ الشهادة وشرائط القضاء. (المصدر السابق: ۲/۳۸۹، ☆مجموعة رسائل ابن عابدين: ۱/۲۳۴، بہ حوالہ: أحسن الفتاوى: ۴/۴۲۱، كتاب الصوم، ط: دار الاشاعت-دهلی)

(۲) عن ابن عباس قال: جاء أعرابي إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: إني رأيت الهلال، قال الحسن في حديثه يعني رمضان، فقال: أتشهد أن لا إله إلا الله، قال: نعم، قال: أتشهد أن محمدا رسول الله؟، قال: نعم، قال: يا بلال، أذن في الناس فليصوموا غدا. (سنن أبي داود: ۱/۳۲۰، رقم الحديث: ۲۳۴۰، كتاب الصيام، باب في شهادة الواحد على رؤية هلال رمضان، ط: ديوبند☆ سنن الترمذي: ۱/۱۴۸، رقم الحديث: ۶۹۱، أبواب الصوم، باب ما جاء في الصوم بالشهادة، ط: ديوبند☆ المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي (م: ۳۰۳هـ): ۴/۱۳۲، رقم الحديث: ۲۱۱۳، الصيام، باب قبول شهادة الرجل الواحد=

جہاں سے یہ خبر نشر ہو رہی ہے، ان کا اور آپ کا مطلع ایک ہو، اگر دونوں کا مطلع ایک ہو، تو اس کے ماتحت اضلاع اور صوبہ جات کے لیے یہ خبر معتبر مانی جاسکتی ہے، اور ان کی خبر پر عمل کر سکتے ہیں۔ (۱)

لیکن اگر کسی دوسرے ایسے ملک سے خبر نشر ہو رہی ہے، جہاں کا مطلع آپ کے مطلع سے مختلف ہو، تو اس ملک کا فیصلہ دیگر مقامات اور دیگر صوبہ جات کے لیے معتبر نہ ہوگا۔ (۲)

لہٰذا مذکورہ ہلال کمیٹی [ترکیسر ہلال کمیٹی] چاند کے متعلق اگر کوئی فیصلہ صادر کرے، تو اس کے ماتحت اضلاع اور صوبوں کے لیے اس فیصلے پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] دوسرے ملک کی رویت ہلال کا حکم

۱۵۰۴- سوال: روانڈہ (۳) کے حبشی لوگ، چاند کے تعلق سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی خبروں پر

=علی هلال شهر رمضان، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية- حلب)

(ولو كانوا ببلدة لا حاكم فيها صاموا بقول ثقة وأفطروا بإخبار عدلين) مع العلة (للضرورة) [الدر المختار]

قال ابن عابدين: (قوله: ببلدة) أي أو قرية قال في السراج: ولو تفرد واحد برؤيته في قرية ليس فيها وال ولم يأت مصرا ليشهد وهو ثقة يصومون بقوله. اهـ. قلت: والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به واحتمال كون ذلك لغير رمضان بعيد إذ لا يفعل مثل ذلك عادة في ليلة الشك إلا لثبوت رمضان (قوله: لا حاكم فيها) أي لا قاضي ولا والي كما في الفتح. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۸۶، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر)

(۱) وفي القدوري: إذا كان بين البلدتين تفاوتاً لا تختلف المطالع لزم حكم إحدى البلدتين حكم البلدة الأخرى، فأما إذا كان تفاوتاً تختلف المطالع لم يلزم إحدى البلدتين حكم البلدة الأخرى. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني- ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۲/ ۳۷۹، كتاب الصوم، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۳۶۵، كتاب الصوم، الفصل: اختلاف المطالع، ط: زكريا- ديوبند)

هذا إذا كانت المسافة بين البلدين قريبة لا تختلف فيها المطالع. (بدائع الصنائع: ۲/ ۸۳، كتاب الصوم، فصل شرائط أنواع الصيام، ط: دار الكتب العلمية☆ إعلاء السنن: ۹/ ۱۱۸-۱۱۹ كتاب الصوم، باب تعليق الصوم برؤية الهلال، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية- پاكستان)

(۲) فأما إذا كانت بعيدة فلا يلزم أحد البلدين حكم الآخر لأن مطالع البلاد عند المسافة الفاحشة تختلف فيعتبر في أهل كل بلد مطالع بلدهم دون البلد الآخر. (بدائع الصنائع: ۲/ ۸۳، كتاب الصوم، فصل شرائط أنواع الصيام، ط: دار الكتب العلمية☆ الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۳۶۵، كتاب الصوم، الفصل: اختلاف المطالع، ط: زكريا- ديوبند☆ تبيين الحقائق: ۲/ ۱۶۴، كتاب الصوم)

(۳) روانڈہ (Rwanda) افریقہ کا ایک ملک، ۱۹۶۲ء میں بلجیم (Belgium) سے آزاد ہوا، راجدھانی کیگالی (Kigali) ہے۔

اعتماد کر کے روزے رکھتے ہیں اور عید بھی مناتے ہیں؟ کیا یہ صحیح ہے؟ کیا ہم ان کی موافقت کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

آپ لوگ جس ملک میں رہتے ہیں، اس کے اڑوس پڑوس میں جو اسلامی ملک واقع ہے، اس کی گواہی اور اعلان پر آپ کے لیے روزے رکھنا اور عید منانا جائز ہے، جس طرح لندن والوں کے لیے مراقش کی خبروں اور گواہی کا اعتبار کر کے عید منانا جائز ہے۔[1]

اگر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ آپ کے پڑوس میں واقع ہے اور طلوع وغروب میں ایک گھنٹے سے زیادہ کا فرق نہیں پڑتا، تو وہاں کی ریڈیوں کی خبر کے مطابق عمل کر سکتے ہیں، جب کہ وہ فیصلے کا اعلان کرے۔

اگر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ آپ کے ملک سے زیادہ دور ہے، تو پھر آپ کے لیے وہاں سے آنے والی خبر پر عمل کرنا جائز نہیں، کیوں کہ زیادہ دور ہونے کی وجہ سے بسا اوقات مطلع مختلف ہو جاتا ہے، اور جن دو ملکوں کا مطلع الگ ہو، ان میں سے کسی کے لیے، دوسرے کی رؤیت کا اعتبار نہیں ہوتا۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] افریقی ملک کے لوگوں کا ہلال میں سعودی عرب کی پیروی کرنا

۱۵۰۵- سوال: ہمارے یہاں افریقہ میں روانڈا کے مسلمان ہلالِ رمضان وعیدین میں سعودی عرب کی رؤیت کی پیروی کرتے ہیں، لہٰذا اُن کا رمضان ہم سے دو یا تین دِن پہلے شروع ہوتا ہے، اور دو یا تین دِن قبل ہی ختم بھی ہو جاتا ہے، نیز عیدین کی نماز بھی وہ ہم سے دو یا تین دِن قبل پڑھ کر فارغ ہو جاتے ہیں، تو اُن کے لیے سعودی عرب کی پیروی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

اگر رمضان میں چاند دیکھا گیا ہے، تو اُس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے، اب عید کا چاند نظر آیا تو فبہا، ورنہ رمضان کے تیس دِن مکمل کرنے کے بعد عید الفطر منانا چاہیے، اگر چار یا پانچ مہینے سے چاند بالکل

---

(۱) تقدم تخریجه تحت عنوان: انگلینڈ میں چاند کا مسئلہ، سعودی عرب میں دیکھے گئے چاند کا ہندوستان میں حکم؟ رمضان اور عید کے چاند کے ثبوت کے لیے ریڈیو کی خبر کا حکم۔

(۲) و أجمعوا أنه لا يراعي ذلك في البلدان النائية جدا كالأندلس، و الحجاز، و أندونيسا و المغرب العربي. (الفقه الإسلامي و أدلته: ۶۰۴/۳، دار الفكر)

نظر نہ آیا ہو، تب ہی دوسرے ملک کی اطلاع کا اعتبار ہوگا، جو ملک قریب ہو اور وہاں بقضاءِ قاضی رویت کا فیصلہ ہوتا ہو، اُس کی پیروی کی جائے، اگر سعودی عرب نزدیک میں ہے، تو اُس کی پیروی کی جائے، لیکن جہاں تک ممکن ہو، رؤیت ہی کا اعتبار کرنا چاہیے، پھر قریب کے ملک کا، اپنی اٹکل کا اعتبار بالکل نہ کرنا چاہیے، پھر ہمیشہ کسی ایک ہی ملک کی پیروی کرنی چاہیے، کبھی کینیا کی اور کبھی افریقہ کے لوگوں کی پیروی کرنا درست نہیں، کوئی بھی ایک لائحۂ عمل طے کیا جائے۔ (۱) فقط، واللہ اَعلم بالصواب۔

[۱۹] دو قریبی ملک کی رؤیت، ایک دوسرے کے لیے کافی ہوگی

۱۵۰۶- سوال: ہمارے یہاں نیوزی لینڈ میں رمضان المبارک اور عید الفطر و عید الاضحیٰ کے چاند کے بارے میں مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے ہر سال اختلاف ہوتا ہے۔ یہاں سے جزیرۂ فیجی تقریباً ۱۳۰۰ر میل کی دوری پر واقع ہے، نیوزی لینڈ اور فیجی انٹرنیشنل ریڈ لائن پر برابر ہے، اب سوال یہ کہ کیا جزیرۂ فیجی کی چاند کمیٹی، چاند کی رؤیت کا فیصلہ کرے، تو اس پر نیوزلینڈ والے عمل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مختلف صحابۂ کرام کو مختلف ممالک کا گورنر بنا کر بھیجا تھا، تو یہ نصیحت فرمائی تھی کہ: "یسروا ولا تعسروا" یعنی عوام کو ہر ممکن سہولت و آسانی پہنچانے کی کوشش کرنا، اور ان کے لیے مشقت و دشواری کی راہ منتخب نہ کرنا۔ (۲)

---

(۱) قد مر تفصیله و تخریجه مرارا.

(۲) عن أنس بن مالك -رضي الله عنه- عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: يسروا ولا تعسروا، وبشروا، ولا تنفروا. (صحيح البخاري: ۱/۱۶، رقم الحديث: ۶۹، كتاب العلم، باب ما كان النبي صلى الله عليه وسلم يتخولهم بالموعظة والعلم كي لا ينفروا ☆ رقم الحديث: ۶۱۲۵، كتاب الأدب، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: "يسروا ولا تعسروا" وكان يحب التخفيف واليسر على الناس، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۲/ ۸۲-۸۳، رقم الحديث: ۸-(۱۷۳۴)، كتاب الجهاد والسير، باب تأمير الإمام الأمراء على البعوث، ووصيته إياهم بآداب الغزو وغيرها، واللفظ للبخاري، ط: ديوبند)

وفيه الأمر للولاة بالرفق، وهذا الحديث من جوامع الكلم لاشتماله على خيري الدنيا والآخرة، لأن الدنيا دار الأعمال، والآخرة دار الجزاء، فأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما يتعلق بالدنيا بالتسهيل، وفيما يتعلق بالآخرة بالوعد بالخير والإخبار بالسرور تحقيقا لكونه رحمة للعالمين في الدارين. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري-بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۲/ ۴۷، كتاب العلم، باب ما كان النبي يتخولهم بالموعظة والعلم كي لا ينفروا، ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

فقہاء کرام نے مختلف نصوص کے پیش نظر یہ اصل بیان فرمائی ہے: "المشقة تجلب التيسير" کہ مشقت آسانی کو پیدا کرتی ہے۔ (۱)

ان دو اصول کو سامنے رکھ کر جواب ملاحظہ فرمائیں:

چاند کے سلسلے میں شرعی ضابطہ ہے: "صوموا الرؤيته وافطروا الرؤيته" یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو۔ (۲)

لیکن یہ اس وقت ہے، جب کہ مطلع بالکل صاف ہو، اگر آسمان ابر یا غبار آلود ہو، تو اس وقت علماء نے رمضان المبارک کے چاند کے سلسلے میں یہ حکم بیان کیا ہے کہ کسی معتبر آدمی کی خبر سے رویت ثابت ہو جائے گی۔ (۳)

چوں کہ آپ ایسی جگہ کے بارے میں مسئلہ دریافت کر رہے ہیں، جہاں مطلع صاف نہیں رہتا ہے اور چاند کے دکھنے کا احتمال ہی نہیں ہے، تو اس سلسلے میں حکم یہ ہے کہ آپ اس ملک سے، جس کا مطلع، آپ کے ملک کے مطلع سے مختلف نہ ہو، رابطہ قائم کر کے اپنے مسئلہ کو حل کریں۔ (۴)

---

(۱) الأشباه و النظائر- زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (م:۹۷۰ھ)، ص:۶۴، القاعدة الرابعة، ت: الشيخ زكريا عميرات، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ شرح القواعد الفقهية-أحمد بن الشيخ محمد الزرقا (۱۲۸۵-۱۳۵۷ھ)، ص:۱۵۷، ت: مصطفى أحمد الزرقا، ط: دار القلم- دمشق/سوريا.

(۲) صحيح البخاري: ۱/۲۵۶، رقم الحديث: ۱۹۰۹، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: إذا رأيتم الهلال فصوموا، وإذا رأيتموه فأفطروا، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۳۴۷، رقم الحديث: ۱۷-(۱۰۸۱)، كتاب الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال، والفطر لرؤية الهلال... الخ، ط: ديوبند.

(۳) وإن كانت السماء متغيمة، فإنه يقبل خبر الواحدة العدل، ذكرا كان أو أنثى، حرا كان أو عبدا، محدودا في القذف أو لا بعد ما تاب وصار عدلا؛ لأن هذا من باب الإخبار دون الشهادة، يلزم الشاهد الصوم فيتعدى إلى غيره؛ لكنه من باب الدين فيشترط فيه العدالة. (تحفة الفقهاء- محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۴۰ھ): ۱/۳۴۶، كتاب الصوم، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ المحيط البرهاني- ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:۶۱۶ھ): ۵/۲۸۵، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الأول في العمل بخبر الواحد، ط: دار الكتب العلمية ☆ تبيين الحقائق: ۱/۳۲۱، كتاب الصوم، ط: المطبعة الكبرى الأميرية، بولاق ☆ العناية شرح الهداية: ۱/۳۲۳، فصل في رؤية الهلال، ط: دار الفكر- بيروت)

(۴) وفي القدوري: إذا كان بين البلدتين تفاوتاً لا تختلف المطالع لزم حكم إحدى البلدتين حكم البلدة الأخرى، فأما إذا كان تفاوتاً تختلف المطالع لم يلزم إحدى البلدتين حكم البلدة الأخرى. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني- ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:۶۱۶ھ): ۲/۳۷۹، كتاب الصوم، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ الفتاوى التاتار خانية: ۳/۳۶۵، كتاب الصوم، الفصل: اختلاف المطالع، ط: زكريا- ديوبند)

آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ نیوزی لینڈ اور فیجی کا مطلع ایک ہے؛ اس لیے اہل فیجی اور اہل نیوزی لینڈ اپنے یہاں ہلال کمیٹی قائم کریں اور دونوں کمیٹی کے ذمہ داران، آپس میں رابطہ میں رہیں، جب نیوزی لینڈ میں چاند دکھ جائے، تو وہاں کی کمیٹی کے ذمے داران فیجی کی کمیٹی کے ذمے داران کو مطلع کر دیں۔ اس طرح سب ایک ساتھ، رمضان کے روزے ادا کر سکیں گے اور عید منا سکیں گے۔

جب ذمہ داران فون سے رابطہ قائم کریں، تو بہتر ہے کہ ایسا آدمی بات کرے، جن کی آواز دوسرے ملک کی کمیٹی کے ذمے داران پہچانتے ہوں، یہ مزید تقویت کا باعث ہوگا، نیوزی لینڈ والے اہل فیجی کو یہ بھی بتا دیں کہ ریڈیو یا ٹی وی پر چاند کی خبر کب نشر کی جائے گی، تاکہ وقت مقررہ پر اس کی سماعت کی جا سکے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] صرف رمضان میں نماز کی پابندی کرنے والے شخص کی گواہی کا حکم

۱۵۰۷-سوال: ایک شخص سال کے گیارہ مہینے نماز کی پابندی نہیں کرتا ہے؛ لیکن رمضان میں بڑی پابندی کرتا ہے، تو کیا ایسے آدمی کی چاند کے معاملے میں گواہی معتبر مانی جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ ذی وجاہت ہو اور آپ کو اس کے سچ بولنے کا یقین ہو، تو اس کی بات پر عمل کی گنجائش ہے، اس کی شہادت قبول کی جا سکتی ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱)...(والعدالة) وهي كون حسنات الرجل أكثر من سيئاته وهي الانزجار عما يعتقده حراما في دينه وهذا يتناول الاجتناب من الكبائر وترك الإصرار على الصغائر.ـــــــ وعن أبي يوسف أن الفاسق إن كان وجيها ذا مروءة تقبل شهادته، والأول أصح إلا أن القاضي لو قضى بشهادة الفاسق يصح عندنا خلافا للشافعي ولنا أن العدالة شرط وجوب العمل بالشهادة لا شرط أهلية الشهادة لأن الفاسق أهل للقضاء والشهادة. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، المعروف بـ'داماد أفندي' (م:۱۰۷۸هـ):۱۸۸/۲، أول كتاب الشهادة، ط: دار إحياء التراث العربي☆درر الحكام شرح غرر الأحكام-محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا-أو منلا أو المولى-خسرو (م:۸۸۵هـ):۳۷۲/۲، كتاب الشهادات، نصاب الشهادة، ط: دار إحياء الكتب العربية☆البناية شرح الهداية-بدر الدين العيني (م:۸۵۵هـ):۱۱۲/۹، اشترط العدالة في الشهادة☆ المبسوط - شمس الأئمة السرخسي (م:۴۸۳هـ):۱۳۱/۱۶، باب من لاتجوز شهادته، ط: دار المعرفة-بيروت)

[۲۱] فون کے ذریعہ چاند کی اطلاع

۱۵۰۸- سوال: بہ ذریعہ فون چاند کی اطلاع ترکیسر کی ہلال کمیٹی کو پہنچی اور چاند دیکھنے والے نے خود فون پر چاند کی اطلاع دی، ان کی عدالت وصداقت کے متعلق اس بستی کے کچھ لوگوں نے فون پر اپنی گواہی بھی دی، تو کیا اس کی دی گئی خبر معتبر ہوگی یا نہیں؟ نیز فون ریسیو کرنے والے ہلال کمیٹی کے صرف ایک ہی فرد ان ساری کارروائی کو سنتے ہیں، تو کیا صرف ایک فرد کا سننا کافی ہے یا دوسرے کا بھی سننا ضروری ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

فون پر چاند دیکھنے کی اطلاع دینے والا بہ چشم خود دیکھنے کی اطلاع دیتا ہو اور اس خبر دینے والے کو آپ جانتے ہوں، کہ یہ عادل ہے، تو اس کی خبر کا اعتبار کرنا اور ثبوت رمضان کا اعلان کرنا جائز ہے۔ (۱)

اور اگر اس خبر دینے والے کو آپ نہ جانتے ہوں، تو اس کے لیے تزکیہ کی ضرورت پڑے گی اور تزکیہ کرنے کے لیے دو آدمی کا ہونا ضروری ہے۔

واضح رہے کہ ٹیلی فون پر چاند کی خبر دینے والے کے سلسلے میں مذکورہ تفصیل اس وقت ہے، جب کہ وہ یا تو بہ چشم خود چاند دیکھنے کی گواہی دیتا ہو، یا قاضی کے فیصلے کی خبر دیتا ہو، اگر کسی کی سنی سنائی بات کو نقل کرتا

---

(۱) مسئلہ کی پوری تفصیل کے لیے ناچیز کی درج ذیل تحریر ملاحظہ فرمائیں:

"ثبوت ہلال کے معاملے میں دو موقعہ پر خبر کو کافی سمجھا گیا ہے، ایک تو یہ کہ مطلع ابر آلود ہو اور معاملہ رمضان کے چاند کا ہو، اس موقع سے ایک آدمی کی خبر کافی ہوتی ہے؛ اس لیے اس صورت میں کوئی معتبر شخص فون کے ذریعے خبر دے اور اس کی پوری شناخت کر لی گئی ہو، تو یہ خبر ثبوت ہلال کے لیے کافی سمجھی جانی چاہیے۔ دوسرے جب کہ مطلع صاف ہو، تو "خبر مستفیض" کی ضرورت پڑتی ہے اور "خبر مستفیض" درحقیقت اتنی بڑی جماعت کی خبر ہے، جن کا جھوٹ پر متفق ہونا ناقابل تصور ہو؛ اس لیے اگر ٹیلی فون کے ذریعے اتنی مقدار میں خبریں موصول ہوں کہ جن پر "خبر مستفیض" کا اطلاق ہوتا ہے، تو اس سے چاند کا ثبوت ہو جائے گا۔

لیکن اگر مطلع ابر آلود ہو اور معاملہ عید کے چاند کا ہو، تو اس صورت میں ٹیلی فون کی اطلاع سے ہلال عید ثابت نہیں ہوگا کہ اس میں شہادت کی ضرورت پڑتی ہے، جب کہ فون کے ذریعے شہادت نہیں دی جا سکتی، البتہ ایسے موقعے پر یہ تدبیر اختیار کرنی چاہیے کہ مختلف مقامات پر ہلال کمیٹی یا قاضی کے نمائندے بہ ذات خود جا کر گواہی لے لیں اور پھر اس کی اطلاع فون کے ذریعے دے دیں۔" (اسلام اور جدید ذرائع ابلاغ، ص: ۱۶۲، فون اور ثبوت ہلال، ط: دار العلوم مدنی دار التربیت، کرمالی) [مجتبیٰ حسن قاسمی]

ہو، تو اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، یعنی اس کی بات قابل قبول نہ ہوگی۔ (۲)

ہلال رمضان کے ثبوت کے لیے نہ شہادت کی ضرورت ہے اور نہ حکم حاکم کی؛ بلکہ کسی بھی عادل فرد کا بچشم خود دیکھنے کی خبر دینا کافی ہے، اس کی بات پر عمل کر کے سامع کے لیے روزہ رکھنا ضروری ہوگا۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] مکہ مکرمہ میں مقیم ہندستانی پاکستان کی رؤیت کا اعتبار کرے یا مقامی اعلان کا؟

۱۵۰۹-سوال: ہندوستان والوں نے، پاکستان والوں سے ایک دن قبل مکہ مکرمہ میں عید قرباں منائی، تو ان کا حج اور قربانی درست ہوگی؟ سوال کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے سنا ہے کہ سعودیہ والے کیلنڈر دیکھ کر چاند کا اعلان کرتے ہیں، چاند دیکھنے کا اہتمام نہیں کرتے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

ہندوستان اور پاکستان کی اسلامی تاریخ ایک ہی رہتی ہے، کوئی فرق نہیں، البتہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ہندوستان کے مقابلے میں تاریخ ایک دن آگے ہوتی ہے اور کبھی کبھی دو دن بھی آگے ہوجاتی ہے۔

اس لیے مکہ مکرمہ میں موجود ہندستانی کے لیے لازم ہے کہ وہ وہاں کے اعتبار سے عید منائیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں ان کا عید منانا اور حج وقربانی کرنا؛ سب درست ہے، اس میں شک وشبہ کی کوئی وجہ نہیں۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے علمائے کرام چاند کے متعلق اپنی ذمہ داری صحیح طور پر ادا کر رہے ہیں،

---

(۲) (قوله: بطريق موجب) كأن يتحمل اثنان الشهادة، أو يشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية ح. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۹۴، قبيل: باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، ط: دار الفكر- بيروت☆حاشية الطحطاوي على المراقي، ص: ۶۵۶، فصل فيما يثبت به الهلال و في يوم الشك، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية☆جواهر الفقه: ۵/ ۱۷۷-۱۷۸)

(۳) وإن كانت السماء متغيمة، فإنه يقبل خبر الواحدة العدل، ذكرا كان أو أنثى، حرا كان أو عبدا، محدودا في القذف أو لا، بعد ما تاب وصار عدلا؛ لأن هذا من باب الإخبار دون الشهادة، يلزم الشاهد الصوم فيتعدى إلى غيره؛ لكنه من باب الدين فيشترط فيه العدالة. (تحفة الفقهاء- محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۴۰هـ): ۱/ ۳۴۶، كتاب الصوم، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆المحيط البرهاني- ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۵/ ۲۸۵، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الأول في العمل بخبر الواحد، ط: دار الكتب العلمية☆ تبيين الحقائق: ۱/ ۳۲۱، كتاب الصوم، ط: المطبعة الكبرى الأميرية، بولاق☆العناية شرح الهداية: ۱/ ۳۲۳، فصل في رؤية الهلال، ط: دار الفكر- بيروت)

دنیوی قانون کے رو سے [صرف کیلنڈر دیکھ کر] وہ حضرات تاریخ کا اعلان نہیں کرتے، اس لیے شک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، گواہی سے چاند ثابت ہو جانے کے بعد ہی وہاں کے قاضی اور حکومت کے ذمہ داران چاند کا فیصلہ کرتے ہیں۔

میں ۱۳۹۳ھ میں حج کے لیے گیا تھا، ۲۹ر شعبان کو عصر کے وقت وہاں پہنچا، چاند کا اعلان عشاء کی نماز کے وقت ہوا تھا، اسی طرح مدینہ منورہ میں ۲۹ر رمضان المبارک کو چاند کا اعلان عشاء کی نمازِ فرض و تراویح کے بعد ہوا تھا، اس سے یقینی طور پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ حرمین شریفین کے ذمہ داران، رؤیت ہلال کے شرعی ثبوت کے بعد ہی چاند کا اعلان کرتے ہیں اور طلوع و غروب کے اعتبار سے کبھی ایک دن کا اور کبھی دو دن کا فرق پڑتا ہے۔ (☆☆☆) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] ریڈیو، تار اور ٹیلی فون وغیرہ کے ذریعہ موصول ہونے والی چاند کی خبریں

۱۵۱۰- سوال: ریڈیو، تار، ٹیلی فون اور وہ خطوط جو پوسٹ کے ذریعہ ہمیں موصول ہوتے ہیں، جس میں چاند کے متعلق خبریں ہوتی ہیں، شرعاً اس پر عمل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور عمل کرنے کے لیے کیا شاہدین کا سامنے ہونا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر فضاء ابر آلود ہو اور رمضان المبارک کے چاند کے متعلق ایک دین دار شخص خبر دے کہ میں نے چاند دیکھا ہے، خواہ بالمشافہ خبر دے یا خط کے ذریعے، جب کہ آپ لکھنے والے کی تحریر کو اچھی طرح پہچانتے ہیں، (۱)

(☆☆☆) تفصیل کے لیے دیکھیے: رؤیت ہلال- مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ (م:۱۹۷۶ء) باب: عام اسلامی ممالک میں رؤیت ہلال، ط: ادارہ اشرف التبلیغ، نبیہ منزل، دیوبند۔

(۱) قال في خزانة الأكمل: أجاز أبو يوسف ومحمد العمل بالخط في الشاهد والقاضي والراوي إذا رأى خطه ولم يتذكر الحادثة قال في العيون: والفتوى على قولهما إذا تيقن أنه خطه سواء كان في القضاء أو الرواية أو الشهادة على الصك، وإن لم يكن الصك في يد الشاهد، لأن الغلط نادر وأثر التغيير يمكن الاطلاع عليه، وقلما يشتبه الخط من كل وجه فإذا تيقن جاز الاعتماد عليه توسعة على الناس اهـ حموي. (رد المحتار على الدر المختار- ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲هـ): ۵/ ۴۳۷، كتاب القضاء، كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب في دفتر البياع والصراف والسمسار، ط: دار الفكر- بيروت)

یا فون کے ذریعے خبر دے، اور آپ اس کی آواز کو جانتے ہیں، (۲) تو اس کی خبر کا اعتبار کر کے روزے رکھنا ضروری ہے؛ کیوں کہ رمضان المبارک کے چاند کے ثبوت کے لیے [جب کہ مطلع صاف نہ ہو] بس یہی خبر کافی ہے، گواہی یا خبر استفاضہ (یعنی اتنی بڑی جماعت چاند دیکھنے کی اطلاع دے، جن کا جھوٹ پر متفق ہوجانا، عادۃً نا قابل تصور ہو) کی ضرورت نہیں ہے۔ (۳)

رمضان کے علاوہ دوسرے گیارہ مہینوں کے چاند کے ثبوت کے لیے گواہی یا خبر مستفیض کی ضرورت پڑے گی، اسی سے چاند کا ثبوت ہوگا، (۴) خواہ دو گواہ بہ نفس نفیس قاضی کے سامنے گواہی دیں، یا کسی کی گواہی

(۲) قلت: والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به واحتمال كون ذلك لغير رمضان بعيد إذ لا يفعل مثل ذلك عادة في ليلة الشك إلا لثبوت رمضان. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۸۶/۲، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان)

(۳) عن ابن عباس قال: جاء أعرابي إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: إني رأيت الهلال، قال الحسن في حديثه يعني رمضان، فقال: أتشهد أن لا إله إلا الله، قال: نعم، قال: أتشهد أن محمدا رسول الله؟، قال: نعم، قال: يا بلال، أذن في الناس فليصوموا غدا. (سنن أبي داود: ۳۲۰/۱، رقم الحديث: ۲۳۴۰، كتاب الصوم، باب في شهادة الواحد على رؤية هلال رمضان، ط: ديوبند☆ سنن الترمذي: ۱۴۸/۱، رقم الحديث: ۶۹۱، أبواب الصوم، باب ما جاء في الصوم بالشهادة، ط: ديوبند☆ المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي (م: ۳۰۳هـ): ۱۳۲/۴، رقم الحديث: ۲۱۱۳، الصيام، باب قبول شهادة الرجل الواحد على هلال شهر رمضان، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية-حلب)

وفيه دليل قبول خبر الواحد كما ترى. (العناية شرح الهداية: ۳۲۳/۲، كتاب الصوم، فصل في رؤية الهلال، ط: دار الفكر ☆ المعتصر من المختصر من مشكل الآثار: ۱۳۹/۱، كتاب الصوم، باب الشهادة الواحد به، ط: عالم الكتاب، بيروت☆ البناية شرح الهداية: ۸/۴، كتاب الصوم، سبب فرضية شهر رمضان، ط: دار الكتب العلمية)

وإن كانت السماء متغيمة، فإنه يقبل خبر الواحدة العدل، ذكرا كان أو أنثى، حرا كان أو عبدا، محدودا في القذف أو لا بعد ما تاب وصار عدلا؛ لأن هذا من باب الإخبار دون الشهادة، يلزم الشاهد الصوم فيتعدى إلى غيره؛ لكنه من باب الدين فيشترط فيه العدالة. (تحفة الفقهاء-محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۴۰هـ): ۳۴۶/۱، كتاب الصوم، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆ المحيط البرهاني-ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۲۸۵/۵، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الأول في العمل بخبر الواحد، ط: دار الكتب العلمية☆ تبيين الحقائق: ۳۲۱/۱، كتاب الصوم، ط: المطبعة الكبرى الأميرية، بولاق☆ العناية شرح الهداية: ۳۲۳/۱، فصل في رؤية الهلال، ط: دار الفكر-بيروت)

(۴) "ويشترط" في الثبوت "لبقية الأهلة" إذا كان بالسماء علة "شهادة رجلين عدلين أو" شهادة "حر وحرتين غير محدودين في قذف" وإلا فجمع عظيم. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح-حسن بن عمار الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹هـ) ص: ۲۴۳، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال وفي صوم يوم الشك وغيره، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

قال - رحمه الله - (والأضحى كالفطر) أي هلال الأضحى كهلال الفطر حتى لا يثبت إلا بما يثبت به هلال =

پر گواہی دی جائے یا قاضی کے فیصلہ پر گواہی دی جائے۔[۵] الغرض مذکورہ کسی طریقہ سے جب تک شرعاً چاند کا ثبوت نہ ہو جائے، اس وقت تک چاند کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

ریڈیو اور تار ایک طرح کی خبر ہے، مگر اس خبر کا دینے والا کون ہے، مسلم یا غیر مسلم؟ معلوم نہیں؛ اس لیے رمضان کا ثبوت بھی اس خبر سے نہیں ہوگا؛ ہاں اگر ریڈیو پر چاند کی خبر دینے والا شخص ہلال کمیٹی کا کوئی ذمہ دار ہو اور وہ چاند کے ثبوت کا حتمی فیصلہ ریڈیو سے دے رہا ہو، تو اس کے فیصلہ کا اعتبار کر کے چاند کے ثبوت کا اعلان کیا جائے گا۔[۶] ورنہ ریڈیو، ٹیلی گرام یا نامعلوم شخص کی کال؛ محض ایک خبر ہوگی، جس سے چاند کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۴] گجراتی اخبار میں چاند کی شائع شدہ خبر پر عمل کر کے قربانی کرنا

۱۵۱۱- سوال: دینک ورتمان پتر (گجراتی روزنامہ) میں چاند کے تعلق سے ۲۹/ ذی قعدہ کو

=الفطر، لأنه تعلق به حق العباد وهو التوسع بلحوم الأضاحي فصار كالفطر. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق-عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳ھ): ۳۲۱/۱، كتاب الصوم، ط: المطبعة الكبرى الأميرية-بولاق)

"وهلال الأضحى" في الحكم "كالفطر" فلا بد من نصاب الشهادة مع العلة والجمع العظيم مع الصحو على ظاهر الرواية وهو الأصح لما تعلق به من نفع العباد. (مراقي الفلاح، ص: ۲۴۳)

(۵) (قوله: بطريق موجب) كأن يتحمل اثنان الشهادة، أو يشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية ح. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۹۴/۲، قبيل: باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، ط: دار الفكر- بيروت☆حاشية الطحطاوي على المراقي، ص: ۶۵۶، فصل فيما يثبت به الهلال و في يوم الشك، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية☆جواهر الفقه: ۱۷۷/۵-۱۷۸)

وفي مجموع النوازل: شاهدان شهدا عند قاضي مصر لم ير أهله الهلال على أن قاضي مصر كذا شهد عنده شاهدان برؤية الهلال، وقضى به، ووجد استجماع شرائط صحة الدعوى قضى القاضي بشهادتهما حكاه عن شيخ الإسلام. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني-ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ۶۱۶ھ): ۳۷۹/۲، كتاب الصوم، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت☆الفتاوى التاتار خانية: ۳۶۶/۳، كتاب الصوم، رؤية الهلال، ط: زكريا-ديوبند)

(۶) نعم إذا تواردت أخبار "راديو" متعددة من شتى الجهات، ولا تختلف جهات الأنباء عن البلد الذي لم ير فيه الهلال ببعد يختلف فيه المطلع فيسوغ العمل بهذه الأنباء المرسلة، وتدخل في حد الاستفاضة المفيدة للطمانينة. (معارف السنن-السيد محمد يوسف بن السيد زكريا الحسيني البنوري (م: ۱۳۹۷ھ): ۳۴۰/۵، كتاب الصوم، باب ما جاء أن الصوم لرؤية الهلال والإفطار له، ط: ايج، ايم سعيد، كراتشي، الباكستان)

خبر آئی کہ ذی الحجہ کا چاند دیکھا گیا ہے، اس پر اعتماد کرتے ہوئے بعض حضرات نے ذی قعدہ کا مہینہ ۲۹؍یوم کا تسلیم کیا، اور اس کے بعد دسویں دن (۱۰؍ذی الحجہ کو) عید منایا اور اسی دن اپنی قربانی کی، تو ان کی قربانی درست صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

مطلع صاف ہو، تو ثبوت ہلال کے لیے خبر مستفیض ضروری ہے اور ''خبر مستفیض'' کا مطلب یہ ہے کہ اتنی بڑی جماعت اطلاع دے، جن کا جھوٹ پر متفق ہو جانا، عادۃً نا قابل تصور ہو اور سننے والے کو اس کا یقین ہو جائے۔ (۱)

مثلاً: پانچ سات آدمیوں نے چاند دیکھنے کی خبر دی، پانچ سات الگ الگ مقام کے ریڈیو اسٹیشنوں سے چاند کی خبر نشر ہوئی، پانچ سات شہر اور گاؤں سے خطوط اور تار موصول ہوئے، پانچ سات جگہوں سے چاند ہونے کی خبر اخبارات کے ذریعہ موصول ہوئیں، تو مذکورہ بیس پچیس خبریں چاند کے متعلق موصول ہوئیں؛ اس لیے سننے والے کو چاند ہونے کا یقین ہو جائے گا اور اس خبر کا اعتبار کر کے عید منانا اور قربانی کرنا جائز ہوگا۔ (۲)

---

(۱) قال: "وإذا لم تكن بالسماء علة لم تقبل الشهادة حتى يراه جمع كثير يقع العلم بخبرهم". (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م:۵۹۳ھ):۱/۱۱۹، كتاب الصوم، فصل في رؤية الهلال، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي-بيروت)

والحق ما روي عن محمد و أبي يوسف أيضا أن العبرة لتواتر الخبر ومجيئه من كل جانب. (فتح القدير-كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بـ'ابن الهمام' (م:۸۶۱ھ):۲/۳۲۴، كتاب الصوم، فصل في رؤية الهلال، ط: دار الفكر)

وفي الفتح والحق ما روي عن محمد وأبي يوسف أيضا أن العبرة لتواتر الخبر ومجيئه من كل جانب حتى لا يتوهم تواطؤهم على الكذب. وفي الزاد وهو الصحيح. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ'داماد أفندي' (م:۱۰۷۸ھ):۱/۲۳۷، كتاب الصوم، ما يثبت به رمضان، ط: دار إحياء التراث العربي☆حاشية الشِلْبِيِّ على تبيين الحقائق- شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِلْبِيُّ (م:۱۰۲۱ھ):۱/۳۲۱، كتاب الصوم، ط: المطبعة الكبرى الأميرية-بولاق، القاهرة★رد المحتار على الدر المختار:۲/۳۸۸، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر)

(۲) نعم إذا تواردت أخبار "راديو" متعددة من شتى الجهات، ولا تختلف جهات الأنباء عن البلد الذي لم ير فيه الهلال ببعد يختلف فيه المطلع فيسوغ العمل بهذة الأنباء المرسلة، وتدخل في حد الاستفاضة المفيدة للطمانينة. (معارف السنن-السيد محمد يوسف بن السيد زكريا الحسيني البنوري (م:۱۳۹۷ھ):۵/۳۴۰، كتاب الصوم، باب ما جاء أن الصوم لرؤية الهلال والإفطار له، ط: ايج، ايم سعيد، كراتشي، الباكستان)

یہاں شکوک وشبہات قائم کرنے کی کوئی وجہ نہیں؛ لیکن ایک دو جگہوں کے اخبارات کی خبروں پر اعتبار کر کے عید منانا اور قربانی کرنا جائز نہیں ہوگا۔ ہاں! اگر یہ خبر، ہلال کمیٹی کا فیصلہ ہو، تو اس کا اعتبار کیا جائے گا اور اس پر عمل کرنا واجب ہوگا۔ (☆☆☆) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] ایک شہر کے اخبار کے ذریعہ شائع شدہ چاند کی خبر کا، دوسرے شہر والوں کے لیے حکم

۱۵۱۲-سوال: احمد آباد، بڑودہ اور سورت وغیرہ شہروں سے نکلنے والے ہفت روزہ اخبارات میں چاند کمیٹی کی طرف سے ذی الحجہ کے انتیسویں چاند کی جو اطلاعات کبھی موصول ہوتی ہیں اور اس چاند کمیٹی میں عالم صاحب بھی ہوتے ہیں، تو کیا یہ شائع شدہ خبر صرف اسی شہر کے لوگوں کے لیے ہوتی ہے یا اس کو پڑھنے والے ہر خطے کے مسلمانوں پر اس کا عمل ضروری ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

ہلال کمیٹی کی کچھ حدود ہوتی ہیں، کوئی ہلال کمیٹی صرف گاؤں کے لیے ہوتی ہے، اس کا فیصلہ اس گاؤں کی حد تک رہے گا، اس گاؤں سے متجاوز نہیں ہوگا، کوئی ہلال کمیٹی تحصیل اور ضلع کے لیے ہوتی ہے، کوئی کمیٹی دو ضلعوں کے لیے؛ مثلاً: سورت اور بلساڑ کی کمیٹی، کوئی کمیٹی اس سے زیادہ ضلعوں کے لیے بھی ہوتی ہے اور کوئی کمیٹی آل انڈیا بھی ہوتی ہے؛ اس لیے جس انداز کی ہلال کمیٹی ہوگی، اس خطے کے لوگوں پر اس کا فیصلہ نافذ ہوگا اور وہاں کے لوگوں پر اس کمیٹی کے فیصلے پر عمل کرنا واجب ہوگا۔ (۱)

(☆☆☆) اس لیے کہ یہ محض اطلاع نہیں ہے، بل کہ ایک فیصلے کا اعلان ہے، جس میں اعلان کرنے والے کی عدالت وغیرہ کی طرف نظر نہیں کی جائے گی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: عبادات اور چند اہم جدید مسائل-مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ، ص: ۲۲ ☆ کفایت المفتی: ۴/۲۱۵، کتاب الصوم، ط: زکریا-دیوبند)

(۱) جس شہر میں باقاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے، عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے، تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات ودیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے، صرف وہ فیصلہ نشر کرے، جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے اور اس کو نشر کرنے میں پوری احتیاط سے کام لے، جن الفاظ میں فیصلہ دیا گیا ہے، وہ الفاظ بعینہٖ نشر کیے جائیں، جس ریڈیو پر ایسی احتیاط کی پابندی نہ ہو، اس کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا کسی کے لیے درست نہیں۔

اور جس طرح ایک شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی کا فیصلہ اس شہر اور اس کے مضافات کے لیے واجب العمل ہے، اسی طرح اگر کوئی قاضی یا مجسٹریٹ یا ہلال کمیٹی پورے ضلع یا صوبہ یا پورے ملک کے لیے ہو، تو اس کا فیصلہ اپنے حدود ولایت میں واجب العمل ہوگا۔

(آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۸۸، باب: ہلال کے معاملہ میں آلات جدیدہ کی خبروں کا درجہ، ط: قاسمی کتب خانہ-دیوبند ☆ جواہر الفقہ: ۵/۱۷۷)

لیکن یہ بات واضح رہے کہ جس جگہ بھی ہلال کمیٹی بنائی جائے، اس میں ایک عالم کا ہونا ضروری ہے، جو احکامِ شریعت کی روشنی میں لوگوں کی دینی رہنمائی کر سکے، اگر کمیٹی میں تمام لوگ ناواقف اوران پڑھ ہوں گے، تو دینی معلومات کے نہ ہونے کی وجہ سے بروقت کسی بات کا فیصلہ نہیں کر سکیں گے؛ لہٰذا جس جگہ کی ہلال کمیٹی میں کوئی ایک بھی عالم نہ ہو، اس کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۶] ثبوتِ ہلال کے لیے کتنے اور کس طرح کے افراد کی خبر وشہادت معتبر ہے؟

۱۵۱۳- سوال: اگر کسی ایک آدمی نے رمضان کا چاند دیکھا، تو کیا اس کی خبر پر روزہ رکھنا ضروری ہے؟

چاند دیکھنے والا شخص ایسا ہو کہ اس کو کسی نے رمضان المبارک میں غیر مسلم کی دکان پر شربت وغیرہ پیتے دیکھا ہو، تو کیا اس کی خبر معتبر ہوگی؟

اگر کسی مرد نے چاند نہ دیکھا ہو، صرف دو عورتوں نے چاند دیکھا ہو، تو کیا ان کی خبر وگواہی معتبر ہوگی؟ جس طرح نکاح میں گواہ کے طور پر ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے؟ کیا چاند کے معاملہ میں بھی یہی قاعدہ ہے؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداو مصلیا:

اگر آسمان پر بدلی چھائی ہو، یا غبار وغیرہ ہو، جس کی وجہ سے مطلع صاف نہ ہو، تو رمضان المبارک کے چاند کے ثبوت کے لیے گواہی اور اس کا نصاب شرط نہیں ہے، بس اس قدر کافی ہے کہ ایک عادل مرد رؤیت کی خبر دے دے؛ بل کہ ایک صوم وصلاۃ کی پابند عورت کی خبر بھی کافی ہے۔(۱)

---

(۱) عن ابن عباس قال: جاء أعرابي إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: إني رأيت الهلال، قال الحسن في حديثه يعني رمضان، فقال: أتشهد أن لا إله إلا الله، قال: نعم، قال: أتشهد أن محمدا رسول الله؟، قال: نعم، قال: يا بلال، أذن في الناس فليصوموا غدا. (سنن أبي داود: ۱/ ۳۲۰، رقم الحديث: ۲۳۴۰، كتاب الصوم، باب في شهادة الواحد على رؤية هلال رمضان، ط: ديوبند☆ سنن الترمذي: ۱/ ۱۴۸، رقم الحديث: ۶۹۱، أبواب الصوم، باب ما جاء في الصوم بالشهادة، ط: ديوبند☆ المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي (م: ۳۰۳هـ): ۴/ ۱۳۲، رقم الحديث: ۲۱۱۳، الصيام، باب قبول شهادة الرجل الواحد على هلال شهر رمضان، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية- حلب)

و فيه دليل قبول خبر الواحد كما ترى. (العناية شرح الهداية: ۲/ ۳۲۳، كتاب الصوم، فصل في رؤية الهلال، ط: دار الفكر ☆ المعتصر من المختصر من مشكل الآثار: ۱/ ۱۳۹، كتاب الصوم، باب الشهادة الواحد به، ط: عالم الكتاب، بيروت ☆ البناية=

بادل وغیرہ کی وجہ سے مطلع صاف نہ ہو، تو عید اور دوسرے مہینوں کے ثبوت ہلال کے لیے دو عادل مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔

اگر آسمان صاف ہو تو ثبوت ہلال کے لیے ایک دو آدمی کی گواہی کافی نہیں ہے، بل کہ جم غفیر کی خبر [خبر مستفیض] کا ہونا ضروری ہے، جس سے یقین ہو جائے کہ واقعی چاند ہوا ہے اور ثبوت ہلال میں کسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے۔[۲]

رمضان یا عید کے چاند کا مدار جب ایک شخص کی خبر یا دو آدمی کی گواہی پر ہو، [یعنی مطلع ابر آلود ہو اور معاملہ ہلال رمضان کا ہو کہ جس میں ایک شخص کی خبر کافی ہے، یا معاملہ ہلالِ عید الفطر کا ہو، جس میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت کی گواہی ضروری ہے] تو ان کا ''عادل'' ہونا ضروری ہے۔

جو آدمی بلا عذر رمضان میں روزہ نہ رکھتا ہو اور غیر مسلم کی دکان پر کھاتا پیتا ہو، تو وہ فاسق ہے، اس کی گواہی مقبول نہ ہوگی، اسی طرح روزہ دار نمازی آدمی اگر ایسا ہو کہ بازار میں چلتے پھرتے کھاتا ہو، تو اس کی گواہی بھی درست نہیں ہے۔ (شامی جلد ۲، صفحہ ۳۸۵)[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=شرح الهداية: ۸/۴، كتاب الصوم، سبب فرضية شهر رمضان، ط: دار الكتب العلمية)

وإن كانت السماء متغيمة، فإنه يقبل خبر الواحدة العدل، ذكرا كان أو أنثى، حرا كان أو عبدا، محدودا في القذف أو لا بعد ما تاب وصار عدلا؛ لأن هذا من باب الإخبار دون الشهادة، يلزم الشاهد الصوم فيتعدى إلى غيره؛ لكنه من باب الدين فيشترط فيه العدالة. (تحفة الفقهاء-محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۴۰هـ): ۳۴۶/۱، كتاب الصوم، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆المحيط البرهاني-ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:۶۱۶هـ): ۲۸۵/۵، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الأول في العمل بخبر الواحد، ط: دار الكتب العلمية☆ تبيين الحقائق: ۳۲۱/۱، كتاب الصوم، ط: المطبعة الكبرى الأميرية، بولاق☆العناية شرح الهداية: ۳۲۳/۱، فصل في رؤية الهلال، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲)"ويشترط" في الثبوت "لبقية الأهلة" إذا كان بالسماء علة "شهادة رجلين عدلين أو" شهادة "حر وحرتين غير محدودين في قذف" وإلا فجمع عظيم. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح- حسن بن عمار الشرنبلالي المصري الحنفي (م:۱۰۶۹ھ) ص: ۲۴۳، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال وفي صوم يوم الشك وغيره، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

[۳](قوله: خبر عدل) العدالة ملكة تحمل على ملازمة التقوى، والمروءة. الشرط أدناها وهو ترك الكبائر والإصرار على الصغائر وما يخل بالمروءة ويلزم أن يكون مسلما عاقلا بالغا، بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۸۵/۲، كتاب الصوم، باب سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر☆كتاب التعريفات- الجرجاني: ۱۹۷/۱، الباب الثاني في رؤية الهلال، ط: رشيديه-پاکستان)

[۲۷] رمضان اور عید کے چاند کی رؤیت: اصول وشرائط

۱۵۱۴- سوال: ہلال رمضان وعید کے ثبوت کے لیے کیا اصول ہیں؟ ہلال کے سلسلے میں عورت کی گواہی معتبر ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصليا:

رمضان اور عید کے چاند کی گواہی میں، جب کہ مطلع صاف ہو، ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی معتبر نہیں ہوگی؛ بل کہ اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کا خبر دینا ضروری ہے، جن کے جھوٹ پر متفق ہونے کا گمان باقی نہ رہے، شامی میں ہے: وإن كان ذلك في مصر ولا علة في السماء لم يقبل في ذلك إلا الجماعة اهـ. (شامی)[1]

ایسی خبر کو اصطلاح فقہ میں "خبر مستفیض" کہا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ خبر دینے والے اتنے افراد ہوں کہ عادۃً ان کا جھوٹ پر متفق ہونا ممکن نہ ہو۔[2]

البتہ مطلع اگر صاف نہ ہو، تو ایک مرد یا ایک عورت کی خبر ثبوت رمضان کے لیے کافی ہوگی؛ لیکن ان کا عاقل، بالغ اور مسلمان ہونا ضروری ہے، خواہ وہ آزاد ہو یا غلام۔[3]

---

[۱] رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۸۹، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر - بيروت☆الفتاوى التاتار خانية: ۳/ ۳۵۵، كتاب الصوم، الفصل: رؤية الهلال، ط: زكريا - ديوبند.

تفصیل کے لیے دیکھیے: سوال سابق (بہ عنوان: ثبوتِ ہلال کے لیے کتنے اور کس طرح کے افراد کی خبر وشہادت معتبر ہے؟) کا حاشیہ نمبر ۱۔

(۲) (و) قبل (بلا علة جمع عظيم يقع العلم) الشرعي وهو غلبة الظن (بخبرهم) [الدر المختار] ــــــ قال ابن عابدين: (قوله: وقبل بلا علة) أي إن شرط القبول عند عدم علة في السماء لهلال الصوم أو الفطر أو غيرهما كما في الإمداد... إخبار جمع عظيم فلا يقبل خبر الواحد؛ لأن التفرد من بين الجم الغفير بالرؤية مع توجههم طالبين لما توجه هو إليه مع فرض عدم المانع، وسلامة الإبصار وإن تفاوتت في الحدة ظاهر في غلطه بحر.... (قوله: يقع العلم الشرعي) أي المصطلح عليه في الأصول فيشمل غالب الظن.... (قوله: وهو غلبة الظن)؛ لأنه العلم الموجب للعمل لا العلم بمعنى اليقين نص عليه في المنافع وغاية البيان ابن كمال ومثله في البحر عن الفتح، وكذا في المعراج وقال القهستاني: (معزيا إلى شرح صدر الشريعة) قال: الجمع العظيم جمع يقع العلم بخبرهم ويحكم العقل بعدم تواطئهم على الكذب اهـ. [رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۸۸-۳۸۷، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر]

(۳) قال: " وإذا كان بالسماء علة قبل الإمام شهادة الواحد العدل في رؤية الهلال رجلا كان أو امرأة حرا كان أو=

اور عید کے چاند کے ثبوت کے لیے جب کہ مطلع صاف نہ ہو، دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا گواہی دینا ضروری ہے اور شرط یہ ہے کہ یہ لوگ عاقل بالغ دین دار مسلمان ہوں۔ [۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۸] فقہ شافعی میں تنہا عورتوں کی گواہی سے رؤیت ہلال کا ثبوت

۱۵۱۵- سوال: رؤیت ہلال کی گواہی کے لیے ایک بھی مرد نہ ہو، اور تقریباً ۵۰ عورتیں ہوں، تو کیا شوافع کے یہاں ان عورتوں کی گواہی معتبر سمجھی جائے گی؟

نوٹ: فقہ شافعی کے مطابق مسئلے کی وضاحت فرمائیں، مہربانی ہوگی۔

الجواب حامدا و مصلیا:

فقہ شافعی میں ثبوت ہلال کے لیے شہادت شرط ہے، مطلع صاف ہو یا ابر آلود ہو اور تنہا عورتوں کی شہادت معتبر نہیں ہے؛ اس لیے مذکورہ صورت میں شافعیہ کے یہاں صرف عورتوں کی گواہی سے رؤیت ثابت نہیں ہوگی۔ (المجموع جلد ۶ صفحہ ۲۱۲) [☆☆☆] فقط، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۲۹] اگر کسی جگہ چاند نظر نہ آئے، تو اہل قریہ کا تحقیق کے لیے کسی اور جگہ جانا

۱۵۱۶- سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

اگر کسی جگہ کے لوگ عیدین کے چاند کے سلسلہ میں یہ طریقہ اپنا رکھیں کہ مقامی رؤیت ہی کا اعتبار

= عبدا" لأنه أمر ديني فأشبه رواية الأخبار ولهذا لا يختص بلفظة الشهادة وتشترط العدالة لأن قول الفاسق في الديانات غير مقبول. (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م:۵۹۳هـ): ۱/۱۱۹، كتاب الصوم، فصل في رؤية الهلال، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت☆رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۸۹، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر)

(۴) قال: " وإذا كان بالسماء علة لم يقبل في هلال الفطر إلا شهادة رجلين أو رجل وامرأتين " لأنه تعلق به نفع العبد وهو الفطر. (المصادر السابقة)

[☆☆☆] {فرع} قد ذكرنا أن الصحيح من مذهبنا أنه لا تقبل شهادة النساء في هلال رمضان وحكاه ابن المنذر عن الليث والماجشون المالكي ولم يحك عن أحد قبولها. (المجموع شرح المهذب -أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م:۶۷۶هـ): ۶/۲۸۴، كتاب الصيام، مسائل تتعلق بنية الصيام، ط: دار الفكر)

ہوگا، خواہ مطلع صاف ہو یا نہ ہو، وہ لوگ قطعاً اس کی زحمت نہ اٹھائیں کہ چاند ۲۹ رکا نہ ہونے کی صورت میں کسی جگہ آدمی بھیجیں اور شہادت حاصل کریں، یا کسی دارالافتاء سے رجوع کریں، ان کاموں کے لیے ان کے پاس نہ فنڈ ہے اور نہ ہی اس پر خرچ کرنا ضروری سمجھتے ہیں، ہاں اگر خود بخود شہادت دینے والے وہاں آجائیں اور وہ انہیں شرعاً معتبر سمجھ لیں، تو الگ بات ہے۔

اسی طرح وہ لوگ اخبار میں شائع شدہ کسی ہلال کمیٹی (جو ملک کی دوسری ریاست میں واقع ہے) کے اعلان کو بھی نہیں مانتے، تار، ریڈیو، ٹیلی فون نہ خود کر کے معلوم کرتے ہیں اور نہ ان پر آنے والے اعلان کو معتبر جانتے ہیں، بل کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھتے ہیں اور چاند دیکھ کر عید مناتے ہیں، ہاں معتبر شہادت خود شاہدوں کے ذریعہ بلا جستجو کے، خود بخود آجائے اور ان کو اطمینان ہو جائے، تب ضرور مان لیتے ہیں۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا اس علاقہ کے لوگوں کا یہ طریقہ شرعی تعلیم کے مطابق ہے، یا ان کو چاند کے لیے اطراف وجوانب میں آدمی بھیج کر معلوم کرنا فرض وواجب ہے یا دوسرے علاقے کے اخبارات اور ان میں شائع شدہ فیصلہ وخبر پر عمل کرنا واجب ہے؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کسی جگہ چاند نظر نہ آئے، تو اہل قریہ پر کسی اور جگہ چاند کی تحقیق کے لیے جانا واجب نہیں ہے؛ لیکن اگر کسی جگہ سے ثبوت رؤیت کی خبر پہنچ جائے، جو موجب ہو، تو اس کو تسلیم کرنا واجب ہوگا، جیسے شہادت یا شہادت علی الشہادت یا کسی معتبر ہلال کمیٹی کی طرف سے فیصلۂ رؤیت کا اعلان قابل اعتماد طور پر ہو جائے، یا چاند کی خبر مستفیض متعدد اطراف سے آئے، جو موجب یقین ہو، تو رؤیت ثابت ہو جائے گی اور اس کا تسلیم کرنا لازم ہوگا، بہ شرطے کہ مطلع ایک ہو، یعنی اس کو ماننے سے مہینہ ۲۸ ردن کا یا ۳۱ ردن کا نہ ہو جائے۔ (ردمختار جلد ۳ صفحہ ۲۹۴)[1]

---

[۱] (فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب) إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله: بطريق موجب) كأن يتحمل اثنان الشهادة أو يشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبر أن أهل بلدة كذا رأوه، لأنه حكاية. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۹۴، كتاب الصوم، قبيل :باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، ط: دار الفكر - بيروت ☆ حاشية الطحطاوي، ص: ۶۵۶، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال، ت: محمد عبد العزيز، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۳۶۶، كتاب الصوم، الفصل الثاني في رؤية الهلال، ط: زكريا - ديوبند)

=

ہلال کمیٹی کا فیصلہ بہ ذریعۂ فون اور اخبار بھی معتبر ہے۔ (☆☆☆) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۰] اِن علاقوں میں روزے کی کیا شکل ہوگی؟

۱۵۱۷- سوال: جن علاقوں میں چھ مہینہ دن اور چھ مہینہ رات رہتی ہے، وہاں روزے کی کیا شکل ہوگی؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداو مصلیا:

ایسی جگہوں پر نمازِ عشاء اور نمازِ فجر کے فرض ہونے کے بارے میں فقہاء کی طویل بحثیں ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ بعض فقہاء وقت کے معدوم ہونے کی وجہ سے نماز کی فرضیت کا انکار کرتے ہیں، جیسے کسی شخص کے اعضاءِ وضوء میں سے کوئی عضو ہی نہ ہو، یا کٹ گیا ہو، تو اس کے فرائض وضو کم ہوجاتے ہیں، یعنی اس عضو کا وظیفہ ساقط ہوجاتا ہے؛ اسی طرح (نماز کا) وقت ہی نہیں ہے، تو (نماز) فرض بھی نہیں ہوگی۔

دوسرے فقہاء فرماتے ہیں کہ نصوص سے پانچ نمازیں فرض ہیں۔ (۱) اوقات تو سبب و علامت ہے؛

= حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

جس شہر میں باقاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے، عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے، تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے، صرف وہ فیصلہ نشر کرے، جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے اور اس کو نشر کرنے میں پوری احتیاط سے کام لے، جن الفاظ میں فیصلہ دیا گیا ہے، وہ الفاظ بعینہٖ نشر کیے جائیں، جس ریڈیو پر ایسی احتیاط کی پابندی نہ ہو، اس کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا کسی کے لیے درست نہیں۔

اور جس طرح ایک شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی کا فیصلہ اس شہر اور اس کے مضافات کے لیے واجب العمل ہے، اسی طرح اگر کوئی قاضی یا مجسٹریٹ یا ہلال کمیٹی پورے ضلع یا صوبہ یا پورے ملک کے لیے ہو، تو اس کا فیصلہ اپنے اپنے حدود و ولایت میں واجب العمل ہوگا۔

(آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص:۱۸۸، باب: ہلال کے معاملہ میں آلات جدیدہ کی خبروں کا درجہ، ط: قاسمی کتب خانہ- دیوبند☆ جواہر الفقہ: ۵/۱۷۷)

(☆☆☆) نعم إذا تواردت أخبار "راديو" متعددة من شتى الجهات، ولا تختلف جهات الأنباء عن البلد الذي لم ير فيه الهلال ببعد يختلف فيه المطلع فيسوغ العمل بهذة الأنباء المرسلة، و تدخل في حد الاستفاضة المفيدة للطمانينة. (معارف السنن- السيد محمد يوسف بن السيد زكريا الحسيني البنوري (م:۱۳۹۷ھ): ۵/۳۴۰، كتاب الصوم، باب ماجاء أن الصوم لرؤية الهلال و الإفطار له، ط: ايچ، ايم سعيد، كراتشي، الباكستان)

(۱) {حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ} الخمس في مواقيتها {وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى} يعني صلاة العصر. (تفسير مقاتل بن سليمان- أبو=

اس لیے پانچ نمازیں فرض ہیں اور ایسے مقامات سے جو ملک قریب ہو، وہاں کے وقت اور فاصلہ کے لحاظ سے نمازیں پڑھی جائیں گی۔ (۲)

=الحسن مقاتل بن سليمان بن بشير الأزدي البلخي (م: ۱۵۰هـ): ۲/ ۲۵۰، سورة البقرة، ۲۳۸، ت: عبد الله محمود شحاته، ط: دار إحياء التراث-بيروت)

عن عبادة بن الصامت-رضي الله عنه-قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: خمس صلوات كتبهن الله على العباد، فمن جاء بهن لم يضيع منهن شيئا استخفافا بحقهن، كان له عند الله عهد أن يدخله الجنة، و من لم يأت بهن فليس له عند الله عهد، إن شاء عذبه، و إن شاء أدخله الجنة. (سنن أبي داود: ۱/ ۲۰۱، رقم الحديث: ۱۴۲۰، كتاب الصلاة، باب فيمن لم يوتر، ط: ديوبند ☆ المجتبى من السنن=السنن الصغرى للنسائي-أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳هـ): ۱/ ۲۳۰، رقم الحديث: ۴۶۱، كتاب الصلاة، باب المحافظة على الصلوات الخمس، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية-حلب)

(۲) روي أنه-صلى الله عليه وسلم-ذكر الدجال، قلنا: يا رسول الله وما لبثه في الأرض؟ قال: أربعون يوما، يوم كسنة، ويوم كشهر، ويوم كجمعة، وسائر أيامه كأيامكم، قلنا: يا رسول الله فذلك اليوم الذي كسنة، أتكفينا فيه صلاة يوم؟ قال: لا، اقدروا له قدره. (الصحيح لمسلم: ۲/ ۴۰۱، رقم الحديث: ۱۱۰-(۲۹۳۷)، كتاب الفتن وأشراط الساعة، باب ذكر الدجال وصفته وما معه، ط: ديوبند ☆ سنن أبي داود: ۲/ ۵۹۳، رقم الحديث: ۴۳۲۱، كتاب الملاحم، باب خروج الدجال، ط: ديوبند)

وفاقد وقتهما كبلغار، فإن فيها يطلع الفجر قبل غروب الشفق في أربعينية الشتاء، مكلف بهما فيقدر لهما. ولا ينوي القضاء لفقد وقت الأداء، به أفتى البرهان الكبير واختاره الكمال، وتبعه ابن الشحنة في ألغازه فصححه، فزعم المصنف أنه المذهب. (وقيل لا) يكلف بهما لعدم سببهما، وبه جزم في الكنز والدرر والملتقى وبه أفتى البقالي، ووافقه الحلواني والمرغيناني ورجحه الشرنبلالي والحلبي، وأوسعا المقال ومنعا ما ذكره الكمال (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۳۶۳-۳۶۲، كتاب الصلاة)

وقال ابن عابدين: هذه المسألة نقلوا فيها الاختلاف بين ثلاثة من مشايخنا وهم: البقالي والحلواني والبرهان الكبير، فأفتى البقالي بعدم الوجوب، وكان الحلواني يفتي بوجوب القضاء، ثم وافق البقالي؛ لما أرسل إليه الحلواني من يسأله عمن أسقط صلاة من الخمس أيكفر؟ فأجاب السائل بقوله: من قطعت يداه أو رجلاه كم فروض وضوئه؟ فقال له: ثلاث، لفوات المحل، قال فكذلك الصلاة، فبلغ الحلواني ذلك فاستحسنه ورجع إلى قول البقالي بعدم الوجوب. وأما البرهان الكبير، فقال بالوجوب، لكن قال في الظهيرية وغيرها: لا ينوي القضاء في الصحيح لفقد وقت الأداء. واعترضه الزيلعي بأن الوجوب بدون السبب لا يعقل، وبأنه إذا لم ينو القضاء يكون أداء ضرورة، وهو أي الأداء فرض الوقت ولم يقل به أحد، إذ لا يبقى وقت العشاء بعد طلوع الفجر إجماعا. اهـ. وأيضا فإن من جملة بلادهم ما يطلع فيها الفجر كما غربت الشمس كما في الزيلعي وغيره، فلم يوجد وقت قبل الفجر يمكن فيه الأداء.

إذا علمت ذلك ظهر لك أن من قال بالوجوب يقول به على سبيل القضاء لا الأداء. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۳۶۲-۳۶۳، كتاب الصلاة، مطلب في فاقد وقت العشاء كأهل بلغار، ط: دار الفكر-بيروت)

دونوں قول کی تصحیح منقول ہے، علامہ شامی نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے اور یہی صحیح ہے۔ [٣]
روزہ کے بارے میں بھی علامہ شامی نے یہی نقل کیا ہے کہ ''ایسے مقامات پر روزے فرض ہیں''۔
(شامی جلد ا صفحہ ٣٦٣) [٤]

فقہاء کرام کے ابحاث تو ایسے مقامات کے لیے ہیں، جہاں عشاء وطلوع فجر کا صرف مسئلہ ہے؛ لیکن ایسے مقامات، جہاں چھ ماہ دن اور چھ ماہ رات رہتی ہے، اس کے حکم کے بارے میں اصل جواب تو یہی ہے کہ زمین کا یہ حصہ غیر مسکون اور غیر آباد ہے، خصوصاً انسانی زندگی وہاں مشکل ہے؛ اس لیے ایسے خطوں کے بارے میں ایسے سوالات و جوابات کی ضرورت ہی نہیں رہتی؛ لیکن اس زمانہ میں مصنوعی مشینری اور وسائل کے تحت ایسے خطہ میں کچھ لوگ قیام پذیر ہو جائیں، تو ان کا حکم کیا ہونا چاہیے، یہ موجودہ عہد کا ایک سوال ہو سکتا ہے؛ کیوں کہ ایسا ممکن ہے۔

اس لحاظ سے اس قدر تو کہا جا سکتا ہے کہ فقہاء کرام کے بیان کردہ دلائل میں غور و فکر کے بعد فریق ثانی کے دلائل راجح معلوم ہوتے ہیں؛ اس لیے عارضی طور پر جو شخص وہاں عارضی قیام کے لیے گیا ہے، اس پر پانچ نمازیں اور رمضان کے روزے فرض ہیں۔

لیکن ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟ تو بندہ کے خیال میں جو لوگ وہاں پہونچیں گے، وہ وہاں کے باشندے نہیں، نہ وہاں مستقل قیام کر سکتے ہیں؛ اس لیے جہاں سے اور جس ملک سے پہونچے ہیں، اس ملک کے موسم و اوقات کا لحاظ ان کے لیے ہوگا، اگر یہ لوگ اپنے ملک سے رمضان میں یا رمضان سے قبل پہنچے ہیں اور اتنے گھنٹہ ان کا قیام اس خطۂ ارضی پر رہنے والا ہے، جتنے گھنٹہ میں ان کے ملک میں رمضان شروع ہو جاتا ہے، تو وہ روزہ کے مکلف ہیں، روزہ ان پر فرض ہے، ملک کے دن رات کے گھنٹوں کا حساب کر کے سحری اور افطار کرتے رہیں گے، نمازیں بھی - اپنے ملک میں پانچوں نمازوں میں جس قدر فاصلہ ہیں، اس قدر فاصلوں

(٣) والحاصل أنهما قولان مصححان، ويتأيد القول بالوجوب بأنه قال به إمام مجتهد، وهو الإمام الشافعي كما نقله في الحلية عن المتولي عنه. (المصدر السابق: ١/ ٣٦٥، كتاب الصلاة، مطلب في فاقد وقت العشاء كأهل بلغار)

[٤] قال في إمداد الفتاح قلت: وكذلك يقدر لجميع الآجال كالصوم والزكاة والحج والعدة وآجال البيع والسلم والإجارة، وينظر ابتداء اليوم فيقدر كل فصل من الفصول الأربعة بحسب ما يكون كل يوم من الزيادة والنقص كذا في كتب الأئمة الشافعية، ونحن نقول بمثله إذ أصل التقدير مقول به إجماعا في الصلوات اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ١/ ٣٦٥، كتاب الصلاة، مطلب في فاقد وقت العشاء كأهل بلغار، قبيل مطلب في طلوع الشمس من مغربها)

سے- پڑھتے رہیں گے۔ [۵] واللہ أعلم بالصواب، وما توفیقي إلا باللہ، علیہ توکلت وإلیہ أنیب.

نوٹ: اگر کوئی شخص مسافر ہو، تو اس کے لیے روزہ نہ رکھنے کی گنجائش ہے، بعد میں ان کی قضاء کر لے اور اگر (صورت مسئولہ میں) مقیم ہو، تب بھی عذر شدید درپیش ہے، (کہ اوقات صوم وصلاۃ واضح نہیں) اس لیے قضا کر لے۔ فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

[۳۱] ریڈیو، ٹیلی فون، تار وغیرہ کے ذریعہ چاند کی خبر

۱۵۱۸- سوال: (۱) شعبان کی ۲۹ رتاریخ کو چاند نظر نہیں آیا، ریڈیو سے یہ خبر نشر ہوئی کہ ہندوستان کے اکثر شہروں میں چاند ہو گیا ہے اور آئندہ کل یکم رمضان ہے، تو کیا ریڈیو کی خبر معتبر ہو گی یا نہیں؟

(۲-۳) یا ہمارے ضلع کے کسی گاؤں سے ٹیلی فون یا تار کے ذریعے چاند کی خبر پہنچے، تو کیا اس کو معتبر مان کر روزہ رکھنا چاہیے یا نہیں؟

(۴) رمضان المبارک کی ۲۹ رکا چاند نظر نہیں آیا اور ریڈیو پر یہ خبر نشر ہوئی کہ دہلی، کولکاتا، احمد آباد، بھج، وغیرہ شہروں میں چاند ہو گیا ہے، تو اس خبر کو معتبر مان کر عید منانا جائز ہے یا نہیں؟ یا ضلع کے کسی بھی گاؤں سے ٹیلی فون یا تار کے ذریعہ خبر پہنچے کہ چاند ہو گیا ہے، تو کیا اس خبر کو معتبر مان کر عید منانا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۵) حضرت مفتی نظام الدینؒ رقم طراز ہیں: جس مقام پر آفتاب چھ مہینے مسلسل غروب رہتا ہے اور چھ مہینے مسلسل طلوع رہتا ہے، اس مقام پر انسانی آبادی مشکل ہے، بہر حال وہاں جو لوگ آباد ہیں، ان کے لیے یہ حکم ہے کہ جس وقت آفتاب غروب ہو، اس وقت سے ہر چوبیس گھنٹے کو گھڑی دیکھ کر، ان کو دن اور رات کا مجموعہ قرار دے کر پانچوں نمازیں جس فصل وانداز سے پڑھتے ہیں، پڑھتے رہیں، حدیث دجال سے بھی اس طرف روشنی ملتی ہے، اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

پھر اسی طرح جب چھ ماہ مسلسل طلوع رہے، اس وقت بھی وہی سابق حساب کے اعتبار سے ہر چوبیس گھنٹہ میں شب وروز کی نمازیں اندازہ کے لحاظ سے پڑھتے رہیں، اور اسی طرح حساب سے جب رمضان کا مہینہ آئے، تو اس میں روزہ بھی رکھیں (اسی اعتبار سے) اور جس طرح دنیا کا اپنا ہر کام (سونا، جاگنا، کام کرنا، ڈیوٹی دینا وغیرہ) وقت کے حساب سے کریں گے اسی طرح نماز روزہ بھی حساب سے ادا کریں گے۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱؍۱۶۲، کتاب الصلاۃ، باب مواقیت الصلاۃ، جہاں چھ ماہ دن، چھ ماہ رات مسلسل رہتی ہو، وہاں کے لوگ روزہ و نماز کس طرح ادا کریں؟ ط: ایفا پبلیکیشنز- دہلی)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی کا سفرنامہ ''دنیا مرے آگے'' کا ص: ۳۱۰- ۳۱۳، ان مقامات پر نماز کا حکم، ط: مکتبۃ الحق، جوگیشوری- ممبئی۔

(۵) اگر شریعت میں ریڈیو کی خبر معتبر نہیں ہے اور موجودہ زمانہ میں لوگ اس خبر کو معتبر منوانے کے لیے امام صاحب پر زور دیتے ہیں کہ ہم کو تو روزہ یا عید منانا ہے، تو ایسے وقت میں مسجد کے امام صاحب کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداو مصليا:

(۱) ریڈیو کی خبر کے ذریعے کسی شخص کو چاند کے بارے میں یقین ہو جائے، تو وہ خود روزہ رکھ لے دوسرے کو حکم نہ دے۔[1]

(۲) جس کے پاس ٹیلی فون سے خبر پہنچی ہو اور ''مخبر'' عادل، دین دار ہو اور ٹیلی فون پر اس طرح خبر دے کہ میں نے خود چاند دیکھا ہے اور سننے والے کو ظن غالب ہو کہ خبر صحیح ہے، تو خود روزہ رکھ سکتا ہے، لیکن

---

(۱) قال: " ومن رأى هلال رمضان وحده صام وإن لم يقبل الإمام شهادته " لقوله عليه الصلاة والسلام " صوموا لرؤيته وأفطروا الرؤيته " وقد رأى ظاهرا وإن أفطر فعليه القضاء دون الكفارة. (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/۱۱۹، كتاب الصوم، فصل في رؤية الهلال، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت ☆ مجمع الأنهر: ۱/۲۳۸، كتاب الصوم، باب ما يثبت به رمضان، ط: دار حياء التراث العربي- بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۸۴، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر- بيروت)

حضرت مفتی نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ تو صحیح ہے کہ ریڈیو کی خبر یا اعلان شہادت شرعیہ نہیں، لیکن مطلقا ہر حال میں بالکل نا قابل عمل اور نا قابل التفات قرار دے دینا بھی صحیح نہیں، اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ ریڈیو پر آنے والی ہر خبر اور اعلان بالکلیہ صحیح اور درست ہو، کہ اس پر تحقیق و تفتیش کی بھی ضرورت نہ رہے، اور اس پر عمل واجب ہو جائے۔ بل کہ اس میں کچھ تفصیل ہے، کچھ قیود و شرائط ہیں، ان کے ساتھ ریڈیو کا نشریہ و اعلان معتبر، قابل عمل ہو سکتا ہے۔

اس تمہید کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے قیود و شرائط کی وضاحت کی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں:

(منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۴۹۱-۵۰۰، کتاب الصوم، ریڈیو، ٹیلی فون وغیرہ کے ذریعے اطلاع ہلال کا شرعی حکم، ط: ایفا پبلیکیشنز- نئی دہلی)

نوٹ: موجودہ دور میں [ہمارے یہاں ہندوستان میں] ''ریڈیو'' کسی ہلال کمیٹی کی تحقیق اور فیصلے کو نشر کرتا ہے، مثلاً یہ اعلان کرتا ہے کہ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ اور نیپال نے یہ خبر دی ہے کہ رمضان کا چاند ملک کے مختلف حصوں میں دیکھا گیا۔ ذرائع ابلاغ کی کثرت کی وجہ سے اس خبر کی متعدد مواصلاتی نظام سے تصدیق بھی ہو جاتی ہے، تجربہ یہ ہے کہ ریڈیو اس سلسلے کی غلط خبر نشر نہیں کرتا؛ اس لیے اس خبر کے غیر معتبر ہونے اور اس پر بھروسہ نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: رؤیت ہلال کا شرعی حکم، ص: ۲۲، ط: عظیم بک ڈپو- دیوبند ☆ کفایت المفتی: ۴/۲۱۶، کتاب الصوم، ط: زکریا- دیوبند۔

دوسرے کو حکم نہیں کرسکتا۔ (۲)

(۳) تار کی خبر قبول نہیں کی جائے گی۔ (۳)

(۴) ریڈیو اور ٹیلی فون کی خبر سے عید منانا جائز نہیں ہے، کیوں کہ آسمان کے غبار یا ابر آلود ہونے کی صورت میں عید کے چاند کے ثبوت کے لیے دو مرد کی شہادت یا ایک مرد اور دو عورت کی شہادت یا شہادت علی الشہادت اور مطلع صاف ہونے کی صورت میں خبر مستفیض کی ضرورت ہے، یعنی اتنے آدمی چاند کے ہونے کی خبر دیں، جس سے یقین ہو جائے کہ چاند ہوگیا ہے، تو آپ عید منا سکتے ہیں، لہٰذا ریڈیو یا ٹیلی فون کی دو چند خبر سے عید منانا جائز نہیں ہوگا، ہاں اگر ریڈیو یا ٹیلی فون سے اس کثرت کے ساتھ خبر ملے، جس کا انکار ممکن نہ ہو، تو ایسی صورت میں عید منانا بھی جائز ہوگا، کیوں کہ یہ خبر مستفیض ہے۔ (۴)

صرف یہ خبر ملے کہ چاند دیکھا گیا ہے، تو اس صورت میں عید منانا جائز نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ مبہم خبر ہے۔ (۵)

---

(۲) قال الشيخ المفتي محمد شفيع - رحمه الله -: إنه لا يلزم لثبوت رمضان الشهادة الشرعية؛ بل يكفي خبر عدل، الخبر على التلفون معتبر إذا عرف المتكلم، و هو ثقة. (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۲۰۸، ط: قاسمی کتب خانہ- دیوبند)

حضرت مفتی نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

مطلع صاف نہ ہو، اور موقع ہلال رمضان کے ثبوت کا ہو، تو صرف ایک ٹیلی فون بھی اپنے عمل کے لیے کافی ہوگا، مگر دوسروں کو مجبور کرنا یا ان پر زبردستی کرنا درست نہ ہوگا، البتہ ترغیب دے سکتے ہیں۔ (رؤیت ہلال کا شرعی حکم، ص: ۲۵، ط: عظیم بک ڈپو- دیوبند)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: کفایت المفتی: ۴/ ۲۱۶، کتاب الصوم، ط: زکریا- دیوبند ☆ منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/ ۵۰۱، ایفا پبلی کیشنز- نئی دہلی۔

(۳) وفي الأشباه: لا يعمل بالخط إلا في مسألة كتاب الأمان ويلحق به البراءات. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله لا يعمل بالخط) عبارة الأشباه لا يعتمد على الخط، ولا يعمل بمكتوب الوقف الذي عليه خطوط القضاة الماضين إلخ قال البيري: المراد من قوله لا يعتمد: أي لا يقضي القاضي بذلك عند المنازعة، لأن الخط مما يزور ويفتعل كما في مختصر الظهيرية. (رد المحتار على الدر المختار: ۵/ ۴۳۵، كتاب القضاء، مطلب لا يعمل بالخط، ط: دار الفكر- بيروت ☆ البحر الرائق: ۷/ ۴، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۴) (وشرط للفطر) مع العلة والعدالة (نصاب الشهادة ولفظ أشهد) . . . (و) قبل (بلا علة جمع عظيم يقع العلم) الشرعي وهو غلبة الظن (بخبرهم وهو مفوض إلى رأي الإمام من غير تقدير بعدد) على المذهب. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۸۶-۳۸۸، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر- بيروت)

(۵) (قوله: بطريق موجب) كأن يتحمل اثنان الشهادة أو يشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبر أن أهل بلدة كذا رأوه، لأنه حكاية. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۹۴، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار=

(۵) نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: **لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق.** کہ اللہ کی نافرمانی میں عوام کی بات ماننا جائز نہیں ہے۔(۶)

رسول اللہ ﷺ نے جو اصول وقانون بتائے ہیں، وہ قیامت تک کے لیے ہیں، ان میں ردوبدل کرنا کسی کے لیے جائز نہیں ہے، عوام کو چاہیے کہ روزہ اور دیگر عبادات کو اس کے اصول وقواعد پر باقی رہنے دیں اور شریعت اور شرعی تعلیم کو اپنا تابع نہ بنائیں، اس لیے کسی امام کو چاند کے اعلان کرنے پر مجبور نہ کریں اور ائمہ حضرات کو چاہیے کہ دانش مندی سے کام لیتے ہوئے افہام وتفہیم کا طریقہ اختیار کریں اور ثبوت ہلال کے شرعی اصول کے بغیر چاند کے ہونے کا اعلان ہرگز نہ کریں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۲] چاند کی تحقیق میں ریڈیو کی حیثیت

۱۵۱۹- سوال: [مقدمہ] امسال رمضان کا چاند دیکھنے، اور اس کے بعد پیش آنے والی الجھن وپریشانی کے متعلق رہنمائی فرمائیں، جس سے مستقبل میں اس طرح کی مصیبت حل کرنے میں آسانی رہے۔

سوال دریافت کرنے سے پہلے میں موجودہ دور کی سائنسی ترقی کے پیش نظر اپنے اس نظریے کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ پاک نے انسان کو فہم وذکا اور عقل وشعور سے مالا مال کیا ہے، جس کی بہ دولت سائنس کی رو سے خوب آگے بڑھ گیا ہے، حتی کہ اس نے چاند پر اپنی کمندیں ڈال دی ہے۔ شریعت کے دائرے میں رہ کر انسان، اللہ کی دی ہوئی فہم ذکا کے سہارے پر نئے آلات کا اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں استعمال کررہا ہے اور اسے ان جدید وسائل کا استعمال کرنا بھی چاہیے، خواہ وہ شعبہ دین سے تعلق رکھتا ہو یا دنیا سے۔

= الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۹۹، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، ط: دار الفكر - بيروت ☆ مجمع الأنهر: ۱/۲۳۹، كتاب الصوم، باب ما يثبت به رمضان، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۶) الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار (المعروف بـ مصنف ابن بي شيبة) - أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (م: ۲۳۵هـ): ۶/۵۴۵، رقم الحديث: ۳۳۷۱۷، كتاب الجهاد، في إمام السرية يأمرهم بالمعصية، من قال: لا طاعة له، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد - الرياض.

وأخرجه الإمام أحمد بن حنبل في مسنده، بلفظ: "لا طاعة لمخلوق في معصية الله عز وجل" عن علي وابن مسعود رضي الله عنهما وعن غيرهما. (ر: مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲/۳۳۳، رقم: ۱۰۹۴، مسند علي ابن أبي طالب رضي الله عنه ☆ ۶/۴۳۲، رقم: ۳۸۸۹، مسند عبد الله بن مسعود رضي الله عنه، ت: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة)

ہماری تحقیق کے مطابق آج کل ہمارے ملک انڈیا میں اسلامی اعتبار سے خاص کر رمضان وعید کے چاند کے متعلق "خبر" مشہور علمائے کرام کے مشورہ اور رائے ہی سے ریڈیو یا ٹی وی وغیرہ پر نشر کی جاتی ہے، آج تک ایسی ایک بھی خبر شائع نہیں ہوئی، جس کی نشر واشاعت، تحقیق کے بعد غلط ثابت ہوئی ہو، اور "مسلمان عالم" کے نام سے ریڈیو، ٹی وی پر سے خبر پڑھنے والے کسی ہندو بھائی نے غلط خبر پڑھی ہو۔ اس تفصیل کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ چاند کے متعلق ہر کس وناکس غیر شرعی طور پر حتمی اعلان نہیں کروا سکتا ہے۔

انگریزوں کے زمانے میں اور اس کے بعد آزادی کے ابتدائی دور میں اس وقت کی حکومت اور حکومتی ذمہ داران نیز علماءِ اسلام کا ٹیلی کاسٹ سسٹم پر اعتماد نہیں تھا، یہ قابل تسلیم امر ہے؛ لیکن آج حالات الگ ہیں، اپنی قابل تنظیم یا عالم سے معلوم کیے ہوئے احوال واخبار شائع کرنے میں غیر قوم بھی قانون کی پابند ہے، جس کی وجہ سے غلطی کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔

یہ تو صحیح ہے کہ شرعی طور پر بڑے ملک میں یا تمام اسلامی ممالک میں ہمیشہ ایک ساتھ عید کا ہونا، ممکن نہیں ہے؛ لیکن ایک ہی ملک میں یا چھوٹے چھوٹے چند ایسے ممالک میں، جن کا مطلع ایک ہو، موجودہ ذرائع ابلاغ، جیسے کہ ٹی وی، تار، ریڈیو، وغیرہ کی مدد سے اور خاص کر ہندوستان میں کہ جہاں ہم ایک ساتھ تیوہار منا کر غیر مسلموں کے سامنے اپنے اتحاد واتفاق کا ثبوت پیش کر سکتے ہیں؛ کیوں کر ممکن نہیں ہے۔ اس لیے اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ کتاب وسنت کے دائرے میں رہ کر پورے ملک میں ایک ساتھ عید ہو۔

دوسری بات یہ کہ امسال رمضان کا چاند انتہائی کوشش کے باوجود مطلع ابر ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آیا، اس کے بعد ریڈیو، فون وغیرہ سے خبر معلوم کرنے کی کوشش کی گئی، تو سب سے پہلے پاکستان ریڈیو سے خبر ملی کے پاکستان میں چاند ہو گیا ہے اور پورے پاکستان میں کل پہلا روزہ ہے۔

میں پاکستان کے متعلق کچھ اپنا نظریہ پیش کر رہا ہوں، آج کے دور میں سعودی عرب کے بعد، مکمل طور پر تو نہیں، لیکن کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی ملک اگر کوئی ہے، تو وہ پاکستان ہے، وہاں سے یہ بات ناممکن ہے کہ چاند جیسی اہم خبر غیر شرعی طور پر نشر کی جائے۔

۱۹۵۱ء میں مراد آباد کے ایک اجلاس میں یہ بات بالاتفاق طے ہوئی تھی کہ ہندوپاک کا مطلع ایک ہے، ایک دوسرے ملک کی شرعی گواہی پر ایک دوسرے ملک کے مفتیان کرام کے فیصلے کی بنیاد پر عید منا سکتے ہیں۔

اس کے بعد ہندوستان کے مختلف شہروں سے جدا جدا اوقات پر شائع ہونے والے اخبار میں مختلف جگہوں میں چاند ہونے کی تصدیق کے احوال شائع ہوئے، جس میں سب سے پہلے جامع مسجد دہلی کے شاہی امام بخاری کے نام سے اور آخر کار سوا بارہ بجے مولانا اسعد مدنیؒ کے نام سے چاند ہونے کی گواہی قبول کرنے کے احوال ہم نے سنے، تو ایسے احوال اور پاکستان سے آنے والی خبر سے ہمارا دل مطمئن ہوگیا اور ہمیں یقین ہوگیا کہ چاند ہوگیا ہے، تو ہم نے بھی رمضان کے شروع ہونے کا فیصلہ کرلیا اور ہمارے ساتھ ایک عالم بھی تھے، جو اس فیصلے میں، ہم سے اتفاق رکھتے تھے، ہم نے بمبئی- اس غرض سے کہ وہاں کی خبر صحیح ہوگی- فون کیا، لیکن رات کافی ہوگئی تھی، سب سو چکے تھے؛ اس لیے فون پر بات نہیں ہوسکی۔

ہمارا گاؤں بارڈولی کے قریب، ایک محلہ کی شکل میں آباد ہے، وہاں ایک مسجد ہے، اس وقت زیادہ تر لوگ سو رہے تھے، ہم نے اپنے بڑوں کو بیدار کر کے اپنی تحقیق ان کے سامنے پیش کی، اس کے مطابق امام صاحب سے مشورہ کر کے فیصلہ کیا کہ رمضان المبارک کا اعلان کرا دینا بہتر رہے گا، ایسا کہہ کر ہم نے گھر آ کر تراویح پڑھی، گاؤں میں بھی اعلان کر دیا گیا کہ کل پہلا روزہ ہے، چوں کہ رات کی بیداری کی وجہ سے ہم صبح فجر کی نماز کے بعد سو گئے۔

صبح ۱۱ ربجے گاؤں کا ایک قاصد یہ پیغام لایا کہ سورت اور راندیر وغیرہ میں رمضان کا چاند نہ ہونے کی وجہ سے روزہ افطار کروانے کی بات ہو رہی ہے، تو ہم نے کہا کہ بھائی! سب مل کر کہنا کہ آپ (مسجد کے امام وغیرہ) ہی نے مشورہ کر کے ہماری بات کی تصدیق کی، اور تراویح پڑھی اور رمضان کا روزہ بھی رکھا؛ لہٰذا ہم افطار نہیں کر سکتے اور اگر سب افطار کر لیں گے، تو بھی ہم افطار کرنے والے نہیں ہیں۔

بارڈولی اسٹیشن علاقہ کے ایک ذمہ دار نے بھی کہا کہ ہم بھی روزہ افطار کرنے والے نہیں ہیں، اور انہوں نے ایسا ہی کیا، اس کے بعد ۱۲:۰۰ بجے گاؤں میں یہ اعلان ہوا کہ روزہ افطار کرلو، جو شخص روزہ رکھے گا، اس کا روزہ حرام ہے، اس اعلان کی وجہ سے گاؤں کے بعض لوگوں نے روزہ افطار کیا اور بعضوں نے افطار نہیں کیا کہ رمضان کا روزہ باقاعدہ رکھا ہے، عید نہیں کہ افطار کرلیں۔ تو اب اس صورت حال میں درج ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(۱) ریڈیو پر اکابر کے نام سے شائع ہونے والی خبروں سے اطمینان اور یقین حاصل ہوا، اس کی وجہ سے ہم نے رمضان المبارک کا روزہ رکھا، تو کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟

(۲) جن لوگوں نے رات کو تصدیق کر کے تراویح پڑھی اور روزہ رکھا اور صبح صرف اس خبر پر کہ راندیر وسورت میں رمضان نہیں ہے، روزہ توڑ دیا اور افطار کرلیا اور ''آج روزہ رکھنا حرام ہے، وغیرہ'' کا فتوی دیا، یہ فیصلہ صحیح ہے یا غلط؟ کون سی صورت بہتر ہے، متعین فرمائیں؟

(۳) [اسی سال کے ہلالِ عید کا واقعہ] بمبئی فون سے معلوم کیا اور دہلی کے جامع مسجد کے امام کے نام سے یہ خبر شائع ہوئی کہ چاند نہیں ہوا ہے؛ لیکن رات ۱۲:۰۰ بجے پاکستان ریڈیو سے وہاں کی ہلال کمیٹی کے ذمہ دار نے یہ اعلان کیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ شرعی شہادت ملنے کی وجہ سے چاند ہو گیا ہے اور کل پورے پاکستان میں عید ہوگی۔

یہ اعلان میں نے ریکارڈ کیا اور اپنے گاؤں کے مولانا کو سنایا، تو انہوں نے شرعی گواہی ہونے کا یقین دلایا، تو اگر ہم یہ ریکارڈ کیا ہوا اعلان آپ کے پاس لے کر آتے، تو کیا آپ اس کے بعد مشورہ کر کے عید کا فیصلہ کرتے یا نہیں؟ جو ریکارڈ اب بھی موجود ہے، کشمیر میں بھی عید پاکستان کے ساتھ ہی منائی گئی۔ (واضح رہے کہ مرادآباد کے اجلاس میں یہ بات طے پائی تھی کہ ریڈیو کی خبر سن کر منتظمین علماء چاند کا اعلان کر سکتے ہیں) تو برائے کرم اس کے متعلق جواب مرحمت فرمائیں۔

(۴) ہمارے یہاں کے ایک متقی پابند صوم وصلاۃ نے ۲۹ر دن روزہ رکھا اور گاؤں میں اعلان کے باوجود انہوں نے ابتداء رمضان کا روزہ افطار نہیں کیا، پھر پاکستان ریڈیو پر عید کے احوال سنے، اس دن ان کا تیسواں روزہ تھا، انہوں نے عید کی خبر سن کر افطار کرلیا اور سب کے ساتھ عید کی نماز ادا کی، تو کیا اس روزہ کی قضا واجب ہوگی یا نہیں؟

(۵) ایک شخص مکہ سے ہندوستان آیا اور اس نے وہاں (مکہ مکرمہ) یہاں (گجرات) سے دو دن پہلے سے شرعی طور پر روزہ رکھنا شروع کیا تھا، یہاں اگر مکمل ۳۰ روزے ہوں، تو وہ شخص اپنے ۳۰ روزے مکمل کر کے عید کب منائے گا؛ کیوں کہ جب اس کے ۳۰ر روزے مکمل ہوں گے، اس وقت تو یہاں سب کے سب روزے سے ہوں گے۔ آنے والے اگر ۵ر یا ۱۰ر افراد ہوں، تو کیا وہ حجاز کی خبر کے ذریعہ یہاں عید کی نماز ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یا یہاں سب کے ساتھ روزہ رکھیں گے، اگر یہ بات ہو، تو ان کے ۳۱ر یا ۳۲ر روزے ہو جائیں گے۔ آخر یہ لوگ کیا کریں؟

(۶) اسی طرح ایک شخص یہاں سے روزہ رکھ کر حجاز جائے، تو اس اعتبار سے جب اس کے ۲۷ر یا

۲۸/روزے ہوتے ہیں، اس وقت حجاز میں عید ہوتی ہے، تو کیا اس کے لیے ہندوستان کے مطابق روزہ مکمل کرنا ضروری ہے یا پھر حجاز والوں کے ساتھ عید منا کر بقیہ روزوں کی قضا کرنی چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

علماء کرام کا شریعت کے دائرے میں رہ کر جدید آلات و ذرائع ابلاغ سے عبادت کی خاطر فائدہ اٹھانا جائز ہے، اس میں قباحت کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

آپ کی تفصیلی تحریر پڑھ کر یہ اندازہ ہوا کہ جس طرح دنیوی معاملات میں ریڈیو، ٹی وی اور ٹیلی فون وغیرہ استعمال ہوتے ہیں، اسی طرح دینی مسائل میں بھی آپ ان [ذرائع ابلاغ] کے استعمال کے پرزور حامی اور وکیل ہیں، حالاں کہ یہ غلط ہے؛ کیوں کہ دینی معاملات میں ہر جگہ ان ذرائع سے حکم شرعی ثابت نہیں ہوتے، مثلاً چاند کے ثبوت کے لیے بعض صورتوں میں گواہی لازم ہے، اور ریڈیو، ٹیلی فون اور تار کے ذریعے گواہی نہیں دی جاسکتی۔

مقدمہ میں آپ نے لکھا ہے کہ ریڈیو پر عالم کی بات بلاکم وکاست نشر ہوتی ہے، اس میں ردوبدل نہیں ہوتا ہے، وغیرہ۔

میری معلومات کے مطابق بھارتی حکومت نے ہلال کمیٹی کے ذمہ دار کے ذریعے چاند کے اعلان کی اجازت نہیں دی تھی اور دلیل کے طور پر یوں کہا تھا کہ بھارت سیکولر (غیر مذہبی) حکومت ہے، دوسرے مذہب والے مانگ کریں گے، تو ہم کو ان کی مانگ قبول کرنی پڑے گی۔

اس لیے ملازم (ریڈیو اور ٹی وی کے نیوز ریڈر، جن میں اکثر غیر مسلم ہوتے ہیں) اعلان کریں گے، تو پھر دین کے معاملات میں ان (غیر مسلم) کا اعلان کیسے قبول کیا جاسکتا ہے۔

مرادآباد میں تمام علماء کے اتفاق سے یہ بات طے پائی تھی کہ ہندوپاک کا مطلع ایک ہے، یہ بات صحیح ہے، لیکن اس کے ساتھ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ: "ایک دوسرے ملک کی شرعی گواہی پر یا ایک دوسرے ملک کے مفتیان کرام کے فیصلے کی بنیاد پر عید منا سکتے ہیں"۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ اگر پاکستان کی گواہی انڈیا میں شرعی طریقے سے آئے، تو مقبول ہوگی، صرف پاکستان کے ریڈیو کی خبر کی وجہ سے عید منانا جائز نہیں ہوگا، البتہ پاکستان کے ریڈیو کے ذریعہ رمضان کے چاند کی خبر ملے اور کسی کا دل مطمئن ہوجائے، تو اس کے لیے روزہ

رکھنا جائز ہے؛ لیکن عوام کو اس کا حکم دینے کی اجازت نہیں ہے۔ (۱)

نوٹ: مذکورہ جوابات مقدمہ کے ہیں، اب سوالات کے جوابات بالترتیب ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ریڈیو کی خبر کے ذریعہ کسی کو رمضان کے چاند کا یقین ہو جائے، تو وہ خود عمل کر سکتا ہے، دوسروں کو اس کا حکم نہیں کر سکتا۔ (کفایت المفتی)[۲]

لہٰذا پاکستانی ریڈیوں سے آپ کو یقین ہوا، اس لیے آپ کے لیے روزہ رکھنا جائز ہے، لیکن عوام کو بیدار کر کے روزہ رکھنے کے متعلق جو ماحول تیار کیا، وہ مکمل صحیح نہیں ہے، آپ ترغیب دے سکتے ہیں اور بس۔ (۳)

(۲) رات کی خبر کی بنیاد پر جن لوگوں نے تراویح پڑھی، پھر صبح راندیر وسورت کی خبر آئی کہ چاند

---

(۱) لا یلزم لثبوت رمضان الشهادة الشرعية: بل يكفي خبر عدل، والخبر على التلفون معتبر إذا عرف المتكلم، وهو ثقة۔ (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۲۰۸، ط: قاسمی کتب خانہ- دیوبند ☆ رویت ہلال کا شرعی حکم، ص: ۲۵، ط: عظیم بک ڈپو- دیوبند ☆ کفایت المفتی: ۲۱۶/۴، کتاب الصوم، ط: زکریا- دیوبند ☆ منتخبات نظام الفتاویٰ: ۵۰۱/۱، ایفا پبلی کیشنز- نئی دہلی۔

[۲] اگر دوسرے شہر سے کسی شخص کو رمضان کے چاند کی خبر ٹیلی فون پر ملے اور اس کو یقین ہو جائے کہ فلاں شخص کی آواز ہے اور اس میں کوئی شبہ باقی نہ رہے، تو یہ شخص اپنے اس یقین پر اپنے نفس کے لیے عمل کر سکتا ہے، یعنی خود روزہ رکھ سکتا ہے؛ لیکن دوسروں کو نہیں کہہ سکتا کہ تم روزہ رکھو اور نہ عام طور پر رمضان کے ثبوت کا حکم دیا جا سکتا ہے۔ (کفایت المفتی: ۲۱۶/۴، کتاب الصوم، ٹیلی فون کی خبر سے اگر چاند ہونے کا یقین ہو جائے، ط: زکریا- دیوبند)

(۳) قال: "ومن رأى هلال رمضان وحده صام وإن لم يقبل الإمام شهادته" لقوله عليه الصلاة والسلام "صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته" وقد رأى ظاهرا وإن أفطر فعليه القضاء دون الكفارة. (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱۱۹/۱، كتاب الصوم، فصل في رؤية الهلال، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت ☆ مجمع الأنهر: ۲۳۸/۱، كتاب الصوم، باب ما يثبت به رمضان، ط: دار حياء التراث العربي- بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۳۸۴/۲، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر- بيروت)

حضرت مفتی نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ توضیح ہے کہ ریڈیو کی خبر یا اعلان شہادت شرعیہ نہیں، لیکن مطلقا ہر حال میں بالکل ناقابل عمل اور ناقابل التفات قرار دے دینا بھی صحیح نہیں، اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ ریڈیو پر آنے والی ہر خبر اور اعلان بالکلیہ صحیح اور درست ہو، کہ اس پر تحقیق وتفتیش کی بھی ضرورت نہ رہے، اور اس پر عمل واجب ہو جائے۔ بل کہ اس میں کچھ تفصیل ہے، کچھ قیود وشرائط ہیں، ان کے ساتھ ریڈیو کا نشریہ واعلان معتبر، قابل عمل ہو سکتا ہے۔

اس تمہید کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے قیود وشرائط کی وضاحت کی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۴۹۱/۱-۵۰۰، کتاب الصوم، ریڈیو، ٹیلی فون وغیرہ کے ذریعے اطلاع ہلال کا شرعی حکم، ط: ایفا پبلیکیشنز- نئی دہلی)

نہیں ہوا ہے، تو انہوں نے روزہ توڑ دیا، ان کا یہ عمل بتلا رہا ہے کہ رات کی چاند والی خبر پر ان کو مکمل یقین نہیں ہے، اور مسئلہ یہ ہے کہ جن کو ریڈیو یا ٹیلی فون پر رمضان کے چاند کی خبر ملے، اور اس پر یقین نہ ہو یا ابتدائی مرحلے میں یقین ہوا ہو اور بعد میں یقین ختم ہو جائے، نیز مقامی کمیٹی نے بھی چاند کا فیصلہ نہ کیا ہو، تو ایسا شخص زوال تک انتظار کرے، اگر کہیں سے حتمی خبر آ جائے، تو روزہ رکھ لے ورنہ افطار کر دے، اگر وہ خواص میں سے ہے، تو گنجائش ہے کہ یوم الشک کا روزہ شعبان کی نیت سے رکھ لے، عوام روزہ نہ رکھے۔ یوم الشک کو رمضان سمجھ کر روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے، اسی کو شاید حرام کہا گیا ہے، بہر حال یہ تعبیر درست نہیں ہے۔ (۴)

(۳) ہلال عید، ہلال رمضان سے ذرا مختلف ہے، ہلال عید کے لیے تین چیزوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے، ورنہ ہلال (چاند) کا فیصلہ کرنا درست نہ ہوگا۔

اگر مطلع ابر آلود ہو، تو ہلال عید کے ثبوت کے لیے گواہی یا شہادت علی الشہادت ضروری ہے، اور ریڈیو یا ٹیلی فون کے ذریعے گواہی نہیں دی جا سکتی، اور اگر مطلع صاف ہو، تو خبر مستفیض ضروری ہے، یعنی اتنے

---

(۴) "و" "المختار أن "يأمر المفتي العامة" بإظهار النداء "بالتلوم" أي بالانتظار بلانية صوم في ابتداء "يوم الشك" محافظة على إمكان أداء الفرض بإنشاء النية لظهر الحال في وقتها "ثم "يأمر العامة" بالإفطار إذا ذهب وقت "إنشاء "النية" وهو عند مجيء الضحوة الكبرى "ولم يتبين الحال" حسما لمادة اعتقاد الزيادة. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح- حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م:١٠٦٩هـ) ص:٢٤١، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال وفي صوم يوم الشك وغيره، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية ☆ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح- أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م:١٢٣١هـ) ص:٦٤٩، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال وفي صوم يوم الشك وغيره، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ٢/ ٣٨٣، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر- بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ١/ ٢٠٠، كتاب الصوم، الباب الثالث فيما يكره للصائم وما لا يكره، ط: دار الفكر- بيروت)

وكذا يكره لو قال أنا صائم إن كان من رمضان وإلا فعن نفل للتردد. (الدر المختار)———قال ابن عابدين: (قوله: مع الكراهة) أي التنزيهية، لأن كراهة التحريم لا تثبت إلا إذا جزم أنه عن رمضان كما أفاده الشارح سابقا ط (قوله: للتردد إلخ) علة للكراهة. (رد المحتار على الدر المختار: ٢/ ٣٨٣، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر)

(ولا يصام يوم الشك) هو يوم الثلاثين من شعبان... (إلا نفلا) ويكره غيره (ولو صامه لواجب آخر كره) تنزيها ولو جزم أن يكون عن رمضان كره تحريما (ويقع عنه في الأصح إن لم تظهر رمضانيته وإلا) بأن ظهرت (فعنه) لو مقيما (والتنفل فيه أحب) أي أفضل اتفاقا (إن وافق صوما يعتاده)... (وإلا يصومه الخواص ويفطر غيرهم بعد الزوال) به يفتى. (الدر المختار مع رد المحتار: ٢/ ٨٣-٣٨١، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر- بيروت ★ مراقي الفلاح، ص: ٢٤١، فصل فيما يثبت به الهلال وفي صوم يوم الشك وغيره، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

لوگوں کا چاند کی رویت کی خبر دینا کہ ان سب کے جھوٹ پر متفق ہونے کا خیال پیدا نہ ہو۔ [۵]

صورت مسئولہ میں تینوں صورتوں میں سے کوئی صورت نہیں پائی گئی؛ اس لیے ہلال عید کا ثبوت نہیں ہوگا، صرف پاکستانی یا کشمیری ریڈیو کی خبر سے عید نہیں منائی جاسکتی۔

(۴) میرے نزدیک صورت مسئولہ میں اگر روزہ رکھ کر افطار کرلیا ہے، تو پھر اس کا کفارہ بھی واجب ہوگا اور اگر روزہ نہیں رکھا ہے، تو صرف قضاء واجب ہوگی؛ کیوں کہ عید کے چاند کے ثبوت کے لیے تین چیزوں میں ایک کا ہونا ضروری ہے: (۱) دو مردوں کی گواہی (۲) شہادت علی الشہادت (۳) جم غفیر کی گواہی۔

صورت مسئولہ میں ان میں سے کوئی صورت نہیں پائی گئی، صرف پاکستان یا کشمیر ریڈیو کی خبر سے روزہ افطار کیا ہے؛ حالاں کہ اس کے لیے افطار کرنا صحیح نہیں تھا، گویا اس نے جان بوجھ کر روزہ توڑ دیا ہے، اس لیے قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔ [۶]

---

(۵) (قوله: بطريق موجب) كأن يتحمل اثنان الشهادة، أو يشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية ح. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۹۴، قبيل: باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، ط: دار الفكر - بيروت☆حاشية الطحطاوي على المراقي، ص: ٦٥٦، فصل فيما يثبت به الهلال و في يوم الشك، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية☆جواهر الفقه: ۵/ ۱۷۷-۱۷۸)

وفي مجموع النوازل: شاهدان شهدا عند قاضي مصر لم ير أهله الهلال على أن قاضي مصر كذا شهد عنده شاهدان برؤية الهلال، وقضى به، ووجد استجماع شرائط صحة الدعوى قضى القاضي بشهادتهما حكاه عن شيخ الإسلام. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني - ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ٦١٦هـ): ۲/ ۳۷۹، كتاب الصوم، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت☆الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۳٦٦، كتاب الصوم، رؤية الهلال، ط: زكريا - ديوبند)

(۶) حضرت مفتی صاحب نے خود یہ بات لکھی ہے کہ ان کے نزدیک اگر روزہ رکھ کر افطار کرلیا ہے، تو قضاء و کفارہ دنوں لازم ہوں گے، جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عام علماء کی رائے اس سلسلے میں الگ ہے، ذیل کی عبارات میں صراحت ہے کہ صرف روزے کی قضاء واجب ہوگی؛ کفارہ نہیں:

(رأى) مكلف (هلال رمضان أو الفطر ورد قوله) بدليل شرعي (صام) مطلقا وجوبا وقيل ندبا (فإن أفطر قضى فقط) فيهما لشبهة الرد. (واختلف) المشايخ لعدم الرواية عن المتقدمين (فيما إذا أفطر قبل الرد) لشهادته (والراجح عدم وجوب الكفارة) وصححه غير واحد لأن ما رآه يحتمل أن يكون خيالا لا هلالا. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله: قضى فقط) أي بلا كفارة (قوله: لشبهة الرد) علة لما تضمنه قوله فقط من عدم لزوم الكفارة أي أن القاضي لما رد قوله بدليل شرعي أورث شبهة وهذه الكفارة تندرئ بالشبهات هداية، ولا يخفى أن =

کوئی یہ نہ کہے کہ اس کو مسئلے کا علم نہیں تھا، اس لیے کہ مسائل سے ناواقف ہونا کوئی عذر نہیں ہے، ہر یک مردوزن پر ضروری مسائل سیکھنا فرض ہے کہ کیسے حالات میں روزہ افطار کرنا چاہیے۔

افطار کا سبب یہاں موجود نہیں ہے، ضرور عقل کے ذریعہ انہوں نے روزہ افطار کیا ہے؛ اس لیے کفارہ واجب ہوگا؛ کیوں کہ اس دن پورے بھارت میں رمضان کا دن تھا اور اگر روزہ رکھا ہی نہیں ہے، تو پھر قضا واجب ہوگی، کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

دنیوی اعتبار سے بھی یہی ہوتا ہے، مثلاً کار چلانے والا قاعدہ قانون کے خلاف گاڑی چلائے گا، تو اس پر سزا عائد ہوگی۔ تاجر ٹیکس وغیرہ بھرنے میں سستی کرے گا اور انکم ٹیکس والا اس کو پکڑ لے گا، تو اس پر بھی کیس ہوگا، سزا ہوگی، وہاں کوئی عذر نہیں چلتا کہ میں قواعد سے ناواقف تھا، مجھے قاعدہ کا علم نہیں ہے، وغیرہ۔

الغرض جس پر روزہ رکھنا فرض ہے، اس کے لیے عید کے طریقۂ ثبوت اور روزہ وافطار کی بنیادی معلومات حاصل کرنا ضروری تھا؛ لیکن کوتاہی کی وجہ سے شرعی عذر کے بغیر روزہ رکھ کر افطار کیا؛ لہٰذا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔

(۵) ایسے حضرات دیگر افراد کے ساتھ مل کر روزہ رکھیں گے، اور ان کے ساتھ عید منائیں گے۔ انسان جہاں ہے، وہاں کا حکم اس پر لاحق ہوگا، خواہ کیوں نہ ۳۱ ریا ۳۲ ر روزے ہو جائیں۔ (۷) یہ میری

=هذه علة لسقوط الكفارة في هلال رمضان.... أما في هلال الفطر فلكونه يوم عيد عنده كما في النهر وغيره وكأنه تركه لظهوره (قوله: قبل الرد لشهادته) وكذا لو لم يشهد عند الإمام وصام ثم أفطر كما في السراج. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۸۵-۳۸۴، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر-بيروت)

ويلتمس هلال شوال في تاسع وعشرين من رمضان فمن رآه وحده لا يفطر أخذا بالاحتياط في العبادة فإن أفطر قضاه، ولا كفارة عليه كذا في الاختيار شرح المختار. رجل رأى هلال الفطر وشهد، ولم تقبل شهادته كان عليه أن يصوم فإن أفطر ذلك اليوم كان عليه القضاء دون الكفارة كذا في فتاوى قاضي خان. ولو شهد هذا الرجل عند صديق له فأكل لا كفارة عليه إن صدقه كذا في فتح القدير.

(۷) وأما صوم رمضان: فوقته شهر رمضان لا يجوز في غيره، فيقع الكلام فيه في موضعين أحدهما: في بيان وقت صوم رمضان، والثاني في بيان ما يعرف به وقته، أما الأول: فوقت صوم رمضان شهر رمضان؛ لقوله تعالى {فمن شهد منكم الشهر فليصمه} [البقرة: ۱۸۵] أي: فليصم في الشهر، وقول النبي - صلى الله عليه وسلم - "وصوموا شهركم" أي: في شهركم. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ): ۲/ ۸۰، كتاب الصوم، فصل شرائط أنواع الصيام، ط: دار الكتب العلمية) =

رائے ہے، اس مسئلے میں دوسرے مفتیان کرام سے بھی دریافت کرلیں۔ (٨)

سات آٹھ سال پہلے سعودی عرب سے سہارنپور، چندلوگ انڈیا کے حساب سے ایک دن پہلے روزہ رکھ کرآئے تھے، پھر مسئلہ دریافت کیا گیا، تو وہاں کے علماء نے یہی فتویٰ دیا کہ روزہ رکھنا ضروری ہے۔

(٦) وہ لوگ عوام کے ساتھ مل کر عید منالیں، پھر باقی روزوں کی قضاء کریں گے؛ اس لیے کہ عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ (٩) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= عن أبي هريرة -رضي الله تعالى عنه- أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الصوم يوم تصومون، والفطر يوم تفطرون، والأضحى يوم تضحون. هذا حديث حسن غريب، " وفسر بعض أهل العلم هذا الحديث، فقال: إنما معنى هذا أن الصوم والفطر مع الجماعة وعظم الناس ". (سنن الترمذي: ١/ ١٥٠، رقم الحديث: ٦٩٧، أبواب الصوم، باب ما جاء في أن الفطر يوم تفطرون، والأضحى يوم تضحون، ط: ديوبند)

لو صام رائي هلال رمضان وأكمل العدة لم يفطر إلا مع الإمام لقوله - عليه الصلاة والسلام - "صومكم يوم تصومون وفطركم يوم تفطرون." رواه الترمذي وغيره، والناس لم يفطروا في مثل هذا اليوم فوجب أن لا يفطر، نهر. (ردالمحتار على الدر المختار: ٢/ ٣٨٤، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر- بيروت)

(٨) حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فتویٰ دیتے تھے، حضرت مفتی تقی صاحب دامت برکاتہم نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے:

"لیکن حضرت والد ماجد (حضرت مفتی اعظم قدس سرہ) کا فتویٰ بھی یہی تھا کہ پاکستان پہنچنے کے بعد یہاں کا اعتبار کرتے ہوئے اکتیس روزے پورے کرے گا، اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ "شهود الشهر" موجب فرضیت صوم ہے، اور "شهود الشهر" ہر علاقے میں وہاں کا معتبر ہے، پاکستان میں چوں کہ "شهر" بھی موجود ہے؛ اس لیے فرضیت صوم اس کے حق میں متحقق ہے، رہی وہ حدیث جس میں "شهر" کے تیس دن ہونے کا ذکر ہے، سو وہ اس بارے میں قطعی الثبوت والدلالۃ نہیں، بل کہ اس میں احتمال موجود ہے اور "فمن شهد منكم الشهر ...... الآية" کا حکم قرآنی قطعی الثبوت والدلالۃ ہے، مزید یہ کہ احتیاط بھی اسی میں ہے۔ (فتاویٰ عثانی- مفتی محمد تقی عثانی: ٢/ ١٧٦- ١٧٧، کتاب الصوم، سفر کی وجہ سے رمضان اکتیس ہونے کی صورت میں اکتیسواں روزہ بھی فرض ہے، ط: نعیمیہ- دیوبند ☆ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: احسن الفتاویٰ: ٤/ ٤٣٣، کتاب الصوم، سفر کی وجہ سے رمضان اکتیس یا اٹھائیس دن کا ہوگیا، ط: دار الاشاعت- دہلی)

(٩) عن الوليد، قال: صمنا على عهد علي رضي الله عنه ثمانية وعشرين يوما، فأمرنا بقضاء يوم. (السنن الكبرى - أبو بكر البيهقي (م: ٤٥٨هـ): ٤/ ٤٢٠، رقم الحديث: ٨٢٠٤، باب الشهر يخرج في حساب الصائمين ثماني وعشرين فيقضون يوما واحدا، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

إذا صام أهل مصر شهر رمضان على غير رؤية ثمانية وعشرين يوما، ثم رأوا هلال شوال إن عدوا شعبان برؤيته ثلاثين يوما، ولم يروا هلال رمضان قضوا يوما واحدا، وإن صاموا تسعا وعشرين يوما ثم رأوا هلال شوال لا قضاء=

[۳۳] سعودی میں ۲۹؍روزے مکمل کرنے کے بعد ہندوستان آنے والے کا حکم

۱۵۲۰- سوال: سعودی میں اگر کسی شخص نے ۲۹؍روزے مکمل کیے، پھر وہ ہندوستان آیا اور یہاں ہندوستان میں ۲۸؍ویں رمضان ہے، تو اُسے ہندوستان کے باشندوں کے ساتھ روزے رکھنے چاہئیں یا جب کہ دوسرے دِن سعودی میں عید ہو، تو اُس دِن روزہ چھوڑ دینا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سعودی سے جو شخص یہاں ہندوستان آیا ہو اور سعودی کے چاند کے اعتبار سے اُس کے تیس روزے مکمل ہو چکے ہوں، تب بھی اُسے تنہا عید منانے کی اِجازت نہ ہوگی، اُسے چاہیے کہ وہ دوسرے تمام لوگوں کے ساتھ روزہ رکھے، اگرچہ اُس کے روزوں کی گنتی اکتیس تک پہنچے، اِسی طرح جب کوئی ہندستانی یہاں سے ۲۸؍روزے مکمل کر کے سعودی پہنچے اور وہاں اُس دن ۲۹؍رمضان ہو، پھر دوسرے دِن عید، تو تمام لوگوں کے ساتھ عید کے دِن افطار کر لے اور اُس کا جو ایک روزہ کم ہوا، اُس کی بعد میں قضا کر لے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۴] ایک ملک کے چاند کی خبر دوسرے ملک کے لیے معتبر ہوگی؟

۱۵۲۱- سوال: (۱) ''لوساکا'' میں مطلع صاف ہے، ذرا بھی بادل یا غبار نہیں ہے، ملک کے کسی شہر سے خبر ملی کہ ملاوی میں چاند ہوا ہے، جس کی بناء پر ہم نے رمضان کا اعلان کیا ہے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا محض اس خبر پر رمضان کا اعلان کرنا صحیح ہے؟

(۲) مذکورہ صورت میں اعلان کرنے والا، کمیٹی کا کوئی ذمہ دار یا کوئی عالم نہ ہو، تو کیا حکم ہے؟ اور اگر

= عليهم، فإن عدوا هلال شعبان ثلاثين يوما من غير رؤية هلال شعبان، ثم صاموا رمضان، قضوا يومين، كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۹۹، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۳/۳۶۴، كتاب الصوم، الفصل الثاني: رؤية الهلال، ط: زكريا- ديوبند ☆ کتاب الفتاوی- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ: ۳/۴۱۴، اگر ۲۸؍ہی روزے رکھے، ط: نعیمیہ- دیوبند)

(۱) تفصیل وتخریج کے لیے سوال سابق کا حاشیہ نمبر ۷، ۸، اور ۹ ملاحظہ کریں۔

وہ (اعلان کرنے والا) ذمہ دار ہے، تو کیا حکم ہے؟

(۳) مذکورہ بالا پہلی صورت میں کسی دوسرے شہر کا عالم فون پر خبر دے، جب کہ یہاں کا مطلع بالکل صاف ہے، اور کہیں بھی چاند نظر نہیں آیا ہے، تو کیا حکم ہے؟

(۴) اگر دو آدمی گواہی دیں کہ انہوں نے چاند دیکھا ہے؛ لیکن ان میں کوئی بھی عادل اور دین دار نہیں، اور اگر ہے، تو ایک ہی ہے، تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ واضح رہے کہ مطلع صاف ہے۔

(۵) ''زانبیا''لوساکا سے ۳۰۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور ملاوی تقریباً ۴۰۰؍میل دور ہے، لوساکا میں مطلع صاف ہونے کے باوجود چاند نظر نہیں آیا، اور بلندی کی سطح پر واقع شہروں میں سے کسی جگہ سے وہاں کے کسی عالم کی فون سے خبر ملے کہ یہاں رمضان کا چاند ہو گیا ہے، تو کیا ان کی خبر کو قبول کر کے رمضان کا فیصلہ کر سکتے ہیں؟ تمام سوالات کے جوابات تفصیل سے عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

الجواب حامداومصليا:

(۱) مذکورہ خبر کی بنیاد پر چاند کے ثبوت کا اعلان کرنا جائز نہیں ہے۔[1]

(۲) ذمہ دار ہو یا غیر ذمہ دار، جس کو بھی خبر کے صحیح ہونے کا یقین ہو جائے، وہ روزہ رکھ سکتا ہے، عوام کو حکم کرنا جائز نہیں۔[2]

---

(۱) قال: "وإذا لم تكن بالسماء علة لم تقبل الشهادة حتى يراه جمع كثير يقع العلم بخبرهم". (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م:۵۹۳ھ): ۱؍۱۱۹، كتاب الصوم، فصل في رؤية الهلال، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت)

والحق ما روي عن محمد وأبي يوسف أيضا أن العبرة لتواتر الخبر ومجيئه من كل جانب. (فتح القدير-كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بـ'ابن الهمام' (م:۸۶۱ھ): ۲؍۳۲۴، كتاب الصوم، فصل في رؤية الهلال، ط: دار الفكر)

وفي الفتح والحق ما روي عن محمد وأبي يوسف أيضا أن العبرة لتواتر الخبر ومجيئه من كل جانب حتى لا يتوهم تواطؤهم على الكذب. وفي الزاد وهو الصحيح. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ'داماد أفندي' (م:۱۰۷۸ھ): ۱؍۲۳۷، كتاب الصوم، ما يثبت به رمضان، ط: دار إحياء التراث العربي ☆حاشية الشِلْبِيِّ على تبيين الحقائق- شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِلْبِيُّ (م:۱۰۲۱ھ): ۱؍۳۲۱، كتاب الصوم، ط: المطبعة الكبرى الأميرية- بولاق، القاهرة☆رد المحتار على الدر المختار: ۲؍۳۸۸، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر)

(۲) قال الشيخ المفتي محمد شفيع-رحمه الله-: إنه لا يلزم لثبوت رمضان الشهادة الشرعية، بل يكفي خبر عدل=

(۳) عالم خبر دے رہا ہو یا جاہل؛ دونوں کا ایک ہی حکم ہے، کہ جن کو اس خبر پر یقین ہو، وہ روزہ رکھ لے؛ لیکن عام اعلان نہ کرے۔ (۳)

(۴) مطلع صاف ہونے کی صورت میں چاند دیکھنے کی کوشش کی گئی؛ لیکن چاند نظر نہیں آیا، تو محض ایک آدمی دو آدمی کی خبر و گواہی سے فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ مطلع کے صاف ہونے کے وقت جم غفیر کی خبر ضروری ہے۔ (۴)

(۵) فون کے ذریعے عالم صاحب جو خبر دے رہے ہیں، اگر اس سے دل مطمئن ہو جائے، تو خود روزہ رکھ سکتے ہیں، عوام کو حکم کرنا جائز نہیں ہے، یہ حکم ہلال رمضان کے لیے ہے۔ (۵)

اگر معاملہ عید کا ہو، تو مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں دو فرد کی گواہی اور مطلع صاف ہونے کی صورت میں خبر مستفیض ضروری ہے، کہ جس سے چاند کا یقین ہو جائے۔ (۶)

دو تین فون کا آجانا کافی نہیں ہے؛ لہٰذا املاوی یا کینیا سے دو تین فون آئے، تو اس کی بنیاد پر عید منانا جائز نہیں ہے، اور اگر غبار یا ابر ہو، تو صرف فون آنے کی صورت میں عید منانا جائز نہیں ہوگا؛ کیوں کہ ایسی

=الخبر علی التلفون معتبر إذا عرف المتکلم، وهو ثقة. (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۲۰۸، ط: قاسمی کتب خانہ-دیوبند)

حضرت مفتی نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

مطلع صاف نہ ہو، اور موقع ہلال رمضان کے ثبوت کا ہو، تو صرف ایک ٹیلی فون بھی اپنے عمل کے لیے کافی ہوگا، مگر دوسروں کو مجبور کرنا یا ان پر زبردستی کرنا درست نہ ہوگا، البتہ ترغیب دے سکتے ہیں۔ (رویت ہلال کا شرعی حکم، ص: ۲۵، ط: عظیم بک ڈپو-دیوبند)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: کفایت المفتی: ۲۱۶/۴، کتاب الصوم، ط: زکریا-دیوبند ☆ منتخبات نظام الفتاویٰ: ۵۰۱/۱، ایفا پبلی کیشنز-نئی دہلی۔

(۳) حاشیہ نمبر (۱) اور (۲) ملاحظہ کریں۔

(۴) حاشیہ نمبر (۱) ملاحظہ کریں۔

(۵) قد تقدم تخریجه مرارا عن: رد المحتار علی الدر لمختار: ۳۹۴/۲، کتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفکر ☆ والبحر الرائق: ۲۹۰/۲، کتاب الصوم، بما یثبت شهر رمضان، ط: دار الکتاب الإسلامي ☆ و مجمع الأنهر: ۲۳۹/۱، کتاب الصوم، مایثبت به رمضان، ط: دار إحیاء التراث العربي.

(۶) (وشرط للفطر) مع العلة والعدالة (نصاب الشهادة ولفظ أشهد)... (و) قبل (بلا علة جمع عظیم یقع العلم) الشرعي وهو غلبة الظن (بخبرهم وهو مفوض إلی رأي الإمام من غیر تقدیر بعدد) علی المذهب. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۸۶-۸۸/۲، کتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفکر-بیروت)

صورت میں گواہی ضروری ہے، جو فون پر نہیں دی جاسکتی، ہاں اگر اس تواتر سے بہ ذریعۂ ٹیلی فون خبر ملے کہ یہاں کی کمیٹی یا قاضی اور ذمہ داران نے چاند کی گواہی قبول کر لی ہے، تو ایسی صورت میں "رویت ہلال کمیٹی" چاند کا اعلان کر سکتی ہے۔(۷) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۵] مسئلۂ ہلال: انفرادی اور ریڈیائی خبر

۱۵۲۲- سوال: (۱) اگر غبار یا ابر وغیرہ کی وجہ سے رمضان کا چاند نظر نہیں آیا، اور ایسے دو تین افراد چاند دیکھنے کی شہادت دیتے ہیں، جو دین دار نہیں ہیں، تو کیا ان کی شہادت معتبر مان کر، رمضان المبارک کے شروع ہونے کا اعلان کیا جاسکتا ہے؟

(۲) ابر کی وجہ سے لوساکا میں چاند نظر نہیں آیا؛ لیکن دوسرے شہر سے کوئی شخص فون سے خبر دے، اور وہ مخبر ایک ہی شخص ہے، تو کیا اس کا اعتبار کر کے چاند کا اعلان کر سکتے ہیں؟

(۳) "لوساکا" سے "زامبیا" ۲۴۰ رمیل دور ہے اور ملک [زامبیا] کا ایک شہر "چیپاٹا" ۳۷۵ رمیل ہے، اب "زامبیا" سے فون آئے کہ یہاں چاند ہو گیا ہے، جب کہ ملک کے کسی بھی شہر سے کوئی فون نہیں آیا، تو کیا اس طرح ملک کے کسی شہر سے آنے والے فون سے رمضان کا اعلان کر سکتے ہیں؟

(۴) بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوساکا، چیپاٹا وغیرہ میں چاند نظر نہیں آیا؛ لیکن چیپاٹا سے ۱۰۰ رمیل کے فاصلہ پر، وہاں سے فون کے ذریعہ خبر ملتی ہے کہ چاند ہو گیا ہے اور چیپاٹا میں اس کو قبول کر لیتے ہیں، پھر لوساکا میں فون سے خبر ملتی ہے کہ یہاں رمضان ہے اور ہم تراویح پڑھ رہے ہیں، تو کیا ایسی خبر کی بناء پر

---

(۷) چاند کے متعلق اگر باہر سے ٹیلی فون سے خبریں آتی ہیں، تو دیکھا جائے گا کہ خبر دینے والا کن الفاظ میں خبر دے رہا ہے، اگر صرف یہ خبر دے کہ یہاں چاند ہو گیا ہے، یا یہاں بہت سے لوگوں نے چاند دیکھا ہے، تو محض ان خبروں کا کوئی اعتبار نہیں، چاہے کتنی ہی خبریں کیوں نہ ہوں۔

اور اگر خبر دینے والے نے اس طرح خبر دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے، یا چاند دیکھنے والے فلاں شخص نے خود مجھ سے بیان کیا ہے، یا یہ کہ یہاں کے قاضی یا رؤیت ہلال کمیٹی یا ذمہ دار اور مفتی نے چاند کی گواہی قبول کر لی ہے، تو ایسی صورت میں اگر اس طرح کے مضمون کے ٹیلی فون اتنی زیادہ تعداد میں آئیں کہ ان سے سچائی کا گمان غالب ہوتا ہو، تو ایسی ٹیلی فون کی خبر کا شرعاً اعتبار کیا جائے گا، اور ان کی روشنی میں کسی دوسرے شہر میں چاند کے ثبوت کا اعلان کرنا قاضی یا رؤیت ہلال کمیٹی وغیرہ کے لیے جائز ہوگا۔ (مستفاد: بوادر النوادر- حضرت تھانویؒ، ص: ۲۱۵-۲۱۶)

رمضان کا اعلان کر سکتے ہیں؟

(۵) یہاں ''لوساکا'' میں بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ چاند نظر نہیں آیا اور قرب وجوار سے شرعی طور پر معتبر گواہی بھی نہیں آئی اور کسی جگہ سے چاند ہونے کی خبر فون پر ملتی ہے کہ فلاں جگہ چاند ہوا ہے، یا نظر آیا ہے، وغیرہ۔ تو کیا ''لوساکا'' کی مقامی کمیٹی یا چاند کمیٹی یا مقامی علماء کو اس کی تصدیق کرنا ضروری ہے؟

واضح رہے کہ یہ تحقیق بھی فون ہی پر کی جاتی ہے، فون پر بہت سی مرتبہ جس سے بات کی جاتی ہے، اس کا نہ کوئی علم ہوتا ہے کہ وہ کون ہے؟ کسی کمیٹی کا نہ تو وہ فرد ہوتا ہے اور نہ ہی کسی ہلال کمیٹی کا ذمہ دار، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداو مصليا:

(۱) بے نمازی کی گواہی - اگر وہ شریف اور عزت والا ہو تو - قبول کی جا سکتی ہے۔[۱]

(۲) مذکورہ خبر تسلیم کرنے کے لائق نہیں ہے؛ کیوں کہ معلوم نہیں ہے کہ چاند کس نے دیکھا؟ دیکھنے والا خود خبر دے اور سامع کو یقین ہو جائے، تو وہ روزہ رکھے، عوام کو حکم دینا صحیح نہیں ہے۔[۲]

(۳) جس نے خبر سنی، اور اس کو خبر کے صحیح ہونے کا یقین ہے، وہ روزہ رکھ سکتا ہے، روزہ رکھنے کا عام

---

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ﴿٦﴾ (۴۹-الحجرات:۶)

والصحيح من هذا كله أنه مفوض إلى رأي الإمام. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۸۸/۲، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، مطلب ما قاله السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود، ط: دار الفكر-بيروت)

حتى لو أخبر رجل عدل القاضي بمجيء رمضان يقبل ويأمر الناس بالصوم يعني في يوم الغيم ولا يشترط لفظ الشهادة وشرائط القضاء. (المصدر السابق: ۳۸۹/۲، ☆مجموعة رسائل ابن عابدين: ۲۳۴/۱، بہ حوالہ: أحسن الفتاوى: ۴۲۱/۴، كتاب الصوم، ط: دار الاشاعت-دهلی)

(۲) إنه لا يلزم لثبوت رمضان الشهادة الشرعية، بل يكفي خبر عدل، الخبر على التلفون معتبر إذا عرف المتكلم، و هو ثقة. (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۲۰۸، ط: قاسمی کتب خانہ-دیوبند)

حضرت مفتی نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ رقم فرماتے ہیں:

مطلع صاف نہ ہو، اور موقع ہلال رمضان کے ثبوت کا ہو، تو صرف ایک ٹیلی فون بھی اپنے عمل کے لیے کافی ہوگا، مگر دوسروں کو مجبور کرنا یا ان پر زبردستی کرنا درست نہ ہوگا، البتہ ترغیب دے سکتے ہیں۔ (رؤیت ہلال کا شرعی حکم، ص: ۲۵، ط: عظیم بک ڈپو-دیوبند)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: کفایت المفتی: ۲۱۶/۴، کتاب الصوم، ط: زکریا-دیوبند ☆ منتخبات نظام الفتاویٰ: ۵۰۱/۱، ایفا پبلی کیشنز-نئی دہلی۔

اعلان کروانا درست نہیں ہے۔[۳] فون کی خبر شہادت کے حکم میں نہیں ہے۔[۴]

(۴) مذکورہ صورت حال کی بناء پر ''لوساکا'' والوں کا رمضان کے متعلق فیصلہ لینا' شرعی اصول کے خلاف ہے۔[۵]

(۵) رمضان کے بارے میں خبر سننے والا روزہ رکھ سکتا ہے، عام لوگوں حکم کرنا جائز نہیں ہے، البتہ آٹھ دس فون اس بارے میں آئیں کہ میں نے چاند دیکھا ہے اور سامع اس کی آواز بھی پہچانتا ہو، تو ایسی صورت میں عام اعلان کرنے کی اجازت ہے۔[۶]

صورت مسئولہ میں تحقیق کرنا ضروری نہیں ہے، کوئی تحقیق کرے گا، تو اس کو اس کا ثواب مل جائے گا، اور یقین ہو جانے پر خود روزہ رکھ سکتا ہے، عام اعلان ایک فون کی خبر سے کرنا جائز نہیں ہے۔[۷] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۶] مختلف ہلال کمیٹی کے حدود اور ان کے اعلان کی حیثیت

۱۵۲۳- سوال: (۱) اپنے علاقے میں بھروچ، سورت، ترکیسر اور راندیر؛ چاروں جگہ ہلال

---

(۳) حاشیہ نمبر (۲) دیکھیں۔

(۴) (هي) لغة خبر قاطع. وشرعا (إخبار صدق لإثبات حق) فتح. قلت: فإطلاقها على الزور مجاز كإطلاق اليمين على الغموس (بلفظ الشهادة في مجلس القاضي) [الدر المختار مع رد المحتار: ۴۶۱/۵، كتاب الشهادات، ط: دار الفكر- بيروت ☆ مجمع الأنهر: ۱۸۵/۲، كتاب الشهادات، ط: دار إحياء التراث العربي]

(۵) وفي التبيين ولو سمع من وراء الحجاب لا يسعه أن يشهد لاحتمال أن يكون غيره إذا النغمة تشبه النغمة.... وقالوا إذا سمع صوت امرأة من وراء الحجاب لا يجوز أن يشهد عليها إلا إذا كان يرى شخصا وقت الإقرار قال الفقيه أبو الليث إذا أقرت امرأة من وراء حجاب وشهد عنده اثنان أنها فلانة بنت فلان بن فلان لا يجوز لمن سمع إقرارها أن يشهد عليها إلا إذا رأى شخصها حال ما أقرت فحينئذ يجوز أن يشهد على إقرارها برؤية شخصها لا رؤية وجهها. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر- عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸ھ): ۱۹۱/۲، كتاب الشهادات، فصل في بيان أنواع ما يتحمله الشاهد، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ تبيين الحقائق: ۲۱۴/۴، كتاب الشهادات، مايشترط للشهادة في ثبوت الولادة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية- بولاق)

(۶) ملاحظہ کریں عنوان: ''ایک ملک کے چاند کی خبر دوسرے ملک کے لیے معتبر ہوگی؟'' کا حاشیہ نمبر ۷، مستفاد از بوادر النوادر۔

(۷) مزید تفصیل کے لیے رجوع کریں اسی باب کا عنوان: ''اگر کسی جگہ چاند نظر نہ آئے، تو اہل قریہ کا تحقیق کے لیے کسی اور جگہ جانا''۔

کمیٹیاں ہیں، دریافت یہ کرنا ہے کہ ان کے حدود کہاں تک ہیں اور فیصلے پر کس مقام تک عمل کرنا لازم ہے؟

(۲) امسال عید کے چاند کے سلسلے میں گواہی کے خطوط دار العلوم، کنتھاریہ سے جاری کیے گئے تھے اور ان کے اعتبار سے لوگوں نے قربانی کی تھی، دریافت یہ کرنا ہے کہ ان قربانی کا کیا حکم ہے؟ کیا دار العلوم کنتھاریہ سے خطوط جاری ہونے کے بعد بھی، ان گواہوں کے پاس جا کر گواہی لینا ضروری تھا؟

(۳) ہلال کمیٹی کو چاند کی شہادت کے بعد، چاند ہونے کی خبر کن الفاظ میں دینی چاہیے؟

(۴) ایک ہلال کمیٹی کا فیصلہ، دوسری چاند کمیٹی کن شرائط کے ساتھ معتبر مان سکتی ہے؟ اور دوسری کمیٹی کو اس کی خبر کن الفاظ سے دینی چاہیے۔

(۵) فقط پاکستان ریڈیو کی خبر سے رمضان یا عید منانے کا کیا حکم ہے؟ اس کا لحاظ کر کے گاؤں میں رمضان و عید کا اعلان کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ بات واضح رہے کہ ہند و پاک کا مطلع ایک ہے اور پاکستان میں شرعی قانون کے مطابق ہلال کمیٹی کا فیصلہ اور اعلان ہوتا ہے، تو پھر اعلان معتبر نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟

(۶) چاند کمیٹی اگر یومیہ شائع ہونے والے اخبار میں چاند ہونے کی خبر شائع کرے، تو کیا اس اخبار کی ترسیل جن مقامات تک ہوتی ہے، وہاں کے لوگوں کے لیے اس پر عمل کرنا ضروری ہے؟

(۷) دہلی، بمبئی، کولکاتا وغیرہ میں عید کے لیے ہونے والے اعلانات ونشریات، یہاں [گجرات] کی چاند کمیٹی کے لیے دلیل بن سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر بن سکتے ہیں، تو کن شرائط کے ساتھ؟ خصوصاً جامع مسجد دہلی کے امام صاحب کا اعلان دلیل بن سکتا ہے یا نہیں؟

برائے کرم ان سوالات کے تفصیلی جوابات عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیا:

(۱) سب سے پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ یہ کمیٹیاں عوام نے اپنی دینی ضرورت پوری کرنے کے لیے قائم کی ہے، یا عوام کی بے توجہی کی وجہ سے، علماء نے اپنی ذمہ داری سمجھ کر قائم کی ہے، دونوں ہی صورتوں میں کام کرنے کا مقصد کیا طے ہوا ہے؟ اس کے اعتبار سے فیصلوں کے اثرات ان کے متعینہ حدود میں مرتب ہوں گے؛ کیوں کہ مذکورہ مسائل کتاب القضاء کی روشنی میں ہی حل کیے جائیں گے۔

کیوں کہ اگر اسلامی حکومت ہوتی تو قاضی متعین ہوتے، اور ہلال کمیٹی کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی،

نیز غیر اسلامی حکومت بھی عہدہ قضا کی ذمہ داری سپرد کرتی، تو بھی اس طرح کے مذکور مسائل کھڑے نہ ہوتے۔ معلوم ہوا کہ کمیٹی کی ضرورت نظامِ قضا کے نہ ہونے کی وجہ سے ہے، اس لیے یہ کمیٹیاں نظام قضا کی قائم مقام ہوں گی۔ ضرورت کے پیشِ نظر ایک عالم دین بھی قضا کے قائم مقام بن جائے گا۔ (شامی ☆ عمدۃ الرعایۃ)[1]

قضا کے متعلق جو اصول ہیں، اسی کے مطابق ہلال کمیٹی کے مسائل بھی حل کیے جائیں گے، قاضی کبھی صرف ایک شہر کے لیے ہوتا ہے، کبھی تحصیل کے لیے، کبھی ضلع کے لیے اور کبھی قصبہ کے لیے۔ اسی کے اعتبار سے ہلال کمیٹی کی حدود بھی ہوں گی، جب کسی قاضی کو کسی جگہ کے لیے خاص کر دیا جائے، تو اس کی قضا اسی دائرے تک محدود رہے گی، اور اس دائرے سے باہر حکم نہیں؛ بل کہ خبر شمار ہوگی۔ جسے بہ طور حکم دوسرے دائرے میں قبول نہیں کیا جائے گا اور نہ نافذ۔(۲)

کتب فقہ میں ہے کہ ایک قاضی پر دوسرے قاضی کی خبروں کو اس کی ولایت حدود کے باہر قبول کرنا لازم نہیں ہے۔(۳)

---

[۱] والعالم الثقة في بلدة لا حاكم فيه قائم مقامه. (عمدة الرعاية على شرح الوقاية: ۲۴۶/۱، كتاب الصوم، سعيديه-پاكستان)

لأن البلدة لا تخلو عن حاكم شرعي عادة فلا بد من أن يكون صومهم مبنيا على حكم حاكمهم الشرعي. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۹۰/۲، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) إذا قلد السلطان رجلا قضاء بلدة كذا لا يصير قاضيا في سواد تلك البلدة ما لم يقلد قضاء البلدة ونواحيها، وهذا الجواب إنما يستقيم على رواية النوادر؛ لأن -على رواية النوادر- المصر ليس بشرط لنفاذ القضاء.... وإذا قلد السلطان رجلا قضاء يوم يجوز ويتأقت، وإذا قيده بالمكان يجوز، ويتقيد بذلك المكان فعلى هذا لو قيد القاضي إنابة نائبه في مسجد معين لا يكون للنائب أن يقضي في مسجد آخر كذا في الملتقط. (الفتاوى الهندية: ۳۱۵/۳، كتاب أدب القاضي، الباب الخامس في التقليد والعزل، ط: دار الفكر)

(۳) وإنما يقبله المكتوب إليه إذا كان الكاتب على القضاء، حتى لو مات أو عزل أو لم يبق أهلا للقضاء قبل وصول الكتاب لا يقبله لأنه التحق بواحد من الرعايا، ولهذا لا يقبل إخباره قاضيا آخر في غير عمله أو في غير عملهما. (الهداية شرح بداية المبتدي) ———— قال ابن الهمام: (ولهذا لا يقبل إخباره قاضيا آخر) غير المكتوب إليه (في غير عمله أو غير عملهما) ولو كان على قضائه لأنه بالنسبة إلى العمل الآخر كواحد من الرعايا غير أن الكتاب خص من ذلك بالإجماع. (فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (م: ۸۶۱ھ): ۳۸۹/۶ و ۳۸۲/۳-۳۸۱، كتاب أدب القاضي، باب كتاب القاضي إلى القاضي، ط: المكتبة الرشيدية-باكستان ☆ البحر الرائق: ۲/۷، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الهداية: ۱۰۶/۳، كتاب أدب القاضي، باب كتاب القاضي إلى القاضي، ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

حدود قضاء کی طرح ہلال کمیٹی کو اپنی حد مقرر کرنی چاہیے؛ کیوں کہ ہلال کمیٹی کے ممبر اپنی حد میں ذمہ دار ہیں، وہ اگر حد سے باہر اپنے فیصلے کی خبر دے، تو وہ مقبول نہیں ہوگی اور اس کی وجہ سے وہاں کے لوگوں کو افطار کا حکم نہیں دیا جائے گا اور نہ ہی عید منانے کی اجازت ہوگی۔

لہٰذا چاند کمیٹی والوں کو چاہیے کہ مل کر اپنے حدود مقرر کریں اور اسی کے مطابق عوام کی رہنمائی کر کے اپنے وجود کو نافع بنا کر عوام کی خدمت کریں۔

(۲) مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق ان کے حدود میں قربانی جائز ہے۔ البتہ امسال مذکورہ گواہی کے خطوط کے بعد مختلف جگہوں سے گواہی آ گئی تھی، نیز مختلف چاند کمیٹی نے چاند کا فیصلہ کر دیا تھا، اس لیے ان کے حد سے باہر کی گئی قربانی بھی صحیح ہو جائے گی۔ (۵)

(۳) ہلال کمیٹی کا ذمہ دار یہ اعلان کرے گا کہ: ''ہمارے سامنے [نام لے کر کہ] فلاں فلاں نے، یا مطلقاً کہے کہ شرعی گواہوں نے گواہی دی اور ہم نے ان کی گواہی قبول کر لی، اس اعتبار سے فلاں دن چاند کا ثبوت ہونے کی وجہ سے پہلی تاریخ ہے، اس کا ہم فیصلہ اور اعلان کرتے ہیں۔ (۶)

(۴) کتاب القاضی کے شرائط کے مطابق ایک ہلال کمیٹی کا فیصلہ دوسری کمیٹی کے لیے معتبر ہوگا، اور دوسری کمیٹی اپنے اعلان میں اس کی صراحت کرے گی کہ چاند فلاں جگہ دیکھا گیا ہے، اور فلاں ہلال کمیٹی سے اس کی معتبر ذریعے سے تصدیق کر لی گئی ہے۔ (۷)

---

[۴] في الخصاف وروي عن محمد أنه قال في مصر فيه قاضيان في كل جانب قاض يكتب أحدهما إلى الآخر كتابا يقبل كتابه، ولو أتى أحدهما إلى صاحبه فأخبره بالحادثة بنفسه لم يقبل قوله لأن في الوجه الأول كان الأول خاطبه في موضع القضاء وفي الثاني خاطبه في غير موضع القضاء. اهـ. (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۱۸۶/۴، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره، ط: المطبعة الكبرى الأميرية-بولاق، القاهرة ☆ الهداية: ۱۰۶/۳، كتاب أدب القاضي، باب كتاب القاضي إلى القاضي، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

(۵) حاشیہ نمبر (۴) ملاحظہ فرمائیں۔

(۶) حضرت مفتی نظام الدینؒ رقم فرماتے ہیں: اسی طرح بایں الفاظ خبر یا اعلان نشر ہو کہ میں نے خود چاند دیکھا ہے، یا مجھ سے فلاں فلاں (کم از کم دو معتبر و عادل) شخصوں نے خود اپنا چاند دیکھنا بیان کیا ہے، اور ان الفاظ کا نشر کرنے والا شخص معتبر و معلوم ہے اور قرائن شرعیہ سے صحت کا ظن غالب ہو، تو مقامی خبریں بھی طرق موجبہ کے مطابق ہونے کی وجہ سے معتبر ہوگی، اور قابل عمل ہوں گی۔ (رویت ہلال کا شرعی حکم-مفتی نظام الدین [م: ۱۴۲۰ھ] ص: ۲۰، ط: عظیم بک ڈپو-دیوبند)

(۷) يجب أن يعلم أن كتاب القاضي إلى القاضي صار حجة شرعا في المعاملات بخلاف القياس؛ لأن الكتاب قد=

(۵) یہ صحیح ہے کہ ہندو پاک کا مطلع ایک ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ مرادآباد میں جمعیۃ العلماء کی کمیٹی نے فیصلہ کیا تھا، جس میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، مفتی ہند حضرت مولانا ومفتی کفایت اللہ صاحب موجود تھے کہ ایک ملک کی گواہی دوسرے ملک میں شرعی اصول کے ساتھ پہنچے، تو وہاں کے علماء اس گواہی کے اعتبار سے فیصلہ کر سکتے ہیں۔ چوں کہ ہندوستان میں پاکستان کی خبر ریڈیو کے ذریعے معلوم ہوتی ہے، جس میں گواہی کی شرط مفقود ہوتی ہے، اس لیے وہاں کے اعلان پر صد فی صد ہلال کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

میرے نزدیک حکم یہ ہے کہ امیر پاکستان بھی ہندوستان کے ریڈیو کے ذریعہ سے اعلان کرے کہ چاند ہو گیا ہے، تو بھی حدود ولایت نہ ہونے کی وجہ سے ان کا فیصلہ صرف خبر کے درجے میں ہوگا۔[۸]

عید کے علاوہ رمضان وغیرہ کے چاند کے بارے میں ریڈیو کی خبر سے انسان کو یقین ہو جائے، تو پاکستانی ریڈیوں کی خبر سے ہندوستان والوں کے لیے جائز ہوگا کہ خود عمل کر لے، عمومی روزے کے بارے میں حکم دینا واجب نہیں ہے۔[۹]

(۶) اگر اخبار ہلال کمیٹی کے فیصلہ کو لفظ بہ لفظ نقل کرے، تو اردگرد کے لوگ اس پر عمل کر سکتے ہیں، ورنہ اخبار کی خبر کا اعتبار نہیں ہوگا۔[۱۰]

= يفتعل ويزور والخط يشبه الخط والخاتم يشبه الخاتم، ولكن جعلناه حجة بالإجماع ولكن إنما يقبله القاضي المكتوب إليه عند وجود شرائطه ومن جملة الشرائط البينة، حتى أن القاضي المكتوب إليه لا يقبل كتاب القاضي ما لم يثبت بالبينة أنه كتاب القاضي. (الفتاوى الهندية: ۳۸۱/۳، كتاب أدب القاضي، الباب الثالث والعشرون في كتاب القاضي إلى القاضي، ط: دار الفكر - بيروت ☆ مجمع الأنهر: ۱۶۶/۲، كتاب القضاء، فصل في كتاب القاضي، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۱۸۳/۴، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره، ط: المطبعة الكبرى الأميرية -بولاق، القاهره)

(۸) حاشیہ نمبر (۳) ملاحظہ فرمائیں۔

(۹) تقدم تخريجه مرارا.

(۱۰) جس شہر میں باقاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے، عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے، تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات ودیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے، صرف وہ فیصلہ نشر کرے، جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے اور اس کو نشر کرنے میں پوری احتیاط سے کام لے، جن الفاظ میں فیصلہ دیا گیا ہے، وہ الفاظ بعینہ نشر کیے جائیں، جس ریڈیو پر ایسی احتیاط کی پابندی نہ ہو، اس کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا کسی کے لیے درست نہیں۔ =

(۷) ہندوستانی ریڈیو پر جو خبر نشر کی جاتی ہے، وہ محض خبر ہے، اوران کے خبر دینے کا جو طریقہ ہے، وہ اسلامی شرع کے موافق نہیں ہے، اس لیے قبول کرنے کے لائق نہیں ہے۔

عالم گیری میں ہے:

حتی لو شهد جماعة أن أهل بلدة قد رأوا هلال رمضان قبلكم بيوم فصاموا، وهذا اليوم ثلاثون بحسابهم، ولم ير هؤلاء الهلال لا يباح فطر غد، ولا يترك التراويح في هذه الليلة؛ لأنهم لم يشهدوا بالرؤية، ولا على شهادة غيرهم، وإنما حكوا رؤية غيرهم. (۱/۱۹۱)[۱۱]

ایک جماعت گواہی دے کہ فلاں شہر کے لوگوں نے ہم سے ایک دن قبل رمضان کا چاند دیکھا تھا، آج کا دن ان کے حساب سے ۳۰/ رمضان ہے، تو اِن لوگوں کے لیے اس گواہی کی وجہ سے دوسرے دن، چاند دیکھے بغیر، عید منانا جائز نہیں ہے اور نہ ہی رات میں تراویح کا ترک کرنا درست ہے؛ اس لیے کہ انہوں نے اپنی رؤیت کی گواہی نہیں دی ہے، اور نہ ہی یہ شہادت علی الشہادت ہے، بل کہ یہ صرف حکایت اور خبر کا بیان ہے، جس سے عید کا چاند ثابت نہیں ہوتا۔ (بل کہ عید کے چاند کے ثبوت کے لیے خبر مستفیض کی ضرورت پڑتی ہے)

اس جزئیہ سے ثابت ہوا کہ متعدد ریڈیو والا اپنے طریقہ کے مطابق خبر دے، تو بھی عید منانا جائز نہیں، جب تک کہ جم غفیر کی خبر نہ آجائے۔

ریڈیو اس طرح اعلان کرے کہ بمبئی جامع مسجد کے شاہی امام نے یا صدر جمعیت علماء ہند مولانا سید اسعد مدنی صاحب نے چاند کے ہونے کا فیصلہ کیا ہے؛ لہٰذا آئندہ کل عید ہوگی، تو بھی محض ریڈیو کے اس اعلان کی وجہ سے عید منانا جائز نہیں ہے۔[۱۲]

= اور جس طرح ایک شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی کا فیصلہ اس شہر اور اس کے مضافات کے لیے واجب العمل ہے، اسی طرح اگر کوئی قاضی یا مجسٹریٹ یا ہلال کمیٹی پورے ضلع یا صوبہ یا پورے ملک کے لیے ہو، تو اس کا فیصلہ اپنے اپنے حدود ولایت میں واجب العمل ہوگا۔
(آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص:۱۸۸، باب: ہلال کے معاملہ میں آلات جدیدہ کی خبروں کا درجہ، ط: قاسمی کتب خانہ-دیوبند☆ جواہر الفقہ: ۵/۱۷۷)

[۱۱] الفتاوى الهندية: ۱/۱۹۹، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، ط: دار الفكر - بيروت☆ البحر الرائق: ۲/۲۹۱، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و مالا يفسده، ط: دار الكتاب الإسلامي☆ مجمع الأنهر: ۱/۲۳۹، كتاب الصوم، باب موجب الفساد، ط: دار إحياء التراث العربي☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۹۴، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر - بيروت.

(۱۲) بخلاف ما إذا أخبر أن أهل بلدة كذا رأوه، لأنه حكاية. (رد المحتار: ۲/۳۹۴، كتاب الصوم، سبب رمضان)

ایک جگہ کا فیصلہ، دوسری جگہ کے لیے خبر کی حیثیت رکھتا ہے، لیکن ریڈیو کے ذریعے نشر کی گئی خبر چوں کہ غیر کے ذریعے نشر کی جاتی ہے، اس لیے اس سے عید کی رؤیت ثابت نہیں ہوگی۔ [۱۳]

ہاں! ہلال کمیٹی کا کوئی ذمے دار، خود ریڈیو کے ذریعہ اعلان کرے، تو اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ جہاں سے اعلان کیا گیا ہے، اس کے قرب و جوار کے لوگ روزہ بھی رکھیں گے اور عید بھی کر سکتے ہیں۔

جس طرح پہلے زمانے میں چاند ہونے کی صورت میں توپ کے گولے داغے جاتے تھے، اور اونچے اونچے مناروں پر لیمپ جلا دیا جاتا تھا، جس کو دیکھ کر اردگرد کے لوگ روزہ رکھتے اور عید کرتے تھے۔ [۱۴]

اسی طرح ہلال کمیٹی کی حد میں ان کا فیصلہ نافذ ہوگا۔ اور جو علاقہ معلن [اعلان کرنے والے] کی حد سے باہر ہو، وہاں ان کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا، اس لیے ضرورت ہے کہ ایسی ہلال کمیٹی بنائی جائے، جس کا فیصلہ پورے ملک میں نافذ ہو سکے، یا ریڈیو کی خبر کو خبر مستفیض کے طور پر نشر کیا جائے، اس طرح کہ چھ سات جگہوں کی خبروں کو ریڈیو کے ذریعہ بیان کیا جائے، ایسی صورت میں ریڈیو کی خبر ''خبر مستفیض'' بن سکتی ہے، جو عمل کے لائق ہے۔

البتہ عوام محض ریڈیو کو سن کر فیصلہ نہ کرے؛ بل کہ اگر ہلال کمیٹی ہو، تو اس کو ریڈیو کے الفاظ سنائے جائیں، یا ہلال کمیٹی نہ ہو، تو گاؤں کے عالم کو سنائے، اس کے بعد جو فیصلہ ہو، اس پر عمل کرے۔

عوام کا خود سن کر اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ جہاں کوئی عالم نہ ہو، وہاں عوام کے دل کی گواہی معتبر نہیں ہے، عالم کے دل کی گواہی اور اسکا فتوی حجت بنے گا۔ [۱۵] (امداد الفتاویٰ جلد ۲ صفحہ ۹۶)

ہلال کمیٹی کے ذمہ داروں کو حکومت اعلان کرنے کی اجازت نہ دے، تو وہ (حکومت) کسی مسلمان کو

---

(۱۳) حاشیہ نمبر (۱۰) ملاحظہ کریں۔

(۱۴) والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر، لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به واحتمال كون ذلك لغير رمضان بعيد إذ لا يفعل مثل ذلك عادة في ليلة الشك إلا لثبوت رمضان. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۸۶، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر☆ البحر الرائق: ۲/ ۲۹۱، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۱۵] اور جہاں کوئی محقق عالم ہو، وہاں عوام کی دل کی گواہی معتبر نہیں، عالم کے دل کی گواہی اور ان کا فتوٰی حجت ہے، اور عوام کی خود رائی کرنا یا فتویٰ کے خلاف کرنا جائز نہیں۔ (امداد الفتاوی: ۲/ ۹۳، کتاب الصوم والاعتکاف، ط: ادارہ تصنیفات اولیاء، مسجد اولیا، مہرولی - دہلی)

ذمہ دار بنائے، جو ہلال کمیٹی کے فیصلہ کو من وعن ریڈیو پر نشر کرے۔ ایسی صورت میں بھی ریڈیو کا نشریہ عمل کے قابل ہوگا، دینی معاملات میں غیر مسلم کی بات قبول کرنے کے لائق نہیں ہے۔ (١٦)

بخاری صاحب کا اعلان مذکورہ شرائط کے ساتھ نہیں ہوتا، بس ان کی جانب منسوب کیا جاتا ہے، اور خبر نشر کرنے والا کوئی غیر ہوتا ہے؛ اس لیے عمل کے لائق نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۷] ریڈیو کے ذریعہ رویتِ ہلال کی خبر

۱۵۲۴- سوال: اگر دہلی ریڈیو اسٹیشن سے یہ خبر نشر کی جائے کہ آج یہاں جامع مسجد دہلی کے اِمام صاحب کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا ہے کہ رمضان یا عید کا چاند ہو گیا ہے، تو کیا اُس خبر کے سننے کے بعد، اس کا اعتبار کر کے ہندوستان کے تمام مقامات روزہ یا عید منا سکتے ہیں؟ کیا علماء کی مجلس نے اِس قسم کی خبر کو معتبر ماننے کا فیصلہ کیا ہے؟ حالاں کہ اب تک تو معتبر نہیں تھا، ہم نے لکھنؤ اور سہارن پور سے جب یہ فتویٰ معلوم کیا، تو اُنہوں نے لکھا کہ ممکن ہے کہ جمعیت العلماء نے اِس سلسلہ میں حکومت سے مل کر کوئی فیصلہ کیا ہو، لیکن ہمارے علم میں نہیں ہے۔

ایک جگہ سے جواب ہے کہ رویتِ ہلال کمیٹی دہلی کا رُکن ریڈیو سے جب تک خود اعلان نہ کرے، معتبر نہیں ہے۔ دوسری جگہ سے جواب ہے کہ ریڈیو اسٹیشن کا ملازم اگر رویتِ ہلال کمیٹی کی دی ہوئی عبارت پڑھ کر سنائے، تب معتبر ہوگا، ورنہ نہیں۔ آپ جو جواب عنایت فرمائیں، اگر آپ کی رائے یہ ہے کہ اعلان معتبر ہے، تو جواب صراحت کے ساتھ اِن الفاظ میں ہو کہ ''دہلی ریڈیو اسٹیشن کی خبر رویتِ ہلال کے سلسلہ میں اِمام جامع مسجد کے حوالے سے معتبر ہے''۔ ورنہ دوسرے الفاظ میں لوگوں کو مطمئن کرنا دشوار ہے۔

الجواب حامداً ومصلیا:

مسلم حاکم، قاضیٔ شہر، اِمامِ جامع رویتِ ہلال کمیٹی، غرض ذمہ دار اگر رویتِ ہلال کی تحقیق کر کے

---

(١٦) وقول الفاسق غير مقبول في الديانات فكيف قول الكافر. (البحر الرائق: ١/ ٣٨٨، كتاب الصلاة، باب الإمامة، قبيل: باب الحدث في الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ١/ ٥٩٢، كتاب الصلاة، باب الإمامة، فروع اقتداء متنفل بمتنفل ومن يرى الوتر واجبا بمن يراه سنة، ط: دار الفكر ☆ درر الحكام شرح غرر الأحكام - محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا - أو منلا أو المولى - خسرو (م: ٨٨٥هـ): ١/ ٨٩، كتاب الصلاة، فصل في الإمامة، ط: دار إحياء الكتب العربية ☆ البناية شرح الهداية - بدر الدين العيني (م: ٨٥٥هـ): ٢/ ٣٧٠، كتاب الصلاة، باب في الإمامة، اقتدى بإمام ثم علم أن إمامه محدث، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

شرعی ثبوت کے پائے جانے کے بعد شعبان کی ۲۹ ر یا رمضان کی ۲۹ ر کو اعلان کرے، یا اپنے آدمی کے ذریعہ اعلان کرائے کہ آج تاریخ فلاں دِن فلاں، جگہ فلاں ثبوتِ رویت ہو گیا ہے، اب اعلان کیا جاتا ہے کہ کل فلاں دِن رمضان المبارک کی پہلی تاریخ ہے، روزہ رکھا جائے، یا شوال کی پہلی تاریخ ہے، عید الفطر کی نماز ادا کی جائے، تو یہ اعلان شرعاً معتبر ہوگا، یعنی جب کہ مطلع صاف ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آیا ہو، تو اُس اعلان کو معتبر تسلیم کر لیا جائے گا۔[1]

مگر عوام کو اقدام نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ریڈیو سے جو الفاظ نشر ہوتے ہیں، اُن کو سن کر فوراً ایک کاغذ پر لکھ لیں، پھر اہل علم کے سامنے پیش کریں، یا اہلِ علم کو ریڈیو پر یہ اعلان سنوائیں، تاکہ وہ صحیح رائے قائم کر سکیں، کیوں کہ اکثر اوقات ریڈیو پر شائع ہونے والے الفاظ محض خبر ہوتے ہیں، جن کا حکم یہ نہیں ہوتا، جمعیت العلماء نے اُس کی کوشش کی ہے اور اُس میں کامیابی بھی ہوگئی کہ اہل علم حضرات چاند کے متعلق شرعی دلائل اور بحث کے بعد جس نتیجے پر پہنچیں بصورتِ اعلان ریڈیو نمائندہ کو دے دیں، کہ وہ ہماری طرف سے اُس کو شائع کر دیں، چنانچہ وہ نمائندہ اُس کو شائع کر دیتا ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۸] کیلنڈر میں چھپی ہوئی تاریخ سے عید منانا

۱۵۲۵- سوال: ہمارے یہاں کناڈا میں ''ایم - ایس - اے'' نام کی ایک سوسائٹی ہے، اس سوسائٹی کی جانب سے تاریخ کے کیلنڈر چھپتے ہیں، ان میں پیشگی رمضان اور عید کی تاریخوں کی اطلاع کر دی جاتی ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ ان کا اعتبار کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

نیز مہینہ، ڈیڑھ مہینے پہلے ہی اخبارات اور ریڈیو کے ذریعہ چاند کی خبر اور رمضان و عید کی تاریخوں کا اعلان کر دیا جاتا ہے، تو کیا ان کی خبروں کا اعتبار کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) والعالم الثقة في بلدة لا حاكم فيه قائم مقامه. (عمدة الرعاية على شرح الوقاية: ۱/۲۴۶، كتاب الصوم، سعيديه-پاكستان)

لأن البلدة لا تخلو عن حاكم شرعي عادة فلا بد من أن يكون صومهم مبنيا على حكم حاكمهم الشرعي. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۹۰، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر-بيروت)

مزید دیکھیں: سوال سابق کا حاشیہ نمبر: ۱۰۔

(۲) يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم ويجعلونه واليا. (رد المحتار على الدر المختار: ۵/۳۶۹، كتاب القضاء، مطلب في الاجتهاد وشروطه، ط: دار الفكر-بيروت ☆ البحر الرائق: ۶/۲۹۸، كتاب القضاء، طلب القضاء، ط: دار الكتاب الإسلامي)

الجواب حامداو مصلیا:

مختلف کیلنڈرز میں رمضان اور عید سمیت تمام اسلامی مہینوں کی تاریخ چھپی ہوئی ہوتی ہے، وجوب صوم وافطار میں اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

اسی طرح ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ نشر ہونے والی خبروں کا بھی وجوب صوم وافطار میں اعتبار نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ ظن وتخمین پر مبنی ہیں، جب کہ شریعت میں صوم وافطار کا مدار چاند کی رؤیت پر ہے، چاند کے ہونے (یعنی چاند کی پیدائش ووجود) کا اعتبار نہیں ہے۔[1]

(۱) ولا عبرة بقول المؤقتين، ولو عدولا على المذهب، قال في الوهبانية: وقول أولي التوقيت ليس بموجب، وقيل نعم، والبعض إن كان يكثر. (الدر المختار)

علامی شامیؒ نے مذکورہ عبارت کی شرح کرتے ہوئے بڑی عمدہ بحث کی ہے، جو ذرا طویل ہے، تاہم اہم ہے، ملاحظہ فرمائیں ان کی زبانی:

قال ابن عابدين: (قوله: ولا عبرة بقول المؤقتين) أي في وجوب الصوم على الناس، بل في المعراج لا يعتبر قولهم بالإجماع، ولا يجوز للمنجم أن يعمل بحساب نفسه، وفي النهر فلا يلزم بقول المؤقتين أنه أي الهلال يكون في السماء ليلة كذا وإن كانوا عدولا في الصحيح كما في الإيضاح وللإمام السبكي الشافعي تأليف مال فيه إلى اعتماد قولهم؛ لأن الحساب قطعي. اهـ. ومثله في شرح الوهبانية. ______ [مطلب ما قاله السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود] قلت ما قاله السبكي رده متأخرو أهل مذهبه، منهم ابن حجر والرملي في شرحي المنهاج، وفي فتاوى الشهاب الرملي الكبير الشافعي: سئل عن قول السبكي لو شهدت بينة برؤية الهلال ليلة الثلاثين من الشهر، وقال الحساب بعدم إمكان الرؤية تلك الليلة عمل بقول أهل الحساب؛ لأن الحساب قطعي والشهادة ظنية، وأطال في ذلك فهل يعمل بما قاله أم لا وفيما إذا رئي الهلال نهارا قبل طلوع الشمس يوم التاسع والعشرين من الشهر، وشهدت بينة برؤية هلال رمضان ليلة الثلاثين من شعبان، فهل تقبل الشهادة أم لا؛ لأن الهلال إذا كان الشهر كاملا يغيب ليلتين أو ناقصا يغيب ليلة أو غاب الهلال الليلة الثالثة قبل دخول وقت العشاء؛ لأنه -صلى الله عليه وسلم- كان يصلي العشاء لسقوط القمر الثالثة، هل يعمل بالشهادة أم لا؟.

فأجاب: بأن المعمول به في المسائل الثلاث ما شهدت به البينة؛ لأن الشهادة نزلها الشارع منزلة اليقين وما قاله السبكي مردود، رده عليه جماعة من المتأخرين، وليس في العمل بالبينة مخالفة لصلاته -صلى الله عليه وسلم- ووجه ما قلناه أن الشارع لم يعتمد الحساب، بل ألغاه بالكلية بقوله: نحن أمة أمية لا نكتب ولا نحسب الشهر هكذا وهكذا. وقال ابن دقيق العيد: الحساب لا يجوز الاعتماد عليه في الصلاة انتهى.

والاحتمالات التي ذكرها السبكي بقوله ولأن الشاهد قد يشتبه عليه إلخ لا أثر لها شرعا لإمكان وجودها في غيرها من الشهادات اهـ (قوله: وقيل نعم إلخ) يوهم أنه قيل بأنه موجب للعمل، وليس كذلك بل الخلاف في جواز الاعتماد عليهم، وقد حكى في القنية الأقوال الثلاثة فنقل أولا عن القاضي عبد الجبار، وصاحب جمع العلوم أنه لا =

چوں کہ کیلنڈر کی تفصیلات کا اعتبار کرنے کی صورت میں (بعض مرتبہ) خلاف شرع امر کو ماننا پڑتا ہے، اس طور پر کہ اسلامی مہینہ یا تو ۲۹/ کا ہوتا ہے یا ۳۰/ کا؛ لیکن چاند کی رؤیت کے ساتھ، اس (کلینڈر کی تاریخ) کا اعتبار کرنے میں کبھی مہینہ ۲۸/ دن کا ہو جاتا ہے اور کبھی ۳۱/ کا، گر چہ یہ صورت ہمیشہ پیش نہیں آتی، تاہم ایسا ہوتا ہے۔ اسلام نے صوم و افطار کے سلسلے میں چاند کی رؤیت کو بنیاد بنایا ہے، بس اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۹] جنتری کی تاریخ کے مطابق ہلالِ رمضان وعید کی خبر دینا

(سوال سابق اور اس سوال میں تکرار ہے، تاہم بعض نئے فوائد پر مشتمل ہے؛ اس لیے اس سوال کو درج کیا گیا ہے۔ مرتب)

۱۵۲۶- سوال: ٹورنٹو میں M.S.A. نامی ایک سوسائٹی ہے، اُس کی طرف سے شائع کردہ جنتری (کیلنڈر) میں پہلے ہی سے رمضان اور عید کے چاند کی تعیین ہوتی ہے، اور وہ اخبار، ریڈیو اور ٹیلی فون کے ذریعہ ایک ماہ دیڑھ ماہ پہلے اُس کو نشر کرتے ہیں، تو اُن کے ذریعہ دی گئی خبر معتبر ہے یا نہیں؟ عام طور پر وہ لوگ سعودی سے آئی ہوئی خبر کو نشر کرتے ہیں، یا وہ خبر امریکہ سے آئی ہوئی ہوتی ہے، تو کیا ہم اُن کے ساتھ

= بأس بالاعتماد على قولهم، ونقل عن ابن مقاتل أنه كان يسألهم ويعتمد على قولهم إذا اتفق عليه جماعة منهم، ثم نقل عن شرح السرخسي أنه يعيد وعن شمس الأئمة الحلواني: أن الشرط في وجوب الصوم والإفطار الرؤية، ولا يؤخذ فيه بقولهم، ثم نقل عن مجد الأئمة الترجماني أنه اتفق أصحاب أبي حنيفة إلا النادر والشافعي أنه لا اعتماد على قولهم. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۸۷، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، مطلب لا عبرة بقول المؤقتين في الصوم، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۹۷، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، ط: دار الفكر)

(۲) ابن عمر رضي الله عنهما، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: إنا أمة أمية، لا نكتب ولا نحسب، الشهر هكذا وهكذا، يعني مرة تسعة وعشرين، ومرة ثلاثين. (صحيح البخاري: ۱/ ۲۵۶، رقم الحديث: ۱۹۱۳، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا نكتب ولا نحسب، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۴۷، رقم الحديث: ۱۵-(۱۰۸۰)، كتاب الصوم، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال، والفطر لرؤية الهلال، وأنه إذا غم في أوله أو آخره أكملت عدة الشهر ثلاثين يوما، ط: ديوبند)

عن أبي هريرة رضي الله عنه، يقول: قال النبي -صلى الله عليه وسلم-: أو قال: قال أبو القاسم صلى الله عليه وسلم: صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته، فإن أغمي عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين. (صحيح البخاري: ۱/ ۲۵۶، رقم الحديث: ۱۹۰۹، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: إذا رأيتم الهلال فصوموا، وإذا رأيتموه فأفطروا، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۴۷، رقم الحديث: ۱۷-(۱۰۸۱)، كتاب الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال، والفطر لرؤية الهلال... الخ، ط: ديوبند)

متفق ہوسکتے ہیں؟ اُن کی خبر پر ہمارا عمل کرنا صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلّیاً:

M.S.A نامی سوسائٹی ہو یا کوئی اور، اگر وہ شرعی قوانین وضوابط کے مطابق قائم ہو، تو اُس کی خبر قابلِ عمل ہے، جنتری کے حساب سے رمضان یا عید کے چاند کی خبر نشر کرنا، خواہ ایک ڈیڑھ مہینہ پہلے ہو یا ایک دِن پہلے، قابلِ قبول نہیں ہے، اسی طرح ریڈیو یا نیوز پیپر شرعی حجت نہیں ہیں، شریعت میں رؤیتِ ہلال کا اعتبار ہے، چاند ہونے کا اعتبار نہیں ہے۔

اتحاد واتفاق کی تجویز [کہ سعودی یا امریکہ کے ساتھ روزہ رکھا جائے یا عید منائی جائے] اُسی وقت معتبر ہے، جب کہ وہ شریعت کے اصول کے مطابق ہو، شریعت کے خلاف کوئی بات ہو، تو وہ قابل اعتبار نہیں ہے، صورت مسئولہ میں جنتری میں تاریخ کی پیشگی تعیین، شریعت مطہرہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے رؤیتِ ہلال کے اصول کے خلاف ہے، اس لیے اگر چاند کی رؤیت اس تجویز کے موافق ہو جائے، تو عمل کیا جائے گا، ورنہ صرف اس [جنتری] پر اعتماد کر کے روزہ رکھنے اور عید منانے کی گنجائش نہیں ہوگی۔ [۱]

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۰] فضائی تعلیمی اِدارے کی طرف سے ملی ہوئی خبر معتبر ہے؟

۱۵۲۷- سوال: یہاں ٹورنٹو میں اوبروسیٹی (فضائی تعلیمی اِدارہ) سے چاند کی خبر ملتی ہے، وہ لائقِ قبول ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلّیاً:

ہلال کے سلسلہ میں جو شرعی شرائط وضوابط ہیں، اُن کی رِعایت کرتے ہوئے قبول کیا جاسکتا ہے، صرف ماہرین فلکیات کی اراء پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، الا یہ کہ ان کی اراء، اسلامی شریعت کے موافق ہو جائے۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) تفصیل وتخریج کے لیے سوال سابق کی جانب رجوع کریں۔

(۲) عنوان: ''کیلنڈر میں چھپی ہوئی تاریخ سے عید منانا'' کی تخریج وتفصیل ملاحظہ کریں۔

[۴۱] عورتوں کی خبر یا فون کے ذریعہ دی گئی خبر سے عید الفطر کا چاند ثابت ہوگا یا نہیں؟

۱۵۲۸- سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین مسئلۂ ذیل کے بارے میں؟

۲۹ رمضان کو شام میں، گاؤں میں کسی مرد کو چاند نظر نہ آیا؛ اس لیے گاؤں کے تمام افراد نے ۳۰ واں روزہ رکھا، صبح نو/۹ بجے خبر آئی کہ مجادر گاؤں میں ایک عورت نے چاند دیکھا ہے، اس عورت کو اپنی بات میں پختہ یقین ہے؛ اس لیے اس نے روزہ بھی نہیں رکھا، اور فیروز پورہ میں تین بالغ لڑکیوں نے چاند دیکھا، اور رات میں بمبئی سے فون آیا کہ بمبئی میں چاند ہو گیا ہے، تو چار پانچ علماءِ کرام (جو کانودر گاؤں کے تھے) چاند کی تحقیق کے لیے وہاں پہنچے، کانودر گاؤں والے بمبئی فون سے بات کر رہے تھے، انہوں نے وہاں سے خبر دی کہ یہاں چاند ہو گیا ہے، اور ہم لوگوں نے عید بھی کر لی ہے، اور ہوٹلوں کو کھول دیا ہے، اور ان لوگوں کی آواز کو علماء نے پہچان بھی لیا کہ کون بول رہا ہے۔

پھر یہ علماء چھاپی دار العلوم میں خبر لے کر آئے، اور فیروز پورہ فون کر کے دار العلوم کے مہتمم مولانا ...... کو بلایا، اور مجادر فون کر کے دار العلوم وڈالی کے مہتمم مولانا ......، چھاپی اصلاحی کتب خانہ والے مولانا ...... اور دار العلوم کے مفتی مولانا ...... (جو چھاپی میں ضروری کام کے لیے آئے تھے) بلایا گیا۔[1]

کل نو/۹ علماء اور تین سمجھ دار لوگوں کو ملا کر ایک کمیٹی بنائی گئی، یہ صرف ایک دن کی چاند کمیٹی اور وقتی کمیٹی بنی، جس کے قاضی دار العلوم کے مہتمم مولانا ...... کو بنایا گیا، ان کو سب حالات واخبار سنائے، اور پھر انہوں نے کمیٹی کے سب لوگوں سے پوچھا کہ تم لوگوں کو ان خبروں پر اطمینان ہے؟ سب نے جواب دیا کہ ہمیں اطمینان ہے، تو قاضی صاحب نے پانی سے روزہ افطار کیا، اور سب کمیٹی والوں نے بھی روزہ کھول دیا۔

اس مجلس میں خود فلاں صاحب (ایک ملازم) حاضر تھے، جس نے یہ پوری تفصیل چھاپی دار العلوم کے دفتر میں سنی، اور اس کو نوٹ کیا، پھر روزہ افطار کرنے کے بعد قرب وجوار کے گاؤں میں اعلان کیا گیا کہ عید کا چاند ہو گیا ہے، اس لیے سب روزہ افطار کر لیں، تو سب لوگوں نے روزہ افطار کر لیا۔

اس مسئلہ کے بارے میں مجھے اطمینان نہیں ہے، اس لیے مفتیانِ کرام اس بارے میں کیا فرماتے

---

(۱) نام اور مقام کو فرضی تصور کریں، اصلی ناموں کو اس لیے قصداً حذف کر دیا گیا ہے۔

ہیں؟ کیا اس طرح عید کے چاند کا ثبوت ہو جائے گا؟

کیا یہ روزہ، جسے توڑ دیا گیا، اس کی قضاء کرنی ہوگی یا نہیں؟

نیز کفارہ دینا ہوگا یا نہیں؟

خلاصہ کے ساتھ اطمینان بخش جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

عبدالواحد فلاحی

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ تفصیل کے مطابق بمبئی سے دو-تین فون آئے، اور عورتوں کی گواہی سے روزہ افطار کیا اور کرایا گیا، یہ صحیح نہیں ہے، کیوں کہ عید کے چاند کے ثبوت کے لیے جب مطلع صاف ہو، آسمان ابر آلود نہ ہو، تو ایک جماعت کی خبر کا ہونا ضروری ہے، جو چاند کی رؤیت کی خبر دے، یہ جماعت اتنی تعداد میں ہوں، کہ ان سب کا جھوٹ پر متفق ہونا مشکل ہو، اور ان کی خبر پر مکمل اطمینان ہو جائے، تو عید کا حکم لگایا جاتا ہے۔[1]

لیکن مطلع ابر آلود ہو، تو دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے عید کے چاند ہونے کا حکم لگانا صحیح ہے۔[2]

فقہاء کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ عید کے چاند کے بارے میں امورِ اربعہ میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے: (۱) شہادت: دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کا ہونا۔ (جب کہ مطلع ابر آلود ہو)

---

(۱) (وإن لم يكن بالسماء علة) مما ذكرنا (فلا بد في الكل) أي في هلال رمضان والفطر والأضحى (من جمع عظيم) غير مقدر في ظاهر الرواية (يقع العلم بخبرهم) ويحكم العقل بعدم تواطئهم على الكذب، والمراد من العلم هنا ما يوجب العمل، وهو غالب الظن، لا العلم بمعنى اليقين نص اليقين نص عليه في المنافع والغاية. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ'داماد أفندي' (م:۱۰۷۸هـ): ۱/۲۳۷، كتاب الصوم، ما يثبت به رمضان، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/۱۱۹، كتاب الصوم، فصل في رؤية الهلال، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۳۸۸، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر)

(۲) (و) شرط مع العلة في ظاهر الرواية (في هلال الفطر) أي في شوال (وذي الحجة شهادة حرين أو حر وحرتين). ... (بشرط العدالة) والحرية وعدم الحد في القذف لما فيه من الإلزام (ولفظ الشهادة) لتعلق حق العباد به بخلاف رمضان؛ لأنه حق الشرع. (مجمع الأنهر: ۱/۲۳۷، كتاب الصوم، ما يثبت به رمضان ★ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۳۸۸، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان)

(۲) شہادت علی الشہادت ہو۔ (۳) شہادت علی القضاء ہو۔ (۴) خبرِ مستفیض، یعنی ایسی خبر جس کے راوی اتنے ہوں کہ ان کا کذب پر متفق ہونا محال ہو۔[۳]

صورت مسئولہ میں امورِ اربعہ میں سے کوئی بھی ایک متحقق نہیں ہو رہا ہے، فقط دو تین عورتوں کے دیکھنے سے رؤیت ثابت نہ ہوگی؛ اس لیے کہ شہادت میں دو عادل مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے، صرف عورتوں کی گواہی سے رؤیتِ ہلال کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے۔ (عمدۃ الفقہ: ۳/ ۲۳۵)[۴]

آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ فقط عورتوں نے خبر دی ہے، شہادت بھی ان سے نہیں لی گئی، حالاں کہ ہلال کمیٹی کے ذمہ داروں کے سامنے ان کا گواہی دینا ضروری تھا، چاہے ان کی گواہی، شرائطِ شہادت کے عدمِ تحقق کی وجہ سے رد کر دی جاتی۔[۵]

بمبئی سے دو تین فون آئے، یہ گواہی کے درجے میں نہیں ہے، خبر ہے، اور خبرِ مستفیض کے درجے میں بھی نہیں ہے؛ اس لیے فون کی اس خبر کی وجہ سے چاند ہونے کا حکم لگانا درست نہیں تھا، دو فون آنا، تین لڑکیاں اور ایک عورت کی خبر سب ملا کر بھی خبرِ مستفیض کے درجہ میں نہیں ہے، اس اعتبار سے ان علماء کا یہ فیصلہ کرنا صحیح نہیں ہے۔[۶] روزہ افطار کرنے والے اور دوسروں کو افطار کرانے والے سب گنہگار ہیں، روزے کی قضا کرنا

---

[۳] (قوله: بطريق موجب) كأن يتحمل اثنان الشهادة، أو يشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية ح. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۹۴، قبيل: باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، ط: دار الفكر- بيروت☆حاشية الطحطاوي على المراقي ص: ۶۵۶، فصل فيما يثبت به الهلال و في يوم الشك، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية☆جواهر الفقه: ۵/ ۱۷۷-۱۷۸)

[۴] عید الفطر کے چاند میں صرف عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہوگی، خواہ وہ بہت سی ہوں۔ (عمدۃ الفقہ: ۳/ ۱۶۰، کتاب الصوم، مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں شوال کے چاند کا ثبوت، ط: تھانوی- دیوبند)

[۵] (وشرط للفطر) مع العلة والعدالة (نصاب الشهادة ولفظ أشهد)... (ولو كانوا ببلدة لا حاكم فيها صاموا بقول ثقة وأفطروا بإخبار عدلين) مع العلة (للضرورة)... (و) قبل (بلا علة جمع عظيم يقع العلم) الشرعي وهو غلبة الظن (بخبرهم وهو مفوض إلى رأي الإمام من غير تقدير بعدد) على المذهب. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۸۶-۸۸، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر)

(۶) وفي الفتح والحق ما روي عن محمد وأبي يوسف أيضا أن العبرة لتواتر الخبر ومجيئه من كل جانب حتى لا يتوهم تواطؤهم على الكذب. ـــــــ وفي الزاد وهو الصحيح. (مجمع الأنهر: ۱/ ۲۳۷، كتاب الصوم، ما يثبت به رمضان، ط: دار إحياء التراث العربي)

ضروری ہے، جس عورت نے چاند دیکھنے کی خبر دی ہے، اس کے لیے بھی روزہ رکھنا ضروری تھا، افطار جائز نہ تھا، اس نے روزہ نہیں رکھا، یہ اس کی غلطی ہے، اس کو بھی روزے کی قضا کرنا ضروری ہے۔[۷] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۷) ویلتمس هلال شوال في تاسع وعشرين من رمضان فمن رآه وحده لا يفطر أخذا بالاحتياط في العبادة فإن أفطر قضاه، ولا كفارة عليه كذا في الاختيار شرح المختار. رجل رأى هلال الفطر وشهد، ولم تقبل شهادته كان عليه أن يصوم فإن أفطر ذلك اليوم كان عليه القضاء دون الكفارة، كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۹۸، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/ ۲۸۶، كتاب الصوم، بما يثبت شهر رمضان، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۸۴، كتاب الصوم، سبب رمضان، ط: دار الفكر)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. (۲-البقرۃ:۱۸۵)

باب وجوب الصوم وشرائطه

[روزہ کا وجوب اور اس کی شرطیں]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب وجوب الصوم وشرائطه

[روزہ کا وجوب اور اس کی شرطیں]

[۱] روزے میں زبان سے نیت ضروری ہے یا دل سے کافی ہے؟

۱۵۲۹-سوال: روزے کی نیت زبان سے ادا کرنا ضروری ہے؟ کیا زبان سے نیت کے کلمات ادا کرنا آں حضرت ﷺ، خلفائے راشدین اور ائمہ اربعہ سے ثابت ہے؟ حوالے کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نیت: نام ہے دل سے کسی کام کے کرنے کا پختہ ارادہ کرنا۔(۱) لہٰذا اگر کسی نے روزے کا پختہ ارادہ کرلیا ہے، بس کافی ہے، زبان سے بولنا ضروری نہیں؛ البتہ زبان سے بولنا مستحب ضرور ہے۔ بغیر نیت کے روزہ اور دیگر عبادتیں درست نہیں ہوتیں۔(۲)

(۱) والنية: معرفته بقلبه أن يصوم كذا في الخلاصة، ومحيط السرخسي. (الفتاوىٰ الهندية: ۱/۱۹۵، كتاب الصوم، الباب الأول في تعريفه، وتقسيمه وسببه ووقته وشرطه، ط: دار الفكر☆رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۸۰، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر☆بدائع الصنائع: ۲/۸۶، كتاب الصوم، فصل شرائط أنواع الصيام، ط: دار الكتب العلمية☆ البحر الرائق: ۲/۲۷۷، كتاب الصوم، أقسام الصوم، ط: دار الفكر)

(۲) اعلم أن النية شرط في الصوم، وهو أن يعلم بقلبه أنه يصوم، ولا يخلو مسلم عن هذا في ليالي شهر رمضان، وليست النية باللسان شرطا،... ولنا أنه عبادة فلا يجوز إلا بالنية كسائر العبادات، ولقوله - عليه الصلاة والسلام-: "الأعمال بالنيات" ولما مر في الصلاة، ولأن الإمساك قد يكون للعادة أو لعدم الاشتهاء أو للمرض أو=

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زبان سے نیت کرنا ثابت نہیں ہے، مشائخ سے منقول ہے۔ [۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] تھوڑی دور کے سفر میں روزہ نہ رکھنے کی گنجائش نہیں

۱۵۳۰- سوال: حالت سفر میں روزہ رکھنے کی اجازت ہے، بہ شرطے کہ وہ سفر، سفر شرعی ہو، یعنی ۸۲ رکلومیٹر کا سفر ہو، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر سفر ۸۲ رکلومیٹر کے اندر ہے، تو کیا روزہ رکھنا ضروری ہوگا؟

الجواب حامداومصلیا:

سفر شرعی ۴۸ رمیل ہے، ۴۸ میل سے کم سفر میں روزہ نہ رکھنے کی گنجائش نہیں ہے، ۸۷ رکلومیٹر پر قصر کا حکم لگتا ہے۔ (۴۸ میل کے ۸۲ رکلومیٹر بنتے ہیں یا ۸۷، اس کی تحقیق کر لی جائے) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=للرياضة ويكون للعبادة فلا يتعين لها إلا بالنية كالقيام إلى الصلاة، وأداء الخمس إلى الفقير. (الاختيار لتعليل المختار- عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ۶۸۳هـ): ۱/ ۱۲۶، أول كتاب الصوم، ت: الشيخ محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي- القاهرة ☆ الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۱۲۶، كتاب الصوم، فصل في من كان مريضا في رمضان إلخ، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت ☆ العناية: ۲/ ۳۹۰، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الفكر)

(۳) (قوله: والسنة) أي سنة المشايخ، لا النبي- صلى الله عليه وسلم- لعدم ورود النطق بها عنه. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۸۰، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر)

والسنة أن يتلفظ بها كذا في النهر الفائق. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۹۵، كتاب الصوم، الباب الأول في تعريفه وتقسيمه وسببه، ط: دار الفكر ☆ الجوهرة النيرة: ۱/ ۱۳۶، كتاب الصوم، ط: المطبعة الخيرية)

[۱] فالذي يصير المقيم به مسافرا، نية مدة السفر، والخروج من عمران المصر، فلا بد من اعتبار ثلاثة أشياء: أحدها: مدة السفر، وأقلها غير مقدر عند أصحاب الظواهر، وعند عامة العلماء مقدر، واختلفوا في التقدير قال أصحابنا: مسير ثلاثة أيام سير الإبل ومشي الأقدام وهو المذكور في ظاهر الروايات. وروي عن أبي يوسف يومان وأكثر الثالث، وكذا روى الحسن عن أبي حنيفة وابن سماعة عن محمد، ومن مشايخنا من قدره بخمسة عشر فرسخا وجعل لكل يوم خمس فراسخ، ومنهم من قدره بثلاث مراحل. (بدائع الصنائع: ۱/ ۹۳، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يصير به المقيم مسافرا، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

نوٹ: ۴۸ رمیل کی مسافت سفر شرعی کے لیے لازم ہے، میل دو طرح کا ہوتا ہے، میل انگریزی اور میل شرعی، میل انگریزی کے حساب سے ۴۸ رمیل کے ۸۷ رکلومیٹر ہوتے ہیں۔ (حضرت مفتی صاحبؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے، ہندوستانی علماء کی بڑی تعداد اسی=

[۳] قید خانہ میں رمضان کے روزے رکھنا

۱۵۳۱- سوال: قید خانہ میں رمضان کے روزوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قید خانہ مسافتِ سفر سے کم مسافت پر واقع ہے، تو رمضان کے روزے رکھنا فرض ہے۔ (۱)

اگر قید خانہ میں سحر وافطار کا نظم نہ ہونے کی وجہ سے، سخت بھوک اور پیاس کی مشقت یا قید خانہ میں سزائے بامشقت کی بنا پر کمزوری کا اندیشہ ہو، تو روزے نہ رکھنا جائز ہے، لیکن بعد میں قضا لازم ہے۔ [۲]

اگر قید خانہ مسافتِ سفر پر واقع ہو اور قیدی کو معلوم ہو کہ اِس قدر مسافت طے کر کے مجھے جانا ہے اور

= کی قائل ہے۔) جب کہ میل شرعی کے حساب سے ۴۸ میل کے ۸۲ رکلومیٹر ہوتے ہیں، احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ ۸۲ رکلومیٹر والا قول اختیار کیا جائے، البتہ اکابر کا عمل ۷۸ رکلومیٹر کا بھی ہے، لہٰذا اس کے مطابق عمل کرنے والوں کو تغلیط نہ کی جائے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: الاوزان المحمودۃ، ص: ۹۲-۹۴، میل [کی تحقیق]، ط: دار الکتاب- دیوبند) [مجتبیٰ حسن قاسمی]

(۱) شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۗ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۫ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. (۲- البقرۃ: ۱۸۵)

ترجمہ: (وہ تھوڑے دن) ماہ رمضان ہے، جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے، جس کا (ایک) وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لیے (ذریعۂ) ہدایت ہے اور (دوسرا وصف) واضح الدلالۃ ہے، منجملہ ان (کتب) کے جو (ذریعہ) ہدایت (بھی) ہیں اور (حق وباطل میں) فیصلہ کرنے والی (بھی) ہیں، سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو، اس کو ضرور اس میں روزہ رکھنا چاہیے، سو جو شخص بیمار ہو یا سفر میں تو دوسرے ایام کا (اتنا ہی) شمار (کر کے ان میں روزہ) رکھنا (اس پر واجب) ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تمھارے ساتھ (احکام میں) آسانی کرنا منظور ہے اور تمھارے ساتھ (احکام وقوانین مقرر کرنے میں) دشواری منظور نہیں اور تا کہ تم لوگ (ایام ادا یا قضا کی) شمار کی تکمیل کر لیا کرو (کہ ثواب میں کمی نہ رہے) اور تا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بزرگی (وثنا) بیان کیا کرو اس پر کہ تم کو (ایک ایسا) طریقہ بتلا دیا (جس سے تم برکات وثمرات صیام رمضان سے محروم نہ رہو گے) اور (عذر سے خاص رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت اس لیے دیدی) تا کہ تم لوگ (اس نعمت آسمانی پر اللہ کا) شکر ادا کیا کرو۔

[۲] (ومنها [من الأعذار المبيحة للفطر] العطش والجوع كذلك) إذا خيف منهما الهلاك أو نقصان العقل كالأمة إذا ضعفت عن العمل وخشيت الهلاك بالصوم، وكذا الذي ذهب به موكل السلطان إلى العمارة في الأيام الحارة إذا خشي الهلاك أو نقصان العقل كذا في فتح القدير. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۰۷، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار، ط: دار الفكر)

اُس نے سفر کی نیت بھی کی ہے، تو مسافر کے لیے رمضان کے روزے میں تخفیف ہے، کہ وہ روزہ نہ رکھے اور بعد میں قضا کر لے۔(۳)

اگر قید خانہ میں پندرہ یا اُس سے زائد دِنوں کی اِقامت طے ہے اور قید خانہ کسی بستی میں ہے، یا خود قید خانہ اِتنا بڑا ہے کہ مستقل چھوٹی سی بستی کے قائم مقام ہے، تو پھر یہ شخص مقیم کہلائے گا، اُسے روزہ رکھنا چاہیے۔(۴)

اگر قیدی کو پتہ نہیں ہے کہ قید خانہ میں کتنے دِن تک رہنا ہے، یا اِس قید خانہ سے دوسری کسی جگہ منتقل ہونا ہے یا نہیں، تب بھی وہ مسافر شمار ہوگا، کیوں کہ اِس حالت میں وہ مستقل بالرائے نہیں ہے، بل کہ قید خانہ کے ذمہ داروں کے تابع ہے، بہر حال اگر مسافر ہو یا مشقت ہو، تو روزہ قضا کرنے کی اِجازت ہے۔(۵) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] انگلینڈ میں گرمی کے دِنوں میں روزے کا حکم

۱۵۳۲- سوال: زیادہ گرمی کے دِنوں میں یہاں انگلینڈ میں صبحِ صادق ۲:۲۵ کو ہوتی ہے، اور غروبِ آفتاب ۹:۴۰ کو ہوتا ہے، گویا ۱۹ر گھنٹے سے زائد روزہ کا وقت ہوتا ہے، جو کہ عام ملکوں کے مقابلے میں کافی طویل ہے، تو وہاں روزہ کا کیا حکم ہے؟ کیا روزہ رکھنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

(۳-۴) حاشیہ نمبر (۱) ملاحظہ کریں۔

(۵) ولا بد للمسافر من قصد مسافة مقدرة بثلاثة أيام حتى يترخص برخصة المسافرين وإلا لا يترخص أبدا ولو طاف الدنيا جميعها بأن كان طالب آبق أو غريم أو نحو ذلك ويكفي في ذلك القصد غلبة الظن يعني إذا غلب على ظنه أنه يسافر قصر ولا يشترط فيه التيقن، كذا في التبيين . . . . ولا يزال على حكم السفر حتى ينوي الإقامة في بلدة أو قرية خمسة عشر يوما أو أكثر، كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۳۹، كتاب الصلاة، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: دار الفكر-بيروت)

وكل من كان تبعا لغيره يلزمه طاعته يصير مقيما بإقامته ومسافرا بنيته وخروجه إلى السفر، كذا في محيط السرخسي فيصير الجندي مقيما في الفيافي بنية إقامة الأمير في المصر، كذا في الكافي في نواقض الوضوء الأصل أن من يمكنه الإقامة باختياره يصير مقيما بنية نفسه ومن لا يمكنه الإقامة باختياره لا يصير مقيما بنية نفسه حتى أن المرأة إذا كانت مع زوجها في السفر والرقيق مع مولاه والتلميذ مع أستاذه والأجير مع مستأجره والجندي مع أميره فهؤلاء لا يصيرون مقيمين بنية أنفسهم في ظاهر الرواية، كذا في المحيط. (المصدر السابق: ۱/۱۴۱)

الجواب حامداً ومصلیا:

روزہ رکھنا ضروری ہے، ایسے ممالک میں رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے علاقہ کے اعتبار سے قوت عطا فرمائی ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) والصوم يقوم به [الوقت] ويطول بطوله ويقصر بقصره؛ لأنه معياره. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق-زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (م:۹۷۰هـ): ۲۶۲/۱، كتاب الصلاة، الأوقات المنهي عن الصلاة فيها، ت: دار الكتاب الإسلامي ☆ وكذا في كتاب الصوم، ۳۱۱/۲، فصل في عوارض الفطر في رمضان)

قال ابن عابدين تحت (قوله حديث الدجال): قال الرملي في شرح المنهاج: ويجري ذلك فيما لو مكثت الشمس عند قوم مدة. اهـ. ح. قال في إمداد الفتاح قلت: وكذلك يقدر لجميع الآجال كالصوم والزكاة والحج والعدة وآجال البيع والسلم والإجارة، وينظر ابتداء اليوم فيقدر كل فصل من الفصول الأربعة بحسب ما يكون كل يوم من الزيادة والنقص كذا في كتب الأئمة الشافعية، ونحن نقول بمثله إذ أصل التقدير مقول به إجماعا في الصلوات اهـ.

....

وفي هذا الحديث أن ليلة طلوعها من مغربها تطول بقدر ثلاث ليال، لكن ذلك لا يعرف إلا بعد مضيها لانبهامها على الناس، فحينئذ قياس ما مر أنه يلزم قضاء الخمس؛ لأن الزائد ليلتان فيقدران عن يوم وليلة وواجبهما الخمس. اهـ.

....

[تتمة] لم أر من تعرض عندنا لحكم صومهم فيما إذا كان يطلع الفجر عندهم كما تغيب الشمس أو بعده بزمان لا يقدر فيه الصائم على أكل ما يقيم بنيته، ولا يمكن أن يقال بوجوب موالاة الصوم عليهم؛ لأنه يؤدي إلى الهلاك. فإن قلنا بوجوب الصوم يلزم القول بالتقدير، وهل يقدر ليلهم بأقرب البلاد إليهم كما قاله الشافعية هنا أيضا، أم يقدر لهم بما يسع الأكل والشرب، أم يجب عليهم القضاء فقط دون الأداء؟ كل محتمل، فليتأمل. ولا يمكن القول هنا بعدم الوجوب أصلا كالعشاء عند القائل به فيها؛ لأن علة عدم الوجوب فيها عند القائل به عدم السبب، وفي الصوم قد وجد السبب وهو شهود جزء من الشهر وطلوع فجر كل يوم، هذا ما ظهر لي، والله تعالى أعلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۶۵/۱-۳۶۶، كتاب الصلاة، مطلب في فاقد وقت العشاء كأهل بلغار، ط: دار الفكر-بيروت)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: منتخبات نظام الفتاوی-مفتی نظام الدینؒ: ۵۷۷/۱، کتاب الصوم، لمبے دنوں میں روزہ وعید کا حکم، ت: مفتی امتیاز احمد قاسمی، ط: ایفا پبلیکیشنز-دہلی ☆ احسن الفتاویٰ: ۷۰/۴-۷۱، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ المسافر)

عن أبي هريرة رضي الله عنه، يقول: قال النبي -صلى الله عليه وسلم-: أو قال: قال أبو القاسم صلى الله عليه وسلم: صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته، فإن اغمي عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين. (صحيح البخاري: ۱/ ۲۵۶، رقم الحديث: ۱۹۰۹، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: إذا رأيتم الهلال فصوموا، وإذا رأيتموه فأفطروا، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۴۷، رقم الحديث: ۱۷-(۱۰۸۱)، كتاب الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال، والفطر لرؤية الهلال... الخ، ط: ديوبند)

باب مفسدات الصوم

[مفسدات صوم کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب مفسدات الصوم

[مفسدات صوم کا بیان]

[۱] چکی کے آٹے کا ناک، منہ یا حلق میں چلے جانا

۱۵۳۳- سوال: آٹا پیسنے والی چکی چلاتے وقت، آٹے کے ذرات ناک میں یا بات کرتے وقت منہ میں چلے جائیں، تو روزہ فاسد ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

چکی سے آٹے کے ذرات اڑ کر ناک، منہ یا حلق میں چلے جائیں، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا؛ کیوں کہ آٹا پیسنے والے کے لیے اس سے احتراز ممکن نہیں ہے۔ (فتاوی عالمگیری، جلد ا صفحہ ۲۰۳)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] جنابت کی حالت میں سحری کرنے والے کا روزہ

۱۵۳۴- سوال: ایک شخص نے سحری کے قریب قریب اپنی بیوی کے ساتھ جماع کیا اور غسل کیے

---

[۱] أو "دخل حلقه "غبار ولو "كان "غبار "دقيق من "الطاحون أو "دخل حلقه "ذباب أو "دخل "أثر الطعم الأدوية فيه "أي في حلقه لأنه لا يمكن الاحتراز عنها فلا يفسد الصوم بدخولها "وهو ذاكر لصومه". (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح - حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م:۱۰۶۹ھ) ص:۲۴۵، كتاب الصوم، باب ما لا يفسد الصوم، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية☆مجمع الأنهر :۱/ ۲۴۵، كتاب الصوم، باب موجب الفساد، ط: دار إحياء التراث العربي☆رد المحتار على الدر المختار :۲/ ۹۵، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم، ط: دار الفكر)

بغیر سحری کھالی، صبح صادق اس حال میں ہوئی کہ وہ جنبی ہے، گویا اس نے سحری جنابت کی حالت میں کھائی اور صبح صادق کے بعد غسل کیا، تو اس کا روزہ صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

اگر سحری سے قبل وقت ہو، تو اس کو غسل کر لینا چاہیے اور اگر وقت نہ ہو، تو وضو کر کے سحری کر لے اور سحری کے بعد غسل کرے، اس کا روزہ صحیح ہوجائے گا، صبح صادق کے بعد بھی غسل کرنا جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ولا بأس للجنب أن ينام ويعاود أهله قبل أن يتوضأ وإن توضأ فحسن وإن أراد أن يأكل أو يشرب فينبغي أن يتمضمض ويغسل يديه. كذا في السراج الوهاج. (الفتاوى الهندية: ۱۶/۱، كتاب الطهارة، الباب الثاني في الغسل وفيه ثلاثة فصول، الفصل الثالث في المعاني الموجبة للغسل، ط: دار الفكر- بيروت☆بدائع الصنائع: ۳۸/۱، فصل: الغسل، ط: دار الكتب العلمية☆تبيين الحقائق: ۵۷/۱، كتاب الطهارة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية)

عن عروة، وأبي بكر، قالت عائشة رضي الله عنها: كان النبي صلى الله عليه وسلم يدركه الفجر في رمضان من غير حلم، فيغتسل ويصوم. (صحيح البخاري: ۲۵۸/۱، رقم الحديث: ۱۹۳۱، كتاب الصوم، باب اغتسال الصائم، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۳۵۴/۱، رقم الحديث: ۷۵، ۷۶، ۷۷- (۱۱۰۹)، كتاب الصيام، باب صحة صوم من طلع عليه الفجر وهو جنب، ط: مختار اينڈ كمپني- ديوبند)

وقد اختلف العلماء فيمن أصبح جنبا وهو يريد الصوم: هل يصح صومه أم لا؟ على سبعة أقوال: الأول: أن الصوم صحيح مطلقا فرضا كان أو تطوعا أخر الغسل عن طلوع الفجر عمدا أو لنوم أو نسيان، لعموم الحديث، وبه قال علي وابن مسعود وزيد بن ثابت وأبو الدرداء وأبو ذر وعبد الله بن عمر وعبد الله بن عباس، رضي الله تعالى عنهم. وقال أبو عمر: إنه الذي عليه جماعة فقهاء الأمصار بالعراق والحجاز أئمة الفتوى بالأمصار، مالك وأبو حنيفة والشافعي والثوري والأوزاعي والليث وأصحابهم وأحمد وإسحاق وأبو ثور وابن علية وأبو عبيدة وداود وابن جرير الطبري وجماعة من أهل الحديث. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري- بدر الدين العينى (م: ۸۵۵هـ): ۶/۱۱، كتاب الصوم، باب الصائم يصبح جنبا، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

ولا بأس بأن يصبح الرجل جنبا وإن ذلك لا يفسد صومه. (تحفة الفقهاء- محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۴۰هـ): ۳۶۹/۱، كتاب الصوم، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۵۶/۳، كتاب الصوم، ط: دار المعرفة- بيروت☆بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع- علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۹۲/۲، كتاب الصوم، فصل أركان الصيام، ط: دار الكتب العلمية☆الدر المختار مع رد المحتار: ۴۰۰/۲، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، ط: دار الفكر)

[۴] ایسے مریض کا روزہ، جسے دوا کے بغیر شدید تکلیف ہو

۱۵۳۵- سوال: مجھے ناک میں ہڈی کی تکلیف ہے، جس کی بناء پر زکام رہتا ہے اور ناک بند ہو جاتی ہے، نیز سانس لینے میں بھی تکلیف ہوتی ہے، ڈاکٹری مشورہ کے مطابق دو مرتبہ آپریشن بھی ہوا، اسی طرح بہت سا علاج بھی کیا؛ لیکن ابھی بھی وہی تکلیف ہے، البتہ دوا کے ایک دو قطرے ناک میں ڈالنے سے تکلیف میں کچھ دیر افاقہ ہو جاتا ہے، ایسی حالت میں، میں رمضان کے روزے نہیں رکھ سکتا؛ اس لیے کہ جہاں تک میرے علم میں ہے کہ ناک میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ تو کیا ایسی حالت میں روزہ رکھ سکتا ہوں یا اس کا اور کوئی طریقہ ہے؟

الجواب حامدا ومصلیا:

پانی جیسی دوا ناک میں ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اگر کوئی روزہ کی حالت میں ناک میں دوا ڈال لے، تو اس پر اس کی قضاء واجب ہے، جیسا کہ یہ مسئلہ آپ کے علم میں ہے۔

ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ سیال دوا کے بجائے ایسا پاؤڈر استعمال کریں، جو معدہ تک نہ پہنچے، ایسی صورت میں آپ کا روزہ فاسد نہ ہوگا، اس لیے بہتر یہ ہے کہ آپ روزہ رکھیں اور ممکن ہو تو پاؤڈر والی دوا سے کام چلائیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی صورت میرے ذہن میں نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (أو استعط) في أنفه شيئا (أو أقطر في أذنه دهنا أو داوى جائفة أو آمة) فوصل الدواء حقيقة إلى جوفه ودماغه. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله: فوصل الدواء حقيقة) أشار إلى أن ما وقع في ظاهر الرواية من تقييد الإفساد بالدواء الرطب مبني على العادة من أنه يصل وإلا فالمعتبر حقيقة الوصول، حتى لو علم وصول اليابس أفسد أو عدم وصول الطري لم يفسد وإنما الخلاف إذا لم يعلم يقينا فأفسد بالطري حكما بالوصول نظرا إلى العادة ونفياه كذا أفاده في الفتح. ــــــ قلت: ولم يقيدوا الاحتقان والاستعاط والإقطار بالوصول إلى الجوف لظهوره فيها وإلا فلا بد منه حتى لو بقي السعوط في الأنف ولم يصل إلى الرأس لا يفطر، ويمكن أن يكون الدواء راجعا إلى الكل تأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۰۲، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم و مالايفسد، ط: دار الفكر- بيروت ☆ مجمع الأنهر: ۱/ ۲۴۱، كتاب الصوم، باب موجب الفساد، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۰۴، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، النوع الأول ما يوجب القضاء دون الكفارة، ط: دار الفكر ☆ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح- أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱ھ)، ص: ۶۷۲، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت) =

[۴] روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھانا

۱۵۳۶- سوال: روزہ کی حالت میں ''مسل'' میں یا ''نس'' میں گلوکوز چڑھانے سے روزہ ٹوٹ

= حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم نے تنفس کے ایسے مریض کے سلسلے میں لکھا ہے، جن کا انہیلر کے استعمال کے بغیر سانس لینا انتہائی دشوار ہو، کہ وہ روزہ بھی رکھے اور صاحب استطاعت ہو تو فدیہ بھی ادا کرتا رہے، کیوں کہ انہیلر کے استعمال سے روزہ کے فاسد ہونے پر مجھے مکمل اطمینان نہیں ہے، سوال وجواب ملاحظہ فرمائیں:

سوال: (۱) زید کی عمر ۷۶ برس ہے، دمہ کا شدید مریض ہے، دن میں تین مرتبہ انہیلر لینے کی ضرورت پیش آتی ہے، رمضان المبارک کی آمد سے پہلے بہت کوشش کی کہ دن میں دو مرتبہ پر اکتفا کروں، لیکن بجائے فائدہ کے نقصان ہوگیا، اور ڈاکٹر نے کہا کہ آپ دو کے بجائے چار دفعہ لیا کریں، ایسی حالت میں میرے لئے روزہ کا کیا حکم ہے؟

(۲) ایک شخص کو دمہ کی شکایت ہے، انہیلر دینے سے پھیپھڑوں کو سکون ملتا ہے، گیس اندر جا کر پھیپھڑوں کو کھولتی ہے، ہر دو گھنٹہ پر انہیلر لینا پڑتا ہے، یہ ناک کے ذریعہ بھی لی جاسکتی ہے، تو کیا روزہ کی حالت میں انہیلر لیا جاسکتا ہے؟

جواب:- انہیلر کے ذریعہ دواء کے اجزاء حلق کے نیچے پہونچتے ہیں، یا یہ گیس میں تبدیل ہو کر حلق سے نیچے جاتی ہے، اس سلسلہ میں مجھے کما حقہ تحقیق نہیں ہے، اور بعض ڈاکٹروں سے گفتگو پر بھی یہ بات واضح نہیں ہوسکی، اس لئے راقم الحروف یہ رائے دیا کرتا ہے کہ انہیلر لیتے ہوئے روزہ رکھ لیا جائے، کہ اپنی طاقت وصلاحیت کے مطابق حکم خداوندی کی اطاعت ہوجائے، اور جو لوگ صاحب استطاعت ہوں وہ فدیہ بھی ادا کردیں، کہ اگر روزہ کافی نہ ہو، تو فدیہ سے اس کمی کی تلافی ہوجائے، جیسے منھ کے راستہ سے کسی چیز کا حلق سے نیچے پہونچانا روزہ کو توڑ دیتا ہے، اسی طرح ناک کے ذریعہ بھی کسی چیز کا پہونچانا روزہ کے لئے مفسد ہے، اس لئے انہیلر کی دونوں صورتوں کا حکم ایک ہی ہے۔ واللہ اعلم

ایک دسرے سوال کے جواب میں حضرت مولانا رقم طراز ہیں:

روزہ کی حالت میں ایسا انجکشن لینے میں کوئی حرج نہیں، جس کی دوا براہِ راست معدہ میں نہیں پہونچتی، بلکہ رگوں یا گوشت کے واسطہ سے جسم کے اندر داخل ہوتی ہے، انہیلر کے بارے میں مجھے جہاں تک علم ہے اس میں دوا سیال صورت میں موجود ہوتی ہے، حلق میں اس دوا کا ذائقہ بھی محسوس ہوتا ہے، ممکن ہے کہ پھیپھڑے میں پہنچ کر وہ گیس بن جاتی ہے، فقہاء کی تصریحات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت روزہ کو فاسد کردیتی ہے، البتہ مجھے اس مسئلہ میں کسی قدر تامل ہے، اس لئے کہ حلق میں ایک نالی نظام تنفس سے متعلق ہے، اور دوسری غذائی نالی ہے، جس سے انسان کھاتا پیتا ہے، تو اگر انہیلر کا اثر تنفس کی نالی سے متعلق ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص انہیلر لئے بغیر دن بھر نہیں رہ سکتا ہو، تو وہ انہیلر لیتے ہوئے روزہ رکھ لے اور احتیاطاً ہر روزہ کا فدیہ بھی ادا کرتا جائے، ایک روزہ کا فدیہ ایک مسکین کو دو وقت کا کھانا کھلانا ہے۔ واللہ اعلم۔ (کتاب الفتاوی: ۳ر ۳۹۳، کتاب الصوم، روزہ کے مفسدات ومکروہات، ط: نعیمیہ- دیوبند)

رقم کے نزدیک صورت مسئولہ میں اگر پاؤڈر کا استعمال ممکن نہ ہو، تو روزہ ترک نہیں کرنا چاہیے، بل کہ انہیلر استعمال کرنے والے کی طرح روزہ رکھے اور صاحب استطاعت ہو، تو فدیہ بھی ادا کرے، کہ یہی اس کے لیے ممکن ہے۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

”انجکشن“، مسل میں دیا جائے یا نس میں، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (۱)

لیکن ایسے انجکشن سے روزہ ٹوٹ جائے گا، جس سے ”دوا“ براہ راست پیٹ میں، یا غذا کی نالی میں پہنچے، جیسے گلوکوز چڑھانے میں ہوتا ہے، کہ اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) (أو أدهن أو اكتحل أو احتجم) وإن وجد طعمه في حلقه. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله: وإن وجد طعمه في حلقه) أي طعم الكحل أو الدهن كما في السراج وكذا لو بزق فوجد لونه في الأصح بحر قال في النهر؛ لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على أن من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۹۵، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) وما وصل إلى الجوف، أو إلى الدماغ عن المخارق الأصلية، كالأنف والأذن والدبر، بأن استعط أو احتقن أو أقطر في أذنه، فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه، أما إذا وصل إلى الجوف، فلا شك فيه لوجود الأكل من حيث الصورة. وكذا إذا وصل إلى الدماغ؛ لأنه له منفذ إلى الجوف، فكان بمنزلة زاوية من زوايا الجوف.... وأما ما وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ عن غير المخارق الأصلية، بأن داوى الجائفة، والآمة، فإن داواها بدواء يابس لا يفسد؛ لأنه لم يصل إلى الجوف ولا إلى الدماغ. (بدائع الصنائع: ۲/ ۹۳، كتاب الصوم، فصل أركان الصيام، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

وما يدخل من مسام البدن من الدهن لا يفطر هكذا في شرح المجمع. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۰۳، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، النوع الأول ما يوجب القضاء دون الكفارة، ط: دار الفكر-بيروت)

نوٹ: یہ صحیح ہے کہ کھانے پینے کی کوئی چیز یا دوا براہ راست پیٹ (جوف بطن) میں یا غذا کی نالی (جوف دماغ) میں چلی جائے، تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؛ جیسا کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے صراحت فرمائی ہے؛ اور اسی ضمن میں تحریر فرمایا ہے کہ انجکشن خواہ نس میں دیا جائے یا مسل میں، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

سوال یہ ہے کہ کیا ”گلوکوز چڑھانے“ میں کوئی شئے پیٹ یا غذا کی نالی میں جاتی ہے؟

تحقیقی بات یہ ہے کہ انجکشن سے دوا جوف دماغ یا جوف بطن میں نہیں پہنچتی؛ اس لیے اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، علماء کرام اور مفتیان عظام کی یہی رائے ہے، چناں چہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ رقم فرماتے ہیں:

ڈاکٹروں سے تحقیق کرنے اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ انجکشن کے ذریعے دوا جوف عروق میں پہنچائی جاتی ہے، اور خون کے ساتھ شرائین یا اوردہ میں اس کا سریان ہوتا ہے، جوف دماغ یا بطن میں دوا نہیں پہنچتی، اور فساد صوم کے لیے مفطر کا جوف دماغ یا جوف بطن میں پہنچنا ضروری ہے، مطلقاً کسی عضو کے جوف میں یا عروق (شرائین واوردہ) کے جوف میں پہنچنا مفسد صوم نہیں، لہٰذا=

[۵] بہ حالت صوم گلوکوز چڑھانا

۱۵۳۷- سوال: حالت صوم میں گلوکوز چڑھانا کیسا ہے؟

الجواب حامدا و مصلیا:

جو بھی دوا حالت صوم میں، بہ راہ راست معدہ میں پہنچ جائے یا ان رگوں میں پہنچ جائے، جن کا تعلق معدہ سے ہے، تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، گلوکوز، جس کو ایسی رگوں میں چڑھایا جاتا ہے، جس سے پانی معدہ میں بھی پہنچ جاتا ہے اور بہر حال جسم کو پانی مل جاتا ہے؛ اس لیے وہ مفسد صوم ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= انجکشن کے ذریعے جو دوا بدن میں پہنچائی جاتی ہے مفسد صوم نہیں۔

اس سلسلے کی طویل بحث کے بعد حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مفسد صوم وہ چیز ہے، جو جوف معدہ یا دماغ میں پہنچ جائے، اور انجکشن کے ذریعے جو دوا پہنچائی جاتی ہے، وہ رگوں کے اندر رہتی ہے، جوف معدہ یا جوف دماغ میں نہیں جاتی؛ اس لیے مفسد نہیں ہے، اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ انجکشن سے جس طرح دوا دوسرے اعضاء میں پہنچائی جاتی ہے، اسی طرح دماغ اور معدہ میں بھی پہنچائی جاتی ہے: کیوں کہ معدہ اور دماغ میں دوا پہنچنے کی صورت یہ ہے کہ جرم معدہ اور دماغ میں جو شرائین واوردہ (رگیں) ہیں، ان کے اندر دوا پہنچتی ہے، قعرِ معدہ یا جوف دماغ میں نہیں پہنچتی، جو مفسد صوم ہوتی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (جواہر الفقہ: ۴/ ۷۸، روزے میں انجکشن کا شرعی حکم، ط: ادارہ تحقیقات مسائل جدیدہ، اسلامیہ بازار، دیوبند)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: آپ کے مسائل اور ان کا حل- مولانا یوسف لدھیانویؒ: ۴/ ۵۸۲، روزہ دار کا گلوکوز چڑھانا یا انجکشن لگوانا، ط: مکتبہ لدھیانوی- کراچی ☆ کتاب الفتاویٰ- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی: ۳/ ۹۲-۳۹۱، روزہ میں انجکشن اور گلوکوز، ط: نعیمیہ- دیوبند ☆ فتاویٰ دینیہ- مفتی اسماعیل کچھولوی: ۳/ ۵۳- ۵۴، کتاب الصوم، ط: سورت ☆ فتاویٰ دار العلوم زکریا- مفتی رضاء الحق: ۳/ ۲۹۰- ۲۹۳، بہ حالت روزہ انجکشن اور گلوکوز کا حکم، ط: زمزم پبلشرز- کراچی ☆ کتاب المسائل- مفتی محمد سلمان منصور پوری: ۲/ ۱۵۴۔

(۱) گلوکوز مفسد صوم ہے یا نہیں؟ تفصیل سوال سابق کے حاشیہ میں ملاحظہ کریں۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے اس کے مفسد صوم ہونے کی دو وجہ لکھی ہے:

۱- دوا معدہ تک پہنچ جاتی ہے۔ (تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ گلوکوز سے دوا معدہ تک نہیں پہنچتی)

۲- جسم کو پانی مل جاتا ہے۔ (یعنی جسم کی پانی کی ضرورت اس سے پوری ہوتی ہے)

صحیح ہے کہ گلوکوز سے جسم کی غذائی اور پانی کی ضرورت پوری ہوتی ہے، لیکن چوں کہ یہ جوف بدن یا جوف معدہ تک نہیں پہنچتی، اس لیے مفسد صوم نہیں، گلوکوز کا محض غذائی یا پانی کی ضرورت کو پورا کرنا مفسد صوم نہیں ہوگا، اسی سلسلے کے استفتاء کے جواب میں فقیہ=

[۶] قوت کا انجکشن- جس سے دوا براہ راست پیٹ میں نہ پہنچتی ہو- مفسد صوم نہیں

۱۵۳۸- سوال: جس طرح انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، کیا اسی طرح طاقت کا انجکشن لینے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداو مصلیا:

قوت کا انجکشن، جس سے براہ راست پیٹ میں دوا نہ پہنچتی ہو؛ بل کہ گوشت (مسل) میں یا دوسری رگوں میں پہنچتی ہو، مفسد صوم نہیں ہے، ہاں کوئی ایسا انجکشن ہو، جس کے ذریعے دوا براہ راست جوف بطن یا جوف دماغ تک دوا پہنچے، تو وہ مفسد صوم ہے:

(و) الإمساك (عن وصول العين) أي عين كانت، وإن كانت أقل مايدرك من نحو حجر (إلى ما يسمى جوفا) ؛ لأن فاعل ذلك لا يسمى ممسكا بخلاف وصول الأثر كالطعم و كالريح بالشم. (تحفة المحتاج) [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے متعدد مثالوں سے واضح کیا ہے کہ مفسد صوم وہ شئے ہے، جو جوف دماغ یا جوف بطن میں پہنچ جائے، خواہ وہ غذا و پانی کی ضرورت کو پورا نہ کرے، اگر کوئی شئے رگوں میں جا کر غذائی یا پانی کی ضرورت کو پورا کرتی ہے، لیکن جوف بطن یا جوف دماغ تک نہیں پہنچتی، تو وہ مفسد صوم نہیں، حضرت فقیہ الامتؒ کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں:

کھانا پینا بدیہی ہے، انجکشن کو کھانا پینا نہیں کہا جاتا، رگ کاٹ کر پانی عروق (رگوں) میں پہنچانے سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے، یعنی رگوں کو تر اور سیراب کرنا، وہ فائدہ گو پورا نہ سہی؛ لیکن کافی مقدار میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے، اس میں غوطہ لگانے، ایر کنڈیشنڈ میں داخل ہونے، سرسبز وشاداب مقام پر پہنچ جانے سے بھی حاصل ہوتا ہے، سر اور بدن پر تیل کی مالش سے بھی تیل اندر پہنچتا ہے، اور رگوں میں تراوٹ پیدا ہوتی ہے، اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، شدت گرمی کی وجہ سے کپڑا بھگو کر حالت صوم میں سر پر لپیٹنا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، ظاہر ہے کہ اس کا مقصد بھی رگوں کو ٹھنڈا کر کے تشنگی کی بے چینی ختم کرنا تھا، جو بہ ظاہر روزے کے مقصد کے خلاف ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۴۸، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، روزہ میں انجکشن، ط: دار المعارف- دیوبند)

[۱] تحفة المحتاج في شرح المنهاج- أحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتمي (م: ۹۷۴هـ): ۳/۴۰۱- ۴۰۰، كتاب الصيام، فصل في بيان المفطرات، ط: المكتبة التجارية الكبرى بمصر.

وما وصل إلى الجوف، أو إلى الدماغ عن المخارق الأصلية، كالأنف والأذن والدبر، بأن استعط أو احتقن أو أقطر في أذنه، فوصل إلى الجوف أو إلى الدماغ فسد صومه، أما إذا وصل إلى الجوف، فلا شك فيه لوجود الأكل من حيث الصورة. وكذا إذا وصل إلى الدماغ؛ لأنه له منفذ إلى الجوف، فكان بمنزلة زاوية من زوايا الجوف.... وأماما =

[۷] گلوکوز چڑھانے سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں؟

۱۵۳۹-سوال: کیا گلوکوز (کوئی زبان میں، شاید گجراتی زبان میں بھی گلوکوز ہی کہتے ہیں) چڑھانے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے؟[۱]

الجواب حامداً ومصلیاً:

گلوکوز کی بوتل چڑھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؛ کیوں کہ وہ ایسی رگوں میں چڑھائی جاتی ہے کہ پانی (دوا) پیٹ میں پہونچنے والی رگوں میں بھی دوڑتا ہے۔ (تحفۃ المحتاج)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

وصل إلى الجوف أو إلى الدماغ عن غير المخارق الأصلية، بأن داوى الجائفة، والآمة، فإن داواها بدواء يابس لا يفسد؛ لأنه لم يصل إلى الجوف ولا إلى الدماغ. (بدائع الصنائع: ۲/ ۹۳، کتاب الصوم، فصل أركان الصيام، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۱) سوال کے بین القوسین اور جواب میں ذکر کردہ تحفۃ المحتاج کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال کسی شافعی المسلک نے کیا ہے، نیز اس سے پہلے والے سوال کے جواب میں بھی تحفۃ المحتاج کی عبارت ذکر کی گئی ہے، حالاں کہ حضرت مفتی صاحبؒ کا معمول فقہ حنفی کی کتابوں سے حوالہ نقل کرنے کا ہے، اس لیے ظاہر یہی ہے کہ وہ بھی کسی شافعی المسلک صاحب کا سوال ہے۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

مزید تفصیل کے لیے رجوع کریں سوال بہ عنوان: روزہ کی حالت میں گلوکوز چڑھانا۔

[۲] (و) الإمساك (عن وصول العين) أي عين كانت، وإن كانت أقل ما يدرك من نحو حجر (إلى ما يسمى جوفا)؛ لأن فاعل ذلك لا يسمى ممسكا بخلاف وصول الأثر كالطعم وكالريح بالشم. (تحفة المحتاج في شرح المنهاج- أحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتمي (م: ۹۷۴هـ): ۳/ ۴۰۱-۴۰۰، كتاب الصيام، فصل في بيان المفطرات، ط: المكتبة التجارية الكبرى بمصر)

(أو أدهن أو اكتحل أو احتجم) وإن وجد طعمه في حلقه. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله: وإن وجد طعمه في حلقه) أي طعم الكحل أو الدهن كما في السراج وكذا لو بزق فوجد لونه في الأصح بحر قال في النهر؛ لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على أن من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۹۵، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، ط: دار الفكر-بيروت)

گلوکوز چڑھانا مفسد صوم ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں حضرت مفتی بیمات صاحبؒ نے متعدد سوال کے جواب میں یہی لکھا ہے کہ مفسد صوم ہے اور علت یہ بیان کی ہے کہ گلوکوز ایسی رگ میں چڑھائی جاتی ہے، جو دوا کو براہ راست جوف بطن تک پہنچاتی ہے، اگر یہ تحقیق درست ہو (کہ اس کے ذریعے دوا جوف بطن تک پہنچتی ہے) تو جو حکم لگایا گیا ہے، وہی صحیح ہے۔ =

= لیکن ماہرین کی تحقیق یہ ہے کہ گلوکوز چڑھانے میں پانی (دوا) پیٹ تک نہیں پہنچتا، اس لیے یہ مفسد صوم نہیں ہے۔ استاذ محترم حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: گلوکوز چڑھوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

وجہ یہ لکھتے ہیں: انجکشن اور گلوکوز کے ذریعے معدے تک کوئی چیز براہ راست نہیں پہنچتی، بل کہ دوائیں رگوں میں پہنچتی ہیں اور رگوں کے ذریعے پورے جسم میں پھیل جاتی ہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/ ۳۹۲، روزے، انجکشن اور گلوکوز، ط: نعیمیہ- دیوبند☆ منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/ ۵۴۹، کتاب الصوم، ایفا پبلیکشنز- نئی دہلی☆ جدید فقہی مسائل: ۱/ ۸۵، ط: نعیمیہ- دیوبند)

عن سهل بن سعد: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: لا يزال الناس بخير ما عجلوا الفطر. (صحيح البخاري: ١/ ٢٦٣، رقم الحديث: ١٩٥٧، كتاب الصوم، باب تعجيل الإفطار، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ١/ ٣٥٠-٣٥١، رقم الحديث: ٤٨- (١٠٩٨)، كتاب الصيام، باب فضل السحور وتأكيد استحبابه، واستحباب تأخيره وتعجيل الفطر، ط: ديوبند)

باب التسحر والافطار

[سحری وافطار کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب التسحر والافطار

[سحری وافطار کا بیان]

[۱] سحری کا وقت کب تک رہتا ہے؟

۱۵۴۰- سوال: صبح صادق کے کتنے منٹ قبل تک سحری کھا سکتے ہیں؟ اگر کسی نے صبح صادق تک سحری کی، تو اُس کا روزہ صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آخری وقت میں سحری کھانا مستحب ہے، لیکن اِس قدر تاخیر کر دینا کہ صبح صادق ہو جانے کا شک پیدا ہو جائے یہ مکروہ ہے، اِس لیے اِس بارے میں احتیاط کا حکم ہے، آج کل تقویم پر عمل ہوتا ہے، اگر تقویم میں صبح صادق کا بالکل ٹھیک وقت لکھا گیا ہو، تو اُس سے قبل سحری سے فارغ ہو جانا ضروری ہے، اگر اُس وقت تک سحری کھائی تب بھی جائز ہے۔ (شامی)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] ويستحب السحور وتأخيره. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله: ويستحب السحور) لما رواه الجماعة إلا أباداود عن أنس قال قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: تسحروا فإن في السحور بركة.

قيل المراد بالبركة: حصول التقوي على صوم الغد أو زيادة الثواب. وقوله في النهاية: إنه على حذف مضاف أي في أكل السحور مبني على ضبطه بالضم جمع سحر والأعرف في الرواية الفتح وهو اسم للمأكول في السحر وهو السدس الأخير من الليل كالوضوء بالفتح ما يتوضأ به، وقيل يتعين الضم؛ لأن البركة ونيل الثواب إنما يحصل =

[۲] شرابی کا افطار کرانا

۱۵۴۱- سوال: ایک شخص ایسا ہے، جو ہمیشہ جوا، سٹہ اور شراب وغیرہ کے کاروبار میں مشغول رہتا ہے، کسی قسم کی عبادت نہیں کرتا ہے، وہ کبھی کبھی رمضان المبارک میں افطاری کے لیے پیسے دے کر روزے داروں کو افطار کرواتا ہے، تو اس کی یہ افطاری حلال ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کی ساری آمدنی حرام ہے اور جوا، سٹہ اور شراب وغیرہ کی ہے، تو اس کی افطاری کھانا جائز نہیں۔ (۱)

=بالفعل لا بنفس المأكول، فتح ملخصا.

قال في البحر: ولم أر صريحا في كلامهم أنه يحصل السنة بالماء وحده، وظاهر الحديث يفيده، وهو ما رواه أحمد: السحور كله بركة فلا تدعوه ولو أن يجرع أحدكم جرعة من ماء فإن الله وملائكته يصلون على المتسحرين.

(قوله: وتأخيره) ؛ لأن معنى الاستعانة فيه أبلغ، بدائع. ومحل الاستحباب ما إذا لم يشك في بقاء الليل، فإن شك كره الأكل في الصحيح كما في البدائع أيضا. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۱۹/۲، كتاب الصيام، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، قبيل: فروع في الصوم، ط: دار الفكر-بيروت)

(۱) يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطٰنُ أَنْ يُّوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّنْتَهُونَ۝
(۵-المائدة: ۹۰-۹۲)

عن عبد الله بن عمرو، أن نبي الله صلى الله عليه وسلم: نهى عن الخمر والميسر والكوبة والغبيراء، وقال: كل مسكر حرام. قال أبو داود: "قال ابن سلام أبو عبيد: الغبيراء: السكركة تعمل من الذرة، شراب يعمله الحبشة".
(سنن أبي داود: ۵۱۹/۲، رقم الحديث: ۳۶۸۵، كتاب الأشربة، باب النهي عن المسكر، ط: فيصل پبلی کیشنز-دیوبند)

ہندی نسخوں میں قال ابوداود...... الخ موجود نہیں ہے، جب کہ المکتبہ العصریہ، صیدا، بیروت والے نسخے میں- جو محمد محی الدین عبد الحمید کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے- یہ زیادتی مذکور ہے۔ مجتبیٰ حسن قاسمی)

عن أبي هريرة-رضي الله تعالى عنه- قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: رب صائم ليس له من صيامه إلا الجوع، ورب قائم ليس له من قيامه إلا السهر. (سنن ابن ماجه: ۱۲۱/۱، رقم الحديث: ۱۶۹۰، كتاب الصيام، باب ما جاء في الغيبة والرفث للصائم، ط: مختار اينڈ كمپنی-ديوبند)

(رب صائم ليس له من صيامه إلا الجوع) وتمامه عند القضاعي والعطش وهو من يفطر على الحرام أو على لحوم الناس أو من لا يحفظ جوارحه عن الآثام (ورب قائم) أي متهجد (ليس له من قيامه إلا السهر) كالصلاة في دار مغصوبة أو ثوب مغصوب أو رياء وسمعة. (التيسير بشرح الجامع الصغير-زين الدين محمد المدعو بـعبد الرؤوف بن تاج العارفين بن علي، الحدادي ثم المناوي القاهري (م: ۱۰۳۱ھ): ۲۹/۲، حرف الراء، ط: مكتبة الإمام الشافعي-الرياض ☆ فيض القدير: ۱۶/۴، حرف الراء)

لیکن اگر حرام آمدنی کے ساتھ اس کی حلال آمدنی بھی ہے اور وہ حلال آمدنی حرام کے مقابلے میں زیادہ ہے، تو اس کی افطاری حلال ہے، اور کھائی جا سکتی ہے۔ (☆☆☆☆) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] روزہ افطار کرنے میں تاخیر کرنا

۱۵۴۲-سوال: رمضان میں تقویم کے مطابق روزہ افطار کرنا کیسا ہے؟ اس میں بعض لوگ احتیاط کرنے کو کہتے ہیں اور چار پانچ منٹ تاخیر سے اعلان کرنے پر زور دیتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شریعت کے احکام کا مدار، ان اصول وقوانین پر ہے، جن کا ثبوت ادلۂ شرعیہ: قرآن کریم، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع وقیاس سے ہے، شکوک وشبہات کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ (۱)

(☆☆☆☆) أهدى إلى رجل شيئا، أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لا يقبل الهدية، ولا يأكل الطعام إلا أن يخبره بأنه حلال ورثته أو استقرضته من رجل، كذا في الينابيع. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۴۲، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، ط: دار الفكر - بيروت)

لا يجيب دعوة الفاسق المعلن ليعلم أنه غير راض بفسقه، وكذا دعوة من كان غالب ماله من حرام ما لم يخبر أنه حلال وبالعكس يجيب ما لم يتبين عنده أنه حرام، كذا في التمرتاشي.... وفي الروضة يجيب دعوة الفاسق والورع أن لا يجيبه ودعوة الذي أخذ الأرض مزارعة أو يدفعها على هذا، كذا في الوجيز للكردري.

آكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالب ماله حرام لا يقبل، ولا يأكل ما لم يخبره أن ذلك المال أصله حلال ورثه أو استقرضه، وإن كان غالب ماله حلالا لا بأس بقبول هديته والأكل منها، كذا في الملتقط. (المصدر السابق: ۵/ ۳۴۳ ☆ الأشباه والنظائر ص: ۳۰۹، الفن الأول في القواعد الكلية، القاعدة الثانية، ط: ادارة القرآن، کراچی ☆ مجمع الأنهر: ۴/ ۱۸۶، كتاب الكراهية، فصل في الكسب)

(۱) عن أناس من أهل حمص، من أصحاب معاذ بن جبل، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما أراد أن يبعث معاذا إلى اليمن قال: كيف تقضي إذا عرض لك قضاء؟، قال: أقضي بكتاب الله، قال: فإن لم تجد في كتاب الله؟، قال: فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: فإن لم تجد في سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولا في كتاب الله؟ قال: أجتهد رأيي، ولا آلو فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم صدره، وقال: الحمد لله الذي وفق رسول، رسول الله لما يرضي رسول الله. (سنن أبي داود: ۲/ ۵۰۵، رقم الحديث: ۳۵۹۲، كتاب الأقضية، باب اجتهاد الرأي في القضاء، ط: فيصل - ديوبند ☆ سنن الترمذي: ۱/ ۲۴۷، رقم الحديث: ۱۳۲۷، أبواب الأحكام، باب ما جاء في القاضي كيف يقضي، ط: مختار اینڈ کمپنی - دیوبند)

اعلم أن أصول الشرع ثلاثة: الكتاب، والسنة، والإجماع، والأصل الرابع القياس بالمعنى المستنبط من هذه =

افطار کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: {ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ} [۲] روزہ رات تک پورا کرو، یعنی رات آنے سے روزے کا وقت ختم ہوجاتا ہے؛ اس لیے افطار میں تاخیر نہیں ہونی چاہیے، اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ: میری امت اس وقت تک خیر اور بھلائی پر رہے گی، جب تک کہ مغرب کی نماز جلدی

=الأصول. (أصول الزدوي) ـــــــــ قال عبد العزيز البخاري (م: ۷۳۰ھ): والأصول ههنا الأدلة؛ إذ أصل كل علم ما يستند إليه تحقق ذلك العلم ويرجع فيه إليه ومرجع الأحكام إلى هذه الأدلة، والشرع الإظهار في اللغة، وهو إما بمعنى الشارع... فيكون المعنى أدلة الشارع أي الأدلة التي نصبها الشارع على المشروعات أربعة... أو بمعنى المشروع... فيكون المعنى أدلة المشروع أي الأدلة التي تثبت المشروعات أربعة، ويكون اللام للجنس والمقصود من الإضافة تعظيم المضاف إليه كقولك أستاذي فلان وكقولنا الله إلهنا ومحمد نبينا، أي المشروعات التي تثبت بمثل هذه الأدلة معظمة يلزم رعايتها ويجب تلقيها بالقبول.... ثم قدم الكتاب على الجميع؛ لأنه في الشرع أصل مطلق من كل وجه وبكل اعتبار، وأعقبه بالسنة؛ لأن كونها حجة ثابت بالكتاب كما ستعرف، وأخر الإجماع عنهما لتوقف موجبيته عليهما، ولكن الثلاثة مع تفاوت درجاتها حجج موجبة للأحكام قطعا، ولا تتوقف في إثبات الأحكام على شيء فقدمت على القياس الذي يتوقف في إثبات الحكم على المقيس عليه، ولهذا أفرده بالذكر بقوله والأصل الرابع؛ لأنه لما توقف في إثبات الحكم على المقيس عليه ولم يمكن إثبات الحكم به ابتداء كان فرعا له. (كشف الأسرار شرح أصول البزدوي-عبد العزيز بن أحمد بن محمد، علاء الدين البخاري الحنفي (م: ۷۳۰ھ): ۱/۱۹، أصول الشرع ثلاثة الكتاب والسنة والإجماع، ط: دار الكتاب الإسلامي)

القطب الثاني: في أدلة الأحكام وهي أربعة: الكتاب، والسنة، والإجماع، ودليل العقل المقرر على النفي الأصلي. فأما قول الصحابي وشريعة ما قبلنا فمختلف فيه. الأصل الأول من أصول الأدلة: كتاب الله تعالى واعلم أنا إذا حققنا النظر بان أن أصل الأحكام واحد، وهو قول الله تعالى، إذ قول الرسول - صلى الله عليه وسلم - ليس بحكم ولا ملزم، بل هو مخبر عن الله تعالى أنه حكم بكذا، وكذا فالحكم لله تعالى وحده. والإجماع يدل على السنة، والسنة على حكم الله تعالى. وأما العقل فلا يدل على الأحكام الشرعية بل يدل على نفي الأحكام عند انتفاء السمع، فتسمية العقل أصلا من أصول الأدلة تجوز على ما يأتي تحقيقه. إلا أنا إذا نظرنا إلى ظهور الحكم في حقنا فلا يظهر إلا بقول الرسول - عليه السلام -؛ لأنا لا نسمع الكلام من الله تعالى ولا من جبريل فالكتاب يظهر لنا بقول الرسول - صلى الله عليه وسلم - فإذن إن اعتبرنا المظهر لهذه الأحكام فهو قول الرسول فقط، إذ الإجماع يدل على أنهم استندوا إلى قوله. وإن اعتبرنا السبب الملزم فهو واحد وهو حكم الله تعالى، لكن إذا لم نجرد النظر وجمعنا المدارك صارت الأصول التي يجب النظر فيها أربعة كما سبق. (المستصفى-أبو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي (م: ۵۰۵ھ)، ص: ۸۰، القطب الثاني في أدلة الأحكام، الأصل الأول من أصول الأدلة كتاب الله تعالى، ت: محمد عبد السلام عبد الشافي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

[۲] ۲-البقرة: ۱۸۷۔

پڑھے گی اور عشا کی نماز تاخیر سے پڑھے گی۔ (۳)

ہاں! افطار کے وقت بعض حضرات کا نماز کے لیے جلدی کرنا سنت کے خلاف ہے؛ کیوں کہ حدیث میں ہے کہ: جب شام کا کھانا اور عشاء دونوں جمع ہوں، تو کھانے کو مقدم کرو اور کھانے سے فارغ ہو کر نماز پڑھو۔ (۴)

افطار کے وقت کھانے کا شدید تقاضہ ہوتا ہے، اس لیے بہتر ہے کہ پانچ، دس منٹ نماز کو مؤخر کرے اور اتنا کھالے کہ کھانے کی طرف ذہن نہ لگا رہے، فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۳) صاحب ہدایہؒ نے ان الفاظ میں یہ روایت نقل کی ہے:

وقال عليه الصلاة والسلام " لا تزال أمتي بخير ما عجلوا المغرب وأخروا العشاء ". (الهداية في شرح بداية المبتدي: ۱/ ۸۳، كتاب الصلاة، باب المواقيت، ط: مختار اينڈ كمپني، ديوبند)

لیکن "الدراية في تخريج أحاديث الهداية" (مطبوعہ علی ہامش الہدایۃ: ۱/ ۸۳) میں حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کے بارے میں فرمایا ہے: لم أجده هكذا!

"تعجیل افطار" کی صریح روایت اس طرح منقول ہے:

عن سهل بن سعد: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: لا يزال الناس بخير ما عجلوا الفطر. (صحيح البخاري: ۱/ ۲۶۳، رقم الحديث: ۱۹۵۷، كتاب الصوم، باب تعجيل الإفطار، ط: ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۵۰-۳۵۱، رقم الحديث: ۴۸-(۱۰۹۸)، كتاب الصيام، باب فضل السحور وتأكيد استحبابه، واستحباب تأخيره وتعجيل الفطر، ط: ديوبند)

عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يزال الناس بخير ما عجلوا الفطر، عجلوا الفطر، فإن اليهود يؤخرون. (سنن ابن ماجه: ۱/ ۱۲۲، رقم الحديث: ۱۶۹۸، كتاب الصيام، باب ما جاء في تعجيل الإفطار، ط: ديوبند)

(۴) عن أنس بن مالك: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا قدم العشاء، فابدءوا به قبل أن تصلوا صلاة المغرب، ولا تعجلوا عن عشائكم. (صحيح البخاري: ۱/ ۹۲، رقم الحديث: ۶۷۲ كتاب الأذان، باب إذا حضر الطعام وأقيمت الصلاة، ط: البدر د-يوبند☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۰۸، رقم الحديث: ۵۵۷، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام الذي يريد أكله في الحال... الخ، ط: البدر-ديوبند)

عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا وضع عشاء أحدكم وأقيمت الصلاة، فابدءوا بالعشاء ولا يعجل حتى يفرغ منه. وكان ابن عمر: يوضع له الطعام، وتقام الصلاة، فلا يأتيها حتى يفرغ، وإنه ليسمع قراءة الإمام. (صحيح البخاري: ۱/ ۹۲، رقم الحديث: ۶۷۳، كتاب الأذان، باب إذا حضر الطعام... الخ، ط: ديوبند)

قال أبو الدرداء: من فقه المرء إقباله على حاجته حتى يقبل على صلاته وقلبه فارغ. (صحيح البخاري: ۱/ ۹۲، كتاب الاذان، باب إذا حضر الطعام... الخ، ط: البدر-ديوبند)

[۴] غروبِ آفتاب کے بعد اذان وافطار کا وقت کیا ہے؟

۱۵۴۳- سوال: غروبِ آفتاب کے بعد کتنی دیر میں اذان وافطار ہونے چاہئیں؟ اگر کسی نے غروبِ آفتاب کے بعد فوراً افطار کرلیا تو اُس کا روزہ صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے۔(۱) آفتاب کی ٹکیا پوری طرح چھپ جانے پر افطار جائز ہوتا ہے؛ لیکن اگر آفتاب نظر نہ آ رہا ہو، تو کم از کم اطمینان ہو جائے، تب افطار کرے، افطار اذان سے قبل بھی جائز ہے، روزہ صحیح ہو جائے گا۔(۲)

اذان میں اختیار ہے کہ خواہ غروب ہوتے ہی اذان دے یا کچھ دیر ٹھہر جائے؛ لیکن مغرب کی نماز میں تعجیل مستحب ومؤکد ہے، زیادہ تاخیر مکروہ ہے، افطار کے لیے چند منٹ کی تاخیر جائز ہے۔(۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن أنس بن مالك: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا قدم العشاء، فابدءوا به قبل أن تصلوا صلاة المغرب، ولاتعجلوا عن عشائكم. (صحيح البخاري: ۹۲/۱، رقم الحديث: ۶۷۲ كتاب الأذان، باب إذا حضر الطعام وأقيمت الصلاة، ط: البدر ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۲۰۸/۱، رقم الحديث: ۵۵۷، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام الذي يريد أكله في الحال... الخ، ط: البدر-ديوبند)

عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا وضع عشاء أحدكم وأقيمت الصلاة، فابدءوا بالعشاء ولا يعجل حتى يفرغ منه. وكان ابن عمر: يوضع له الطعام، وتقام الصلاة، فلايأتيها حتى يفرغ، وإنه ليسمع قراءة الإمام. (صحيح البخاري: ۹۲/۱، رقم الحديث: ۶۷۳، كتاب الأذان، باب إذا حضر الطعام... الخ، ط: ديوبند)

قال أبو الدرداء: من فقه المرء إقباله على حاجته حتى يقبل على صلاته وقلبه فارغ. (صحيح البخاري: ۹۲/۱، كتاب الاذان، باب إذا حضر الطعام... الخ، ط: البدر-ديوبند)

ويستحب السحور وتأخيره وتعجيل الفطر لحديث: ثلاث من أخلاق المرسلين: تعجيل الإفطار، وتأخير السحور، والسواك. (الدر المختار) ——— قال ابن عابدين: (قوله: وتعجيل الفطر) أي إلا في يوم غيم، ولا يفطر ما لم يغلب على ظنه غروب الشمس وإن أذن المؤذن بحر عن البزازية وفيه عن شرح الجامع لقاضي خان التعجيل المستحب قبل اشتباك النجوم. [تنبيه] قال في الفيض: ومن كان على مكان مرتفع كمنارة إسكندرية لا يفطر ما لم تغرب الشمس عنده ولأهل البلدة الفطر إن غربت عندهم قبله وكذا العبرة في الطلوع في حق صلاة الفجر أو السحور. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۱۹/۲-۴۲۰، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، قبيل: فروع في الصيام، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲-۳) سوال سابق اور اس کا حاشیہ نمبر (۴) ملاحظہ فرمائیں۔

[۵] افطار کے وقت کی دعاء

۱۵۴۴- سوال: روزہ افطار کرتے وقت کون سی دعا مانگنی چاہیے، حدیث سے کیا ثابت ہے؟
"اللهم إني لك صمتُ و بك آمنتُ الخ" دعاء کے الفاظ ہیں یا نیت کے؟

الجواب حامداومصليا:

افطار کے لیے نیت کی ضرورت نہیں، مذکور الفاظ- جو آپ نے لکھے ہیں- نیت کے نہیں ہیں؛ بل کہ دعاءِ افطار کے ہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] سحری کے لیے اذان دینا اور ختم سحری کا اعلان مائیک کے ذریعہ کرنا

۱۵۴۵- سوال: سحری کے لیے اذان حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ حوالے کے ساتھ جواب مطلوب ہے، یہ بھی بتائیں کہ ختمِ سحری کا اعلان مائیک کے ذریعے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصليا:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اذان دے کر سحری کی اطلاع کی جاتی تھی، مائیک کے ذریعے بھی

---

(۱) عن معاذ بن زهرة، أنه بلغه " أن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذا أفطر قال: اللهم لك صمت، وعلى رزقك أفطرت". (سنن أبي داود: ۱/ ۳۲۲، رقم الحديث: ۲۳۵۸، كتاب الصوم، باب القول عند الإفطار، ط: ديوبند☆ الزهد والرقائق -أبو عبد الرحمن عبد الله بن المبارك بن واضح الحنظلي، التركي ثم المزوزي (م: ۱۸۱ھ) ص: ۴۹۵، رقم الحديث: ۱۴۱۰، آخر باب فضل ذكر الله عز وجل، ت: حبيب الرحمن الأعظمي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

ومن السنة أن يقول حين الإفطار اللهم لك صمت وبك آمنت وعليك توكلت وعلى رزقك أفطرت ولصوم الغد من شهر رمضان نويت فاغفر لي ما قدمت وما أخرت. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/ ۲۴۸، كتاب الصوم، قبيل: فصل بيان وجوه الأعذار المبيحة للإفطار وما يتعلق بها، ط: دار إحياء التراث العربي☆حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح -أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱ھ) ص: ۶۸۳، كتاب الصوم، فيما يكره للصائم وما لا يكره وما يستحب، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية بيروت- لبنان☆حاشية الشِلْبِيّ مع تبيين الحقائق- شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِلْبِيّ (م: ۱۰۲۱ ھ): ۱/ ۳۴۲، كتاب الصوم، فصل في العوارض، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة)

سحری کی اطلاع کرنا جائز ہے، عدم جواز کوئی وجہ نہیں ہے۔ (بخاری شریف:۱؍۲۵۷)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] رمضان میں افطار کے وقت اجتماعی دعا کرنا

۱۵۴۶-سوال: حدیث میں ہے کہ رمضان المبارک میں افطار کے وقت دعاء قبول ہوتی ہے۔[2] لہٰذا اس وقت گھر میں اہل وعیال کے ساتھ اجتماعی طور پر، قبلہ کی طرف رخ کر کے، اس طرح دعا کرنا کہ پیچھے اہل وعیال آمین کہتے رہیں اور دعاء کا طریقہ بھی سیکھتے رہیں، جائز ہے یا نہیں؟

[۱]عن عبد الله بن مسعود-رضي الله عنه-عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا يمنعن أحدكم-أو أحدا منكم-أذان بلال من سحوره، فإنه يؤذن-أو ينادي بليل-ليرجع قائمكم، ولينبه نائمكم... الحديث. (صحيح البخاري:۱؍۸۷، رقم الحديث:۶۲۱، كتاب الأذان، باب الأذان قبل الفجر، ط: ديوبند☆الصحيح لمسلم:۱؍۳۵۰، رقم الحديث: ۹۳-(۱۰۹۳)، كتاب الصيام، باب بيان أن الدخول في الصوم يحصل بطلوع الفجر، وأن له الأكل وغيره حتى يطلع الفجر......، ط: ديوبند)

...وأما الجواب عن أذان بلال الذي كان يؤذن بالليل قبل دخول الوقت فلم يكن ذلك لأجل الصلاة؛ بل إنما كان ذلك لينتبه النائم وليتسحر الصائم، وليرجع الغائب، بين ذلك ما رواه البخاري من حديث ابن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: (لا يمنعن أحدكم أو واحدا منكم أذان بلال من سحوره، فإنه يؤذن أو ينادي بليل ليرجع غائبكم ولينتبه نائمك) الحديث على ما يأتي عن قريب إن شاء الله تعالى، وأخرجه مسلم أيضا. وأخرجه الطحاوي من ثلاث طرق، ولفظه: (لا يمنعن أحدكم أذان بلال من سحوره، فإنه ينادي أو يؤذن ليرجع غائبكم ولينتبه نائمكم). الحديث، ومعنى: (ليرجع غائبكم): ليرد غائبكم من الغيبة، ورجع يتعدى بنفسه ولا يتعدى، والرواية المشهورة: (ليرجع قائمكم) من: القيام، ومعناه: ليكمل ويستعجل بقية ورده، ويأتي بوتره قبل الفجر... ومن أقوى الدلائل على أن أذان بلال لم يكن لأجل الصلاة ما رواه الطحاوي من حديث حماد بن سلمة عن أيوب عن نافع: (عن ابن عمر، رضي الله تعالى عنهما: أن بلالا أذن قبل طلوع الفجر، فأمره النبي صلى الله عليه وسلم، أن يرجع فينادي: ألا إن العبد نام، فرجع فنادى: ألا إن العبد نام). وأخرجه أبو داود أيضا، فهذا ابن عمر روى هذا، والحال أنه روى عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: (إن بلالا ينادي بليل فكلوا واشربوا حتى ينادي ابن ام مكتوم)، فثبت بذلك أن ما كان من ندائه قبل طلوع الفجر لم يكن للصلاة. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري-بدر الدين العينى (م:۸۵۵هـ):۵؍۱۳۰-۱۳۱، كتاب مواقيت الصلاة، باب الأذان بعد الفجر، ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت☆رد المحتار على الدر المختار:۱؍۳۵۹، كتاب الصلاة، ط: دار الفكر-بيروت☆البناية شرح الهداية:۲؍۱۴، كتاب الصلاة، فصل آخر وقت الصلاة، ط: دار الكتب العلمية)

(۲) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ثلاثة لا ترد دعوتهم: الصائم حتى يفطر، والإمام العادل، ودعوة المظلوم يرفعها الله فوق الغمام ويفتح لها أبواب السماء ويقول الرب: وعزتي لأنصرنك ولو بعد حين". (سنن الترمذي:۲؍۲۰۰، رقم الحديث:۳۵۹۸، أبواب الدعوات، باب في العفو والعافية، ط: ديوبند)

الجواب حامداومصلیا:

بغیر کسی التزام کے، کبھی کبھار ایسا کرنا [اجتماعی دعاء کرنا] جائز ہے، معمول نہیں بنانا چاہیے، دعاء، در حقیقت انفرادی عمل ہے؛ اس لیے انفراداً دعاء کرنی چاہیے۔ (۱) بہر صورت یعنی اجتماعی دعاء ہو، یا انفرادی، مغرب کی جماعت ترک نہیں ہونی چاہیے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] ختم سحری کے متعلق مفتی کفایت اللہؒ کے ایک فتویٰ کی تحقیق

۱۵۴۷- سوال: ''مغرب اور عشاء کے درمیان کس مہینے میں کتنے وقت کا فاصلہ رہتا ہے؟''

---

(۱) ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (۷-الاعراف: ۵۵)

قال الآلوسي: تَضَرُّعاً أي ذوي تضرع أو متضرعين . . . وهو من الضراعة وهي الذل والاستكانة يقال ضرع فلان لفلان إذا ذل له واستكان، وقال الزجاج: التضرع التملق وهو قريب مما قالوا أي ادعوه تذللا، وقيل: التضرع مقابل الخفية. واختاره أبو مسلم أي ادعوه علانية وَخُفْيَةً أي سرا۔۔۔۔ أخرج ابن المبارك، وابن جرير، وأبو الشيخ عن الحسن قال: لقد كان المسلمون يجتهدون في الدعاء وما يسمع لهم صوت إن كان إلا همسا بينهم وبين ربهم وذلك أنه تعالى يقول: ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَخُفْيَةً وأنه سبحانه ذكر عبدا صالحا فرضي له فعله فقال تعالى: إِذْ نَادَى رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا [مريم: ۳] وفي رواية عنه أنه قال: بين دعوة السر ودعوة العلانية سبعون ضعفا. (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني- شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (م: ۱۲۷۰ھ): ۳۷۸/۴، سورة الأعراف: ۵۵، ت: علي عبد الباري عطية، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں:

یہ طریقہ کہ ایسے وقت اس طرح اجتماعی دعاء کی جائے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اور فقہاء مجتہدین سے ثابت نہیں، اگر امام صاحب تعلیم کے لیے ایک دو دفعہ دعاء کرادے، پھر روزے دار اپنی اپنی جداگانہ دعاء کرلیا کرے، تو بہتر ہے اور اس اجتماعی دعاء کو ترک کیا جائے۔ (فتاوی محمودیہ: ۲۱۳/۱۰، کتاب الصوم، فصل فی السحر والافطار، افطار کے وقت اجتماعی دعاء ثابت نہیں ہے، ط: دار المعارف- دیوبند)

استاذ گرامی حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''دعاء اصل میں انفرادی عمل ہے، یہ خدا اور بندے کے درمیان راز و نیاز اور سرگوشی کا درجہ رکھتی ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز خدا سے مانگنے کا حکم دیا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر ایک کی ضرورتیں الگ ہوتی ہیں، بعض ایسی بھی ضرورتیں ہوتی ہیں، جن کا بندہ اپنے مالک کے سامنے ذکر کرتا ہے، وہ کسی اور کے سامنے ان کا ذکر نہیں کرسکتا؛ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کا عام معمول انفرادی دعاء کا تھا، خاص خاص مواقع پر اجتماعی دعا کی جاتی تھی، جیسے قنوت نازلہ، بارش کے لیے دعاء استسقاء، یا مسلمان کسی خاص آزمائش سے گزر رہے ہوں، تو ان کے لیے دعاء، اس لیے اگر افطار سے پہلے معمول بنائے اور لازم سمجھے بغیر کبھی کبھی اجتماعی دعاء کرلی جائے، تو اس کی گنجائش ہے، لیکن اس کو روزانہ کا معمول نہ بنایا جائے، اور اس پر اصرار نہ کیا جائے اور اسے ضروری نہ سمجھا جائے۔'' (کتاب الفتاوی: ۴۲۹/۳، روزے سے متعلق سوالات، سحر و افطار کے احکام، افطار کے وقت اجتماعی دعاء، ط: نعیمیہ- دیوبند)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ نے اس کو بیان کرتے ہوئے پورے سال کا ایک نقشہ تیار فرمایا ہے۔ وہ نقشہ فتاویٰ رحیمیہ جلد نمبر تین میں بھی نقل کیا گیا ہے، اس کے نیچے نوٹ کے عنوان کا اضافہ کر کے لکھا گیا ہے کہ اتنا ہی وقت تقریباً اس مہینے کی صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان بھی رہتا ہے۔ (☆☆)

سوال یہ ہے کہ یہ ٹائم ٹیبل صرف ہندوستان میں قابل عمل ہے، یا ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی اس پر عمل کیا جا سکتا ہے؟ اگر فرق ہو، تو بہ طور خاص موریس کے جزیرے میں کس ماہ میں کیا وقت رہے گا، ضرور تحریر فرمائیں۔

اس وقت مئی ۱۹۸۷ء میں سحری، افطاری اور طلوع آفتاب کا وقت حسب ذیل ہے:

سحری ۵:۱۵ سے لے کر ۵:۲۵ تک۔

افطاری ۵:۴۶ سے کم ہو کر ۵:۳۹ تک۔

طلوع آفتاب ۶:۳۰ کو ہے۔

اوپر ذکر کردہ نقشے کے مطابق سحری کا وقت درست ہے؟ اگر درست نہ ہو، تو آج تک جن لوگوں نے اس نقشے کے مطابق سحری اور افطاری کی، ان کے روزوں کا کیا ہوگا، ان کے روزے صحیح ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

اللہ رب العزت قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں: رب المشرق والمغرب.[1]

(☆☆) جس ماہ کی جس تاریخ میں غروب آفتاب اور غروب شفق میں جس قدر فاصلہ رہتا ہے، تقریباً اتنا ہی فاصلہ صبح صادق اور طلوع آفتاب میں بھی ہوتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ- مفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ (م: ۱۴۲۲ھ): ۱/۸۰، کتاب الصلاۃ، اوقات الصلاۃ، ط: دار الاشاعت، کراچی)

(۱) فَلَآ أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ إِنَّا لَقٰدِرُوْنَ. (۷۵- المعارج: ۴۰)

ترجمہ: پھر میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی کہ ہم اس پر قادر ہیں۔ (بیان القرآن)

بِرَبِّ الْمَشارِقِ وَالْمَغارِبِ جمع المشارق والمغارب أما لأن المراد بهما مشرق كل يوم من السنة ومغربه فيكون لكل من الصيف والشتاء مائة وثمانون مشرقا ومغربا. (روح البيان- إسماعيل حقي بن مصطفى الإستانبولي الحنفي الخلوتي، المولى أبو الفداء (م: ۱۱۲۷هـ): ۱۰/۱۷۰، سورة المعارج: (۷۰: ۴۰)، ط: دار الفكر - بيروت★فتح القدير - محمد بن علي بن محمد بن عبد الله الشوكاني اليمني (م: ۱۲۵۰هـ): ۵/۳۵۳، سورة المعارج، ط: دار ابن كثير، دار الكلم الطيب - دمشق☆البحر المديد في تفسير القرآن المجيد -أبو العباس أحمد بن محمد بن المهدي بن عجيبة الحسني الأنجري الفاسي الصوفي (م: ۱۲۲۴هـ): ۷/۲۷۱، سورة الرحمن، ت: أحمد عبد الله القرشي رسلان، ط: الدكتور حسن عباس زكي - القاهرة)

اس آیت کریمہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ سورج کے طلوع وغروب کی جگہ روزانہ بدلتی رہتی ہے اور سورج کی سمت ہر ملک میں الگ الگ ہے؛ اس لیے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے جو وقت لکھا ہے، وہ دنیا کے تمام ممالک کے لیے نہیں ہے؛ آپ اس کے متعلق مزید ان لوگوں سے معلومات حاصل کیجیے، جو اس علم کے ماہر ہیں، ان کے جواب کی روشنی میں وقت کی تعیین کیجیے۔[۲]

نیز ان سے دریافت کر لینے کے بعد بھی روزے میں احتیاط کے تقاضے پر عمل کرتے ہوئے دس منٹ پہلے ہی سحری بند کی جائے، جاپان نے اس کے متعلق آٹومیٹک گھڑی بنائی ہیں، ان سے بھی مدد لی جا سکتی ہے، تاہم ان سب کے باوجود احتیاطاً دس منٹ پہلے ہی سحری ختم کر لی جائے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] وقت سے تین چار منٹ پہلے افطار کرنا

۱۵۴۸- سوال: جامعہ اسلامیہ، مقام و پوسٹ: ڈابھیل، ضلع: بلساڑ میں اس سال رمضان المبارک میں افطار کے (اشتہار برائے) ٹائم ٹیبل میں پہلے اور دوسرے روزے کے افطار کا وقت ۱۳ :۷ (سات بج کر تیرہ منٹ) اور ۱۴ :۷ (سات بج کر چودہ منٹ) درج ہے؛ لیکن ہمارے گاؤں میں ایک معتبر اور مؤقر آدمی کے کہنے کی وجہ سے پہلے روز مغرب کی اذان ۷ ربج کر ۱۰ ر منٹ پر اور دوسرے روز ۷ ربج کر گیارہ منٹ پر ہوئی، اس طرح ٹائم ٹیبل میں درج شدہ وقت سے، پہلے روزے کے دن، تقریباً تین منٹ پہلے اور دوسرے روزے کے دن، تقریباً چار منٹ پہلے اذان ہوئی، اور لوگوں نے اس اذان پر اعتماد کر کے اپنے اپنے روزے افطار کیے، اب اس پر چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(۱) تمام لوگوں کے روزے صحیح ہوں گے یا نہیں؟

---

(۲) لأن كل قوم مخاطبون بما عندهم وانفصال الهلال عن شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار كما أن دخول الوقت وخروجه يختلف باختلاف الأقطار حتى إذا زالت الشمس في المشرق لا يلزم منه أن تزول في المغرب، وكذا طلوع الفجر وغروب الشمس بل كلما تحركت الشمس درجة فتلك طلوع فجر لقوم وطلوع شمس لآخرين وغروب لبعض ونصف ليل لغيرهم، وروي أن أبا موسى الضرير الفقيه- صاحب المختصر- قدم الإسكندرية، فسئل عمن صعد على منارة الإسكندرية، فيرى الشمس بزمان طويل بعدما غربت عندهم في البلد أيحل له أن يفطر فقال لا ويحل لأهل البلد لأن كلا مخاطب بما عنده. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق -عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ): ۱/۳۲۱، كتاب الصوم، ط: المطبعة الكبرى الأميرية- بولاق، القاهرة)

(۲) اس طرح کوئی بھی شخص وقت سے پہلے اذان دینے کا حکم کرسکتا ہے یا نہیں؟

(۳) اگر لوگوں کے روزے صحیح نہ ہوئے ہوں، تو ان کو کیا کرنا چاہیے؟ اس سلسلے میں شریعت کا کیا حکم ہے، ہماری رہنمائی فرمائیں، اللہ اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

الجواب حامداو مصلیا:

ایک آدمی نے وقت سے تین منٹ پہلے، سات بج کر دس منٹ پر اذان دلوا کر، لوگوں کو اپنے روزے افطار کروائے، جب کہ آپ کی تحریر کے مطابق روزے کے افطار کا وقت ٹائم ٹیبل میں سات بج کر چودہ منٹ درج تھا، تو اس شخص سے مل کر تحقیق کی جائے کہ سات بج کر دس پر غروب آفتاب ہوجاتا ہے یا نہیں؟ یا اس کو معلوم کرنے کے لیے کسی معتبر ٹائم ٹیبل کو دیکھا جائے، اگر معتبر کوئی ٹائم ٹیبل ایسا مل جاتا ہے، جس میں غروب آفتاب کا وقت سات بج کر دس منٹ یا اس سے پہلے کا وقت لکھا ہوا ہے، تو لوگوں کے روزے صحیح ہوجائیں گے؛ تاہم قابل اعتماد کوئی ٹائم ٹیبل نہ ملتا ہو اور وقت سے پہلے روزہ افطار کرنا ثابت ہوجائے، تو لوگوں کو اپنے دو دن کے روزوں کا اعادہ کرنا پڑے گا۔

(۱) جن لوگوں نے اپنے روزے تین چار منٹ پہلے افطار کیے ہیں اور اس وقت اگر صحیح ٹائم ٹیبل کے مطابق، افطار کا وقت نہیں ہوا تھا، تو کسی کا بھی روزہ نہیں ہوگا۔[1]

(۲) وقت سے پہلے لوگوں کو اپنے روزے افطار کروانا اور خود اپنا روزہ وقت سے پہلے افطار کرنا؛ ہر دو امر غلط اور ناجائز ہے۔[2]

جس کو وقت معلوم نہیں تھا، اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ کسی واقف کار سے پوچھ لیتا، روزے جیسی

---

(۱) (أو تسحر أو أفطر يظن اليوم) أي الوقت الذي أكل فيه (ليلا و) الحال أن (الفجر طالع والشمس لم تغرب) لف ونشر ويكفي الشك في الأول ... (قضى) في الصور كلها (فقط) [الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۴۰۵، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و مالا يفسده، ط: دار الفكر - بيروت☆الهداية شرح بداية المبتدي: ۱/ ۱۲۶، كتاب الصلاة، باب ما يوجب القضاء والكفارة، فصل في من كان مريضا في رمضان، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت☆تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق: ۱/ ۳۴۲، كتاب الصوم، فصل في العوارض، ط: المكتبة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۹۴، كتاب الصوم، الباب الأول في تعريفه وتقسيمه، ط: دار الفكر)

(۲) (قوله ووقت الصوم من حين طلوع الفجر الثاني إلى غروب الشمس) لقوله تعالى {وكلوا واشربوا حتى يتبين لكم الخيط الأبيض من الخيط الأسود من الفجر ثم أتموا الصيام إلى الليل} [البقرة: ۱۸۷]. (الجوهرة النيرة - أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبِيدِيّ اليمني الحنفي (م: ۸۰۰هـ): ۱/ ۱۳۸، كتاب الصوم، ط: المطبعة الخيرية)

عظیم عبادت کے لیے خواہ کتنا بڑا اور سمجھ دار آدمی ہی کیوں نہ ہو، محض اس کی بات پر اعتماد کرنا، اور قابل اعتماد ذرائع کو ترک کرنا درست نہیں ہے، بڑے گناہ کا کام ہے؛ ذمہ دار حضرات کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس طرح کی بے احتیاطی کرنے والے کو اپنی ذمہ داری سے بالکل علاحدہ کردے۔(۳)

(۳) جنہوں نے وقت سے پہلے افطار کیا ہے، ان کے لیے اپنے دو دن کے روزوں کی قضاء کرنا ضروری ہے۔(۴) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] افطار کے لیے غیر مسلم سے رقم لینا

۱۵۴۹- سوال: رمضان المبارک میں افطار کے لیے رقم جمع کی جاتی ہے، اور رقم جمع کرنے میں غیر مسلم (چینی لوگ) بھی بلا مطالبہ کے رقم دیتے ہیں، تو افطار کے لیے کسی غیر مسلم سے رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

کوئی بھی غیر مسلم نیکی اور ثواب سمجھ کر کسی دینی کام میں رقم دے اور مستقبل میں اُس رقم لینے کی وجہ سے دینی کام میں کسی خلل کے پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو، تو اُن کی رقم لینا جائز ہے، اُس میں کوئی حرج نہیں ہے۔(☆☆) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۳) عن الحسن قال: قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق. (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار (المعروف بـ مصنف ابن بي شيبة) -أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (م:۲۳۵ھ): ۵۴۵/۶، رقم الحديث: ۳۳۷۱۷، كتاب الجهاد، في إمام السرية يأمرهم بالمعصية، من قال: لا طاعة له، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد- الرياض.

وأخرجه الإمام أحمد بن حنبل في مسنده، بلفظ: "لا طاعة لمخلوق في معصية الله عز وجل" عن علي وابن مسعود رضي الله عنهما وعن غيرهما. (ر: مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۳۳۳/۲، رقم: ۱۰۹۴، مسند علي ابن أبي طالب رضي الله عنه ☆۴۳۲/۶، رقم: ۳۸۸۹، مسند عبد الله بن مسعود رضي الله عنه، ت: شعيب الأرنؤوط- عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة)

(۴) حاشیہ نمبر (۱) ملاحظہ فرمائیں۔

(☆☆) عن أنس بن مالك رضي الله عنه، أن يهودية أتت النبي صلى الله عليه وسلم بشاة مسمومة، فأكل منها، فجيء بها فقيل: ألا نقتلها، قال: لا، فما زلت أعرفها في لهوات رسول الله صلى الله عليه وسلم. (صحيح البخاري: ۳۵۶/۱، رقم الحديث: ۲۶۱۷، كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب قبول الهدية من المشركين، ط: ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۲۲۲/۲، رقم الحديث: ۴۵-(۲۱۹۰)، كتاب السلام، باب السم، ط: ديوبند)

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ط وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ط فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ط وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (۲-البقرة:۱۸۴)

باب قضاء الصوم وكفارته

[روزے کی قضاء وکفارہ کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب قضاء الصوم وکفارته

[روزے کی قضاء وکفارہ کا بیان]

[۱] روزہ کا فدیہ دینے کے بعد عذر ختم ہو جائے، تو قضا لازم ہے

۱۵۴۴- سوال: ایک شخص رمضان کا روزہ نہیں رکھ سکا، پھر وہ قضا روزہ رکھنے سے عاجز ہو گیا اور اس قضا روزے کا فدیہ ادا کر دیا، فدیہ کی ادائیگی کے بعد وہ دوبارہ روزہ رکھنے پر قادر ہو گیا، تو کیا اس کو قضا روزہ رکھنا پڑے گا، یا روزہ کے بدلے میں دیا گیا فدیہ کافی ہو جائے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

روزے کا فدیہ ادا ہونے کی شرط یہ ہے کہ عذر موت تک باقی رہے، اگر فدیہ ادا کرنے کے بعد مرض زائل ہو جائے، مریض اچھا ہو جائے اور روزہ رکھنے پر قادر ہو جائے، تو اس کے لیے روزہ رکھنا ضروری ہے، روزے کے بدلے میں دیا گیا فدیہ کافی نہیں ہوگا۔ (طحطاوی وعالم گیری)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] وتلزمهما الفدية... "لكل يوم نصف صاع من بر أو قيمته، بشرط دوام عجز الفاني والفانية إلى الموت. (مراقي)

قال الطحطاوي: قوله: "بشرط دوام عجز الفاني والفانية" فمن قدر اقضيا. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح- أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱ھ) ص: ۶۸۸، كتاب الصوم، فصل في العوارض، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

ولو قدر على الصيام بعد ما فدى بطل حكم الفداء الذي فداه حتى يجب عليه الصوم هكذا في النهاية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۰۷، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار، ط: دار الفكر- بيروت)

[۲] روزے کا فدیہ ان مریضوں کی جانب سے ادا کیا جائے، جن کی صحت کی امید نہ ہو

۱۵۴۵- سوال: میری والدہ محترمہ سخت بیمار ہیں، مرض اس قدر شدید ہے کہ امسال رمضان المبارک میں روزہ رکھنے کی استطاعت نہیں ہے، تو روزہ کا کتنا فدیہ دینا واجب ہے اور یہ فدیہ کس کو دینا چاہیے؟ اگر مرض زائل ہو جائے، تو کیا دوبارہ روزہ رکھنا ہوگا، یا ان روزوں کے عوض دیا گیا فدیہ کفایت کر جائے گا؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں، کسی بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنا متعذر رہو، یا روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض میں اضافے کا اندیشہ ہو، تو روزہ نہ رکھنے کی گنجائش ہے؛ لیکن رمضان المبارک کے بعد، جب بھی تندرست ہو جائے، چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا واجب ہوگی۔ (۱) فدیہ دے دینا کافی نہیں ہوگا۔

فدیہ دینا اس آدمی کے لیے کافی ہو جاتا ہے، جو روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو اور اس کی عدم قدرت موت تک دراز ہو، اگر کسی نے روزے کا فدیہ دے دیا، اور بعد میں روزہ رکھنے پر قدرت حاصل ہو گئی، تو روزے کی قضاء کرنا واجب ہوگا اور فدیہ- جو پہلے دیا گیا تھا- کافی نہ ہوگا۔ (۲)

---

(۱) {فمن كان منكم مريضا أو على سفر فعدة من أيام أخر} أي: المريض والمسافر لا يصومان في حال المرض والسفر؛ لما في ذلك من المشقة عليهما، بل يفطران ويقضيان بعدة ذلك من أيام أخر. (تفسير القرآن العظيم- أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي (م: ۷۷۴هـ): ۱/ ۴۹۸، سورة البقرة: ۱۸۳، ت: سامي بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع)

(أو مريض خاف الزيادة) لمرضه وصحيح خاف المرض، وخادمة خافت الضعف بغلبة الظن بأمارة أو تجربة أو بأخبار طبيب حاذق مسلم مستور... (وقضوا) لزوما (ما قدروا بلا فدية). (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۴۲۳-۴۲۲، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، ط: دار الفكر- بيروت ☆ تبيين الحقائق: ۱/ ۳۳۳، كتاب الصوم، فصل في العوارض، ط: المكتبة الأميرية، بولاق ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۰۷، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار، ط: دار الفكر ☆ فتاوی دار العلوم: ۶/ ۴۲۷، پانچواں باب، ط: دار العلوم دیوبند)

(۲) "ويجوز الفطر لشيخ فان وعجوز فانية"... "وتلزمهما الفدية"... "لكل يوم نصف صاع من بر" أو قيمته بشرط دوام عجز الفاني والفانية إلى الموت. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي، ص: ۶۸۸، كتاب الصوم، فصل في العوارض، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

ولو قدر على الصيام بعد ما فدى بطل حكم الفداء الذي فداه حتى يجب عليه الصوم هكذا في النهاية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۰۷، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار، ط: دار الفكر- بيروت)

اگر آپ کی والدہ محترمہ کی حالت واقعتاً ایسی ہے کہ آئندہ روزہ رکھنے پر قدرت کی امید نہیں ہے، تب ہی فدیہ ادا کریں، ورنہ صحت وتندرستی کا انتظار کریں، اور جب اللہ تعالیٰ تندرستی عطا فرمادے، توان روزوں کی قضا کرلیں۔ (۱)

ایک فدیہ کی مقدار صدقۂ فطر کی مقدار کے برابر ہے، یعنی ایک روزہ کے عوض میں ارکلو ۶۷ ر گرام گیہوں دینے ہوں گے۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] نماز اور روزے کے فدیہ کی مقدار

۱۵۴۶- سوال: ہمارے والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، اب ہم تین بھائی، دو بہن اور والدہ محترمہ ان کے شرعی وارث ہیں، والد صاحب کی عمر ۵۸ سال تھی، ہم لوگ اپنے والد صاحب کی نماز اور روزوں کا فدیہ دینا چاہتے ہیں، تو ہم کو کتنے سالوں کے فدیے دینے ہوں گے، اور ان کی مقدار کیا ہوگی؟ نیز اس میں ورثاء کا اتفاق ضروری ہے یا نہیں؟ مسئلے کے ہر جزء کی وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداومصليا:

والد صاحب نے نماز و روزے کے فدیے کی وصیت کی ہو، تو فدیہ دینا واجب ہے اور کسی وارث کے اتفاق کی ضرورت نہیں، البتہ ملکیت کے تہائی حصے سے جتنا فدیہ ادا ہوسکتا ہو، اتنا ادا کرنا ضروری ہوگا۔ (۳)

---

(۱) المريض إذا تحقق اليأس من الصحة فعليه الفدية لكل يوم من المرض اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۲۷، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم)

[۲] (يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر) كالفطرة (وكذا حكم الوتر) والصوم. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۷۲- ۷۳، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت، ط: دار الفكر☆البحر الرائق مع حاشية ابن عابدين المعروف بـ 'منحة الخالق': ۲/ ۹۸، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، فصل: سجود السهو في مطلق الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۲۵، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، ط: دار الفكر- بيروت)

ایک صاع= ۳۱۴۹ء۲۸۰ (تین کلو ایک سو انچاس گرام، دوسواسی ملی گرام) ہوتا ہے، تو نصف صاع ۱۵۷۴ء ۶۴۰ (ایک کلو پانچ سو چہتر گرام، چھ سو چالیس ملی گرام) ہوگا۔ (دیکھیے: الاوزان المحمودۃ، ص: ۱۰۵، ط: دار الکتاب- دیوبند☆ امداد الاوزان، ص: ۱۹، ط: ہرسولی- مظفر نگر)

(۳) (ولو مات وعليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر) كالفطرة (وكذا حكم الوتر) والصوم. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۷۲- ۷۳، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت، ط: دار الفكر☆البحر الرائق مع حاشية ابن عابدين المعروف بـ 'منحة الخالق': ۲/ ۹۸، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، فصل: سجود السهو في مطلق الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۲۵، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، ط: دار الفكر- بيروت)

[اگر فدیہ کی مقدار تہائی مال کی مقدار سے زیادہ ہو، تو ان کے مال سے ادا کرنے کے لیے ورثا کی رضامندی ضروری ہوگی۔]

اگر وصیت نہیں کی ہے، تو ورثاء کا اتفاق ضروری ہے، اگر کوئی وارث متفق نہیں ہے، تو اس کو اس کا حصہ دینا ضروری ہے، اس لیے وراثت تقسیم کردی جائے اور ورثاء کو ان کا حصہ دے دیا جائے، اب جو ورثاء اپنے حصے سے، اپنے مورث کا فدیہ صوم وصلاۃ ادا کرنا چاہیں، کریں، وہ [فدیہ ادا کرنے والے وارث] اجرو ثواب کے مستحق ہوں گے۔(۱)

ہر نماز و روزے کا فدیہ نصف صاع(۲) گیہوں یا اس کی قیمت ہے، روزانہ کی نمازیں وتر کے ساتھ

(۱) (يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر) كالفطرة (وكذا حكم الوتر) والصوم. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله يعطى) بالبناء للمجهول: أي يعطي عنه وليه: أي من له ولاية التصرف في ماله بوصاية أو وراثة فيلزمه ذلك من الثلث إن أوصى، وإلا فلا يلزم الولي ذلك؛ لأنها عبادة فلا بد فيها من الاختيار، فإذا لم يوص فات الشرط فيسقط في حق أحكام الدنيا للتعذر، بخلاف حق العباد، فإن الواجب فيه وصوله إلى مستحقه لا غير، ولهذا لو ظفر به الغريم يأخذه بلا قضاء ولا رضا، ويبرأ من عليه الحق بذلك إمداد. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۷۲-۷۳، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت، ط: دار الفكر)

اگر مرنے والے نے اپنے روزے یا نماز کے فدیہ کی وصیت نہ کی ہو اور ولی/ وصی یا کسی اور نے، اپنی جانب سے فدیہ صوم وصلاۃ ادا کیا ہو، تو کیا فدیہ، نماز وروزہ کی طرف سے کافی ہوجائے گا، اس سلسلے میں علامہ شامیؒ نے بڑی عمدہ بحث کی ہے، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

ثم اعلم أنه إذا أوصى بفدية الصوم يحكم بالجواز قطعا؛ لأنه منصوص عليه. وأما إذا لم يوص فتطوع بها الوارث، فقد قال محمد في الزيادات إنه يجزيه إن شاء الله تعالى، فعلق الإجزاء بالمشيئة لعدم النص، وكذا علقه بالمشيئة فيما إذا أوصى بفدية الصلاة؛ لأنهم ألحقوها بالصوم احتياطا لاحتمال كون النص فيه معلولا بالعجز فتشمل العلة الصلاة، وإن لم يكن معلولا تكون الفدية برا مبتدأ يصلح ماحيا للسيئات فكان فيها شبهة، كما إذا لم يوص بفدية الصوم فلذا جزم محمد بالأول ولم يجزم بالأخيرين، فعلم أنه إذا لم يوص بفدية الصلاة فالشبهة أقوى.

واعلم أيضا أن المذكور فيما رأيته من كتب علمائنا فروعا وأصولا إذا لم يوص بفدية الصوم يجوز أن يتبرع عنه وليه. والمتبادر من التقييد بالولي أنه لا يصح من مال الأجنبي. ونظيره ما قالوه فيما إذا أوصى بحجة الفرض فتبرع الوارث بالحج لا يجوز، وإن لم يوص فتبرع الوارث إما بالحج بنفسه أو بالإحجاج عنه رجلا يجزيه. وظاهره أنه لو تبرع غير الوارث لا يجزيه، نعم وقع في شرح نور الإيضاح للشرنبلالي التعبير بالوصي أو الأجنبي فتأمل، وتمام ذلك في آخر رسالتنا المسماة شفاء العليل في بطلان الوصية بالختمات والتهاليل. (حوالہ سابق)

(۲) ایک صاع = ۳٫۱۴۹٫۲۸۰ (تین کلو ایک سو انچاس گرام، دو سو اسی ملی گرام) ہوتا ہے، تو نصف صاع: ۱٫۵۷۴٫۶۴۰ (ایک کلو پانچ سو چہتر گرام، چھ سو چالیس ملی گرام) ہوگا۔ (دیکھیے: الاوزان المحمودة، ص:۱۰۵، ط: دار الکتاب-دیوبند☆امداد الاوزان، ص:۱۹، ط: ہرسولی-مظفر نگر)

۶/ رہیں، تو ۶/ فدیے، روزانہ کی نمازوں کے ہوں گے اور ہر روزے کی طرف سے ایک فدیہ ہوگا۔ اب بالغ ہونے کے بعد جتنی نمازیں اور روزے قضاء ہوں گے، ان تمام کا، حساب کر کے فدیہ ادا کرنا ضروری ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] رمضان کے روزوں کا فدیہ

۱۵۴۷- سوال: اگر کوئی شخص رمضان کے روزے نہ رکھ سکے، تو اس کے کفارہ کی صورت کیا ہے؟

الجواب حامدا ومصليا:

اگر کوئی شخص بیماری کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے، تو جب اس کو قوت حاصل ہو جائے، اس وقت قضاء کر لے، اس کے لیے فدیہ دینا جائز نہ ہوگا؛ ہاں اگر وہ مریض صحت یابی کے بعد، روزے کی قضا کیے بغیر وفات پا جائے اور اس نے کفارے کی وصیت کی ہو، تو ہر روزے کے بدلہ صدقۂ فطر کے برابر فدیہ ادا کرنا ضروری ہے، فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے:

"ومن كان مريضا في رمضان فخاف إن صام ازداد مرضه أفطر وقضى" ... "وإذا مات المريض أو المسافر وهما على حالهما لم يلزمهما القضاء" لأنهما لم يدركا عدة من أيام أخر" ... "ومن مات وعليه قضاء رمضان فأوصى به أطعم عنه وليه لكل مسكينا نصف صاع من بر أو صاعا من تمر أو شعير".[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] نحیف و کمزور اور عمر دراز شخص کے لیے روزہ اور تراویح کا حکم

۱۵۴۸- سوال: (۱) ایک بڑی عمر کے نحیف و کمزور شخص ہیں، چلنا پھرنا برائے نام کرتے ہیں اور

---

(۱) الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/ ۱۲۴، كتاب الصوم، باب موجب القضاء والكفارة، فصل في من كان مريضا في رمضان إلخ، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي-بيروت.

{فمن كان منكم مريضاً أو على سفر فعدة من أيام أخر} أي: المريض والمسافر لا يصومان في حال المرض والسفر؛ لما في ذلك من المشقة عليهما، بل يفطران ويقضيان بعدة ذلك من أيام أخر. (تفسير القرآن العظيم-أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي (م: ۷۷۴ھ): ۱/ ۴۹۸، سورة البقرة: ۱۸۳، ت: سامي بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع)

ضروری کام بھی بہت مشکل سے کر پاتے ہیں اور ان کے بدن میں گرمی کی مقدار بھی بہت زیادہ ہے، رات دن ان کے بدن پر وقفے وقفے سے پانی چھڑکنا پڑتا ہے، تب جا کر ان کو سکون ملتا ہے اور پیاس بھی ان کو بہت لگتی ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ ایسے شخص کے لیے رمضان کا روزہ رکھنا لازم ہے یا نہیں؟ اگر وہ روزہ نہ رکھے، تو ایک روزے کا فدیہ کیا ہوگا؟ اور اس کو کس طرح ادا کرنا ہوگا؟

(۲) مذکورہ ضعیف شخص کے لیے تراویح کا کیا حکم ہے؟ کیوں کہ کھڑے کھڑے تراویح پڑھنا تو ان کی استطاعت میں نہیں ہے اور بیٹھ کر پڑھتے ہیں، تو تھوڑی دیر کے بعد ان کے ناخن اور پیروں میں نا قابل برداشت درد شروع ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں آٹھ رکعت امام کے ساتھ پڑھے اور باقی نماز مذکورہ عذر کی وجہ سے چھوڑ دے، تو کیا اس کی گنجائش ہو سکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) مذکورہ مریض کی کسی ماہر مسلمان ڈاکٹر یا حکیم سے تشخیص کرائی جائے، اگر کوئی مسلمان نہ ہو، تو غیر مسلم قابل اعتماد ڈاکٹر یا وید سے تشخیص کرائی جائے، اگر تشخیص کرنے والا ڈاکٹر یا وید یہ رائے دے کہ روزہ رکھنے سے ان کی موت ہو سکتی ہے، یا کوئی عضو تلف ہو سکتا ہے، یا آنکھ کی بینائی یا کان کی سماعت ختم ہو سکتی ہے، تو ایسی صورت میں ان کے لیے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔[1] روزہ نہ رکھنے کی صورت میں فدیہ صوم

---

(۱) عن أنس بن مالك، رجل من بني عبد الله بن كعب قال: أغارت علينا خيل رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فوجدته يتغدى، فقال: ادن فكل، فقلت: إني صائم، فقال: ادن أحدثك عن الصوم، أو الصيام، إن الله تعالى وضع عن المسافر الصوم، وشطر الصلاة، وعن الحامل أو المرضع الصوم أو الصيام. (سنن الترمذي: ۱/ ۱۵۲، رقم الحديث: ۷۱۵، أبواب الصوم، باب ما جاء في الرخصة في الإفطار للحبلى والمرضع، ط: فيصل پبلی کیشنز - دیوبند ☆ المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي (م: ۳۰۳ھ): ۴/ ۱۸۱، رقم الحديث: ۲۲۷۷، الصيام، ذكر وضع الصيام عن المسافر، ذكر اختلاف معاوية بن سلام وعلي بن المبارك في هذا الحديث، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

(قوله: وللحامل والمرضع إذا خافتا على الولد أو النفس) أي لهما الفطر دفعا للحرج ولقوله - صلى الله عليه وسلم - إن الله وضع عن المسافر الصوم وشطر الصلاة وعن الحامل والمرضع الصوم. قيد بالخوف بمعنى غلبة الظن بتجربة أو إخبار طبيب حاذق مسلم كما في الفتاوى الظهيرية. (البحر الرائق: ۲/ ۳۰۷، كتاب الصوم، عوارض الفطر في رمضان، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ العناية شرح الهداية: ۲/ ۳۵۰، فصل في العوارض، ط: دار الفكر - بيروت)

(ومنها المرض) المريض إذا خاف على نفسه التلف أو ذهاب عضو يفطر بالإجماع، وإن خاف زيادة العلة =

لازم ہوگا۔ [۲] ہر روزے کا فدیہ صدقۂ فطر کی مقدار یعنی پونے دوکلو گیہوں یا اس کی قیمت ہے۔ [۳]

لیکن اگر ڈاکٹر یا حکیم کی مذکورہ بالا رائے نہیں ہے، صرف بدن میں گرمی ہے، جس کی وجہ سے پیاس لگتی ہے، تو روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں ملے گی، روزہ رکھنا ضروری ہے۔ [۴] اور توقع ہے کہ روزہ رکھنے سے مذکورہ تکلیف وہ گرمی کی کیفیت بھی (ان شاء اللہ) کم ہوجائے گی۔

(۲) تراویح کی نماز سنت ہے، جس قدر استطاعت ہو، امام صاحب کے ساتھ تراویح

=وامتدادها فكذلك عندنا، وعليه القضاء إذا أفطر كذا في المحيط. ثم معرفة ذلك باجتهاد المريض والاجتهاد غير مجرد الوهم، بل هو غلبة ظن عن أمارة أو تجربة أو بإخبار طبيب مسلم غير ظاهر الفسق، كذا في فتح القدير. والصحيح الذي يخشى أن يمرض بالصوم فهو كالمريض هكذا في التبيين. (الفتاوى الهندية:۱/۲۰۷، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار، ط: دار الفكر☆الفتاوى التاتارخانية:۳/۴۰۳، كتاب الصوم، الفصل السابع: في الأسباب المبيحة للفطر، ط: زكريا- ديوبند☆تبيين الحقائق:۲/۱۸۹، كتاب الصوم، فصل في العوارض☆الهداية:۱/۲۲۱، كتاب الصوم☆مراقي الفلاح، ص:۷۳، كتاب الصوم، فصل في العوارض، ط: زكريا- ديوبند)

(۲) عن ابن عباس: أنه كان يقرأ: "على الذين يطوقونه" وهو الشيخ الهم، والمرأة الهمة لا يستطيعان الصيام، ويفطران، ويطعمان لكل يوم مسكينا كل واحد منهما". (المصنف المعروف بـ 'مصنف عبد الرزاق'-أبو بكر عبد الرزاق بن همام بن نافع الحميري اليماني الصنعاني (م:۲۱۱هـ): ۴/۲۲۲، رقم الحديث:۷۵۷۷، كتاب الصيام، باب الشيخ الكبير، ت: حبيب الرحمن الأعظمي، ط: المكتب الإسلامي- بيروت)

ومن أفطر لشيء من العذر، ثم زال العذر فعليه القضاء بعدد الأيام التي يزول عنه العذر فيها. وليس عليه قضاء ما لم يزل العذر عنه فيها، حتى إن المسافر إذا مات في السفر والمريض قبل البرء لا يجب عليهما القضاء، لأن العاجز لا يكلف وإن أدركا بعدد ما فاتهما يلزمهما القضاء وإذا ماتا قبل القضاء يجب عليهما الفدية. والفدية أن يطعم لكل يوم مسكينا بقدر ما يجب في صدقة الفطر. (تحفة الفقهاء- محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۴۰هـ):۱/۳۵۹، كتاب الصوم، قبيل مسألة النذر، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

[۳] (كل مسكين كالفطرة) أي من بر أو زبيب نصف صاع ومن تمر وشعير صاع (أو) أطعم (قيمة ذلك) أي أعطى كلا قدر قيمة الفطرة مطعما. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر- عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ 'داماد أفندي' (م:۱۰۷۸هـ):۱/۴۳۷، كتاب الطلاق، باب الظهار، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۴) "والخرف المعتبر" "لإباحة الفطر طريق معرفته أمران أحدهما" "ما كان مستندا" فيه "لغلبة الظن" فإنها بمنزلة اليقين "بتجربة" سابقة والثاني قوله "أو إخبار طبيب" مسلم حاذق عدل عالم بداء كذا في البرهان وقال الكمال مسلم حاذق غير ظاهر الفسق وقيل عدالته شرط. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح- حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م:۱۰۶۹هـ)، ص:۲۵۸، فصل في العوارض، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

ادا کرے۔[۵]

جو رکعت باقی رہ جائے، استطاعت ہونے پر رات میں ادا کرلے، اگر استطاعت نہ ہو، تو اس کے ترک پر کوئی گناہ نہ ہوگا، ہاں بلا عذر سنت کا ترک کرنا گناہ ہے۔[۶] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] غروب آفتاب سے پہلے چاند نظر آنے پر افطار کرلینے کا شرعی حکم

۱۵۴۹- سوال: اس سال عید الفطر کا چاند افطار سے پہلے ہی نظر آ گیا تھا، جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے غروب آفتاب سے پہلے ہی روزہ افطار کرلیا، تو اب کیا کرنا چاہیے؟ غروب آفتاب سے پہلے چاند نظر آنے پر روزہ افطار کرسکتے ہیں؟ ہمارے یہاں ہوا یہ کہ غروب آفتاب سے پہلے چاند نظر آ گیا، تو مائیک پر اس کا اعلان ہوا، بہت سے لوگوں نے بھول سے اس کو اذان سمجھ کر اپنا روزہ افطار کرلیا، تو اب کیا ان کو اپنے روزے کی قضا کرنی پڑے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاند دکھائی دینا' سورج غروب ہونے کی علامت نہیں ہے، سورج غروب ہونے کے بعد ہی افطار کرنے کا حکم ہے۔(☆☆)

---

(۵) النضر بن شيبان، قال: - قلت لأبي سلمة بن عبد الرحمن، حدثني بشيء سمعته من أبيك، سمعه أبوك من رسول الله صلى الله عليه وسلم، ليس بين أبيك وبين رسول الله صلى الله عليه وسلم أحد في شهر رمضان قال: نعم - حدثني أبي، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله تبارك وتعالى فرض صيام رمضان عليكم وسننت لكم قيامه، فمن صامه وقامه إيمانا واحتسابا خرج من ذنوبه كيوم ولدته أمه. (المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي (م: ۳۰۳ھ): ۱۵۸/۴، رقم الحديث: ۲۲۱۰، الصيام، ثواب من قام رمضان وصامه إيمانا واحتسابا، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

(۶) إن الجماعة أفضل؛ لأن عمر - رضي الله تعالى عنه - أقامها بالجماعة، بمحضر من كبار الصحابة وخيارهم. (الفتاوى الخانية على هامش الهندية: ۲۳۳/۱، باب التراويح، ط: زكريا - ديوبند)

رجل ترك سنن الصلاة إن لم ير السنن حقا فقد كفر؛ لأنه تركها استخفافا وإن رآها حقا فالصحيح أنه يأثم؛ لأنه جاء الوعيد بالترك. كذا في محيط السرخسي. (الفتاوى الهندية: ۱۱۲/۱، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۸۶/۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: زكريا - ديوبند)

(☆☆) ... بقوله: (ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ) [سورة البقرة: ۱۸۷] لأن الليل غاية لصوم الصائم، إذا بلغه فقد قضى ما =

اس لیے جن حضرات نے سورج غروب ہونے سے پہلے اپنا روزہ افطار کرلیا ہے، ان کو اپنے روزے کی قضا کرنی ہوگی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] روزہ: کفارہ، مقدار اور ادائیگی کا طریقہ

۱۵۵۰- سوال: میری والدہ کی عمر تقریباً پچپن سے ساٹھ سال کی ہے، پانچ چھ سال سے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی، وہ اکثر بیمار ہی رہتی ہیں، جس کی وجہ تقریباً تین سال کے رمضان کے فرض روزے بھی وہ نہیں رکھ سکی ہیں، نیز مسلمان ڈاکٹروں کا مشورہ بھی ان کے لیے روزہ نہ رکھنے کا ہے، اس عرصہ میں جب ان کی طبیعت اچھی رہتی تھی، تو روزے رکھ لیا کرتی تھی اور جب طبیعت بگڑتی تو روزے نہیں رکھتی تھی۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان روزوں سے آخرت میں چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے شریعت میں کیا کفارہ ہے؟ اور کفارے کی رقم یا اناج کس کو دینا چاہیے؟ پورا کفارہ ایک ہی شخص کو دے سکتے ہیں یا الگ الگ افراد کو دینا ضروری ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

مذکورہ مسئلہ کو شریعت کی اصطلاح میں ''مسئلہ شیخ فانی یا فانیہ'' کے نام سے بیان کیا جاتا ہے، آپ کی

=عليه. (تفسير الطبري = جامع البيان عن تأويل آي القرآن-محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي، أبو جعفر الطبري (م:۳۱۰ھ):۸/۱۸۴، القول في تأويل قوله تعالى: وأيديكم إلى المرافق، ت: د. عبد الله بن عبد المحسن التركي، ط: دار هجر للطباعة والنشر والتوزيع والإعلان)

ورؤيته نهارا قبل الزوال وبعده غير معتبر. (الدر المختار)ـــــ قال ابن عابدين: ومعنى عدم اعتبارها أنه لا يثبت بها حكم من وجوب صوم أو فطر فلذا قال في الخانية فلا يصام له ولا يفطر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۹۳، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، مطلب في رؤية الهلال نهارا، ط: دار الفكر-بيروت)

تفصیل کے لیے دیکھیے: فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۲۸، کتاب الصوم، باب رؤیۃ الهلال، ط: مکتبہ شیخ الاسلام-دیوبند۔

(۱) **(أو تسحر أو أفطر يظن اليوم) أي الوقت الذي أكل فيه (ليلا و) الحال أن (الفجر طالع والشمس لم تغرب) . . . (قضى) . . . (فقط).** [الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۴۰۵، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، ط: دار الفكر☆درر الحكام شرح غرر الأحكام- محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا- أو منلا أو المولى - خسرو (م:۸۸۵ھ):۱/۲۰۴، باب موجب الإفساد في الصوم، ط: دار إحياء الكتب العربية☆العناية شرح الهداية: ۲/۳۷۲، كتاب الصوم، فصل في العوارض، ط: دار الفكر☆ الجوهرة النيرة: ۱/۱۴۴، كتاب الصوم، ط: المطبعة الخيرية☆ فتاویٰ عثمانی - مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ: ۲/۱۸۷، كتاب الصوم، فصل المسائل المتعلقة بالصوم، ط: نعیمیہ-دیوبند]

والدہ جتنے دنوں کے روزے نہیں رکھ سکی ہے، تو ہر روزے کا ایک فدیہ یعنی "صدقۂ فطر کی مقدار" کسی بھی غریب شخص کو- جو زکوۃ کا مستحق ہو- دینا ضروری ہے۔(۱)

لہٰذا تین سال کے روزوں کا حساب کر کے ہر روزے کا ایک فدیہ لازم ہوگا اور ایک فقیر کو دس پندرہ دنوں کے روزوں کا ایک ساتھ فدیہ دینے میں کوئی حرج نہیں، ہر دن کے روزے کا فدیہ الگ الگ فقیر کو دینا ضروری اور لازم نہیں۔(۲) نیز ہر فدیہ کے عوض اگر کسی فقیر اور غریب آدمی کو صبح وشام پیٹ بھر کر کھانا کھلانا چاہیں، تو کھلا سکتے ہیں، اس سے بھی فدیہ ادا ہو جائے گا۔(۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱)(ومنها: كبر السن) فالشيخ الفاني الذي لا يقدر على الصيام يفطر ويطعم لكل يوم مسكينا كما يطعم في الكفارة كذا في الهداية. والعجوز مثله كذا في السراج الوهاج. وهو الذي كل يوم في نقص إلى أن يموت كذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۰۷، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار، ط: دار الفكر)

(يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر) كالفطرة (وكذا حكم الوتر) والصوم. (الدر المختار)——قال ابن عابدين: (قوله نصف صاع من بر) أي أو من دقيقه أو سويقه، أو صاع تمر أو زبيب أو شعير أو قيمته، وهي أفضل عندنا لإسراعها بسد حاجة الفقير إمداد. ثم إن نصف الصاع ربع مد دمشقي من غير تكويم؛ بل قدر مسحه. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۷۲-۷۳، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت، ط: دار الفكر)

(۲)(وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر ويفدي) وجوبا ولو في أول الشهر وبلا تعدد فقير كالفطرة لو موسرا. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۲۷، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، ط: دار الفكر)

"ويجوز إعطاء فدية صلوات" وصيام أيام ونحوها "لواحد" من الفقراء "جملة". (مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح--حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹ھ) ص: ۱۷۱، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية ☆ حاشية الطحطاوي على المراقي ص: ۴۴۰، كتاب الصلاة، فصل في إسقاط الصلاة والصوم، ت: عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۲۷، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة...)

يندب دفع ما يغنيه يومه عن السؤال، واعتبار حاله من حاجة وعيال. (الدر المختار)——قال ابن عابدين: والأوجه أن ينظر إلى ما يقتضيه الحال في كل فقير من عيال وحاجة أخرى كدهن وثوب وكراء منزل وغير ذلك كما في الفتح اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۵۵، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، فروع في مصرف الزكاة)

(وكره إعطاء فقير نصابا) أو أكثر (إلا إذا كان) المدفوع إليه (مديونا أو) كان (صاحب عيال) بحيث (لو فرقه عليهم لا يخص كلا) أو لا يفضل بعد دينه (نصاب) فلا يكره، فتح. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۳۵۳، الزكاة)

(۳) وكفارة الإفطار في شهر رمضان إذا عجز عن الإعتاق لفقره وعجز عن الصوم لكبره جاز له أن يطعم ستين مسكينا؛ لأن هذا صار بدلا عن الصيام بالنص كذا في شرح الطحاوي. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۰۷، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار، ط: دار الفكر - بيروت)

[۸] سفر غیر شرعی میں پیاس کی شدت کی وجہ سے روزہ توڑ دینا

۱۵۵۱- سوال: ایک عورت نے رمضان کا فرض روزہ سفر غیر شرعی میں پیاس کی شدت کی وجہ سے توڑ دیا، تو اس پر صرف قضا واجب ہوگی یا کفارہ بھی لازم ہوگا؟

الجواب حامداو مصلیا:

پیاس کی شدت ایسی ہو کہ ہلاکت کا خوف ہو، یا بیماری کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو، تو ایسی صورت میں قضا واجب ہوگی اور اگر ہلاکت یا مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ نہ ہو، تو کفارہ بھی لازم ہوگا۔ مذکورہ صورت میں پیاس سے پریشان ہو کر روزہ افطار کیا ہے، تو کفارہ واجب ہوگا۔[۱]

مرض کی شدت [کہ جس کی وجہ سے روزہ توڑنے کی اجازت ہے] کا فیصلہ ایسے مسلمان ماہر طبیب کے مشورے سے کیا جائے گا، جو روزہ کی حقیقت اور اس کی عظمت سے واقف ہو۔ (فتاوی عالمگیری)[۲]

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] چند فدیہ ایک دفعہ، ایک شخص کو دینا

۱۵۵۲- سوال: ایک شخص اپنے ایک سے زائد فدیہ مثلاً پانچ روزے کا فدیہ دو کیلو گیہوں کے

---

(۱) (ومنها العطش والجوع كذلك) إذا خيف منهما الهلاك أو نقصان العقل كالأمة إذا ضعفت عن العمل وخشيت الهلاك بالصوم. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۰۷، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار، ط: دار الفكر)

(ومنها المرض) المريض إذا خاف على نفسه التلف أو ذهاب عضو يفطر بالإجماع، وإن خاف زيادة العلة وامتدادها فكذلك عندنا، وعليه القضاء إذا أفطر كذا في المحيط. (المصدر السابق☆الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۴۰۳، كتاب الصوم، ط: زكريا- ديوبند☆تبيين الحقائق: ۲/ ۱۸۹، كتاب الصوم، فصل في العوارض، ط: زكريا- ديوبند☆الهداية: ۱/ ۲۲۱، كتاب الصوم)

[۲] ثم معرفة ذلك باجتهاد المريض والاجتهاد غير مجرد الوهم بل هو غلبة ظن عن أمارة أو تجربة أو بإخبار طبيب مسلم غير ظاهر الفسق كذا في فتح القدير. والصحيح الذي يخشى أن يمرض بالصوم فهو كالمريض هكذا في التبيين. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۰۷، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار)

قيد بالخوف بمعنى غلبة الظن بتجربة أو إخبار طبيب حاذق مسلم كما في الفتاوى الظهيرية. (البحر الرائق: ۲/ ۳۰۷، كتاب الصوم، فصل في العوارض، ط: الكتاب الإسلامي☆العناية شرح الهداية: ۰/ ۳۵۰، كتاب الصوم، فصل في العوارض، ط: دار الفكر☆مراقي الفلاح، ص: ۱۷۳، كتاب الصوم، فصل في العوارض، ط: زكريا- ديوبند)

حساب سے ایک شخص کو ایک دِن میں دس کیلو گیہوں دے تو پانچ روزہ کا فدیہ ادا ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

اِمام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق ایک ہی دِن کا فدیہ ادا ہوگا، اِمام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق ایک سے زائد یعنی جتنے دِنوں کا فدیہ دیا گیا ہو، ادا ہو جائے گا، اور امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق ایک روایت اِمام ابو یوسفؒ سے بھی ثابت ہے۔ (شامی)[۱]

فتاویٰ دار العلوم میں لکھا ہے کہ جتنے روزے کا فدیہ ایک فقیر کو دیا ہے، اتنے دن کا ادا ہوگا۔[۲]

لیکن احقر کا فتویٰ اِمام صاحبؒ کے قول کے مطابق ایک دِن کے فدیہ کی ادائیگی پر ہے؛ چوں کہ عبادت کی ادائیگی میں احتیاط بہتر ہے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر ويفدي) وجوبا ولو في أول الشهر وبلا تعدد فقير كالفطرة لو موسرا وإلا فيستغفر الله هذا إذا كان الصوم أصلا بنفسه وخوطب بأدائه. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله وبلا تعدد فقير) أي بخلاف نحو كفارة اليمين للنص فيها على التعدد، فلو أعطى هنا مسكينا صاعا عن يومين جاز، لكن في البحر عن القنية أنه عن أبي يوسف فيه روايتين، وعند أبي حنيفة لا يجزيه كما في كفارة اليمين، وعن أبي يوسف لو أعطى نصف صاع من بر عن يوم واحد لمساكين يجوز، قال الحسن وبه نأخذ اهـ ومثله في القهستاني. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۲۷/۲، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق شرح كنز الدقائق - زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ): ۳۰۹/۲، كتاب الصوم، فصل في عوارض الفطر في رمضان، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۲) کفارہ میں تو ایک محتاج کو ایک دن میں زیادہ دینے سے ایک دن کا فدیہ ادا ہوتا ہے، مثلا: قسم کے کفارے میں دس مسکینوں یا روزہ کے کفارہ میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینے کا حکم ہے، تو ان میں اگر ایک فقیر کو ایک دن میں زیادہ مقدار دے گا، تو ایک دن کا ہوگا، زیادہ محسوب نہ ہوگا، اور شیخ فانی -جس کو رمضان کے روزوں کا فدیہ دینا درست ہے- اس میں اگر ایک محتاج کو کئی روزوں کا فدیہ دے دیوے، تو ادا ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴۵۰/۶، مسائل کفارہ، فدیہ صوم میں ایک ماہ ایک فقیر کو کھانا دیا جائے اور بقیہ ایام کا ایک دفعہ دے دیا جائے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟، ط: زکریا - دیوبند)

(۳) وأبو حنيفة - رحمه الله تعالى - يقول: الأخذ بالاحتياط في العبادات أصل. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۲۴۶/۱، كتاب الصلاة، اقتداء المسافر بالمقيم، ط: دار المعرفة - بيروت)

[الأصل] الاحتياط في باب العبادات واجب.

قال الشيخ وهبة الزحيلي توضيحا لهذا الأصل: الاحتياط يعني الأخذ بالثقة، والتأكد من الشيء للاطمئنان له، والقاعدة المستقرة في العبادات وجوب أدائها بكمالها، لتبرأ الذمة منها، فإن طرأ شك أو تردد في أدائها كاملة، أو =

[۱۰] کفارۂ صوم کب واجب ہوگا؟

۱۵۵۳- سوال: میں نے یہ سنا ہے کہ بیماری اور مجبوری کی وجہ سے کوئی روزہ نہ رکھ سکے، تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلادے، جس کو طاقت نہ ہو، تو جتنے لوگوں کو ہو سکے، کھلاوے اور استغفار کرتا رہے، اس طرح کفارہ ادا کیا جاسکتا ہے؟ کیا یہ بات صحیح ہے؟

میرے پاس جتنی رقم ہے، اسے ہوٹل میں مسکینوں کو کھلانے کے لیے بہ طورِ کفارہ دے سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

آپ نے جو سنا ہے، وہ غلط ہے، یا سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔

بیماری یا کوئی عذر کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا، تو جب اللہ تعالیٰ صحت عطا فرمائے، اس کی قضا کریں، جتنے روزے رہ گئے ہیں، سب کے بدلے ایک ایک روزہ ہے۔ (۱)

=في أداء بعض أركانها، فيجب على المكلف الأخذ والعمل بما هو أوثق وأحوط في دينه، لأن ذمته مشغولة بالعبادة المطلوبة يقيناً، فيجب أن تؤدى العبادة على وجه اليقين أو غلبة الظن لتبرأ الذمة، لأن الذمة إذا شغلت بيقين فلا تبرأ إلا بيقين مثله، لذلك كان الاحتياط في باب العبادات واجباً، سواء كان بالأداء أم بالقضاء، وهذا ما أكده السرخسي الحنفي رحمه الله تعالى. (القواعد الفقهية وتطبيقاتها في المذاهب الأربعة- د. محمد مصطفى الزحيلي (عميد كلية الشريعة والدراسات الإسلامية- جامعة الشارقة سابقا): ۱/ ۵۹۹، الباب الثالث: القواعد الكلية في المذهب الحنفي، رقم القاعدة: ۱۱۷، ط: دار الفكر- دمشق)

(۱) فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. (۲-البقرة: ۱۸۴)

{فمن كان منكم مريضا أو على سفر فعدة من أيام أخر} أي: المريض والمسافر لا يصومان في حال المرض والسفر، لما في ذلك من المشقة عليهما، بل يفطران ويقضيان بعدة ذلك من أيام أخر. (تفسير القرآن العظيم- أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي (م: ۷۷۴ھ): ۱/ ۴۹۸، سورة البقرة: ۱۸۳، ت: سامي بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع)

(أو مريض خاف الزيادة) لمرضه وصحيح خاف المرض، وخادمة خافت الضعف بغلبة الظن بأمارة أو تجربة أو بأخبار طبيب حاذق مسلم مستور... (وقضوا) لزوما (ما قدروا بلا فدية). (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۴۲۳- ۴۲۲، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، ط: دار الفكر- بيروت ☆ تبيين الحقائق: ۱/ ۳۳۳، كتاب الصوم، فصل في العوارض، ط: المكتبة الأميرية، بولاق ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۰۷، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار، ط: دار الفكر ☆ فتاویٰ دار العلوم: ۶/ ۴۲۷، پانچواں باب، ط: دار العلوم دیوبند)

اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کے بعد، اس کو توڑ دے، تو اس پر کفارہ واجب ہوتا ہے، جس کی ادائیگی کی ایک شکل مسلسل ساٹھ روزے رکھنا ہے۔ (☆☆) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] عمر بھر ہر مہینے میں ایک روزہ رکھنے کی نذر مانی ہو، پھر نہ رکھ سکے تو کفارہ کیسے ادا کرے؟

۱۵۵۴- سوال: ایک عورت نے عمر بھر ہر مہینے میں ایک روزہ رکھنے کی نیت کی، لیکن بعد میں پیرانہ سالی اور ضعف کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ پا رہی ہیں، تو ہر روزے کا کفارہ کتنے روپئے ادا کرے؟ اور کیا یہ کفارہ کسی ایک ہی فقیر کو دینا ضروری ہے، یا دو فقیروں میں آدھا آدھا تقسیم کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

مذکورہ عورت نے اگر اپنے الفاظ کے ذریعہ منت کا ارادہ کیا ہے، تو اُس کے لیے ضروری ہے کہ ہر روزے کے کفارے میں ایک مسکین کو صبح وشام پیٹ بھر کر کھلا دے، ورنہ اُسے صدقۃ الفطر کے مطابق ۴/۳ رطل غلہ دے دے۔ (۱)

اور ایک کفارہ کسی ایک ہی مسکین کو دینا ضروری ہے، ایک کفارہ دو مسکین میں تقسیم کرنا صحیح نہیں ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری: ۱/ ۵۱۴) [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد ابراہیم بیات غفرلہ

(☆☆) "ولو أكل أو شرب ما يتغذى به أو ما يداوى به فعليه القضاء والكفارة". (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۱۲۲، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۰۵، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، النوع الثاني ما يوجب القضاء والكفارة، ط: دار الفكر)

(۱) إذا نذر أن يصوم كل خميس يأتي عليه فأفطر خميسا واحدا فعليه قضاؤه كذا في المحيط. ولو أخر القضاء حتى صار شيخا فانيا أو كان النذر بصيام الأبد فعجز لذلك أو باشتغاله بالمعيشة لكون صناعته شاقة فله أن يفطر ويطعم لكل يوم مسكينا على ما تقدم. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۰۹، كتاب الصوم، الباب السادس في النذر، ط: دار الفكر)

[۲] لو غدى ستين وعشى ستين غيرهم لا يجزيه إلا أن يعيد على أحد الستينين منهم غداء وعشاء كذا في التبيين، والمستحب أن يكون الغداء والعشاء بخبز وإدام كذا في شرح النقاية لأبي المكارم. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۰۹، كتاب الطلاق، الباب العاشر في الكفارة، ط: دار الفكر)

[۱۲] روزے کی منت ماننے والے کی جانب سے اُس کے رشتہ دار روزہ رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

۱۵۵۵- سوال: ہمارے گاؤں میں ایک شخص نے یہ منت مانی کہ میرا فلاں کام ہو جائے گا، تو میں ایک مہینے کے روزے رکھوں گا، پھر وہ کام ہو گیا، لیکن اب یہ شخص روزے نہیں رکھتا، حتی کہ نوجوان ہونے کے باوجود رمضان کے روزے بھی نہیں رکھتا، اُس کے بعض رشتہ دار اِس بات پر تیار ہیں کہ اگر اُس کی جانب سے کسی اور کا روزہ رکھنا صحیح ہو، تو وہ رشتہ دار اُس کی جانب سے روزہ رکھ لیں، تو کیا اِس طرح کرنا صحیح ہے؟ بہ صورتِ دیگر فدیہ کی کیا شکل رہے گی؟

الجواب حامداً ومصلیا:

منت ماننے والے کا خود روزہ رکھنا ضروری ہے۔ (۱) اُس کی جانب سے رشتہ داروں کا روزہ رکھنا صحیح نہیں ہے۔ (۲)

فدیہ دینے کی گنجائش اُسی شکل میں ہے، جب کہ کسی ماہر، مسلمان، دین دار طبیب نے تاکید کی ہو کہ روزہ رکھنے کی وجہ سے ہلاکت یا کسی عضو کے تلف ہونے کا اندیشہ ہے، یا کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہے، تو اِن صورتوں میں ہر روزہ کے لیے فدیہ ادا کرنا صحیح ہے، جس کی شکل یہ ہے کہ تیس روزے کے لیے کسی ایک فقیر کو تیس دِن تک صبح وشام کھانا کھلا دے، یا تیس فقراء کو ایک دِن صبح وشام کھانا کھلا دے، دوسری

---

(۱) "إذا نذر شيئا" من القربات "لزمه الوفاء به" لقوله تعالى: {وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ} [الحج:29] وقوله صلى الله عليه وسلم: "من نذر أن يطيع الله فليطعه ومن نذر أن يعصي الله فلا يعصه" رواه البخاري، والإجماع على وجوب الإيفاء به وبه استدل القائلون بافتراضه. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح-حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م:۱۰۶۹ھ) ص:۲۶۱، كتاب الصوم، باب مايلزم الوفاء به من منذور الصوم والصلاة وغيرهما، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

(۲) عن عطاء بن أبي رباح، عن ابن عباس، قال: لا يصلي أحد عن أحد، ولا يصوم أحد عن أحد ولكن يطعم عنه مكان كل يوم مدا من حنطة. (السنن الكبرى-أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م:۳۰۳ھ): ۲۵۷/۳، رقم الحديث:۲۹۳۰، كتاب الصيام، صوم الحي عن الميت وذكر اختلاف الناقلين للخبر في ذلك، ت: حسن عبد المنعم شلبي، ط: مؤسسة الرسالة-بيروت)

ولا يجوز صوم أحد عن أحد حي أو ميت في كفارة أو غيرها كذا في المبسوط لشمس الأئمة السرخسي. (الفتاوى الهندية: ۶۴/۲، كتاب الأيمان، الفصل الثاني في الكفارة، ط: دار الفكر☆رد المحتار على الدر المختار: ۴۲۵/۲، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، ط: دار الفكر)

صورت یہ ہے کہ ہر روزہ کے فدیہ کے طور پر صدقۃ الفطر کے برابر صدقہ کرے، لہٰذا تیس فدیہ کے تیس صدقات ادا کرے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۳] (وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر ويفدي) وجوبا ولو في أول الشهر وبلا تعدد فقير كالفطرة لو موسرا وإلا فيستغفر الله هذا إذا كان الصوم أصلا بنفسه وخوطب بأدائه، حتى لو لزمه الصوم لكفارة يمين أو قتل ثم عجز لم تجز الفدية. (الدر المختار) ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله وللشيخ الفاني) أي الذي فنيت قوته أو أشرف على الفناء، ولذا عرفوه بأنه الذي كل يوم في نقص إلى أن يموت نهر، ومثله ما في القهستاني عن الكرماني: المريض إذا تحقق اليأس من الصحة فعليه الفدية لكل يوم من المرض اهـ وكذا ما في البحر لو نذر صوم الأبد فضعف عن الصوم لاشتغاله بالمعيشة له أن يطعم ويفطر لأنه استيقن أنه لا يقدر على القضاء (قوله العاجز عن الصوم) أي عجزا مستمرا كما يأتي، أما لو لم يقدر عليه لشدة الحر كان له أن يفطر ويقضيه في الشتاء فتح (قوله ويفدي وجوبا) لأن عذره ليس بعرضي للزوال حتى يصير إلى القضاء فوجبت الفدية نهر، ثم عبارة الكنز وهو يفدي إشارة إلى أنه ليس على غيره الفداء لأن نحو المرض والسفر في عرضة الزوال فيجب القضاء وعند العجز بالموت تجب الوصية بالفدية.

(قوله ولو في أول الشهر) أي يخير بين دفعها في أوله وآخره كما في البحر (قوله وبلا تعدد فقير) أي بخلاف نحو كفارة اليمين للنص فيها على التعدد، فلو أعطى هنا مسكينا صاعا عن يومين جاز لكن في البحر عن القنية أن عن أبي يوسف فيه روايتين وعند أبي حنيفة لا يجزيه كما في كفارة اليمين، وعن أبي يوسف لو أعطى نصف صاع من بر عن يوم واحد لمساكين يجوز، قال الحسن: وبه نأخذ اهـ ومثله في القهستاني (قوله لو موسرا) قيد لقوله يفدي وجوبا . . . (قوله هذا) أي وجوب الفدية على الشيخ الفاني ونحوه (قوله أصلا بنفسه) كرمضان وقضائه والنذر كما مر فيمن نذر صوم الأبد، وكذا لو نذر صوما معينا فلم يصم حتى صار فانيا جازت له الفدية بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۲۷، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، ط: دار الفكر-بيروت)

عن ابن عباس رضي الله عنهما، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قدم المدينة فوجد اليهود صياما، يوم عاشوراء، فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما هذا اليوم الذي تصومونه؟ فقالوا: هذا يوم عظيم، أنجى الله فيه موسى وقومه، وغرق فرعون وقومه، فصامه موسى شكرا، فنحن نصومه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فنحن أحق وأولى بموسى منكم، فصامه رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأمر بصيامه.

(صحيح البخاري:۲۸۱/۱، رقم الحديث: ۳۳۹۷، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: {وهل أتٰك حديث موسى} [طٰہٰ:۹] {وكلم الله موسى تكليما}، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم:۳۵۹/۱، رقم الحديث: ۱۲۸-(۱۱۳۰)، كتاب الصيام، باب صوم يوم عاشوراء، ط: ديوبند، واللفظ لمسلم)

باب الصوم النفل وغيره

[نفلی روزے کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب الصوم النفل وغیرہ

[نفلی روزے کا بیان]

[۱] تنہا عاشورہ کا روزہ رکھنا جائز ہے

۱۵۵۶-سوال: عاشورہ کے روزہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اس میں تم یہود کی مخالفت کرو یعنی یہود ایک روزہ رکھتے ہیں لہٰذا تم دو روزے رکھو یعنی نو اور دس تاریخ یا دس اور گیارہ تاریخ کا روزہ رکھو، تو سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص تنہا عاشورہ کا روزہ رکھے، تو اس میں کوئی کراہیت ہے یا نہیں؟

''خطبۂ موعظت'' میں عاشورہ کے فضائل سے قبل محرم کا جو خطبہ ہے، اس میں لکھا ہے کہ ہمارے فقہاء احناف کا بھی یہی مسلک ہے کہ تنہا عاشورہ کا روزہ رکھنا مکروہ ہے، آپ شریعت کی رو سے تحقیقی جواب دے کر مہربانی فرمائیں۔

مستفتی: یعقوب سورتی

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دسویں محرم (عاشورہ) کا روزہ رکھا تھا۔(۱)

---

(۱) عن ابن عباس رضي الله عنهما، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قدم المدينة فوجد اليهود صياما، يوم عاشوراء، فقال لهم رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما هذا اليوم الذي تصومونه؟ فقالوا: هذا يوم عظيم، أنجى الله فيه موسى وقومه، وغرق فرعون وقومه، فصامه موسى شكرا، فنحن نصومه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فنحن أحق=

بدائع الصنائع میں لکھا ہے کہ فقط دسویں کا روزہ رکھنا مکروہ نہیں ہے۔ [۲]

البتہ سب سے افضل وبہتر یہ ہے کہ نو دس اور گیارہ (۹-۱۰-۱۱) تین دن کے روزے رکھے جائیں۔ [۳] اور درمیانی راہ یہ ہے کہ نو، دس (۹-۱۰) یا دس، گیارہ (۱۰-۱۱) کا روزہ رکھے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے قبل ارشاد فرمایا تھا کہ یہود کی مخالفت کرتے ہوئے دس تاریخ سے پہلے یا بعد میں بھی روزہ رکھ لیا کرو۔ [۴]

= وأولى بموسى منكم، فصامه رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأمر بصيامه. (صحيح البخاري: ۴۸۱/۱، رقم الحديث: ۳۳۹۷، كتاب أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: {وهل أتاك حديث موسى} [طه: ۹] {وكلم الله موسى تكليما}، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۳۵۹/۱، رقم الحديث: ۱۲۸-(۱۱۳۰)، كتاب الصيام، باب صوم يوم عاشوراء، ط: ديوبند، واللفظ لمسلم)

(۲) وكره بعضهم صوم يوم عاشوراء وحده لمكان التشبه باليهود، ولم يكرهه عامتهم؛ لأنه من الأيام الفاضلة، فيستحب استدراك فضيلتها بالصوم. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۷۹/۲، كتاب الصوم، فصل شرائط أنواع الصيام، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۳) عن ابن عباس، رضي الله عنهما، عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أنه قال في صوم عاشوراء: صوموه وخالفوا فيه اليهود، وصوموا قبله يوما، وبعده يوما. (مسند البزار المنشور باسم البحر الزخار-أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق بن خلاد بن عبيد الله العتكي المعروف بـ'البزار' (م: ۲۹۲هـ): ۳۹۹/۱۱، رقم الحديث: ۵۲۳۸، مسند ابن عباس رضي الله عنهما، ط: مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة☆الفوائد، المعروف بـ'فوائد تمام'-أبو القاسم تمام بن محمد بن عبد الله بن جعفر، البجلي الرازي ثم الدمشقي (م: ۴۱۴هـ): ۴۷/۱، رقم الحديث: ۹۴، ت: حمدي عبد المجيد السلفي، ط: مكتبة الرشد - الرياض☆السنن الكبرى-أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸هـ): ۴۷۵/۴، رقم الحديث: ۸۴۰۶، كتاب الصيام، باب صوم يوم التاسع، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆شعب الإيمان-أبو بكر البيهقي: ۳۳۰/۵، رقم الحديث: ۳۵۱۱، الصيام، صوم التاسع مع العاشر، ط: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند)

(۴) عبد الله بن عباس رضي الله عنهما، يقول: حين صام رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم عاشوراء وأمر بصيامه قالوا: يا رسول الله إنه يوم تعظمه اليهود والنصارى، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فإذا كان العام المقبل إن شاء الله صمنا اليوم التاسع، قال: فلم يأت العام المقبل، حتى توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم. (الصحيح لمسلم: ۳۵۹/۱، رقم الحديث: ۱۳۳-(۱۱۳۴)، كتاب الصيام، باب صوم يوم عاشوراء، ط: ديوبند)

"وأما" القسم الثالث وهو "المسنون فهو صوم عاشوراء" فإنه يكفر السنة الماضية "مع" صوم "التاسع" لصومه صلى الله عليه وسلم العاشر وقال: "لئن بقيت إلى قابل لأصومن التاسع". (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح - حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹هـ) ص: ۲۳۵، كتاب الصوم، فصل في صفة الصوم وتقسيمه، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية☆الفتاوى الهندية: ۲۰۲/۱، كتاب الصوم، المرغوبات من الصيام، قبيل الباب الرابع، ط: دار الفكر☆ فتح القدير: ۲۵۹/۴، كتاب الصوم)

پس تنہا عاشورہ کا روزہ مکروہ نہیں ہے، اور آپ نے سوال میں جو حوالہ بیان کیا ہے، اس میں کراہت سے مراد کراہت تنزیہی ہے، جو مستحب کے مقابل میں ہے؛ اس لیے جو حضرات تنہا عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں ان پر نکیر نہیں کرنی چاہیے۔ (☆☆☆) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] محرم کا روزہ نو-دس، یا دس-گیارہ کو؟

۱۵۵۷- سوال: محرم الحرام کے کتنے روزے رکھنا مستحب ہے؟ اور کون سی تاریخ کو رکھیں، آیا نویں یا دسویں کو یا دسویں اور گیارہویں محرم کو؟ کتاب کے حوالے کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

عاشورہ کے موقع پر دو روزے رکھنا مستحب ہے، تاکہ یہود کی مشابہت لازم نہ آئے، یہود فقط دسویں محرم الحرام کا روزہ رکھتے ہیں، ہم ۹-۱۰ یا ۱۰-۱۱ کا روزہ رکھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: صوموا التاسع والعاشر وخالفوا اليهود. (ترمذی شریف: ۱/۱۴۱)[۱] لیکن اگر صرف دسویں کا روزہ رکھ لے، تب بھی ثواب مل جائے گا۔[۲] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

(☆☆☆) حاشیہ نمبر ۲ ملاحظہ کریں۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ فرماتے ہیں: ہمارے زمانے میں چوں کہ یہود و نصاریٰ وغیرہ یوم عاشورہ (دسویں محرم) کو روزہ نہیں رکھتے؛ بل کہ ان کا کوئی کام بھی قمری مہینوں کے حساب سے نہیں ہوتا، اس لیے اب کسی اشتراک اور تشابہ کا سوال ہی نہیں رہا، لہٰذا فی زمانا رفع تشابہ کے لیے نویں یا گیارہویں کا روزہ رکھنے کی ضرورت نہ ہونی چاہیے۔ واللہ اعلم۔ (معارف الحدیث- محمد منظور نعمانی (م:) ۴/۳۸۷، کتاب الصوم، یوم عاشورہ کا روزہ اور اس کی تاریخی اہمیت، ط: دار الاشاعت- کراچی)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: فی زمانہ- جب کہ یہود اس دن روزہ نہیں رکھتے- خیال ہوتا ہے کہ صرف ۱۰/ محرم کو بھی روزہ رکھ لیا جائے، تو قباحت نہیں، ہاں احتیاط دو روزے رکھنے میں ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۴۴۸، نفل روزے، ط: نعیمیہ- دیوبند)

[۱] عن ابن عباس قال: أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بصوم عاشوراء يوم العاشر. قال أبو عيسى: حديث ابن عباس حسن صحيح، واختلف أهل العلم في يوم عاشوراء، فقال بعضهم: يوم التاسع، وقال بعضهم: يوم العاشر"، وروي عن ابن عباس أنه قال: صوموا التاسع والعاشر وخالفوا اليهود. (سنن الترمذي: ۱/۱۵۸، رقم الحديث: ۷۵۵، أبواب الصوم، باب ما جاء عاشوراء أي يوم هو، ط: فيصل پبلی کیشنز- ديوبند)

(۲) عبد الله بن عباس رضي الله عنهما، يقول: حين صام رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم عاشوراء وأمر بصيامه =

[۴] یوم الشک کا روزہ

۱۵۵۸-سوال: آسمان کے غبار آلود ہونے کی وجہ سے رمضان کا چاند ہمارے مطلع پر نظر نہیں آیا اور قرب وجوار کے علاقوں سے بھی کوئی خبر نہیں آئی، اس کے باوجود دہلی کے جامع مسجد کے شاہی امام عبداللہ بخاری صاحب کی ریڈیو کے ذریعہ شائع ہونے والی چاند کی خبر کی وجہ سے، بعض اہل قریہ نے دوسرے دن، یہ سوچ کر روزہ رکھا کہ اگر واقعی چاند کی اطلاع ہوگی تو رمضان کا روزہ، ورنہ نفلی روزہ ہوگا۔

بعد میں خبر شائع ہوئی کہ یقینی طور پر شہادت دی گئی ہے کہ پہلا روزہ ۲۳ رتاریخ کو ہوا ہے۔

اب دریافت یہ کرنا ہے کہ جن لوگوں نے اس دن یعنی ۲۳ رتاریخ کو روزہ نہیں رکھا، کیا ان کو عید کے بعد ایک روزہ قضا کرنا پڑے گا؟

جن لوگوں نے شاہی امام عبداللہ بخاری صاحب کی جانب سے ریڈیو پر نشر کی گئی خبر سن کر روزہ رکھا ہے، ان کے روزے کا شرعی اعتبار سے کیا حکم ہے؟

ہمارے گاؤں کے ایک شخص نے پاکستان سے یا دہلی سے شائع ہونے والی خبر پر مذکورہ نیت (کہ

=قالوا: يا رسول الله إنه يوم تعظمه اليهود والنصارى فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فإذا كان العام المقبل إن شاء الله صمنا اليوم التاسع. قال: فلم يأت العام المقبل، حتى توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۵۹، رقم الحديث: ۱۳۳ - (۱۱۳۴) كتاب الصيام، باب صوم يوم عاشوراء، ط: ديوبند)

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں علامہ تورپشتی کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

قال التوربشتي: قيل: أريد بذلك أن يضم إليه يوما آخر، فيكون هديه مخالفا لأهل الكتاب، وهذا هو الوجه، لأنه وقع موقع الجواب لقولهم إنه يوم يعظمه اليهود، وروي عن ابن عباس أنه قال: صوموا التاسع والعاشر، وخالفوا اليهود، وإليه ذهب الشافعي، وبعضهم إلى أن المستحب صوم التاسع فقط، وقال ابن الهمام: يستحب صوم يوم عاشوراء، ويستحب أن يصوم قبله يوما أو بعده يوما، فإن أفرده فهو مكروه للتشبه باليهود اهـ وروى أحمد خبر "صوموا يوم عاشوراء، وخالفوا اليهود، وصوموا قبله يوما وبعده يوما" وظاهره أن الواو بمعنى أو، لأن المخالفة تحصل بأحدهما، وأخذ الشافعي بظاهر الحديث فيجمعون بين الثلاثة، والله أعلم. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح-علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۴/ ۱۴۱۲، رقم الحديث: ۲۰۴۱، كتاب الصوم، باب صيام التطوع، الفصل الأول، ط: دار الفكر-بيروت)

تفصیلی تخریج کے لیے 'سوالِ سابق' ملاحظہ فرمائیں۔

خبر صحیح ہوئی، تو رمضان کا روزہ، ورنہ نفلی روزہ) کے ساتھ روزہ رکھا اور اس کے گھر کے دیگر افراد نے بھی اسی طرح کی نیت کے ساتھ روزہ رکھا، تو جن لوگوں نے روزہ رکھا ہے، ان کے حق میں یہ رمضان المبارک کا روزہ ہوگا یا ان کو بھی قضا کرنی پڑے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداو مصليا:

یوم الشک کو ممکن ہے کہ تیسویں شعبان ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یکم رمضان ہو۔

یوم الشک کے سلسلے میں عوام کے لیے حکم ہے کہ وہ زوال تک کھانے پینے سے احتراز کرے اور چاند کی خبر کا انتظار کرے، پھر کوئی خبر نہ آئے تو افطار کر لے اور اگر خبر وشہادت آجائے تو روزے کی نیت کر کے روزہ مکمل کرے۔ (۱)

یوم الشک میں اس نیت کے ساتھ روزہ رکھنا مکروہ ہے کہ اگر رمضان کا دن ہو، تو رمضان کا روزہ، ورنہ نفلی روزہ؛ کیوں کہ نیت میں تردد ہے۔ (۲)

اس کے باوجود اگر کوئی اس طرح روزہ رکھ لے، اور شہادت سے اس دن کا یکم رمضان ہونا ثابت ہوجائے، تو وہ روزہ رمضان کا ہوگا، بعد میں اس کے لیے یکم رمضان کا روزہ قضاء کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (شامی) [۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) "و" المختار أن "يأمر المفتي العامة" بإظهار النداء "بالتلوم" أي بالانتظار بلا نية صوم في ابتداء "يوم الشك" محافظة على إمكان أداء الفرض بإنشاء النية لظهور الحال في وقتها "ثم "يأمر العامة" بالإفطار إذا ذهب وقت" إنشاء "النية" وهو عند مجيء الضحوة الكبرى "ولم يتبين الحال" حسما لمادة اعتقاد الزيادة. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح-حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م:۱۰۶۹ھ) ص:۲۴۱، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال وفي صوم يوم الشك وغيره، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية☆حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح-أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م:۱۲۳۱ھ) ص:۶۴۹، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال وفي صوم يوم الشك وغيره، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية بيروت☆رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۸۳، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر-بيروت☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۰۰، كتاب الصوم، الباب الثالث فيما يكره للصائم وما لا يكره، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) وكذا يكره لو قال أنا صائم إن كان من رمضان وإلا فعن نفل للتردد. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله: مع الكراهة) أي التنزيهية، لأن كراهة التحريم لا تثبت إلا إذا جزم أنه عن رمضان كما أفاده الشارح سابقا ط (قوله: للتردد إلخ) علة للكراهة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۸۳، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر)

[۳] (ولا يصام يوم الشك) هو يوم الثلاثين من شعبان... (إلا نفلا) ويكره غيره (ولو صامه لواجب آخر كره) تنزيها=

[۴] یوم الشک میں رمضان کی گواہی آئے تو "رمضان کا، ورنہ نفل روزہ" کی نیت سے روزہ رکھنا

۱۵۵۹- سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اور مفتیانِ کرام اس مسئلہ میں:

آسمان ابر آلود ہونے کی وجہ سے رمضان المبارک کا چاند نہ دکھائی دے، تو ایک مسلمان اس نیت سے روزہ رکھ سکتا ہے کہ "کسی جگہ سے چاند کی گواہی آئے گی تو رمضان کا روزہ، ورنہ نفلی روزہ"۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح کی نیت سے روزہ رکھنا مکروہ ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] یوم الشک میں روزہ رکھنا مکروہ ہے یا حرام؟

۱۵۶۰- سوال: شریعت میں یوم الشک میں روزہ رکھنا ممنوع اور مکروہ ہے، ایسا پڑھنے میں آیا ہے، لیکن ایک آدمی اپنی رائے اور خیال کے مطابق حرام کہتا ہے، تو صحیح کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شک کے دن رمضان کی نیت سے روزہ رکھنا مکروہ ہے، اہل کتاب: نصاریٰ اور یہود کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے، وہ لوگ روزہ شروع ہونے سے پہلے ہی روزہ رکھتے تھے، اسی طریقے سے رافضی اور شیعہ عقائد والوں کے ساتھ بھی مشابہت ہے، اس سبب سے اس کو مکروہِ تحریمی کہا گیا ہے، حرام کہنے والے کا مقصد کراہتِ تحریمی بتانا ہے۔[1]

=ولو جزم أن يكون عن رمضان كره تحريما (ويقع عنه في الأصح إن لم تظهر رمضانيته وإلا) بأن ظهرت (فعنه) لو مقيما (والتنفل فيه أحب) أي أفضل اتفاقا (إن وافق صوما يعتاده)... (وإلا يصومه الخواص ويفطر غيرهم بعد الزوال) به يفتى. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۸۱-۸۳، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر - بيروت☆مراقي الفلاح، ص: ۲۴۱، فصل فيما يثبت به الهلال وفي صوم يوم الشك وغيره، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

(۱) وكذا يكره لو قال أنا صائم إن كان من رمضان وإلا فعن نفل للتردد. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله: مع الكراهة) أي التنزيهية؛ لأن كراهة التحريم لا تثبت إلا إذا جزم أنه عن رمضان كما أفاده الشارح سابقا ط (قوله: للتردد إلخ) علة للكراهة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۸۳، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، ط: دار الفكر)

(۱) (وكره صومه) أي صوم يوم الشك ناويا (عن رمضان) لتشبهه بأهل الكتاب (أو عن واجب آخر) لكن الثاني في الكراهة دون الأول لعدم التشبه بأهل الكتاب. ـــــ (وكذا) يكره (إن نوى) مترددا بأنه (إن كان) يوم الشك=

شک کے دن روزہ رکھنا اس وقت مکروہ ہے جب کہ اس دن روزہ رکھنے کا معمول نہ ہو، اگر کوئی مرد یا عورت جمعرات یا جمعہ کا روزہ رکھتے ہیں، اور یوم الشک جمعہ کے دن آ گیا، تو ان کے لیے روزہ رکھنا جائز ہے، کیوں کہ ان کو جمعرات و جمعہ کے نفل روزہ رکھنے کی عادت اور معمول ہے، اس لیے جس آدمی کو نفل روزہ کی عادت ہو اور اس دن میں یوم الشک واقع ہو، تو اس کے لیے روزہ رکھنا جائز ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[٦] نصف شعبان کا روزہ مسنون ہے یا نہیں؟

۱۵۶۱- سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین اِس مسئلہ میں کہ عرصۂ دراز سے یہ مشہور ہے کہ نصف شعبان کو روزہ رکھنا مسنون ہے، بزرگوں کی تصانیف میں بھی یہ بات مرقوم ہے، اِس کے مسنون ہونے کو ابن ماجہ کی ایک روایت سے ثابت کیا گیا ہے، روایت یہ ہے:

حدثنا الحسن بن علي الخلال قال: حدثنا عبد الرزاق قال: أنبأنا ابن أبي سبرة، عن إبراهيم بن محمد، عن معاوية بن عبد الله بن جعفر، عن أبيه، عن علي بن أبي طالب، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إذا كانت ليلة النصف من شعبان، فقوموا ليلها وصوموا نهارها، فإن الله ينزل فيها لغروب الشمس إلى سماء الدنيا، فيقول: ألا من مستغفر لي، فأغفر له، ألا مسترزق فأرزقه، ألا مبتلى فأعافيه، ألا كذا ألا كذا،

=(رمضان فعنه وإلا فعن نفل أو عن واجب آخر)

....

(وصح في الكل) أي من قوله وكره صومه إلى قوله واجب آخر (عن رمضان إن ثبت) أي إن ظهر أن ذلك اليوم من رمضان صح لوجود أصل النية. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ'داماد أفندي' (م: ١٠٧٨هـ): ١/ ٢٣٥، كتاب الصوم، مايثبت به رمضان، ط: دار إحياء التراث العربي)

[٢] (والتنفل فيه أحب) أي أفضل اتفاقا (إن وافق صوما يعتاده)... (وإلا يصومه الخواص ويفطر غيرهم بعد الزوال) به يفتى. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله: إن وافق صوما يعتاده) كما لو كان عادته أن يصوم يوم الخميس أو الاثنين فوافق ذلك يوم الشك سراج وهل تثبت العادة بمرة كما في الحيض تردد فيه بعض الشافعية. قلت: الظاهر نعم إذا فعل ذلك مرة وعزم على فعل مثله بعدها فوافق يوم الشك؛ لأن الاعتياد يشعر بالتكرار، لأنه من العود مرة بعد أخرى وبالعزم المذكور يحصل العود حكما أما بدونه فلا تأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ٢/ ٣٨١-٣٨٢، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، مبحث في صوم يوم الشك، ط: دار الفكر - بيروت ☆ مراقي الفلاح، ص: ٢٤١، فصل فيما يثبت به الهلال وفي صوم يوم الشك وغيره، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

حتی یطلع الفجر". (سنن ابن ماجه)[۱]

ابن ماجہ کی اِس روایت کے علاوہ "صوموا نهارها" کا مضمون کسی اور روایت میں نہیں ملتا، مذکورہ روایت میں ایک راوی "ابن سبرة" ہیں، اِس راوی کے بارے میں علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں:

أبو بكر بن عبد الله [ق] بن أبي سبرة المدني القاضي الفقيه.ـــ عن الأعرج، وعطاء بن أبي رباح.ـــ وعنه عبد الرزاق، وأبو عاصم، وجماعة.ـــ ضعفه البخاري، وغيره.ـــ يضع الحديث.ـــ وقال أبو داود: كان مفتي أهل المدينة.ـــ وروى عباس عن ابن معين، قال: قدم ههنا فاجتمعوا عليه فقال: عندي سبعون ألف حديث، إن أخذتم عني كما أخذ عن ابن جريج وإلا فلا.ـــ وقال النسائي: متروك.ـــ قلت: ولي قضاء العراق، وبعد وفاته ولي القضاء أبو يوسف.ـــ وهو أبو بكر بن عبد الله بن محمد ابن أحد البدريين أبي سبرة بن أبي رهم العامري.ـــ وقال ابن معين: ليس حديثه بشيء. (ميزان الاعتدال)[۲]

اِس تذکرہ کو رقم فرمانے کے بعد علامہ ذہبیؒ نے حدیثِ مذکور کو ذکر کیا ہے، جیسا کہ اُن کی عادت ہے کہ کسی راوی پر کلام کے بعد اُن کی ضعیف احادیث کو ذکر فرماتے ہیں۔

حافظ منذریؒ نے اِس حدیث کو الترغیب والترہیب میں یوں ذکر کیا ہے:

وروي عن علي رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال إذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا يومها... الحديث. [رواه ابن ماجه][۳]

علامہ منذریؒ فرماتے ہیں:

إذا كان في الإسناد من قيل فيه كذاب، أو وضاع، أو متهم، أو مجمع على تركه أو ضعفه، أو ذاهب

[۱] ج:۱،ص:۹۹، رقم الحديث:۱۳۸۸، كتاب إقامة الصلاة، والسنة فيها، باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان.

[۲] ميزان الاعتدال في نقد الرجال- شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قَايماز الذهبي (م: ۷۴۸هـ): ۴/۵۰۴، باب الكنى، ترجمة: أبو بكر بن عبد الله [ق] بن أبي سبرة المدني القاضي الفقيه. رقم: ۱۰۰۲۴، ت: علي محمد البجاوي، ط: دار المعرفة للطباعة والنشر- بيروت.

(۳) الترغيب والترهيب من الحديث الشريف- -عبد العظيم بن عبد القوي بن عبد الله، أبو محمد، زكي الدين المنذري (م:۶۵۶هـ): ۲/۷۴، رقم الحديث: ۱۵۵۰، كتاب الصوم الترغيب في الصوم مطلقا وما جاء في فضله وفضل دعاء الصائم، ت: إبراهيم شمس الدين، ط: دار الكتب العلمية- بيروت.

الحديث، أو هالك، أو ساقط، أو ليس بشيىء، أو ضعيف جدا، أو ضعيف فقط، أو لم أر فيه توثيقا بحيث لا يتطرق إليه احتمال التحسين، صدرته بلفظة روي، ولا أذكر ذلك الراوي، ولا ما قيل فيه البتة، فيكون الإسناد الضعيف دلالتان، تصديره بلفظة روي، وإهمال الكلام عليه في آخره. (الترغيب والترهيب)[۴]

حدیثِ ضعیف کی دو علامتیں- جو علامہ منذریؒ نے بیان کیں- وہ دونوں زیرِ بحث حدیث میں موجود ہیں، اِس بحث سے اتنی بات ثابت ہوئی کہ نصف شعبان کے روزے کی حدیث ضعیف ہے، پھر جب اُس کی سند میں ایسا راوی ہے جس کو متروک اور 'كان يضع الحديث' وغیرہ کہا گیا ہے، اور جس حدیث کے متعلق 'ليس بشيىء' کہا گیا ہے، تو معلوم ہوا کہ مذکور حدیث میں ضعف معمولی نہیں ہے؛ بل کہ ضعفِ شدید ہے، پھر تعددِ طرق یا اور کسی ذریعہ سے اِس ضعف کا انجبار بھی نہیں ہوا ہے۔

یہ بات صحیح ہے کہ حضرات محدثین فضائل کے باب میں ضعیف حدیث سے استدلال کرتے ہیں، اور اُس پر عمل کی اِجازت دیتے ہیں، البتہ یہ اِجازت مطلق نہیں؛ بلکہ اُس کو علماء نے مختلف شرائط کے ساتھ مشروط کیا ہے، اِن شرائط کو درِ مختار میں بیان فرمایا گیا ہے:

شرط العمل بالحديث الضعيف عدم شدة ضعفه، وأن يدخل تحت أصل عام، وأن لا يعتقد سنية ذلك الحديث. (الدر المختار)[۵]

علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں:

وذكر شيخ الإسلام له ثلاثة شروط: أحدها: أن يكون الضعف غير شديد، فيخرج من انفرد من الكذابين والمتهمين بالكذب، ومن فحش غلطه، نقل العلائي الاتفاق عليه.ــــ الثاني: أن يندرج تحت

[۴] الترغيب والترهيب من الحديث الشريف: ۱/ ۴، مقدمة المؤلف وذكر خطته، ت: محمد محي الدين عبد الحميد، ط: مطبعة السعادة-مصر.

[۵] قال ابن عابدين: (قوله: في فضائل الأعمال) أي لأجل تحصيل الفضيلة المترتبة على الأعمال. قال ابن حجر في شرح الأربعين: لأنه إن كان صحيحا في نفس الأمر فقد أعطي حقه من العمل، وإلا لم يترتب على العمل به مفسدة تحليل ولا تحريم ولا ضياع حق للغير، وفي حديث ضعيف "من بلغه عني ثواب عمل فعمله حصل له أجره وإن لم أكن قلته" أو كما قال. اهـ. ط. قال الأسيوطي: ويعمل به أيضا في الأحكام إذا كان فيه احتياط. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۱۲۸، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، ط: دار الفكر)

أصل معمول به.ـــــــــ الثالث: أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته، بل يعتقد الاحتياط. (تدریب الراوی)[۶]

اس بات کو علامہ عبدالحی لکھنویؒ یوں بیان فرماتے ہیں:

فالحق في هذا المقام: أنه إذا لم يثبت ندب شيء أو جوازه بخصوصه بحديث صحيح، و ورد بذلك حديث ضعيف، ليس شديد الضعف، يثبت استحبابه، و جوازه به بشرط أن يكون مندرجا تحت أصل شرعي، و لا يكون مناقضا للأصول الشرعية، و الأدلة الصحيحة. (الأجوبة الفاضلة، ص:۵۵، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتبة المطبوعات الإسلامية-حلب)

دریافت یہ کرنا ہے کہ ابن ماجہ کی مذکورہ روایت کے علاوہ کوئی اور قابل استدلال حدیث میں اِس مضمون کا ہونا آپ کے علم میں ہو، جس سے یہ ساری بحث یہیں ختم ہو جائے، تو آپ ضرور مطلع فرمائیں، البتہ اگر کوئی اور حدیث نہ ملتی ہو، تو مذکور بحث کے پیش نظر:

(۱) نصف شعبان کے روزے کو مسنون کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

(۲) نیز نصف شعبان کا روزہ سنت سمجھ کر رکھنا کیسا ہے؟

مہربانی فرما کر جلد از جلد جواب مرحمت فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزاءِ خیر عطا فرمائے اور سعادتِ دارین سے نوازے، فقط والسلام۔

بندہ: محمد الیاس غفرلہ

الجواب حامداً ومصلیا:

نصف شعبان کے روزے کو فقہاء میں سے کسی نے مسنون قرار نہیں دیا اور نہ محدثین اُسے مسنون کہتے ہیں، نہ ہی علماءِ سلف اُسے مسنون کہتے ہیں۔

خود ابن ماجہؒ نے اس روایت کو-جس کی بنیاد پر سائل نے تفصیلی بحث کی ہے-ابواب الصوم میں ذکر نہیں کیا، جہاں اُنہوں نے مسنون و مستحب روزوں کا بیان فرمایا ہے، غور کیجیے! اُس میں کہیں بھی نصف شعبان کے روزے کا تذکرہ ابن ماجہؒ نے نہیں کیا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے ذہن میں اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ موجود ہے؛ اِس لیے اُس کو اُنہوں نے قیامِ لیل کے ابواب میں ذکر کیا ہے، جس سے یہی بتانا ہے کہ یہ

[۶] تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي-عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (م:۹۱۱ھ): ۱/۳۵۱، قبيل: النوع الثالث والعشرون صفة من تقبل روايته ومن ترد... ، ت: أبو قتيبة نظر محمد الفاريابي، ط: دار طيبة.

روزہ مسنون نہیں ہے۔

اِس زمانہ میں یہ بحث کوئی نئی نہیں ہے، شاید سائل کے پیش نظر عوام کا اِس روزے پر عمل ہے، تو عوام اِس قسم کے فرق سے قاصر ہیں، ان کو تو بس اتنا معلوم ہونا کافی ہے کہ ۱۵ ر شعبان کو روزہ رکھیں، تو ثواب ملے گا، بس وہ تو حصول ثواب کے لیے روزہ رکھتے ہیں۔ علماء میں سے کوئی بھی اُسے مسنون نہیں سمجھتے، اگر عوام مسنون وغیرہ کی اصطلاحات سے واقف ہوں اور مسنون سمجھ کر یہ روزہ رکھتے ہوں، تو صراحت کر دینی چاہیے کہ صرف نصف شعبان کی حیثیت سے اُسے مسنون سمجھ کر روزہ نہ رکھیں۔

اگر منشاءِ سوال یہ ہے کہ جناب نبیِ اکرم ﷺ نے نصف شعبان کا روزہ نہیں رکھا؛ اِس لیے نہیں رکھنا چاہیے، یا عوام کو اِس روزے سے منع کرنا چاہیے، تو اِس سلسلے میں عرض ہے کہ یہ بات مشکل ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ نے نصف شعبان کا روزہ نہیں رکھا؛ بل کہ اغلب ہے کہ آپ ﷺ نے روزہ رکھا ہے، اِس لیے کہ وہ صحیح روایات، جن میں آپ ﷺ کے پورے شعبان میں روزہ رکھنے کا تذکرہ ہے، (''سائل'' صاحب علم ہیں؛ اِس لیے اِن روایات کی طرف اشارہ کافی ہے) تو کیا آپ ﷺ شعبان کے اکثر ایام میں روزہ رہ کر، نصف شعبان کے روزے کو ترک فرما دیتے تھے؟ اور ہمیشہ ترک فرماتے رہے؟ ایسا نہیں ہے؛ بل کہ آپ ﷺ نے روزہ رکھا ہے، اور وہ روایات، جن میں شعبان کے نصفِ اخیر میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے، پندرہ شعبان کے بعد سے شروع ہوتی ہے، پندرہ کا روزہ رکھنا ممانعت میں شامل نہیں ہے۔

اِس لیے عوام پندرہ شعبان کا روزہ رکھتے ہوں، تو اُنہیں منع کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اِس لیے بھی کہ اجتماعی طور پر روزہ رکھنے میں کوئی ریاء متصور نہیں، روزہ کم از کم مباح ہے؛ بلکہ کسی نہ کسی درجہ میں اُس کا مندوب ہونا اور استحباب معلوم ہو رہا ہے۔

چناں چہ حدیثِ شدید الضعف پر عمل کے مندوب نہ ہونے کی بحث میں علامہ حصکفیؒ نے فرمایا ہے کہ اگر وہ عمل قاعدۂ عام کے ماتحت آجاتا ہو، تو اُس کی اباحت یا ندب میں کوئی مانع نہیں ہے۔ (شامی: ۱/۱۲۸)[1]

[۱] قال محقق الشافعية الرملي: فيعمل به في فضائل الأعمال وإن أنكره النووي. [فائدة] ــــــ شرط العمل بالحديث الضعيف عدم شدة ضعفه، وأن يدخل تحت أصل عام، وأن لا يعتقد سنية ذلك الحديث. ــــ وأما الموضوع فلا يجوز العمل به بحال ولا روايته، إلا إذا قرن ببيانه. (الدر المختار) ــــ قال ابن عابدين: قلت: مقتضى عملهم بهذا الحديث أنه ليس شديد الضعف فطرقه ترقيه إلى الحسن (قوله: وأن لا يعتقد سنية ذلك=

شعبان میں خصلتِ مذکورہ کے عام قاعدہ کے تحت نصف شعبان کا روزہ بھی اِس فضیلت میں داخل ہوجاتا ہے۔

جیسے مذکورہ بحث میں پہلے معلوم ہوا کہ ابن ماجہ نے شاید مذکور روزہ کی عدم سنیت کی جانب اشارہ کرنے کے لیے حدیثِ صوم کو ابواب الصوم کے بجائے ابواب قیام اللیل میں ذکر فرمایا ہے، تو غالباً ایسی ہی حکمت کے پیش نظر اِمام ترمذیؒ نے (جن کی روایت میں صوم کا تذکرہ نہیں ہے) لیلۃ نصف شعبان کے قیام کی روایت کو، ابواب الصوم کے وسط میں بیان فرمایا، حالاں کہ اِن ابواب سے کوئی مناسبت باب اور روایت میں بہ ظاہر نہیں ہے، اور یہ بھی مدنظر رہنا چاہیے کہ اِمام ترمذیؒ اپنی سنن میں 'باب کراهية الصوم في النصف الباقي من شعبان' کے بعد 'باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان' کو لارہے ہیں، جس سے اِس بات کی طرف اِشارہ ملتا ہے کہ نصف شعبان کا کوئی روزہ ہے، ورنہ روایت و باب کو معاً بیان کرنے کی کوئی وجہ مناسبت نہیں ہے، قیامِ لیل کا اثبات یا نفی تو ابوابِ قیام اللیل میں ہوسکتی ہے، غالباً اِمام ترمذیؒ کا اشارہ اِس طرف ہے کہ اگر چہ روایات میں صوم کا تذکرہ نہیں؛ لیکن بعض ضعیف روایات، قاعدۂ عامہ اور لیلۃ النصف من شعبان کی جو فضیلت مسلم ہے، اُس کا تقاضہ ہے کہ یوم النصف من شعبان بھی کوئی فضیلت رکھتا ہے، اور عمل کا تقاضہ یہ ہے کہ قیامِ لیل اور صوم النہار کا عمل ساتھ ساتھ رہے، بہر حال یہ اشارہ اِس بات کی طرف ہو یا اُن کی ترتیب ابواب سے ہم اشارۃً یہ بات سمجھ سکتے ہیں۔

نصف شعبان کے روزے کے استحباب کے بارے میں گجرات کے قدیم، متبحر عالم حضرت مولانا عبدالحی صاحب کفلیتویؒ نے اپنی کتاب ''الجواہر الزواہر'' میں ایک دوسرے انداز سے استدلال فرمایا ہے کہ بیہقی کی روایت میں مذکور ہے: ''وفيها ترفع أعمالهم''(۲) کہ نصف شعبان میں بندوں کے اعمال اللہ

= الحديث) أي سنية العمل به. وعبارة السيوطي في شرح التقريب: الثالث أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته بل يعتقد الاحتياط، وقيل: لا يجوز العمل به مطلقا، وقيل: يجوز مطلقا. اهـ. . . (قوله: بحال) أي ولو في فضائل الأعمال. قال ط أي حيث كان مخالفا لقواعد الشريعة، وأما لو كان داخلا في أصل عام فلا مانع منه لا لجعله حديثا بل لدخوله تحت الأصل العام اهـ تأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۱۲۸، كتاب الطهارة، سنن الوضوء، مطلب في بيان ارتقاء الحديث الضعيف إلى مرتبة الحسن، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) طویل حدیث کا جزء ہے، حضرت نبی کریم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے ہیں: هل تدرين ما في هذه الليلة؟ قالت: ما فيها يا رسول الله؟ فقال: فيها أن يكتب كل مولود من مولود بني آدم في هذه السنة، وفيها أن يكتب كل هالك من بني آدم في هذه السنة، وفيها ترفع أعمالهم، وفيها تنزل أرزاقهم، فقالت: يا رسول الله: ما من أحد يدخل الجنة إلا =

تعالیٰ کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔ (یعنی اللہ عزوجل کے سامنے پیش ہوتے ہیں) اور دوسری روایات میں آیا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ آپ شعبان میں اِس قدر روزے کیوں رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ شعبان ایسا مہینہ ہے کہ لوگ رمضان اور رجب کے بیچ میں اِس سے غافل رہتے ہیں، اور یہ ایسا مہینہ ہے کہ اُس میں رب العالمین کے روبرو بندوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور مجھے یہ پسند ہے کہ میرا عمل اللہ تعالیٰ کے حضور اِس حالت میں پیش ہو کہ میں روزہ دار ہوں۔[۳] علامہؒ فرماتے ہیں کہ اِس وجہ سے نصف شعبان کا روزہ مستحب ہے، یہ علامہ موصوفؒ کی طویل بحث کا خلاصہ ہے۔ (الجواہر الزواہر: ۱/ ۵۷۸)[۴]

اِس بحث سے اِس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا شعبان میں روزہ رکھنا' رفعِ اعمال کی وجہ سے ہے، نسائی شریف کی روایت میں جس رفعِ اعمال کا تذکرہ ہے، لیلۃ النصف میں وہی رفعِ عمل مراد

=برحمة الله؟ قال: ما من أحد يدخل الجنة إلا برحمة الله قلت: ولا أنت يا رسول الله؟ فوضع يده على هامته فقال: ولا أنا إلا أن يتغمدني الله منه برحمة، يقولها ثلاث مرات. (الدعوات الكبير - أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸ھ): ۲/ ۱۳۵، رقم الحديث: ۵۳۰، باب القول والدعاء ليلة البراءة، ت: بدر بن عبد الله البدر، ط: غراس للنشر والتوزيع - الكويت ☆ فضائل الأوقات للبيهقي، ص: ۱۲۶، رقم الحديث: ۲۶، باب في فضل ليلة النصف من شعبان، ت: عدنان عبد الرحمن مجيد القيسي، ط: مكتبة المنارة - مكة المكرمة)

(۳) عن أبي هريرة، عن أسامة بن زيد، قال: قلت: يا رسول الله إني أراك تصوم في شهر ما لا أراك تصوم في شهر مثل ما تصوم فيه، قال: "أي شهر؟"، قلت: شعبان، قال: "شعبان بين رجب وشهر رمضان، يغفل الناس عنه، يرفع فيه أعمال العباد، فأحب أن لا يرفع عملي إلا وأنا صائم". (شعب الإيمان - أبو بكر البيهقي: ۵/ ۳۵۲، رقم الحديث: ۳۵۴۰، الصيام، صوم شعبان، ت: د. عبد العلي عبد الحميد حامد، ط: : مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند)

وقال البيهقي: رواه عنه أيضا ابن أبي أويس، عن أبي سعيد المقبري، عن أسامة بن زيد، قال: كان يصوم رسول الله صلى الله عليه وسلم فيسرد الأيام لا يكاد يفطر، ويفطر فيسرد الأيام لا يكاد يصوم، قال: وكان يصوم من كل جمعة يومين لا يكاد يدعهما إن كان من صيامه الذي يصوم وإن لم يكونا منه، وكان أكثر ما يصوم فيه من الشهور شعبان، قال: فقلت له: يا رسول الله رأيتك تصوم يومين من كل جمعة إن كان من صيامك وإن لم يكونا منه؟، قال: " أي يومين؟"، فقلت: الاثنين والخميس، قال: " ذاك يومان يعرض فيهما الأعمال على رب العالمين فأنا أحب أن يعرض عملي وأنا صائم"، قال: قلت: رأيتك تصوم في شعبان ما لا تصوم في غيره من الشهور؟، قال: " ذاك شهر يغفل الناس عنه بين رجب ورمضان، وفيه ترفع الأعمال لرب العالمين فأنا أحب أن يرفع عملي وأنا صائم". (المصدر السابق: ۵/ ۳۵۳)

[۴] کتاب نہیں مل سکی۔

ہے، اور وہ نصف شعبان میں ممکن ہوتا ہے، نیز آپ ﷺ اکثر شعبان میں خاص رفعِ عمل کی تلاش میں روزہ رکھتے تھے، یہ امر قابلِ غور ہے، احتمال ضرور ہے کہ رفعِ اعمال سے لیلۃ النصف کا رفع مراد ہے، البتہ محدثین کرامؒ نے نسائی شریف کی روایت : "وهو شهر ترفع فيه الأعمال إلى رب العالمين"[۵] کی جو توجیہات پیش کی ہیں، پوری طرح علامہ موصوفؒ کی توجیہ سے میل نہیں کھا رہی ہے۔

یہ ضرور ثابت ہوا کہ علامہ عبدالحیؒ نصف شعبان کے روزہ کی فضیلت کے قائل ہیں، فتاویٰ دارالعلوم میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ نے بھی نصف شعبان کے روزے کو مستحب لکھا ہے، حضرت شیخ المشائخ علامہ رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمایا ہے کہ ۲۷ رجب کا روزہ (جس کا وہ مقام نہیں جو نصف شعبان کے روزے کا ثابت ہے) رکھنا جائز لکھا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ: ۱/ ۴۳۳ ☆ فتاویٰ دارالعلوم: ۶/ ۵۰۰)[۶]

اِس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ شعبان کی پندرہویں کے روزے کا مسنون ہونا محتمل ہے، کم از کم استحباب، ورنہ اباحت ثابت ہے؛ اِس لیے روزہ رکھنا چاہیے، کسی کو منع نہ کرنا چاہیے، ہاں، مسنون قطعی نہ سمجھے، البتہ احیاءِ لیلۃ النصف - جو ثابت ہے- اُس کے لیے مساجد میں اجتماع اور اہتمام بدعت ہے، اِس سے روکنا چاہیے، روزہ رکھنے میں قباحت نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۵) أسامة بن زيد، قال: قلت: يا رسول الله، لم أرك تصوم شهرا من الشهور ما تصوم من شعبان، قال: ذلك شهر يغفل الناس عنه بين رجب ورمضان، وهو شهر ترفع فيه الأعمال إلى رب العالمين، فأحب أن يرفع عملي وأنا صائم.
(المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي - أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳ھ): ۴/ ۲۰۱، رقم الحديث: ۲۳۵۷، الصيام، صوم النبي صلى الله عليه وسلم بأبي هو وأمي، وذكر اختلاف الناقلين للخبر في ذلك، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

(۶) ماہ شعبان میں کسی تاریخ اور دن کا روزہ فرض اور واجب نہیں ہے، اور تیرہ شعبان کے روزے کی کوئی خاص فضیلت حدیث شریف سے ثابت نہیں ہے، البتہ یہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ شعبان کی پندرہوں شب کو بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہو، اور پندرہوں تاریخ کا روزہ رکھو، پس پندرہویں تاریخ شعبان کا روزہ مستحب ہے۔ اگر کوئی رکھے تو ثواب ہے اور نہ رکھے تو کچھ حرج نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم: ۶/ ۵۰۰، نواں باب، متفرقات، شعبان میں کون سا روزہ ضروری ہے، ط: زکریا - دیوبند)

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ۔(۲-البقرۃ:۴۱)

عن سليمان بن بريدة، عن أبيه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من قرأ القرآن يتأكل به الناس، جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم". (شعب الإيمان- أبو بكر البيهقي (م:۴۵۸ھ): ۴/۱۹۵، رقم الحديث: ۲۳۸۴، تعظيم القرآن، فصل في ترك قراءة القرآن في المساجد والأسواق ليعطى وليستأكل به، ت: الدكتور عبد العلي عبد الحميد حامد، ط: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض)

باب التراويح

[تراویح کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب التراویح

[تراویح کا بیان]

نوٹ: باب التراویح کے مرکزی عنوان سے حضرت مفتی صاحبؒ کے متعدد فتاویٰ "فتاویٰ فلاحیہ کی دوسری جلد" میں شائع ہو چکے ہیں، اس باب کے بعض فتاویٰ ہمیں کتاب الصوم کی فائل میں ملے ہیں، جسے یہاں درج کیا جاتا ہے، ہو سکتا ہے کہ بعض فتاویٰ بہ ظاہر مکرر معلوم ہوں، لیکن درحقیقت وہ کسی نہ کسی نئے فوائد پر مشتمل ہیں، مثلاً اجرت علی التراویح کے بعض مسائل۔
[مجتبیٰ حسن قاسمی]

[۱] سولہ سال کی عمر والے حافظ قرآن کے پیچھے تراویح

۱۵۶۲- سوال: ایک طالب علم ہے، جس کی عمر سولہ سال ہے، گذشتہ مرتبہ مفتی احمد بیمات صاحب سے فتویٰ پوچھا تھا، تو جواب میں حضرت نے فرمایا تھا کہ اس طالبِ علم کے پیچھے فرض، وتر واجب اور تراویح پڑھنا "عمر کے اعتبار سے" جائز ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ہمارے گاؤں میں متولی صاحب سے تین مہینہ پہلے درخواست کی تھی کہ یہ بچہ تراویح پڑھائے گا، اس کے بعد تقریباً تین مرتبہ یاددہانی کی گئی، تو جواب دیا کہ ٹھیک ہے۔

گذشتہ رمضان کا چاند پورے تیس دن پر ہوا، تیسویں دن کی صبح کو معلوم ہوا کہ متولی صاحب منع کرنے والے ہیں، متولی صاحب کی اطلاع سے پہلے اس کے والد صاحب نے منع کرنے کی وجہ دریافت کی، تو انہوں نے کہا کہ لڑکا بہ اعتبار عمر چھوٹا ہے، کم سن ہے۔ لہٰذا فوراً ترکیسر جاکر فتویٰ لیا گیا، حضرت مفتی صاحب نے فتویٰ دیا کہ بالغ لڑکے کے لیے تروایح، فرض اور وتر وغیرہ پڑھانا جائز ہے، لڑکا سولہ سال کا ہے، اس لیے تراویح پڑھا سکتا ہے۔

جب یہ بات متولی کو بتائی گئی، تو اس نے کہا کہ وہ نماز کی پابندی نہیں کرتا ہے؛ اس لیے تراویح نہیں

پڑھا سکتا، مطلب یہ کہ متولی صاحب کی پہلی دلیل فیل ہوگئی، تو دوسری دلیل لے آئے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض بہانہ ہے۔

وہ لڑکا فی الحال تراج مدرسہ میں تعلیم حاصل کرتا ہے، جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ نمازوں کا اہتمام کرتا ہوگا، اور اگر فرض کرلیا جائے کہ اس نے بعض نمازیں چھوڑ دی ہو، تو کیا اس کے پیچھے تراویح صحیح نہ ہونے کا حکم لگایا جاسکتا ہے؟ شریعت کا اس سلسلے میں کیا حکم ہے؟

نیز ایک مرتبہ متولی صاحب کے کہنے پر اس لڑکے کو امامت کے لیے آگے کیا گیا، تو پہلی صف سے تین آدمی نکل کر چلے گئے، جس کی وجہ سے لوگوں میں فتنہ ہوا، تو ان حضرات کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امامت کی ذمہ داری حوالہ کرنے سے قبل چند باتوں کا جاننا ضروری ہے، فقہائے کرام کی بیان کردہ شرطیں پائی جائیں، تو امامت کی ذمہ داری سپرد کرنا صحیح ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ نماز پڑھانے والا بالغ ہو یعنی بلوغ کی علامت اس میں پائی جائے یا کم ازکم پندرہ سال کا ہو۔[1] نابالغ کو ذمہ داری سپرد کرنا صحیح نہیں ہے؛ سنت و وتر کوئی نماز اس کے پیچھے صحیح نہیں ہوتی۔(۲)

اگر بہت سارے اشخاص تراویح یا امامت کرانا چاہتے ہوں، تو جو شخص مسائل کو زیادہ جانتا ہو، اسے امام بنایا جائے، اور اگر تمام امیدوار مسائل کو زیادہ جاننے والے ہوں، تو جو شخص قرآن کا زیادہ حافظ ہو، اس کو

---

[۱] (بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال) والأصل هو الإنزال (والجارية بالاحتلام والحيض والحبل) . . . (فإن لم يوجد فيهما) شيء (فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى) لقصر أعمار أهل زماننا. (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/ ۱۵۳، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۵/ ۶۱، كتاب الحجر، الباب الثاني في الحجر للفساد، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ، ط: دار الفكر)

(۲) وإمامة الصبي المراهق لصبيان مثله يجوز. كذا في الخلاصة وعلى قول أئمة بلخ يصح الاقتداء بالصبيان في التراويح والسنن المطلقة. كذا في فتاوى قاضي خان المختار أنه لا يجوز في الصلوات كلها. كذا في الهداية وهو الأصح. هكذا في المحيط وهو قول العامة وهو ظاهر الرواية. هكذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۸۵، كتاب الصلاة، الباب الخامس في الإمامة، ط: دار الفكر -بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۷۶، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر -بيروت)

امام بنایا جائے گا اور اگر تمام حضرات کو قرآن یاد ہو، تو جو شخص بہ اعتبار عمر بڑا ہو، اس کو ذمہ داری سپرد کی جائے گی، اگر تمام لوگ عمر میں برابر ہوں، تو دین داری اور تقوی کا لحاظ کیا جائے گا، اس لحاظ سے مذکورہ طالب علم سے زیادہ عمر کے طالب علم کو۔ جو مسائل زیادہ جانتا ہے۔ اگر ذمہ داری سپرد کی گئی ہے، تو آپ کا اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے۔(۳)

متولی صاحب، مسائل سے ناواقفیت کی بنیاد پر، تسلی بخش جواب نہ دے سکے اور اس [سولہ سالہ] بچے کے تراویح نہ پڑھانے کی شرعی وجہ نہیں بتا سکے، اس سلسلے میں ان پر کوئی الزام نہیں۔

البتہ انہوں نے غلطی یہ کی کہ وعدہ کرلیا اور اسے پورا نہ کرسکے، اگر پہلے ہی وضاحت کردیتے، تو وہ لڑکا کسی دوسری جگہ اپنا بندوبست کرلیتا، یہ بڑی غلطی ہے۔

اسی طرح اگر مذکورہ طالب علم سے کم عمر کو، یا کم مسائل جاننے والے کو امام بنایا، تو یہ بھی غلطی ہے۔

اور جو تین شخص صف کو چھوڑ کر نکل گئے ہیں اور فتنہ پیدا کیا، وہ بھی بڑے گناہ گار ہیں؛ کیوں کہ امام فاسق و فاجر ہو، پھر بھی اس کے پیچھے جماعت سے نماز پڑھنے سے جماعت کا ثواب حاصل ہوجاتا ہے، جہالت کی وجہ سے صف سے باہر نکل گئے اور فتنہ پیدا کر کے امرِ حرام کا ارتکاب کیا۔(۴) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۳) (والأحق بالإمامة) تقديما بل نصبا مجمع الأنهر (الأعلم بأحكام الصلاة) فقط صحة وفسادا بشرط اجتنابه للفواحش الظاهرة، وحفظه قدر فرض، وقيل واجب، وقيل سنة (ثم الأحسن تلاوة) وتجويدا (للقراءة، ثم الأورع) أي الأكثر اتقاء للشبهات. والتقوى: اتقاء المحرمات (ثم الأسن) أي الأقدم إسلاما، فيقدم شاب على شيخ أسلم، وقالوا: يقدم الأقدم ورعا. وفي النهر عن الزاد: وعليه يقاس سائر الخصال، فيقال: يقدم أقدمهم علما ونحوه، وحينئذ فقلما يحتاج للقرعة (ثم الأحسن خلقا) بالضم ألفة بالناس (ثم الأحسن وجها) أي أكثرهم تهجدا، زاد في الزاد: ثم أصبحهم: أي أسمحهم وجها، ثم أكثرهم حسبا (ثم الأشرف نسبا) زاد في البرهان: ثم الأحسن صوتا. وفي الأشباه قبيل ثمن المثل: ثم الأحسن زوجة. ثم الأكثر مالا، ثم الأكثر جاها (ثم الأنظف ثوبا) ثم الأكبر رأسا والأصغر عضوا، ثم المقيم على المسافر، ثم الحر الأصلي على العتيق. ثم المتيمم عن حدث على المتيمم عن جنابة.______[فائدة] لا يقدم أحد في التزاحم إلا بمرجح، ومنه السبق إلى الدرس والإفتاء والدعوى، فإن استووا في المجيء أقرع بينهم اهـ. (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۵۸–۵۵۷، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۱/۳۶۸، كتاب الصلاة، الأحق بالإمامة في الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الهداية: ۱/۵۷، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۴) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الصلاة المكتوبة واجبة خلف كل مسلم برا كان أو =

[۲] تراویح میں کم عمر کی امامت

۱۵۶۳- سوال: ہمارے گاؤں میں ۱۵، ۱۶ سال کے دو بچے تراویح پڑھاتے ہیں، کیا ان کا تراویح پڑھانا صحیح ہے؟ اور اگر وہ نماز پڑھائیں، تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

احناف کے نزدیک امام کا بالغ ہونا ضروری ہے، نابالغ امامت کا اہل نہیں ہے۔ (۱)

بلوغت کی عمر لڑکے کے لیے کم از کم ۱۲ سال ہے، ۱۲ سال سے پہلے لڑکا بالغ نہیں ہوسکتا، اور اگر بلوغت کی نشانی احتلام وغیرہ ظاہر نہ ہو، تو ۱۵ سال کی عمر میں لڑکے کے لیے بلوغت کا حکم لگا دیا جائے گا، چاہے احتلام ہو یا نہ ہو، اس کو بلوغ بالسن کہا جاتا ہے؛ اس لیے لڑکے کے ۱۵ سال ختم ہو گئے ہوں، تو اس کا فرض، واجب اور تراویح میں امام بننا جائز ہے۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=فاجرا وإن عمل الكبائر. (سنن أبي داود: ۱/ ۳۴۳، رقم الحديث: ۲۵۳۳، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور، ط: البدر - ديوبند ☆ سنن الدارقطني (م: ۳۸۵هـ): ۲/ ۴۰۴، باب صفة من تجوز الصلاة معه، والصلاة عليه، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت)

ويكره تنزيها إمامة... فاسق. (الدر المختار) ـــــ فإن أمكن الصلاة خلف غيرهم فهو أفضل وإلا فالاقتداء أولى من الانفراد. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۵۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر)

وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولى من الانفراد، لكن لا ينال كما ينال خلف تقي ورع. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۵۶۲، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: حاشية الشِلْبِيِّ مع تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِلْبِيُّ (م: ۱۰۲۱هـ): ۱/ ۱۳۴ - ۱۳۵، كتاب الصلاة، الأحق بالإمامة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة ☆ البناية شرح الهداية - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵): ۲/ ۳۳۳، باب في الإمامة، إمامة العبد والفاسق والأعمى وولد الزنا، ط: دار الكتب العلمية - بيروت.

(۱) سوال سابق کا حاشیہ نمبر (۲) دیکھیں۔

(۲) بلوغ الغلام بالاحتلام أو الإحبال أو الإنزال، والجارية بالاحتلام، أو الحيض أو الحبل، كذا في المختار. والسن الذي يحكم ببلوغ الغلام والجارية إذا انتهيا إليه خمس عشرة سنة عند أبي يوسف ومحمد - رحمهما الله تعالى - وهو رواية عن أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - وعليه الفتوى،... وأدنى مدة البلوغ بالاحتلام ونحوه في حق الغلام اثنتا عشرة سنة، وفي الجارية تسع سنين، ولا يحكم بالبلوغ إن ادعى وهو ما دون اثنتي عشرة سنة في الغلام،=

[۳] تراویح پر اجرت لینا

۱۵۶۴- سوال: اگر کوئی حافظ قرآن، رمضان المبارک میں تراتح پڑھائے، اور وہاں کے لوگ اس کو یہ کہیں کہ ہم آپ کو تین سو روپئے دے رہے ہیں، اس میں سے آپ اپنے کھانے پینے کا انتظام بھی کرلیں، اور اسی میں سے آپ کی تراویح کا ہدیہ بھی ہوجائے گا، تو کیا ایسی رقم لے کر تراویح پڑھانا جائز ہے؟

احقر سعید احمد محمد سیدات

الجواب حامداو مصلیا:

تراویح پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔(۱)

اس کی جائز صورت یہ ہے کہ حافظ صاحب معاملہ اس طرح طے کریں کہ رمضان میں ایک نماز مثلا مغرب کی نماز پڑھاؤں گا، اور اجرت تین سو روپئے لوں گا، کھلانے کی ذمہ داری گاؤں والوں کی نہیں رہے گی، ایسی صورت میں خشک تنخواہ تین سو روپئے دے دینا جائز ہے۔(۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= وتسع سنين في الجارية، كذا في المعدن. (الفتاوى الهندية: ٥/ ٦١، كتاب الحجر، الباب الثاني في الحجر للفساد، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ، ط: دار الفكر ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ٦/ ١٥٣، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، ط: دار الفكر)

(۱) وقال الله تعالى: وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۠ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ. (۲-البقرة: ۴۱)

(۲) عن سليمان بن بريدة، عن أبيه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من قرأ القرآن يتأكل به الناس، جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم". (شعب الإيمان- أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي (م: ۴۵۸ هـ): ۴/ ۱۹۵، رقم الحديث: ۲۳۸۴، تعظيم القرآن، فصل في ترك قراءة القرآن في المساجد والأسواق ليعطى وليستأكل به، ت: الدكتور عبد العلي عبد الحميد حامد، ط: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض، بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند ☆ الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار- أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (م: ۲۳۵هـ): ۲/ ۱۶۸، رقم الحديث: ۷۷۴۱، كتاب صلاة التطوع، و الإمامة، [باب] في الرجل يقوم بالناس في رمضان فيعطى، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد- الرياض ☆ معجم ابن الأعرابي- أبو سعيد بن الأعرابي أحمد بن محمد بن زياد بن بشر بن درهم البصري الصوفي (م: ۳۴۰هـ): ۲/ ۲۰، رقم الحديث: ۸۰۵، ت: عبد المحسن بن إبراهيم بن أحمد الحسيني، ط: دار ابن الجوزي، المملكة العربية السعودية)

(۲) (و) لا لأجل الطاعات مثل (الأذان والحج والإمامة وتعليم القرآن والفقه) ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: قال في الهداية: وبعض مشايخنا=

[٤] تراویح پڑھانے کی اُجرت لینا

١٥٦٥- سوال: رمضان میں تراویح پڑھانے کے بعد بطورِ ہدیہ جو رقم دی جاتی ہے اُس کا لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تراویح پڑھانے کے لیے اُجرت لینا جائز نہیں ہے،

بہتر یہ ہے کہ تراویح پڑھانے والا ٹرسٹی کے ساتھ بات کر کے ایک دو نماز پڑھانے کی ذمہ داری لے لے اور اس کی اُجرت طے کرے، لیکن تراویح فی سبیل اللہ پڑھائے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[٥] تراویح کی اُجرت

١٥٦٦- سوال: تراویح کی رقم لوگ خوشی سے دیتے ہیں، اُس کو لینا کیسا ہے؟ اور تراویح سے پہلے طے کرنا کہ میں اِتنی رقم لوں گا، یہ صحیح ہے یا نہیں؟ یہاں ایک عالمِ باعمل کہتے ہیں کہ تراویح پر پیسہ لینا قرآن شریف بیچنے کے برابر ہے، اور اُس پر اُجرت لینا بالکل جائز نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہ خوشی دیتے ہوں، تو لینے کی گنجائش ہے؛ لیکن پہلے سے شرط کرنا کہ اِتنی رقم دیں گے، تو تراویح پڑھاؤں گا، حرام ہے، رقم لینا جائز نہیں ہے۔

حیلہ یہ ہے کہ حافظ جی یوں کہہ دے کہ میں بچوں کو روزانہ دو گھنٹے پڑھاؤں گا، اور دو سو روپیہ لوں گا،

= -رحمهم الله تعالى- استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم لظهور التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن وعليه الفتوى اهـ. (ردالمحتار على الدر المختار: ٦/ ٥٥، كتاب الإجارة، مطلب في الاستئجار على الطاعات، ط: دار الفكر-بيروت)

(١) فالحاصل: أن ما يتخلص به الرجل من الحرام أو يتوصل به إلى الحلال من الحيل فهو حسن، وإنما يكره ذلك أن يحتال في حق لرجل حتى يبطله أو في باطل حتى يموهه أو في حق حتى يدخل فيه شبهة فما كان على هذا السبيل فهو مكروه، وما كان على السبيل الذي قلنا أولا فلا بأس به. (المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ٤٨٣هـ): ٣٠/ ٢١٠، كتاب الحيل، ط: دار المعرفة- بيروت)

مزید تفصیل کے لیے سوال سابق دیکھیں۔

تو یہ جائز ہے، بچوں کو پڑھانے پر تنخواہ لینا جائز ہے۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] تراویح کے بعد دعا مانگنا

۱۵۶۷- سوال: تراویح کی بیسویں رکعت کے بعد دعا کا کیا حکم ہے؟ آیا حدیث سے ثابت ہے؟ نیز دعا نہ مانگنے پر امام تراویح کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیسویں رکعت پر دعا مانگنا جائز ہے، انکار صحیح نہیں۔ [2]

جائز کام پر امام کو مجبور کرنا جائز نہیں۔ [3]

نزاع، جھگڑا اور تنقیص حرام ہے؛ لہٰذا جائز کام پر اصرار یا ترک پر اصرار، لزوم و وجوب سمجھتے ہوئے جائز نہیں۔ [4] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

---

(۱) تفصیل وتخریج گذر چکی۔

(۲) (یجلس) ندبا (بین کل أربعة بقدرها وكذا بين الخامسة والوتر) ويخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت وصلاة فرادى. (الدر المختار مع رد المحتار: ۴۶/۲، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل، ط: دار الفكر- بيروت ☆الفتاوى الهندية: ۱۱۵/۱، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۷۴/۲، كتاب الصلاة، صلاة التراويح، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ بدائع الصنائع: ۲۹۰/۱، كتاب الصلاة، فصل: صلاة التطوع، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆ فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۷۱/۴، فصل رابع، مسائل تراویح، ط: دار العلوم- دیوبند)

(۳) قال الطيبي: وفيه أن من أصر على أمر مندوب، وجعله عزما، ولم يعمل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح-الملاعلي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۷۵۵/۲، رقم الحديث: ۹۴۶، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، ط: دار الفكر، بيروت-لبنان)

(۴) عن ابن عمر قال: صعد رسول الله صلى الله عليه وسلم المنبر فنادى بصوت رفيع، فقال: "يا معشر من أسلم بلسانه ولم يفض الإيمان إلى قلبه، لا تؤذوا المسلمين، ولا تعيروهم، ولا تتبعوا عوراتهم، فإنه من تتبع عورة أخيه المسلم تتبع الله عورته، ومن تتبع الله عورته يفضحه، ولو في جوف رحله" قال: ونظر ابن عمر يوما إلى البيت أو إلى الكعبة فقال: ما أعظمك وأعظم حرمتك، والمؤمن أعظم حرمة عند الله منك. (سنن الترمذي: ۲۳/۲، رقم الحديث: ۲۰۳۲، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في تعظيم المؤمن، ط: ديوبند)

[۷] حافظ قرآن کا تراویح کی اجرت مسجد میں دے دینا

۱۵۶۸- سوال: الحمد للہ میرا لڑکا حافظ قرآن ہے اور اس سال ہماری بستی کی مسجد (محلہ کی مسجد) میں تراویح کی چار رکعت پڑھاتا ہے، ارادہ فی سبیل اللہ تراویح پڑھانے کا ہے، ہمارے یہاں حافظوں کو چندہ کر کے ۲۷؍ رمضان کو بہ طور ہدیہ کچھ رقم عنایت کی جاتی ہے، تو کیا ہم وہ رقم لے کر مسجد میں دے سکتے ہیں ؟ یا کسی غریب کو وہ رقم دے سکتے ہیں؟ بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداو مصليا:

تراویح کی اجرت لینا جائز نہیں ہے۔[۱] لوگوں کو مسئلہ اچھی طرح سمجھا دیا گیا ہے پھر بھی اگر لوگ اپنی خوشی سے دے جائیں، تو رقم لینا جائز ہوگا، متولی یا ٹرسٹی چندہ کر کے دیں، تو جائز نہیں ہے۔[۲]

اگر جائز طریقہ سے وہ رقم آئی ہے تو مسجد میں دینا جائز ہے، اگر نا جائز طریقہ سے ملی ہے، تو مسجد میں دینا صحیح نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] عشاء پڑھے بغیر تراویح و وتر پڑھ لینا

۱۵۶۹- سوال: ایک شخص رمضان المبارک میں عشاء اور تراویح ادا کرنے مسجد میں پہنچا، اس نے

---

(۱) وقد أطنب في رده صاحب تبيين المحارم مستندا إلى النقول الصريحة، فمن جملة كلامه قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارئ. وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطي آثمان. فالحاصل أن ما شاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة لا يجوز، لأن فيه الأمر بالقراءة وإعطاء الثواب للآمر والقراءة لأجل المال، فإذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة فأين يصل الثواب إلى المستأجر ولولا الأجرة ما قرأ أحد لأحد في هذا الزمان بل جعلوا القرآن العظيم مكسبا ووسيلة إلى جمع الدنيا - إنا لله وإنا إليه راجعون - اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۶/۶، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في الاستئجار على المعاصي، ط: دار الفكر)

مزید تفصیل وتخریج کے لیے ملاحظہ کریں عنوان: تراویح پر اجرت لینا ☆ تراویح پڑھانے کی اُجرت لینا۔

(۲) کیوں کہ اس میں بہت سارے مفاسد لازم آتے ہیں۔ مثلاً: چندہ دہندہ خوشی سے دینا نہیں چاہتا، لیکن معزز لوگوں کی موجودگی میں انکار کرنا اس کے لیے بھاری پڑتا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: إنه لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه. (مسند احمد: ۲۹۹/۳۴، حدیث نمبر: ۲۰۶۹۵، ابوحرہ الرقاشی عن عمہ، ط: الرسالہ ☆ مسند ابویعلی الموصلی: ۱۴۰/۳، حدیث: ۱۵۷۰، ت: حسین سلیم اسد، ط: دار المامون)

دیکھا کہ نماز عشاء ہو چکی ہے، تو وہ وضو کر کے عشاء کی نماز پڑھے بغیر، تراویح میں شریک ہو گیا، وتر کی نماز بھی باجماعت پڑھی، سوال یہ ہے کہ تراویح اور وتر پڑھنے کے بعد عشاء کی فرض نماز کو ادا کرے، تو درست ہے یا نہیں؟

فرض [عشاء] سے پہلے پڑھی گئی تراویح اور وتر ادا ہوئی یا نہیں؟

اور اگر ایسا اتفاق ہو جائے، تو اس کی صحیح ترتیب کیا ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

تراویح کا وقت عشاء کی فرض نماز کی ادائیگی کے بعد ہے؛ لہٰذا جس شخص نے بغیر فرض پڑھے تراویح ادا کی، تو وہ صحیح نہیں ہوئی، تراویح اور وتر کو فرض [عشاء] کے بعد پڑھنا ضروری ہے۔ (کتب فقہ)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] اگر تراویح کی دو رکعت پر سلام پھیرے بغیر کھڑا ہو جائے؟

۱۵۷۰- سوال: تراویح کی نماز میں امام دو رکعت ادا کر کے تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا اور چوتھی رکعت بھی ادا کی اور اخیر میں سجدۂ سہو کیا، تو میرے علم کے مطابق پہلی دو رکعت تراویح کی ہوگی اور بعد کی دو رکعت نفل، کیا یہ صحیح ہے؟

---

[۱] والصحيح أن وقتها ما بعد العشاء إلى طلوع الفجر قبل الوتر وبعده، حتى لو تبين أن العشاء صلاها بلا طهارة دون التراويح والوتر، أعاد التراويح مع العشاء دون الوتر؛ لأنها تبع للعشاء هذا عند أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - فإن الوتر غير تابع للعشاء في الوقت عنده، والتقديم إنما وجب لأجل الترتيب وذلك يسقط بعذر النسيان فيصح إذا أدى قبل العشاء بالنسيان بخلاف التراويح فإن وقتها بعد أداء العشاء فلا يعتد بما أدي قبل العشاء. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۱۵، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، ط: دار الفكر)

(ووقتها بعد صلاة العشاء) إلى الفجر (قبل الوتر وبعده) في الأصح، فلو فاته بعضها وقام الإمام إلى الوتر أوتر معه ثم صلى ما فاته. (الدر المختار) ——— قال ابن عابدين: (قوله بعد صلاة العشاء) قدر لفظ صلاة إشارة إلى أن المراد بالعشاء الصلاة لا وقتها، وإلى ما في النهر من أن المراد ما بعد الخروج منها حتى لو بنى التراويح عليها لا يصح، وهو الأصح. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۳، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل، ط: دار الفكر☆ مجمع الأنهر: ۱/ ۱۳۶، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، ط: دار إحياء التراث العربي☆ البحر الرائق: ۲/ ۷۱، كتاب الصلاة، صلاة التراويح، ط: دار الكتاب الإسلامي)

الجواب حامداومصلیا:

آپ کا سمجھنا صحیح ہے، دو رکعت تراویح اور دو نفل ہوگی۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] شبینہ ثابت نہیں

۱۵۷۱- سوال: بعض جگہوں پر رمضان المبارک میں شبینہ تراویح ہوتی ہے، یعنی ایک شب کی تراویح میں پورا قرآن پڑھا جاتا ہے، یہ صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

علماء، مشائخ اور اولیاء سے ثابت نہیں ہے۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) فلو فعلها بتسليمة، فإن قعد لكل شفع صحت بكراهة وإلا نابت عن شفع واحد به يفتى. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله به يفتى) لم أر من صرح بهذا اللفظ هنا، وإنما صرح به في النهر عن الزاهدي فيما لو صلى أربعا بتسليمة وقعدة واحدة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۵، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الفكر ☆ مجمع الأنهر: ۱/ ۱۳۶، كتاب الصلاة، فصل في التراويح، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۱۸، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، ط: دار الفكر ☆ فتاوی دار العلوم دیوبند: ۴/ ۲۶۲، مسائل تراویح، ط: دار العلوم-دیوبند)

(۲) (ويترك الدعوات) ويجتنب المنكرات هذرمة القراءة، وترك تعوذ وتسمية، وطمأنينة، وتسبيح، واستراحة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۴۷، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، ط: دار الفكر-بيروت)

سوال: ایک زمانہ میں ایک شب میں چند آدمی مل کر قرآن شریف ختم کرتے ہیں جس کا نام شبینہ رکھا ہے اور اس میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں آیا یہ فعل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا کسی صحابیؓ نے یا کسی امامؒ نے کیا ہے یا نہیں اور ایک شب میں قرآن شریف ختم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۲۵۱ عبد الجبار (دہلی) ۲۴ رمضان ۱۳۵۵ھ ۹ دسمبر ۱۹۳۶ء

جواب: ایک رات میں قرآن شریف ختم کرنا اس شخص کے لئے جائز ہے جو خود اپنے ذوق وشوق سے پڑھے اور اس کے دل میں اول سے آخر تک کوئی وسوسہ بے رغبتی کا نہ آوے لیکن شبینہ کا یہ رواج جو عام طور پر مساجد میں کیا جاتا ہے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں تھا' نہ صحابہ کرامؓ کے زمانے میں' نہ مجتہدین سلفؒ سے یہ منقول کہ انہوں نے عام طور پر جماعت کے ساتھ ایک رات میں قرآن مجید ختم کرنے کا امر فرمایا ہو یا خود شبینہ کیا ہو اور تجربہ شاہد ہے کہ ان شبینوں میں بہت سے مکروہات و محرمات کا ارتکاب ہوتا ہے، ان وجوہ کی بناء پر شبینہ مروجہ کوئی اچھی اور ثواب کی بات نہیں ہے؛ بل کہ بسا اوقات کرنے والے مواخذہ دار ہی ہو جاتے ہیں۔ واللہ الموفق۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ

(کفایت المفتی: ۳/ ۴۰۲، کتاب الصلاۃ، نماز تراویح، مروجہ شبینہ کا حکم، ط: زکریا-دیوبند)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے کتاب الفتاوی: ۲/ ۴۰۶، نماز سے متعلق سوالات، نماز تراویح کا بیان، یک شبی اور سہ شبینہ۔

عن الحسن، أن ابن عباس خطب بالبصرة فقال: أدوا زكاة صومكم، فجعل الناس ينظر بعضهم إلى بعض، فقال: من هاهنا من أهل المدينة، قوموا إلى إخوانكم فعلموهم فإنهم لا يعلمون، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم فرض صدقة الفطر على الصغير والكبير، والحر والعبد، والذكر والأنثى، نصف صاع من بر، أو صاعا من تمر أو شعير. (المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي-أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳ھ): ۱۹۰/۳، رقم الحديث: ۱۵۸۰، كتاب صلاة العيدين، حث الإمام على الصدقة في الخطبة، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية-حلب)

متفرقات الصوم

[روزہ کے متفرق مسائل]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

متفرقات الصوم

[روزہ کے متفرق مسائل]

[۱] نماز اور روزوں کا فدیہ

۱۵۷۲-سوال: ایک شخص کے ذمہ ۱۹ رمہینہ کی (۳۴۲۰) نمازیں اور ایک مہینے کے روزے باقی ہیں، تو ان کا کتنا فدیہ دینا چاہیے؟

الجواب حامداومصلیا:

روزانہ کی پانچ نماز اور ایک وتر کی نماز اس طرح کل چھ نمازوں کا فدیہ دینا ہوگا اور روزوں کا بھی یہی فدیہ ہے کہ ہر روزے کے بدلے ایک فدیہ دینا ہوگا۔ (درمختار)[1]

---

[۱] (يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر) كالفطرة (وكذا حكم الوتر) والصوم. (الدر المختار) ــــ قال ابن عابدين: (قوله نصف صاع من بر) أي أو من دقيقه أو سويقه، أو صاع تمر أو زبيب أو شعير أو قيمته، وهي أفضل عندنا لإسراعها بسد حاجة الفقير إمداد. ثم إن نصف الصاع ربع مد دمشقي من غير تكويم، بل قدر مسحه. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۷۲-۷۳، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصلاة عن الميت، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق مع حاشية ابن عابدين المعروف بـ 'منحة الخالق': ۲/۹۸، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، فصل: سجود السهو في مطلق الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۱۲۵، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، ط: دار الفكر - بيروت)

ایک فدیہ میں اتنے گیہوں دیے جائیں، جتنے صدقہ فطر میں دیے جاتے ہیں؛ لہٰذا ایک فدیہ میں ایک کلو، سات سو چھیاسٹھ گرام (۱رکلواور ۷۶۶ گرام) [۲] گیہوں دے دے۔ گیہوں کی مذکورہ قیمت دے یا خود گیہوں دے، دونوں جائز ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] رمضان المبارک کا ٹائم ٹیبل چھپوانا

۱۵۷۳- سوال: آج کل بہت سے لوگ یا بہت سے تاجر رمضان المبارک کا ٹائم ٹیبل (Time Table) چھپوا کر اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کے لیے تقسیم کرتے ہیں، جس میں مسنون دعائیں لکھی ہوتی ہیں، لوگ ادھر اُدھر اسے پھینک دیتے ہیں، جس سے اس کی بڑی بے ادبی ہوتی ہے، اس لیے دریافت یہ کرنا ہے کہ رمضان المبارک کا ٹائم ٹیبل چھپوانا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

ایصال ثواب کی غرض سے ایسے ٹائم ٹیبل چھپوانا جائز؛ بل کہ بہتر ہے، البتہ شہرت اور نام ونمود سے اجتناب کرنا چاہیے۔

کوئی بھی ٹائم ٹیبل ہو، اگر اس میں قرآنی آیات واحادیث ہوں، تو اس کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھنا

---

(۲) عن الحسن، أن ابن عباس خطب بالبصرة فقال: أدوا زكاة صومكم، فجعل الناس ينظر بعضهم إلى بعض، فقال: من هاهنا من أهل المدينة، قوموا إلى إخوانكم فعلموهم فإنهم لا يعلمون، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم فرض صدقة الفطر على الصغير والكبير، والحر والعبد، والذكر والأنثى، نصف صاع من بر، أو صاعا من تمر أو شعير.
(المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي - أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳ھ): ۳/۱۹۰، رقم الحديث: ۱۵۸۰، كتاب صلاة العيدين، حث الإمام على الصدقة في الخطبة، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب)

(نصف صاع) فاعل يجب (من بر أو دقيقه أو سويقه أو زبيب)... (أو صاع تمر أو شعير) ولو رديئا. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۶۴، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر، ط: دار الفكر - بيروت)

ایک صاع = ۳۱۴۹۲۸۰ء۳ (تین کلو ایک سو انچاس گرام، دو سو اسی ملی گرام) ہوتا ہے، تو نصف صاع ۱۵۷۴ء۶۴۰ (ایک کلو پانچ سو چہتر گرام، چھ سو چالیس ملی گرام) ہوگا۔ (دیکھیے: الاوزان المحمودۃ، ص: ۱۰۵، ط: دار الکتاب - دیوبند☆ امداد الاوزان، ص: ۱۹، ط: ہرسولی - مظفر نگر)

ضروری ہے، جو بے ادبی کرے گا، وبال اس کے سر ہوگا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] رمضان میں حیض روکنے والی دواؤں کا استعمال

۱۵۷۴- سوال: آج کل ایک ایسی دوا ایجاد ہوئی ہے کہ اگر عورت اس کا استعمال کرے، تو اس کا حیض رک جاتا ہے، عورتیں اس دوا کو رمضان المبارک میں اس مقصد سے بہ کثرت استعمال کرتی ہیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ رمضان کی خیر و برکت حاصل کریں اور کثرت سے عبادت کر سکیں اور روزہ قضاء نہ ہو۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا ایسی دوا کا استعمال کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

اگر اس دوا سے کسی خطرناک بیماری کے پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو، اسی طرح یہ دوا حیض کو دائمی طور پر بند نہ کرتی ہو، تو بہ قدر ضرورت اس کا استعمال جائز ہے اور رمضان میں روزے فوت نہ ہو جائیں اور زیادہ سے زیادہ عبادت کا موقع ملے، اس نیت سے ایسی دوا کا استعمال کرنا جائز ہے؛ بل کہ آج کے دور میں چوں کہ بہت سی عورتیں رمضان کے روزوں کی قضاء کرنے میں سستی سے کام لیتی ہیں؛ اس لیے ایسی خواتین کے لیے بہتر ہے کہ رمضان المبارک میں اس دوا کا استعمال کر لے، تاکہ روزے قضاء نہ ہوں۔[2]

---

(۱) عن عمر بن عبد العزيز، أن النبي صلى الله عليه وسلم مر على كتاب على الأرض فقال: لفتى معه: ما هذا؟ قال: بسم الله قال: لعن الله من فعل هذا، ولا تضعوا اسم الله إلا في موضعه. قال: فرأيت عمر بن عبد العزيز رأى ابنا له كتب ذكر الله في الحائط فضربه. (المراسيل-أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي السِجِستاني (م: ۲۷۵ھ)، ص: ۳۴۲، رقم الحديث: ۴۹۹، باب في الكتاب ملقى في الطريق، ت: شعيب الأرناؤوط، ت: مؤسسة الرسالة-بيروت)

ولو كتب القرآن على الحيطان والجدران بعضهم قالوا: يرجى أن يجوز، وبعضهم كرهوا ذلك مخافة السقوط تحت أقدام الناس، كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۲۳، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف وما كتب فيه شيء من القرآن، ط: دار الفكر)

(۲) حیض ایسی چیز نہیں کہ اس کا جاری رہنا ضروری ہو، جس طرح مطلقہ عورت -جس کا حیض رک گیا ہو- اپنی عدت پوری کرنے کے لیے علاج کرا سکتی ہے، اور ایسی دوا استعمال کر سکتی ہے، جس سے حیض جاری ہو جائے، اسی طرح مصلحت کی بناء پر عارضی طور پر اس کو روکنے کے لیے بھی دوا استعمال کر سکتی ہے، اس میں عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے، ہاں حیض کا جاری ہونا قانون فطرت ہے، جس کے خلاف کرنے سے نقصان ہو سکتا ہے؛ اس لیے زیادہ دنوں تک حیض کو مصنوعی طور پر روکنا صحت پر منفی اثر ڈالے گا، جس سے احتیاط لازم ہے۔ =

اگر ایسی دوا کے استعمال سے حمل ٹھہرنے میں تاخیر ہوتی ہو، تو اس کو استعمال کرنے سے پہلے عورت کو اپنے شوہر سے اجازت لے لینی چاہیے، بغیر اجازت کے اس کا استعمال نہ کرے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] رمضان اور حج کے دنوں میں مانع حیض دوا کا استعمال

۱۵۷۵- سوال: عورتوں کے لیے حیض کا آنا قانون فطرت ہے، اس کو ایسی دوا سے روکنا، جس کی گرمی سے بیماری پیدا ہونے کا اندیشہ ہو اور اس بیماری کی وجہ سے عبادت میں زیادہ خلل پیدا ہونے کا خوف ہو اور اس کے مقابلہ میں اگر عورت اس دوا کا استعمال نہ کرے، تو حیض کی مدت میں عبادت میں زیادہ خلل نہ آئے، تو کیا ایسی دوا کا استعمال کرنا جائز ہے، جس سے وقتی طور پر حیض نہ آئے؟

الجواب حامداومصلیا:

اگر اس دواء سے کوئی بیماری ہوتی ہو یا پھر حمل کی صلاحیت بالکل ہی ختم ہو جاتی ہو، تو اس کا استعمال جائز نہیں، ہاں اگر رمضان المبارک کے روزوں میں کوئی خاص خلل نہیں ہوتا ہے، تو اس دواء کا استعمال کرنا

= مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم رقم طراز ہیں:

سنا ہے کہ بعض خواتین رمضان المبارک کے روزے مکمل کرنے کے لئے میڈیکل گولیاں کھالیتی ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے؟

جواب: خواتین کو ماہواری کا آنا قانون فطرت کے مطابق ہے، اور اسے مصنوعی طریقہ پر روکنا غیر فطری امر ہے، اور جو چیزیں فطرت کے عام اصول کے خلاف کی جاتی ہیں، وہ عام طور پر صحت کے لیے نقصان دہ ہوتی ہیں، اس لیے اس سے احتراز کرنا چاہئے، اور بعد میں روزہ کی قضا کر لینی چاہئے، عورتیں چوں کہ اس معاملہ میں معذور ہیں، اس لیے امید ہے کہ رمضان کے بعد روزہ رکھنے کا ان کو اسی قدر ثواب ہوگا جو رمضان میں رکھنے کا ہوتا ہے، بلکہ ممکن ہے کہ وہ زیادہ اجر کی مستحق ہوں، کیوں کہ رمضان المبارک کے ماحول میں سبھوں کے ساتھ مل کر روزہ رکھنا آسان ہوتا ہے، اور عام دنوں میں تنہا روزہ رکھنا نسبتاً دشوار، اور جو کام اللہ کے حکم سے ادا کیا جائے اور اس میں زیادہ مشقت ہو، اس میں زیادہ اجر و ثواب کی توقع ہے۔

تاہم اگر کوئی عورت ماہواری شروع ہونے سے پہلے ہی سے دواء کا استعمال شروع کر دے اور خون جاری ہی نہ ہو، تو اس نے جن دنوں روزہ رکھا ہے، وہ درست ہو جائے گا، اگر خون شروع ہو چکا اور پھر اس نے دوا کھا کر خون کو روک لیا، تو میرا خیال ہے کہ اس دن سے اس کے معمول کے ایام تک، اور کوئی عادت مقرر نہ ہو، تو تین دنوں تک جو حیض کی کم سے کم مدت ہے، وہ حائضہ ہی تصور کی جائے گی اور ان دنوں کا روزہ درست نہیں ہوگا، نیز اس کی قضا واجب ہوگی: "والحائض إذا احبست الدم عن الورد لایخرج من أن یکون حائضا بخلاف صاحب الجرح". (خلاصۃ الفتاوی،: ۱/ ۲۳۱، کتاب الحیض) [کتاب الفتاویٰ: ۳/ ۴۲۱، کتاب الصوم، روزہ، مختلف مسائل، روزہ کے لیے مانع حیض ادویہ کا استعمال، ط: نعیمیہ-دیوبند]

جائز ہے؛ کیوں کہ اس کے استعمال سے روزوں پر کوئی اثر نہیں ہوگا، جیسا کہ حج کے موقع پر طواف زیارت کا وقت چلا جائے اور گھر واپس آنے کی تاریخ تک پاکی حاصل نہ ہو، تو ایسی دوا کا استعمال کر لینا بہتر ہوگا اور رمضان کی اصل فرض عبادت روزہ ہے، وہ ادا ہو جائے اور دوسری کوئی نفل عبادتوں میں کچھ خلل واقع ہو جائے تو حرج نہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] ماہِ رمضان میں حیض کو بند رکھنے کے لیے دوا کا استعمال

۱۵۷۶-سوال: ہمارے یہاں سعودی (ریاض) میں بعض عورتیں رمضان میں اپنے حیض کو روکنے کے لیے کچھ گولیاں کھا لیتی ہیں، تا کہ حیض نہ آئے اور رمضان کے روزوں کی قضا نہ کرنی پڑے، تو اِس باب میں حکمِ شرعی کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

عارضی طور پر حیض بند کرنے کے لیے اگر کوئی دوا استعمال کی جائے اور اُس سے تولد کی قوت پر کوئی اثر نہ ہوتا ہو، تو جائز ہے، بل کہ رمضان المبارک کے مہینے میں وقتی طور پر حیض بند کرنے کے لیے استعمال کر لے، تو بہتر ہے؛ اِس لیے کہ رمضان کے روزوں کی قضا دوسرے دِنوں میں عورتوں کو بڑی مشکل معلوم ہوتی ہے، یہاں تک کہ بعض عورتیں تو قضا ہی نہیں کرتیں، البتہ اگر اِس قسم کی کسی دوائی سے تولد کی قوت ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو، تو اُس کا استعمال جائز نہیں ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) تفصیل وتخریج کے لیے سوال سابق کی جانب رجوع کریں۔
(۲) تخریج وتفصیل گذر چکی۔

عن عائشة رضي الله عنها - زوج النبي صلى الله عليه وسلم -: أن النبي صلى الله عليه وسلم، كان يعتكف العشر الأواخر من رمضان حتى توفاه الله، ثم اعتكف أزواجه من بعده. (صحيح البخاري:۱/۲۷۱، رقم الحديث: ۲۰۲۶، كتاب الاعتكاف، باب الاعتكاف في العشر الأواخر، والاعتكاف في المساجد كلها، ط: ديوبند☆الصحيح لمسلم:۱/۳۷۱،رقم الحديث:۵-(۱۱۷۲)، كتاب الاعتكاف،باب اعتكاف العشر الأواخر من رمضان،ط:ديوبند)

باب الاعتكاف

[اعتکاف کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب الاعتکاف

[اعتکاف کا بیان]

[۱] اعتکاف کی تعریف

۱۵۷۷- سوال: اعتکاف کسے کہتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعتکاف کا لغوی معنیٰ ''رکنا'' ہے۔

اور اصطلاح شرع میں اعتکاف کہتے ہیں، ایسی مسجد میں اللہ کے لیے، عبادت کی نیت سے رکنا، جہاں پنج وقتہ نماز ہوتی ہو۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) وهو في اللغة الإقامة على الشيء، ولزومه، وحبس النفس عليه، ومنه قوله تعالى {ما هذه التماثيل التي أنتم لها عاكفون} [الأنبياء:۵۲] وقوله تعالى {يعكفون على أصنام لهم} [الأعراف:۱۳۸] وفي الشريعة: هو الإقامة في المسجد واللبث فيه، مع الصوم والنية، قال الله تعالى {أن طهرا بيتي للطائفين والعاكفين} [البقرة:۱۲۵] والمعنى اللغوي فيه موجود مع زيادة وصف. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق- عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م:۷۴۳ھ):۱/۳۴۷، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة☆مراقي الفلاح، ص: ۲۶۴، باب الاعتكاف، ط: المكتبة العصرية☆درر الحكام شرح غرر الأحكام- محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا- أو منلا أو المولى- خسرو (م:۸۸۵ھ):۱/۲۱۲، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار إحياء الكتب العربية☆رد المحتار على الدر المختار:۲/۴۴۰، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الفكر -بيروت☆الفتاوى الهندية:۱/۲۱۰، الباب السابع في الاعتكاف، ط: دار الفكر)

[۲] اعتکاف کہاں کرنا بہتر ہے؟

۱۵۷۸- سوال: اعتکاف اپنے گاؤں میں اور اپنے محلے کی مسجد میں کرنا بہتر ہے یا گاؤں سے دس بارہ کیلومیٹر دور جا کر کرنا بہتر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری عشرے کا اعتکاف کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول رہا ہے؛ اس لیے رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف کیا جائے اور یہ سنت کفایہ ہے۔(۱)

---

(۱) عن عائشة رضي الله عنها- زوج النبي صلى الله عليه وسلم -: أن النبي صلى الله عليه وسلم، كان يعتكف العشر الأواخر من رمضان حتى توفاه الله، ثم اعتكف أزواجه من بعده. (صحيح البخاري:۲۷۱/۱، رقم الحديث:۲۰۲۶، كتاب الاعتكاف، باب الاعتكاف في العشر الأواخر، والاعتكاف في المساجد كلها، ط: ديوبند☆الصحيح لمسلم:۳۷۱/۱، رقم الحديث:۵-(۱۱۷۲)، كتاب الاعتكاف، باب اعتكاف العشر الأواخر من رمضان، ط: ديوبند)

(وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان) أي سنة كفاية كما في البرهان وغيره لاقترانها بعدم الإنكار على من لم يفعله من الصحابة. (الدر المختار)——— قال ابن عابدين: (قوله أي سنة كفاية) نظيرها إقامة التراويح بالجماعة فإذا قام بها البعض سقط الطلب عن الباقين فلم يأثموا بالمواظبة على ترك بلا عذر، ولو كان سنة عين لأثموا بترك السنة المؤكدة إثما دون إثم ترك الواجب كما مر بيانه في كتاب الطهارة. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۴۲/۲، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الفكر-بيروت)

سنت مؤکدہ علی الکفایہ کو اگر تمام افراد ترک کردیں، تو سب ترک سنت کے گنہ گار ہوں گے؛ اس لیے اگر کوئی محلے کی مسجد میں اعتکاف کرنے والا نہ ہو، تو محلے کی مسجد میں ہی اعتکاف کرنا چاہیے:

(قوله والجماعة فيها سنة على الكفاية إلخ) أفاد أن أصل التراويح سنة عين، فلو تركها واحد كره، بخلاف صلاتها بالجماعة فإنها سنة كفاية، فلو تركها الكل أساءوا؛ أما لو تخلف عنها رجل من أفراد الناس وصلى في بيته فقد ترك الفضيلة، وإن صلى أحد في البيت بالجماعة لم ينالوا فضل جماعة المسجد وهكذا في المكتوبات كما في المنية وهل المراد أنها سنة كفاية لأهل كل مسجد من البلدة أو مسجد واحد منها أو من المحلة؟ ظاهر كلام الشارح الأول. واستظهر ط الثاني. ويظهر لي الثالث، لقول المنية: حتى لو ترك أهل محلة كلهم الجماعة فقد تركوا السنة وأساءوا. اهـ.

وظاهر كلامهم هنا أن المسنون كفاية إقامتها بالجماعة في المسجد، حتى لو أقاموها جماعة في بيوتهم ولم تقم في المسجد أثم الكل، وما قدمناه عن المنية فهو في حق البعض المختلف عنها. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۵/۲، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، مطلب في القادر بقدرة غيره)

انسان پر اپنے گاؤں اور محلے کا حق ہوتا ہے؛ اس لیے اگر کوئی گاؤں یا محلے کی مسجد میں اعتکاف کرنے والا نہ ہو، تو وہ اپنی مسجد میں اعتکاف کرے، تاکہ پورا گاؤں ایک سنت کے چھوڑنے کے گناہ سے بچ جائے؛ ہاں! اگر اپنے گاؤں کی مسجد میں اعتکاف کرنے والے دوسرے حضرات موجود ہوں اور دس بارہ کیلو میٹر کی دوری پر کوئی اللہ کا نیک بندہ ہو، اور اس کی صحبت سے فائدہ پہنچنے کی امید بھی ہو، تو دور جا کر اعتکاف کرنے کا ثواب ملے گا اور اللہ کے نیک بندے کی صحبت حاصل کرنے کی نیت سے جانے میں ثواب میں مزید اضافہ ہوگا؛ اللہ کے نیک بندے کی صحبت بہتر ہے سو سالہ بے ریا عبادت کے مقابلے میں، صحبت اولیاء بہ از عبادت صد سالہ بے ریا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] اعتکاف کی حالت میں مسجد کے اوٹلے پر بیٹھ کر کھانا کھانا

۱۵۷۹- سوال: میں نے ایسا سنا ہے کہ بشری تقاضے یعنی پیشاب پائخانے کے لیے معتکف مسجد سے باہر جا سکتا ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا کھانا مسجد کے اوٹلے (☆☆☆) پر بیٹھ کر کھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصليا:

مسجد کا صحن اگر مسجد کی شرعی حدود میں داخل نہیں ہے، تو [صحن میں بنے ہوئے] اوٹلے پر بلا ضرورت نکلنے سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا، مسجد کے اندر کھانا کھانے کی اجازت ہے، اس لیے صحن میں بنے ہوئے اوٹلے پر [اگر صحن مسجد شرعی کی حد میں نہ ہو] کھانا کھانے سے اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔(۱)

(☆☆☆) مسجد کے صحن میں دیوار سے لگ کر بیٹھنے کے لیے بنائی گئی "نشست گاہ" کو گجراتی زبان میں "اوٹلا" کہتے ہیں، راقم سطور نے رویدرا (ضلع بھروچ) کی مسجد میں اس مقصد سے بنائی گئی نشست گاہ کو دیکھا ہے، جو مسجد میں داخل ہوتے وقت، بائیں جانب کی دیوار سے متصل ہے۔

(۱) (وأما مفسداته) فمنها الخروج من المسجد فلا يخرج المعتكف من معتكفه ليلا و نهارا إلا بعذر، وإن خرج من غير عذر ساعة فسد اعتكافه في قول أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - كذا في المحيط. سواء كان الخروج عامدا أو ناسيا هكذا في فتاوى قاضي خان. . . . ـــــــــــ (ومن الأعذار الخروج للغائط و البول، وأداء الجمعة) فإذا خرج لبول أو غائط لا بأس بأن يدخل بيته ويرجع إلى المسجد كما فرغ من الوضوء، ولو مكث في بيته فسد اعتكافه، وإن كان ساعة عند أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - كذا في المحيط . . . ـــــــــــ وإن كان خرج لحاجة الإنسان له أن يمشي على التؤدة كذا في النهاية، وهكذا في العناية. ـــــــ وأما الأكل والشرب =

پیشاب پاخانہ کی مثال دینا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ مسجد میں پیشاب پاخانے کی نہ اجازت ہے اور نہ وہاں کوئی جگہ ہوتی ہے؛ نیز اندر پیشاب کرنے سے مسجد کی بے حرمتی ہوگی؛ لیکن کھانا کھانے سے مسجد کی بے حرمتی لازم نہیں آئے گی؛ اس لیے جن چیزوں کا کھانا جائز ہے، وہ مسجد میں کھائے اور جن کی ممانعت ہے، اس سے اجتناب کرے؛ مثلاً: پیاز، لہسن اور دوسری بدبودار چیزیں مسجد میں نہ کھائے۔(۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] مسنون اعتکاف میں غسل جنابت کے علاوہ کوئی اور غسل کرنا

۱۵۸۰- سوال: رمضان شریف کے سنت اعتکاف میں غسل جنابت (جو کہ ضروری ہے) کے علاوہ کوئی اور غسل کرنے میں کیا کوئی حرج ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعتکاف کی حالت میں فرض غسل کے علاوہ ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے یا جمعہ کے مسنون غسل

=والنوم فيكون في معتكفه؛ لأنه يمكنه قضاء هذه الحاجة في المسجد فلا ضرورة في الخروج كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية:۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، ط: دار الفكر - بيروت ☆ مجمع الأنهر:۱/۲۵۷، كتاب الصوم، الصوم شرط في الاعتكاف الواجب، ط: دار إحياء التراث العربي☆ رد المحتار على الدر المختار:۲/۴۴۴، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الفكر)

(۲) عن جابر - رضي الله تعالى عنه - قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم، عن أكل البصل والكراث. فغلبتنا الحاجة، فأكلنا منها، فقال: من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تأذى، مما يتأذى منه الإنس. (الصحيح لمسلم:۱/۲۰۹، رقم الحديث:۷۲-(۵۶۴)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب نهي من أكل ثوما أو بصلا أو كراثا أو نحوها، ط: ديوبند☆ وانظر صحيح البخاري:۱/۱۱۸، رقم الحديث: ۸۵۳ تا ۸۵۶، كتاب الأذان، باب ما جاء في الثوم النيء والبصل والكراث، ط: ديوبند)

وأكل نحو ثوم، ويمنع منه. (الدر المختار) ———— قال ابن عابدين: (قوله وأكل نحو ثوم) أي كبصل ونحوه مما له رائحة كريهة للحديث الصحيح في النهي عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد. قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري قلت: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين ولا يختص بمسجده - عليه الصلاة والسلام -، بل الكل سواء لرواية مساجدنا بالجمع، خلافا لمن شذ ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ما له رائحة كريهة مأكولا أو غيره، وإنما خص الثوم هنا بالذكر وفي غيره أيضا بالبصل والكراث لكثرة أكلهم لها. (رد المحتار على الدر المختار:۱/۶۶۱، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد، ط: دار الفكر)

کے لیے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہو جائے گا، البتہ کوئی پیشاب پاخانہ کی نیت سے نکلا اور غسل کے لیے پانی تیار تھا اور اس نے غسل کر لیا، تو جائز ہے، مستقلاً غسل کی نیت سے نکلنا جائز نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] معتکف کے لیے غسل جنابت کے علاوہ دوسرا غسل کرنے کا حکم

۱۵۸۱- سوال: دس روز یا ایک مہینے کے سنت مؤکدہ یا واجب یا نفل اعتکاف میں معتکف جنابت کے غسل کے علاوہ دوسرا کوئی غسل [غسل مسنون یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل] کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر جنابت کے غسل کے علاوہ دوسرا کوئی غسل نہیں کر سکتا، تو اس میں شریعت کی کون سی مصلحت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

معتکف کے لیے غسل جنابت کے علاوہ دوسرا کوئی غسل کرنا جائز نہیں، غسل کی نیت سے باہر نکلے گا، تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا؛ البتہ اگر کوئی شخص مستحب یا سنت غسل کرنا چاہتا ہے، تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ سب سے پہلے وہ اپنے کسی دوست یا ملازم کے ذریعہ غسل خانے میں پانی اور غسل کی تمام لوازمات رکھوا دے، اس کے بعد وہ حوائج بشریہ (پیشاب و پاخانہ) سے فارغ ہو جائے، پھر غسل کر لے؛ البتہ پیشاب پاخانے کا محض بہانہ بنانا جائز نہیں۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) فتاویٰ فلاحیہ کی دوسری جلد، ص: ۸۷ میں "الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۴۳۵-۴۳۴، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، ط: زکریا، دیوبند☆ "الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۱۲، کتاب الصوم، الباب السابع في الاعتکاف، ط: زکریا- دیوبند" اور البحر الرائق: ۲/ ۵۲۷، کتاب الصوم، باب الاعتکاف" کے حوالے سے تفصیلی تخریج گذر چکی ہے۔

نیز وہاں اشعۃ اللمعات، کتاب المسائل اور احسن الفتاویٰ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک "غسل-خواہ مسنون ہو یا واجب- کے لیے مسجد سے نکلنا، اعتکاف کو فاسد نہیں کرتا"۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: فتاویٰ فلاحیہ: ۲/ ۸۷، کتاب الطہارت، اعتکاف کی حالت میں غسلِ جمعہ کا حکم۔

(۲) فتاویٰ فلاحیہ کی دوسری جلد، ص: ۸۷ دیکھیں۔

نوٹ: سوال میں غسل مسنون وغیرہ کے عدم جواز کی مصلحت دریافت کی گئی ہے، اس سلسلے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی درج ذیل تحریر سے رہنمائی ملتی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

لفظ اعتکاف عکف سے نکلا ہے، جس کے معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں، چوں کہ معتکف جب کہ روزہ دار بھی ہو تمام حوائجِ دنیویہ و اغراضِ نفسانیہ سے اپنے کو بہ قصدِ عبادتِ الٰہی مسجد میں روک کر کے، اس کے در پر اپنے کو گرا دیتا ہے، اس لیے اس فعل کا نام اعتکاف ہوا اور وہ مسنون بھی ہے۔ چناں چہ بروایت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ "ابن ماجہ" میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے عشرۂ اخیر=

[۶] مسجد سے متصل غسل خانے میں غسل جنابت کے علاوہ دوسرا غسل کرنا

۱۵۸۲- سوال: ہماری مسجد میں ایک دروازہ ہے، پہلے جوتے وچپل نکالنے کی جگہ ہے، اس کے بعد تھوڑی کھلی جگہ ہے، اس جگہ کو پہلے ذمے داران نے مسجد میں شامل کرنے کا ارادہ کیا تھا، اس جگہ کے ساتھ پانی کی ٹنکی اور وضو کے لیے نل ہے، اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا غسل خانہ بھی ہے، پھر طہارت خانہ، تو اس غسل خانہ میں جنابت کے غسل کے علاوہ دوسرا کوئی غسل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

جب غسل خانہ مسجد میں شامل نہیں ہے، تو اس میں بھی معتکف کا سنت یا نفل غسل کرنے کے لیے نکلنا جائز نہیں۔ (1) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] غسل کے عادی یا کھجلی والے معتکف کے لیے غسلِ غیر واجب کا حکم

۱۵۸۳- سوال: معتکف روزانہ یا دو چار دن میں غسل کرنے کا عادی ہے، اس کے بدن سے پسینے کی بدبو پھوٹ رہی ہو اور بدن میں کھجلی ہو رہی ہو، تو وہ مسجد کے غسل خانے میں غسل کر سکتا ہے یا نہیں؟

= میں اعتکاف میں بیٹھا کرتے تھے۔

پس روزہ عاشقانہ رنگ میں ایک تصویری زبان کی دعا والحاح ہے اور اعتکاف عاشق کا دروازۂ معشوق پر اپنے آپ کو بحالتِ تضرع وزاری پیش کرنا ہے، گویا معتکف اپنے آپ کو درگاہِ الٰہی میں ایسا مقید کرتا ہے جیسا کہ ایک الحاح کنندہ سائل کسی کے دروازہ پر معتکف ہو جاتا ہے اور اپنی حاجت و مراد حاصل ہوئے بغیر نہیں ہٹتا، یا یہ کہ عاشق زار کی طرح اپنے معشوق کے دروازے پر بھوکا پیاسا بن کر اور دنیا کی تمام حوائج واغراض سے فارغ ولا ابالی ہو کر محض جلوۂ محبوب ومعشوق کے لیے اس کے دروازے پر معتکف ہو جاتا ہے اور جب تک اس کا معشوق اس کو اپنا منہ نہ دکھائے اس کے در سے نہیں ہٹتا اور اس کے شوق میں ساری لذات کو چھوڑ کر اس کے در پر آ کر سر رکھ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اعتکاف خانۂ خدا یعنی مسجد کے بغیر کہیں جائز نہیں، کیوں کہ عاشق طالب دیدار کو اپنے معشوق کے دروازے ہی پر گرنا چاہیے اور یہی وجہ ہے کہ بحالت اعتکاف معتکف کو رات میں بھی اپنی عورت سے مباشرت کرنی جائز نہیں، کیوں کہ صادق عاشق کو ان باتوں کا کہاں خیال رہتا ہے۔ اور یہ کہ ماہِ رمضان کے عشرۂ آخری میں لیلۃ القدر کا ظہور روایات میں مذکور ہے، وہ ایسی ہی تجلی ہے جس کا اصلی ظہور ایسے ہی عاشق پر ہوتا ہے۔ (احکام اسلام عقل کی نظر میں: ۲/۱۰۹، کتاب الصوم، ماہِ رمضان کے عشرۂ اخیر میں مسجد کے اندر معتکف ہونے کی وجہ، ط: مکتبہ عمر فاروق- کراچی)

(۱) تقدم تخریجہ وتفصیلہ.

اور اگر مسجد میں غسل خانہ نہ ہو تو وہ اپنے گھر جا کر غسل کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

غسل جنابت کے علاوہ کسی دوسرے غسل کے لیے مستقلاً نہ نکلے، پہلے غسل خانہ میں غسل کے سارے لوازمات کا انتظام کروالے، اور جب بشری تقاضے کی تکمیل کے لیے جائے، تو ضمناً غسل کر لے، اس پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ معتکف کی پریشانی دور ہو جائے گی۔(۱)

اگر مسجد میں غسل خانہ نہیں ہے، تو جنابت کے غسل کے لیے گھر جائے؛(۲) لیکن غسل مسنون و مباح کے لیے گھر جانا جائز نہیں، جب وضوخانہ میں کوئی موجود نہ ہو، اس وقت بشری تقاضے کی تکمیل کے بعد وہیں غسل کر لے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] مسجد کے اندر بدن پر گیلے کپڑے پھیرنا

۱۵۸۴- سوال: جماعت خانہ میں معتکف ایک ڈول میں گرم پانی لے لے، اور اس میں کپڑے بھگو کر اپنے بدن پر پھیرے، تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

گنجائش تو ہے، بہتر نہیں؛(۳) حیلہ کر کے غسل کر لے، اس طریقہ کو اپنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) تخریج و تفصیل گذر چکی ہے۔

(۲) (وحرم عليه) أي على المعتكف اعتكافا واجبا... (الخروج إلا لحاجة الإنسان) طبيعية كبول وغائط وغسل لو احتلم ولا يمكنه الاغتسال في المسجد كذا في النهر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۴۴۵-۴۴۴، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الفكر)

ثم إن أمكنه الاغتسال في المسجد من غير أن يتلوث المسجد فلا بأس به، وإلا فيخرج ويغتسل ويعود إلى المسجد. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۱۳، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، ط: زكريا- ديوبند☆رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۴۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الفكر☆بدائع الصنائع: ۲/۱۱۶، كتاب الاعتكاف، ركن الاعتكاف، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆تبيين الحقائق: ۱/۳۵۱، كتاب الصوم، اعتكاف المرأة، ط: المطبعة الكبرى الأميرية- بولاق)

(۳) کہ اس میں تلویث مسجد کا اندیشہ ہے اور اس عمل کی کوئی ضرورت نہیں، غسل کرنے کا عادی ہو، تو اپنے کسی خادم کے ذریعے غسل خانے میں غسل کے لوازمات کا انتظام کرالے، اور جب بشری تقاضہ ہو، تو اس سے فراغت کے بعد ضمناً غسل کر لے، ان شاء اللہ اعتکاف پر کوئی منفی اثر نہیں پڑے گا۔ (تفصیل و تخریج کے لیے گذرے ہوئے سوالات دیکھیں) [مجتبیٰ حسن قاسمی]

[۹] مسجد کی بالائی منزل میں اعتکاف

۱۵۸۵- سوال: ہمارے گاؤں کی مسجد کی بالائی منزل کی تعمیر کا کام جاری ہے، ان شاء اللہ رمضان المبارک تک اس کی تکمیل ہوجائے گی، دریافت یہ کرنا ہے کہ رمضان میں بالا خانہ میں اعتکاف کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ مسجد میں اور بالا خانہ کے اجر وثواب میں فرق ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً

مسجد کے تہ خانہ سے لے کر عرش تک کا تمام حصہ مسجد کے حکم میں ہے؛ اس لیے اگر کوئی شخص تہ خانہ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے، یا تنہائی حاصل کرنے کے لیے مسجد کے بالا خانہ میں اعتکاف کرے، تو اس کا اعتکاف صحیح ہے، تہہ خانہ ہو یا بالا خانہ؛ دونوں کے اعتکاف کا ثواب برابر ملے گا، اگر مسجد کے تہ خانہ میں صف پوری ہو کر بالا خانہ میں بھی صفیں ہوتی ہوں، تو بالا خانہ ہی میں نماز پڑھے تاکہ بغیر ضرورت کے مسجد سے نکلنا لازم نہ آئے؛ اس لیے کہ بالا خانہ سے اترنے کا زینہ مسجد سے باہر ہوتا ہے، ہاں اگر زینہ اندرون مسجد ہو، تو ہر حال میں نیچے کی منزل میں آکر جماعت میں شرکت کی جا سکتی ہے۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] بہ حالتِ اعتکاف بیوی کو بلا کر مسجد میں بات کرنا

۱۵۸۶- سوال: اعتکاف میں جماعت خانہ سے باہر، صحن میں یا وضو خانہ میں اپنی بیوی کو بلا سکتے ہیں؟ اس سے اعتکاف میں کوئی نقصان تو نہ ہوگا، یا اعتکاف ٹوٹ جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعی یا طبعی ضرورت کے بغیر معتکف کا اپنی اعتکاف کی جگہ سے باہر نکلنا جائز نہیں، ضرورت کے بغیر نکلے گا، تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ [۲]

---

(۱) (و) كره تحريما (الوطء فوقه، والبول والتغوط) لأنه مسجد إلى عنان السماء. (الدر المختار) ـــــ وقال ابن عابدين: (قوله إلى عنان السماء) بفتح العين، وكذا إلى تحت الثرى كما في البيري عن الإسبيجابي. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۶۵۶، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في أحكام المسجد، ط: دار الفكر)

(۲) (وحرم عليه) أي على المعتكف اعتكافا واجبا... (الخروج إلا لحاجة الإنسان) طبيعية كبول وغائط وغسل لو احتلم ولا يمكنه الاغتسال في المسجد، كذا في النهر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳/۴۳۵-۴۳۴، كتاب الصوم، باب=

بیوی کو- جب کہ وہ پاک ہو؛ حیض یا نفاس کی حالت میں نہ ہو- مسجد میں بلانا اور اس سے بات کرنا جائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ اعتکاف کی حالت میں بات کی ہے۔ (مشکل الآثار، حدیث: ۴۱۰۰)[1]

=الاعتکاف، ط: زکریا- دیوبند☆ مزید دیکھیے: الفتاوی الهندية: ۱/ ۲۱۲، کتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، ط: زكريا- ديوبند ☆البحر الرائق: ۲/ ۵۲۷، کتاب الصوم، باب الاعتكاف)

"فإن خرج ساعة بلا عذر" معتبر "فسد الواجب". (مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح-حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹ھ) ص: ۲۶۶، باب الاعتكاف، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

[1] عن عائشة قالت: قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: ناوليني الخمرة من المسجد، قالت فقلت: إني حائض، فقال: إن حيضتك ليست في يدك. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۱۴۳، رقم الحديث: ۱۱-(۲۹۸)، كتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها وترجيله وطهارة سؤرها والاتكاء في حجرها وقراءة القرآن فيه، ط: ديوبند)

وقولها: "من المسجد"، قال القاضي عياض -رحمه الله تعالى- معناه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لها ذلك من المسجد، أي وهو في المسجد، لتناوله إياها من خارج المسجد، لا أن النبي صلى الله عليه وسلم أمرها أن تخرجها له من المسجد ؛لأنه صلى الله عليه وسلم كان في المسجد معتكفا، وكانت عائشة في حجرتها وهي حائض؛ لقوله صلى الله عليه وسلم: إن حيضتك ليست في يدك، فإنما خافت من إدخال يدها المسجد، ولو كان أمرها بدخول المسجد لم يكن لتخصيص اليد معنى، والله أعلم. (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، المعروف بـ 'حاشية النووي على مسلم'- أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ۶۷۶ھ): ۳/ ۲۱۰، كتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها وترجيله... الخ، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

قوله: "من المسجد" متعلق بقوله: "قال" لا بقوله: "ناوليني"، ولا "بالخمرة"، والمعنى: أنه- عليه السلام- قال ذلك لها وهو في المسجد لتناوله إياها من خارج المسجد، لا أن النبي- عليه السلام- أمرها أن تخرجها له من المسجد، لأنه- عليه السلام- كان في المسجد معتكفاً، وكانت عائشة في حجرتها وهي حائض. (شرح سنن أبي داود- بدر الدين العيني (م: ۸۵۵ھ): ۲/ ۲۱، كتاب الطهارة، باب: الحائض تناول شيئاً لمن كان في المسجد، ت: أبو المنذر خالد بن إبراهيم المصري، ط: مكتبة الرشد- الرياض)

واضح رہے کہ "من المسجد" "قال" سے متعلق ہے، یہ بات بعض علماء کی ہے، ورنہ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ "ناولینی" سے متعلق ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: عون المعبود شرح سنن أبي داود- محمد أشرف بن أمير بن علي بن حيدر، أبو عبد الرحمن، شرف الحق، الصديقي، العظيم آبادي (م: ۱۳۲۹ھ): ۱/ ۳۰۴، باب الحائض تناول أي تأخذ شيئا، ط: دار الكتب العلمية- بيروت.

وأما التكلم بما لا مأثم فيه فلقوله تعالى {يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وقولوا قولا سديدا} [الأحزاب: ۷۰] قيل في بعض وجوه التأويل: أي صدقا وصوابا لا كذبا ولا فحشا.

وقد روي أن رسول الله- صلى الله عليه وسلم- كان يتحدث مع أصحابه ونسائه- رضي الله عنهم- وهو معتكف=

معتکف جب بشری تقاضہ [پیشاب و پاخانہ] کے لیے نکلے، تو اس وقت بھی چلتے چلتے بات کر سکتا ہے۔ (بدائع)[۱] لیکن مختصر وقت میں بات پوری نہ ہو، تو عورت کو مسجد میں یا مسجد کی کھڑکی پر بلا کر بات کر لی جائے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] اعتکاف کی حالت میں گھر سے کھانا لے کر آنے والے سے بات کرنا

۱۵۸۷- سوال: اعتکاف کی حالت میں کھانا گھر سے مزدور لے کر آتا ہے، تو کیا اس کے ساتھ بیٹھ کر دنیوی باتیں کر سکتے ہیں؟

الجواب حامدا و مصلیا:

دنیوی کاموں میں سے ضروری کام؛ مثلاً: کاشت کار کے لیے کاشت کے سلسلے کی ضروری باتیں اور تاجر کے لیے تجارت کے متعلق ضروری ہدایات دینے کی گنجائش ہے، بلا وجہ، وقت گذاری کے لیے باتیں نہ کی جائیں۔(۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= في المسجد. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع-علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م:۵۸۷ھ): ۲/۱۱۷، كتاب الاعتكاف، فصل ركن الاعتكاف، ط: دار الكتب العلمية)

ولا يتكلم بما فيه إثم، فإن النبي -صلى الله عليه وسلم- كان يتحدث مع الناس في اعتكافه. (الفتاوى التاتارخانية: ۳/۴۴۸، كتاب الصوم، الفصل: الاعتكاف، ط: زكريا-ديوبند)

[۱] وما روي عن النبي -صلى الله عليه وسلم- من الرخصة في عيادة المريض وصلاة الجنازة، فقد قال أبو يوسف: ذلك محمول عندنا على الاعتكاف الذي يتطوع به من غير إيجاب فله أن يخرج متى شاء ويجوز أن تحمل الرخصة على ما إذا كان خرج المعتكف لوجه مباح كحاجة الإنسان أو للجمعة، ثم عاد مريضا أو صلى على جنازة من غير أن كان خروجه لذلك قصدا و ذلك جائز. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۲/۱۱۴، كتاب الاعتكاف، فصل ركن الاعتكاف)

(۲) وأكل المعتكف وشربه ونومه وعقده البيع لما يحتاجه لنفسه أو عياله في المسجد، وكره إحضار المبيع فيه وكره عقد ما كان للتجارة. (مراقي الفلاح، ص: ۲۶۶، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: المكتبة العصرية ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۴۴۸، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الفكر-بيروت)

وأما التكلم بما لا مأثم فيه فلقوله تعالى {يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وقولوا قولا سديدا} [الأحزاب: ۷۰] قيل في بعض وجوه التأويل: أي صدقا وصوابا لا كذبا ولا فحشا.

وقد روي أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- كان يتحدث مع أصحابه ونسائه -رضي الله عنهم- وهو معتكف في المسجد. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع-علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ): ۲/۱۱۷، =

[۱۲] اعتکاف کی حالت میں بیڑی پینے کے لیے مسجد سے باہر نکلنا

۱۵۸۸- سوال: بعض لوگ اعتکاف کی حالت میں بلاضرورت باہر نکلتے ہیں؛ مثلاً: بیڑی پینے کے لیے مستقل طور پر دس منٹ باہر ضائع کر دیتے ہیں، باہر بیٹھ کر باتیں کرتے رہتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداو مصليا:

معتکف اپنی شرعی اور طبعی ضروریات کے بغیر اگر تھوڑی دیر کے لیے بھی مسجد سے باہر نکلے گا، تو اس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔(۱)

شرعی ضرورت سے مراد جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے لیے جامع مسجد جانا ہے، جب کہ طبعی ضروریات درج ذیل ہیں: پیشاب و پاخانہ کے لیے جانا، البتہ ضرورت پوری ہونے کے بعد فوراً مسجد میں واپس آ جائے۔

اس لیے اگر کوئی محض بیڑی پینے کے لیے مسجد سے باہر نکلے گا، تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔(۲)

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= كتاب الاعتكاف، فصل ركن الاعتكاف، ط: دار الكتب العلمية)

ولا يتكلم بما فيه إثم، فإن النبي - صلى الله عليه وسلم - كان يتحدث مع الناس في اعتكافه. (الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۴۲۸، كتاب الصوم، الفصل: الاعتكاف، ط: زكريا - ديوبند)

(۱) (وأما مفسداته) فمنها الخروج من المسجد فلا يخرج المعتكف من معتكفه ليلا ونهارا إلا بعذر، وإن خرج من غير عذر ساعة فسد اعتكافه في قول أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - كذا في المحيط. سواء كان الخروج عامدا أو ناسيا هكذا في فتاوى قاضي خان....

(ومن الأعذار الخروج للغائط والبول، وأداء الجمعة) فإذا خرج لبول أو غائط لا بأس بأن يدخل بيته ويرجع إلى المسجد كما فرغ من الوضوء، ولو مكث في بيته فسد اعتكافه، وإن كان ساعة عند أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، ط: زكريا - ديوبند ☆ البحر الرائق: ۲/ ۵۲۷، كتاب الصوم، باب الاعتكاف ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۴۳۴-۴۳۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: زكريا)

"فإن خرج ساعة بلا عذر" معتبر "فسد الواجب". (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح - حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹ھ)، ص: ۲۶۶، باب الاعتكاف، ت: نعيم زرزور، ط: المكتبة العصرية)

(۲) عن جابر - رضي الله عنه - قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم، عن أكل البصل والكراث، فغلبتنا الحاجة، فأكلنا منها، فقال: من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تأذى، مما يتأذى منه الإنس. (متفق عليه، اللفظ لمسلم: ۱/ ۲۰۹، رقم الحديث: ۷۲- (۵۶۳-۵۶۶)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب نهي من أكل ثوما أو بصلا أو كراثا أو نحوها، ط: ديوبند ☆ وانظر صحيح البخاري: ۱/ ۱۱۸، رقم الحديث: ۸۵۳ تا ۸۵۶، كتاب الأذان، باب ما جاء في الثوم النيء والبصل والكراث، ط: ديوبند) =

[۱۳] معتکف کا بیڑی وسگریٹ پینے کے لیے مسجد سے باہر جانا

۱۵۸۹- سوال: معتکف بیڑی اور سگریٹ پینے کا عادی ہے، وہ اپنی اس عادت کو پورا کرنے کے لیے مسجد سے باہر جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

محض بیڑی وسگریٹ پینے کی نیت سے نکلنے کی وجہ سے اس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا، بشری تقاضے کے لیے جائے، تو اپنی اس عادت کو پورا کرلے۔[۱] (لیکن اعتکاف کی حالت میں عادت سے مغلوب ہو کر سگریٹ پینا، اعتکاف کی روح کے منافی ہے، جو معتکف کو زیب نہیں دیتا) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] کھانے کے لیے جماعت خانے سے باہر جانا

۱۵۹۰- سوال: اعتکاف کی حالت میں کھانا کھانے کے لیے جماعت خانے سے باہر جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

معتکف کے لیے لازم ہے کہ وہ مسجد میں کھائے پیئے، مسجد ہی میں افطار کرے، مسجد سے باہر اگر وہ

= وأكل نحو ثوم، ويمنع منه. (الدر المختار)ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله وأكل نحو ثوم) أي كبصل ونحوه مماله رائحة كريهة للحديث الصحيح في النهي عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد. قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري قلت: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين ولا يختص بمسجده - عليه الصلاة والسلام -، بل الكل سواء لرواية مساجدنا بالجمع، خلافا لمن شذ ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة مأكولا أو غيره، وإنما خص الثوم هنا بالذكر وفي غيره أيضا بالبصل والكراث لكثرة أكلهم لها، وكذلك ألحق بعضهم بذلك من بفيه بخر أو به جرح له رائحة. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/۶۶۱، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، فروع أفضل المساجد، ط: دار الفكر)

صرف بیڑی وسگریٹ پینے کے لیے مسجد سے باہر نکلنا درست نہیں ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: فتاویٰ حقانیہ: ۴/ ۲۰۴ اور فتاوی دار العلوم: ۶/ ۵۰۵) البتہ کسی شرعی یا طبعی ضرورت سے نکلے اور راستے میں بیڑی وغیرہ کا ستعال کرلے، وضوء اور مسواک وغیرہ سے منہ خوب صاف کرلے، بدبودار منہ لے کر مسجد میں نہ آئے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/ ۲۴۷-۲۴۶، معتکف کا بیڑی وسگریٹ پینا، ط: مکتبہ شیخ الاسلام- دیوبند)

[۱] تفصیل وتخریج کے لیے سوال سابق کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

افطار کرے گا، یا کھانا کھانے کے لیے نکلے گا، تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا، ہاں مسجد کا صحن اور اس کا برآمدہ اگر مسجد میں داخل ہے، تو اس میں آنے سے اعتکاف نہیں ٹوٹے گا اور اگر صحن و برآمدہ، مسجد میں داخل نہیں ہے، تو وہاں آنا مفسدِ اعتکاف ہوگا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] اعتکاف کی حالت میں ملازمین کو کام سپرد کرنا

۱۵۹۱- سوال: بعض لوگ اعتکاف کی حالت میں اپنے نوکروں اور ملازمین کو بلا کر جماعت خانے سے باہر ان کو سارے کام سپرد کرتے ہیں؛ حالاں کہ ان کے گھروں پر کھیتی باڑی کا کام کاج سنبھالنے والے دوسرے افراد بھی ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کی کھڑکی اور دروازے پر کھڑے ہو کر رشتے دار و متعلقین اور عزیز واقارب سے ضروری باتیں کرنا، اور اپنے ملازمین اور نوکروں کو ہدایات جاری کرنا جائز ہے، اس سے اعتکاف پر کوئی حرج

---

(۱) عن عائشة -رضي الله عنها- قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم، إذا اعتكف، يدني إلي رأسه فأرجله، وكان لا يدخل البيت إلا لحاجة الإنسان. (الصحيح لمسلم: ۱/۱۴۲، رقم الحديث: ۶-(۲۹۷)، كتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها وترجيله، ط: ديوبند ☆ سنن أبي داود: ۱/۳۳۴، رقم الحديث: ۲۴۶۷، كتاب الصوم، باب المعتكف يدخل البيت لحاجته، ط: ديوبند)

عن عائشة، أنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا اعتكف، يدني إلي رأسه فأرجله، وكان لا يدخل البيت إلا لحاجة الإنسان، قال محمد: وبهذا نأخذ، لا يخرج الرجل إذا اعتكف إلا للغائط، أو البول، وأما الطعام، والشراب فيكون في معتكفه، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله. (موطأ مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني- مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (م: ۱۷۹هـ) المعروف بـ 'موطأ الإمام محمد': ۱/۱۳۱، رقم الحديث: ۳۷۷، أبواب الصيام، باب: الاعتكاف، ت: عبد الوهاب عبد اللطيف، ط: المكتبة العلمية)

اگر معتکف کے گھر سے کوئی کھانا لانے والا نہ ہو، تو اجازت ہے کہ معتکف جا کر کھالے، کہ یہ بھی حوائج ضروریہ میں داخل ہے:

(قوله: وأكله وشربه ونومه ومبايعته فيه) يعني يفعل المعتكف هذه الأشياء في المسجد فإن خرج لأجلها بطل اعتكافه، لأنه لا ضرورة إلى الخروج حيث جازت فيه... وقيل يخرج بعد الغروب وللأكل والشرب. اهـ. وينبغي حمله على ما إذا لم يجد من يأتي له به فحينئذ يكون من الحوائج الضرورية كالبول والغائط. (البحر الرائق: ۲/۳۲۶، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ مراقي الفلاح، ص: ۲۶۶، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: المكتبة العصرية)

لازم نہیں آئے گا۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] اعتکاف کی حالت میں گھر سے گرم پانی منگوا کر غسل جنابت کرنا

۱۵۹۲- سوال: بعض لوگ غسل جنابت کے لیے مستقل طور پر گھر سے گرم پانی منگواتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ کیا اعتکاف میں اس قسم کے تکلف کی اجازت ہے؟

کیا غسل جمعہ کے لیے اس کی اجازت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ٹھنڈے پانی کا استعمال نقصان دہ ہو، تو غسل جنابت کے لیے گھر سے گرم پانی منگوانا جائز ہے۔[2]

اگر کوئی شخص جمعہ کے غسل کے لیے مسجد سے باہر نکلے، تو اس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا؛ البتہ ایسا کرسکتا ہے کہ گرم پانی کا غسل خانہ میں انتظام کرکے، پیشاب و پاخانہ کی ضرورت کے لیے مسجد سے باہر جائے اور فراغت کے بعد بہ عجلت ممکنہ جمعہ کا غسل کرلے۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن علي بن الحسين، أن صفية بنت حيي زوج النبي صلی الله عليه وسلم، أخبرته: أنها جاءت رسول الله صلى الله عليه وسلم تزوره، وهو معتكف في المسجد، في العشر الغوابر من رمضان، فتحدثت عنده ساعة من العشاء، ثم قامت تنقلب، فقام معها النبي صلى الله عليه وسلم يقلبها، . . . الحديث. (صحيح البخاري: ۹۱۸/۲، رقم الحديث: ۶۲۱۹، كتاب الأدب، باب التكبير والتسبيح عند التعجب، ط: ديوبند)

قوله: "وأما التكلم بغير خير فلايجوز لغير المعتكف" أي فالمعتكف أولى ورد في الحديث رحم الله أمر أتكلم فغنم أو سكت فسلم فيكره التكلم إلا بخير قال في النهر والظاهر أن المباح عند الحاجة إليه خير لا عند عدمها اهـ. (حاشية الطحطاوي على المراقي، ص: ۷۰۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆الدر المختار مع رد المحتار: ۴۵۰/۲، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الفكر- بيروت☆ البحر الرائق: ۳۲۷/۲، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۲) غسل میں گرم پانی کا استعمال امر مباح ہے؛ بل کہ میت کے لیے افضل ہے، خواہ اس کے بدن پر میل کچیل ہو یا نہ ہو، اس لیے گھر سے گرم پانی منگوانے میں حرج کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

(۳) ''اعتکاف کی حالت میں بیڑی پینے کے لیے مسجد سے باہر نکلنا'' کا حاشیہ نمبر (۱) ملاحظہ فرمائیں۔

فتاویٰ فلاحیہ کی دوسری جلد، ص: ۸۷ میں ''الدر المختار مع رد المحتار: ۴۳۵/۳-۴۳۴، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، ط: زکریا، دیوبند☆ ''الفتاوی الھندیۃ: ۲۱۲/۱، کتاب الصوم، الباب السابع في الاعتکاف، ط: زکریا- دیوبند'' اور البحر الرائق: ۵۲۷/۲، کتاب الصوم، باب الاعتکاف'' کے حوالے سے تفصیلی تخریج گذر چکی ہے۔ نیز وہاں اشعۃ اللمعات، کتاب المسائل اور احسن الفتاویٰ کے=

[۱۷] اعتکاف کی حالت میں مسجد میں حجام کو بلوا کر بال کٹوانا

۱۵۹۳- سوال: بعض لوگ اعتکاف کی حالت میں حجام (نائی) کو بلوا کر اپنے بال کٹواتے ہیں ،کیا اعتکاف کی حالت میں ایسا کرنے سے اعتکاف صحیح ہوگا؟ اور اگر اعتکاف صحیح نہ ہوتا ہو، تو اس کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اور اس کے احکام کیا ہیں؟

الجواب حامدا ومصلیا:

مسجد کی صفائی کا خیال رکھتے ہوئے نماز کے اوقات کے علاوہ میں اگر بال بنوائے، تو جائز ہے۔ (۱)

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] بہ حالتِ اعتکاف جماعت خانہ سے باہر باتیں کرنا

۱۵۹۴- سوال: ہماری مسجد میں دو تین آدمی اعتکاف میں بیٹھے ہیں، یہ لوگ جماعت خانہ سے باہر کھانے کے لیے بیٹھتے ہیں، تو دنیوی باتوں میں مشغول ہوتے ہیں، یا وضوء کرنے یا باہر بیڑی پینے کے لیے جاتے ہیں تو اپنے خدام اور ملازمین کو کام سپرد کرتے ہیں، تو اعتکاف میں باتیں کرنا یا کام سپرد کرنا کیسا ہے؟

= حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک ''غسل-خواہ مسنون ہو یا واجب- کے لیے مسجد سے نکلنا، اعتکاف کو فاسد نہیں کرتا''۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: فتاویٰ فلاحیہ: ۲/ ۸۷، کتاب الطہارت، اعتکاف کی حالت میں غسلِ جمعہ کا حکم۔

(۱) قوله: "وأكل المعتكف الخ" وله غسل رأسه في المسجد إذا لم يلوثه بالماء المستعمل فإن كان بحيث يتلوث يمنع منه، لأن تنظيف المسجد واجب... بخلاف غير المعتكف فإنه يكره له التوضؤ في المسجد ولو في إناء إلا أن يكون في موضع أعد لذلك لا يصلي فيه وفي الفتح خصال لا تنبغي في المسجد لا يتخذ طريقا ولا يشهر فيه سلاح ولا يقبض فيه بقوس ولا ينثر فيه نبل ولا يمر فيه بلحم نيء ولا يضرب فيه حد ولا يتخذ سوقا رواه ابن ماجه في السنن عنه صلى الله عليه وسلم. (حاشية الطحطاوي على المراقي، ص: ۷۰۳، كتاب الصلاة، باب الاعتكاف، ت: عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۴۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الفكر-بيروت)

مفتی رشید احمد لدھیانویؒ رقم فرماتے ہیں:

اپنی حجامت خود بنانا جائز ہے، حجام سے بنوانے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ بدون عوض کام کرتا ہے، تو مسجد کے اندر جائز ہے، اور اگر بالعوض ہے، تو معتکف مسجد کے اندر رہے، مگر حجام مسجد سے باہر بیٹھ کر حجامت بنائے، مسجد کے اندر اجرت سے کام کرنا جائز نہیں۔ (احسن الفتاویٰ: ۴/ ۵۱۶، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، ط: دار الاشاعت، دھلی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

معتکف بلاضرورت دینی یا دنیوی غرض سے مسجد سے باہر نکلے گا تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا، کھانے کے لیے باہر جائے یا بیڑی پینے کے لیے مسجد سے باہر ایک دو منٹ کے لیے بھی نکلے، تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا، اِسی طرح مزدور اور خدام کو مسجد سے باہر جا کر حکم کرے گا، تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔[1]

البتہ مسجد میں بیٹھ کر کھانا جائز ہے، اس کے لیے باہر نہ نکلے۔[۲]

وضوء یا پیشاب و پاخانہ کے لیے معتکف باہر نکلے اور کچھ باتیں خدام کو بتادے، تو جائز ہے۔ اِسی طرح مسلمان مزدوروں کو مسجد میں بلا کر ضروری باتیں بتادے یا غیر مسلم مزدور و ملازم کو مسجد سے باہر کھڑا کر کے، خود مسجد میں رہ کر حکم دے، تو اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (وأما مفسداته) فمنها الخروج من المسجد فلا يخرج المعتكف من معتكفه ليلا و نهارا إلا بعذر، وإن خرج من غير عذر ساعة فسد اعتكافه في قول أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - كذا في المحيط. سواء كان الخروج عامدا أو ناسيا هكذا في فتاوى قاضي خان....

(ومن الأعذار الخروج للغائط والبول، وأداء الجمعة) فإذا خرج لبول أو غائط لا بأس بأن يدخل بيته ويرجع إلى المسجد كما فرغ من الوضوء، ولو مكث في بيته فسد اعتكافه، وإن كان ساعة عند أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، ط: زكريا- ديوبند ☆ البحر الرائق: ۲/ ۵۲۷، كتاب الصوم، باب الاعتكاف ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۴۳۵-۴۳۴، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: زكريا)

(۲) عن عائشة، أنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا اعتكف، يدني إلي رأسه فأرجله، وكان لا يدخل البيت إلا لحاجة الإنسان، قال محمد: وبهذا نأخذ، لا يخرج الرجل إذا اعتكف إلا للغائط، أو البول، وأما الطعام، والشراب فيكون في معتكفه، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله. (موطأ مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني- مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (م: ۱۷۹ هـ) المعروف بـ'موطأ الإمام محمد': ۱/ ۱۳۱، رقم الحديث: ۳۷۷، أبواب الصيام، باب: الاعتكاف، ت: عبد الوهاب عبد اللطيف، ط: المكتبة العلمية)

وأما الأكل والشرب والنوم فيكون في معتكفه، لأنه يمكنه قضاء هذه الحاجة في المسجد فلا ضرورة في الخروج كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، ط: دار الفكر- بيروت ☆ البحر الرائق: ۲/ ۳۲۶، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۴۴، ط: دار الفكر)

(۳) قوله: "وأما التكلم بغير خير فلا يجوز لغير المعتكف" أي فالمعتكف أولى ورد في الحديث رحم الله أمر أتكلم فغنم أو سكت فسلم فيكره التكلم إلا بخير قال في النهر والظاهر أن المباح عند الحاجة إليه خير لا عند عدمها اهـ. (حاشية الطحطاوي على المراقي، ص: ۷۰۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ الدر المختار مع رد=

[۱۹] معتکف کا بال کٹوانے کے لیے مسجد کے چبوترے پر جانا

۱۵۹۵- سوال: معتکف حالت اعتکاف میں مسجد کے چبوترے پر جاکر بال کٹوا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر چبوترہ مسجد کی شرعی حدود میں داخل ہے اور معتکف اس چبوترے والے حصے میں بیٹھا ہوا ہے، اور سر باہر نکال کر بال کٹوا رہا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جائز ہے؛ البتہ بال کٹوانے کے لیے مسجد سے باہر نکلنا جائز نہیں۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] نابالغ اور اعتکاف

۱۵۹۶- سوال: نابالغ بچوں کا اعتکاف میں بیٹھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ نابالغ بچہ مسجد کا احترام برقرار رکھ سکے اور اس کے مسجد میں اعتکاف کرنے سے کسی قسم کے کوئی فتنے کا اندیشہ نہ ہو، تو جائز ہے۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=المحتار: ۲/ ۴۵۰، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الفكر- بيروت☆ البحر الرائق: ۲/ ۳۲۷، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الكتاب الإسلامي)

وقد روي أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - كان يتحدث مع أصحابه ونسائه - رضي الله عنهم - وهو معتكف في المسجد. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ): ۲/ ۱۱۷، كتاب الاعتكاف، فصل ركن الاعتكاف، ط: دار الكتب العلمية)

لو خرج لحاجة الإنسان، ثم ذهب لعيادة المريض أو لصلاة الجنازة من غير أن يكون لذلك قصد، جاز. (البحر الرائق: ۲/ ۳۲۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الكتاب الإسلامي☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۴۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الفكر☆ بدائع الصنائع: ۲/ ۱۱۴، كتاب الصوم، فصل ركن الاعتكاف، ط: دار الكتب العلمية)

(۱) سابق سوال کا حاشیہ ملاحظہ کریں۔

(۲) وأما البلوغ: فليس بشرط لصحة الاعتكاف فيصح من الصبي العاقل؛ لأنه من أهل العبادة، كما يصح منه صوم التطوع. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ): ۲/ ۱۰۸، كتاب الاعتكاف، فصل شرائط صحة الاعتكاف، ط: دار الكتب العلمية☆ البحر الرائق: ۲/ ۳۲۲، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الكتاب الإسلامي☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، ط: دار الفكر☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۴۰، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الفكر) =

[۲۱] بلاضرورت، معتکف کا مسجد سے باہر نکل جانے کا شرعی حکم

۱۵۹۷- سوال: اعتکاف کی حالت میں اگر کوئی شخص بھول کر، مسجد سے باہر نکل جائے، تو کیا اس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا؟ اگر اس کا اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے، تو اس پر کتنے دن کے اعتکاف کی قضا واجب ہوگی، دس دنوں کی یا صرف ایک ہی دن کی؟

مولوی محمد حسن اوگھرادار

الجواب حامداو مصلیا:

اعتکاف کی حالت آدمی کے لیے مذکّر ہے، یعنی اس کو یاددلانے والی ہے کہ تم اعتکاف کی حالت میں ہو، لہٰذا معتکف اگر شرعی اور طبعی ضرورت کے بغیر تھوڑی دیر کے لیے بھی مسجد سے باہر نکل جائے، تو اس کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔[1]

صرف ایک ہی دن کے اعتکاف کی قضا واجب ہوگی، نہ کہ دس دن کی۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] معتکف کا اپنے کسی رشتہ دار و متعلق کے جنازے میں حاضر ہونا

۱۵۹۸- سوال: معتکف کے کسی قریبی رشتہ دار بالخصوص اس کے والدین میں سے کسی کا یا ان

= مسجد کا احترام واجب ہے، اسی وجہ سے حضرت مفتی صاحب نے بچہ کے لیے مسجد میں جوازِ اعتکاف کی یہ شرط بیان کی ہے کہ وہ مسجد کے احترام کو ملحوظ رکھے، مذکورہ بالا عبارت کے لفظ "من الصبي العاقل" سے بھی اسے سمجھا جاسکتا ہے۔[مجتبیٰ حسن قاسمی]

(۱) (وأما مفسداته) فمنها الخروج من المسجد فلا يخرج المعتكف من معتكفه ليلا و نهارا إلا بعذر، وإن خرج من غير عذر ساعة فسد اعتكافه في قول أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - كذا في المحيط. سواء كان الخروج عامدا أو ناسيا هكذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، ط: زكريا- ديوبند ☆ البحر الرائق: ۲/ ۵۲۷، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۴۳۵-۴۳۴، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: زكريا)

(۲) ... وعلى كل فيظهر من بحث ابن الهمام لزوم الاعتكاف المسنون بالشروع وإن لزوم قضاء جميعه أو باقيه مخرج على قول أبي يوسف أما على قول غيره فيقضي اليوم الذي أفسده لاستقلال كل يوم بنفسه. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۴۵-۴۴۴، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الفكر- بيروت)

وفي الظهيرية: عن أبي حنيفة - رحمه الله - أنه يلزمه يوما. (الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۴۴۷، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: زكريا- ديوبند)

کے علاوہ کسی دوسرے قریبی تعلق رکھنے والے کا انتقال ہوجائے، تو وہ اس کے مکان پر میت کے پاس جا کر بیٹھ سکتا ہے یا نہیں؟ نیز اس کی نمازِ جنازہ میں شرکت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] معتکف کا اذان دینا

۱۵۹۹- سوال: معتکف اذان دے سکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) عن عائشة - رضي الله عنها - قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم يمر بالمريض، وهو معتكف، فيمر كما هو، ولا يعرج يسأل عنه. (سنن أبي داود: ۱/۳۳۵، رقم الحديث: ۲۴۷۲، كتاب الصوم، باب المعتكف يعود المريض، ط: ديوبند☆و انظر: سنن ابن ماجه، ص: ۱۲۷، رقم الحديث: ۱۷۷۶، ۱۷۷۷، كتاب الصيام، باب في المعتكف يعود المريض، ويشهد الجنائز، ط: البدر- ديوبند)

وعند الأئمة الأربعة إذا خرج لقضاء الحاجة واتفق له عيادة المريض والصلاة على الميت فلم ينحرف عن الطريق، ولم يقف أكثر من قدر الصلاة لم يبطل الاعتكاف، وإلا بطل. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح- علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۴/۱۴۵۰، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الفكر)

قوله: "بلا عذر معتبر" أي في عدم الفساد فلو خرج لجنازة محرمة أو زوجته فسد لأنه وإن كان عذرا إلا أنه لم يعتبر في عدم الفساد. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح-أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱هـ)، ص: ۷۰۳، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

ولو خرج لجنازة يفسد اعتكافه، وكذا لصلاتها. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۱۳، كتاب الصوم، مسائل في الاعتكاف، ط: دار الفكر ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۴۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الفكر- بيروت)

مفتی رشید احمدؒ رقم طراز ہیں:

البتہ قضائے حاجت جیسی ضرورت کے لیے نکلنے پر دیکھا کہ راستے ہی میں نماز جنازہ شروع ہورہی ہے، تو اس میں شریک ہوسکتا ہے، نماز سے قبل انتظار اور نماز کے بعد وہاں ٹھہرنا جائز نہیں، اسی طرح قضائے حاجت کے لیے اپنے راستے پر چلتے چلتے، عیادت کرسکتا ہے، عیادت اور نماز جنازہ کے لیے راستے سے کسی جانب مڑنا یا ٹھہرنا جائز نہیں ہے۔ (احسن الفتاوی: ۴/۵۰۹، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، معتکف کا نماز جنازہ یا عیادت کے لیے نکلنا، ط: دار الاشاعت- دہلی)

ويجوز أن تحمل الرخصة على ما إذا كان خرج المعتكف لوجه مباح كحاجة الإنسان أو للجمعة، ثم عاد مريضا أو صلى على جنازة من غير أن كان خروجه لذلك قصدا وذلك جائز. (بدائع الصنائع: ۲/۱۱۴، كتاب الاعتكاف، فصل ركن الاعتكاف، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆ البحر الرائق: ۲/۳۲۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف)

الجواب حامداً و مصلیاً:

معتکف مسجد سے باہر نکلے گا، تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا؛ البتہ اس کے لیے مسجد کے کسی گوشہ سے یا مسجد کے زینے سے-جب کہ زینہ مسجد کی شرعی حدود میں داخل ہو-چھت پر چڑھ کر اذان دینا جائز ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۴] بیماری کی وجہ سے اعتکاف کی حالت میں چار پائی پر سونا

۱۶۰۰-سوال: ایک شخص نے اعتکاف کیا، پھر وہ بیمار ہو گیا اور سونے کے لیے مسجد میں چار پائی لے گیا، تو اس کے لیے اعتکاف کی حالت میں چار پائی پر سونا جائز ہے یا نہیں؟

مولوی عبد اللہ جھانجھی

الجواب حامداً و مصلیاً:

اعتکاف کا معنیٰ ہے: اللہ کے لیے اس کے گھر میں رکنا، رمضان المبارک کے آخری دس روز کا اعتکاف سنت مؤکدہ ہے؛ اس لیے سونے کے لیے بستر وغیرہ لے جانا جائز ہے اور ضرورت ہو، تو چار پائی بھی

---

(۱) معتکف کے لیے بہ ہر صورت (خواہ مسجد کا زینہ مسجد کی شرعی حد سے باہر ہو یا اندر، اور وہ باضابطہ مؤذن ہو یا نہ ہو) اذان دینے کے لیے مسجد سے باہر نکلنا جائز ہے، اس سے اعتکاف پر کوئی منفی اثر نہیں پڑے گا، فتویٰ اسی پر ہے، البتہ حضرت مفتی صاحبؒ نے جو قید لگائی ہے، کہ مسجد کے گوشے سے اذان دے یا چھت پر چڑھ کر اذان دے، تو اس کا خیال رکھے کہ زینہ مسجد کی شرعی حد سے باہر نہ ہو، وہ احتیاط پر مبنی ہے، اور ایک قول یہی ہے، ذیل کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

ولو صعد المئذنة لم يفسد اعتكافه بلا خلاف وإن كان باب المئذنة خارج المسجد. (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۱۵، كتاب الاعتكاف، فصل ركن الاعتكاف، ط: دار الكتب العلمية)

(وحرم عليه)... (الخروج إلا لحاجة الإنسان) طبيعية كبول وغائط وغسل لو احتلم ولا يمكنه الاغتسال في المسجد كذا في النهر (أو) شرعية كعيد وأذان لو مؤذنا وباب المنارة خارج المسجد. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله لو مؤذنا) هذا قول ضعيف، والصحيح أنه لا فرق بين المؤذن وغيره كما في البحر والإمداد ح (قوله وباب المنارة خارج المسجد) أما إذا كان داخله فكذلك بالأولى قال في البحر: وصعود المئذنة إن كان بابها في المسجد لا يفسد وإلا فكذلك في ظاهر الرواية اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۴۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الفكر☆المحيط البرهاني: ۲/ ۴۰۶، كتاب الصوم، الفصل الثاني عشر في الاعتكاف، ت: عبد الكريم الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت☆البحر الرائق: ۲/ ۳۲۶، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الكتاب الإسلامي)

لے جانا اور اس پر سونا بھی جائز ہے؛ البتہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو اور صفوں میں خلل نہ ہو، اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] اعتکاف کی حالت میں اخبار کا مطالعہ

۱۲۰۱- سوال: اعتکاف کی حالت میں جماعت خانے میں ''ٹائمس آف انڈیا''، ''گجرات متر'' اور ''الجمعیۃ'' وغیرہ اخبار پڑھنا اور شیئرز وغیرہ کے متعلق معلومات حاصل کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامدا ومصلیا:

اعتکاف کی حقیقت' دنیا ترک کرکے، اللہ رب العزت کی چوکھٹ پر بیٹھ جانا ہے۔ [۲] اس لیے ضرورت کے مطابق تو جائز ہے؛ [۳] لیکن اس عمل کی حوصلہ افزائی نہیں کی جائے گی۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن ابن عمر، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه كان إذا اعتكف طرح له فراشه، أو يوضع له سريره وراء أسطوانة التوبة. (سنن ابن ماجه، ص: ۱/۱۲۷، رقم الحديث: ۱۷۷۴، كتاب الصيام، باب في المعتكف يلزم مكانا من المسجد، ط: ديوبند☆ صحيح ابن خزيمة- أبو بكر محمد بن إسحاق بن خزيمة بن المغيرة بن صالح بن بكر السلمي النيسابوري (م: ۳۱۱ھ): ۳/۳۵۰، كتاب الصيام، باب الافتراش في المسجد، ووضع السرر فيه للاعتكاف، ت: د. محمد مصطفى الأعظمي، ط: المكتب الإسلامي- بيروت☆ المعجم الأوسط- أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰ھ): ۸/۹۴، باب الميم، من بقية من أول اسمه ميم من اسمه موسى، ت: طارق بن عوض الله بن محمد، عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني، ط: دار الحرمين- القاهرة)

(۲) وفي الاعتكاف تفريغ القلب عن أمور الدنيا، وتسليم النفس إلى بارئها، والتحصن بحصن حصين، وملازمة بيت الله تعالى. (قال) عطاء: مثل المعتكف كمثل رجل له حاجة إلى عظيم، فيجلس على بابه، ويقول: لا أبرح حتى تقضي حاجتي، والمعتكف يجلس في بيت الله تعالى، ويقول: لا أبرح حتى يغفر لي فهو أشرف الأعمال إذا كان عن إخلاص. (المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۳/۱۱۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار المعرفة- بيروت☆ البحر الرائق: ۲/۳۲۲، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الكتاب الإسلامي☆ مراقي الفلاح، ص: ۲۶۸، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: المكتبة العصرية☆ تبيين الحقائق: ۱/۳۴۸، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، المطبعة الأميرية، بولاق☆ الفتاوى الهندية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، ط: دار الفكر- بيروت)

(۳) قال: ولا يتكلم إلا بخير، ويكره له الصمت؛ لأن صوم الصمت ليس بقربة في شريعتنا لكنه يتجانب ما يكون مأثما. (الهداية) ـــــ قال العيني: (ويكره له الصمت) أي ترك التحدث مع الناس، قال الإمام حميد الدين الضرير: إنما يكره الصمت إذا اعتقده قربة، أما إذا لم يعتقده قربة فلا يكره.

(لكنه يتجانب ما يكون مأثما) متصل بقوله: يكره له الصمت، يعني يتحدث بما شاء بعد أن لا يكون في كلامه مأثم، والمأثم بمعنى الإثم. (البناية شرح الهداية- بدر الدين العيني (م: ۸۵۵ھ): ۴/۱۳۲، باب الاعتكاف، ما يجوز للمعتكف، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

[۲۶] ۱-معتکف کا کھانا کھا کر برتن مسجد ہی میں چھوڑ دینا

[۲۷] ۲-امام مسجد کی موجودگی میں غیر امام کا امامت کے لیے اصرار کرنا

۱۶۰۲،۰۳-سوال: (۱) بعض معتکف، بسا اوقات افطار کر کے، اور کھانا وغیرہ کھا کر برتن، دسترخوان پر، جماعت خانے ہی میں چھوڑ دیتے ہیں اور صبح فجر کی نماز تک پڑے رہتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

(۲) متعدد علمائے کرام اور امام مسجد کی موجودگی کے باوجود، ایک دین دار شخص نماز پڑھاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں جب حاضر رہوں گا، تو خود ہی نماز پڑھاؤں گا اور امام کو نماز پڑھانے سے روکتا ہے، کیا اس کا یہ عمل درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) مذکورہ عمل غیر مناسب اور قابل اصلاح ہے، کھانے کے بعد برتن اٹھالینا چاہیے، جماعت خانہ میں برتن چھوڑے رہنا، مسجد کی نظافت وصفائی کے خلاف ہے۔ (۱)

---

(۱) وَعَهِدْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَٰعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِينَ وَٱلْعَٰكِفِينَ وَٱلرُّكَّعِ ٱلسُّجُودِ ﴿١٢٥﴾. (۲-البقرة:۱۲۵)

عن عائشة-رضي الله تعالى عنها- قالت: أمر رسول الله- صلى الله عليه وسلم- ببناء المساجد في الدور، وأن تنظف وتطيب. (سنن أبي داود:۱/۶۶، رقم الحديث:۴۵۵، كتاب الصلاة، باب اتخاذ المساجد في الدور، ط: ديوبند)

عن سمرة، أنه كتب إلى ابنه: أما بعد فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمرنا بالمساجد أن نصنعها في ديارنا، ونصلح صنعتها ونطهرها. (المصدر السابق، رقم الحديث:۴۵۶)

عن أنس بن مالك، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: عرضت علي أجور أمتي حتى القذاة يخرجها الرجل من المسجد، وعرضت علي ذنوب أمتي، فلم أر ذنبا أعظم من سورة من القرآن أو آية أوتيها رجل ثم نسيها. (المصدر السابق، رقم الحديث:۴۶۱، كتاب الصلاة، باب في كنس المسجد)

... إذا حصل الأجر لمن يخرج القذاة من المسجد، فالذي يكنسه ويزيل ترابه وغباره، وينظفه عن الأقذار والأوساخ بالطريق الأولى أن يحصل له أجور كثيرة. (شرح سنن أبي داود- بدر الدين العيني (م:۸۵۵ھ): ۳۶۹/۲، ت: أبو المنذر خالد بن إبراهيم المصري، ط: مكتبة الرشد - الرياض ☆ فتح الباري لابن رجب: ۳۵۲/۳، باب كنس المسجد والتقاط الخرق والقذى والعيدان، ط: مكتبة الغرباء الأثرية، المدينة المنورة ☆ نيل الأوطار: ۱۷۷/۲، باب كنس المسجد وتطييبها، ت: عصام الدين، ط: دار الحديث: مصر)

(۲) مذکورہ عمل جائز نہیں، حدیث کی خلاف ورزی ہے، امامت کا حق امام ہی کو ہے، امام صاحب کی اجازت کے بغیر امامت کرنا درست نہیں ہے۔ (☆☆☆) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۸] مسجد میں ٹوپی، کرتا اور پتلون وغیرہ لٹکانا

۱۶۰۴- سوال: ٹوپی، کرتا، پتلون اور ازار وغیرہ مسجد کے جماعت خانے میں اس طور پر لٹکانا، کہ عام لوگوں کی اس پر نظر پڑتی ہو، کیسا ہے؟ نیز مسجد میں جگہ جگہ برتن پڑے رہتے ہیں، کیا یہ مسجد کی شایان شان ہے؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مسجد اللہ رب العزت کا گھر ہے، اس کا ادب ملحوظ رکھنا اور اس کی صفائی وستھرائی کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے۔ (۱) کسی بھی آدمی کا اس طرح بے حرمتی کے ساتھ مسجد کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے، صرف معتکف

(☆☆☆) عن أبي عطية، رجل منهم قال: كان مالك بن الحويرث يأتينا في مصلانا يتحدث، فحضرت الصلاة يوما، فقلنا له: تقدم، فقال: ليتقدم بعضكم حتى أحدثكم لم لا أتقدم، سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من زار قوما فلا يؤمهم، وليؤمهم رجل منهم: " هذا حديث حسن صحيح، والعمل على هذا عند أكثر أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم قالوا: صاحب المنزل أحق بالإمامة من الزائر.

... قال: " وكذلك في المسجد، لا يصلي بهم في المسجد إذا زارهم، يقول: يصلي بهم رجل منهم ". (سنن الترمذي: ۱/ ۸۲، رقم الحديث: ۳۵٦، أبواب الصلاة، باب ما جاء فيمن زار قوما فلا يصل بهم، ط: ديوبند)

عن أوس بن ضمعج، قال: سمعت أبا مسعود الأنصاري، يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يؤم القوم أقرؤهم لكتاب الله، فإن كانوا في القراءة سواء، فأعلمهم بالسنة، فإن كانوا في السنة سواء، فأقدمهم هجرة، فإن كانوا في الهجرة سواء، فأكبرهم سنا، ولا يؤم الرجل في سلطانه، ولا يجلس على تكرمته في بيته إلا بإذنه. (المصدر السابق: ۱/ ۵۵، أبواب الصلاة، باب من أحق بالإمامة)

وقيد في السراج الوهاج تقديم الأعلم بغير الإمام الراتب، وأما الإمام الراتب فهو أحق من غيره، وإن كان غيره أفقه منه. (البحر الرائق: ۱/ ۳٦۸، كتاب الصلاة، باب الإمامة، فصل الأحق بالإمامة في الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ مجمع الأنهر: ۱/ ۱۰۷، كتاب الصلاة، أولى الناس بالإمامة، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۵۰۹، كتاب الصلاة، باب الإمامة، ط: دار الفكر- بيروت)

(۱) وَعَهِدْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرٰهِمَ وَإِسْمٰعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِينَ وَالْعٰكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿۱۲۵﴾. (۲- البقرة: ۱۲۵)

عن عائشة، قالت: أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم ببناء المساجد في الدور وأن تنظف وتطيب. (سنن أبي داود: ۱/ ٦٦، رقم الحديث: ۴۵۵، كتاب الصلاة، باب اتخاذ المساجد في الدور، ط: ديوبند) =

کے لیے بعض مخصوص کاموں کی اجازت دی گئی ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] آخری عشرے کے اعتکاف کی نیت کس طرح کریں؟

۱۶۰۵-سوال: رمضان کے آخری عشرے کے اعتکاف کی نیت روزانہ الگ الگ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا الگ الگ نیت کرنے سے اعتکاف مسنون کا ثواب نہیں ملے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامدا ومصلیا:

رمضان کے آخری عشرہ یعنی دس دن کا اعتکاف سنت مؤکدہ (علی الکفایہ) ہے،[۲] اس کے لیے

= عن سمرة، أنه كتب إلى ابنه: أما بعد فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمرنا بالمساجد أن نصنعها في ديارنا، ونصلح صنعتها ونطهرها. (المصدر السابق، رقم الحديث: ۴۵۶)

(۱) وأما الأكل والشرب والنوم فيكون في معتكفه؛ لأنه يمكنه قضاء هذه الحاجة في المسجد فلا ضرورة في الخروج كذا في الهداية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، ط: دار الفكر - بيروت ☆ مجمع الأنهر: ۱/ ۲۵۷، كتاب الصوم، الصوم شرط في الاعتكاف الواجب، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۴۳، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الفكر)

عن جابر - رضي الله تعالى عنه - قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم، عن أكل البصل والكراث، فغلبتنا الحاجة، فأكلنا منها، فقال: من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تأذى، مما يتأذى منه الإنس. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۲۰۹، رقم الحديث: ۷۲-(۵۶۳)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب نهي من أكل ثوما أو بصلا أو كراثا أو نحوها، ط: ديوبند ☆ وانظر صحيح البخاري: ۱/ ۱۱۸، رقم الحديث: ۸۵۳ تا ۸۵۶، كتاب الأذان، باب ما جاء في الثوم النيء والبصل والكراث، ط: ديوبند)

وأكل نحو ثوم، ويمنع منه. (الدر المختار) ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله وأكل نحو ثوم) أي كبصل ونحوه مما له رائحة كريهة للحديث الصحيح في النهي عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد. قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري قلت: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين ولا يختص بمسجده - عليه الصلاة والسلام -، بل الكل سواء لرواية مساجدنا بالجمع، خلافا لمن شذ ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ما له رائحة كريهة مأكولا أو غيره، وإنما خص الثوم هنا بالذكر وفي غيره أيضا بالبصل والكراث لكثرة أكلهم لها. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۶۱، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد، ط: دار الفكر)

(۲) والاعتكاف على ثلاثة أقسام واجب في المنذور وسنة كفاية مؤكدة في العشر الأخير من رمضان ومستحب فيما سواه. (نور الإيضاح مع المراقي حسن بن عمار بن علي الشرنبلالي المصري الحنفي (م: ۱۰۶۹ھ)، ص: ۲۶۵، باب الاعتكاف، ط: المكتبة العصرية)

بیسویں روزے کو غروب آفتاب سے پہلے مسجد پہنچ جانا ضروری ہے۔[1]

''معتکف'' دس روز کے اعتکاف کی نیت ایک ساتھ کرے گا، تو اعتکافِ مسنون کا ثواب ملے گا، اور روزانہ الگ الگ نیت کرنے کی صورت میں اعتکافِ مسنون کا ثواب نہیں ملے گا؛ بل کہ وہ نفلی اعتکاف ہوگا اور سنت ادا نہیں ہوگی۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۰] اعتکاف کی حالت میں صرف لنگی، بنیان اور ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا

۱۶۰۶- سوال: اعتکاف کی حالت میں صرف لنگی، بنیان اور ٹوپی پہن کر مسجد کے جماعت خانے میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداومصليا:

مرد کے لیے اس کے بدن کے جن حصوں (اعضاء) کا چھپانا فرض ہے، اگر وہ حصے چھپ گئے ہوں، تو نماز ہوجاتی ہے؛ اس لیے صورت مسئولہ میں نماز ہوجائے گی۔[3] البتہ اس حالت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

---

(۱) عن عائشة رضي الله عنها، قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم، إذا أراد أن يعتكف صلى الفجر، ثم دخل معتكفه.... الحديث. (الصحيح لمسلم: ۱/۳۷۱، رقم الحديث: ۶-(۱۱۷۲)، أول كتاب الاعتكاف، ط: ديوبند)

قوله (إذا أراد أن يعتكف صلى الفجر ثم دخل معتكفه) احتج به من يقول يبدأ بالاعتكاف من أول النهار وبه قال الأوزاعي والثوري والليث في أحد قوليه وقال مالك وأبو حنيفة والشافعي وأحمد يدخل فيه قبل غروب الشمس إذا أراد اعتكاف شهر أو اعتكاف عشر وأولوا الحديث على أنه دخل المعتكف وانقطع فيه وتخلى بنفسه بعد صلاته الصبح لا أن ذلك وقت ابتداء الاعتكاف بل كان من قبل المغرب معتكفا لابثا في جملة المسجد فلما صلى الصبح انفرد. (المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج=المعروف بـ حاشية النووي- أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م: ۶۷۶هـ): ۸/۶۹-۶۸، أول كتاب الاعتكاف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت ☆ مرقاة المفاتيح: ۴/۳۲۹، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، الفصل الثاني، ط: المكتبة الأشرفية- ديوبند ☆ بذل المجهود: ۸/۶۹۲، رقم الحديث: ۲۴۶۴، باب الاعتكاف، ط: دار البشائر الإسلامية)

(۲) حکیم الامت حضرت تھانویؒ اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں:

سنت بہ قید عشر ہے، جب قید نہیں مقید نہیں، اور وہی سنت تھا، پس سنت نہیں، اور جزِ سنت، بحال انفراد کے لیے جزوسنت بحالت اجتماع مع سائر الاجزاء کے حکم میں ہونا لازم نہیں اور نہ ثابت۔ (امداد الفتاویٰ: ۲/۱۵۴، باب الاعتکاف، سوال نمبر: ۲۲۷، بعض جزئیات متعلق اعتکاف، ط: زکریا- دیوبند)

(۳) (ومنها) ستر العورة لقوله تعالى: {يابني آدم خذوا زينتكم عند كل مسجد وكلوا} [الأعراف: ۳۱]. قيل في التأويل: =

جن کپڑوں کو پہن کر محلے والوں سے اور اپنے دوست واحباب سے ملنے میں شرم محسوس ہوتی ہو، ایسے کپڑوں کو پہن کر نماز کے لیے آنا کراہت سے خالی نہیں۔ (☆☆) فقط، واللہ اعلم بالصواب

[۳۱] معتکف کا اپنی بیوی سے بات کرنا

۱۶۰۷- سوال: ''معتکف'' اپنی بیوی کے ساتھ بات کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

معتکف کی بیوی اگر مسجد میں آئے یا مسجد کی کھڑکی کے پاس موجود ہو، اور معتکف بات کرے، تو اس کی اجازت ہے۔ اِمام بخاریؒ نے باضابطہ اس سلسلے میں باب قائم فرمایا ہے: ''عورت کا اپنے شوہر سے ملاقات کرنا، [شوہر کے] اعتکاف کی حالت میں''(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتکاف کی حالت میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کی ہے، حضرت صفیہؓ سے بات چیت میں وقت ہوگیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُنہیں گھر پہنچا کر اور بشری تقاضے سے فارغ ہوکر آئے۔ (بخاری شریف: ۱/ ۲۷۳) [۲]

(☆☆)(و) كره... صلاته في ثياب بذلة يلبسها في بيته ومهنة أي خدمة، إن له غيرها وإلا لا. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله وصلاته في ثياب بذلة) بكسر الباء الموحدة وسكون الذال المعجمة: الخدمة والابتذال، وعطف المهنة عليها عطف تفسير؛ وهي بفتح الميم وكسرها مع سكون الهاء، وأنكر الأصمعي الكسر حلية. قال في البحر: وفسرها في شرح الوقاية بما يلبسه في بيته ولا يذهب به إلى الأكابر والظاهر أن الكراهة تنزيهية. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۱/ ۶۴۱-۶۴۰، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ط: دار الفكر- بيروت ☆ مراقي الفلاح، ص: ۱۳۱، كتاب الصلاة، فصل في المكروهات، ط: المكتبة العصرية ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۰۷، كتاب الصلاة، الفصل الثاني فيما يكره في الصلاة وما لا يكره، ط: دار الفكر)

(۱) باب زيارة المرأة زوجها في اعتكافه. (صحيح البخاري: ۱/ ۲۷۳، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: ديوبند)

[۲] عن علي بن الحسين رضي الله عنهما، أن صفية، زوج النبي صلى الله عليه وسلم أخبرته ح وحدثنا عبد الله بن محمد، حدثنا هشام بن يوسف، أخبرنا معمر، عن الزهري، عن علي بن الحسين: كان النبي صلى الله عليه وسلم في المسجد وعنده أزواجه فرحن، فقال لصفية بنت حيي لا تعجلي حتى أنصرف معك، وكان بيتها في دار أسامة، فخرج النبي صلى الله عليه وسلم معها، فلقيه رجلان من الأنصار فنظرا إلى النبي صلى الله عليه وسلم، ثم أجازا، وقال لهما النبي صلى الله عليه وسلم: "تعاليا إنها صفية بنت حيي"، قالا: سبحان الله يا رسول الله، قال: "إن الشيطان يجري=

اِس لیے ضروری دنیوی باتیں یا دینی مشورہ یا دینی باتیں کرنا جائز ہے۔

عمدۃ القاری (۱۱/ ۱۵۲) میں مذکورہ بالا حدیث کی تفصیل میں ہے کہ اِس [حدیث] سے ذیل کے چند مسائل ثابت ہوتے ہیں:

(۱) ضروری دینی یا دنیوی کام کے لیے عورت رات کے وقت گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔

(۲) عورت اپنے شوہر اگر اعتکاف کی حالت میں ہو تو ملاقات کے لیے جا سکتی ہے۔

(۳) معتکف اپنی بیوی کے ساتھ تنہائی میں بیٹھ کر بات کر سکتا ہے۔(۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۲] اعتکاف کی حالت میں ٹیوشن پڑھانا

۱۶۰۸- سوال: اعتکاف کی حالت میں ٹیوشن(۲) پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیا:

اُجرت کے ساتھ مسجد میں پڑھانا مکروہ ہے؛ لہٰذا اعتکاف کی حالت میں ٹیوشن پڑھانا مکروہ ہوگا۔(۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۳] معتکف کے لیے رات بھر مسجد کی لائٹ اور پنکھے چلانا

۱۶۰۹- سوال: معتکف کے لیے پوری رات مسجد کی لائٹ اور پنکھے چالو رکھنا کیسا ہے؟

=من الإنسان مجرى الدم، وإني خشيت أن يلقي في أنفسكما شيئا". (صحيح البخاري:۱/ ۲۷۳، رقم الحديث: ۲۰۳۸، كتاب الاعتكاف، باب هل يدرأ المعتكف عن نفسه، ط: ديوبند)

(۱) وفيه: إباحة خلوة المعتكف بالزوجة. وفيه: إباحة زيارة المرأة للمعتكف. ... وفيه: جواز خروج المرأة ليلا. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري- بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۱۱/ ۱۵۲، كتاب الاعتكاف، باب هل يخرج المعتكف لحوائجه إلى باب المسجد، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

(۲) گھر پر پڑھائی، اسکول کی باقاعدہ پڑھائی کے علاوہ پڑھائی۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۳۵، مادہ: ٹ-ی، ط: فیروز اینڈ سنز، کراچی)

(۳) ويكره كل عمل من عمل الدنيا في المسجد، ولو جلس المعلم في المسجد والوراق يكتب، فإن كان المعلم يعلم للحسبة والوراق يكتب لنفسه فلا بأس به؛ لأنه قربة، وإن كان بالأجرة يكره إلا أن يقع لهما الضرورة، كذا في محيط السرخسي. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۲۱، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف وما كتب فيه شيء من القرآن، ط: دار الفكر)

الجواب حامداو مصلیا:

معتکف مسجد کا حق ادا کرنے کی غرض سے مسجد میں رکا ہوا ہے؛ اس لیے جائز ہے، کوئی حرج نہیں ہے۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۴] مفسداتِ اعتکاف

۱۶۱۰- سوال: رمضان کا اعتکاف اور نفلی اعتکاف کن وجوہات کی بنا پر ٹوٹ جاتا ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

دینی، طبعی اور فطری حاجت (پیشاب، پاخانہ، غسل کی حاجت) کے بغیر معتکف مسجد سے نکلے گا، تو اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۵] مسجد میں چلتے پھرتے ذکر کرنا

۱۶۱۱- سوال: کوئی شخص مسجد کے جماعت خانہ میں ہو، اور اللہ کا ذکر چلتے چلتے کرے، کیا یہ جائز ہے؟ یا رمضان المبارک میں اعتکاف میں بیٹھا معتکف تھک جائے اور مسجد میں چہل قدمی کرنے لگے اور ساتھ ساتھ ذکر بھی کرے، تو کیا اس کی اجازت ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

ذکر کے لیے کسی خاص مقام کی شرط نہیں ہے، جہاں چاہے، ذکر کر سکتا ہے؛ اس لیے کوئی مسجد میں

---

(۱) ولا يجوز أن يترك فيه كل الليل إلا في موضع جرت العادة فيه بذلك كمسجد بيت المقدس ومسجد النبي - صلى الله عليه وسلم - والمسجد الحرام، أو شرط الواقف تركه فيه كل الليل كما جرت العادة به في زماننا، كذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ۲/ ۴۵۹، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد، الفصل الثاني في الوقف، وتصرف القيم وغيره في مال الوقف عليه، ط: دار الفكر ☆البحر الرائق: ۵/ ۲۷۰، آخر كتاب الوقف، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۲] (وأما مفسداته) فمنها الخروج من المسجد فلا يخرج المعتكف من معتكفه ليلا ونهارا إلا بعذر، وإن خرج من غير عذر ساعة فسد اعتكافه في قول أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - كذا في المحيط. سواء كان الخروج عامدا أو ناسيا هكذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، ط: زكريا- ديوبند ☆ البحر الرائق: ۲/ ۵۲۷، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆الدر المختار مع رد المحتار: ۳/ ۴۳۵-۴۳۴، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، ط: زكريا)

ہو، اور کسی ضرورت یا طبعی تقاضے کی وجہ سے مسجد کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے آمد و رفت کر رہا ہو، اور ساتھ ساتھ ذکر بھی کرے، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

معتکف کے لیے شرعی یا طبعی ضرورت کے بغیر مسجد سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے، اس سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے؛ مسجد میں گھومتے ہوئے کوئی ذکر کرے، تو جائز ہے۔[1]

البتہ بلا وجہ مسجد میں تفریح کرنے سے احتراز کرنا چاہیے، فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۶] معتکف کا وضوء کرنے کے لیے جماعت خانہ سے باہر نکلنا

۱۶۱۲- سوال: معتکف شخص اگر نفل نماز یا تلاوتِ قرآن پاک کے لیے وضوء کرنا چاہے اور وضوء خانہ مسجد کے جماعت خانہ سے باہر ہے، تو کیا اُسے اِس بات کی گنجائش ہے کہ وضوء کرنے کے لیے باہر نکلے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نفل عبادت کے وضوء کے لیے جماعت خانہ سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے، فرض نماز کے لیے وضوء کرنا یا استنجاء کے لیے نکلنا اور اُس کے بعد وضوء کرنا جائز ہے، استنجاء کے لیے نکلنے کے بعد اگر پانی تیار ہے، تو غسل بھی کر سکتا ہے؛ لیکن کسی نفل عبادت کے لیے وضوء اور غسلِ جمعہ کے لیے نکلنا جائز نہیں ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۷] والدین کی اطاعت اور محلے کی مسجد میں اعتکاف

۱۶۱۳- سوال: (۱) ہمارے محلہ میں الم تر کی تراویح ہوتی ہے، ہمارے محلہ کا ایک مسلم بھائی دوسرے محلہ میں پورے قرآن کی تراویح سننے کی غرض سے جاتا ہے، اس نے رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کی نیت کی ہے، اس کے والدین یہ کہتے ہیں کہ تمہیں اپنے محلے کی مسجد میں اعتکاف کرنا ہے۔

---

(۱) لا يخرج المعتكف اعتكافا واجبا من مسجده إلا لضرورة مطلقة، لحديث عائشة "كان - عليه السلام - لا يخرج من معتكفه إلا لحاجة الإنسان" ولأنه معلوم وقوعها ولا بد من الخروج في بعضها فيصير الخروج لها مستثنى. (البحر الرائق: ۳۲۵/۲، كتاب الصلاة، باب الاعتكاف، ط: دار الكتاب الإسلامي)

معتکف، جس مسجد میں معتکف ہے، اس تمام مسجد میں جس جگہ چاہے، رہ سکتا ہے، سو سکتا ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ۵۰۳/۶، باب الاعتکاف، ط: دار العلوم- کراچی)

(۲) تخریج گذر چکی۔

سوال یہ ہے کہ یہ شخص اپنے محلہ کی مسجد میں - جہاں الم تر کی تراویح ہوتی ہے - اعتکاف کرے، یا جس مسجد میں وہ تراویح پڑھتا ہے، اس میں اعتکاف کرے؟

الجواب حامداو مصلیا:

محلے کی مسجد - جس میں الم تر کیف والی تراویح ہوتی ہے - میں اعتکاف کرے اور وہیں تراویح پڑھ لے؛ کیوں کہ والدین نے اسی مسجد میں اعتکاف کی اجازت دی ہے، تراویح میں مکمل قرآن سننا گرچہ سنت ہے؛ لیکن اس کی ادائیگی کے لیے والدین کی بات نہ مان کر ان کو تکلیف پہنچانا صحیح نہیں ہے۔

نیز اس اعتکاف کی وجہ سے افطاری یا سحری کا انتظام والدین، بھائی، بھتیجا، پوتا وغیرہ کو کرنا پڑے گا، اور محلے کی مسجد میں قریب ہونے کی وجہ سے انتظام میں سہولت ہوتی ہے، اس لیے والدین کا کہنا مانے اور محلے کی مسجد میں اعتکاف کرے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن المغيرة بن شعبة، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "إن الله حرم عليكم: عقوق الأمهات، ووأد البنات، ومنع وهات، وكره لكم قيل وقال، وكثرة السؤال، وإضاعة المال". (صحيح البخاري: ۳۲۴/۱، رقم الحديث: ۲۴۰۸، كتاب في الاستقراض وأداء الديون والحجر والتفليس، باب ما ينهى عن إضاعة المال، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۷۵/۲، رقم الحديث: ۱۲-(۵۹۳)، كتاب الأقضية، باب النهي عن كثرة المسائل من غير حاجة، والنهي عن منع وهات... الخ، ط: ديوبند)

وقال الشيخ تقي الدين السبكي: إن ضابط العقوق إيذاؤهما بأي نوع كان من أنواع الأذى. قل أو كثر، نهيا عنه أو لم ينهيا أو يخالفهما فيما يأمران أو ينهيان بشرط انتفاء المعصية في الكل، وحكى قول الغزالي: أن أكثر العلماء على وجوب طاعتهما في الشبهات، ووافقهما عليه، وحكى قول الطرطوسي من المالكية: أنهما إذا نهياه عن سنية راتبة المرة بعد المرة أطاعهما، وإن كان ذلك على الدوام فلا طاعة لهما فيه لما فيه من إماتة الشرع، ووافقه على ذلك أيضا. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۸۶/۲۲، كتاب الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت ☆ فتح الباري شرح صحيح البخاري - أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي (م: ۸۵۲هـ): ۴۰۶/۱۰، كتاب الأدب، باب قوله عقوق الوالدين، ط: دار المعرفة - بيروت)

والعقوق بضم العين المهملة مشتق من العق وهو القطع والمراد به صدور ما يتأذى به الوالد من ولده من قول أو فعل إلا في شرك أو معصية ما لم يتعنت الوالد وضبطه بن عطية بوجوب طاعتهما في المباحات فعلا وتركا واستحبابها في المندوبات وفروض الكفاية كذلك. (فتح الباري شرح صحيح البخاري - أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي (م: ۸۵۲هـ): ۴۰۶/۱۰، كتاب الأدب، باب قوله عقوق الوالدين، ط: دار المعرفة - بيروت)

کتاب الحج

حج کا بیان

عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "لا تسافر المرأة إلا مع ذي محرم، ولا يدخل عليها رجل إلا ومعها محرم"، فقال رجل: يا رسول الله، إني أريد أن أخرج في جيش كذا وكذا، وامرأتي تريد الحج، فقال: "اخرج معها". (صحيح البخاري: ۱/۲۵۰، رقم الحديث: ۱۸۶۲، كتاب المناسك، باب حج النساء، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۴۳۴، رقم الحديث: ۴۲۴-(۱۳۴۱)، كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، ط: ديوبند)

فرضية الحج وشرائطه وأركانه

[حج: فرضیت، شرائط اور ارکان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فرضية الحج وشرائطه وأركانه

[حج: فرضیت، شرائط اور ارکان]

[۱] حج کب فرض ہوتا ہے؟

۱۶۱۴- سوال: کسی شخص پر حج کب فرض ہوتا ہے، فرضیتِ حج کی کتنی شرطیں ہیں؟ شرائط کی تفصیلی وضاحت کے ساتھ رہنمائی فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیا:

درج ذیل سات شرائط موجود ہونے سے کسی پر حج فرض ہوتا ہے، ان میں ایک بھی شرط موجود نہ ہو، تو حج فرض نہیں ہوگا۔ (۱) وہ سات شرائط یہ ہیں:

(۱) اسلام، (۲) حج فرض ہونے کے متعلق علم ہونا، (۳) عاقل ہونا، (۴) بالغ ہونا، (۵) آزاد ہونا، (۶) استطاعت وقدرت کا ہونا اور (۷) حج کا وقت ہونا۔ (۲)

---

(۱) باب شرائط الحج، وهي أربعة أنواع، وهي التي إذا وجدت بتمامها وجب الحج عليه، وإلا فلا. (غنية الناسك في بغية المناسك: محمد حسن شاه المهاجر المكي، ص:۱۱، باب شرائط الحج، ط: یادگار شیخ، سہارن پور☆ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري- الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص:۴۲، باب شرائط الوجوب، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة)

(۲) (قوله على مسلم إلخ) شروع في بيان شروط الحج وجعلها في اللباب أربعة أنواع. الأول: شروط الوجوب وهي التي إذا وجدت بتمامها وجب الحج وإلا فلا وهي سبعة: الإسلام، والعلم بالوجوب لمن في دار الحرب،=

پہلی شرط: ''اسلام'' ہے، لہٰذا حج صرف مسلمان پر فرض ہے، کافر، یہودی، نصرانی اور مجوسی پر فرض نہیں ہے۔ (۳)

دوسری شرط: ''حج کا علم ہونا'' یعنی اگر کوئی شخص دار الحرب میں رہتا ہو اور اس نے اسلام قبول کر لیا ہو؛ لیکن حج کے فرض ہونے کے متعلق اس کو علم نہیں ہو سکا، تو اس پر حج فرض نہیں ہوا، اگر اس حال میں اس کا انتقال ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا، ان شاء اللہ۔ (۴)

البتہ اگر کوئی شخص دار الاسلام، یا دار الامن میں رہتا ہے، یا دار الحرب میں رہتا ہے؛ لیکن دو آدمی نے اس کو حج کے فرض ہونے کے متعلق مسئلہ بتا دیا ہے، تو اس پر حج فرض ہو جائے گا، دار الاسلام میں رہ کر مسئلہ نہ جاننا عذر نہیں؛ بل کہ حج نہ کرنے کے گناہ کے ساتھ مسئلہ نہ جاننے کا گناہ بھی لازم ہوگا۔ (۵)

=والبلوغ، والعقل، والحرية، والاستطاعة، والوقت، أي القدرة في أشهر الحج، أو في وقت خروج أهل بلده على ما يأتي. (رد المحتار على الدر المختار-ابن عابدين الشامي (م: ۱۲۵۲هـ): ۴۵۸/۲، كتاب الحج، ط: دار الفكر-بيروت ☆ البحر الرائق-ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۵۳۹/۲، كتاب الحج، زكريا-ديوبند)

(۳) الأول الإسلام، فلايجب على كافر مستطيع. (غنية الناسك في بغية المناسك، ص: ۱۱، باب شرائط الحج ☆ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴هـ)، ص: ۴۲، باب شرائط الوجوب، المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة)

(۴) وقوله أو بإخبار عدل إلخ هذا لمن أسلم في دار الحرب، فلايجب عليه قبل العلم بالوجوب. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۵۹/۲، كتاب الحج، ط: دار الفكر-بيروت)

ويشترط العلم بفرضية الحج لمن أسلم بدار الحرب. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي، ص: ۷۲۸، أول كتاب الحج، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

والعلم المذكور يثبت لمن في دار الإسلام بمجرد الوجود فيها سواء علم بالفرضية، أو لم يعلم ولا فرق في ذلك بين أن يكون نشأ على الإسلام فيها، أو لا فيكون ذلك علما حكميا ولمن في دار الحرب بإخبار رجلين أو رجل وامرأتين، ولو مستورين أو واحد عدل. (البحر الرائق-ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۳۳۱/۲، كتاب الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الفتاوى الهندية: ۲۱۸/۱، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته وشرائطه وأركانه، ط: دار الفكر)

(۵) عن أنس بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طلب العلم فريضة على كل مسلم، وواضع العلم عند غير أهله كمقلد الخنازير الجوهر واللؤلؤ والذهب. (سنن ابن ماجه، ص: ۲۰/۱، رقم الحديث: ۲۲۴، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، ط: المكتبة الأشرفية-ديوبند)

وطلب العلم فريضة، قال -عليه الصلاة والسلام-: "طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة". وهو =

تیسری اور چوتھی شرط: ''عاقل اور بالغ ہونا'' لہٰذا پاگل اور بچہ پر حج فرض نہیں ہوگا، اگر یہ دونوں حج کریں گے، تو حج فرض کی طرف سے ان کے لیے کفایت نہیں کرے گا۔ (۶)

پانچویں شرط: ''آزاد ہونا'' لہٰذا غلام اور باندی پر حج فرض نہیں ہے، غلام اگر اپنے آقا کی اجازت سے بھی حج کرلے، تو حج فرض ادا نہیں ہوگا، آزاد ہونے کے بعد اگر استطاعت ہوگی، تو دوبارہ حج کرنا لازم ہوگا۔ (۷)

چھٹی شرط: ''قدرت واستطاعت کا ہونا''۔ چناں چہ جو لوگ مکہ سے دور رہتے ہیں، ان کے پاس اس قدر رقم کا ہونا ضروری ہے کہ مکہ جاسکے اور واپس آسکے، یہ بھی ضروری ہے کہ وہاں جا کر کھانے پینے اور مکان سے متعلق ضروری اخراجات نیز گھر سے نکلنے اور واپس آنے تک اہل وعیال کے نفقہ کا انتظام ہو، اگر ایسا ہے، تو اس پر حج فرض ہوگا، البتہ بہ قدر کفایت رقم ضروری ہے، بلا ضرورت عیش وعشرت نیز ہدیے اور تحفے کے لیے رقم کا ہونا حج کی فرضیت کے لیے شرط نہیں ہے، اس کے بہ غیر بھی حج فرض ہوجائے گا۔ (۸)

=أقسام: فرض، وهو مقدار ما يحتاج إليه لإقامة الفرائض، ومعرفة الحق من الباطل، والحلال من الحرام، وهو محمل الحديث. (الاختيار لتعليل المختار - عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م:۶۸۳هـ): ۱۷۱/۴، كتاب الكراهية، فصل في الكسب، ت: الشيخ محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة)

(۶) فمنها: البلوغ، ومنها العقل، فلا حج على الصبي، والمجنون؛ لأنه لا خطاب عليهما فلا يلزمهما الحج، حتى لو حجا، ثم بلغ الصبي، وأفاق المجنون، فعليهما حجة الإسلام، وما فعله الصبي قبل البلوغ يكون تطوعا. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م:۵۸۷هـ): ۱۲۰/۲، كتاب الحج، فصل شرائط فرضية الحج، ط: دار الكتب العلمية☆رد المحتار على الدر المختار: ۴۵۶/۳، كتاب الحج، ط: زكريا - ديوبند)

(۷) ومنها الحرية فلا حج على المملوك لما روي عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال: ''أيما عبد حج عشر حجج فعليه حجة الإسلام إذا أعتق''، ولأن الله تعالى شرط الاستطاعة لوجوب الحج بقوله تعالى: {ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا} [آل عمران:۹۷]، ولا استطاعة بدون ملك الزاد، والراحلة لما نذكر إن شاء الله تعالى، ولا ملك للعبد؛ لأنه مملوك فلا يكون مالكا بالإذن فلم يوجد شرط الوجوب، وسواء أذن له المولى بالحج أو لا؛ لأنه لا يصير مالكا إلا بالإذن فلم يجب الحج عليه فيكون ما حج في حال الرق تطوعا. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م:۵۸۷هـ): ۱۲۰/۲، كتاب الحج، فصل شرائط فرضية الحج، ط: دار الكتب العلمية☆الفتاوى الهندية: ۲۱۷/۱، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته وشرائطه وأركانه)

(۸) وأما تفسير الزاد، والراحلة فهو أن يملك من المال مقدار ما يبلغه إلى مكة ذاهبا، وجائيا، راكبا لا ماشيا، بنفقة وسط لا إسراف فيها، ولا تقتير فاضلا عن مسكنه، وخادمه، وفرسه، وسلاحه، وثيابه، وأثاثه، ونفقة عياله، وخدمه، وكسوتهم، وقضاء ديونه. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۱۲۲/۲، كتاب الحج، فصل شرائط فرضية الحج، ط: دار الكتب العلمية☆فتح القدير - ابن الهمام (م:۸۶۱هـ): ۴۱۶/۲، كتاب الحج، ط: زكريا - ديوبند)

ہاں شرط یہ ہے کہ مال ضرورت سے زائد ہو، کسان کے پاس بیل گاڑی ضرورت میں داخل ہے، اسی طرح عالم کے پاس کتابیں ضرورت میں شمار ہوں گی۔[۹]

ساتویں شرط: ''حج کا وقت ہونا''۔ حج فرض ہونے کے لیے ساتویں شرط یہ ہے کہ حج کا وقت ہو، اسی وقت میں (استطاعت ہونے سے) حج فرض ہوگا؛ لہٰذا ایک شخص کے پاس رمضان المبارک کی ۲۱/ تاریخ کو ستر ہزار روپے کسی نے ہدیہ دیا اور یہ رقم سفر حج نیز بال بچوں کے خرچ کے لیے شرط نمبر ۶/ کی وضاحت کے موافق کافی ہے؛ لیکن اس شخص کا ۲۸/ رمضان کو انتقال ہوگیا، تو اس پر حج فرض نہیں ہوگا۔[۱۰] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] پہلے قرض کی ادائیگی یا حج کی ادائیگی؟

۱۶۱۵- سوال: دو بھائی ہیں، ان میں ایک بھائی انڈیا میں رہتا ہے اور ایک سعودیہ میں، دونوں بھائیوں کے ذمہ کچھ قرض ہے؛ لیکن وہ حج ادا کرنا چاہتے ہیں، سعودیہ میں رہنے والے بھائی پر ۶۰۰۰/ روپے کا قرض ہے اور حج اس کا ۳۰۰۰/ ریں میں ہوتا ہے، اب حج کے ایام قریب آگئے ہیں، تو ان دونوں بھائی کو حج کرنا چاہیے یا پہلے قرض ادا کرنا چاہیے؟ اگر قرض کی ادائیگی سے قبل حج کریں، تو ان کے حج کی قبولیت و ثواب میں کوئی نقصان تو نہیں آئے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ذمہ میں قرض ہونے کی وجہ سے حج ادا کرنا فرض نہیں ہوا؛ لیکن اس کے باوجود حج کیا جائے، تو حج

---

[۹] (فضلت)... (عن حوائجه الأصلية) كأثاث المنزل وآلات المحترفين وكالكتب لأهل العلم والمسكن. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر- عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ 'داماد أفندي' (م: ۱۰۷۸هـ) :۱/۲۶۱، كتاب الحج، شروط الحج، ط: دار إحياء التراث العربي)

[۱۰] (وأما وقته فأشهر معلومات) والأشهر المعلومات شوال وذو القعدة وعشر ذي الحجة. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۱۶، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته وشرائطه وأركانه، ط: دار الفكر)

ثم ما ذكر من الشرائط لوجوب الحج من الزاد والراحلة وغير ذلك يعتبر وجودها وقت خروج أهل بلده إلى مكة حتى لو ملك الزاد والراحلة في أول السنة قبل أشهر الحج وقبل أن يخرج أهل بلده إلى مكة فهو في سعة من صرف ذلك إلى حيث أحب، وإذا صرف ماله ثم خرج أهل بلده لا يجب عليه الحج. (المصدر السابق: ۱/۲۱۹)

ادا ہو جاتا ہے، جو بھائی سعودیہ میں رہتا ہے، اس کے لیے حج ادا کر لینا بہتر ہے، اور جو انڈیا میں رہتا ہے، اس کے لیے قرض ادا کرنا بہتر ہے، تاہم دونوں ہی بھائی اگر حج ادا کر لیں، تو حج ادا ہو جائے گا، مگر حج کے بعد تاکیداً قرض ادا کرنا ضروری ہے۔ (☆☆) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] مقروض کا حج

۱۶۱۶- سوال: "مسائل حج" (۱) صفحہ نمبر: ۳۳ پر حج فرض ہونے کی شرائط کے تحت، شرط نمبر: ۵ کے ضمن میں لکھا ہے کہ حج فرض ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ حج کرنے والا آزاد ہو۔ (۲)

یہاں یو کے (انگلینڈ) والے بینک سے سودی قرض لیتے ہیں اور اپنے ذمے قرض باقی رکھتے ہیں، ادا نہیں کرتے، نیز عورتوں کے زیورات بینکوں میں رکھ کر سود پر پیسے لیتے ہیں اور حج کے لیے جاتے ہیں۔

قرض کی عدم ادائیگی میں ان کی اس سوچ کو دخل ہے کہ اگر ہم قرض ادا کریں گے، تو ہماری حکومت ہم سے زیادہ ٹیکس وصول کرے گی، اس وجہ سے اپنے سر پر قرض رکھتے ہیں اور حج کے لیے جاتے ہیں، تو اس کا کیا حکم ہے؟ ایک طرف تو حکومت کی طرف سے ملنے والی ہر قسم کی سہولیات سے ہر طرح کا فائدہ بھی اٹھانا ہے اور ٹیکس کی ادائیگی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ذمہ میں قرض باقی رکھنا ہے، حکومت کی

(☆☆) وإن كان في ماله وفاء بالدين يقضي الدين، ولا يحج، ويكره الخروج إلى الغزو والحج لمن عليه الدين وإن لم يكن عنده مال ما لم يقض دينه إلا بإذن الغرماء. (فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ۱/ ۲۱۳، كتاب الحج، فصل في المقطعات، ط: زكريا- ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۲۱، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته وشرائطه وأركانه، ط: دار الفكر ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۵۶، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال الحرام، ط: دار الفكر)

یہی فتویٰ ہے قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا، تفصیل کے لیے دیکھیں: زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک: ۱/ ۳۸، ضروری مسائل مفیدہ، ط: الجمعیۃ پریس، دہلی۔

(۱) یہ کتاب گجراتی زبان میں تھی، صاحب زادۂ محترم حافظ اسجد بیمات صاحب کی خصوصی توجہ سے، ان کے زیر اہتمام بہ زبان اردو شائع ہو چکی ہے، مولانا و مفتی اسامہ صاحب پالن پوری نے اس کتاب کو اردو کا جامہ پہنایا ہے، ناچیز کو بھی اس کی نوک و پلک سنوارنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

(۲) پانچویں شرط آزاد ہونا: پس غلام اور باندی پر حج فرض نہیں ہے، غلام اگر اپنے آقا کی اجازت سے حج کر لے، تو بھی حج فرض ادا نہیں ہوگا، آزاد ہونے کے بعد اگر استطاعت ہوگی، تو دوبارہ حج کرنا لازم ہوگا۔ (مسائل حج- مفتی احمد بیماتؒ، ص: ۴۱، ط: مدنی دار التربیت- کرمالی)

طرف سے ملنے والی سہولیات حسب ذیل ہیں:

(۱) کوئی معذور ہو، تو اس کی مکمل کفالت کرنا۔ (۲) بیمار ہونے کی صورت میں انشورنس دینا۔ (۳) طبی اور ڈاکٹری فیس دینا۔ (۴) دوائی ایک ٹائم کی مارشلینگ۔ [؟] (۵) ہسپتال میں ہر طرح کی فیس۔ (۶) ایک بچے کے پیچھے ایک پاؤنڈ سے ڈیڑھ پاؤنڈ کا الاؤنس۔ (۷) ولادت کی فیس۔ (۸) چھوٹے بچے کے لیے پلم (بچے کے گھومنے کے لیے چھوٹی گاڑی)

ان کے علاوہ برٹش حکومت، بلاتفریق مذہب وملت، ہر طرح کی سہولیات، جو وہاں کے قانون کے مطابق پبلک کو ملنی چاہیے، دیتی ہے، جیسا کہ افریقہ وغیرہ میں دیا جاتا ہے، اتنی ساری سہولیات ملنے کے باوجود بھی لوگ ٹیکس سے بچنے کے لیے قرض ادا نہیں کرتے ہیں اور حج پر حج کرتے ہیں، تو ان کا حج صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

آزاد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پچھلے زمانے میں غلامی کا رواج تھا، جنگوں میں قیدی بنا کر لائے جانے والے مرد کو ''غلام'' عورت کو ''باندی'' کہا جاتا تھا۔[1]

حج کی فرضیت کے لیے لازم ہے کہ انسان آزاد ہو، غلام یا باندی نہ ہو۔[2]

سوال میں ذکر کردہ تفصیل کے مطابق بعض افراد بینک سے محض دکھلاوے کے لیے اور ٹیکس سے بچنے کے لیے سودی قرض لیتے ہیں اور یوکے حکومت کو دھوکہ دیتے ہیں، اس کی وجہ سے وہ گنہ گار تو ضرور ہوں گے؛ مگر ان کا حج فرض ادا ہو جائے گا؛ کیوں کہ یہ شخص غلام نہیں ہیں۔

---

(۱) غلام: زرخرید نوکر، بندہ، ملازم۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۱۵)

باندی: [ہ-ا-مث]، لونڈی، کنیز، چھوکری۔ (حوالہ سابق، ص: ۱۷۴)

[۲] عن ابن عباس قال: احفظوا عني، ولا تقولوا قال ابن عباس، أيما عبد حج به أهله، ثم أعتق، فعليه الحج، وأيما صبي حج به أهله صبيا ثم أدرك، فعليه حجة الرجل... الحديث. (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار المعروف بـ 'مصنف ابن أبي شيبة' -أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (م: ۲۳۵ھ): ۳/۳۵۵، رقم الحديث: ۱۴۸۷۵، كتاب الحج، في الصبي والعبد والأعرابي يحج، ط: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد-الرياض)

(الخامس: الحرية) أي الأصلية أو العارضية، وشرط الوجوب والوقوع عن الفرض لا الجواز اتفاقا، (فلا حج على مملوك). (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۵۳-۵۴، باب شرائط الحج، ط: المكتبة الإمدادية)

جیسے داڑھی کاٹنا یا منڈوانا گناہ ہے؛ البتہ ایسا شخص نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے، تو اس کی نماز اور اس کے روزے ادا ہو جاتے ہیں، اسی طرح سے سود پر کوئی رقم لی اور کاروبار کیا، تو اس کا حج فرض ادا ہو جائے گا۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] ضرورت سے زائد مکان یا زمین ہو، تو حج فرض ہوگا یا نہیں؟

۱۶۱۷- سوال: اگر کسی شخص کے پاس ضرورت سے زائد مکان، زمین اور دیگر آلات ہوں کہ: اگر ان کو فروخت کیا جائے، تو حج کے ضروری اخراجات کی تکمیل ہو سکتی ہے، تو کیا ایسے شخص کو انہیں فروخت کر کے حج کرنا ضروری ہے، یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

مذکورہ بالا صورت حال میں اس شخص پر حج فرض ہو گیا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ زمین، مکان، آلات، کتابیں اور اس طرح کی دوسری چیزوں کو بیچ کر حج میں جائے۔ (☆☆☆) واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] حج کی استطاعت میں مدینہ کے اخراجات داخل نہیں ہیں

۱۶۱۸- سوال: کسی شخص کے پاس صرف اتنی رقم ہے کہ مکہ مکرمہ جا سکتا ہے، مدینہ منورہ جانے

---

(۳) ويجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل الحج بالنفقة الحرام، مع أنه يسقط الفرض معها وإن كانت مغصوبة. ولا تنافي بين سقوطه، وعدم قبوله، فلا يثاب لعدم القبول، ولا يعاقب في الآخرة عقاب تارك الحج. (فتح القدير- كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (م: ۸۶۱هـ): ۲/ ۴۰۷، كتاب الحج، ط: دار الفكر☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۲۰، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج، ط: دار الفكر☆ البحر الرائق: ۲/ ۳۳۲، كتاب الحج، واجبات الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(وقدرة زاد وراحلة)... وفي القهستاني وفيه إشارة إلى أنه لا يجب بالمال الحرام لكن لو حج به جاز؛ لأن المعاصي لا تمنع الطاعات فإذا آت بها لا يقال إنها غير مقبولة. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر- عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بـ 'شيخي زاده'، يعرف بـ 'داماد أفندي' (م: ۱۰۷۸هـ): ۱/ ۲۶۱، كتاب الحج، شروط الحج، ط: دار إحياء التراث العربي)

(☆☆☆) وذكر ابن شجاع أنه إذا كانت له دار لا يسكنها، ولا يؤاجرها، ومتاع لا يمتهنه، وعبد لا يستخدمه، وجب عليه أن يبيعه، ويحج به. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: ۲/ ۱۲۳، كتاب الحج، فصل شرائط فرضية الحج، ط: دار الكتب العلمية☆ غنية الناسك في بغية المناسك، ص: ۲۳، باب شرائط الحج، السادس: الاستطاعة، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

کے لیے اس کے پاس روپیے نہیں ہیں، تو کیا ایسے شخص پر حج فرض ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدینہ آنے جانے کا خرچ ضرورت میں شامل نہیں ہے، بلا شبہ مدینہ منورہ کی حاضری عظیم نعمت ہے اور اس میں بے انتہاء ثواب ہے، پس جس کی استطاعت ہو، اسے جانا چاہیے؛ لیکن یہ ضروری خرچ میں شامل نہیں ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا خرچ نہ ہو، تب بھی حج فرض ہو جاتا ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[٦] سودی رقم سے حج کرنا

۱۶۱۹- سوال: ایک شخص کی تجارت کافی نفع بخش ہے، اس میں اتنا پیسہ انویسٹ ہے کہ اس کے گھر کے تمام افراد حج کر سکیں؛ لیکن پیسے چار مہینے کے بعد وصول ہو سکتے ہیں، تو کیا یہ لوگ دوسرے غیر مسلم یا مسلمان کے پاس سے سودی رقم یا ادھار لے کر حج کا انتظام کر سکتے ہیں؟ تین سال پہلے ہی حج فرض ہو چکا ہے۔

الجواب حامداً ومصلّیاً:

سودی رقم سے حج میں جانا جائز نہیں ہے، مسلم یا کسی بھی غیر مسلم سے قرض لے سکتے ہیں، حج تین

---

(۱) وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا. (۳-آل عمران:۹۷)

قال الله تعالى: ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا. قال أبو بكر هذا ظاهر في إيجاب فرض الحج على شريطة وجود السبيل إليه، والذي يقتضيه من حكم السبيل أن كل من أمكنه الوصول إلى الحج لزمه ذلك إذ كانت استطاعة السبيل إليه هي إمكان الوصول إليه . . . وقد جعل النبي صلى الله عليه وسلم من شرط استطاعة السبيل إليه، وجود الزاد والراحلة.

وروى أبو إسحاق عن الحارث عن علي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: من ملك زادا وراحلة يبلغه بيت الله ولم يحج فلا عليه أن يموت يهوديا أو نصرانيا.

وذلك أن الله تعالى يقول في كتابه: ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا.

وروى إبراهيم ابن يزيد الجوزي عن محمد بن عباد عن ابن عمر قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن قوله عز وجل: ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا. قال السبيل إلى الحج الزاد والراحلة. (أحكام القرآن-أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي (م: ٣٧٠هـ): ٣٠٨/٢، باب فرض الحج، آل عمران: ٩٧، ت: محمد صادق القمحاوي، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

سال قبل فرض ہو چکا ہے، تو جلد از جلد اس فریضہ کی ادائیگی کی سعادت حاصل کر لینی چاہیے[۱]۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] ایام حج میں جو شخص محض عمرہ کی نیت سے مکہ میں داخل ہو، تو اس پر حج فرض ہوگا یا نہیں؟

۱۶۲۰- سوال: ایام حج میں کوئی شخص صرف عمرہ کی نیت سے مکہ میں داخل ہوا ہو، تو اس پر حج فرض ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

حج فرض ہونے کے لیے سواری کے ساتھ زادِراہ (کھانے پینے کے اخراجات) پر استطاعت بھی ضروری ہے۔ اور فقیر کو بھی مکہ مکرمہ پہنچنے سے پہلے میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہونا ضروری ہے، پس جب عمرہ کا احرام باندھ کر جو بھی شخص بیت اللہ شریف کے سامنے حاضر ہو گیا اور حج کے ایام (شوال سے ذی الحجہ کی دس تاریخ تک) موجود ہے اور کھانے پینے اور رہنے کا خرچ بھی اس کے پاس ہے، تو تمام علماء کے نزدیک اس پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ (زبدۃ المناسک: ۱/ ۱۴)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ويجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل الحج بالنفقة الحرام مع أنه يسقط الفرض معها وإن كانت مغصوبة. ولا تنافي بين سقوطه وعدم قبوله فلا يثاب لعدم القبول ولا يعاقب في الآخرة عقاب تارك الحج. (فتح القدير- كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (م:۸۶۱هـ): ۲/ ۴۰۷، أول كتاب الحج، ط: دار الفكر ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۵۶، كتاب الحج، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۲۰، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/ ۳۳۲، كتاب الحج، واجبات الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۲] جس فقیر کے پاس نہ راہ خرچ ہے، نہ سواری کے لیے کرایہ کی قدرت ہے، تو اس پر حج کرنا فرض نہیں ہے، مگر شوق و محبت کی وجہ سے گھر سے حج کی نیت کر کے نکلا، جب میقات پر پہنچا، تو اس پر حج یا عمرہ کا احرام لازم ہو جائے گا، پھر جب مکہ مکرمہ آ کر داخل ہوا، اور کعبۃ اللہ شریف میں آ پہنچا، تو اس پر فرضیت حج متعین ہو جائے گی بالاتفاق، اگر احرام باندھ کے آیا ہو، یا بغیر احرام کے آیا ہو، لیکن اس فقیر پر یہ فرضیت حج بالاتفاق تب ہوگی، جب اشہر حج میں آ کر، کعبۃ اللہ شریف میں پہنچا ہو، اور ایام حج کا خرچہ کھانے کا بھی رکھتا ہو، اور عرفات پر پیادہ جانے کی قدرت بھی رکھتا ہو۔ (زبدۃ المناسک: ۱/ ۱۴، مسئلہ ضروری، مسکین کے متعلق، ط: الجمعیۃ پریس- دہلی)

الحج لا يجب على الفقير، إنما المراد به الآفاقي قبل وصوله إلى الميقات، فإنه حينئذ إذا أراد دخول الحرم يجب عليه إحرام أحد النسكين، وبدخوله إلى مكة ووصوله إلى الكعبة تعين عليه فرضية الحج، سواء أحرم به أم لا. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري- الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴هـ)، ص: ۵۷، باب شرائط الحج، ت: محمد طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة)

[۸] اگر کسی کے پاس صرف زادوراحلہ کے بہ قدر مال ہو

۱۶۲۱- سوال: ایک شخص پر کسی قسم کا قرض نہیں ہے، بیس ہزار روپئے تجارت میں لگے ہوئے ہیں، اس رقم کے علاوہ اس کے پاس دوسری کوئی رقم یا سونا چاندی وغیرہ نہیں ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ اس شخص پر حج فرض ہوا یا نہیں؟ اگر یہ حج کرنے جائے تو دکان کا سارا مال بیچنا پڑے گا، اس کے لیے کیا حکم ہے؟ کیا یہ =/20,000 روپیہ اس کی ضرورت اصلیہ میں شمار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصلیا:

صورت مسئولہ میں اس شخص پر حج فرض نہیں ہوگا، کیوں کہ بیس ہزار کی پونجی سے اس کی یومیہ ضرورت پوری ہوتی ہے، گویا اس کا یہ مال ضرورت اصلیہ میں داخل ہے، کیوں کہ اگر بیس ہزار روپیہ کاروبار سے نکال لے، تو اس کی تجارت ختم ہوجائے گی، اور آئندہ کی ضرورت پوری نہیں ہوسکے گی؛ اس لیے ایسے تاجر پر حج فرض نہیں ہے، لیکن جب وہ چالیس ہزار کا مالک بن جائے، تو حج فرض ہوجائے گا؛ کیوں کہ ۲۰ ہزار سے تجارت کرسکتا ہے، جو گذران کے لیے کافی ہے، الغرض مذکورہ صورت میں حج فرض نہیں ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] حج کی ادائیگی سے متعلق شرائط

۱۶۲۲- سوال: حج کی ادائیگی سے متعلق کتنی شرائط ہیں، تفصیل کے ساتھ جواب دیجیے، کیا حج ادا

---

(۱) (فضلت)... (عن حوائجه الأصلية) كأثاث المنزل وآلات المحترفين وكالكتب لأهل العلم والمسكن. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر- عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ'داماد أفندي' (م: ۱۰۷۸ھ): ۲۶۱/۱، كتاب الحج، شروط الحج، ط: دار إحياء التراث العربي)

ونصاب الوجوب ملك مال يبلغه إلى مكة ذاهبا وجائيا، راكبا في جميع السفر لا ماشيا بنفقة متوسطة فاضلا عن مسكنه ... وآلات حِرَفه ... ونفقة من عليه نفقته وكسوته ... إلى حين عوده. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري- الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۵۷-۵۹، باب شرائط الحج، الشرط السادس: الاستطاعة، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة ☆ الهداية: ۱۳۲/۱، كتاب الحج، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث الإسلامي ☆ اللباب في شرح الكتاب: ۱۷۸/۱، كتاب الحج، ت: محمد محي الدين عبد الحميد، ط: المكتبة العلمية- بيروت ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۴۹۹/۲، كتاب الحج، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۲۱۷/۱، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته، ط: دار الفكر- بيروت)

کرنے کے لیے تمام شرائط کا ایک ساتھ پایا جانا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حج کی ادائیگی کی درج ذیل شرائط ہیں، ادائیگی حج سے متعلق ان شرائط کا بہ یک وقت پایا جانا ضروری ہے:

(۱) تندرستی، (۲) قید میں نہ ہونا، نیز بادشاہ یا سرکار کی طرف سے کسی قسم کی رکاوٹ کا نہ ہونا۔[1] اور (۳) راستہ کا پر امن ہونا یعنی: راستہ میں لڑائی نہ ہو اور نہ ڈکیتی کا اندیشہ ہو۔[2]

مذکورہ تینوں شرطیں مرد و عورت دونوں کے لیے ہیں، باقی دو شرطیں صرف عورتوں کے لیے ہیں:

(۴) عورت کے ساتھ محرم کا ہونا اور (۵) عورت کا عدت میں نہ ہونا۔[3]

پہلی شرط: ''تندرستی''۔ اس شرط کے لحاظ سے اندھے، لنگڑے، لولے اور لنجے شخص پر بھی حج فرض ہو جاتا ہے؛ لیکن ایسے شخص کے لیے بہ ذات خود حج کے لیے جانا دشوار ہو، تو کسی اور کو حج میں بھیج کر حج بدل کرانے سے حج فرض ادا ہو جاتا ہے۔[4]

دوسری شرط: ''قید میں نہ ہونا''۔ اس زمانے میں گورنمنٹ کے قانون کے لحاظ سے لوگوں کو

---

(۱) (صحیح) البدن (بصیر) غیر محبوس وخائف من سلطان یمنع منه. (الدر المختار مع رد المحتار - علاء الدين الحصكفي (م:۱۰۸۸هـ): ۲/۴۵۹، كتاب الحج، ط: دار الفكر - بيروت ☆ بدائع الصنائع - الكاساني (م:۵۸۷هـ): ۲/۲۹۵، كتاب الحج، شرائط فرضية الحج، ط: زكريا - ديوبند)

(۲) (قوله مع أمن الطريق) أي وقت خروج أهل بلده وإن كان مخيفا في غيره بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۶۳، كتاب الحج، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) (قوله ومع زوج أو محرم) هذا وقوله ومع عدم عدة عليها شرطان مختصان بالمرأة فلذا قال لامرأة وما قبلهما من الشروط مشترك والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التأبيد بقرابة أو رضاع أو صهرية. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۶۴، كتاب الحج، ط: دار الفكر - بيروت)

(۴-۵) (صحيح) البدن (بصير) غير محبوس وخائف من سلطان يمنع منه. (الدر المختار) ——— قال ابن عابدين: (قوله صحيح البدن) أي سالم عن الآفات المانعة عن القيام بما لا بد منه في السفر، فلا يجب على مقعد ومفلوج وشيخ كبير لا يثبت على الراحلة بنفسه وأعمى، وإن وجد قائدا، ومحبوس، وخائف من سلطان لا بأنفسهم، ولا بالنيابة في ظاهر المذهب عن الإمام وهو رواية عنهما وظاهر الرواية عنهما وجوب الإحجاج عليهم، ويجزيهم إن دام العجز وإن زال أعادوا بأنفسهم. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۵۹، كتاب الحج، ط: دار الفكر)

منظوری دی جاتی ہے، اگر کسی کو منظوری نہیں ملی اور اس کا انتقال ہوگیا، تو مرنے سے قبل، اس پر وصیت لازم ہے، پھر حج کرنے سے اس کا ذمہ بری ہو جائے گا۔ (۵)

تیسری شرط: ''راستہ کا پرامن ہونا''۔ اس شرط کی رو سے اگر حج کی تمام شرائط کسی میں موجود ہیں؛ لیکن راستہ میں لڑائی جاری ہے اور جس راستہ سے جانا چاہتا ہے، وہاں خطرہ ہے، تو حج میں جانا ضروری نہیں ہے؛ لیکن خطرہ ٹلنے پر فوراً حج کرنا لازم ہوگا اور اگر لڑائی جاری ہی رہے اور اندیشہ ہو کہ لڑائی ختم ہونے تک وہ شخص زندہ نہیں رہے گا، تو اسے حج بدل کی وصیت کرنا ضروری ہوگا۔ اور امن کے ہونے نہ ہونے کا اعتبار فساد و نقصان کی قلت و کثرت سے ہوگا، یعنی: اگر زیادہ تر جہازوں (اسٹیمروں) کو ڈبو دیا جاتا ہو یا ختم کر دیا جاتا ہو، تو اس صورت کو ''امن کا نہ ہونا'' شمار کیا جائے گا۔ (۶)

چوتھی شرط: ''عورت کے ساتھ محرم کا ہونا''۔ لہٰذا ضروری ہوگا کہ عورت کے ساتھ اس کا شوہر یا دین دار محرم (جس کے ساتھ ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہوتا ہے) ہو۔ بہنوئی، پھوپھا، اور خالو محارم ابدیہ میں سے نہیں ہیں۔ اگر عورت کے ساتھ سفر میں جانے کے لیے اس کا شوہر یا محارم میں سے کوئی نہ ہو، تو اس کے لیے حج میں جانا جائز نہیں ہے، اگر جائے گی، تو گنہ گار ہوگی۔ (۷)

---

(۵) صفحہ سابق پر دیکھیں۔

(۶) (قوله مع أمن الطريق) أي وقت خروج أهل بلده وإن كان مخيفا في غيره بحر وقدمنا عن اللباب أنه من شروط وجوب الأداء وفي شرحه أنه الأصح ورجحه في الفتح، وروي عن الإمام أنه شرط وجوب فعلى الأول تجب الوصية به إذا مات قبل أمن الطريق أما بعده فتجب اتفاقا بحر (قوله بغلبة السلامة) كذا اختاره الفقيه أبو الليث وعليه الاعتماد.ــــــــ واختلف في سقوطه إذا لم يكن بد من ركوب البحر فقيل: يسقط وقال الكرماني: إن كان الغالب فيه السلامة من موضع جرت العادة بركوبه يجب وإلا فلا وهو الأصح بحر قال في الفتح: والذي يظهر أنه يعتبر مع غلبة السلامة عدم غلبة الخوف، حتى لو غلب لوقوع النهب والغلبة من المحاربين مرارا أو سمعوا أن طائفة تعرضت للطريق، ولها شوكة والناس يستضعفون أنفسهم عنهم لا يجب. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۶۳، كتاب الحج، مطلب في قولهم يقدم حق العبد على حق الشرع، ط: دار الفكر-بيروت ☆ غنية الناسك، ص: ۲۸، فصل شرائط وجوب الأداء، الثالث، ط: یادگار شیخ-سہارن پور)

(۷) (و) مع وجود (زوج أو محرم) الذي حرم عليه نكاحها أبدا بقرابة أو رضاع أو صهارة مسلما أو عبدا أو كافرا فلا ينضم الزوج ولذلك ذكره (للمرأة) الشابة والعجوز بعدما كانت خالية عن العدة أية عدة كانت وظاهره أن المحرم شرط الوجوب.ــــــــ وفي الإصلاح وهو الصحيح لكن في الجوهرة أن الصحيح أي المحرم أنه من =

پانچویں شرط: "عورت کا عدت میں نہ ہونا"۔ عورت کے اوپر یہ بھی لازم ہے کہ وہ عدت میں نہ ہو، اگر عدت میں ہوگی، تو اس پر حج ادا کرنا لازم نہیں، خواہ عدت شوہر کے وفات کی ہو، یا نکاح ٹوٹنے سے ہو یا طلاق کی بنا پر ہو، عدت کی حالت میں جائے گی تو گنہ گار ہوگی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] محرم کا خرچہ عورت کے ذمے ہے

۱۶۲۳- سوال: سفر حج میں عورت کے ساتھ محرم کا ہونا شرط ہے، سوال یہ ہے کہ محرم کا خرچہ کس پر ہے، خود اس پر، یا اس عورت پر، جس کے ساتھ وہ جارہا ہے؟

اگر عورت کے خرچ برداشت کرنے کے باوجود، کوئی محرم ساتھ جانے کے لیے آمادہ نہ ہو، تو عورت اس صورت میں کیا کرے گی؟

الجواب حامدا ومصلیا:

محرم- جو ساتھ ہوگا- اس کا خرچ عورت دے گی۔[2]

=شرائط الأداء حتى يجب الإيصاء به (إن كان بينها) أي بين مكان المرأة.______(وبين مكة مسافة سفر) أي مسافة ثلاثة أيام ولياليها؛ لأنه لو كان أقل منها يجوز بلا محرم.______(ولا تحج) المرأة (بلا أحدهما) أي الزوج أو المحرم. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر- عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/ ۲۶۲، كتاب الحج، شروط الحج، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۶۴، كتاب الحج، ط: دار الفكر)

(۱) والثاني: أن لا تكون معتدة عن طلاق أو وفاة؛ لأن الله تعالى نهى المعتدات بقوله عز وجل: {لا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن} [الطلاق: 1]. وروي عن عبد الله بن عمر- رضي الله عنه- أنه رد المعتدات من ذي الحليفة.______وروي عن عبد الله بن مسعود- رضي الله عنه- أنه ردهن من الجحفة.______ولأن الحج يمكن أداؤه في وقت آخر فأما العدة فإنها إنما يجب قضاؤها في هذا الوقت خاصة فكان الجمع بين الأمرين أولى. (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۲۴، كتاب الحج، فصل: شرائط فرضية الحج، ط: دار الكتب العلمية ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۳/ ۴۶۶، كتاب الحج، ط: زكريا- ديوبند)

(۲) (و) مع (زوج أو محرم) ولو عبدا أو ذميا أو برضاع (بالغ) قيد لهما كما في النهر بحثا (عاقل والمراهق كبالغ) جوهرة... (مع) وجوب النفقة لمحرمها (عليها) لأنه محبوس (عليها) لامرأة حرة ولو عجوزا في سفر. (الدر المختار)

______قال ابن عابدين: (قوله مع وجوب النفقة إلخ) أي فيشترط أن تكون قادرة على نفقتها ونفقته (قوله لمحرمها) قيد به لأنه لو خرج معها زوجها فلا نفقة له عليها بل هي لها عليه النفقة... (قوله لأنه محبوس عليها) أي حبس نفسه لأجلها ومن حبس نفسه لغيره فنفقته عليه. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۶۴، كتاب الحج، ط: دار الفكر- بيروت ☆ ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱/ ۳۸۷، ط: مكتبة فقيه الأمة- ديوبند)

اگر عورت کے خرچ دینے کے باوجود کوئی ساتھ جانے کے لیے تیار نہ ہو، تو عورت پر لازم ہے کہ حج میں جانے سے رک جائے اور وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد کسی کو بھیج کر میری جانب سے حج کرادیا جائے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] تمام قسم کے محرم کے ساتھ حج میں جانا جائز ہے

۱۶۲۴-سوال: (۱) محرم کئی طرح کے ہوتے ہیں: نسبی، دودھ کے رشتے کی وجہ سے، سسرالی رشتے کی وجہ سے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا عورت حج کے لیے ان تینوں قسم کے محارم میں سے کسی کے ساتھ بھی جاسکتی ہے، یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟

(۲) نیز محرم اگر نابالغ یا پاگل ہو، تو عورت اس کے ہم راہ فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے جاسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا، توجروا۔

---

(۱) ''خاتون کے لیے محرم کا ہونا'' وجوب حج کے لیے شرط ہے یا وجوب ادا کے لیے، اگر وجوب حج کے لیے شرط ہو، اور محرم میسر نہ ہو، تو اس پر قریب المرگ حج بدل کی وصیت کرنا لازم نہیں ہے، اور اگر وجوب ادا کے لیے شرط ہو، تو ایسی صورت میں قریب المرگ وصیت کرنا لازم ہوگا۔

اس مسئلے میں فقہاء کا اختلاف ہے، دو رائے ہے اور ہر دو رائے کی ترجیح وتصحیح منقول ہے، بعض فرماتے ہیں کہ ''خاتون کے لیے محرم کا ہونا'' وجوب حج کے لیے شرط ہے، جب کہ بعض اسے وجوب ادا کے لیے شرط قرار دیتے ہیں، احتیاط اسی دوسرے قول میں ہے، اسی لیے صورت مسئولہ میں اکابر دیوبند سمیت، حضرت مفتی صاحب کا فتویٰ ہے کہ اس کے لیے قریب المرگ وصیت کرنا لازم ہے، ذیل کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

ثم تكلموا أن أمن الطريق وسلامة البدن -على قول أبي حنيفة- رحمه الله تعالى- ووجود المحرم للمرأة شرط لوجوب الحج أم لأدائه، بعضهم جعلوها شرطا للوجوب وبعضهم شرطا للأداء، وهو الصحيح وثمرة الخلاف فيما إذا مات قبل الحج فعلى قول الأولين لا تلزمه الوصية وعلى قول الآخرين تلزمه كذا في النهاية. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۱۹، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته وشرائطه وأركانه، ط: دار الفكر-بيروت)

وظاهره أن المحرم شرط الوجوب. ——— وفي الإصلاح وهو الصحيح لكن في الجوهرة أن الصحيح أي المحرم أنه من شرائط الأداء حتى يجب الإيصاء به. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر- داماد أفندي (م:۱۰۷۸ھ): ۱/۲۶۲، كتاب الحج، شروط الحج، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۶۴، كتاب الحج، ط: دار الفكر)

[مجتبیٰ حسن قاسمی]

الجواب حامداومصلیا:

محرمیت کا تعلق خواہ نسب کی وجہ سے ہو، جیسے: باپ، بھائی، چچا، بھتیجا اور بھانجا وغیرہ، یا دودھ کے رشتہ کی وجہ سے ہو، جیسے: رضائی باپ، رضائی بھائی وغیرہ، یا سسرالی رشتے کی وجہ سے ہو، جیسے: داماد، خسر وغیرہ، ان سب کے ساتھ عورت کے لیے حج میں جانا جائز ہے۔[۱]

لیکن موجودہ دور فتنہ، فساد، بے دینی اور بے حیائی کا ہے؛ اس لیے سسرالی یا رضائی محارم کے ساتھ حج میں جانا مناسب نہیں۔[۲]

یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جوان ساس کو اپنے داماد سے پردہ کرنا چاہیے۔[۳]

(۲) آپ کے دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ محرم کا عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے؛ لہٰذا نابالغ اور پاگل ایسا محرم نہیں ہے، جس کے ساتھ حج کیا جاسکے۔[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۲] جس بیوہ کے پاس محرم نہ ہو، وہ کیا کرے؟

۱۶۲۵- سوال: (۱) ایک عورت بیوہ ہے، اس کے پاس کسی قسم کا کوئی اور محرم بھی نہیں ہے، اور اس کے پاس اتنا پیسہ ہے، جس سے حج فرض ہوجایا کرتا ہے، تو کیا محض حج میں جانے کے واسطے اسے نکاح کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

---

(۱) ثم صفة المحرم أن يكون ممن لا يجوز له نكاحها على التأبيد إما بالقرابة، أو الرضاع، أو الصهرية؛ لأن الحرمة المؤبدة تزيل التهمة في الخلوة. (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۲۴، كتاب الحج، فصل: شرائط فرضية الحج، ط: دار الكتب العلمية)

(و) مع وجود (زوج أو محرم) الذي حرم عليه نكاحها أبدا بقرابة، أو رضاع، أو صهارة، مسلما، أو عبدا، أو كافرا. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - داماد أفندي (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/ ۲۶۲، كتاب الحج، شروط الحج، ط: دار إحياء التراث العربي

☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۶۴، كتاب الحج، ط: دار الفكر)

(۲-۳) ولهذا قالوا: إن المحرم إذا لم يكن مأمونا عليه لم يجز لها أن تسافر معه. (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۲۴، كتاب الحج، فصل: شرائط فرضية الحج، ط: دار الكتب العلمية)

نقل السيد أبو السعود عن نفقات البزازية لا تسافر بأخيها رضاعا في زماننا اهـ أي لغلبة الفساد. ــــ قلت: ويؤيده كراهة الخلوة بها كالصهرة الشابة فينبغي استثناء الصهرة الشابة هنا أيضا لأن السفر كالخلوة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۶۴، كتاب الحج، ط: دار الفكر - بيروت)

(۴) وينبغي أن يشترط في الزوج ما يشترط في المحرم، وقد اشترط في المحرم العقل والبلوغ. (المصدر السابق)

(٢) اور اگر وہ بہ غیر محرم کے ہی حج کو چلی گئی، تو اس کا حج ادا ہوا یا نہیں، بینوا، توجروا۔

الجواب حامداو مصلیا:

(١) بیوہ عورت کو اگر کوئی محرم میسر نہ ہو، تو محض حج میں جانے کے لیے شادی کرنا ضروری نہیں۔[١]

(٢) عورت محرم کے بہ غیر حج میں جائے گی، تو حج تو ادا ہو جائے گا؛ لیکن وہ گنہ گار ہوگی۔[٢] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[١٣] ٦٠-٧٠ سالہ بوڑھی عورت کے لیے محرم کا ہونا شرط ہے یا نہیں؟

١٦٢٦- سوال: محرم کے سفر حج میں ساتھ ہونے کی شرط صرف جوان عورتوں کے لیے ہے، یا بوڑھی عورتوں کے لیے بھی؟

یہ بھی بتائیں کہ کیا کوئی عورت محرم کو اپنے ساتھ حج میں جانے پر مجبور کر سکتی ہے؟

---

(١) وإذا لم يكن لها زوج ولا محرم لا يجب عليها أن تتزوج ليذهب معها. (تحفة الفقهاء- محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو: ٥٤٠هـ): ١/ ٣٨٧، كتاب المناسك، مسألة الحج، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

وهل يلزمها التزوج؟ (الدر المختار: ٢/ ٤٦٣) ــــــــــ قال ابن عابدين: قلت: لكن جزم في اللباب بأنه لا يجب عليها التزوج مع أنه مشى على جعل المحرم أو الزوج شرط أداء ورجح هذا في الجوهرة وابن أمير حاج في المناسك كما قاله المصنف في منحه قال: ووجهه أنه لا يحصل غرضها بالتزوج لأن الزوج له أن يمتنع من الخروج معها، بعد أن يملكها، ولا تقدر على الخلاص منه وربما لا يوافقها فتتضرر منه بخلاف المحرم، فإنه إن وافقها أنفقت عليه وإن امتنع أمسكت نفقتها وتركت الحج اهـ فافهم. (رد المحتار على الدر المختار: ٢/ ٤٦٥، كتاب الحج، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ١/ ٢١٩، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته وشرائطه وأركانه، ط: دار الفكر)

(٢) عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "لا تسافر المرأة إلا مع ذي محرم، ولا يدخل عليها رجل إلا ومعها محرم"، فقال رجل: يا رسول الله، إني أريد أن أخرج في جيش كذا وكذا، وامرأتي تريد الحج، فقال: "اخرج معها". (صحيح البخاري: ١/ ٢٥٠، رقم الحديث: ١٨٦٢، كتاب المناسك، باب حج النساء، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ١/ ٤٣٤، رقم الحديث: ٤٢٤-(١٣٤١)، كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، ط: ديوبند)

ولو حجت بلا محرم جاز مع الكراهة. (الدر المختار) ــــــــــ قال ابن عابدين: (قوله مع الكراهة) أي التحريمية للنهي في حديث الصحيحين "لا تسافر امرأة ثلاثا إلا ومعها محرم" زاد مسلم في رواية "أو زوج". (رد المحتار على الدر المختار: ٢/ ٤٦٥، كتاب الحج، ط: دار الفكر)

الجواب حامداومصلیا:

(۱) اصل مسئلہ تو یہی ہے کہ مکہ مکرمہ سے دور رہنے والی عورت کے لیے محرم کا ہونا ضروری ہے، خواہ وہ [عورت] جوان ہو یا بوڑھی۔[۱]

محرم یا شوہر کے ساتھ سفر کی شرط اور مقصد اصلی اثناء سفر میں ابتلاء معصیت اور فتنہ سے حفاظت ہے؛ لہٰذا بوڑھی عورت، جس میں ابتلاء معصیت اور فتنہ کا خطرہ نہ ہو، اس کا غیر محرم کے ساتھ سفر حج میں جانا جائز ہے۔ چناں چہ فتنہ کا خطرہ نہ ہونے کی وجہ سے حضرت تھانوی قدس سرہ نے بھی بوڑھی عورت کے لیے گنجائش نقل فرمائی ہے؛ اس لیے محرم یا شوہر کی معیت کی شرط سے ساٹھ، ستر سالہ عورت مستثنیٰ ہوگی، مگر بوڑھی، کم زور عورت کی خدمت وسہارے کے لیے کسی کا ساتھ میں ہونا ضروری ہے۔[۲]

---

(۱) ویستوي الجواب بین أن تکون المرأة شابة أو عجوزا في اشتراط المحرم لأنها عورة أیضا ــــــ هذا إذا کان بینها وبین مکة مدة السفر وهي ثلاثة أیام ولیالیها فأما إذا کان دون مدة السفر فإنه لا یشترط المحرم. (تحفة الفقهاء- محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بکر علاء الدین السمرقندي (م: نحو: ۵۴۰هـ): ۳۸۸/۱، کتاب المناسك، مسألة الحج، ط: دار الکتب العلمیة-بیروت)

(۲) وفي کتب الحنفیة عامة عدم جواز السفر إلا مع محرم. ــــــ قلت (إمام العصر الشیخ محمد أنور الکشمیري): ویجوز عندی مع غیر محرم أیضا بشرط الاعتماد والأمن من الفتنة، وقد وجدت له مادة کثیرة في الأحادیث، أما في الفقه، فهو من مسائل الفتن. (فیض الباري شرح صحیح البخاري-الشیخ محمد أنور الکشمیري: ۱۴۹/۳، کتاب تقصیر الصلاة، باب في کم یقصر الصلاة، في ذیل رقم: ۱۰۸۸، ت: أحمد عزو عنایة، ط: دار الضیاء- کویت)

قال المحشي (الشیخ محمد بدر عالم المیرتهی): منها أمر النبي -صلی الله علیه وسلم- أبا العاص أن یرسل زینب -رضي الله عنها- مع رجل لم یکن لها محرما. ومجيء عائشة -رضي الله عنها- في قصة إفك. (المصدر السابق)

امداد الفتاوی میں ہے:

سوال: سفر مرأۃ کے لیے محرم کا شرط ہونا فقہاء کہتے ہیں، شابہ وعجوزہ کی تعمیم بھی کتب فقہ میں مصرح ہے، فتح پور میں شاہ لطف رسول صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ جناب نے فرمایا کہ عجوزہ کے لیے ضروری نہیں ہے، اس کو سند امکرر مراجعت کتب فقہ کی گئی، شامی، فتح القدیر، البحر الرائق، عالم گیری؛ سب میں عجوز کی تصریح ہے، اگر جزئی نظر اقدس سے گزری ہو، اطلاع سے عزت افزائی فرمائی جائے۔

جواب: في الدر المختار: أما العجوز التي لا تشتهی فلا بأس بمصافحتها ومس یدها إذا أمن، ومتی جاز المس جاز سفره بها ویخلو إذا أمن علیه وعلیها وإلا لا. اهـ وتکلم فیه صاحب رد المحتار بشيء. ج: ۵، ص: ۳۶۲، میں نے شاید درمختار کے اسی جزئیہ پر کہا ہوگا، گو اچھی طرح یاد نہیں، بہر حال گنجائش ضرور ہے۔ (۱۲ر صفر ۱۳۳۰ھ) [امداد الفتاوی-مولانا اشرف علی تھانوی: ۲۰۱/۴، عورتوں کے پردے اور نظر ولمس وغیرہ کے احکام، بوڑھی عورت کے لیے سفر بلا محرم کے جواز، ط: کریا- دیو بند ☆ مزید دیکھیے: انوار مناسک، ص ۱۷۷، بہ حوالہ: مسائل حج- مفتی احمد بیمات، ص: ۵۱، ترجمہ: مفتی اسامہ پالن پوری، ناشر: حافظ اسجد بن مفتی احمد بیمات، دار العلوم- کرمالی]

(۲) عورت محرم کو ساتھ لے جانے کے لیے مجبور نہیں کرسکتی ہے۔ (☆☆☆) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] عورت کا کسی غیر محرم کے ساتھ سفرِ حج میں جانا

۱۶۲۷- سوال: بوڑھی بیوہ عورت کا غیر محرم رشتہ دار کے ساتھ سفر حج میں جانا جائز ہے یا نہیں، جامعہ حسینیہ سے ایک فتویٰ صادر ہوا ہے، جس میں یہ بات ہے کہ بوڑھی عورت بھی سفر حج میں بغیر محرم کے نہیں جائے گی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سلسلے میں شریعت کی کیا رہنمائی ہے۔ بینوا تو جروا۔

الجواب حامداو مصلیا:

آپ کا سوال تاریخ: ۲۰/۷/۱۹۸۹ء کو ملا، اس کو پڑھا، اور جواب جو جامعہ حسینیہ سے تاریخ: ۲۹/۷/۱۹۸۹ء کو دیا گیا ہے، وہ بھی پڑھا، جواب صحیح ہے۔

عورت: جوان، ادھیڑ یا بوڑھی کسی بھی عمر کی ہو، سفرِ حج یا دیگر کسی بھی سفر میں، جو اڑتالیس میل کی مسافت کا ہو، اُس کے لیے محرم رشتہ دار کے بغیر جانا جائز نہیں؛ لہٰذا سوال میں مذکورہ بیوہ کے غیر محرم رشتہ داروں کے ساتھ بھی جانا جائز نہیں ہے۔ (۱)

اگر بغیر محرم کے سفرِ حج کیا، تو اگرچہ حجِ فرض ادا ہو جائے گا؛ لیکن بغیر محرم کے سفر کا گناہ لازم ہوگا۔ (۲)

واضح رہے کہ جس طرح حرم شریف میں نیکیوں کا اجر زیادہ ہے، اسی طرح گناہوں کا وبال بھی زیادہ ہوگا؛ [۳] لہٰذا مذکورہ عورت کے لیے بہتر یہی ہے کہ حقیقی بھتیجے یا بھانجے وغیرہ محرم رشتہ داروں کے ساتھ حج میں جائے،

(☆☆☆) فإن امتنع الزوج أو المحرم عن الخروج لا يجبران على الخروج. (بدائع الصنائع: ۲/۱۲۳، کتاب الحج، فصل: شرائط فرضية الحج، ط: دار الكتب العلمية)

(۱) عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تسافر المرأة ثلاثة أيام إلا مع ذي محرم. (صحيح البخاري: ۱/۱۴۷، رقم الحديث: ۱۰۸۶، كتاب الجمعة، أبواب تقصير الصلاة، باب: في كم يقصر الصلاة، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۱/۴۳۳، رقم الحديث: ۴۱۳-(۱۳۳۸)، كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، ط: ديوبند)

تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے: غیر محرم کے ساتھ عورت کا سفر حج کرنے کا شرعی حکم۔

(۲) و لو حجت بلا محرم جاز مع الكراهة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۴۶۵، كتاب الحج، ط: دار الفكر- بيروت ☆الجوهرة النيرة: ۱/۱۵۰، كتاب الحج، المطبعة الخيرية ☆ حاشية الطحطاوي على المراقي، ص: ۷۲۸، كتاب الحج، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

[۳] عن مجاهد يقول: رأيت عبد الله بن عمرو بن العاص بعرفة، ومنزله في الحل، ومصلاه في الحرم، فقيل له: لم=

اگر محرم رشتہ دار نہ ہوں، تو تین دین دار آدمیوں کو بلا کر اپنی جانب سے حجِ بدل کی وصیت کر دے، اور حج کی پوری رقم ان کے حوالے کر کے بینک میں جمع کروا دے، مذکورہ عورت کی وفات کے بعد اُس کی جانب سے حجِ بدل کروانے سے اُس کا حجِ فرض ادا ہو جائے گا، اور حکمِ شرعی کی اتباع کی وجہ سے غیر محرم کے ساتھ سفرِ حج کے مقابلہ میں ثواب بھی زیادہ ملے گا۔[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] غیر محرم کے ساتھ سفرِ حج کا شرعی حکم

۱۶۲۸- سوال: ہمارے پہچان والوں میں ایک ہندہ نامی عورت ہے، وہ سالِ رواں حج کے لیے جانا چاہتی ہے، ان کے ساتھ کوئی محرم مرد نہیں ہے؛ البتہ لندن سے اس کی بہن اور اس کے بہنوئی حج کے لیے آنے والے ہیں، یہ تمام افراد مل کر حج کے ارکان ادا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا وہ خاتون یہاں (گجرات، انڈیا) سے محرم کے بغیر حج کے سفر پر جا سکتی ہے؟ اگر وہ حج کے سفر پر جا سکتی ہے، تو اس کا طریقہ کیا ہوگا؟

اگر اس کے ساتھ مکہ یا ریاض میں اس کی بہن اور اس کے بہنوئی ملنے والے ہوں، تو یہاں سے یہ

=تفعل هذا؟ فقال: لأن العمل فيه أفضل، والخطيئة أعظم فيه. (المصنف- أبو بكر عبد الرزاق بن همام بن نافع الحميري اليماني الصنعاني (م:۲۱۱هـ): ۵/۲۷-۲۸، رقم الحديث: ۸۸۷۰، كتاب المناسك، باب الخطيئة في الحرم والبيت المعمور، ت: حبيب الرحمن الأعظمي، ط: المكتب الإسلامي- بيروت)

إسماعيل بن أمية: أن عمر بن الخطاب قال: لأن أخطئ سبعين خطيئة بركبة أحب إلي من أن أخطئ خطيئة واحدة بمكة. (المصدر السابق: ۵/۲۸، رقم الحديث: ۸۸۷۱)

وقد قال بعض العلماء: إن السيئات تضاعف بها كما تضاعف الحسنات. (البحر العميق- أبو البقاء، محمد بن أحمد بن محمد بن الضياء المكي الحنفي (م: ۸۵۴هـ): ۱/۱۳۵، الباب الأول في الفضائل، فصل في حكم الجوار بمكة ط: مؤسسة الريان- المكتبة المكية)

(۴) وإن مات عن وصية لا يسقط الحج عنه، ويجب أن يحج عنه؛ لأن الوصية بالحج قد صحت، وإذا حج عنه يجوز عند استجماع شرائط الجواز، وهي نية الحج عنه، وأن يكون الحج بمال الموصي... الخ. (بدائع الصنائع: ۲/۲۲۲، كتاب الحج، قبيل: فصل بيان حكم فوات الحج عن العمرة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۲۵۸، كتاب المناسك، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج، ط: دار الفكر- بيروت)

إن أوصى بالإحجاج عنه يحج عنه ويسقط به عنه الفرض، وإن لم يوص به أثم. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري- الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴هـ) ص: ۶۰۸، باب الفوات، حكم فوات الحج عن العمر، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة)

عورت تنہا سفر کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس کا بہنوئی اس کا محرم بن سکتا ہے یا نہیں؟ یہاں کے محارم مالی اعتبار سے کمزور ہیں؛ اس لیے وہ عورت ان کے ساتھ سفر حج میں نہیں جا سکتی؛ لندن کے محرم یعنی اپنی بہن اور اپنے بہنوئی کے ساتھ حج کرنا چاہتی ہے، امید ہے کہ تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں گے۔ احمد محمد جسات

الجواب حامداومصليا:

محرم کے بغیر عورت کا (شرعی) سفر کرنا جائز نہیں، بہنوئی محرم میں داخل نہیں ہے؛ کیوں کہ اپنی بیوی کے انتقال کے بعد یا اس کی علاحدگی وطلاق اور عدت گزر جانے کے بعد، اس کی بہن یعنی اپنی سالی سے نکاح کرنا جائز ہے؛ اس لیے بہنوئی کے ساتھ سفر میں جانا جائز نہیں۔ (۱)

اس کے جواز کی ایک صورت یہ ہے کہ اپنے کسی مال دار محرم کے ساتھ سفر کرے یا کسی غریب محرم کے سفر کا وہ عورت خرچ برداشت کرے اور اس کو اپنے ساتھ حج کے سفر میں ساتھ لے جائے۔ (۲)

---

(۱) عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "لاتسافر المرأة إلا مع ذي محرم، ولا يدخل عليها رجل إلا ومعها محرم"، فقال رجل: يا رسول الله، إني أريد أن أخرج في جيش كذا وكذا، وامرأتي تريد الحج، فقال: "اخرج معها". (صحيح البخاري: ۱/۲۵۰، رقم الحديث: ۱۸۶۲، كتاب الحج، باب حج النساء، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۴۳۴، رقم الحديث: ۴۲۴-(۱۳۴۱)، كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، ط: ديوبند)

المحرمات المؤبدة اثنتان وعشرون سبع بالنسب وهن المذكورات في قوله تعالى {حرمت عليكم أمهاتكم} [النساء: ۲۳] إلى قوله تعالى {وبنات الأخت} [النساء: ۲۳] وأربع بالصهر وهن أمهات النساء والربائب وحليلة الابن ومنكوحة الأب فهذه إحدى عشرة ومثلهن بالرضاع، والمحرمات المؤقتة سبع: الجمع بين الأختين وتزويج الخامسة وعنده أربع وتزويج الأمة على الحرة وتزويج الأربع في عدة الموطوءة بشبهة وكذا تزويج أختها وأمة الرجل إذا كاتبها والمشركة على المؤمن كذا في المنثور. اهـ. مستصفى. (حاشية الشِلْبِيّ مع تبيين الحقائق - شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِلْبِيّ (م: ۱۰۲۱هـ): ۲/۱۰۱، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق)

ثم صفة المحرم أن يكون ممن لا يجوز له نكاحها على التأبيد إما بالقرابة، أو الرضاع، أو الصهرية؛ لأن الحرمة المؤبدة تزيل التهمة في الخلوة. (بدائع الصنائع: ۲/۱۲۴، كتاب الحج، فصل: شرائط فرضية الحج، ط: دار الكتب العلمية)

(۲) (مع) وجوب النفقة لمحرمها (عليها) لأنه محبوس (عليها) لامرأة حرة ولو عجوزا في سفر. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله مع وجوب النفقة إلخ) أي فيشترط أن تكون قادرة على نفقتها ونفقته (قوله لمحرمها) قيد به، لأنه لو خرج معها زوجها فلا نفقة له عليها بل هي لها عليه النفقة ... (قوله لأنه محبوس عليها) أي حبس نفسه لأجلها ومن حبس نفسه لغيره فنفقته عليه. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۶۴، كتاب الحج، ط: دار الفكر - بيروت ☆ ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱/۳۸۷، ط: مكتبة فقيه الأمة - ديوبند)

لیکن اگر محرم غریب ہے اور وہ عورت اس غریب محرم کا خرچ برداشت کرنے کی استطاعت نہیں رکھتی، تو اس کو تنہا حج کے سفر میں جانا جائز نہیں؛ کیوں کہ ایسی صورت میں عورت پر حج ادا کرنا لازم نہیں، حج ادا کرنے کے لیے ساتھ میں محرم کا ہونا ضروری ہے۔[۳] البتہ عورت کے ذمہ حج کی فرضیت ثابت ہوجائے گی؛ لیکن ادا کرنا واجب نہیں ہوگا؛ اس لیے وصیت کرنا ضروری ہوگا، زندگی میں محرم کے ساتھ نہ جاسکتی ہو، تو وصیت کرے گی کہ میرے انتقال کے بعد حج بدل کیا جائے، حج نہ کرنے سے وہ عورت گنہ گار نہ ہوگی؛ البتہ وصیت بھی نہ کرے، تو گنہ گار ہوگی۔ (عالمگیری وشامی)[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] لڑکا یا لڑکی کے خسر کے ساتھ عورت کا سفر حج میں جانا

۱۶۲۹- سوال: محترم حضرت مفتی صاحب! سوال یہ ہے کہ کوئی عورت اپنے لڑکے یا لڑکی کے خسر کے ساتھ حج میں جاسکتی ہے یا نہیں؟ یعنی لڑکے یا لڑکی کا خسر اس کا محرم بن سکتا ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت کے ساتھ سفر میں ایسے محرم کا ہونا ضروری ہے، جس سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو، اور وہ

---

(۳) وأما الذي يخص النساء فشرطان: أحدهما أن يكون معها زوجها أو محرم لها فإن لم يوجد أحدهما لا يجب عليها الحج. وهذا عندنا، ... (إلى قوله): أن المحرم أو الزوج من ضرورات حجها بمنزلة الزاد، والراحلة إذ لا يمكنها الحج بدونه كما لا يمكنها الحج بدون الزاد، والراحلة. (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۲۳، كتاب الحج، فصل شرائط فرضية الحج، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري- الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۷۶، باب شرائط الحج، النوع الثاني: شرائط الأداء، ت: محمد طلحة بلال أحمد منيار، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۶۴، كتاب الحج، ط: دار الفكر- بيروت)

[۴] والنوع الثاني: شروط الأداء وهي التي إن وجدت بتمامها مع شروط الوجوب، وجب أداؤه بنفسه، وإن فقد بعضها مع تحقق شروط الوجوب، فلا يجب الأداء بل عليه الإحجاج أو الإيصاء عند الموت وهي خمسة: سلامة البدن، وأمن الطريق وعدم الحبس، والمحرم أو الزوج للمرأة وعدم العدة لها. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۵۸، كتاب الحج، ط: دار الفكر- بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۵۸، كتاب المناسك الباب الأول في تفسير الحج، ط: دار الفكر- بيروت ☆ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري- الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۶۱۱، باب الحج عن الغير)

إن أوصى بالإحجاج عنه يحج عنه ويسقط به عنه الفرض، وإن لم يوص به أثم. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري- الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۲۰۸، باب الفوات، حكم فوات الحج عن العمر)

تین طرح کے رشتے ہیں: نسبی رشتہ، جیسے: باپ، دادا، لڑکا، پوتا، ماں، چچا، بھتیجا [پھوپھی کے لیے، نہ کہ چچی کے لیے۔ مرتب]، بھانجا۔ اور دودھ کا رشتہ، جیسے: دودھ شریک بھائی وغیرہ اور سسرالی رشتہ، جیسے: داماد، خسر وغیرہ۔[1]

یہی وجہ ہے کہ سالی کا بہنوئی کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں؛ کیوں کہ سالی بہنوئی پر ہمیشہ کے لیے حرام نہیں، بہن کی طلاق یا انتقال کے بعد، بہنوئی سے اس کا نکاح جائز ہے۔[۲]

اور آپ نے جو صورت لکھی ہے، اس میں لڑکے کا خسر ہو یا لڑکی کا خسر، اس سے نکاح کرنا اس لڑکے اور لڑکی کی ماں کا جائز ہے، وہ اس پر حرام نہیں ہے، لہٰذا اس کے ساتھ سفر کرنا جائز نہ ہوگا، اگر عورت اس کے ساتھ سفر کرے گی، تو غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے کا گناہ لازم ہوگا، البتہ حج ادا ہو جائے گا۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (الرابع) أي من شرائط الأداء في خصوص حق النساء (المحرم الأمين) وهو كل رجل مأمون عاقل مناكحتها حرام عليه بالتأبيد، سواء كان بالقرابة أو الرضاعة أو الصهرية، بنكاح أو سفاح، في الأصح. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴هـ)، ص: ۷۶، باب شرائط الحج، النوع الثاني: شرائط الأداء، ت: محمد طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة☆ الفتاوى الهندية: ۲۱۹/۱، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضية، ط: دار الفكر-بيروت☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-داماد أفندي (م: ۱۰۷۸هـ): ۲۶۲/۱، كتاب الحج، شروط الحج، ط: دار إحياء التراث العربي☆ رد المحتار على الدر المختار: ۴۶۴/۲، كتاب الحج، ط: دار الفكر)

(۲) المحرمات المؤبدة اثنتان وعشرون، سبع بالنسب وهن المذكورات في قوله تعالى {حرمت عليكم أمهتكم} [النساء: ۲۳] إلى قوله تعالى {وبنات الأخت} [النساء: ۲۳] وأربع بالصهر وهن أمهات النساء والربائب وحليلة الابن ومنكوحة الأب؛ فهذه إحدى عشرة، ومثلهن بالرضاع، والمحرمات المؤقتة سبع الجمع بين الأختين. (حاشية الشِلْبِيّ على تبيين الحقائق-شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِلْبِيّ (م: ۱۰۲۱هـ): ۱۰۱/۲، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، ط: المطبعة الكبرى الأميرية-بولاق، القاهرة)

"ولا يجمع بين أختين نكاحا ولا يملك يمين وطأ" لقوله تعالى: {وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ} [النساء: ۲۳] ولقوله عليه الصلاة والسلام "من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يجمعن ماءه في رحم أختين". (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱۸۷/۱، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي-بيروت)

(۳) ولو حجت بلا محرم جاز مع الكراهة. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله مع الكراهة) أي التحريمية للنهي في حديث الصحيحين "لا تسافر امرأة ثلاثا إلا ومعها محرم" زاد مسلم في رواية "أو زوج". (رد المحتار على الدر المختار: ۴۶۵/۲، كتاب الحج، ط: دار الفكر)

[۱۷] کیا میری سالی حج کے سفر میں جدہ تک میرے ساتھ جاسکتی ہے؟

۱۶۳۰- سوال: اس سال میرا حج کرنے کا ارادہ ہے، میرے اس ارادے کو جان کر میری سالی بھی تیار ہوئی ہے، اور وہ میرے ساتھ حج کے لیے جانا چاہتی ہے، تو کیا وہ میرے ساتھ حج کے سفر میں جدہ تک جاسکتی ہے؟ جدہ میں میری سالی کا لڑکا ہے، وہ اس کے ساتھ وہاں حج کے لیے جائے گا۔

الجواب حامدا ومصلیا:

حج میں جانے کے لیے عورت کے ساتھ محرم کا ہونا ضروری ہے، آپ کی تحریر کے مطابق اگر آپ کی سالی آپ کے ساتھ سفر کے لیے جانا چاہتی ہے، چوں کہ آپ اس کے لیے غیر محرم ہیں، اس لیے جدہ تک بھی وہ آپ کے ساتھ نہیں جاسکتی، بغیر محرم کے سفر کرنے کا گناہ لازم آئے گا، تاہم حج ادا ہوجائے گا: **ولا تحج بلا أحدهما فإن حجت جاز مع الكراهة.** (مجمع الانہر: ۱/ ۲۶۲)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] نابینا عورت کا ولی نہ ہونے کی وجہ سے دوسری عورت کے ساتھ حج میں جانا

۱۶۳۱- سوال: ایک عورت دونوں آنکھ سے معذور ہے، اس کا کوئی والی اور سرپرست نہیں ہے، بحمد اللہ مالدار ہے اور حج بیت اللہ کا ارادہ رکھتی ہے، دوسری ایک عورت اس کی خدمت کرتی ہے، اس کی شادی بھی ہوگئی ہے، یہ دوسری عورت نیک، صالح، نمازی اور دین دار ہے۔

نابینا عورت اپنے حج کا ارادہ رکھتی ہے اور چاہتی ہے کہ وہ دوسری عورت، جو اس کے یہاں خدمت کرتی ہے، اس کو اپنے خرچ سے حج کے لیے لے جائے، سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں اس کا حج عنداللہ قبول ہوگا یا نہیں؟ کیوں کہ مردوں میں اس کا کوئی ولی اور سرپرست نہیں ہے۔ بینوا توجروا۔

---

(۱) (ولا تحج) المرأة (بلا أحدهما) أي الزوج أو المحرم. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر- عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ 'داماد أفندي' (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/ ۲۶۲، كتاب الحج، شروط الحج، ط: دار إحياء التراث العربي)

ولو حجت بلا محرم جاز مع الكراهة. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله مع الكراهة) أي التحريمية للنهي في حديث الصحيحين "لا تسافر امرأة ثلاثا إلا ومعها محرم" زاد مسلم في رواية "أو زوج". (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۶۵، كتاب الحج، ط: دار الفكر)

الجواب حامدا ومصلیا:

کسی بھی مسلم عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے سفر شرعی کے لیے کسی محرم کو اپنے ساتھ لے جائے، محرم وہ شخص ہے، جس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکاح کرنا حرام ہو، محرم کے بغیر سفر کرنے سے عورت گنہ گار ہوگی۔ [1]

حج گرچہ ایک عظیم الشان عبادت ہے، مگر محرم کی شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے اس سے اس عبادت کا وجوب ساقط ہوجائے گا، اس کے باوجود بھی اگر وہ محرم کے بغیر حج کے لیے جائے گی، تو حج فرض ذمے سے ساقط ہوجائے گا، تاہم وہ گنہ گار ہوگی، نیز ساتھ میں دوسری عورت کو بھی بغیر اس کے محرم کے لے جانے کا گناہ ہوگا۔ [2]

ان حالات میں اس عورت کے لیے ضروری ہے کہ اپنے کسی محرم کے ساتھ حج کرے، محرم کے نہ ہونے کی صورت میں دو گواہوں کی موجودگی میں اپنا ایک وصیت نامہ لکھ دے کہ میرے انتقال کے بعد میرے مال میں سے میری طرف سے حج بدل کیا جائے اور اس کے لیے رقم بھی اپنے مال میں سے الگ کردے، اس کے انتقال کے بعد جب اس کی طرف سے حج بدل کیا جائے گا، تو اس کا پورا پورا ثواب اس کو مل جائے گا۔ [3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تسافر المرأة ثلاثة أيام إلا مع ذي محرم.
(صحيح البخاري: ۱/ ۱۴۷، رقم الحديث: ۱۰۸٦، كتاب الجمعة، أبواب تقصير الصلاة، باب: في كم يقصر الصلاة، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۴۳۲-۴۳۳، رقم الحديث: ۴۱۳-(۱۳۳۸)، كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، ط: ديوبند)
تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے: غیر محرم کے ساتھ عورت کا سفر حج کرنے کا شرعی حکم۔

ومنها المحرم للمرأة، شابة كانت أو عجوزة... والمحرم الزوج ومن لا يجوز مناكحتها على التأبيد بقرابة أو رضاع أو مصاهرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۱۹، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضية، ط: دار الفكر-بيروت)

ثم صفة المحرم أن يكون ممن لا يجوز له نكاحها على التأبيد إما بالقرابة، أو الرضاع، أو الصهرية؛ لأن الحرمة المؤبدة تزيل التهمة في الخلوة. (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۲۴، كتاب الحج، فصل: شرائط فرضية الحج، ط: دار الكتب العلمية)

(۲) وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ. (۵-المائدة: ۲)

ولو حجت بلا محرم جاز مع الكراهة. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله مع الكراهة) أي التحريمية للنهي في حديث الصحيحين "لا تسافر امرأة ثلاثا إلا ومعها محرم" زاد مسلم في رواية "أو زوج". (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴٦۵، كتاب الحج، ط: دار الفكر)

(۳) وإن مات عن وصية لا يسقط الحج عنه، ويجب أن يحج عنه؛ لأن الوصية بالحج قد صحت، وإذا حج عنه يجوز عند استجماع شرائط الجواز، وهي نية الحج عنه، وأن يكون الحج بمال الموصي... الخ. (بدائع الصنائع: ۲/ ۲۲۲، كتاب الحج، قبيل: فصل بيان حكم فوات الحج عن العمرة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۵۸، كتاب المناسك، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج، ط: دار الفكر-بيروت) =

[۱۹] عورت کا' عورتوں کے قافلے کے ساتھ حج میں جانا

۱۶۳۲- سوال: ایک عورت ہے، جس پر حج فرض ہے؛ لیکن اس کے پاس کوئی محرم نہیں ہے، البتہ اس کے علاقے کی بہت سی عورتیں حج کے لیے جارہی ہیں، تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ: کیا یہ عورت، اُن عورتوں کے ساتھ حج کے لیے جاسکتی ہے، گنہ گار تو نہیں ہوگی؟

الجواب حامدا ومصليا:

عورتوں کی جماعت کے ساتھ کوئی عورت بہ غیر محرم کے حج میں جانا چاہے، تو یہ جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ عورتوں کی جماعت یا گروپ کا ہونا، عورت کو محرم سے مستغنی نہیں کرتا ہے، اس صورت میں بہ غیر محرم کے جانا حرام اور ناجائز ہے۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= والنوع الثاني: شروط الأداء وهي التي إن وجدت بتمامها مع شروط الوجوب، وجب أداؤه بنفسه، وإن فقد بعضها مع تحقق شروط الوجوب، فلايجب الأداء بل عليه الإحجاج أو الإيصاء عند الموت وهي خمسة: سلامة البدن، وأمن الطريق وعدم الحبس، والمحرم أو الزوج للمرأة وعدم العدة لها. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۵۸، كتاب الحج، ط: دار الفكر - بيروت ☆ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۶۱۱، باب الحج عن الغير)

إن أوصى بالإحجاج عنه يحج عنه ويسقط به عنه الفرض، وإن لم يوص به أثم. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۶۰۸، باب الفوات، حكم فوات الحج عن العمر)

(۱) عن ابن عباس، أنه قال: جاء رجل إلى المدينة، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: أين نزلت؟، قال: على فلانة، قال: أغلقت عليك بابها لا تحجن امرأة إلا ومعها ذو محرم. (سنن الدارقطني-أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود بن النعمان بن دينار البغدادي الدارقطني (م: ۳۸۵ھ): ۳/ ۲۲۷، رقم الحديث: ۲۴۴۰، كتاب الحج، ت: شعيب الارنؤوط، و غيره، ط: مؤسسة الرسالة-بيروت)

قال الكاساني: (ولنا) ما روي عن ابن عباس - رضي الله عنه - عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال: ألا لا تحجن امرأة إلا ومعها محرم، وعن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال: لا تسافر امرأة ثلاثة أيام إلا ومعها محرم أو زوج. ــــــ ولأنها إذا لم يكن معها زوج، ولا محرم لا يؤمن عليها إذ النساء لحم على وضم إلا ماذب عنه، ولهذا لا يجوز لها الخروج وحدها. ــــــ والخوف عند اجتماعهن أكثر، ولهذا حرمت الخلوة بالأجنبية، وإن كان معها امرأة أخرى، والآية لا تتناول النساء حال عدم الزوج، والمحرم معها؛ لأن المرأة لا تقدر على الركوب، والنزول بنفسها فتحتاج إلى من يركبها، وينزلها، ولا يجوز ذلك لغير الزوج، والمحرم فلم تكن مستطيعة في هذه الحالة فلا يتناولها النص. (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۲۳، كتاب الحج، فصل: شرائط فرضية الحج، ط: دار الكتب العلمية)

[۲۰] سفرِ حج کے لیے بیوی کا اپنے شوہر سے اِجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟

۱۶۳۳-سوال: جناب مولانا و مفتی بیمات صاحب!

میرے شوہر سات سال سے بیرونِ ملک ہیں، وہاں جانے سے چار ماہ قبل آپسی جھگڑے کی وجہ سے میں اپنے والدین کے گھر آ گئی تھی، شوہر کو گئے سات سال ہوئے ہیں؛ لیکن اُن کا کوئی خط نہیں آیا ہے، اور ہمارے دو لڑکے ہیں، اُن کے لیے کوئی خرچ بھی نہیں بھیجا ہے، اِس سال میرا اپنے بھائی کے ساتھ حج ادا کرنے کا اِرادہ ہے، تو مجھے اپنے شوہر سے خط کے ذریعہ اِجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر خط کا جواب نہ آئے تو میں کیا کروں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

عورت پر اگر حج فرض ہو گیا ہے، تو شوہر کی اِجازت کے بغیر بھی اپنے کسی محرم رشتہ دار مثلاً بھائی وغیرہ کے ساتھ وہ حج کے لیے جا سکتی ہے، اگر شوہر سے اِجازت لی گئی اور اُس نے منع کر دیا ہو، تب بھی وہ اپنے بھائی یا محرم رشتہ دار کے ساتھ حج میں جانا چاہے، تو شرعاً اس کی اجازت ہے۔

اگر حج فرض نہ ہو، تو شوہر کی اِجازت کے بغیر جانا جائز نہیں ہے۔ (مجمع الانہر، عالمگیری، بدائع الصنائع)[۱]

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (وتحج) المرأة (معه) أي المحرم (حجة الإسلام) أي الحج الفرض (بغير إذن زوجها) وقت خروج أهل بلدها أو قبله بيوم أو يومين وليس له منعها عن حجة الإسلام، وله منعها عن كل حج سواها كما قال رشيد الدين في المناسك. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده, يعرف بداماد أفندي (م:۱۰۷۸ھ): ۱/ ۲۶۳، كتاب الحج، واجب الحج، ط: دار إحياء التراث العربي)

وعند وجود المحرم كان عليها أن تحج حجة الإسلام، وإن لم يأذن لها زوجها، وفي النافلة لا تخرج بغير إذن الزوج. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۱۹، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته وشرائطه وأركانه، ط: دار الفكر)

ولو كان معها محرم، فلها أن تخرج مع المحرم في الحجة الفريضة، من غير إذن زوجها عندنا. وعند الشافعي ليس لها أن تخرج بغير إذن زوجها، وجه قوله أن في الخروج تفويت حقه المستحق عليها، وهو: الاستمتاع بها، فلا تملك ذلك من غير رضاه. ——— (ولنا): أنها إذا وجدت محرما، فقد استطاعت إلى حج البيت سبيلا؛ لأنها قدرت على الركوب، والنزول وأمنت المخاوف؛ لأن المحرم يصونها، وأما قوله: " إن حق الزوج في الاستمتاع يفوت بالخروج إلى الحج "، فنقول: منافعها مستثناة عن ملك الزوج في الفرائض كما في الصلوات =

[۲۱] اگر محرم کے ساتھ سفر میں سابق شوہر بھی ہو؟

۱۶۳۴- سوال: مطلقہ عورت اپنے بڑے لڑکے کے ساتھ حج کے لیے جا رہی ہے؛ لیکن ساتھ میں طلاق دینے والا اس کا سابق شوہر بھی ہے، تو کیا یہ سفر جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بڑا لڑکا اگر عاقل و بالغ ہے، تو جانا جائز ہے، کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ بیٹا، اس کے لیے محرم ہے اور محرم کے ساتھ حج میں جانا جائز ہے،(۱) البتہ عورت کا پہلے شوہر سے پردہ کرنا ضروری ہے۔(۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] چچی کا بھتیجے کے ساتھ سفر حج میں جانا

۱۶۳۵- سوال: (۱) ابراہیم داؤجی کے لڑکے یوسف ابراہیم اپنی والدہ کے ساتھ حج میں

=الخمس، وصوم رمضان، ونحو ذلك حتى لو أرادت الخروج إلى حجة التطوع، فللزوج أن يمنعها كما في صلاة التطوع. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع- علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ): ۲/ ۱۲۴، كتاب الحج، فصل شرائط فرضية الحج، ط: دار الكتب العلمية)

(۱) مسئلے کی تخریج وتفصیل متعدد مرتبہ گذر چکی۔

(۲) کہ اب دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہیں؛ لہٰذا پردہ کرنا لازم ہوگا:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴿۵۹﴾. (۳۳-الاحزاب: ۵۹)

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴿۳۰﴾ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ ... القرآن. (۲۴-النور: ۳۰-۳۱)

إذا طلقها ثلاثا أو واحدة بائنة وليس له إلا بيت واحد فينبغي له أن يجعل بينه وبينها حجابا حتى لا تقع الخلوة بينه وبين الأجنبية، فإن كان فاسقا يخاف عليها منه فإنها تخرج وتسكن منزلا آخر، وإن خرج الزوج وتركها فهو أولى، وإن أراد القاضي أن يجعل معها امرأة حرة ثقة تقدر على الحيلولة فهو حسن كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۵۳۵، كتاب الطلاق، باب الحداد، ط: دار الفكر)

جارہے ہیں، اُن کے ساتھ اُن کی حقیقی دو چچی -جن کی عمر ستر سال ہے- جانا چاہتی ہیں، تو یہ دونوں اپنے حقیقی بھتیجے کے ساتھ حج میں جاسکتی ہیں یا نہیں؟

(۲) اگر اِس وقت حج کے لیے دونوں نہ جائیں، تو مستقبل میں عمر کی زیادتی اور کمزوری کی وجہ سے اس بات کا امکان ہے کہ وہ دونوں حج ہی سے محروم ہو جائیں اور فرض حج کی ذمہ داری سر پر باقی رہ جائے، حاجی یوسف ابراہیم -جو اپنی ماں کو بھی اپنے ساتھ لے جارہے ہیں- وہ شرع کے پابند، پرہیزگار، خدا ترس اور نیک آدمی ہیں، تو وہ دونوں حقیقی چچی [یعنی چچا کی بیوی] کو حج میں لے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

عورت کے لیے غیر محرم (جس کے ساتھ نکاح جائز ہو) کے ساتھ سفر میں جانا جائز نہیں ہے، خاص طور پر حج جیسے مبارک سفر کے لیے بڑے احتیاط کی ضرورت ہے۔[1]

خاتون کے لیے حج کی ادائیگی کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ سفر میں محرم یا شوہر ہو، لہٰذا یوسف ابراہیم کی دونوں چچی کے لیے حکم شرع ہے کہ وہ محرم کے بغیر نہ جائیں، یوسف ابراہیم ان کے لیے محرم نہیں ہے۔[2]

رہ گئی یہ بات کہ اگر ابھی وہ دونوں حج کے لیے نہیں جاسکیں گی، تو اس بات کا امکان ہے کہ وہ زندگی میں حج ہی نہ کرسکیں، یہ عذر شریعت میں معتبر نہیں ہے، کیوں کہ کسی خاتون پر حج کا ادا کرنا اس وقت لازم ہوتا ہے، جب کہ اس کے ساتھ محرم ہو، اگر محرم غریب ہو، تو اسے (اگر استطاعت ہو تو) اپنے خرچ ونفقہ سے حج کے لیے لے جائے، اور اگر محرم موجود نہ ہو (یا موجود ہو، لیکن غریب ہو اور اس کا خرچ برداشت کرنے کی خاتون

---

(۱) عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تسافر المرأة ثلاثة أيام إلا مع ذي محرم. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۴۷، رقم الحديث: ۱۰۸۶، كتاب الجمعة، أبواب تقصير الصلاة، باب: في كم يقصر الصلاة، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۴۳۳، رقم الحديث: ۴۱۳-(۱۳۳۸)، كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، ط: ديوبند)

تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے: غیر محرم کے ساتھ عورت کا سفر حج کرنے کا شرعی حکم۔

(۲) ومنها المحرم للمرأة، شابة كانت أو عجوزة... والمحرم الزوج ومن لا يجوز مناكحتها على التأبيد بقرابة أو رضاع أو مصاهرة. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۱۹، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضية، ط: دار الفكر-بيروت)

ثم صفة المحرم أن يكون ممن لا يجوز له نكاحها على التأبيد إما بالقرابة، أو الرضاع، أو الصهرية؛ لأن الحرمة المؤبدة تزيل التهمة في الخلوة. (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۲۴، كتاب الحج، فصل: شرائط فرضية الحج، ط: دار الكتب العلمية)

میں استطاعت نہ ہو) تو وصیت لکھ دے کہ میرے مرنے کے بعد میرے ترکہ سے حج بدل کرایا جائے۔[۳]

اس لیے یوسف ابراہیم کی دونوں چچی یہ وصیت تیار رکھیں کہ میرے مرنے کے بعد کسی کو حج بدل کے لیے بھیج دیا جائے، اِس طرح وصیت لکھنے سے دونوں اپنی ذمہ داری سے سبک دوش ہو جائیں گی اور حج فرض کا ثواب بھی ملے گا۔[۴]

یوسف ابراہیم اِن دونوں عورتوں کا حقیقی بھتیجا نہیں ہے، شرعاً آپس میں اُن کا نکاح جائز ہے، اگر دونوں چچی یوسف کی حقیقی خالہ ہوتیں، تو حج کے لیے یوسف کے ساتھ اُن کا جانا جائز ہوتا، اس لیے اگر وہ

---

(۳) ثم تكلموا أن أمن الطريق وسلامة البدن - على قول أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - ووجود المحرم للمرأة شرط لوجوب الحج أم لأدائه، بعضهم جعلوها شرطا للوجوب وبعضهم شرطا للأداء، وهو الصحيح وثمرة الخلاف فيما إذا مات قبل الحج فعلى قول الأولين لا تلزمه الوصية وعلى قول الآخرين تلزمه كذا في النهاية. (الفتاوى الهندية: ۲۱۹/۱، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته وشرائطه وأركانه، ط: دار الفكر - بيروت)

وظاهره أن المحرم شرط الوجوب. ——— وفي الإصلاح وهو الصحيح لكن في الجوهرة أن الصحيح أي المحرم أنه من شرائط الأداء حتى يجب الإيصاء به. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - داماد أفندي (م: ۱۰۷۸ھ): ۲۶۲/۱، كتاب الحج، شروط الحج، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۴۶۴/۲، كتاب الحج، ط: دار الفكر)

قال ابن عابدين: (قوله مع وجوب النفقة إلخ) أي فيشترط أن تكون قادرة على نفقتها ونفقته. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۶۴/۲، كتاب الحج، ط: دار الفكر ☆ ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۳۸۷/۱، ط: مكتبة فقيه الأمة - ديوبند)

(۴) وإن مات عن وصية لا يسقط الحج عنه، ويجب أن يحج عنه؛ لأن الوصية بالحج قد صحت، وإذا حج عنه يجوز عند استجماع شرائط الجواز، وهي نية الحج عنه، وأن يكون الحج بمال الموصي... الخ. (بدائع الصنائع: ۲۲۲/۲، كتاب الحج، قبيل: فصل بيان حكم فوات الحج عن العمرة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۲۵۸/۱، كتاب المناسك، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج، ط: دار الفكر - بيروت)

والنوع الثاني: شروط الأداء وهي التي إن وجدت بتمامها مع شروط الوجوب، وجب أداؤه بنفسه، وإن فقد بعضها مع تحقق شروط الوجوب، فلا يجب الأداء بل عليه الإحجاج أو الإيصاء عند الموت وهي خمسة: سلامة البدن، وأمن الطريق وعدم الحبس، والمحرم أو الزوج للمرأة وعدم العدة لها. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۵۸/۲، كتاب الحج، ط: دار الفكر - بيروت ☆ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۶۱۱، باب الحج عن الغير)

إن أوصى بالإحجاج عنه يحج عنه ويسقط به عنه الفرض، وإن لم يوص به أثم. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۶۰۸، باب الفوات، حكم فوات الحج عن العمر)

دونوں یوسف ابراہیم - جو کہ ان کے لیے غیر محرم ہے - کے ساتھ جائیں گی، تو گناہ ہوگا، لیکن حج فرض ادا ہو جائے گا۔ (☆☆☆) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] خاتون اور سفر

۱۶۳۶- سوال: میری ایک بیوہ بہن ہندوستان میں ہے، میرا ارادہ ہے کہ میں اُس کو اپنے یہاں انگلینڈ بلاؤ، اور یہاں سے اُس کا اِرادہ ہو، تو اپنے ساتھ امسال حج کے لیے لے جاؤں، بہن کی حالت اِتنی اچھی نہیں ہے کہ وہ اپنے خرچ سے حج کر سکے، تو ایسی حالت میں وہ اکیلی انگلینڈ آجائے اور یہاں سے ہم دونوں حج کے لیے جائیں تو شرعاً اُس کی اِجازت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

عورت کا بغیر محرم کے سفر کرنا جائز نہیں ہے، خواہ وہ سفر حج کا ہو یا غیر حج کا۔ بغیر محرم کے سفر کرے گی، تو گنہگار ہوگی، البتہ وہ انگلینڈ آجائے اور آپ حج ادا کرنے کے لیے اسے ساتھ لے جائیں، تو بلا کراہت حج ادا ہو جائے گا، آپ بھائی ہیں؛ اِس لیے آپ کے ساتھ حج کے سفر سے وہ گنہگار نہیں ہوگی۔ (۱)

میرا مشورہ یہ ہے کہ جب اُس پر حج فرض نہیں ہے، تو بلا وجہ انگلینڈ تک تنہا سفر کرنے کا گناہ کیوں اپنے سر مول لے، آپ اُس پر حج کے لیے جو خرچ کرنا چاہتے ہیں، وہ انڈیا بھیج دیں، تاکہ وہ یہیں رہتے ہوئے عزت کے ساتھ زندگی گذار سکے، اور اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلا کر آپ کے لیے صدقۂ جاریہ بنے۔ (۲)

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(☆☆☆) و لو حجت بلا محرم جاز مع الكراهة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۴۶۵/۲، كتاب الحج، ط: دار الفكر- بيروت ☆الجوهرة النيرة: ۱۵۰/۱، كتاب الحج، المطبعة الخيرية ☆ حاشية الطحطاوي على المراقي، ص: ۷۲۸، كتاب الحج، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۱) عن أبي سعيد، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تسافر المرأة سفر ثلاثة أيام، فصاعدا، إلا مع أبيها أو أخيها، أو ابنها، أو زوجها، أو ذي محرم. (سنن ابن ماجه: ۲۰۸/۲، رقم الحديث: ۲۸۹۸، أبواب المناسك، باب المرأة، تحج بغير ولي، ط: ديوبند)

(۲) الصدقة أفضل من الحج تطوعا، كذا روي عن الإمام لكنه لما حج، وعرف المشقة، أفتى بأن الحج أفضل، ومراده أنه لو حج نفلا وأنفق ألفا، فلو تصدق بهذه الألف على المحاويج فهو أفضل، لا أن يكون صدقة فليس أفضل من إنفاق ألف في سبيل الله تعالى، والمشقة في الحج لما كانت عائدة إلى المال والبدن جميعا فضل في المختار على =

[۲۴] عدت کی حالت میں حج میں جانا صحیح نہیں

۱۶۳۷- سوال: ایک خاتون کے ذمے حج فرض ہے، حج کا مہینہ بھی آ گیا ہے؛ لیکن وہ عدت میں ہے، تو اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اس خاتون کے لیے حج میں جانا ضروری ہے، اگر نہیں گئی، تو گنہ گار تو نہیں ہوگی؟

الجواب حامداو مصلیا:

عورت پر حج ادا کرنا اس وقت لازم ہوتا ہے، جب کہ دیگر شرائط کے ساتھ یہ شرط بھی پائی جائے کہ وہ عدت میں نہ ہو، اگر عدت میں ہوگی، تو اس پر حج ادا کرنا لازم نہیں، خواہ عدت شوہر کے وفات کی ہو، یا نکاح ٹوٹنے سے ہو، یا طلاق کی بنا پر ہو؛ اس حالت میں حج میں نہ جانے سے وہ گنہ گار نہیں ہوگی؛ بل کہ اس کے برعکس اگر عدت کی حالت میں جائے گی، تو گنہ گار ہوگی۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] خاتون کا خالہ زاد اور پھوپھی زاد بھائیوں کے ساتھ حج کے لیے جانا

۱۶۳۸- سوال: ایک عورت حج کا اِرادہ رکھتی ہے، اُس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے، نیز دیگر محارم مثل بھائی اور بھانجا وغیرہ بھی بیرون میں رہتے ہیں، اس خاتون کے پاس نہیں ہیں، اور نہ ہی اُن کے آنے کی کوئی اُمید ہے، ایسی صورت میں وہ اپنے دیگر رشتہ دار، مثلاً وہ بھتیجے یا بھانجے، جو اُس کی پھوپھی زاد یا خالہ زاد بھائیوں کے لڑکے ہیں، اُن کے ساتھ حج ادا کرنے کے لیے جائے، تو جائز ہے یا نہیں؟ حج ادا ہوگا یا نہیں؟

=الصدقة. اهـ.ــــــــ قال الرحمتي: والحق التفصيل، فما كانت الحاجة فيه أكثر والمنفعة فيه أشمل فهو الأفضل كما ورد "حجة أفضل من عشر غزوات" وورد عكسه، فيحمل على ما كان أنفع، فإذا كان أشجع وأنفع في الحرب، فجهاده أفضل من حجه، أو بالعكس فحجه أفضل، وكذا بناء الرباط إن كان محتاجا إليه كان أفضل من الصدقة وحج النفل، وإذا كان الفقير مضطرا أو من أهل الصلاح أو من آل بيت النبي -صلى الله عليه وسلم- فقد يكون إكرامه أفضل من حجات وعمر وبناء ربط. (رد المحتار على الدر المختار: ۶۲۱/۲، كتاب الحج، فروع في الحج، مطلب في تفضيل الحج على الصدقة، ط: دار الفكر-بيروت)

(۱) والثاني: أن لا تكون معتدة عن طلاق أو وفاة؛ لأن الله تعالى نهى المعتدات بقوله عز وجل: {لا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن} [الطلاق:۱]. وروي عن عبد الله بن عمر -رضي الله عنه- أنه رد المعتدات من ذي الحليفة.ــــ وروي عن عبد الله بن مسعود -رضي الله عنه- أنه ردهن من الجحفة.ــــ ولأن الحج يمكن أداؤه في وقت آخر فأما العدة فإنها إنما يجب قضاؤها في هذا الوقت خاصة فكان الجمع بين الأمرين أولى. (بدائع الصنائع: ۱۴۲/۲، كتاب الحج، فصل: شرائط فرضية الحج، ط: دار الكتب العلمية ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۴۶۶/۳، كتاب الحج، ط: زكريا-ديوبند)

الجواب حامداً ومصلیا:

عورت جوان ہو یا بوڑھی، حج میں جانے کے لیے اُس کے ساتھ شوہر یا ایسے محرم کا ہونا ضروری ہے، جس کے ساتھ اُس کا نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو، محرم نسبی ہو، حقیقی بھائی، بھتیجا، بھانجا یا رضاعی بھائی (دودھ شریک بھائی) یا سسرالی رشتہ دار ہو، مثلاً: سسر، ان کے ساتھ حج کے لیے جا سکتی ہے۔

اُن کے علاوہ جن کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے، مثلاً: پھوپھی زاد، چچازاد اور خالہ زاد بھائی یا اُن کی اولاد، ان کے ساتھ حج میں جانا جائز نہیں ہے، یہ ایسے رشتے دار ہیں، جن کے ساتھ نکاح حرام نہیں ہے۔ (مجمع الانہر، عالمگیری، شامی)[۱]

غیر محرم کے ساتھ حج میں جانا جائز نہ ہونے کے باوجود اگر کوئی غیر محرم کے ساتھ چلی جائے، اور حج کر لے، تو حج ہو جائے گا، البتہ غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے کا گناہ ہوگا۔ (مجمع الانہر: ۱/ ۲۶۲)[۲] ایسی صورت میں حج کی ادائیگی کراہتِ تحریمی کے ساتھ ہوگی۔ (شامی: ۲/ ۲۰۰)[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (و) مع وجود (زوج أو محرم) الذي حرم عليه نكاحها أبدا بقرابة أو رضاع أو صهارة مسلما أو عبدا أو كافرا فلا ينضم الزوج ولذلك ذكره (للمرأة) الشابة والعجوز بعدما كانت خالية عن العدة أية عدة كانت وظاهره أن المحرم شرط الوجوب. ــــــ وفي الإصلاح وهو الصحيح لكن في الجوهرة أن الصحيح أي المحرم أنه من شرائط الأداء حتى يجب الإيصاء به (إن كان بينها) أي بين مكان المرأة. ــــــ (وبين مكة مسافة سفر) أي مسافة ثلاثة أيام ولياليها؛ لأنه لو كان أقل منها يجوز بلا محرم. ــــــ (ولا تحج) المرأة (بلا أحدهما) أي الزوج أو المحرم. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر- عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م:۱۰۷۸هـ): ۱/ ۲۶۲، كتاب الحج، شروط الحج، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۱۹، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج...، ط: دار الفكر ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۶۴، كتاب الحج، ط: دار الفكر)

المحرمات المؤبدة اثنتان وعشرون سبع بالنسب وهن المذكورات في قوله تعالى {حرمت عليكم أمهاتكم} [النساء: ۲۳] إلى قوله تعالى {وبنات الأخت} [النساء: ۲۳] وأربع بالصهر وهن أمهات النساء والربائب وحليلة الابن ومنكوحة الأب فهذه إحدى عشرة ومثلهن بالرضاع، والمحرمات المؤقتة سبع: الجمع بين الأختين وتزويج الخامسة وعنده أربع وتزويج الأمة على الحرة وتزويج الأربع في عدة الموطوءة بشبهة وكذا تزويج أختها وأمة الرجل إذا كاتبها والمشركة على المؤمن كذا في المنثور. اهـ. مستصفى. (حاشية الشِلْبِيِّ مع تبيين الحقائق- شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِلْبِيُّ (م:۱۰۲۱هـ): ۲/ ۱۰۱، كتاب النكاح، فصل في المحرمات، ط: المطبعة الكبرى الأميرية- بولاق)

[۲-۳] ولو حجت بلا محرم جاز مع الكراهة. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله مع الكراهة) أي=

[۲۶] عورت کا خالہ زاد بھائی یا اُن کی اولاد کے ساتھ حج کے لیے جانا

۱۶۳۹- سوال: عورت اپنے حج فرض کی ادائیگی کے لیے ماموں زاد یا پھوپھی زاد بھائی یا اُن کی اولاد کے ساتھ جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں جاسکتی اور اُس کے ذمہ حج فرض ہے، تو وہ کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر محرم کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں ہے، خواہ وہ سفر حج کا ہو یا کہیں اور کا۔ کسی عورت کے لیے اس کا ماموں زاد بھائی، یا پھوپھی زاد بھائی محرم نہیں ہوتا، کیوں کہ اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے؛ اس لیے ان رشتے داروں کے ساتھ (محرم کے بغیر) حج کے سفر پر جانا جائز نہیں۔ حج فرض ادا کرنے کے لیے اپنے محرم رشتہ دار کے ساتھ جائے، اگر محرم حج کے لیے جانے کی پوزیشن میں نہ ہو، تو عورت [اگر استطاعت ہو تو] اپنے خرچ سے اپنے ساتھ لے جائے۔ (۱)

اور اگر اِس کا بھی موقع میسر نہ ہو، تو عورت اپنے پاس وصیت لکھ کر تیار رکھے کہ میرے ذمہ حج فرض تھا؛ لیکن محرم نہ ہونے کی وجہ سے میں حج ادا نہیں کرسکی ہوں، اِس لیے میرے انتقال کے بعد کسی کو میری جانب سے حج بدل کے لیے بھیج دیں، ورثاء کے حج بدل ادا کرنے سے عورت بری الذمہ ہو جائے گی۔ (۲)

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۷] پہلے حج یا لڑکی کی شادی کا انتظام؟

۱۶۴۰- سوال: ایک شخص کے پاس اپنی ضروریات سے زائد اتنی رقم ہے، جس سے بہ آسانی حج کیا جاسکتا ہے؛ لیکن اس کو اپنی لڑکی کی شادی کرنی ہے اور اپنے نوجوان لڑکے کے لیے کوئی دکان وغیرہ بنوانی ہے، لڑکی کی شادی میں برادری یا علاقائی رواج کے تحت جہیز وغیرہ بھی کافی مقدار میں دینا پڑتا ہے، ورنہ لڑکی کی شادی کفو میں ہونا دشوار ہے پھر جب کہ سارا علاقہ جہیز اور دوسرے رواج میں مبتلا ہے، تو تنہا اس کے لیے

=التحريمية للنهي في حديث الصحيحين "لا تسافر امرأة ثلاثا إلا ومعها محرم" زاد مسلم في رواية "أو زوج".

(رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۶۵، كتاب الحج، ط: دار الفكر ☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ 'داماد أفندي' (م: ۱۰۷۸هـ): ۱/ ۲۶۲، كتاب الحج، شروط الحج، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۱-۲) قد تقدم مرارا.

اپنے یہاں سے اس رسم کو ختم کرنا بھی دشوار ہے۔ ورنہ لڑکی کی شادی نہیں ہوسکتی، تو کیا ایسی شکل میں حج میں جانا ضروری ہے، یا لڑکی کی شادی میں جہیز وغیرہ میں اس پیسہ کو صرف کرنا ضروری ہے؟ اسی طرح بالغ لڑکے کو کاروبار کے لیے روپیہ دینا ضروری ہے یا اس پیسہ کو حج میں خرچ کرنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) تحریر کردہ صورتوں میں حج کرنا فرض ہوگا، لڑکی کی شادی کی رسومات اور کاروبار کی ابتدا، مقدم نہیں ہے: **مقتضاه تقديم الحج على التزوج وإن كان واجباً عند التوقان وهو صريح مافي العناية.** (شامی)[1] **إذا وجد مايحج به وقد قصد التزوج يحج به ولايتزوج؛ لأن الحج فريضة أوجبها الله تعالى على عبده.** (عالم گیری)[2]

اسلام غیر شرعی رسوم کو مٹانے کے لیے آیا ہے، لہٰذا ان رسومات کی وجہ سے حج میں توقف اور ٹال مٹول کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ یکم رجنوری ۱۹۷۹ء

[۲۸] حج ادا کرنے سے پہلے عمرہ کے لیے جانا

۱۶۴۱- سوال: اگر کوئی شخص حج ادا کیے بغیر عمرہ میں جائے تو کیا حکم ہے؟ کیا اس پر حج فرض ہوجاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلمان کی شان یہ ہونی چاہیے کہ پہلے حج ادا کرے، پھر عمرہ میں جاتا رہے، لیکن اگر کوئی پہلے عمرہ میں گیا، تب بھی اس کا عمرہ ادا ہوجائے گا اور غریب ہے، تو عمرہ میں جانے سے اس پر حج بھی فرض نہ ہوگا، البتہ

---

[۱] ردالمحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۶۲، كتاب الحج، دار الفكر- بيروت.

[۲] الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۱۷، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته وشرائطه وأركانه، ط: دار الفكر ☆ تبيين الحقائق: ۲/ ۳، كتاب الحج، ط: المطبعة الكبرى الأميرية- بولاق، القاهرة ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۴۷۳، كتاب الحج، الفصل الأول في بيان شرائط الوجوب، رقم: ۴۸۸۲، ط: زكريا- ديوبند)

عن ابن عباس، عن الفضل، أو أحدهما عن الآخر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " من أراد الحج فليتعجل، فإنه قد يمرض المريض، وتضل الضالة، وتعرض الحاجة ". (مسند الإمام أحمد بن حنبل (م: ۲۴۱ھ): ۳/ ۳۳۳، رقم الحديث: ۱۸۳۴، ت: شعيب الأرنؤوط- عادل مرشد، وآخرون، ط: مؤسسة الرسالة)

من كان عنده مال ويريد الزواج، لكن أدركه الحج قبل الزواج، فيحج أولاً. (فقه العبادات على المذهب الحنفي، ص: ۱۷۹، كتاب الحج، تعريف الحج وشروطه)

اگر وہ حج کے دنوں میں مکہ میں ہو، تو پھر اس پر حج فرض ہوجائے گا، اس وقت حج کرنا ضروری ہے، ورنہ حج ذمہ میں باقی رہے گا: . . . أن الفقير إذا وصل إلى المواقيت صار حكمه حكم أهل مكة، فيجب عليه وإن لم يقدر على الراحلة. (فتح القدير)[۱] اور مال دار پر تو پہلے ہی سے حج فرض ہے اس کو تو ہر حال میں حج ادا کرنا ضروری ہے۔[۲] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] حج کے صحیح ہونے کی شرطیں

۱۶۴۲- سوال: مفتی صاحب! سلام مسنون کے بعد، مجھ پر حج فرض ہے، آپ سے معلوم یہ کرنا ہے کہ حج کے صحیح اور درست ہونے کی کتنی شرطیں ہیں؟ ذرا تفصیل کے ساتھ ذکر فرمائیں، کرم ہوگا۔

الجواب حامداومصلیا:

حج کے صحیح ہونے کی نو[۹] شرطیں ہیں: (۱) اسلام، (۲) احرام: لہٰذا بغیر احرام کے حج صحیح نہ ہوگا۔ (۳) حج کا وقت ہونا، یعنی: حج کے ارکان کو ان کے وقت میں ادا کرنا۔ (۴) جگہ کا ہونا، یعنی: ہر رکن کو اس کے مقام وجگہ میں کرنا، جیسے: طواف مسجد حرام میں، وقوف عرفہ' عرفات کے میدان میں اور وقوف مزدلفہ' مزدلفہ کے میدان میں اور رمی' منیٰ میں۔ اسی طرح تمام امور کو شریعت کی بتائی ہوئی تفصیل کے مطابق اس کی جگہ میں انجام دینا۔ (۵-۶) ہر کام کی پہچان اور عقل کا ہونا۔ (۷) وقوف عرفات سے پہلے جماع سے بچنا، لہٰذا اگر وقوف سے پہلے جماع کرلیا، تو حج فاسد ہوجائے گا، آئندہ سال اس کی قضاء لازم ہوگی۔ (۸) حج کے امور خواہ شرائط میں سے ہوں' یا واجبات میں سے یا ارکان میں سے، خود ہی کرنا، دوسرے سے کرانا جائز نہیں ہے۔ (۹) جس سال احرام باندھے، اسی سال حج کرنا۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] فتح القدير: ۴۱۹/۲، كتاب الحج، مقدمة يكره الخروج إلى الحج إذا كره أحد أبويه، ط: دار الفكر.

(۲) وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا. (۳-آل عمران: ۹۷) ــــــ عن جابر بن عبد الله، قال: "لما نزلت هذه الآية {وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا} [آل عمران: ۹۷] قام رجل، فقال: يا رسول الله ما السبيل؟ قال: الزاد والراحلة. (سنن الدارقطني- أبو الحسن علي بن عمر البغدادي الدارقطني (م: ۳۸۵ھ): ۲۱۳/۳، رقم الحديث: ۲۴۱۳، كتاب الحج، ت: شعيب الارنؤوط، وجماعة من العلماء، ط: مؤسسة الرسالة- بيروت)

(۳) النوع الثالث: شرائط صحة الأداء وهي تسعة: الإسلام والإحرام، والزمان، والمكان، والتمييز، والعقل ومباشرة الأفعال إلا بعذر وعدم الجماع والأداء من عام الإحرام. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۵۸/۲، كتاب الحج، ط: دار الفكر ☆ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري- الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۸۴، شرائط صحة الأداء، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة)

[۳۰] ۱- پھوپھی ساس کے ساتھ محرم بن کر حج میں جانا
[۳۱] ۲- حج کا سارا خرچ دوسرا شخص اٹھائے، تو فرض حج ادا ہوگا یا نہیں؟

۱۶۴۳- سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان دو مسئلوں میں کہ:

(۱) میری ایک سگی پھوپھی ساس ہے، وہ حج بیت اللہ جانا چاہتی ہے اور ساتھ میں محرم کے طور پر وہ مجھے لے جانا چاہتی ہے، تو کیا میں ان کے ساتھ حج میں جا سکتا ہوں اور ان کے لیے محرم بن سکتا ہوں؟

(۲) مذکور بات ہو جانے کے بعد میرے والد محترم کہتے ہیں کہ اگر وہ تمہیں حج میں لے جاتی ہے تو میں تمہاری بیوی کا ٹکٹ خرچ دوں گا، جس سے دونوں میاں بیوی کا حج ہو جائے، تو اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟ دونوں سوالوں کا مفصل جواب دے کر مہربانی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

(۱) عورت ایسے شخص کے ساتھ حج میں جا سکتی ہے، جس سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو، جیسے حقیقی بھائی، چچا، بھتیجا، بھانجا، ماموں، دودھ شریک بھائی، اسی طرح سسرالی رشتوں میں وہ لوگ جن سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہوتا ہے جیسے داماد وغیرہ۔[1]

پھوپھی ساس سے نکاح ہمیشہ کے لیے حرام نہیں ہے؛ بل کہ اس وقت تک حرام ہے، جب تک اس کی بھتیجی نکاح میں ہے۔ [کیوں کہ بھتیجی کے انتقال یا طلاق کے بعد اس کی پھوپھی سے نکاح جائز ہے، گویا پھوپھی ساس سے نکاح کی حرمت مؤقت [وقتی] ہے۔ مرتب] لہٰذا پھوپھی ساس کے ساتھ سفر حج میں محرم بن

---

[۱] (و) مع وجود (زوج أو محرم) الذي حرم عليه نكاحها أبدا بقرابة، أو رضاع، أو صهارة، مسلما، أو عبدا، أو كافرا. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - داماد أفندي (م:۱۰۷۸هـ): ۱/ ۲۶۲، كتاب الحج، شروط الحج، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۶۴، كتاب الحج، ط: دار الفكر)

(ومنها المحرم للمرأة) شابة كانت أو عجوزا إذا كانت بينها وبين مكة مسيرة ثلاثة أيام هكذا في المحيط، وإن كان أقل من ذلك حجت بغير محرم كذا في البدائع والمحرم الزوج، ومن لا يجوز مناكحتها على التأبيد بقرابة أو رضاع أو مصاهرة كذا في الخلاصة ويشترط أن يكون مأمونا عاقلا بالغا حرا كان أو عبدا كافرا كان أو مسلما هكذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۱۹ - ۲۱۸، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته وشرائطه وأركانه، ط: دار الفكر - بيروت ☆ تبيين الحقائق: ۲/ ۴-۶، أول كتاب الحج، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة)

کہ آپ کا جانا جائز نہیں۔ (عالم گیری)[۱]

(۲) خسر ابا اپنی بہو کو حج کے لیے رقم دیتے ہیں اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ حج میں جاتی ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس کا فرض حج ادا ہو جائے گا۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۲] شوہر کے بھانجے کے بیٹے کے ساتھ عورت کا سفرِ حج میں جانا

۱۶۴۴- سوال: مرحوم محمد قاسم داؤجی کی اہلیہ مرحوم کے بھانجے کے لڑکے کے ساتھ سفرِ حج میں جاسکتی ہے یا نہیں؟ اِس کے متعلق حکمِ شرعی کیا ہے؟

الجواب حامدا ومصلیا:

عورت کے لیے کسی بھی قسم کا سفر شرعی کرنا، جس کی مقدار اڑتالیس میل ہے، اپنے ذی رحم محرم رشتہ دار کے علاوہ، کسی اجنبی کے ساتھ یا تنہا جائز نہیں ہے۔ (۳)

---

[۱] والأصل أن كل امرأتين لو صورنا إحداهما من أي جانب ذكرا، لم يجز النكاح بينهما برضاع أو نسب لم يجز الجمع بينهما هكذا في المحيط. فلا يجوز الجمع بين امرأة وعمتها نسبا أو رضاعا، وخالتها كذلك ونحوها. (الفتاوى الهندية:۱/۲۷۷، كتاب النكاح، الباب الثالث في بيان المحرمات، القسم الرابع المحرمات بالجمع، ط: دار الفكر- بيروت ☆ بدائع الصنائع:۲/۲۶۲، كتاب النكاح، فصل أنواع الجمع بين ذوات المحارم، منه جمع في النكاح، ط: دار الكتب العلمية)

[۲] (ومنها القدرة على الزاد والراحلة) بطريق الملك أو الإجارة دون الإعارة والإباحة سواء كانت الإباحة من جهة من لا منة له عليه كالوالدين والمولودين أو من غيرهم كالأجانب كذا في السراج الوهاج. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۱۷، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته وشرائطه وأركانه، ط: دار الفكر- بيروت ☆ البحر الرائق: ۲/۳۳۷، كتاب الحج، واجبات الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۳) عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: لا تسافر المرأة إلا مع ذي محرم، ولا يدخل عليها رجل إلا ومعها محرم، فقال رجل: يا رسول الله إني أريد أن أخرج في جيش كذا وكذا، وامرأتي تريد الحج، فقال: اخرج معها. (صحيح البخاري:۱/۲۵۰، رقم الحديث:۱۸۶۲، كتاب المناسك، أبواب العمرة، باب حج النساء، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم:۱/۴۳۳، رقم الحديث: ۴۲۴-(۱۳۴۱)، كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، ط: ديوبند)

(ومنها المحرم للمرأة) شابة كانت أو عجوزا إذا كانت بينها وبين مكة مسيرة ثلاثة أيام هكذا في المحيط، وإن كان أقل من ذلك حجت بغير محرم كذا في البدائع والمحرم الزوج، ومن لا يجوز مناكحتها على التأبيد بقرابة أو رضاع أو مصاهرة كذا في الخلاصة ويشترط أن يكون مأمونا عاقلا بالغا حرا كان أو عبدا كافرا كان أو مسلما هكذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية:۱/۲۱۹- ۲۱۸، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته وشرائطه وأركانه، ط: دار الفكر- بيروت ☆ تبيين الحقائق:۲/۴-۶، أول كتاب الحج، ط: المطبعة الكبرى الأميرية- بولاق، القاهرة)

ذی رحم محرم اُسے کہیں گے، جس کے ساتھ عورت کا دائمی طور پر نکاح کرنا حرام ہو، خواہ وہ رضاعی، نسبی یا سسرالی رشتہ دار ہو۔ (شامی: ۲/ ۴۶۴، ہدایہ: ۱/ ۲۱۳، عالمگیری: ۱/ ۲۱۸)[1]

مرحوم کے بھانجے یا اُن کے بیٹے کا اِس عورت کے ساتھ کیا رشتہ ہے، اُس کی تفصیل سوال میں مذکور نہیں ہے، اصل یہ ہے کہ اگر اِس بیوہ اور اُس کے درمیان نکاح صحیح ہوتا ہو، تو اُس کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں ہے، ورنہ جائز ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۳] بھتیجی اور بھتیجی کے شوہر کی معیت میں عورت کا سفرِ حج میں جانا

۱۶۴۵- سوال: میں ایک بیوہ عورت ہوں، اللہ تعالیٰ کے فضل سے میری اقتصادی حالت اِتنی اچھی ہے کہ میں اپنی بھتیجی اور اُس کے شوہر کو اپنے ساتھ سفرِ حج میں لے جاسکوں، اور اُن کا خرچ بھی میں ہی اٹھالوں گی، تو کیا شریعت مجھے اِس بات کی اِجازت دیتی ہے کہ میں اُن کے ساتھ سفرِ حج میں جاسکوں؟

الجواب حامداً و مصلیا:

عورت کے لیے کوئی بھی سفر شرعی، جس کی مقدار اڑتالیس میل ہو، اپنے ذی رحم محرم رشتہ دار کے علاوہ اور کسی کے ساتھ یا تنہا جائز نہیں ہے، ذی رحم محرم اُسے کہیں گے، جس کے ساتھ عورت کا دائمی طور پر نکاح کرنا حرام ہو، خواہ وہ رضاعی، نسبی یا سسرالی رشتہ دار ہو۔[1]

اور آپ کا بھتیجی کے شوہر کے ساتھ نکاح فی الحال تو بھتیجی کی وجہ سے نہیں ہوسکتا، لیکن اگر بھتیجی ان کے نکاح میں نہ ہو، تو نکاح درست ہے؛ لہٰذا آپ کا اُن کے ساتھ حج کے سفر میں جانا جائز نہیں ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۴] بھانجے یا اس کے لڑکے کے ساتھ خاتون کا سفرِ حج

۱۶۴۶- سوال: عورت اپنے بھانجے یا بھانجے کے لڑکے یا بھانجے کے لڑکے کی بیوی کے ساتھ

---

[۱] والمحرم من لا يجوز له مناكحتها على التأبيد بقرابة أو رضاع أو صهرية كما في التحفة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۶۴، كتاب الحج، مطلب في قولهم يقدم حق العبد على حق الشرع، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۹- ۲۱۸، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته وشرائطه وأركانه، ط: دار الفكر - بيروت ☆ تبيين الحقائق: ۲/ ۴-۶، أول كتاب الحج، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة)

(۲-۳) سوال سابق کا حاشیہ نمبر: ۱ (صفحہ سابق کا حاشیہ نمبر: ۳) ملاحظہ فرمائیں۔

حج کے سفر میں جاسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ صورت میں حقیقی بھانجا یا بھانجے کا لڑکا حقیقی خالہ کے لیے محرم ہے اور حقیقی خالہ یا باپ کی حقیقی خالہ کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ نکاح حرام ہے؛ لہٰذا مذکور حقیقی بھانجا یا اس کے لڑکے کے ساتھ سفر پر خاتون جاسکتی ہے، البتہ بھانجے کے لڑکے کی بیوی کے ساتھ حج پر نہیں جاسکتی، کیوں کہ اس صورت میں کوئی مرد محرم نہیں ہے، اور محرم کے بغیر حج کے لیے جانا ممنوع ہے۔ (عالمگیری)[☆☆☆] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۵] نفلی حج کے لیے کوئی عورت غیر محرم کے ساتھ جاسکتی ہے یا نہیں؟

۱۶۴۷- سوال: ایک عورت نے حج فرض کرلیا ہے؛ لیکن اُسے حج ادا کرنے کا بے حد شوق ہے، تو اپنے محرم کے علاوہ کسی اور کے ساتھ حج کے لیے جاسکتی ہے یا نہیں؟ گنہ گار ہوگی یا نہیں؟ حج ادا کرنے سے حج مقبول ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح حج فرض کے لیے عورت کا بغیر محرم کے سفر کرنا جائز نہیں ہے، اِسی طرح نفلی حج میں بھی بغیر محرم کے عورت کا جانا جائز نہیں ہے۔[۱] اور نفل حج کے لیے تو شوہر کی موجودگی میں اُس کی اِجازت لینا بھی ضروری ہے، شوہر کی اِجازت کے بغیر حج نفل میں جانے سے عورت گنہگار ہوگی۔[۲]

حج نفل کرنے کا بڑا ثواب ہے، لیکن ملکی حالات اور مجبور لوگوں کی ضروریات کے پیش نظر مدارس ومساجد

(☆☆☆) حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ.(۴-النساء:۲۳)

(القسم الأول المحرمات بالنسب). وهن الأمهات والبنات والأخوات والعمات والخالات وبنات الأخ وبنات الأخت فهن محرمات نكاحا ووطئا ودواعيه على التأبيد... وأما الخالات فخالته لأب وأم وخالته لأب وخالته لأم وخالات آبائه وأمهاته. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۷۳، كتاب النكاح، الباب الثالث في بيان المحرمات، القسم الأول المحرمات بالنسب، ط: دار الفكر- بيروت)

(۱) قد تقدم مرارا.

(۲) وليس له منعها عن حجة الإسلام، وله منعها عن كل حج سواها. (مجمع الأنهر: ۱/ ۲۶۳، كتاب الحج، واجب الحج، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ المبسوط للسرخسي: ۴/ ۱۶۵، كتاب المناسك، دار المعرفة- بيروت)

میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا اور ان میں مال خرچ کرنا زیادہ ثواب کا باعث ہوگا۔ (☆☆☆) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۶] ایام حج کے علاوہ میں مکہ جانے سے حج فرض نہیں ہوتا

۱۶۴۸-سوال: تجارت کے لیے یا تبلیغی جماعت میں یا عمرہ کے لیے کوئی شخص مکہ جائے، تو کیا اس پر حج فرض ہوجاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کسی (آفاقی) شخص کو مکہ میں جانے کا ارادہ ہو، تو حنفی مسلک کے موافق اس پر احرام باندھنا ضروری ہوجاتا ہے، خواہ حج کا قصد ہو یا تجارت کا یا کسی اور کا، احرام ہر حال میں ضروری ہے۔ (عالم گیری)[1]

لیکن حج کا حکم یہ ہے کہ: حج کے دنوں میں مکہ میں موجود ہو، (اور اس نے پہلے حج فرض ادا نہ کیا ہو) تو اس پر حج فرض ہوجاتا ہے، حج کے ایام نہ ہوں، تو (محض مکہ میں ہونے سے) اس پر حج فرض نہ ہوگا، پس حج کی فرضیت کے لیے حج کے ایام کا ہونا ضروری ہے: {وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ

(☆☆☆) قلت: قد يقال إن صدقة التطوع في زماننا أفضل؛ لما يلزم الحاج غالبا من ارتكاب المحظورات ومشاهدته لفواحش المنكرات وشح عامة الناس بالصدقات وتركهم الفقراء والأيتام في حسرات، ولا سيما في أيام الغلاء وضيق الأوقات وبتعدي النفع تتضاعف الحسنات. ـــــ ثم رأيت في متفرقات اللباب الجزم بأن الصدقة أفضل منه، وقال شارحه القاري أي على ما هو المختار كما في التجنيس ومنية المفتي وغيرهما، ولعل تلك الصدقة محمولة على إعطاء الفقير الموصوف بغاية الفاقة أو في حال المجاعة، وإلا فالحج مشتمل على النفقة؛ بل وزاد إن الدرهم الذي ينفق في الحج بسبعمائة إلخ، قلت: قد يقال ما ورد محمول على الحج الفرض على أنه لا مانع من كون الصدقة للمحتاج أعظم أجرا من سبعمائة. (منحة الخالق على البحر الرائق-ابن عابدين (م:۱۲۵۲ھ): ۲/ ۳۳۴، كتاب الحج، واجبات الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ المحيط البرهاني: ۲/ ۴۹۵، كتاب المناسك، الفصل العشرون في المتفرقات، ت: عبد الكريم السامي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

[۱] ولا يجوز للآفاقي أن يدخل مكة بغير إحرام نوى النسك أو لا ولو دخلها فعليه حجة أو عمرة كذا في محيط السرخسي في باب دخول مكة بغير إحرام. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۲۱، كتاب المناسك، الباب الثاني في المواقيت، ط: دار الفكر ☆ عمدة القاري- بدر الدين العيني (م: ۸۵۵ھ): ۱۰/ ۲۰۵، كتاب الحج، باب دخول الحرم ومكة بغير إحرام، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۵۲-۵۵۱، كتاب الحج، الفصل الرابع في بيان مواقيت الإحرام، ط: زكريا- ديوبند ☆ بدائع الصنائع: ۲/ ۱۶۴، كتاب الحج، فصل بيان مكان الإحرام، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾[۱]

لہٰذا اگر کوئی شخص مکہ میں ہو اور حج کے ایام آنے سے پہلے وہاں سے نکل جائے، یعنی حرم مکہ چھوڑ دے، تو حج فرض نہ ہوگا۔ (فتح القدیر)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۷] ایام حج: کب سے کب تک؟

۱۶۴۹- سوال: ایام حج کب سے شروع ہوتے ہیں اور وہ کتنے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

پہلی شوال سے ذی الحجہ کی دس تاریخ تک ایام حج ہیں۔ (احکام القرآن)[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] ۳-آل عمران: ۹۷۔

(قوله: والوقت) قال الرملي سيذكره أيضا في شرائط الصحة، ولا شك أن من لم يدرك وقت الحج لم يجب عليه وأنه لا يصح إلا في وقته المخصوص فكان شرطا للوجوب وشرطا للصحة تأمل اهـ.

وفي لباب المناسك: السابع الوقت وهو أشهر الحج أو وقت خروج أهل بلده إن كانوا يخرجون قبلها فلا يجب إلا على القادر فيها أو في وقت خروجهم فإن ملكه أي المال قبل الوقت فله صرفه حيث شاء ولا حج عليه وإن ملكه فيه فليس له صرفه إلى غير الحج فلو صرفه لم يسقط الوجوب عنه. (منحة الخالق على البحر الرائق: ۲/۳۳۱، كتاب الحج، قبيل: واجبات الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۲] ... أن الفقير إذا وصل إلى المواقيت صار حكمه حكم أهل مكة، فيجب عليه وإن لم يقدر على الراحلة. (فتح القدير: ۲/۴۱۹، كتاب الحج، مقدمة يكره الخروج إلى الحج إذا كره أحد أبويه، ط: دار الفكر)

[۳] قوله تعالى [الحج أشهر معلومات] قال أبو بكر قد اختلف السلف في أشهر الحج ما هي فروي عن ابن عباس وابن عمر والحسن وعطاء ومجاهد أنها شوال وذو القعدة وعشر من ذي الحجة وروى عن عبد الله ابن مسعود أنها شوال وذو القعدة وذو الحجة وروي عن ابن عباس وابن عمر في رواية أخرى مثله وكذلك روي عن عطاء ومجاهد وقال قائلون وجائز أن لا يكون ذلك اختلافا في الحقيقة وأن يكون مراد من قال وذو الحجة أنه بعضه لأن الحج لا محالة إنما هو في بعض الأشهر لا في جميعها لأنه لا خلاف أنه ليس يبقى بعد أيام منى شيء من مناسك الحج. (أحكام القرآن- أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي (م: ۳۷۰هـ): ۱/۳۷۳، قبيل: باب الإحرام بالحج قبل أشهر الحج، ت: محمد صادق القمحاوي، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت☆ جلالین، ص: ۲۹، سورۃ البقرۃ، ط: مکتبہ ملت- دیوبند)

(وأما وقته فأشهر معلومات) والأشهر المعلومات شوال وذو القعدة وعشر ذي الحجة. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۱۶، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته وشرائطه وأركانه، ط: دار الفكر)

[۳۸] کیا حج بدل کرنے والے پر کعبہ کی زیارت سے اپنا حج فرض ہوجاتا ہے؟

۱۶۵۰- سوال: حج بدل کرنے والے پر کعبہ شریف کی زیارت کرنے سے حج فرض ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اس میں امیر وغریب میں کوئی فرق ہے یا دونوں کا حکم یکساں ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مال دار پر تو حج فرض ہی ہے؛ لیکن فقیر جب حج بدل کے لیے جائے گا، تو ایام حج میں بیت اللہ کی زیارت سے اس پر بھی حج فرض ہوجائے گا، البتہ بعض علماء کے نزدیک اس پر حج فرض نہیں ہوتا ہے؛ کیوں کہ وہ اپنی استطاعت سے نہیں آیا ہے، بل کہ دوسرے کے بھیجنے پر آیا ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (ويجوز إحجاج الصرورة) بالصاد المهملة الذي لم يحج... ولكن يجب عليه عند رؤية الكعبة الحج لنفسه وعليه أن يتوقف إلى عام قابل ويحج لنفسه، أو أن يحج بعد عوده إلى أهله بماله وإن فقيرا فليحفظ والناس عنها غافلون. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ'داماد أفندي' (م: ۱۰۷۸هـ): ۳۰۸/۱، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ البحر الرائق: ۷۴/۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۶۰۴/۲، كتاب الحج، ط: دار الفكر-بيروت)

أقول [قائله ابن عابدين رحمه الله]: وفي هذا الكلام بحث إن لم يوجد نقل صريح؛ لأنه حج بقدرة الغير لا بقدرة نفسه، وماله، وإذا أتم الحج يمضي أشهر الحج فإنها شوال وذو القعدة، وعشر ذي الحجة فكيف يجب عليه المكث حتى تأتي أشهره فإذا كان فقيرا أو له عائلة في بلده يجب عليه المكث إلى السنة الآتية بلا نفقة مع تركه عياله يحتاج إلى نقل صريح في ذلك فتأمل. ــــــــ ثم بعد ذلك رأيت بخط بعض الفضلاء ناقلا عن مجمع الأنهر على ملتقى الأبحر ما صورته: ويجوز إحجاج الصرورة، ولكن يجب عليه عند رؤية الكعبة الحج لنفسه، وعليه أن يتوقف إلى عام قابل ويحج لنفسه أو أن يحج بعد عودة أهله بماله، وإن فقيرا فلتحفظ والناس عنها غافلون وصرح علي القاري في شرح مناسكه الكبير بأنه بوصوله لمكة وجب عليه الحج. اهـ. ــــــــ وفي نهج النجاة لابن حمزة هذه المسألة من كلام حسن فلتراجع. اهـ ما رأيته في الحامدية. ــــــــ ورأيت في بعض حواشي الدر المختار أنه أفتى بعدم وجوب الحج عليه مولانا العارف بالله تعالى الشيخ عبد الغني النابلسي لتلبسه بالإحرام عن الغير ووجود الحرج المرفوع لو أقام إلى قابل، وألف في ذلك رسالة، وأفتى بخلافه مولانا السيد أحمد بادشاه في رسالة له ويدل له قول منلا علي القاري في شرحه لو حج الفقير نفلا يجب. (منحة الخالق على البحر الرائق: ۷۴/۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، قبيل: باب الهدي، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۳۹] ۱- بچے کا حج

[۴۰] ۲- بلوغ کی کم از کم اور زیادہ سے زیادہ مدت

۱۶۵۱- سوال: حضرت مفتی صاحب! میرا لڑکا محمد غوری سعودیہ میں رہتا ہے، وہ اس سال وہاں سے حج کرنا چاہتا ہے، اس کی عمر ۱۸ر سے ۱۹ر سال ہے، تو اس کا حج صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے، تو حج فرض ادا ہوگا یا نفل؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

لڑکے کے بالغ ہونے کی کم از کم عمر بارہ، اور لڑکی کے لیے نو سال ہے، جو اس کی علامات سے ظاہر ہوتا ہے، البتہ لڑکا یا لڑکی ضعیف و کمزور ہو، اور بلوغ کی کوئی علامت نہ پائی جائے، تو علماء نے بلوغ کی زیادہ سے زیادہ مدت دونوں ہی کے لیے ۱۵ر سال مقرر کی ہے۔[1]

پندرہ سال کے بعد جو لڑکا یا لڑکی حج کرے اور فرض کی نیت سے کرے، تو حج فرض ادا ہو جاتا ہے، لہٰذا آپ کا لڑکا بھی اگر فرض کی نیت سے حج کرے گا، تو اس کا فرض حج ادا ہو جائے گا۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) بلوغ الغلام بالاحتلام أو الإحبال أو الإنزال، والجارية بالاحتلام، أو الحيض أو الحبل، كذا في المختار. والسن الذي يحكم ببلوغ الغلام والجارية إذا انتهيا إليه خمس عشرة سنة عند أبي يوسف ومحمد - رحمهما الله تعالى - وهو رواية عن أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - وعليه الفتوى، ... وأدنى مدة البلوغ بالاحتلام ونحوه في حق الغلام اثنتا عشرة سنة، وفي الجارية تسع سنين، ولا يحكم بالبلوغ إن ادعى وهو مادون اثنتي عشرة سنة في الغلام، وتسع سنين في الجارية، كذا في المعدن. (الفتاوى الهندية: ۶۱/۵، كتاب الحجر، الباب الثاني في الحجر للفساد، الفصل الثاني في معرفة حد البلوغ، ط: دار الفكر ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۱۵۳/۶، كتاب الحجر، فصل بلوغ الغلام بالاحتلام، ط: دار الفكر ☆ بدائع الصنائع: ۱۷۲/۷، كتاب الحجر والحبس، فصل في بيان مايرفع الحجر، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(۲) (ومنها البلوغ) فلا يجب على الصبي كذا في فتاوى قاضي خان، ولو أن الصبي حج إذا قبل البلوغ فلا يكون ذلك عن حجة الإسلام، ويكون تطوعا، ولو أحرم ثم بلغ قبل الوقوف بعرفة إن مضى على إحرامه يكون تطوعا، وإن جدد التلبية أو استأنف الإحرام بعد الإدراك ثم وقف بعرفة يكون عن حجة الإسلام بالإجماع كذا في شرح الطحاوي، ... ولو جاوز الميقات بغير إحرام ثم احتلم بمكة، وأحرم من مكة أجزأه عن حجة الإسلام، ولم يكن عليه لمجاوزة الميقات بغير إحرام شيء كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۲۱۷/۱، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته وشرائطه وأركانه، ط: دار الفكر)

ثم بلغ بالسن، فإن جدد إحرامها و نوى بها الفرض يقع عنه وإلا فلا. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۶۶/۲، كتاب الحج، ط: دار الفكر)

[۴۱] حج کے لیے بلیک میں باہر کے ڈالر یا رین سے ٹکٹ خریدنا

۱۶۵۲- سوال: یہاں کی سرکار حج کے لیے اس ملک کی کرنسی سے ٹکٹ نہیں دیتی ہے، اگر حج میں جانا ہو، تو باہر کے ڈالر یا رین سے ٹکٹ لینا پڑتا ہے اور سرکار رین اور ڈالر کو معتدل بھاؤ میں نہیں دیتی ہے، تو کیا بلیک میں رین یا ڈالر کو حاصل کر کے حج کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً

اگر حج فرض ہو گیا ہے، تو اپنی رقم سے حج ادا کرنا ضروری ہے، اگر گورنمنٹ رقم نہ دے، تب بھی کسی طرح پیسے حاصل کر کے حج ادا کرنا ضروری ہے، اس صورت میں شریعت کی رو سے آپ گنہ گار نہ ہوں گے؛ البتہ سرکاری قانون کی اگر خلاف ورزی ہو رہی ہو، تو عزت اور آبرو کی حفاظت کا خیال رکھیں۔ (۱)

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۲] حکومت کی جانب سے بڑھاپے اور بے روزگاری پر دی گئی رقم کے ذریعہ مرحومین کی جانب سے حج بدل ادا کرنا

۱۶۵۳- سوال: ایک شخص یہاں سے انگلینڈ گیا، اور وہیں اُس کو قانوناً اقامت کا حق حاصل ہو گیا، پھر وہاں کی حکومت کی جانب سے اُس کو بڑھاپے اور بے روزگاری (ذریعۂ معاش نہ ہونا) کی وجہ سے ماہانہ کچھ رقم دی جاتی تھی، اِس شخص کو چوں کہ اُس کے لڑکوں نے انگلینڈ بلایا تھا، اِس لیے وہی اُس کے تمام اِخراجات اٹھاتے تھے، لہٰذا حکومت کی جانب سے بطورِ امداد ملی ہوئی رقم اُنھوں نے جمع کر رکھی تھی، اور یہ شخص اپنا فرض حج ادا کر چکا ہے، اب اِس رقم کے ذریعہ وہ اپنے مرحومین کی جانب سے حج بدل ادا کرنا چاہتا ہے، تو

---

(۱) امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کے نزدیک ایک فلس کا دو فلس سے تبادلہ اس لیے ناجائز تھا کہ وہ آپس میں بالکل برابر اور ہم مثل تھے، جس کی بناء پر تبادلہ کے وقت ایک سکہ بغیر عوض کے خالی رہ جاتا تھا، لیکن مختلف ممالک میں کرنسیاں مختلف الاجناس ہونے کی بناء پر ہم مثل اور برابر نہ رہیں، اس لیے ان کے درمیان کمی زیادتی کے ساتھ تبادلے کے وقت کرنسی کے کسی حصے کو خالی عن العوض نہیں کہا جائے گا، اور جب خالی عن العوض نہیں، تو کمی زیادتی کے ساتھ تبادلہ بھی جائز ہے، لہٰذا ایک سعودی ریال کا تبادلہ ایک سے زائد پاکستانی روپیوں سے کرنا جائز ہے۔ (جواہر الفقہ: ۳۴۷/۴، مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں کا آپس میں تبادلہ، ط: ادارہ تحقیقات مسائل جدیدہ، ط: اسلامیہ بازار، جامع مسجد-دیوبند)

کیا شرعاً مرحومین کی جانب سے حج بدل کے لیے اِن پیسوں کو خرچ کرنے کی گنجائش ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

حکومت کی جانب سے جو رقم قانوناً بہ طورِ امداد دی جاتی ہو، تو اُس کا لینا جائز ہے، بہ شرطیکہ اُس مدد کے حاصل کرنے کے لیے جھوٹ کا سہارا نہ لیا گیا ہو، اور جب اِس امداد کا لینا جائز ہے، تو اُس کے ذریعہ حج بدل کرنا بھی صحیح ہوگا؛ لیکن اگر حکومتی امداد حاصل کرنے کے لیے جھوٹ کا سہارا لے کر خود کو بے روزگار ثابت کیا گیا ہو، تو ایسی رقم کا لینا حرام ہوگا۔ (۱) اور اُس حرام رقم کے ذریعہ حج جیسی عظیم عبادت صحیح نہیں ہوگی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: اللہ تعالیٰ پاک ہے، اور پاک مال کو ہی قبول فرماتا ہے۔ (۲) اور ترمذی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے، اور پاک چیز کو پسند فرماتا ہے۔ (۳)

---

(۱) يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا. (۴-النساء:۲۹)

قوله {عن تراض منكم} أي: بطيبة نفس كل واحد على الوجه المشروع. (اللباب في علوم الكتاب- أبو حفص سراج الدين عمر بن علي بن عادل الحنبلي الدمشقي النعماني (م:۷۷۵هـ):۳۳۸/۶، سورة النساء، ۲۹، ت: عادل أحمد عبد الموجود وعلي محمد معوض، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

الرابع: إن النصوص تدل على أن مال الإنسان معصوم [وأنه] لا سبيل لأحد أن يأخذه منه، قال -تعالى-: {لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارة عن تراض منكم} [النساء:۲۹]

وقال عليه الصلاة والسلام: "كل امرئ أحق بكسبه"، وقال: "حرمة مال المسلم كحرمة دمه"، وقال: "لا يحل مال امرئ مسلم إلا عن طيب نفس". (المصدر السابق:۵۶۳/۶، النساء، ۹۲)

(۲) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أيها الناس، إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا، وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين، فقال: {يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ} [المؤمنون:۵۱] وقال: {يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ} [البقرة:۱۷۲] ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر، يمد يديه إلى السماء، يا رب، يا رب، ومطعمه حرام، ومشربه حرام، وملبسه حرام، وغذي بالحرام، فأنى يستجاب لذلك؟". (الصحيح لمسلم:۳۲۶/۱، رقم الحديث:۶۵-(۱۰۱۵)، كتاب الزكاة، باب بيان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف، ط: البدر-ديوبند)

(۳) عن صالح بن أبي حسان، قال: سمعت سعيد بن المسيب، يقول: إن الله طيب يحب الطيب، نظيف يحب النظافة، كريم يحب الكرم، جواد يحب الجود، فنظفوا -أراه قال- أفنيتكم ولا تشبهوا باليهود. قال: فذكرت ذلك لمهاجر بن مسمار، فقال: حدثنيه عامر بن سعد بن أبي وقاص، عن أبيه، عن النبي صلى الله عليه وسلم مثله، إلا أنه قال: نظفوا أفنيتكم. (سنن الترمذي:۱۰۷/۲، رقم الحديث:۲۷۹۹، أبواب الأدب، باب ما جاء في النظافة، ط: فيصل، ديوبند)

لہٰذا حرام مال خرچ کر کے ثواب کی اُمید رکھنے سے ایمان کا خطرہ ہے۔(☆☆☆) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

[۴۳] ضبطِ ولادت کا آپریشن کروانے کے بعد عورت کا حج وعمرہ صحیح ہوگا یا نہیں؟

۱۶۵۴- سوال: ہم نے سنا ہے کہ جس عورت نے ضبطِ ولادت کا آپریشن کروایا ہو، وہ حج یا عمرہ میں نہیں جاسکتی، کیا شرعاً یہ مسئلہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

بغیر کسی عذرِ معقول کے، ضبطِ ولادت کا آپریشن کروانا گناہ کا کام ہے، اگر یہ گناہ کسی سے سرزد ہوگیا ہے، تو اُسے توبہ واستغفار کرنا چاہیے۔(۱) ایسی عورت اگر حج وعمرہ کرے گی، تو ادا ہوجائیں گے۔(۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

[۴۴] برتھ کنٹرول کا آپریشن کرانے والی عورت کا حج

۱۶۵۵- سوال: بیوی نے شوہر کی اجازت سے نس بندی کا آپریشن کرایا، پھر وہ حج کے لیے گئی، تو کیا

(☆☆☆) رجل دفع إلى فقير من المال الحرام شيئا يرجو به الثواب يكفر.... (قوله: إذا تصدق بالحرام القطعي) أي مع رجاء الثواب الناشئ عن استحلاله كما مر فافهم. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۹۲، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، مطلب في التصدق من المال الحرام، ط: دار الفكر- بيروت)

(۱) وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا. (۱۷- بنی اسرائیل: ۳۱)

عن عبد الله رضي الله عنه، قال: "كنا نغزو مع النبي صلى الله عليه وسلم وليس معنا نساء، فقلنا: ألا نختصي؟ فنهانا عن ذلك، فرخص لنا بعد ذلك أن نتزوج المرأة بالثوب" ثم قرأ {يا أيها الذين آمنوا لا تحرموا طيبات ما أحل الله لكم} [المائدة: ۸۷]. (صحيح البخاري: ۲/ ۶۶۴، رقم الحديث: ۴۶۱۵، كتاب تفسير القرآن، باب قوله: {يا أيها الذين آمنوا لا تحرموا طيبات ما أحل الله لكم}، ط: ديوبند، وانظر رقم: ۵۰۷۵، كتاب النكاح، باب ما يكره من التبتل والخصاء، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۴۵۰، رقم الحديث: ۱۱- (۱۴۰۴)، كتاب النكاح، باب نكاح المتعة، وبيان أنه أبيح، ثم نسخ، ثم أبيح، ثم نسخ، واستقر تحريمه إلى يوم القيامة، ط: ديوبند)

خصاء بني آدم حرام بالاتفاق. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۵۷، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان والخصاء وحلق المرأة شعرها ووصلها شعر غيرها، ط: دار الفكر)

(۲) لأن المعاصي لا تمنع الطاعات فإذا أتى بها لا يقال إنها غير مقبولة. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر- عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/ ۲۶۱، كتاب الحج، شروط الحج، ط: دار إحياء التراث العربي)

اس کا حج صحیح ہوگا؟ اور کیا شوہر کا حج بھی درست ہوگا، حالاں کہ اس نے بہ رضا و رغبت اپنی بیوی کا آپریشن کروایا ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

عورت کا آپریشن چاہے شوہر کی رضامندی سے ہو یا اس کی رضامندی کے بغیر، حج کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، بلا ضرورت شدیدہ نس بندی کا آپریشن ایک الگ گناہ ہے، جس کے لیے توبہ واستغفار لازم ہے، البتہ حج ایک مستقل عبادت ہے، جس کا ''اہل'' گنہ گار بھی ہوتا ہے؛ لہٰذا شوہر اور بیوی دونوں کا حج ادا ہو جائے گا۔ نس بندی کرانے کی وجہ سے حج کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۵] قرض لے کر نفلی حج ادا کرنا

۱۶۵۶- سوال: اللہ کے فضل سے میں نے ۱۹۸۴ء میں فرض حج ادا کیا تھا، لیکن میری بیوی نے اب تک حج نہیں کیا، اب اُس کو اپنے والد کی جانب سے بہ طورِ وراثت اِتنی رقم ملی ہے، جس کی وجہ سے اُس پر حج فرض ہے، لیکن وہ میرے علاوہ کسی اور کے ساتھ حج میں جانے کے لیے تیار نہیں ہے، اور مجھ پر فی الحال ایک لاکھ بیس ہزار روپئے کا قرض ہے، جو میں نے اپنے والد صاحب کے پاس سے لیا تھا، میری دیگر جائداد میں تقریباً تین یا چار لاکھ کا ایک مکان ہے، جو میں نے کرایہ پر دینے یا بیچنے کے لیے تعمیر کیا تھا، پندرہ یا سترہ بیگھا کھیتی کی زمین اور کچھ قابل رہائش کھلی زمین ہے، میں اپنی بیوی کی رقم سے اپنا نفلی حج ادا کرنا نہیں چاہتا، اس لیے میں نے والد صاحب سے قرض لیا ہے، کیا یہ درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیا:

ایسا مقروض شخص، جس کے قرض کا تقاضہ کرنے والا تقاضہ کر رہا ہو، اُسے قرض ادا کیے بغیر نفل حج کرنے کی اِجازت نہیں ہے۔[2] لیکن اگر قرض دینے والے کا کوئی تقاضہ نہ ہو، جیسا کہ صورتِ مذکورہ میں

---

(۱) سوال سابق بہ عنوان ''ضبطِ ولادت کا آپریشن کروانے کے بعد عورت کا حج وعمرہ صحیح ہوگا یا نہیں؟'' کے حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) و إن كان في ماله وفاء بالدين، يقضي الدين و لا يحج، ويكره الخروج إلى الغزو و الحج لمن عليه الدين. (قاضي خان على هامش الهندية: ۱/ ۳۱۳، كتاب الحج، فصل في المقطعات، ط: زكريا - ديوبند ☆ الهداية: ۱/ ۲۲۱، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج، ط: زكريا - ديوبند)

و كذا يكره بلا إذن دائنه و كفيله و الظاهر أنها تحريمية لإطلاقهم الكراهة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۷۱، كتاب الحج، سنن و آداب الحج، ط: دار الفكر - بيروت)

آپ نے والد صاحب کے پاس سے قرض لیا ہے، یا مقروض کے پاس قرض کی ادائیگی کا انتظام ہو، جیسا کہ آپ کے پاس ہے، تو نفل حج ادا کرنے کی گنجائش ہے، نیز اپنی بیوی کے ساتھ جانے میں یک گونہ ضرورت بھی ہے، اس وجہ سے آپ کے لیے قرض لے کر نفل حج ادا کرنا جائز ہے۔ (☆☆☆) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۶] ذمہ میں قرض ہونے کے باوجود ہدیے کی رقم سے حج ادا کرنا

۱۶۵۷- سوال: ایک لڑکا اپنے والد کو آٹھ دس ہزار روپیہ کا مالک بنا کر حج فرض ادا کرنے کا حکم دے رہا ہے؛ مگر دوسری جانب باپ کے ذمہ سوسائٹی اور دیگر لوگوں کا تقریباً سات آٹھ ہزار روپیوں کا قرض ہے، تو ایسی صورت میں باپ کو اس رقم کے ذریعہ پہلے اپنا قرض ادا کرنا بہتر ہے یا حج کرنا؟ اگر وہ حج ادا کرے تو حج فرض ادا ہوگا یا نفل؟

احقر: احمد داوجی دیسائی (صوفی)

الجواب حامداو مصلیا:

لڑکے کو اپنے والد کا ادب ملحوظ رکھنا چاہیے؛ باپ کو حکم کرنا مناسب نہیں۔ (۱) لڑکا اپنے باپ کو حج ادا

(☆☆☆) وقالوا لو لم يحج حتى أتلف ماله وسعه أن يستقرض ويحج، ولو غير قادر على وفائه ويرجى أن لا يؤاخذه الله بذلك، أي لو ناويا وفاء إذا قدر كما قيده في الظهيرية. (الدر المختار) ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله وسعه أن يستقرض إلخ) أي جاز له ذلك وقيل يلزمه الاستقراض كما في لباب المناسك، قال منلا علي القاري في شرحه عليه، وهو رواية عن أبي يوسف وضعفه ظاهر؛ فإن تحمل حقوق الله تعالى أخف من ثقل حقوق العباد اهـ.

قلت: وهذا يرد على القول الأول أيضا إن كان المراد بقوله ولو غير قادر على وفائه أن يعلم أنه ليس له جهة وفاء أصلا أما لو علم أنه غير قادر في الحال وغلب على ظنه أنه لو اجتهد قدر على الوفاء فلا يرد. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۵۷، كتاب الحج، ط: دار الفكر - بيروت ☆ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۲۸، كتاب الحج، مدخل، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ درر الحكام شرح غرر الأحكام: ۱/۲۱۶، كتاب الحج، ط: دار إحياء الكتب العربية)

(۲) وَقَضٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوْٓا إِلَّآ إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَآ أَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ (۱۷- الاسراء: ۲۳)

قال مجاهد: {وقضى} يعني: وصى، وكذا قرأ أبي بن كعب، وعبد الله بن مسعود، والضحاك بن مزاحم: "ووصى ربك ألا تعبدوا إلا إياه" ولهذا قرن بعبادته بر الوالدين فقال: {وبالوالدين إحسانا} أي: وأمر بالوالدين إحسانا، كما قال في الآية الأخرى: {أن اشكر لي ولوالديك إلي المصير} [لقمان: ۱۴].

وقوله: {إما يبلغن عندك الكبر أحدهما أو كلاهما فلا تقل لهما أف} أي: لا تسمعهما قولا سيئا، حتى ولا التأفيف الذي هو أدنى مراتب القول السيئ {ولا تنهرهما} أي: ولا يصدر منك إليهما فعل قبيح، كما قال عطاء بن أبي رباح في=

کرنے کی غرض سے آٹھ دس ہزار روپیہ کا مالک بنا رہا ہے، تو باپ اس کا مالک بن جائے گا، مالک بن جانے کے بعد حج فرض ہونے کی شرائط میں یہ ہے کہ آدمی پر قرض نہ ہو اور آمد و رفت کا ضروری خرچ موجود ہو، نیز حج میں پوری مدت قیام کا اپنے بال بچوں کے لیے بھی خرچ موجود ہو؛ اب باپ کو دس ہزار روپیہ کا مالک بنانے کے بعد ان میں سے سات ہزار روپیہ سے اپنا قرض ادا کرے گا، تو صرف تین ہزار روپے بچیں گے، جن سے یقیناً حج کے سفر میں آمد و رفت کا خرچ پورا نہیں ہوگا؛ اس لیے باپ پر حج فرض نہیں ہوگا۔[۲] نیز قرض کی ادائیگی حج سے پہلے ضروری ہے؛ اس لیے لڑکے کا اپنے باپ کو حج ادا کرنے کی تاکید کرنا درست نہیں؛ بل کہ لڑکے کے لیے ضروری ہے کہ باپ کو پہلے اپنے قرض سے خلاصی دلائے۔ (شامی)[۳] پھر حج کی ادائیگی کے لیے درخواست کرے؛ لیکن قرض کے باوجود اگر حج ادا کرے گا، تو حج فرض ادا ہو جائے گا۔[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= قوله: {ولا تنهرهما} أي: لا تنفض يدك على والديك. ــــــــــــ ولما نهاه عن القول القبيح والفعل القبيح، أمره بالقول الحسن والفعل الحسن فقال: {وقل لهما قولا كريما} أي: لينا طيبا حسنا بتأدب وتوقير وتعظيم.

{واخفض لهما جناح الذل من الرحمة} أي: تواضع لهما بفعلك {وقل رب ارحمهما} أي: في كبرهما وعند وفاتهما {كما ربياني صغيرا}. (تفسير القرآن العظيم-أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي (م: ۷۷۴هـ): ۵/ ۶۴، سورة الإسراء: ۲۴، ت: سامي بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع)

عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: رغم أنفه، ثم رغم أنفه، ثم رغم أنفه، قيل: من؟ يا رسول الله قال: من أدرك والديه عند الكبر، أحدهما أو كليهما، ثم لم يدخل الجنة. (الصحيح لمسلم: ۲/ ۳۱۴، رقم الحديث: ۹، ۱۰ (۲۵۵۱)، كتاب البر والصلة والآداب، باب فضل صلة أصدقاء الأب والأم ونحوهما، ط: ديوبند)

(۲) ولو وهب الأب لابنه مالا يحج به لم يجب قبوله لأن شرائط الوجوب لا يجب تحصيلها وهذا منها باتفاق الفقهاء خلافا للأصوليين. (الدر المختار) ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله ولو وهب الأب لابنه إلخ) وكذا عكسه وحيث لا يجب قبوله مع أنه لا يمن أحدهما على الآخر يعلم حكم الأجنبي بالأولى ومراده إفادة أن القادر على الزاد والراحلة لا بد فيها من الملك دون الإباحة والعارية كما قدمناه. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۶۱، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام، ط: دار الفكر-بيروت)

[۳] (فضلا عما لا بد منه) كما مر في الزكاة. (الدر المختار) ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله كما مر في الزكاة) أي من بيان ما لا بد منه من الحوائج الأصلية كفرسه وسلاحه وثيابه وعبيد خدمته وآلات حرفته وأثاثه وقضاء ديونه وأصدقته ولو مؤجلة كما في اللباب وغيره والمراد قضاء ديون العباد ولذا قال في اللباب أيضا وإن وجد مالا وعليه حج وزكاة يحج به قيل إلا أن يكون المال من جنس ما تجب فيه الزكاة فيصرف إليها. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۶۱، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام، ط: دار الفكر-بيروت)

(۴) وله أن يحج وعليه دين لا وفاء له، وإن كان في ماله وفاء بالدين يقضي الدين ولا يحج، ويكره الخروج إلى الغزو=

[۴۷] حج کے لیے دی گئی رقم سے قرض ادا کرنا

گذشتہ سے پیوستہ

۱۶۵۸- سوال: لڑکے نے باپ کو آٹھ نو ہزار روپیہ کا صرف اور صرف حج ادا کرنے کے لئے مالک بنایا ہے اور اس نے اپنے باپ سے یہ کہا ہے کہ قرض کا معاملہ آپ جانیں؛ میں تو آپ کو یہ رقم صرف حج ادا کرنے ہی کے لیے دے رہا ہوں، تو ان حالات میں کیا باپ پر حج فرض ہو جائے گا؟　　احقر احمد داوجی دیسائی (صوفی)

الجواب حامدا ومصليا:

ضرورت کے وقت باپ اپنے بیٹے کے مال کو اپنے مصرف میں لا سکتا ہے؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: **أنت و مالك لأبيك.** (الحديث)[۱] تم اور تمہارا مال؛ دونوں تمہارے باپ کے لیے ہیں۔

لڑکا، باپ کو حج کی نیت سے جس رقم کا مالک بنائے گا، باپ اس کا مالک بن جائے گا؛ اس کے بعد باپ کے لیے مذکورہ رقم کا حج کے لیے خرچ کرنا ضروری نہیں، قرض کی ادائیگی کے لیے بھی استعمال کرے تو جائز ہوگا۔[۲]

= و الحج لمن عليه الدين، و إن لم يكن عنده مال مالم يقض دينه إلا بإذن الغرماء. (قاضي خان على هامش الهندية: ۱/۱۳۱، كتاب الحج، فصل في المقطعات، ط: زكريا - ديوبند☆ الفتاوى الهندية: ۱/۲۲۱، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج و فرضيته و وقته و شرائطه و أركانه، ط: دار الفكر☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۵۶، كتاب الحج، مطل فيمن حج بمال حرام، ط: دار الفكر- بيروت)

(۱) مکمل روایت اس طرح ہے:

عن جابر بن عبد الله، أن رجلا قال: يا رسول الله إن لي مالا و ولدا، و إن أبي يريد أن يجتاح مالي، فقال: أنت و مالك لأبيك. (سنن ابن ماجة: ۲/ ۱۶۵، رقم الحديث: ۲۲۹۱، أبواب التجارات، باب ما للرجل من مال ولده، و رواه عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، برقم: ۲۲۹۲، ط: ديوبند☆ سنن أبي داود: ۲/ ۴۹۸، رقم الحديث: ۳۵۳۰، كتاب البيوع، باب في الرجل يأكل من مال ولده، عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، ط: ديوبند)

(۲) لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (رد المحتار على الدر المختار- ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲هـ): ۴/ ۵۰۲، أول كتاب البيوع، و انظر: ۵/۵۱، باب البيع الفاسد، مطلب: تعريف المال، ط: دار الفكر- بيروت)

و الحاصل أن القياس في جنس هذه المسائل أن يفعل المالك ما بدا له مطلقا لأنه متصرف في خالص ملكه. (المصدر السابق: ۵/ ۴۴۸، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مسائل متفرقة، مطلب: اقتسموا دارا و أراد كل منهم فتح باب لهم ذلك☆ فتح القدير: ۷/ ۳۲۶، كتاب أدب القاضي، باب التحكيم، مسائل شتى من كتاب القضاء، ط: دار الفكر- بيروت)

اور ذمہ میں قرض ہونے کی وجہ سے حج فرض بھی نہیں ہوگا۔ (☆☆☆) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۸] حج فرض چھوڑ کر محض عمرہ کرنے والے کا شرعی حکم

۱۶۵۹- سوال: حج کی ادائیگی سے قبل عمرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے ایسا پڑھا ہے کہ امت محمدی کے آزاد فرد پر، جب کہ وہ صاحب نصاب ہو اور زاد و راحلہ پر قادر ہو، حج فرض عین ہو جاتا ہے، جب کہ عمرہ نفلی عمل وعبادت ہے۔

آج کل بعض مسلمان بھٹکتے بھٹکتے مکہ مکرمہ پہنچ جاتے ہیں، موسم حج کے آنے میں کچھ وقت رہتا ہے، تو وہ لوگ صرف عمرہ کر کے واپس آجاتے ہیں اور حج کرنے کی کوئی پرواہ نہیں کرتے ہیں، ایسے لوگوں کا کیا حکم ہے؟ امید ہے کہ جواب عنایت فرما کر ممنون کریں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حج اور عمرہ دونوں مستقل عبادت ہیں، عمرہ سنت مؤکدہ ہے، کوئی مکہ مکرمہ پہنچ جائے، خواہ غریب ہو یا مال دار، اس پر حج فرض ہو جائے گا؛ [بہ شرطیکہ کوئی مانع موجود نہ ہو، اور موسم حج کو اس نے مکہ مکرمہ میں پالیا ہو] البتہ وہ صرف عمرہ کر کے واپس چلا جائے گا، تو اس کا عمرہ ادا ہو جائے گا، مگر حج ادا کیے بغیر واپس چلے جانے کی وجہ سے وہ گنہ گار ہوگا۔ (۱)

ایک مسلمان کی شان تو یہی بات ہے کہ وہ فضول خرچی سے اپنے آپ کو بچائے، البتہ گھومتے

(☆☆☆) ویکره الخروج إلى الغزو و الحج لمن علیه الدین، و إن لم یکن عنده مال مالم یقض دینه إلا بإذن الغرماء. (قاضي خان علی هامش الهندیة: ۱/۱۳۱، کتاب الحج، فصل في المقطعات، ط: زکریا - دیوبند☆ الفتاوی الهندیة: ۱/۲۲۱، کتاب المناسك، الباب الأول في تفسیر الحج وفرضیته ووقته وشرائطه وأرکانه، ط: دار الفکر☆ رد المحتار علی الدر المختار: ۲/۴۵۶، کتاب الحج، مطل فیمن حج بمال حرام، ط: دار الفکر - بیروت)

(۱) (قوله: ومن دخل مکة بغیر إحرام ثم خرج من عامه) حاصل الأحکام الکائنة هنا أربعة. أحدها: أنه لا یجوز؛ للآفاقي دخول مکة بغیر إحرام. ثانیها: أن من دخلها بلا إحرام یجب علیه إما حجة أو عمرة... ثالثها: أنه إذا خرج من عامه ذلك إلی المیقات وحج حجة الإسلام سقط ما وجب علیه بدخول مکة بلا إحرام. رابعها: أنه إذا خرج بعد مضي تلك السنة لا یسقط. (فتح القدیر: ۳/۱۱۱، کتاب الحج، باب مجاوزة الوقت بغیر إحرام، ط: دار الفکر - بیروت☆ الفتاوی التاتارخانیة: ۳/۵۲-۵۵۱، کتاب الحج، الفصل الرابع في بیان مواقیت الإحرام، ط: زکریا - دیوبند)

پھرتے بھی اگر عمرہ کرلے گا، تو عمرہ ادا ہوجائے گا، بھیدوں کا جاننے والا خدائے برحق ہے، ہمارے لیے کسی سے بدگمان ہونا درست نہیں، ہر مومن کے متعلق اچھا خیال رکھنے کا حضور ﷺ نے حکم فرمایا ہے اور قرآن مجید میں بھی بدگمانی سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ (☆☆☆) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۹] وجوب حج میں بالغ لڑکا مستقل بالذات ہے

۱۶۶۰- سوال: زید عاقل و بالغ ہے اور وہ سعودی عرب میں رہتا ہے، ہندوستان میں اس کے والدین رہتے ہیں، ان کی مالی حیثیت اچھی نہیں ہے، جس کی وجہ سے انہوں نے حج نہیں کیا ہے، فی الحال کوئی آثار بھی نظر نہیں آرہے ہیں کہ مستقبل قریب میں وہ صاحب استطاعت ہوجائیں اور حج کرسکیں، ادھر بیٹے زید کے پاس حج کی رقم کا نظم ہوچکا ہے، اس نے اپنے حج کرنے کی منظوری ہندوستان میں موجود اپنے والدین سے حاصل کرلی ہے اور والدین نے بھی اس کو بہ خوشی حج کرنے کی اجازت دے دی ہے، لہٰذا زید حج کے لیے جارہا ہے، تو یہ اس کا حج فرض کہلائے گا یا نفل؟ نیز بالغ اولاد حج، زکوۃ، فطرے اور قربانی کے باب میں مستقل ہیں یا اپنے والدین کے تابع؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداو مصلیا:

جب بچہ بالغ ہوجائے، تو وہ مستقل بالذات ہوجاتا ہے، اس لیے شریعت کی طرف سے عائد ہونے والی ذمے داری اسے خود ادا کرنی پڑتی ہے، ورنہ شرعا اس سے باز پرس ہوگی، مثلا فرض نماز ادا نہ کرے، تو شرعا وہ خود جواب دہ ہوگا، روزہ نہ رکھے، تو اس کی جواب دہی و ذمہ داری خود اس کے کندھے پر ہوگی، ہاں جب تک بچہ ہے، بالغ نہیں ہوا، اس وقت تک وہ احکام شرع کا مکلف نہیں ہے۔ (۱)

(☆☆☆) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢﴾. (۴۹- الحجرات: ۱۲)

عن أبي هريرة - رضي الله عنه - عن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال: إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث، ولا تحسسوا، ولا تجسسوا، ولا تحاسدوا، ولا تدابروا، ولا تباغضوا، وكونوا عباد الله إخوانا. (صحيح البخاري: ۸۹۶/۲، رقم الحديث: ۶۰۶۴، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۳۱۶/۲، رقم الحديث: ۲۸- (۲۵۶۳)، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الظن، والتجسس، والتنافس، والتناجش ونحوها، ط: ديوبند)

(۱) عن علي - رضي الله عنه -، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "رفع القلم عن ثلاثة: عن النائم حتى يستيقظ، =

صورت مسئولہ میں حج، زکوۃ، صدقۂ فطر اور قربانی وغیرہ کی مکمل ذمہ داری اسی [زید] کے سر ہوگی، جب کہ وہ صاحب استطاعت ہو؛ لہٰذا زید نے جو حج کا ارادہ کیا ہے، وہ اسی کی طرف سے کہلائے گا، اس میں والدین کی اجازت ضروری نہیں ہے، بشرطیکہ والدین کو اس کی خدمت کی ضرورت نہ ہو۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۰] حج میں تجارت کرنے کا حکم

۱۶۶۱- سوال: ایک شخص فرض حج کے لیے بیت اللہ کے سفر پر جا رہا ہے اور ساتھ میں تجارت کا مال بھی وہاں فروخت کرنے کے لیے لے جانا چاہتا ہے اور وہاں سے بہ غرض تجارت، کوئی مال خرید کر لانا چاہتا ہے، تو کیا اس کی اجازت ہے؟

=وعن الصبي حتى يحتلم، وعن المجنون حتى يعقل". (سنن أبي داود: ۲/ ۶۰۴، رقم الحديث: ۴۴۰۳، كتاب الحدود، باب في المجنون يسرق أو يصيب حدا، ط: ديوبند☆سنن الترمذي: ۱/ ۲۶۳، رقم الحديث: ۱۴۲۳، أبواب الحدود عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء فيمن لا يجب عليه الحد، ط: ديوبند☆ المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي- أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳هـ): ۶/ ۱۵۶، رقم الحديث: ۳۴۳۲، كتاب الطلاق، باب: من لا يقع طلاقه من الأزواج، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب☆سنن ابن ماجه: ۱/ ۱۴۷، رقم الحديث: ۲۰۴۱، كتاب الطلاق، باب طلاق المعتوه والصغير والنائم، عن عائشة رضي الله عنها، ط: ديوبند)

(۲) حج الفرض أولى من طاعة الوالدين، بخلاف النفل. (الدر المختار) ـــــــــ قال ابن عابدين: (قوله حج الفرض أولى من طاعة الوالدين) لأنه لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق سبحانه وتعالى لكن هذا إذا لم يضيعا بسفره لما قدمه أول الحج أنه يكره بلا إذن ممن يجب استئذانه أي كأحد الأبوين المحتاج إلى خدمته، وقدمنا أن الأجداد والجدات كالأبوين عند فقدهما (قوله بخلاف النفل) أي فإن طاعتهما أولى منه مطلقا كما قدمناه عن البحر عن الملتقط. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۶۲۰-۶۲۱، كتاب الحج، باب الهدي، فروع في الحج، قبيل: مطلب في تفضيل الحج على الصدقة، ط: دار الفكر☆ مجمع الأنهر: ۱/ ۳۱۲، كتاب الحج، مسائل منثورة في كتاب الحج، ط: دار إحياء التراث العربي☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۲۱، كتاب المناسك، الباب الثالث في الإحرام، ط: دار الفكر - بيروت)

يكره الخروج إلى الحج إذا كره أحد أبويه وهو محتاج إلى خدمته، لا إن كان مستغنيا. (فتح القدير: ۲/ ۴۰۷، كتاب الحج، ط: دار الفكر - بيروت)

وفي الخانية: ولو أراد الخروج إلى الحج وكره ذلك قالوا إن استغنى الأب عن خدمته فلا بأس، وإلا فلا يسعه الخروج. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۴۰۸، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ط: دار الفكر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر سفر کا مقصد خالص تجارت ہے، اس طور پر کہ اگر تجارت نہ ہوتی تو یہ سفر ہی نہ کرتا، تو ایسی نیت سے حج کرنا بہت ہی برا اور ثواب سے محرومی کا سبب ہے اور اس صورت میں تجارت میں برکت نہیں ہوگی، اگر چہ حج کا فریضہ ذمے سے ساقط ہو جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ حج ہی کی نیت سے سفر کر رہا ہے، اس طور پر کہ اگر سامان تجارت نہ بھی ہوتا، تب بھی اس سفر پر ضرور جاتا، تو اس صورت میں اگر پہلے سے نیت کر رکھی ہے کہ مکہ میں تجارت بھی کروں گا، تو یہ سفر حج کا تو ہے، مگر خالص نہیں ہے؛ چناں چہ اس صورت میں حج اور تجارت دونوں جائز ہے، مگر اخلاص کے خلاف ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ تجارت کی پہلے سے کوئی نیت نہیں تھی، مگر کسی چیز کی قیمت زیادہ مل رہی تھی، تو اسے فروخت کر دیا اور کوئی چیز سستی مل رہی تھی، تو اسے خرید لیا، تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اخلاص کے خلاف بھی نہیں، البتہ اگر بہ غرض تجارت نہ کوئی چیز لے جائے اور نہ لائے، یہ اخلاص کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ (تفسیر بیان القرآن: ۱/ ۱۳۰، تجارت در حج و وقوف عرفات ومزدلفہ، سورۂ بقرۃ، آیت نمبر: ۱۹۸)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ﴿١٩٨﴾. (۲-البقرۃ: ۱۹۸)

اس آیت ذیل میں حضرت تھانویؒ رقم طراز ہیں:

اگر مقصود اصلی حج سے تجارت ہی ہے، یا حج اور تجارت دونوں مساوی درجے میں ہیں، تو بے شک اخلاص کے خلاف ہے، اور حج کا ثواب کم ہو جائے گا، اور اگر اصلی مقصود حج ہے، اس طور پر کہ اگر سامان تجارت کا نہ رہے، تب بھی حج کو ضرور جائے، اور تجارت محض تابع ہے، تو اخلاص کے خلاف نہیں، بل کہ اگر اس کے ساتھ یہ نیت ہو کہ تجارت کے نفع سے حج میں اعانت ہوگی، تو اور اوپر سے تجارت میں ثواب ملے گا۔ (بیان القرآن- مولانا اشرف علی تھانوی (م: ۱۳۶۲ھ): ۱/ ۱۱۵، تجارت در حج و وقوف عرفات ومزدلفہ، ط: اشرفی بک ڈپو- دیوبند)

وقالوا أيضا إن من نوى الحج والتجارة لا ثواب له إن كانت نية التجارة غالبة أو مساوية. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۴۲۵، كتاب الحظر والإباحة، ط: فصل في البيع، فرع: يكره إعطاء سائل المسجد، ط: دار الفكر- بيروت)

وبالجملة فهذه الآية نزلت ردا على من يقول: لا حج للتجار والأجراء والجمالين. ـــــــ والرواية الثالثة: أن عكاظ ومجنة وذا المجاز كانوا يتجرون في أيام الموسم فيها، وكانت معايشهم منها، فلما جاء الإسلام كرهوا أن يتجروا في الحج بغير إذن، فسألوا رسول الله صلى الله عليه وسلم فنزلت هذه الآية. ـــــــ والرواية الرابعة: قال مجاهد: إنهم كانوا لا يتبايعون في الجاهلية بعرفة ولا منى، فنزلت هذه الآية. ـــــــ إذا ثبت صحة هذا القول =

[۵۱] تجارت کی غرض سے حج کرنا

۱۶۶۲- سوال: تجارت وکاروبار کے لیے حج کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصلیا:

جائز نہیں، حرام ہے، حج جیسے مقدس عمل اور مسلم قوم کی صاف ستھری شبیہ کو بدنام کرنے کے مترادف ہے، اس مقصد سے سفر حج پر جانے والا سخت گنہ گار ہوگا، بغیر اخلاص کے حج قبول نہیں ہوتا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=فنقول: أكثر الذاهبين إلى هذا القول حملوا الآية على التجارة في أيام الحج. . . .

المسألة الثالثة: اتفقوا على أن التجارة إذا أوقعت نقصانا في الطاعة لم تكن مباحة، أما إن لم توقع نقصانا ألبتة فيها فهي من المباحات التي الأولى تركها؛ لقوله تعالى: وما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين[البينة:5] والإخلاص أن لا يكون له حامل على الفعل سوى كونه عبادة، ـــــ وقال عليه السلام حكاية عن الله تعالى: أنا أغنى الأغنياء عن الشرك، من عمل عملا أشرك فيه غيري تركته وشركه. ـــــ والحاصل أن الإذن في هذه التجارة جار مجرى الرخص. (مفاتيح الغيب = التفسير الكبير - أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن، التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري (م:٦٠٦هـ): ٥/ ٣٢٣-٣٢٤، سورة البقرة، رقم الآية: ١٩٨، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

قال الله عقيب ذكر الحج، والتزود له: ﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلا من ربكم﴾ يعني المخاطبين بأول الآية وهم المأمورون بالتزود للحج، وأباح لهم التجارة فيه، وروى أبو يوسف عن العلاء بن السائب عن أبي أمامة قال: قلت لابن عمر: إني رجل أكري الإبل إلى مكة أفيجزي من حجتي؟ قال: ألست تلبي فتقف وترمي الجمار؟ قلت: بلى. قال: سأل رجل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن مثل ما سألتني، فلم يجبه حتى أنزل الله هذه الآية: ﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلا من ربكم﴾ فقال: "أنتم حاج". وقال عمرو بن دينار: قال ابن عباس: كانت ذو المجاز وعكاظ متجرا للناس في الجاهلية، فلما كان الإسلام تركوا حتى نزلت: ﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلا من ربكم﴾ في مواسم الحج. وروى سعيد بن جبير عن ابن عباس قال: أتاني رجل فقال: إني آجرت نفسي من قوم على أن أخدمهم ويحجون بي، فهل لي من حج؟ فقال ابن عباس: هذا من الذين قال الله تعالى: ﴿لهم نصيب مما كسبوا﴾ [البقرة:202] وروي نحو ذلك عن جماعة من التابعين، منهم الحسن وعطاء ومجاهد وقتادة. (أحكام القرآن- أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي (م:٣٧٠هـ): ١/ ٣٧٤، باب التجارة في الحج، ت: عبد السلام محمد علي شاهين، ط: دار الكتب العلمية)

(۱) مفتی صاحبؒ کے بیان کردہ مسئلہ کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا کہ ”ایک شخص کا مقصود حج سے صرف تجارت ہو، کہ لوگ حاجی ہونے کی وجہ سے اعتماد کرنے لگیں گے، یا حج کے موقع پر بڑے تجار سے ملاقات ہوگی اور تجارت کو فروغ ملے گا، عبادت اور فرض کی ادائیگی نہ ہو“، ظاہر ہے کہ ایسی نیت سے حج کرنا درست نہیں، اگر کوئی کرلے، تو ارکان کی ادائیگی کی وجہ سے چاہے حج درست ہوجائے؛ لیکن اللہ کے یہاں اس کا عمل شاید قبولیت حاصل نہ کرسکے۔ ورنہ اصل مسئلہ وہ ہے، جسے سوال سابق میں=

[۵۲] حج کا سفر اور تجارت

۱۶۶۳- سوال: شہر کے بہت سے اہل ثروت، بہ غرض تجارت مال لینے کے لیے حج کے سفر پر جاتے ہیں، بعض اس غرض سے دس دس مرتبہ حج کر چکے ہیں، لیکن ان کے رکوع اور سجدہ میں بالکل سکون واطمینان نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ اس قدر جلد رکوع اور سجدہ کرتے ہیں، شاید تین مرتبہ درست طریقے سے سبحان اللہ بھی نہیں پڑھ پاتے ہوں گے، ایسے لوگوں کو دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے، بھلا ان کا حج کس طرح درست ہوگا؟ امید ہے کہ آپ بتائیں گے کہ ان حضرات کا حج ہوگا یا نہیں؟ اگر کوئی ہر سال تجارت کی غرض سے حج کرے، تو کیسا ہے؟

الجواب حامدا ومصليا:

کون شخص حج، صدقہ وخیرات، اور نماز و دیگر عبادت کو نمائش و دکھلاوے کی خاطر، تجارت کو فروغ دینے کے لیے یا شہرت حاصل کرنے کے لیے ادا کر رہا ہے، اس کا علم صرف اللہ تعالی ہی کو ہے، جو ظاہر و باطن کو جاننے والا ہے، آپ کا کسی پر حکم لگانا جائز نہیں ہے۔[۱]

البتہ آپ کا یہ لکھنا کہ بہ غرض تجارت حج میں جانا جائز ہے یا نہیں، تو یاد رکھیں! امام بخاریؒ نے سب سے پہلی حدیث "إنما الأعمال بالنيات"[۲] بیان فرمائی ہے، جس کا مطلب ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیت

= بیان کیا گیا ہے: عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " قال الله تبارك وتعالى: أنا أغنى الشركاء عن الشرك، من عمل عملا أشرك فيه معي غيري، تركته وشركه ". (الصحيح لمسلم: ۲/ ۴۱۱، رقم الحديث: ۴۶-(۲۹۸۵)، كتاب الزهد، باب تحريم الرياء، ط: ديوبند)

المسألة الثالثة: اتفقوا على أن التجارة إذا أوقعت نقصانا في الطاعة لم تكن مباحة، أما إن لم توقع نقصانا ألبتة فيها فهي من المباحات التي الأولى تركها، لقوله تعالى: وما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين [البينة: 5] والإخلاص أن لا يكون له حامل على الفعل سوى كونه عبادة. (مفاتيح الغيب = التفسير الكبير - أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن، التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري (م: ۶۰۶هـ): ۵/ ۳۲۳-۳۲۴، سورة البقرة، رقم الآية: ۱۹۸، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

(۱) وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③. (۶-الأنعام: ۳)

(۲) علقمة بن وقاص الليثي، يقول: سمعت عمر بن الخطاب رضي الله عنه على المنبر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرئ ما نوى، فمن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها، أو إلى امرأة ينكحها، فهجرته إلى ما هاجر إليه. (صحيح البخاري: ۱/ ۲، رقم الحديث: ۱، كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم؟، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۲/ ۱۴۰-۱۴۱، رقم الحديث: ۱۵۵-(۱۹۰۷)، كتاب الإمارة، باب قوله صلى الله عليه وسلم: إنما الأعمال بالنية، وأنه يدخل فيه الغزو وغيره من الأعمال، ط: ديوبند)

پر ہے، جیسی نیت ہوگی، ویسی ہی عمل کی مقبولیت ہوگی، اب آپ خود سوچ لیں، اگر مقصد محض تجارت ہی ہو، تو حج کا ثواب کہاں سے ملے گا، ہاں حج کے ارادے سے کوئی جائے اور ضرورت کی چیزیں بھی خرید لائے، تو کوئی حرج نہیں۔ (☆☆) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۴] رشوت دے کر حج کا فارم منظور کروانا

۱۶۶۴- سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام درج ذیل مسئلہ میں کہ:

ایک شخص ممبئی کا رہنے والا ہے، اور اس پر حج فرض ہے؛ لیکن ممبئی سے بحری جہاز کے لیے حاجیوں کی ہونے والی قرعہ اندازی میں اس کا فارم منظور نہیں ہوا، اس کو چاہیے تھا کہ ہوائی جہاز سے چلا جاتا، ہوائی جہاز سے جانے والے کم ہوتے ہیں، اس لیے بہ سہولت اس کا فارمِ حج منظور ہو جاتا؛ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، بل کہ اس نے دوسرے صوبہ سے رشوت دے کر اور دوسروں کا حق تلف کر کے فارم منظور کروایا ہے، تو کیا اس طرح سے فارم منظور کروانا جائز ہے؟ اگر اس طرح کوئی سفر حج میں جائے، تو وہ اپنے فریضہ سے بری الذمہ ہوگا یا نہیں؟ برائے کرم مفصل اور مدلل جواب عنایت فرمائیں، کرم ہوگا۔

الجواب حامدا ومصليا:

اگر ہوائی جہاز سے جانے کی قدرت نہیں ہے اور بحری جہاز سے ٹکٹ مل نہیں سکا، تو امسال جانا ضروری نہیں ہے، آئندہ سال جائے۔ (۱) اُسی سال بحری جہاز سے جانے کے لیے رشوت دینا جائز نہیں ہے،

(☆☆) مسئلے کی مکمل تفصیل وتخریج کے لیے رجوع کریں عنوان ''حج میں تجارت کرنے کا حکم'' اور اس کے حواشی۔

(۱) وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا. (۳-آل عمران: ۹۷)

قال الله تعالى: ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا. قال أبو بكر هذا ظاهر في إيجاب فرض الحج على شريطة وجود السبيل إليه، والذي يقتضيه من حكم السبيل أن كل من أمكنه الوصول إلى الحج لزمه ذلك إذ كانت استطاعة السبيل إليه هي إمكان الوصول إليه . . . وقد جعل النبي صلى الله عليه وسلم من شرط استطاعة السبيل إليه، وجود الزاد والراحلة.ــــــــ وروى أبو إسحاق عن الحارث عن علي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: من ملك زادا وراحلة يبلغه بيت الله ولم يحج فلا عليه أن يموت يهوديا أو نصرانيا.ــــــــ وذلك أن الله تعالى يقول في كتابه: ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا.ــــــــ وروى إبراهيم ابن يزيد الجوزي عن محمد بن عباد عن ابن عمر قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن قوله عز وجل: ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا. قال السبيل إلى الحج الزاد والراحلة. (أحكام القرآن-أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي (م: ۳۷۰هـ): ۲/۳۰۸، باب فرض الحج، آل عمران: ۹۷، ت: محمد صادق القمحاوي، ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

خود رشوت دینا ناجائز ہے، اگر اس میں دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہو، تو اس کی قباحت مزید بڑھ جاتی ہے۔ (۲)

اگر کوئی اس طرح حج کے لیے گیا، تو سخت گنہ گار ہوگا؛ اس کا یہ فعل ناجائز ہے؛ لیکن اس کے ذمے سے حج کا فریضہ ساقط ہو جائے گا اور اس کا حج درست ہوگا۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۴] قرض کی رقم سے حج کرنا

۱۶۶۵-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ذیل کے مسئلہ کے بارے میں کہ:

سو آدمی مل کر مہینے کی مقررہ تاریخ پر [ہر نفر پانچ سو روپے کے حساب سے] جمع کرتے ہیں، ہر ایک آدمی کے نام کا قرعہ بنایا جاتا ہے، پھر قرعہ اندازی کے بعد جس کا نام نکلتا ہے، اس کو جمع شدہ رقم دے دی جاتی ہے، مثلاً پہلی مرتبہ زید کا نام نکلا، تو اس کو کل رقم دے دی جائے گی اور اس کے نام کا قرعہ نہیں ڈالا جائے گا، اسی طرح آئندہ ماہ بھی بقیہ آدمیوں کے نام کا قرعہ ڈالا جاتا ہے اور مذکورہ رقم قرعہ اندازی میں جس کا نام نکلے اسے دے دیا جاتا ہے اور اس کا نام فہرست سے کم ہوتا رہتا ہے، اس طرح ہر ایک آدمی کو جب تک اپنی حاصل شدہ رقم کی پوری ادائیگی نہ ہو، پانچ پانچ سو روپے ہر مہینہ ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔

---

(۲) عن عبد الله بن عمرو، قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي. (سنن أبي داود: ۲/ ۵۰۴، رقم الحديث: ۳۵۸۰، كتاب القضاء، باب في كراهية الرشوة، ط: ديوبند☆سنن الترمذي: ۱/ ۲۴۸، رقم الحديث: ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، أبواب الأحكام، باب ما جاء في الراشي والمرتشي في الحكم، ط: ديوبند☆سنن ابن ماجه: ۲/ ۱۶۷، رقم الحديث: ۲۳۱۳، كتاب الأحكام، باب التغليظ في الحيف والرشوة، ط: ديوبند)

قالوا: بذل المال لدفع الظلم عن نفسه وماله لا يكون رشوة في حقه وبذل المال لاستخراج حق له على آخر يكون رشوة. (الفتاوى الهندية: ۶/ ۱۵۰، كتاب الوصايا، الباب التاسع في الوصي ومايملكه، ط: دار الفكر-بيروت)

(۳) (وقدرة زاد وراحلة)... وفي القهستاني وفيه إشارة إلى أنه لا يجب بالمال الحرام لكن لو حج به جاز؛ لأن المعاصي لا تمنع الطاعات فإذا أتى بها لا يقال إنها غير مقبولة. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بـ'شيخي زاده'، يعرف بـ'داماد أفندي' (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/ ۲۶۱، كتاب الحج، شروط الحج، ط: دار إحياء التراث العربي)

ولا تنافي بين سقوطه، وعدم قبوله، فلا يثاب لعدم القبول، ولا يعاقب في الآخرة عقاب تارك الحج. (فتح القدير-كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (م: ۸۶۱ھ): ۲/ ۴۰۷، كتاب الحج، ط: دار الفكر☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۲۰، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج، ط: دار الفكر☆ البحر الرائق: ۲/ ۳۳۲، كتاب الحج، واجبات الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي)

اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے، یہاں تک کہ ہرایک آدمی کو طے شدہ رقم مل جایا کرتی ہے اور ہر شخص کی جانب سے حاصل شدہ پوری رقم کی ادائیگی بھی ہوجاتی ہے، مذکورہ صورت پر ہر شریک راضی ہوتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مثلاً زید کو پہلے ہی مہینے پچاس ہزار روپئے مل گئے، حالاں کہ اس کے ۵۰۰/روپے ہی جمع ہوئے ہیں، تو ان پیسوں سے زید حج کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کرسکتا ہے، تو اس کے ذمے سے فریضۂ حج ساقط ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

یہ باہمی تعاون کی صورت ہے اور جس شخص کو یہ رقم ملتی ہے، اس کو بہ طور قرض ملتی ہے، جس کی باری دیر سے آتی ہے، وہ اس تاخیر پر اپنی رضامندی ظاہر کرچکا ہے؛ اس لیے اس رقم سے حج کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگرچہ اس رقم سے اس پر حج فرض نہیں ہوتا ہے، تاہم اپنے حج فرض کی نیت سے حج کرے گا، تو فریضہ حج ساقط ہوجائے گا۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۵] جس مریض کی صحت یابی کی امید نہ ہو، اس کی طرف سے حج بدل کرنا

۱۶۶۶- سوال: میری ایک بہن ہے، طویل عرصہ سے بیمار ہے، بہت کم چل پھر سکتی ہے؛ وہ اس لائق نہیں ہے کہ خود سے حج کے لیے جاسکے، کیا اس کی طرف سے حج بدل درست ہے؟

میری بہن کے پاس زیور ہے، کیا اس کی وجہ سے اس پر حج فرض ہوگا۔

الجواب حامداومصلیا:

اگر کمزوری اور بیماری ایسی ہو کہ زندگی میں صحت کی اور حج کے قابل ہونے کی کوئی امید باقی نہ رہے، تو ایسے عاجز ومعذور کی طرف سے حج بدل جائز ہے، اگر حج بدل کے بعد آپ کی بہن کو خود سے حج کی ادائیگی

---

[۱] (و الفقير) أي الحقيقي و هو من ليس له مال (و من بمعناه) أي كمن له مال لكنه مستغرق بالديون، أو بحقوق المسلمين (إذا حج سقط عنه الفرض إن نواه أو اطلق النية حتى لو استغنى بعد ذلك لا يجب على ثانيا) [مناسك الملا علي القاري مع حاشية إرشاد الساري، ص:۸۸، باب شرائط الحج، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة☆ مجمع الأنهر:۱/۲۶۰، كتاب الحج، شروط الحج، ط: دار إحياء التراث العربي☆ منحة الخالق على البحر الرائق:۲/۳۳۵، كتاب الحج، واجبات الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي]

پر قدرت حاصل ہوگئی، تو دوبارہ حج کرنا ضروری ہوگا۔[(۱)]

زیورات خود آپ کی بہن کی ملکیت میں ہوں اور ان پر کوئی قرض نہ ہو، نیز بیماری میں خرچ کرنے کی بھی اس کو کوئی ضرورت نہ ہو، گویا رقم ضرورت سے زائد ہو، اور اس کی مالیت اس قدر ہو کہ سفر حج کا پورا خرچ نکل آئے، تو ایسی صورت میں حج فرض ہوجاتا ہے۔[(۲)] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۶] گناہ میں مبتلا شخص سے قطع تعلق کرنا اور اسی حالت میں حج ادا کرنا

۱۶۶۷- سوال: میرا ایک بھائی ہے، ان پر حج فرض ہوچکا ہے، وہ اس سال حج کرنے جائیں گے؛ لیکن آج سے تین چار ماہ قبل انہوں نے اپنے دوسرے نمبر کے لڑکے کی شادی کی، معاشرہ کے بعض رسم و رواج کے سبب ان سے، ان کا بڑا لڑکا، والدین، تین بھائی اور بہن و بہنوئی ان سے ناراض ہوگئے ہیں، اور نکاح میں بھی حاضر نہیں رہے، (یعنی آکر چلے گئے)

میرے بڑے بھائی - جو حج پر جانے والے ہیں - کا ناراض خاندان والوں سے خط وکتابت، گفتگو

(۱)(العبادة المالية) كزكاة وكفارة (تقبل النيابة) عن المكلف (مطلقا) عند القدرة والعجز... (والبدنية كصلاة وصوم (لا) تقبلها (مطلقا، والمركبة منهما) كحج الفرض (تقبل النيابة عند العجز فقط) لكن (بشرط دوام العجز إلى الموت) لأنه فرض العمر حتى تلزم الإعادة بزوال العذر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۵۹۷-۵۹۸، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۳/ ۶۵، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ۱/ ۳۰۹، كتاب الحج، فصل في الحج عن الميت، ط: زكريا- ديوبند)

(۲) وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا. (۳- آل عمران: ۹۷)

قال الله تعالى: ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا. قال أبو بكر هذا ظاهر في إيجاب فرض الحج على شريطة وجود السبيل إليه، والذي يقتضيه من حكم السبيل أن كل من أمكنه الوصول إلى الحج لزمه ذلك إذ كانت استطاعة السبيل إليه هي إمكان الوصول إليه ... وقد جعل النبي صلى الله عليه وسلم من شرط استطاعة السبيل إليه، وجود الزاد والراحلة. ——— وروى أبو إسحاق عن الحارث عن علي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: من ملك زادا وراحلة يبلغه بيت الله ولم يحج فلا عليه أن يموت يهوديا أو نصرانيا. ——— وذلك أن الله تعالى يقول في كتابه: ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا. ——— وروى إبراهيم ابن يزيد الجوزي عن محمد بن عباد عن ابن عمر قال: سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن قوله عز وجل: ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا. قال السبيل إلى الحج الزاد والراحلة. (أحكام القرآن- أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي (م: ۳۷۰ھ): ۲/ ۳۰۸، باب فرض الحج، آل عمران: ۹۷، ت: محمد صادق القمحاوي، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

اور آمد ورفت کا کوئی سلسلہ نہیں ہے، اب اگر خود رشتہ دار کی ملاقات کے لیے جاتے ہیں، یا والدین سے معافی تلافی کرتے ہیں، تو عزت داؤ پر لگتی ہے، ویسے ان میں سے کوئی بے حرمتی تو نہیں کرے گا؛ لیکن ان کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی عزت گھٹ جائے گی۔

والدین ۸۰-۸۵ سال کی عمر کو پہنچ چکے ہیں، جن کا گذارہ لڑکے کا تعاون اور ۳ر۱ ایکڑ زمین ہے۔ زمین کی آمدنی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اصل گذارہ تو لڑکے کے تعاون سے ہوتا ہے، جب سے میرے بڑے بھائی کی اپنے والدین سے لاتعلقی ہوئی ہے۔ تب سے انہوں نے اپنی ماہانہ امداد بھی بند کردی ہے؛ اس لیے والدین کی ناراضگی کچھ زیادہ ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اسی حالت میں- جب کہ خاندان والوں سے قطع تعلق ہے- میرے بھائی حج میں چلے جائیں، تو حج قبول ہوگا یا نہیں؟ امید ہے کہ جواب سے سرفراز فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

الجواب حامداومصلیا:

اگر کوئی والدین یا رشتہ دار کے ساتھ تعلق اور بات چیت اس وجہ سے بند کردے، کہ سامنے والا گناہ میں مبتلا ہے، تو جائز ہے، تعلق توڑنے والا گنہ گار نہیں ہوگا؛ بل کہ گناہ کرنے والے کے ساتھ تعلق توڑنا ضروری ہے، معاشرہ کی ناجائز رسومات اور بے حیائی کے کام میں ساتھ دینا ناجائز اور حرام ہے: **فلا تقعد بعد الذکر مع القوم الظالمین.**[1] نصیحت کرنے کے بعد ظالم قوم کے ساتھ مت بیٹھنا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے لڑکے کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنائی کہ اگر عورتیں مسجد میں جانے کی اجازت مانگیں، تو مت روکنا، ان کے فرزند نے کہا کہ: ''میں تو اجازت نہیں دوں گا''، اس پر حضرت عبداللہؓ نہایت خفا ہوئے، اور اپنے بیٹے سے لاتعلق ہوگئے۔ (ابن ماجہ)[2]

---

(۱) وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٦٨﴾. (٦-الأنعام: ٦٨)

ترجمہ: اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے، جو ہماری آیات میں عیب جوئی کررہے ہیں، تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہوجا؛ یہاں تک کہ وہ کوئی اور بات میں لگ جائیں اور اگر تجھ کو شیطان بھلادے، تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھ۔ (بیان القرآن، آیت نمبر: ۶۸)

(۲) عن ابن عمر، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا تمنعوا إماء الله أن يصلين في المسجد، فقال ابن له: إنا لنمنعهن، فقال: فغضب غضبا شديدا، وقال: أحدثك عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وتقول: إنا لنمنعهن؟. (سنن ابن ماجه: ۱/ ۳، رقم الحديث: ۱۶، افتتاح الكتاب في الإيمان وفضائل الصحابة والعلم، باب تعظيم حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم، والتغليظ على من عارضه، ط: ديوبند)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مغفلؓ نے اپنے بھتیجے کو کنکری پھینکنے سے روکا، ان کے بھتیجے نے پھر سے کنکری پھینکنا شروع کیا، تو انہوں نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنا رہا ہوں اور تم اس پر عمل نہیں کر رہے ہو، بالآخر لاتعلق ہو گئے اور بات چیت بند کر دی۔ (۳)

حضرت عائشہؓ نے اپنے بھانجے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ سے ایک دینی معاملے کی خاطر بات نہ کرنے کی قسم کھالی۔ (حدیث) [۴]

اس لیے گناہ کرنے والے سے تعلق توڑنا جائز ہے؛ لیکن والدین امداد کے مستحق ہوں، تو امداد کرنا ضروری ہے، جس کی صراحت حدیث میں آئی ہے۔ (۵)

---

(۳) عن سعيد بن جبير، عن عبد الله بن مغفل، أنه كان جالسا إلى جنبه ابن أخ له، فخذف، فنهاه، وقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عنها وقال: إنها لا تصيد صيدا، ولا تنكي عدوا، وإنها تكسر السن، وتفقأ العين، قال: فعاد ابن أخيه يخذف فقال: أحدثك أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عنها، ثم عدت تخذف، لا أكلمك أبدا.
(صحيح البخاري: ۲/ ۸۲۳، رقم الحديث: ۵۴۷۹، كتاب الذبائح والصيد، باب الخذف والبندقة ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۲/ ۱۵۲، رقم الحديث: ۵۶-(۱۹۵۴)، كتاب الصيد والذبائح وما يؤكل من الحيوان، باب إباحة ما يستعان به على الاصطياد والعدو، وكراهة الخذف، ط: ديوبند ☆ سنن ابن ماجه: ۱/ ۳، رقم الحديث: ۱۷، افتتاح الكتاب في الإيمان وفضائل الصحابة والعلم، باب تعظيم حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم، والتغليظ على من عارضه، واللفظ لابن ماجه، ط: ديوبند)

[۴] عن عروة بن الزبير، قال: كان عبد الله بن الزبير أحب البشر إلى عائشة بعد النبي صلى الله عليه وسلم وأبي بكر، وكان أبر الناس بها، وكانت لا تمسك شيئا مما جاءها من رزق الله إلا تصدقت، فقال ابن الزبير: ينبغي أن يؤخذ على يديها، فقالت: أيؤخذ على يدي، علي نذر إن كلمته، فاستشفع إليها برجال من قريش، وبأخوال رسول الله صلى الله عليه وسلم خاصة فامتنعت، فقال له الزهريون أخوال النبي صلى الله عليه وسلم، منهم عبد الرحمن بن الأسود بن عبد يغوث، والمسور بن مخرمة: إذا استأذنا فاقتحم الحجاب، ففعل فأرسل إليها بعشر رقاب فأعتقتهم، ثم لم تزل تعتقهم حتى بلغت أربعين، فقالت: وددت أني جعلت حين حلفت عملا أعمله فأفرغ منه. (صحيح البخاري: ۱/ ۴۹۷، رقم الحديث: ۳۵۰۵، كتاب المناقب، باب مناقب قريش، ط: ديوبند)

(۵) "وعلى الرجل أن ينفق على أبويه وأجداده وجداته إذا كانوا فقراء وإن خالفوه في دينه" أما الأبوان فلقوله تعالى: ﴿وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفاً﴾ [لقمان: من الآية 15] نزلت الآية في الأبوين الكافرين، وليس من المعروف أن يعيش في نعم الله تعالى ويتركهما يموتان جوعا، وأما الأجداد والجدات؛ فلأنهم من الآباء والأمهات، ولهذا يقوم الجد مقام الأب عند عدمه، ولأنهم سببوا الإحياء فاستوجبوا عليه الإحياء بمنزلة الأبوين، وشرط الفقر؛ لأنه لو كان ذا مال فإيجاب نفقته في ماله أولى من إيجابها في مال غيره، ولا يمنع ذلك باختلاف الدين لما تلونا. (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۲/ ۲۹۲، باب النفقة، فصل: على الرجل أن =

عزت وذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے، جس کو چاہتا ہے، عزت سے نوازتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے، ذلیل ورسوا کردیتا ہے۔[6]

معاشرے کی ظاہری عزت کی پرواہ کیے بغیر احکام شرع کی انجام دہی لازم ہے، دنیا میں ناک نہیں کٹتی، اس لیے آپ کے بھائی [اس یقین کے بعد کہ شاید اب ناراض رشتے دار احکام شرع کی پابندی کریں گے اور رسم ورواج سے اجتناب کریں گے] شرعی تقاضے کے مطابق دوری ختم کرلیں، تو اس سے بے عزتی نہیں ہوگی، بل کہ مزید عزت بڑھ جائے گی، نیز والدین کو بھی چاہیے کہ ناجائز کام چھوڑ دے اور رسم ورواج سے اجتناب کرے۔

ان سب کے باوجود اگر واقعی آپ کے بھائی خطا پر ہوں، اور اختلاف کو ختم کیے بغیر حج کو چلے جائیں، تب بھی ذمہ سے حج ساقط ہوجائے گا۔[7] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۷] سعودی میں مقیم عجمیوں کے لیے پانچ سال کے اندر دوسرا حج کرنا

۱۶۶۸- سوال: سعودیہ میں مقیم عجمیوں کے لیے حکومت نے یہ قانون بنایا ہے کہ ایک مرتبہ کوئی

=ینفق علی أبویه...، ت: طلال یوسف، ط: دار احیاء التراث العربي - بیروت☆بدائع الصنائع: ۳۰/۴، کتاب النفقة، فصل في نفقة الأقارب، ط: دار الکتب العلمیة - بیروت☆الجوهرة النیرة: ۸۳/۲، کتاب النفقات، ط: المطبعة الخیریة)

(۶) قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۝۲۶. (۳-آل عمران: ۲۶)

(اے محمد (ﷺ)) آپ (اللہ تعالیٰ سے) یوں کہیے کہ اے اللہ! مالک تمام ملک کے، آپ ملک جس کو چاہیں دے دیتے ہیں اور جس سے چاہے، ملک لے لیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں غالب کردیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں پست کردیتے ہیں، آپ ہی کے اختیار میں ہے سب بھلائی، بلاشبہ آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔ (ترجمہ: بیان القرآن-حضرت تھانویؒ)

(۷) لأن المعاصي لا تمنع الطاعات فإذا أتى بها لا يقال إنها غير مقبولة. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بـ'شيخي زاده'، يعرف بـ'داماد أفندي' (م: ۱۰۷۸ھ): ۲۶۱/۱، کتاب الحج، شروط الحج، ط: دار إحياء التراث العربي)

ولا تنافي بين سقوطه، وعدم قبوله، فلا يثاب لعدم القبول، ولا يعاقب في الآخرة عقاب تارك الحج. (فتح القدير-كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (م: ۸۶۱ھ): ۴۰۷/۲، کتاب الحج، ط: دار الفكر☆ الفتاوى الهندية: ۲۲۰/۱، کتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج، ط: دار الفكر☆ البحر الرائق: ۳۳۲/۲، کتاب الحج، واجبات الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[مقیم عجمی] حج کرلے، تو وہ پانچ سال تک حج نہیں کرسکتا، دریافت یہ کرنا ہے کہ قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کوئی عجمی پانچ سال کے اندر دوسری مرتبہ حج کرے، تو کیا حکم ہے؟ واضح رہے کہ حکومت سعودی کے قانون کی خلاف ورزی کرکے کوئی دوسری مرتبہ حج کرتے ہوئے پکڑا جائے، تو خروج لگے گا، (یعنی اس کا اقامہ کالعدم قرار پائے گا اور اسے واپس اپنے وطن بھیج دیا جائے گا) لیکن تجربہ ہے کہ کوئی گرفت میں نہیں آتا ہے، الغرض اس صورت حال کے باوجود دوبارہ حج کرنے کی شرعاً گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں اگر کچھ نقصان نہ ہوتا ہو، تو حج کرنے کی گنجائش ہے، کہ **لا طاعة لمخلوق في معصية.** (1) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵۸] جب باپ اپنے پیسوں سے حج کرائے، تو بیٹے کا حج فرض ادا ہوگا؟

۱۶۶۹- سوال: ایک آدمی کے پانچ لڑکے ہیں، ملکیت مشترک ہے، سب بھائی ساتھ میں رہتے ہیں اور سب بھائیوں کی اولاد بھی ہے اور سب کی مالی حالت بھی اچھی ہے؛ چناں چہ ایسی حالت میں جب کہ ملکیت مشترک ہے، والد صاحب اپنے لڑکوں کو پیسے دے کر حج کرا رہے ہیں، تو کیا ان لڑکوں کا حج فرض ادا ہو جائے گا یا جب ملکیت اپنے قبضہ میں آئے گی، اس وقت ازسرنو حج فرض ادا کرنا ہوگا؟ **بینوا، توجروا۔**

الجواب حامداً ومصلیاً:

باپ کے ہدیۃً مال دینے سے لڑکے اس کے مالک ہوجائیں گے؛ لہٰذا اس رقم سے فرض حج ادا

---

(۱) عن الحسن، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق. (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار-أبو بكر بن أبي شيبة (م: ۲۳۵هـ): ۶/ ۵۴۵، رقم الحديث: ۳۳۷۱۷، كتاب الجهاد، في إمام السرية يأمرهم بالمعصية، من قال: لا طاعة له، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد-الرياض)

عن علي، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث جيشا، وأمر عليهم رجلا، فأوقد نارا، فقال: ادخلوها. فأراد ناس أن يدخلوها، وقال آخرون: إنما فررنا منها. فذكر ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال للذين أرادوا أن يدخلوها: "لو دخلتموها لم تزالوا فيها إلى يوم القيامة" وقال للآخرين قولا حسنا، وقال: "لا طاعة في معصية الله، إنما الطاعة في المعروف". (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲/ ۱۲۸، رقم الحديث: ۷۲۴، مسند علي بن أبي طالب رضي الله عنه)

عن علي، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: "لا طاعة لمخلوق في معصية الله عز وجل. (مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۲/ ۳۳۳، رقم الحديث: ۱۰۹۵، مسند علي بن أبي طالب رضي الله عنه)

ہوجائے گا۔[۱] بعد میں ادائیگی کی ضرورت نہیں ہوگی۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیمات غفرلہ

[۵۹] معاش کی خاطر سعودی میں مقیم شخص کا حج وعمرہ

۱۶۷۰- سوال: (۱) ایک شخص یہاں [گجرات، انڈیا] سے رزق کی تلاش میں سعودی عرب گیا ہوا ہے، وہ حج کے ایام میں وہیں سے حج ادا کرے، تو فرض حج ادا ہوگا یا نہیں؟

(۲) وہ آدمی ہر جمعرات یا جمعہ کو عمرہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، تو اس کا عمرہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداو مصليا:

(۱) مکہ یا جدہ میں بہ غرض ملازمت مقیم ہندوستانی وہیں سے حج کرے، تو اس کا حج فرض ادا ہوجائے گا، اس میں شبہ کی کوئی وجہ نہیں ہے۔[۳]

---

(۱) عن مروان بن الحكم، أنه قال: قال عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه: "من وهب هبة لصلة رحم، أو على وجه صدقة، فإنه لا يرجع فيها، ومن وهب هبة يرى أنه إنما أراد بها الثواب، فهو على هبته، يرجع فيها إن لم يرض منها.

قال محمد: وبهذا نأخذ، من وهب هبة لذي رحم محرم، أو على وجه صدقة، فقبضها الموهوب له، فليس للواهب أن يرجع فيها، ومن وهب هبة لغير ذي رحم محرم وقبضها فله أن يرجع فيها، إن لم يثب منها، أو يزد خيرا في يده، أو يخرج من ملكه إلى ملك غيره. وهو قول أبي حنيفة، والعامة من فقهائنا. (موطأ مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني [المعروف بموطأ الإمام محمد] - مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (م: ۱۷۹ھ) ص: ۲۸۴، رقم الحديث: ۸۰۵، كتاب البيوع في التجارات، باب: الهبة، والصدقة، ت: عبد الوهاب عبد اللطيف، ط: المكتبة العلمية)

لأنه ملكه بطريق الهبة، وفي أسباب الملك: الغني والفقير سواء كالبيع وغيره- ... . وهو معنى ما روي عن عمر -رضي الله عنه-: من وهب هبة لصلة رحم، أو على وجه الصدقة لم يكن له أن يرجع فيها. (المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۱۲/ ۹۳- ۹۴، كتاب الهبة، باب العطية، ط: دار المعرفة- بيروت)

(۲) (قوله إذا قدروا على الزاد) بنفقة وسط لا إسراف فيها ولا تقتير (والراحلة) أي بطريق الملك أو الإجارة دون الإعارة. (فتح القدير: ۲/ ۴۱۰، كتاب الحج، ط: دار الفكر- بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۱۷، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته...، ط: دار الفكر ☆ الجوهرة النيرة: ۱/ ۱۴۹، كتاب الحج، ط: المطبعة الخيرية ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۵۹، كتاب الحج، ط: دار الفكر)

(۳) "الحج لا يجب على الفقير" إنما المراد به الآفاقي قبل وصوله إلى الميقات، ... وبدخوله إلى مكة ووصوله إلى الكعبة تعين عليه فرضية الحج، سواء أحرم به أم لا. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري، ص: ۵۷، باب شرائط الحج، النوع الأول: شرائط الوجوب، السادس: الاستطاعة، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۶۰۴، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في حج الصرورة، ط: دار الفكر- بيروت)

(۲) جمعرات، جمعہ یا کسی دن عمرہ کرے عمرہ صحیح ہوگا، البتہ جو حضرات میقات کے اندر رہتے ہیں، ان لوگوں کو حج کے دنوں میں عمرہ نہیں کرنا چاہیے، اگر حج کرنے کا ارادہ ہو، تو پہلی شوال سے ۱۲؍ ذی الحجہ تک عمرہ نہ کریں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶۰] حج کے اِرادے سے جمع کردہ رقم کو دوسرے مصرف میں استعمال کرنا

۱۶۷۱- سوال: میرے پاس اپنی کمائی کے تیرہ سو روپئے جمع ہیں، جو اِس لیے جمع کیے تھے تا کہ اپنی والدہ کو اُن روپیوں سے حج کراؤں گا؛ لیکن والدہ ضعیفی اور کمزوری اور آنکھ سے کم دِکھائی دینے کی وجہ سے حج میں جانے سے انکار کرتی ہیں، تو اِس رقم کو میں اپنے ذاتی استعمال میں یا تجارت میں لگا سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیا:

اگر آپ کی والدہ کے پاس کسی وقت حج فرض ہونے کے بہ قدر رقم موجود تھی اور حج ادا نہیں کیا تھا، تو حج فرض، ضعیفی کی وجہ سے ساقط نہیں ہوگا؛ بل کہ آپ کی والدہ کے لیے حج بدل کے طور پر کسی اور کو بھیج کر حج

---

[۱] (والعمرة) في العمر (مرة سنة مؤكدة) على المذهب ... (وجازت في كل السنة) وندبت في رمضان (وكرهت) تحريما (يوم عرفة وأربعة بعدها) أي كره إنشاؤها بالإحرام حتى يلزمه دم وإن رفضها لا أداؤها فيها بالإحرام السابق. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۴۷۳-۴۷۲، كتاب الحج، ط: دار الفكر ☆ مجمع الأنهر: ۱/ ۲۶۵، كتاب الحج، حكم العمرة، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۳۷، كتاب المناسك، الباب السادس في العمرة، ط: دار الفكر)

(ويكره فعلها في أشهر الحج لأهل مكة، ومن بمعناهم) أي من المقيمين، ومن في داخل الميقات لأن الغالب عليهم أن يحجوا في سنتهم، فيكونوا متمتعين، وهم عن التمتع ممنوعون، وإلا فلا منع للمكي عن العمرة المفردة في أشهر الحج، إذا لم يحج في تلك السنة. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري- الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۶۵۶، باب العمرة، فصل في وقتها، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة)

مکی اور ان حضرات کے لیے، جو مکی کے حکم میں ہیں، "ایام حج" [شوال تا ختمِ ایام حج] میں عمرہ کرنا کیسا ہے؟ صاحب فتح القدیر علامہ کمال الدین، ابن الہمامؒ نے ان کے لیے عمرہ کو مکروہ لکھا ہے، خواہ ان کا اس سال حج کا ارادہ ہو، یا نہ ہو۔ حضرت مفتی بیمات صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہی ہے، جب کہ دیگر علماء فرماتے ہیں کہ حج کے صرف پانچ ایام میں ایسے مکی کے لیے عمرہ مکروہ ہے، جو اس سال حج کا ارادہ رکھتے ہوں۔ یہی رائے اکثر علماء کی ہے، علامہ شامیؒ نے علامہ ابن الہمام کے شاگرد، علامہ قاسم بن قطلوبغا کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ مکی کے لیے عمرہ کی کراہت کا قول ہمارے کسی امام؛ بل کہ ائمہ اربعہ کا نہیں ہے، گویا انہوں نے اس قول کو ابن الہمام کا تفرد قرار دیا ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے: الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۴۷۳، كتاب الحج، مطلب في أحكام العمرة، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۳/ ۶۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

کروانا فرض ہے۔[1] آپ نے اپنی کمائی کے تیرہ سو روپئے والدہ کو حج کرانے کے ارادے سے جمع کیے ہیں، اُن کو اُس رقم کا مالک نہیں بنایا ہے، اور اِتنی رقم سے اِس زمانے میں حج ہو بھی نہیں سکتا، اور والدہ حج کرنے سے انکار کرتی ہیں، تو اُس رقم کو آپ اپنی تجارت میں یا اور کسی کام میں استعمال کرسکتے ہیں۔[2] البتہ اگر آپ کے پاس زیادہ رقم کا انتظام ہے اور خود حج کر چکے ہیں اور والدہ نے فرض حج ادا نہیں کیا ہے، تو اُن کی طرف سے حج بدل ادا کرنا کارِ ثواب ہے۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (وأما إن وجدها وهو صحيح، ثم طرأ عليه العذر، فالاتفاق) أي اتفاق الروايات، أو اتفاق العلماء (على الوجوب) أي وجوب الحج (عليه) أي في ماله، (فيجب عليه الإحجاج) أي في الحال، أو الإيصاء في المآل. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۷۲، باب شرائط الحج، النوع الثالث: شرائط الأداء، ت: محمد طلحة بلال أحمد منيار، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة☆ بدائع الصنائع: ۱۲۴/۲، كتاب الحج، فصل: شرائط فرضية الحج، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲) لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (رد المحتار على الدر المختار-ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲ھ): ۵۰۲/۴، أول كتاب البيوع، و انظر: ۵۱/۵، باب البيع الفاسد، مطلب: تعريف المال، ط: دار الفكر-بيروت)

والحاصل أن القياس في جنس هذه المسائل أن يفعل المالك ما بدا له مطلقا لأنه متصرف في خالص ملكه. (المصدر السابق: ۴۴۸/۵، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مسائل متفرقة، مطلب: اقتسموا دارا و أراد كل منهم فتح باب لهم ذلك ☆ فتح القدير: ۳۲۶/۷، كتاب أدب القاضي، باب التحكيم، مسائل شتى من كتاب القضاء، ط: دار الفكر-بيروت)

(۳) عن جابر بن عبد الله، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حج عن أبيه و أمه، فقد قضى عنه حجته و كان له فضل عشر حجج. (سنن الدارقطني- أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود ،البغدادي الدارقطني (م: ۳۸۵ھ): ۳۰۰/۳، رقم الحديث: ۲۶۱۰، كتاب الحج، باب المواقيت، ت: شعيب الارنؤوط، وجماعة من العلماء، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت)

عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حج عن والديه، أو قضى عنهما مغرما بعثه الله يوم القيامة مع الأبرار. (المعجم الأوسط-سليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللخمي الشامي، أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰ھ): ۱۱/۸، رقم الحديث: ۷۸۰۰، باب الميم، باب من اسمه محمود، ت: طارق بن عوض الله، عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني، ط: دار الحرمين - القاهرة ☆ الترغيب في فضائل الأعمال وثواب ذلك- أبو حفص عمر بن أحمد بن عثمان، البغدادي المعروف بـ ابن شاهين (م: ۳۸۵ھ)، ص: ۹۴، رقم الحديث: ۳۰۳، باب مختصر من كتابي كتاب بر الوالدين وما فيه من الفضل و الندب على ذلك، ت: محمد حسن محمد حسن إسماعيل، ط: دار الكتب العلمية، بيروت ☆ سنن الدارقطني: ۲۹۹/۳، رقم الحديث: ۲۶۰۸، كتاب الحج، باب المواقيت)

و من مات وعليه فرض الحج و لم يوص به، لم يلزم الوارث أن يحج عنه، و إن أحب أن يحج عنه حجّ، و أرجو أن يجزيه إن شاء الله تعالى. (الفتاوى التاتارخانية: ۶۶۷/۳، كتاب الحج، الفصل السادس عشر في الوصية بالحج، ط: زكريا- ديوبند ☆ بدائع الصنائع: ۲۲۱/۲، كتاب الحج، فصل بيان حكم فوات الحج عن العمرة، ط: دار الكتب العلمية☆ الفتاوى الهندية: ۲۵۸/۱، كتاب المناسك، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج، ط: دار الفكر- بيروت)

[۶۱] غیر مستطیع بیت اللہ پہنچ کر ارکانِ حج ادا کرلے، تو حج فرض ادا ہو جائے گا

۱۶۷۲- سوال: میری بیوی پر حج فرض نہیں ہے؛ لیکن بیٹے کے ساتھ حج ادا کرنا چاہتی ہے، ایسا طریقہ بتائیں کہ حجِ فرض ادا ہو جائے، اور مستقبل میں وہ مال کی مالک بنے، تو بھی اس پر حج فرض نہ ہو، فی الحال وہ اس قدر مال کی مالک نہیں ہے کہ اس پر حج فرض ہو جائے، کیا میں ایسا کروں کہ اپنی بیوی اور اس بیٹے کو -/20,000 (بیس ہزار) ڈالر [جو کہ حج میں خرچ ہوں گے] کا مالک بنا دوں؟ تاکہ وہ مال دار ہو جائیں، اور حج فرض ادا ہو جائے، لیکن کیا اس صورت میں دوسرے وارث کو بھی اتنا ہی دینا ہوگا؟ واضح رہے کہ ان دونوں کے علاوہ میرا ایک بیٹا سلیم ہے، جس کو دو تین سال میں حج پر بھیجنے کا ارادہ ہے، اور کوئی دوسرا وارث نہیں ہے۔

الجواب حامداو مصلیا:

جب کوئی غریب و نادار بیت اللہ پہنچ جائے، حج کا احرام باندھ لے، اور ارکانِ حج ادا کرلے، تو فرض حج ادا ہو جائے گا، آپ کی بیوی خواہ اپنے طور پر حج کی استطاعت نہ رکھتی ہو، آپ خرچ دے کر انہیں بیت اللہ روانہ کریں گے، اور وہ حج کرے گی، تو اس کا حج فرض ادا ہو جائے گا۔ دوبارہ- مال کی مالک بننے کے بعد- حج کرنا لازم نہیں ہوگا۔ (۱)

آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ دس- دس ہزار ڈالر کا مالک اپنی بیوی اور بیٹے کو بنا دیں، وہ خود مستطیع ہو جائیں گے، اور حج فرض ادا کرلیں گے۔

آپ اپنی بیوی اور بیٹے کو حج کے لیے جس رقم کا مالک بنا رہے ہیں، اتنی ہی رقم دوسرے وارث یعنی بیٹے سلیم کو دینا ضروری نہیں ہے، ہاں، آپ اس کو اس بات کا یقین دلادیں کہ ''دو، تین سال میں تمہیں بھی حج کے لیے بھیجنے والا ہوں'' ایسی صورت میں کسی کا کوئی حق ساقط نہیں ہوگا۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ولو حج الفقير ثم استغنى لم يحج ثانيا؛ لأن شرط الوجوب التمكن من الوصول إلى موضع الأداء ألا ترى أن المال لا يشترط في حق المكي. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ'داماد أفندي' (م:١٠٧٨هـ): ١/٢٦٠، كتاب الحج، قبيل: شروط الحج، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۲) چوں کہ اس صورت میں کسی وارث کو محروم کرنا یا اس کا حق دوسرے کو دینا لازم نہیں آتا، یہ تو تعاون علی العبادۃ کی شکل ہے، رہ گئی فقہاء کرام کی وہ بات کہ اپنے بچوں میں عدل اختیار کرنا چاہیے، تو یہاں عدل کے تقاضے کے خلاف بھی کوئی بات نہیں ہے؛ کیوں کہ بیٹے سلیم کو آئندہ حج پر بھیجنے کا ارادہ ہے، اور ایسا ہو سکتا ہے کہ حالات کے تقاضے کے اعتبار سے بعض کو ابھی بھیجا جائے اور بعض کو بعد میں۔

{والميقات: الوقت المضروب للفعل. والموضع، يقال: هذا} ميقات أهل الشام، للموضع الذي يحرمون منه، وفي الحديث (أنه وقت لأهل المدينة ذا الحليفة). و(ميقات الحاج: موضع إحرامهم) وعبارة النهاية: ومواضع الإحرام: مواقيت الحاج، والهلال، ميقات الشهر، ونحو ذلك كذلك.ـــــــ وتقول: {وقته فهو موقوت، إذا بين للفعل} وقتا يفعل فيه. (تاج العروس من جواهر القاموس-محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني، أبو الفيض، الملقب بـ مرتضى، الزَّبيدي (م: ١٢٠٥هـ): ٥/ ١٣٣، مادة: وقت، ت: مجموعة من المحققين، ط: دار الهداية)

باب المواقيت

[میقات کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب المواقیت

[میقات کا بیان]

[۱] میقات کا مطلب اور ہندوستانیوں کی میقات

۱۶۷۳- سوال: میقات کسے کہتے ہیں اور ہندوستان سے حج میں جانے والوں کے میقات کا نام کیا ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

مقررہ وقت اور معین جگہ کو میقات کہا جاتا ہے۔[1] جواہر الفقہ میں ہے کہ ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش والوں کا میقات ہوائی جہاز کے سفر میں قرن المنازل اور ذات عرق ہے، اس سے پہلے احرام باندھ

---

(۱){والميقات: الوقت المضروب للفعل. والموضع، يقال: هذا} ميقات أهل الشام، للموضع الذي يحرمون منه، وفي الحديث (أنه وقت لأهل المدينة ذا الحليفة). و(ميقات الحاج: موضع إحرامهم) وعبارة النهاية: ومواضع الإحرام: مواقيت الحاج، والهلال، ميقات الشهر، ونحو ذلك كذلك.______ وتقول: {وقته فهو موقوت، إذا بين للفعل} وقتا يفعل فيه. (تاج العروس من جواهر القاموس-محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني، أبو الفيض، الملقب بـمرتضى، الزَّبيدي (م: ۱۲۰۵ھـ): ۵/ ۱۳۳، مادة: وقت، ت: مجموعة من المحققين، ط: دار الهداية)

المواقيت جمع ميقات وهو الوقت المعين استعير للمكان المعين كما في الفتح. (حاشية حسن بن عمار الشرنبلالي على درر الحكام شرح غرر الأحكام (م: ۱۰۶۹ھـ): ۱/ ۲۱۸، كتاب الحج، مواقيت الإحرام، ط: دار إحياء الكتب العربية)

لینا ضروری ہے، اگر کسی نے نہیں باندھا اور جہاز میقات کی حدود میں داخل ہوگیا، تو دم واجب ہوگا؛ لیکن جدہ پہنچنے کے بعد پھر اس نے وہاں سے احرام باندھ لیا، تو واجب شدہ دم ساقط ہو جائے گا؛ کیوں کہ راجح قول کے مطابق جدہ میقات ہے، اور ایک میقات سے گذرنے کے بعد دوسرے میقات سے احرام باندھ لیا جائے، تو دم ساقط ہو جائے گا۔ (۱) البتہ قصداً ایسا کرنا یعنی: اپنے میقات سے احرام کو مؤخر کرنا سخت گناہ ہے۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] مدینہ سے جدہ لوٹنے والے تاجر پر عمرہ ضروری ہے؟

۱۶۷۴- سوال: جو حضرات ہندوستان سے کسب معاش کے لیے سعودی عرب جاتے ہیں، پھر مدینہ جاتے ہیں، اور کچھ روز قیام کے بعد جدہ واپس آتے ہیں، تو ایسے لوگ مدینہ سے لوٹتے وقت مکہ مکرمہ عمرہ کر کے آئیں یا پھر سیدھے جدہ آجائیں اور عمرہ نہ کریں، کیا عمرہ نہ کرنے میں کوئی حرج ہے، یا عمرہ کرنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جدہ، مدینہ، طائف، ریاض وغیرہ ممالک میں تجارت یا نوکری وغیرہ کی غرض سے جانے والے حضرات پر حج یا عمرہ واجب نہیں ہوگا، البتہ مکہ مکرمہ جانے کے ارادہ سے پہونچے اور حج کے ایام ہو، تو بیت اللہ پر نگاہ پڑتے ہی حج فرض ہو جائے گا، (۳) اور اگر مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے ارادہ سے آیا ہے اور ایام حج نہیں ہے، تو بغیر احرام کے داخلہ ممنوع ہے؛ نیز عمرہ کرنا ضروری ہے؛ لہٰذا عمرہ کرے، صورت مسئولہ میں مدینہ سے جدہ آنے والے پر عمرہ واجب نہیں ہوگا۔ (۴) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے: مواقیت احرام اور ان کے مسائل، مندرجہ: جواهر الفقہ: ۱/ ۴۷۴، ہندو پاکستان اور مشرقی ممالک سے آنے والوں کا میقات، ط: مکتبہ تفسیر القرآن، عارف کمپنی، جامع مسجد- دیوبند)

(۲) (وحرم تأخير الإحرام عنها) كلها (لمن) أي لآفاقي (قصد دخول مكة) يعني الحرم (ولو لحاجة) غير الحج ... (لا) يحرم (التقديم) للإحرام (عليها) بل هو الأفضل. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۴۷۷، كتاب الحج، ط: دار الفكر)

(۳) ... أن الفقير إذا وصل إلى المواقيت صار حكمه حكم أهل مكة، فيجب عليه وإن لم يقدر على الراحلة. (فتح القدير: ۲/ ۴۱۹، كتاب الحج، مقدمة يكره الخروج إلى الحج إذا كره أحد أبويه، ط: دار الفكر)

(۴) ولا يجوز للآفاقي أن يدخل مكة بغير إحرام نوى النسك أو لا ولو دخلها فعليه حجة أو عمرة كذا في محيط السرخسي في باب دخول مكة بغير إحرام. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۲۱، كتاب المناسك، الباب الثاني في مواقيت الإحرام، ط: دار الفكر)

[٣] ١-اہل جدہ احرام کہاں سے باندھیں؟
[٤] ٢-آفاقی، حلی اور حرمی کے احرام کے متعلق تفصیل

١٦٧٥-سوال: ایک شخص جدہ میں رہتا ہے اور جدہ حدود حرم سے باہر اور میقات کے اندر ہے، یعنی حل میں داخل ہے، تو وہ شخص حج کا احرام کہاں سے باندھے؟ اگر اپنے گھر یعنی جدہ سے نہ باندھے اور مکہ جا کر احرام باندھے، تو اس کے حج میں کوئی نقصان تو نہ آئے گا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جدہ میں رہنے والا خواہ وہاں کا اصلی رہائشی ہو، یا تجارت ونوکری کے لیے آیا ہو، یا اپنے کسی رشتہ دار سے ملنے کے لیے آیا ہو، سب کا حکم ''اہل حل'' کا ہے، انہیں ''**داخل میقات، خارج من حدود حرم**'' کہا جاتا ہے، ان کا حکم یہ ہے کہ عام حالات میں تو مکہ مکرمہ بغیر احرام کے جاسکتے ہیں، مثلاً جمعہ پڑھنے کے لیے، یا کسی سے ملنے کے لیے، یا تجارت کے لیے، یا کسی اور غرض سے جانا ہو، تو بغیر احرام کے جانے میں حرج نہیں، البتہ عمرہ وحج کی نیت ہو، تو حرم کی حد میں داخل ہونے سے پہلے احرام باندھ لینا ضروری ہے اور جدہ سے احرام باندھنا افضل ومستحب ہے، اس بات کو فقہاء نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: **(وقته) أي وقت الاحرام لأهل داخلها للحج أو العمرة (الحل) بالكسر وهو ما بين المواقيت والحرم.** (مجمع الانہر: ١/٢٦٦)[1]

یعنی جو لوگ میقات کے اندر اور حرم سے باہر رہتے ہیں ان کی میقات حل ہے وہ حرم کی حد میں داخل ہونے سے پہلے جہاں سے چاہے احرام باندھ سکتے ہیں شامی ہندیہ وغیرہ کتب فقہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔

---

[١] متعلقہ مسئلہ کی مکمل عبارت یوں ہے:

(ويحل لمن هو داخلها) المواقيت (دخول مكة) لحاجة لا للنسك (غير محرم)؛ لأن في إيجاب الإحرام عليه في كل مرة حرجا، لأنه يكثر دخوله لحوائجه فصار كالمكي بخلاف ما إذا دخل للحج (ووقته) أي وقت الإحرام لأهل داخلها للحج أو العمرة (الحل) بالكسر وهو ما بين المواقيت والحرم لا الحل الذي هو خارج الحرم والحرم حد في حقه كالميقات فلا يدخل الحرم إذا أراد أحدهما إلا محرما. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م:١٠٧٨هـ): ١/٢٦٦، كتاب الحج، موقيت الحج، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ البحر الرائق: ٢/٣٤٣، كتاب الحج، ميقات المكي إذا أراد الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الفتاوى الهندية: ١/٢٢١، كتاب المناسك، الباب الثاني في الميقات، ط: دار الفكر)

علامہ شامیؒ نے بعض علماء کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب اہل حل کے لیے یہ حکم ہے، تو- چوں کہ جدہ حل میں ہے؛ اس لیے- جدہ کہ رہائشی کو جب حج یا عمرہ کرنا ہو، تو بلا احرام کے حدودِ حرم میں داخل ہونا جائز نہیں، ورنہ دم واجب ہوگا، البتہ حج کرنے والا شخص جب عرفات کے میدان میں جا کر تلبیہ پڑھ لے گا اور وہاں سے تلبیہ پڑھتا ہوا مزدلفہ اور منی میں آئے گا، تو حرم کی جو بے حرمتی ہوئی تھی (تلبیہ کہتے ہوئے اول حل کی طرف جانے کی وجہ سے) اس کی تلافی ہو جائے گی اور دم ساقط ہو جائے گا۔ (شامی)[۲]

اور عالم گیری میں ہے کہ داخل میقات یعنی حلی بغیر احرام کے مکہ میں داخل نہ ہو اور جو لوگ حرم میں یا مکہ مکرمہ میں رہتے ہیں ان کے لیے حج کا احرام مکہ ہی سے باندھنا جائز ہے، اور عمرہ کا احرام وہ تنعیم یا جعرانہ جا کر باندھیں گے۔ (عالم گیری: ۱/۸۰)[۳]

احرام کے سلسلہ میں تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ:

---

[۲] (وحل لأهل داخلها) يعني لكل من وجد في داخل المواقيت (دخول مكة غير محرم) ما لم يرد نسكا للحرج كما لو جاوزها حطابو مكة فهذا (ميقاته الحل) الذي بين المواقيت والحرم ـــــ (و) الميقات (لمن بمكة) يعني من بداخل الحرم (للحج الحرم وللعمرة الحل) ليتحقق نوع سفر. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله ما لم يرد نسكا) أما إن أراده وجب عليه الإحرام قبل دخوله أرض الحرم فميقاته كل الحل إلى الحرم فتح.

وعن هذا قال القطبي في منسكه ومما يجب التيقظ له سكان جدة بالجيم، وأهل حدة بالمهملة، وأهل الأودية القريبة من مكة فإنهم غالبا يأتون مكة في سادس أو سابع ذي الحجة بلا إحرام، ويحرمون للحج من مكة فعليهم دم لمجاوزة الميقات بلا إحرام، لكن بعد توجههم إلى عرفة ينبغي سقوطه عنهم بوصولهم إلى أول الحل ملبين إلا أن يقال إن هذا لا يعد عودا إلى الميقات لعدم قصدهم العود لتلافي ما لزمهم بالمجاوزة بل قصدوا التوجه إلى عرفة. اهـ. ـــــ وقال القاضي محمد عيد في شرح منسكه والظاهر السقوط لأن العود إلى الميقات مع التلبية مسقط لدم المجاوزة وإن لم يقصده لحصول المقصود وهو التعظيم. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۷۸، كتاب الحج، مطلب في المواقيت، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/۳۴۳، كتاب الحج، ميقات المكي إذا أراد الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۳] ووقت المكي للإحرام بالحج الحرم، وللعمرة الحل كذا في الكافي، فيخرج الذي يريد العمرة إلى الحل من أي جانب شاء كذا في المحيط والتنعيم أفضل كذا في الهداية. . . . ومن كان داخل الميقات كالبستاني له أن يدخل مكة لحاجة بلا إحرام إلا إذا أراد النسك فالنسك لا يتأدى إلا بالإحرام، ولا حرج فيه كذا في الكافي، وكذلك المكي إذا خرج إلى الحل للاحتطاب أو الاحتشاش ثم دخل مكة يباح له الدخول بغير إحرام، وكذلك الآفاقي إذا صار من أهل البستان كذا في محيط السرخسي. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۲۱، كتاب المناسك، الباب الثاني في المواقيت، ط: دار الفكر- بيروت)

(۱) آفاقی کا حج وعمرہ کے لیے میقات سے احرام باندھنا ضروری ہے۔[۴]

(۲) داخل میقات (حلی) کا گھر سے احرام باندھنا مستحب ہے۔[۵]

(۳) داخل میقات کا حرم کی حد میں داخل ہونے سے پہلے احرام باندھ لینا ضروری ہے۔[۶]

(۴) داخل میقات بغیر احرام کے حج کی نیت سے حرم میں داخل ہوگیا اور مکہ جا کر اس نے احرام باندھا تو جب عرفات میں جا کر تلبیہ پڑھے گا، تو اس پر جو دم واجب ہوا تھا، وہ ساقط ہو جائے گا۔[۷]

(۵) اور وہی شخص جب عمرہ کے لیے نکلے گا، تو حرم میں بنا احرام کے داخل ہونے سے اس پر دم واجب ہوگا۔[۸]

---

(۴) لا يصلح لأحد كان منزله من وراء الميقات إلى الأمصار أن يدخل مكة إلا بالإحرام، فإن لم يفعل أساء ولا شيء عليه عند الشافعي وأبي ثور، وعند أبي حنيفة: عليه حجة أو عمرة.(عمدة القاري- بدر الدين العيني (م:٨٥٥هـ): ١٠/٢٠٥، كتاب الحج، باب دخول الحرم ومكة بغير إحرام، ط: دار إحياء التراث العربي☆ الفتاوى التاتارخانية: ٣/٥٢-٥٥١، كتاب الحج، الفصل الرابع في بيان مواقيت الإحرام، ط: زكريا- ديوبند☆ بدائع الصنائع: ٢/١٦٣، كتاب الحج، فصل بيان مكان الإحرام، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۵) أما إذا قصدوه وجب عليهم الإحرام قبل دخولهم أرض الحرم فميقاتهم كل الحل إلى الحرم، فهم في سعة من دارهم إلى الحرم وما عجلوه من دارهم فهو أفضل. (فتح القدير: ٢/٤٢٧، كتاب الحج، قبيل: باب الإحرام، ط: دار الفكر)

(۶) (قوله ما لم يرد نسكا) أما إن أراده وجب عليه الإحرام قبل دخوله أرض الحرم فميقاته كل الحل إلى الحرم فتح. (رد المحتار على الدر المختار: ٢/٤٧٨، كتاب الحج، مطلب في المواقيت، ط: دار الفكر☆ الهداية: ١/١٣٤، كتاب الحج، فصل في المواقيت التي لا يجوز أن يجاوزها الإنسان إلا محرما، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث الإسلامي)

(۷) ينبغي أن يسقط عنهم دم المجاوزة بوصولهم إلى أول الحل ملبين؛ لأنه عود منهم إلى ميقاتهم مع الإحرام والتلبية وذلك مسقط لدم المجاوزة.(منحة الخالق على البحر الرائق- ابن عابدين (م:١٢٥٢هـ): ٢/٣٤٣، كتاب الحج، مواقيت الإحرام، ميقات المكي إذا أراد الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۸) وأما الصنف الثاني فميقاتهم للحج أو العمرة دويرة أهلهم أو حيث شاءوا من الحل الذي بين دويرة أهلهم وبين الحرم لقوله عز وجل: {وأتموا الحج والعمرة لله} [البقرة:١٩٦] روينا عن علي، وابن مسعود - رضي الله عنهما - أنهما قالا حين سئلا عن هذه الآية: إتمامهما أن تحرم بهما من دويرة أهلك، فلا يجوز لهم أن يجاوزوا ميقاتهم للحج أو العمرة إلا محرمين، والحل الذي بين دويرة أهلهم وبين الحرم كشيء واحد، فيجوز إحرامهم إلى آخر أجزاء الحل كما يجوز إحرام الآفاقي من دويرة أهله إلى آخر أجزاء ميقاته، فلو جاوز أحد منهم ميقاته يريد الحج أو العمرة فدخل الحرم من غير إحرام فعليه دم. (بدائع الصنائع: ٢/١٦٦، كتاب الحج، فصل بيان مكان الإحرام، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۶) آفاقی یا حلی جب مکہ میں کچھ دن پہلے تجارت وغیرہ کی غرض سے آکر مقیم ہوں، تو وہ مکی کے حکم میں ہیں، مکہ سے احرام باندھنا ان کا جائز ہے۔[۹]

(۷) جدہ میں رہنے والے حضرات کے لیے مشورہ ہے کہ حیلہ بہانہ کئے بغیر حج جیسی اہم عبادت کو - جو سال میں صرف ایک بار ادا کی جاتی ہے -بغیر شک وشبہ کے ادا کرتے ہوئے جدہ ہی سے احرام باندھ لیں یہی احتیاط کا تقاضہ ہے۔فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] جدہ سے حج کرنے اور بیرون سے حج کرنے میں ثواب میں کوئی فرق آتا ہے؟

۱۶۷۶-سوال: یہاں جدہ میں ہندو پاک وغیرہ سے آکر بسنے والے لوگوں کے حج کا ثواب اپنے ملک سے خرچ کرکے آنے والے لوگوں سے کم ہوگا؟ یا ثواب میں دونوں مساوی ہوں گے؟ یہاں ایک بھائی کا کہنا ہے کہ جو حجاج اپنے ملک سے پیسے خرچ کرکے آتے ہیں، ان کا ثواب ہم سے زیادہ ہوگا، وہ اصلی حج کرتے ہیں، تو اس سلسلہ میں شریعت کیا کہتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جدہ اور سعودیہ کے رہنے والے، خواہ وہاں کے اصل باشندے ہوں یا ہندو پاک وغیرہ سے آکر بسے ہوئے ہوں، بڑے خوش نصیب لوگ ہیں، ہر سال وہ حج کرتے ہیں اور ہر جمعہ کو اللہ تعالیٰ کے پاک گھر "کعبۃ اللہ" کی زیارت کرتے ہیں اور میقات وحل میں رہنے سے ان پر میقات وحل کے احکام بھی جاری ونافذ ہوتے ہیں۔

اور رہی بات حج کے ثواب کی، تو حدیث شریف میں ہے: **"إنما الاعمال بالنيات"**[☆☆☆] کہ

---

(۹)(و الآفاقي أو الحلي إذا دخل مكة أو الحرم فهو وقته)أي فالحرم صار ميقاته.(المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملاعلي القاري(م:۱۰۱۴ھ)ص:۱۱۸،فصل: و قديتغير الميقات بتغير الحال،ت: طلحه بلال منيار ، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة☆ البحر الرائق: ۲/ ۳۴۴، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: دار الكتاب الإسلامي☆رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۷۸، كتاب الحج، مطلب في المواقيت، ط: دار الفكر-بيروت)

[☆☆☆]علقمة بن وقاص الليثي، يقول: سمعت عمر بن الخطاب رضي الله عنه على المنبر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرئ ما نوى، فمن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها، أو إلى امرأة ينكحها، فهجرته إلى ما هاجر إليه. (صحيح البخاري: ۱/ ۲، رقم الحديث: ۱، باب بدء الوحي، ط: ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۲/ ۱۴۱-۱۴۰، رقم الحديث: ۱۵۵-(۱۹۰۷)، كتاب الإمارة، باب قوله صلى الله عليه وسلم: "إنما الأعمال بالنية" وأنه يدخل فيه الغزو وغيره من الأعمال، ط: ديوبند)

اعمال کا مدار نیتوں پر ہے، فرض حج کا ارادہ ہو یا نفلی حج کا، ثواب پورے پورا ملے گا، دنیا کے آخری کونے سے آنے والے شخص کا ارادہ بھی حج کا ہے اور سفر خواہ دریائی ہو یا ہوائی ہو، مقصود تک پہنچنے کا ایک ذریعہ وسبب ہے، اسی طرح سفر کے لیے پیسے خرچ کرنا بھی ایک سبب ہے، اصل مقصد نہیں، البتہ مسبب سبب کے بغیر وجود میں نہیں آتا، سبب کا ہونا بھی ضروری ہے؛ اس لیے اس کا ثواب ضرور ملے گا، باقی نفس حج کے ثواب میں خواہ آدمی کہیں سے حج کرے، کوئی فرق نہیں پڑتا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ جو ایسی مقدس جگہ میں رہتے تھے، ان کے حج کے ثواب میں کوئی کمی رہے گی! لہٰذا اس بھائی کا اصلی اور نقلی کا فرق کرنا غلط ہے، نفس حج کا ثواب تو سب کو برابر ملے گا، ہاں سفر کے خرچ اور تکلیف کی وجہ سے دور سے آنے والوں کو اس حیثیت سے زیادہ ثواب ملے، تو وہ الگ بات ہے۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا

۱۶۷۷- سوال: محترم حضرت مفتی صاحب! عرض یہ ہے کہ ہمیں ایجنٹ نے بتایا تھا کہ ہم مدینہ منورہ جارہے ہیں؛ اس لیے ہم نے احرام نہیں باندھا تھا؛ لیکن کفیل ہمیں پہلے مکہ مکرمہ لے گیا، تو ہم مکہ میں

---

(۱) عن أبي موسى، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: أعظم الناس أجرا في الصلاة أبعدهم، فأبعدهم ممشى والذي ينتظر الصلاة حتى يصليها مع الإمام أعظم أجرا من الذي يصلي، ثم ينام. (صحيح البخاري: ۹۰/۱، رقم الحديث: ۶۵۱، كتاب الصلاة، باب فضل صلاة الفجر في جماعة، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۲۳۵/۱، رقم الحديث: ۲۷۷- (۶۶۲)، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل كثرة الخطا إلى المساجد، ط: ديوبند)

أن سبب أعظمية الأجر في الصلاة هو: بعد الممشى، وهو المسافة، وذلك لوجود المشقة فيه. وقد علم أن أفضل الأعمال أحمزها، فكل صلاة توجد فيها المشقة من حيث بعد الممشى فهي أعظم أجرا وأفضل من الصلاة التي لا يوجد فيها ذلك. (عمدة القاري: ۱۶۹/۵، كتاب الصلاة، باب فضل صلاة الفجر في جماعة، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

التقديم أفضل إذا كان يملك نفسه أن لا يقع في محظور؛ لأن المشقة فيه أكثر فكان أكثر ثوابا؛ لأن الأجر بقدر التعب. (البحر الرائق: ۳۴۳/۲، كتاب الحج، ميقات المكي إذا أراد الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي)

وإنما كان التقديم على المواقيت أفضل لأنه أكثر تعظيما وأوفر مشقة والأجر على قدر المشقة ولذا كانوا يستحبون الإحرام بهما من الأماكن القاصية. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۷۸/۲، كتاب الحج، مطلب في المواقيت، ط: دار الفكر- بيروت ☆ فتح القدير: ۴۲۸/۲، كتاب الحج، ط: دار الفكر)

اس حال میں داخل ہوئے کہ ہمارا احرام نہیں تھا، اور ہم اس سلسلے میں مجبور تھے اور عمرہ بھی ہم نے دیر سے کیا ہے، تو اس سلسلہ میں کیا حکم ہے؟

دوسری بات یہ کہ عمرہ ہم نے شب عید میں کیا ہے، تو کیا اسی سال ہم پر حج لازم ہوگا؟ اور یہ سب قرض لے کر میں نے کیا ہے، میرے پاس گنجائش نہیں ہے، تو کیا قرض کی حالت میں حج ادا ہوگا یا نہیں؟ اور کون سا حج ادا ہوگا؟ ——— اگر والدین قرض کو اپنے ذمہ لے لیتے ہیں، تو پھر کون سا حج ادا ہوگا؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں آپ بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہوئے؛ اس لیے دم لازم ہوگا۔ [1] اگر فی الحال آپ کے پاس دم ادا کرنے کی گنجائش نہیں ہے، تو اس میں گنجائش تک تاخیر کرنا بھی جائز ہے۔

اسی سال آپ حج ادا کر سکتے ہیں، اور قرض ہونے سے حج میں کوئی نقصان نہ آئے گا، فرض حج کی نیت کریں گے، تو حج فرض ادا ہوجائے گا۔ [2] اور ماں باپ' قرض کی ذمہ داری لیتے ہیں، تو ان کا احسان ہے، ان کے لیے ضروری نہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ولا يجوز للآفاقي أن يدخل مكة بغير إحرام نوى النسك أو لا ولو دخلها فعليه حجة أو عمرة كذا في محيط السرخسي في باب دخول مكة بغير إحرام. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۲۱، كتاب المناسك، الباب الثاني في مواقيت الإحرام، ط: دار الفكر)

(۲) کیوں کہ فقیر، غیر مستطیع بھی ایام حج میں مکہ مکرمہ پہنچ جائے، تو اس پر حج فرض ہوجاتا ہے، اور جس نیت سے حج کرے، معتبر مانا جاتا ہے: ——— ...أن الفقير إذا وصل إلى المواقيت صار حكمه حكم أهل مكة، فيجب عليه وإن لم يقدر على الراحلة. (فتح القدير: ۲/۴۱۹، كتاب الحج، مقدمة يكره الخروج إلى الحج إذا كره أحد أبويه، ط: دار الفكر)

عن ابن عمر، أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: إحرام المرأة في وجهها وإحرام الرجل في رأسه. (سنن الدارقطني(م:۳۸۵ھ): ۳/ ۳۶۳،رقم الحديث:۲۷۶۱، كتا الحج، باب المواقيت،ت:شعيب الارنؤوط،وجماعة من العلماء، ط:مؤسسة الرسالة،بيروت-لبنان)

باب الإحرام والتلبية

[احرام اور تلبیہ کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب الإحرام والتلبية

[احرام اور تلبیہ کا بیان]

[۱] احرام باندھنے کا طریقہ

۱۶۷۸- سوال: ہم پوری فیملی ممبئ سے حج کے لیے جانا چاہتے ہیں، اس سلسلے میں آپ ہماری رہنمائی فرمائیں اور بتائیں کہ احرام باندھنے کا کیا طریقہ ہے؟ اور اس وقت کے سنت اور مستحب اعمال کیا ہیں؟ عورت اور مرد کے احرام میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصليا:

جب میقات سے یا میقات آنے سے پہلے ممبئ ہی سے (یا جہاں سے بھی آپ کی فلائٹ ہو۔) احرام باندھنے کا ارادہ ہو، تو بال صاف کرلیں یعنی: سر کے بال منڈالیں یا کتروالیں، اسی طرح بغل اور زیر ناف کے بال بھی صاف کرلیں، ہاتھ اور پیروں کے ناخن بھی تراش لیں۔ اس موقعہ سے اگر بیوی ساتھ ہو، تو صحبت کرنا مستحب ہے، اس کے بعد احرام کی نیت سے غسل کرلیں۔ [۱]

(۱) وإذا أراد الإحرام اغتسل أو توضأ والغسل أفضل إلا أن هذا الغسل للتنظيف حتى تؤمر به الحائض كذا في الهداية. ويستحب في حق النفساء والصبي ويستحب كمال التنظيف من قص الأظفار والشارب وحلق الإبطين والعانة والرأس لمن اعتاده من الرجال أو أراده وإلا فتسريحه وإزالة الشعث والوسخ عنه، وعن بدنه بغسله =

اگر غسل کا انتظام نہ ہو، تو وضو کرلیں پھر سلے ہوئے کپڑے، پیروں کے موزے سر کی ٹوپی وغیرہ تمام چیزیں اتار کر دو چادر اس طرح اوڑھ لیں کہ ایک کو لنگی کی طرح گرہ لگا کر باندھیں اور دوسری سے اوپر کا بدن ڈھانک لیں، اس کے بعد عطر یا کوئی خوش بو ہو، تو اس کو لگالیں۔ (یہ حکم مردوں کے لیے ہے، عورتیں عام حالت میں جو کپڑے پہنتی ہیں، وہی پہنیں گی اور خوش بو بھی نہیں لگائیں گی) اس کے بعد دو رکعت نماز سر ڈھانک کر پڑھیں اور سلام پھیرتے ہی سر سے ٹوپی اتار کر سر کھول دیں، اور اسی جگہ سے حج یا عمرہ کی نیت کریں۔ نیت سے مراد دل سے پختہ ارادہ کرنا ہے اور زبان سے بولنا مستحب ہے۔ نیت کے بعد تین بار کچھ بلند آواز سے یہ الفاظ کہے: **لبيك اللهم لبيك، لبيك لا شريك لك ،لبيك إن الحمد و النعمة لك و الملك، لا شريك لك.** اس کے بعد درود شریف پڑھ کر جو دعا مانگنی ہو، وہ مانگے، اس طرح آپ کا احرام مکمل ہو گیا۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=بالخطمي والأشنان ونحوهما، ومن المستحب عند إرادة الإحرام جماع زوجته أو جاريته إن كانت معه ولا مانع من الجماع فإنه من السنة، هكذا في البحر الرائق. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۲۲، كتاب المناسك، الباب الثالث في الإحرام، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) ويستحب لمن أراد الإحرام أن يقص شاربه وأظفاره، ثم يغتسل أو يتوضأ، والغسل أفضل، فقد صح "أن رسول الله -عليه السلام- اغتسل"، وهذا الاغتسال للنظافة، وليس بواجب، ويلبس ثوبين جديدين أو غسيلين إزار ورداء، لأنه منهي عن لبس المخيط، ولا بد من ستر العورة مما يحصل به دفع الحر والبرد. ــــــــ وإذا لبس إزار ورداء، فقد حصل ستر العورة ودفع الحر والبرد، وقد صح برواية جابر وأبي بريدة رضي الله عنهما "أن رسول الله عليه السلام أحرم ولبس إزاراً ورداء"، غير أن الجديد أفضل لقوله عليه السلام لأبي ذر "تزين لعبادة ربك"، وبالإزار يحصل ستر العورة، ويدهن شاربه، لأن الغالب من أحوال أهل الحجاز الحرارة والنتونة والدهن يزيل ذلك، ويتطيب بأي طيب شاء في المشهور، وروي عن محمد أنه لا يتطيب بطيب تبقى عينه بعد الإحرام بأن يلطخ رأسه أو جبهته بالغالية أو المسك. ــــــــ والصحيح ما ذكر في المشهور لحديث عائشة رضي الله عنها، فإنها قالت: "كنت أطيب رسول الله -عليه السلام- لإحرامه قبل أن يحرم"، لأن الحج أمر مهم، ومن قصد أمراً مهماً يطلب التيسير من الله تعالى، ثم يلبي في دبر صلاته، وإن شاء بعدما يستوي بعيره، والأفضل أن يلبي بعد صلاته، ثم يصلي ركعتين، ويقرأ فيها بما شاء. ــــــــ ثم إذا فرغ من صلاته يطلب من الله التيسير، فيدعو: "اللهم، إني أريد الحج، فيسره لي وتقبله مني" من قبل أن يزور بالبيت ذكرت الطيب مطلقاً من غير فصل.

وصفة التلبية أن يقول: لبيك اللهم لبيك لبيك لا شريك لك لبيك إن الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك.

(المحيط البرهاني في الفقه النعماني - أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي =

[۲] احرام باندھتے وقت فرض یا نفل کی صراحت کرنا بھول گیا

۱۶۷۹- سوال: مفتی صاحب! مجھ پر حج فرض ہے، میں نے احرام باندھتے وقت فرض یا نفل کا لفظ نہیں کہا تھا، تو میرے متعلق کیا حکم ہے؟ میرا کون سا حج ہوگا، ابھی تک میں نے حج فرض ادا نہیں کیا ہے۔

الجواب حامداو مصلیا:

حج کا احرام باندھتے وقت اگر آپ نے فرض یا نفل کی تعیین نہیں کی ہے، اور آپ نے اب تک حج فرض ادا نہیں کیا ہے، تو آپ کا ''حج فرض'' ہی ادا ہوگا۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] مکہ مکرمہ سے جدہ جانے والا جب دوبارہ مکہ آئے، تو احرام باندھ کر آئے گا؟

۱۶۸۰- سوال: میں اس سال حج کے لیے جانے والا ہوں، ممبئی سے احرام باندھ کر مکہ مکرمہ جاؤں گا، مکہ مکرمہ میں چار پانچ دن ٹھہر کر واپس جدہ اپنے ایک رشتہ دار سے ملاقات کے لیے آنے کا ارادہ ہے، وہاں دو دن ٹھہروں گا، تو کیا وہاں سے واپسی کے موقع پر میرے لیے دوبارہ احرام باندھنا ضروری ہوگا؟ بعض جہلاء کو دیکھا گیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں کچھ دن ٹھہر کر شاپنگ کے لیے دوبارہ جدہ آتے ہیں، اپنے کام کاج سے جب وہ فارغ ہوتے ہیں تو بغیر احرام کے مکہ مکرمہ میں داخل ہو جاتے ہیں اور ان کی عمرہ کی کوئی نیت نہیں ہوتی ہے، صرف خرید وفروخت کی نیت ہوتی ہے، تو کیا ان کے لیے احرام ضروری ہے یا نہیں؟

=(م:۶۱۲ھ): ۴۲۲/۲، كتاب المناسك، الفصل الثالث: في تعليم أعمال الحج، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: الفتاوى التاتارخانية: ۴۸۶/۳، كتاب الحج، تعليم أعمال الحج، ط: زكريا - ديوبند☆ رد المحتار على الدر المختار: ۴۸۸/۳ و بعدها، كتاب الحج، فصل في الإحرام و . . .، ط: زكريا - ديوبند☆ نور الايضاح - حسن بن عمار الشرنبلالي، ص: ۱۶۸، فصل في كيفية تركيب أفعال الحج، ط: المكتبة اليوسفية - غجرات)

(۱) ولو أطلق نية الحج صرف للفرض ولو عين نفلا فنفل وإن لم يكن حج الفرض، شرنبلالية عن الفتح. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله ولو أطلق نية الحج) بأن نوى الحج ولم يعين فرضا ولا نفلا. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۸۶/۲، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد، ط: دار الفكر)

لو أطلق نية الحج بأن أحرم بحجة ولم يعين فرضا ولا نفلا صح إحرامه للحج، وصرف إلى الفرض استحسانا على المذهب. (غنية الناسك، ص: ۱۰۱، مطلب في إبهام النية و إطلاقها، ط: یادگار شیخ، سہارن پور☆ البحر الرائق: ۵۶۳/۲، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: زكريا - ديوبند)

الجواب حامداًومصلیا:

جدہ سے مکہ مکرمہ واپس آنے والے کے لیے دوبارہ احرام ضروری نہیں ہے، احرام کے بغیر بھی مکہ مکرمہ آسکتا ہے۔ [۱]

اللہ تعالیٰ آپ کے عمرے کو قبول فرمائے اور ایمان پر استقامت عطاء فرمائے، وہاں کے مقامات مقدسہ میں جب دعاء کریں، تو ہمیں بھی یاد رکھیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] تلبیہ کے بغیر احرام کا آغاز

۱۶۸۱- سوال: ایک شخص نے احرام کی نیت تو کی؛ لیکن تلبیہ نہیں پڑھی، تو اس کا احرام شروع ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیا:

احرام کی نیت کے ساتھ تلبیہ یا اس کے قائم مقام: ذکر، سوق ہدی، یا تقلید بدنہ (حج کی قربانی کے جانور پر علامت لگانا) کا ہونا ضروری ہے، محض نیت سے احرام شروع نہ ہوگا۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن ابن عباس قال "لا يدخل أحد مكة بغير إحرام إلا الحطابين والعمالين وأهل منافعها. (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار-أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (م:۲۳۵ھ): ۳/۲۰۹، رقم الحديث: ۱۳۵۱۷، كتاب الحج، من كره أن يدخل مكة بغير إحرام، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد - الرياض ☆ التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير - أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (م:۸۵۲ھ): ۲/۵۲۸، رقم: ۱۰۰۸، كتاب الحج، باب دخول مكة وبقية أعمال الحج إلى آخرها، ط: دار الكتب العلمية)

(دخل كوفي) أي آفاقي (البستان) أي مكانا من الحل داخل الميقات (لحاجة) قصدها ولو عند المجاوزة على ما مر، ونية مدة الإقامة ليست بشرط على المذهب (له دخول مكة غير محرم ووقته البستان ولا شيء عليه) لأنه التحق بأهله كما مر، وهذه حيلة لآفاقي يريد دخول مكة بلا إحرام. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۵۸۱-۸۲، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج، مطلب لا يجب الضمان بكسر آلات اللهو، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۲/۳۴۲، كتاب الحج، مواقيت الإحرام، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۲] (وأما شرطه فالنية) حتى لا يصير محرما بالتلبية بدون نية الإحرام كذا في محيط السرخسي، ولا يصير شارعا بمجرد النية ما لم يأت بالتلبية أو ما يقوم مقامها من الذكر أو سوق الهدي أو تقليد البدنة كذا في المضمرات. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۲۲، كتاب المناسك، الباب الثالث في الإحرام، ط: دار الفكر - بيروت)

والحاصل أن اقتران النية بخصوص التلبية ليس بشرط بل هو السنة وإنما الشرط اقترانها بأي ذكر كان وإذا لبى فلا بد أن تكون باللسان. قال في اللباب: فلو ذكرها بقلبه لم يعتد بها. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۸۳، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد، ط: دار الفكر - بيروت)

[۵] گونگا کے تلبیہ پڑھنے کا طریقہ

۱۶۸۲- سوال: تلبیہ زبان سے پڑھنا ضروری ہے یا پھر دل دل میں بھی پڑھ سکتے ہیں، ایک شخص گونگا ہے، وہ کس طرح تلبیہ کے الفاظ ادا کرے گا؟

الجواب حامداومصلیا:

تلبیہ زبان سے پڑھنا شرط ہے، دل دل میں پڑھنا صحیح نہیں ہے۔(۱) گونگے شخص کو چاہیے کہ وہ زبان کو حرکت دے، اگر چہ وہ بول نہ سکتا ہو۔(۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] تلبیہ پڑھنے میں مردو عورت کے درمیان فرق

۱۶۸۳- سوال: (۱) تلبیہ کب تک پڑھنا ضروری ہے؟

(۲) کیا مردو عورت کے تلبیہ پڑھنے میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

(۱) حاجی شیطان کو کنکری مارتے ہی (یعنی: دسویں ذوالحجہ) کو اور عمرہ کرنے والا طواف کرتے ہی تلبیہ پڑھنا بند کر دے۔(۳)

---

(۱) سوال سابق ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) والأخرس يلزمه تحريك لسانه، وقيل لا بل يستحب اهـ ومال شارحه إلى الثاني لأن الأصح أنه لا يلزمه التحريك في القراءة للصلاة فهذا أولى، لأن الحج أوسع ولأن القراءة فرض قطعي متفق عليه بخلاف التلبية. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۸۳، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) يقطع التلبية مع أول حصاة يرمي بها جمرة العقبة، لما روى أسامة بن زيد، والفضل بن عباس: أن النبي - صلى الله عليه وسلم - قطع التلبية عند أول حصاة رمى بها جمرة العقبة، وكان أسامة رديف رسول الله - صلى الله عليه وسلم - من عرفات إلى مزدلفة، والفضل كان رديفه من مزدلفة إلى منى. ـــــــ وروي أن ابن عباس سئل عن ذلك فقال: أخبرني أخي الفضل "أن النبي - صلى الله عليه وسلم - قطع التلبية عند أول حصاة رمى بها جمرة العقبة"، وكان رديف رسول الله - صلى الله عليه وسلم -... فأما المحرم بالعمرة المفردة فإنه يقطع التلبية إذا استلم الحجر. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۲/ ۱۵۶، كتاب الحج، فصل بيان سنن الحج وبيان الترتيب في أفعاله، ط: دار الكتب العلمية)

(۲) مرد وعورت کے تلبیہ پڑھنے میں فرق یہ ہے کہ مرد تو بلند آواز سے تلبیہ کے الفاظ پڑھے گا، مگر عورتیں آہستہ آواز سے پڑھیں گی، ان کا بلند آواز سے پڑھنا ممنوع ہے۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] ممنوعات احرام

۱۶۸۴- سوال: مجھے حج کے لیے جانا ہے، میں نے علماء سے سنا ہے کہ حالت احرام میں بہت سی چیزیں ممنوع ہیں؛ اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ احرام کی حالت میں جن چیزوں کی ممانعت ہے، انہیں ذرا تفصیل کے ساتھ بتائیں، مہربانی ہوگی۔

الجواب حامداومصلیا:

احرام باندھنے کے بعد درج ذیل چیزیں ممنوع ہوجاتی ہیں:

(۱) بیوی کے ساتھ جماع یا دواعی جماع مثلاً: شہوت کے ساتھ چھونا یا بوسہ لینا وغیرہ، (۲) ساتھیوں کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرنا، (۳) خشکی کے جانوروں کا شکار کرنا یا ان کی طرف رہنمائی کرنا، یا شکار میں کسی طرح کی مدد کرنا، (۴) کسی پرندہ کے پر کاٹ دینا، یا کتر دینا یا اس کا انڈا توڑ دینا، جوئی مارنا یا جوئی کو دھوپ میں ڈالنا، یا جوؤں والا کپڑا جوؤں کو مارنے کے لیے دھوپ میں رکھنا، یا ان چیزوں کی طرف دوسروں کی رہنمائی کرنا، (۵) خوش بو لگانا، ناخن تراشنا اور بال کٹانا، (۶) مرد کا سر ڈھانکنا، (۷) مرد کا سلے ہوئے کپڑے پہننا، (۸) جوتے اور چپل ایسے پہننا کہ جس سے پیروں میں ابھری ہوئی ہڈی چھپ جائے، اور (۹) مرد وعورت دونوں کے لیے چہرے پر کپڑا رکھنا۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) والمرأة لا ترفع صوتها بالتلبية. (الفتاوى السراجية-سراج الدين أبو محمد علي بن عثمان التيمي الأوسي الحنفي (م:۵۶۹ھ)، ۱۷۷، كتاب الحج، باب ترتيب أفعال الحج، ط: زكريا-ديوبند)

(۱) اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ. (۲-البقرة:۱۹۷)

عن ابن عمر، قال: "الرفث: الجماع، والفسوق: ما أصيب من معاصي الله من صيد وغيره، والجدال: السباب والمنازعة. (المستدرك على الصحيحين-أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله بن محمد بن حمدويه بن نُعيم بن الحكم الضبي الطهماني النيسابوري المعروف بابن البيع (م:۴۰۵ھ): ۲/ ۳۰۳، رقم الحديث: ۳۰۹۴، كتاب التفسير، من سورة البقرة، ت: مصطفى عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

الجناية: هنا ما تكون حرمته بسبب الإحرام أو الحرم، وقد يجب بها دمان أو دم أو صوم أو صدقة. (الدر المختار) =

[۸] مکروہات احرام

۱۶۸۵- سوال: گرامی قدر حضرت مفتی صاحب!

مکروہات احرام کیا کیا ہیں؟ تفصیل سے واضح فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیا:

درج ذیل چیزیں احرام کی حالت میں مکروہ ہیں:

(۱) بدن کا میل نکالنا، یا بدن کو صابن سے دھونا۔[۱] (۲) سر میں یا ڈاڑھی میں کنگھی کرنا یا ان کو اس طرح کھجلانا کہ بال ٹوٹنے یا جوں کے گرنے کا اندیشہ ہو، بال نہ ٹوٹے اور جوں ہو، تو نہ گرے اس طرح آہستہ سے کھجلانا جائز ہے۔[۲] (۳) ڈاڑھی میں خلال کرنا، اگر کرنا ہو، تو اس طرح کرے کہ بال نہ ٹوٹے۔[۳] (۴)

= (قوله بسبب الإحرام أو الحرم) حاصل الأول سبعة نظمها الشيخ قطب الدين بقوله:

محرم الإحرام يا من يدري		إزالة الشعر وقص الظفر
واللبس والوطء مع الدواعي		والطيب والدهن وصيد البر

زاد في البحر ثامنا وهو ترك واجب من واجبات الحج. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۴۳، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج، ط: دار الفكر)

فليتق الرفث والفسوق والجدال، ولا يلبس قميصا ولا سراويل، ولا عمامة، ولا قلنسوة، ولا قباء، ولا خفين، ولا يحلق شيئا من شعر رأسه وجسده ولا يلبس ثوبا معصفرا ونحوه، ولا يغطي رأسه ولا وجهه، ولا يتطيب، ولا يغسل رأسه ولا لحيته بالخطمي، ولا يدهن، ولا يقتل صيد البر، ولا يشير إليه، ولا يدل عليه... ولا يكسر بيض الصيد، ولا يقطع شجر الحرم. (المختار مع تعليل الاختيار - عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ۶۸۳هـ): ۱/ ۱۴۵، كتاب الحج، فصل ما يستحب فعله لمن أراد أن يحرم، ت: الشيخ محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة ☆غنية الناسك في بغية المناسك - محمد حسن شاه المهاجر المكي، ص: ۱۰۸- ۱۱۳، كتاب الحج، فصل في محرمات الإحرام ومحظوراته، ط: مکتبہ یادگار شیخ -سہارن پور☆ كنز الدقائق مع البحر الرائق: ۲/ ۵۶۵، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: زكريا- ديوبند ☆مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: ۱/ ۳۹۷-۳۹۸، كتاب الحج، مكتبة فقيه الامة- ديوبند)

[۱-۲-۳] ولا يغسل رأسه ولا لحيته بالخطمي ولا يحك رأسه، وإذا حك فليرفق بحكه خوفا من تناثر الشعر وقتل القمل وهو ممنوع، وإن لم يكن على رأسه شعر أو أذى فلا بأس بالحك الشديد، كذا في محيط السرخسي. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۲۴، كتاب المناسك، الباب الرابع فيما يفعله المحرم بعد الإحرام، ط: دار الفكر)

خوش بو کو چھونا یا سونگھنا یا خوش بو والے کی دکان پر خوش بو سونگھنے کی نیت سے بیٹھنا، ہاں بلا ارادہ خوش بو آجائے، تو اس میں حرج نہیں۔[☆] (۵) ناک یا منہ کو کپڑے سے ڈھانکنا، ہاتھ رکھنے میں حرج نہیں۔[☆☆] (۶) خوش بو والا کھانا۔ جو پکا یا نہ گیا ہو۔[☆☆☆] (۷) لنگی کے دونوں کناروں کو آگے سے سینا، البتہ اگر کوئی شخص ستر چھپانے کی غرض سے سیتا ہے، تو جائز ہے؛ تاہم بہتر نہیں ہے۔[☆☆☆☆] واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] مباحات احرام

۱۶۸۶- سوال: احرام کی حالت میں کون کون سی چیزیں مباح ہیں؟

الجواب حامدا ومصلیا:

درج ذیل امور محرم کے لیے مباح ہیں:

(۱) میل دور کیے اور خوش بو والا صابن لگائے بہ غیر، ضرورت کی بنا پر گرم یا ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا۔[۱] (۲) پکایا ہوا خوش بو دار کھانا' کھانا۔[۲] (۳) تکیہ پر سر رکھنا۔[۳] (۴) پانی میں غوطہ لگانا، کپڑے

[☆] ولا يمس طيبا بيده، وإن كان لا يقصد به التطيب، كذا في فتاوى قاضي خان. (المصدر السابق)

[☆☆] ويتقي ستر الرأس والوجه ولا يغطي فاه ولا ذقنه ولا عارضه، ولا بأس بأن يضع يده على أنفه كذا في البحر الرائق. (المصدر السابق)

[☆☆☆] ولو كان الطيب في طعام طبخ وتغير فلا شيء على المحرم في أكله سواء كان توجد رائحته أو لا، كذا في البدائع. ــــ وإن خلطه بما يؤكل بلا طبخ فإن كان مغلوبا فلا شيء عليه غير أنه إن وجدت معه الرائحة كره. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۴۱، كتاب المناسك، الباب الثامن في الجنايات، الفصل الأول فيما يجب بالتطيب والتدهن، ط: دار الفكر)

[☆☆☆☆] والحرام من لبس المخيط هو اللبس المعتاد حتى لو اتزر بالقميص والسراويل أو وضع القباء على كتفه وأدخل منكبيه ولا يدخل يديه لا بأس به، كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۲۴، كتاب المناسك، الباب الرابع فيما يفعله المحرم بعد الإحرام، ط: دار الفكر)

[۱] وأجمعوا أنه لو غسله بالحرض أو بالصابون أو بالماء القراح فلا شيء عليه ذكره في شرح الطحاوي. اهـ. أتقاني. (حاشية الشِّلْبِيِّ مع تبيين الحقائق - شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِّلْبِيُّ (م: ۱۰۲۱ هـ): ۲/۵۳، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج، ط: المطبعة الكبرى الأميرية ☆ البناية شرح الهداية - بدر الدين العيني (م: ۸۵۵هـ): ۴/۱۸۹، كتاب الحج، باب الإحرام، ما يباح للمحرم، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۳/۵۹۲، كتاب الحج، الفصل الخامس فيما يحرم على المحرم بسبب إحرامه و مالا يحرم، نوع منه في الدهن و التطيب الخ، ت: المفتي شبير أحمد القاسمي، ط: زكريا - ديوبند)

نوٹ: اگلا حاشیہ اگلے صفحہ پر:

دھونا، اسی طرح انگوٹھی پہننا۔[۴] (۵) پیسوں کی حفاظت کے لیے پٹہ (جس میں جیب ہوتا ہے) پہننا جائز ہے۔[۵] (۶) گھر میں بیٹھنا، خیمہ میں داخل ہونا، چھتری اوڑھنا، کسی سایہ میں بیٹھنا۔[۶] (۷) آئینہ دیکھنا، مسواک کرنا، دانت نکلوانا، ٹوٹے ہوئے ناخن کو الگ کرنا، بہ غیر خوش بو والا سرمہ لگانا، پھنسی پھوڑنا، زخم صاف کرنا، انجکشن لگوانا۔[۷] (۸) تکلیف دینے والے جانور، جیسے: سانپ، بچھو، کھٹمل، چیچڑی، مکھی وغیرہ کو مارنا۔[۸] (۹) ایسا تمباکو والا پان، جس میں الائچی، لونگ یا اور کوئی خوش بو کی چیز نہ ہو، کھانا۔[۹] (۱۰) ہاتھ یا پاؤں وغیرہ کے پھٹن میں تیل یا مرہم جس میں خوش بو نہ ہو لگانا۔[۱۰] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۲] ولو كان الطيب في طعام طبخ وتغير فلا شيء على المحرم في أكله سواء كان توجد رائحته أو لا، كذا في البدائع. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۴۱، كتاب المناسك، الباب الثامن في الجنايات، الفصل الأول فيما يجب بالتطيب والتدهن، ط: دار الفكر)

[۳] غنیۃ الناسک، ص: ۲۵۴، ط: یادگار شیخ، سہارن پور۔

[۴] ويجوز للمحرم أن يكتحل بما لا طيب فيه . . . ويختتن ويلبس الخاتم. (فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (م: ۸۶۱هـ): ۲/ ۴۴۴، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: دار الفكر)

[۵] ولا بأس بشد الهميان أو المنطقة للمحرم سواء كان في الهميان نفقته أو نفقة غيره، وسواء كان شد المنطقة بالإبريسم أو بالسيور هكذا في البدائع والسراج الوهاج. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۲۴، كتاب المناسك، الباب الرابع فيما يفعله المحرم بعد الإحرام، ط: دار الفكر)

[۶] ولا بأس بأن يستظل بالبيت والمحمل كذا في الكافي ولا بأس بأن يستظل بالفسطاط، كذا في فتاوى قاضي خان، وكذا لو دخل تحت ستر الكعبة حتى غطاه والستر لا يصيب رأسه ولا وجهه لا بأس به، فإن كان يصيب رأسه أو وجهه كره ذلك لمكان التغطية، كذا في المحيط. (المصدر السابق)

[۷] ولا بأس للمحرم أن يحتجم أو يفتصد أو يجبر الكسر أو يختتن، كذا في فتاوى قاضي خان. (المصدر السابق)

[۸] ولا شيء في قتل الكلب العقور والذئب والحدأة والغراب الأبقع وهو ما يأكل الجيف أما ما تأكل الزرع فهو صيد، ولا شيء في الحية والعقرب والفأرة والزنبور والنمل والسرطان والذباب والبق والبعوض والبرغوث والقراد والسلحفاة ولا شيء في هوام الأرض كالقنفذ والخنفساء، كذا في فتاوى قاضي خان وكذا الحلم والوازع وصياح الليل، كذا في السراج الوهاج والضبع والثعلب الذي لا يبتدئ بالأذى غالبا فله قتله ولا شيء عليه، كذا في غاية السروجي. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۵۲، كتاب المناسك، الباب التاسع في الصيد، ط: دار الفكر)

[۹] حاشیہ نمبر (۲) ملاحظہ فرمائیں۔

[۱۰] ونوع ليس بطيب بنفسه ولا فيه معنى الطيب، ولا يصير طيبا بوجه كالشحم فسواء أكل أو ادهن به أو جعل في شقاق الرجل لا تجب الكفارة. ـــــ ونوع ليس بطيب بنفسه لكنه أصل الطيب، يستعمل على وجه الطيب، ويستعمل على وجه الإدام كالزيت والشيرج، فيعتبر فيه الاستعمال، فإن استعمل استعمال الأدهان في البدن يعطى=

[۱۰] عمرہ کا احرام باندھنے والا سعی کے بعد کیا کرے؟

۱۶۸۷- سوال: جس شخص نے عمرہ کا احرام باندھا تھا، وہ صفا اور مروہ کی سعی کے بعد کیا کرے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صرف عمرہ یا حج تمتع کا احرام باندھنے والا صفا اور مروہ کی سعی سے جب فارغ ہو جائے، تو اس کے لیے پورے سر کے بال استرے یا ریزر سے منڈوانا، یا قینچی سے کتروانا واجب ہے، البتہ منڈوانا سنت ہے، گو کتروانا بھی جائز ہے، خیال رہے کہ یہ حکم مردوں کے لیے ہے۔(۱) عورتوں کے لیے قصر (کتروانا) ضروری ہے، ان کے لیے منڈوانا جائز نہیں ہے۔ حلق یا قصر کے بعد عمرہ مکمل ہو گیا اور حج تمتع کرنے والے کا بھی عمرہ مکمل ہو گیا، اب احرام کی پابندیاں ختم ہو گئیں۔(۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=له حكم الطيب، وإن استعمل في مأكول أو شقاق رجل لا يعطى له حكم الطيب كالشحم. (بدائع الصنائع: ۱۹۱/۲، كتاب الحج، فصل تطيب المحرم، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆الفتاوى الهندية: ۲۴۰/۱، كتاب المناسك، الباب الثامن في الجنايات، الفصل الأول فيما يجب بالتطيب والتدهن، ط: دار الفكر- بيروت)

(۱) عن نافع، أن عبد الله، قال: حلق رسول الله صلى الله عليه وسلم وحلق طائفة من أصحابه، وقصر بعضهم، قال عبد الله: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: رحم الله المحلقين، مرة أو مرتين، ثم قال: والمقصرين. (الصحيح لمسلم: ۴۲۰/۱، رقم الحديث: ۳۱۶-(۱۳۰۱)، كتاب الحج، باب تفضيل الحلق على التقصير وجواز التقصير، ط: ديوبند)

وأما مقدار الواجب، فأما الحلق فالأفضل حلق جميع الرأس؛ لقوله عز وجل {محلقين رءوسكم} [الفتح: ۲۷]، والرأس اسم للجميع. (بدائع الصنائع- الكاساني (م: ۵۸۷هـ): ۱۴۱/۲، كتاب الحج، فصل مقدار واجب الحلق والتقصير، ط: دار الكتب العلمية☆رد المحتار على الدر المختار: ۵۱۵/۲-۵۱۶، كتاب الحج، باب الإحرام وصفة المفرد، مطلب في رمي جمرة العقبة)

(۲) عن علي- رضي الله عنه- قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تحلق المرأة رأسها. ـــــ عن عائشة - رضي الله عنها- أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى أن تحلق المرأة رأسها. ـــــ والعمل على هذا عند أهل العلم لا يرون على المرأة حلقا، ويرون أن عليها التقصير. (سنن الترمذي: ۱۸۲/۱، رقم الحديث: ۹۱۴ و ۹۱۵، أبواب الحج، باب ما جاء في كراهية الحلق للنساء، ط: ديوبند)

ولا حلق على المرأة لما روي عن ابن عباس - رضي الله عنه - عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال: ليس على النساء حلق، وإنما عليهن تقصير، وروت عائشة - رضي الله عنها - أن النبي - صلى الله عليه وسلم - نهى المرأة أن تحلق رأسها، ولأن الحلق في النساء مثلة، ولهذا لم تفعله واحدة من نساء رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ولكنها تقصر. (بدائع الصنائع: ۱۴۱/۲، كتاب الحج، فصل في أحكام الحلق و التقصير، ط: دار الكتب العلمية☆غنية الناسك في بغية المناسك- محمد حسن شاه المهاجر المكي، ص: ۲۲۵، فصل في الحلق و القصر، ط: مکتبہ یادگار شیخ- سہارن پور☆رد المحتار على الدر المختار: ۵۱۵/۲، كتاب الحج، باب الإحرام وصفة المفرد، مطلب في رمي جمرة العقبة)

[۱۱] حج میں پہنے ہوئے احرام کے کپڑے کا استعمال

۱۶۸۸-سوال: محترم المقام حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

بعد سلام مسنون! کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اِس مسئلے میں کہ میرے والد صاحب حج کو گئے تھے، وہاں سے احرام لے کر آئے ہیں، تو احرام کے اس کپڑے کا خود ان کے لیے استعمال کرنا یا اُس میں سے بچوں کے کپڑے بنانا جائز ہے یا نہیں؟ یا کسی غریب و مسکین کو صدقہ کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

احرام کا کپڑا خود حاجی استعمال کرے، یا بچوں کے لیے کپڑے بنوائے، یا صدقہ کرے، تینوں جائز ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۲] بہ حالتِ احرام عورتوں کے لیے چہرہ کھلا رکھنے کی حکمت

۱۶۸۹-سوال: دین اِسلام میں عورتوں کے لیے پردے کا حکم تاکیدی ہے، جب کہ حج اور عمرہ کے دوران عورتوں کے لیے چہرہ کھلا رکھنے کا حکم ہے، علاوہ ازیں بعض عورتیں مدینہ منوّرہ میں بھی بے پردہ ہوتی ہیں، تو اُس کی حکمت کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''عورتوں کا احرام اُن کا چہرہ ہے''۔[۲] یعنی بہ حالتِ احرام

---

(۱) چوں کہ احرام کا کپڑا ان کی ملکیت ہے، اور آدمی اپنی ملکیت میں ہر جائز تصرف کا مجاز ہے:

لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (رد المحتار على الدر المختار: ۵/۵۱، باب البيع الفاسد، مطلب في تعريف المال، ط: دار الفكر)

والحاصل أن القياس في جنس هذه المسائل أن يفعل المالك ما بدا له مطلقا لأنه متصرف في خالص ملكه. (المصدر السابق: ۵/۴۴۸، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي، ط: مسائل متفرقة، مطلب اقتسموا دارا وأراد كل منهم فتح باب لهم ذلك، ط: دار الفكر ☆ فتح القدير: ۷/۳۲۶، كتاب أدب القاضي، باب التحكيم، مسائل شتى من كتاب القضاء، ط: دار الفكر)

(۲) عن ابن عمر، أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: إحرام المرأة في وجهها وإحرام الرجل في رأسه. (سنن الدارقطني - أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود بن النعمان بن دينار البغدادي الدارقطني (م: ۳۸۵ھ): ۳/ ۳۶۳، رقم =

عورتوں کو اپنا چہرہ کھلا رکھنا ضروری ہے، تمام احکام کی اصل حکمت صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے، حاجی یا معتمر اللہ تعالیٰ کا عاشق بندہ ہوتا ہے، لہٰذا اُس میں اُن کا امتحان ہے کہ بندہ اللہ کے عشق میں مخلوق سے بے پرواہ ہوتا ہے یا نہیں؟(۲) البتہ حج کے بعد عمومی احوال میں عورتوں کا بے پردہ رہنا سخت گناہ کا کام ہے۔(۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] احرام باندھنے کے بعد محرم کا خوشبودار شربت پینا

۱۶۹۰- سوال: بمبئی سے ہوائی جہاز میں سوار ہونے کے بعد احرام کی حالت میں ہوائی جہاز میں شربت پیش کیا جاتا ہے، جس میں ایسنس [☆☆☆] کی خوش بو ہوتی ہے؛ اِس لیے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ احرام پہننے کے بعد خوش بودار چیز کا کھانا یا پینا جائز نہیں ہے، لہٰذا وہ نہیں پیتے، جب کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شربت میں کوئی حرج نہیں ہے، اور وہ لوگ پی لیتے ہیں، اِس کے متعلق حکمِ شرعی کیا ہے؟

=الحديث:۲۷۶۱، كتا الحج، باب المواقيت، ت: شعيب الارنؤوط، و جماعة من العلماء، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت - لبنان☆ السنن الكبرى- أبو بكر البيهقي (م:۴۵۸هـ):۵/۴۷، رقم الحديث:۹۰۴۸، روي موقوفا، كتاب الحج، باب المرأة لا تنتقب في إحرامها ولا تلبس القفازين، ت: محمد عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆معرفة السنن والآثار للبيهقي:۷/۱۳۹، رقم الحديث:۹۵۸۶، كتاب المناسك، باب تلبية المرأة وإحرامها، روى موقوفا على ابن عمر، ت: عبد المعطي أمين قلعجي، ط: جامعة الدراسات الإسلامية، كراتشي- باكستان)

(۲) السابعة: نهي المرأة عن التنقب والقفازين يدل على أن حكم إحرام المرأة يتعلق بوجهها وكفيها. والسر في ذلك، وفي تحريم المخيط وغيره مما ذكر - والله أعلم - مخالفة العادة، والخروج من المألوف لإشعار النفس بأمرين:ــــــ أحدهما: الخروج عن الدنيا، والتذكر للبس الأكفان عند نزع المخيط.ــــــ والثاني: تنبيه النفس على التلبس بهذه العبادة العظيمة بالخروج عن معتادها وذلك موجب للإقبال عليها، والمحافظة على قوانينها وأركانها، وشروطها وآدابها. والله أعلم. (إحكام الإحكام شرح عمدة الأحكام-ابن دقيق العيد (م:۷۰۲هـ):۲/۵۲، رقم الحديث:۲۱۴، كتاب الحج، باب ما يلبس المحرم من الثياب، مسئلة إحرام المرأة، ط: مطبعة السنة المحمدية)

(۳) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: صنفان من أهل النار لم أرهما، قوم معهم سياط كأذناب البقر يضربون بها الناس، ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات، رءوسهن كأسنمة البخت المائلة، لا يدخلن الجنة، ولا يجدن ريحها، وإن ريحها ليوجد من مسيرة كذا وكذا. (الصحيح لمسلم:۲/۲۰۵، كتاب اللباس والزينة، باب النساء الكاسيات العاريات المائلات المميلات، ط: ديوبند)

(☆☆☆) Essence، ایک قسم کی خوش بو، جسے شربت وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں، اور پرفیوم میں بھی ڈالتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیا:

شربت اور اُس کے علاوہ دیگر مشروبات کا پینا حالتِ احرام میں جائز ہے، البتہ خوش بودار چیز پکائے بغیر کھانا مکروہ ہے، مثلاً الائچی، تج یا لونگ وغیرہ کچے کھانا مکروہ ہے، لیکن اگر اِن چیزوں کو ڈال کر کوئی چیز پکائی گئی ہے، تو اُس کو کھانا جائز ہے۔ (معلم الحجاج، ص: ۱۲۸ تا ۱۳۰)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] دسویں ذی الحجہ کو مناسک کی ادائیگی کے بعد بیوی کے ساتھ جماع کب درست ہے؟

۱۶۹۱- سوال: دسویں ذی الحجہ کو قربانی کے بعد حلق اور غسل کر کے مکہ پہنچ کر طوافِ زیارت کرلیا، تو اب بیوی کے ساتھ جماع کے لیے دوبارہ غسل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

دسویں ذی الحجہ کو طوافِ زیارت کے بعد بیوی کے ساتھ جماع حلال ہے، طواف کے بعد غسل کرنا ضروری نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] احرام کی چادر دھونے کا حکم

۱۶۹۲- سوال: قارن اور مفرد کے کئی دنوں تک احرام میں رہنے کی وجہ سے ان کے احرام کی لنگی اور چادر گندی اور میلی ہو جاتی ہے، اور بسا اوقات بدن کے پسینہ کی بدبو آنے لگتی ہے، دریافت یہ کرنا ہے

---

[۱] ولو كان الطيب في طعام طبخ وتغير، فلا شيء على المحرم في أكله، سواء كان يوجد ريحه أو لا؛ لأن الطيب صار مستهلكا في الطعام بالطبخ، وإن كان لم يطبخ يكره إذا كان ريحه يوجد منه ولا شيء عليه، لأن الطعام غالب عليه، فكان الطيب مغمورا مستهلكا فيه، وإن أكل عين الطيب غير مخلوط بالطعام فعليه الدم إذا كان كثيرا. (بدائع الصنائع: ۱۹۱/۲، كتاب الحج، فصل تطيب المحرم، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ معلم الحجاج، ص: ۱۱۴، مکروہات احرام، ط: دار الکتاب - دیوبند)

[۲] ولو جامع بعد ما طاف طواف الزيارة كله أو أكثره، فلا شيء عليه لأنه قد حل له النساء فلم يبق له الإحرام رأسا إلا إذا طاف طواف الزيارة قبل الحلق والتقصير، فعليه شاتان لبقاء الإحرام لهما جميعا. (بدائع الصنائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷ھ): ۲۱۹/۲، كتاب الحج، فصل بيان ما يفسد الحج، ط: دار الكتب العلمية ☆ المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۱۱۹/۴، كتاب المناسك، باب الجماع للمحرم، ط: دار المعرفة - بيروت)

کہ قارن اور مفرد غسل کر کے چادر دھو سکتا ہے یا نہیں؟ نیز احرام کی چادر کو بدل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میلے کپڑے دھونا جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں؛ البتہ میل دور کرنے کی نیت ہونی چاہیے، محرم کے لیے غسل کرنا جائز ہے؛ البتہ صابن لگانا اور میل دور کرنے کے لیے بدن کو ملنا مکروہ ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] ستر کھل جانے کے اندیشہ سے احرام کی لنگی کا منہ جوڑ لینا

۱۶۹۳- سوال: اگر ستر کھل جانے کا اندیشہ ہو، تو قارن اور مفرد دوسری لنگیوں کی طرح سل کر احرام کی لنگی پہن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کشف عورت (ستر کھلنے) کا واقعی اندیشہ ہو، تو احرام کی لنگی کو سل کر پہننے کی گنجائش ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (وغسل الثوب) أي للطهارة أو النظافة، لا لقصد قتل القمل و الزينة. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع إرشاد الساري، ص:۱۷۲، فصل في مباحاته)

(ويجوز له) أي للمحرم (الاغتسال ودخول الحمام) بحيث لا يزيل الوسخ. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ 'داماد أفندي' (م:۱۰۷۸ھ): ۱/۲۶۹، كتاب الحج، فصل بيان الإحرام، ط: دار إحياء التراث العربي)

[و من مكروهات الإحرام] ... إزالة التفث) أي الوسخ و الدرن ... (و غسل الرأس و اللحية والجسد) أي سائر البدن (بالسدر و نحوه) كالأشنان و الدلوك و الصابون. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع إرشاد الساري، ص:۱۶۹، باب الإحرام، فصل في مكروهات الإحرام ☆ الهداية: ۱/۱۳۶، كتاب الحج، باب الإحرام، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۴۹۰، كتاب الحج، فصل في الإحرام، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) (قوله والبس إزارا ورداء جديدين أو غسيلين)؛ لأنه - عليه السلام - لبسهما هو وأصحابه كما رواه مسلم ولأنه ممنوع عن لبس المخيط ولا بد من ستر العورة ودفع الحر والبرد، وذلك فيما عيناه والإزار من السرة إلى ما تحت الركبة يذكر ويؤنث كما في ضياء العلوم، والرداء على الظهر والكتفين والصدر ويشده فوق السرة، وإن غرز طرفيه في إزاره فلا بأس به ولو خلله بخلال أو مسلة أو شده على نفسه بحبل أساء ولا شيء عليه. (البحر الرائق =

[۱۷] احرام کی چادر کے دونوں کناروں کو سی کر تہبند کی طرح بنالینا

۱۶۹۴- سوال: احرام کی وہ چادر، جس کو ہم تہبند کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اس کے دونوں کناروں کو سلوالیا جائے، تو کیا احرام کی حالت میں اس کو پہن سکتے ہیں؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

تہبند کے دونوں کنارے سل کر تہبند جیسی شکل بنالینا جائز ہے؛ لیکن احرام کی چادر کو بغیر سلے پہننا افضل ہے۔(۱)

اس سلسلے میں اصل یہ ہے کہ ہر وہ کپڑا، جس کو سلنے کی وجہ سے بدن کے موافق ہوجائے، اس کو پہننا جائز نہیں ہے۔(۲) چوں کہ تہبند کو سلنے سے وہ بدن کی ہیئت کے مطابق نہیں ہوتا ہے؛ لہٰذا اس کا پہننا ممنوع نہیں ہوگا؛(۳) لیکن افضل طریقہ چادر کو کھلا چھوڑ دینا ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=شرح كنز الدقائق-ابن نجيم المصري (م:۹۷۰هـ):۳۴۵/۲، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الفتاوى الهندية:۲۲۲/۱، كتاب المناسك، الباب الثالث في الإحرام، ط: دار الفكر ☆ بدائع الصنائع:۱۸۵/۲، كتاب الحج، فصل في محظورات الإحرام، ط: دار الكتب العلمية)

مفتی محمد سعید مظاہریؒ لکھتے ہیں:

تہبند کے دونوں پلوں کو آگے سے سینا مکروہ ہے، اگر کسی نے ستر عورت کی حفاظت کی وجہ سے سی لیا، تو دم واجب نہ ہوگا۔ (معلم الحجاج، ص: ۱۱۴، مکروہات احرام، ط: دار الکتاب- دیوبند)

(۱) سوال سابق کی تخریج ملاحظہ کریں۔

(۲) (ولبس قميص وسراويل) أي كل معمول على قدر بدن أو بعضه كزردية وبرنس. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله أي كل معمول إلخ) أشار به إلى أن المراد المنع عن لبس المخيط وإنما خص المذكورات لذكرها في الحديث، وفي البحر عن مناسك ابن أمير حاج الحلبي: أن ضابطه لبس كل شيء معمول على قدر البدن أو بعضه بحيث يحيط به بخياطة أو تلزيق بعضه ببعض أو غيرهما ويستمسك عليه بنفس لبس مثله إلا المكعب. اهـ. قلت: فخرج ما خيط بعضه ببعض لا بحيث يحيط بالبدن مثل المرقعة فلا بأس بلبسه. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۸۹/۲، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد، مطلب فيما يحرم بالإحرام وما لا يحرم، ط: دار الفكر)

وحقيقة لبس المخيط أن يحصل بواسطة الخياطة اشتمال على البدن واستمساك. (البحر الرائق: ۷/۳، كتاب الحج، باب الجنايات، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۳) احرام کے تہبند کے دونوں کناروں کو سل دیا جائے، تو وہ ان کپڑوں میں شامل ہوجاتا ہے، جن کو پہننے کی محرم کو ممانعت ہے، یہ=

[۱۸] محرم کا بہ وجہ عذر کان اور آنکھ پر کپڑے کی پٹی باندھنا

۱۶۹۵-سوال: اگر کوئی محرم بیمار یا معذور ہو اور طبیعت کی خرابی کی وجہ سے صرف کان یا آنکھ پر دوڈھائی انچ کی کپڑے کی پٹی باندھنا چاہے تو باندھ سکتا ہے یا نہیں؟ آنکھ پر اس لیے پٹی باندھنے کی ضرورت یوں ہے کہ جب تک آنکھ پر پٹی نہیں باندھتا ہے، اس وقت تک اسے نیند نہیں آتی۔

الجواب حامداومصلیا:

بہ حالت مجبوری آنکھوں پر پٹی باندھنا جائز ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= دوسری بات ہے کہ اگر کوئی اس کے باوجود پہن لے، تو اس پر دم واجب نہیں ہوگا، حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں:

فقہاء نے اس سلسلے میں ایک مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص چادر کو تہہ بند بنالے، تو اس کے دونوں کھلے ہوئے کناروں کو رسی یا کسی اور چیز سے گرہ لگانا اور باندھنا نہیں چاہیے، لیکن ایسا کر ہی لے، تو اس کی وجہ سے دم یا صدقہ واجب نہیں، چناں چہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں:

بخلاف الرداء، فإنه إذا اتزر به لا ينبغي أن يعقده بحبل أو غيره، ومع هذا لو فعل لا شيء عليه، لأنه لم يلبسه لبس المخيط لعدم الاشتمال. (البحر الرائق: ۳/۷، کتاب الحج، باب الجنايات، ط: دار الكتاب الإسلامي) [کتاب الفتاویٰ: ۴/۱۳۱، ط: نعیمیہ-دیوبند]

حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاج پوریؒ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

ستر کھلنے کا اندیشہ ہو، تو احرام کی چادر سی لینے کی گنجائش ہے، بلا ضرورت سینا مکروہ ہے، غنیۃ الناسک میں ہے:

"وعقد الازار والرداء بأن يربط طرف أحدهما بطرفه الآخر" أن يخلله بخلال أو يشده بحبل ونحوه. (غنية الناسك، ص: ۷۴، فصل في مكروهات الإحرام ومحظوراته التي لا جزاء فيها سوى الكراهة)　[فتاویٰ رحیمیہ: ۸/۷۵، کتاب الحج، مسئلہ نمبر: ۲/۷۲، احرام کی چادر لنگی کی طرح سینا، ط: دار الاشاعت، کراچی]

(۱) (قال) ولا تغط رأسك، ولا وجهك، وعلى قول الشافعي - رحمه الله تعالى - لا بأس للرجل أن يغطي وجهه، ولا يغطي رأسه، والمرأة تغطي رأسها لا وجهها، واستدل بقوله - صلى الله عليه وسلم - إحرام الرجل في رأسه وإحرام المرأة في وجهها. ـــــــــ (ولنا) حديث الأعرابي حين وقصت به ناقته في أخافيق جرزان، وهو محرم فقال - صلى الله عليه وسلم - لا تخمروا رأسه ووجهه، وفي هذا تنصيص على أن المحرم لا يغطي رأسه ووجهه، ورخص رسول الله - صلى الله عليه وسلم - لعثمان - رضي الله عنه - حين اشتكت عينه في حال الإحرام أن يغطي وجهه، فتخصيصه حالة الضرورة بالرخصة دليل على أن المحرم منهي عن تغطية الوجه. (المبسوط-محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۴/۷، كتاب المناسك، ط: دار المعرفة-بيروت)

[۱۹] حالت احرام میں انڈر ویئر کا استعمال

۱۶۹۶- سوال: ایک شخص کو گولی کی شکایت (انتفاخ الخصیتین) ہے، جس کی بنا پر وہ چڈی (Under Wear) پہننے پر مجبور ہے، ورنہ مرض کی زیادتی کا قوی اندیشہ ہے

اب سوال یہ ہے کہ یہ شخص حالتِ احرام میں چڈی کا استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟ جیسے پاسپورٹ اور پیسہ وغیرہ کی حفاظت کے خاطر ہمیانی کا استعمال کر سکتے ہیں۔ ایسے ہی حفظانِ صحت اور ازدیادِ مرض سے بچنے کی خاطر چڈی کے استعمال کی گنجائش ہے یا نہیں؟ فقہاء کی عبارت کی روشنی میں لکھیں۔

الجواب حامدا ومصليا

جناب والا کا قیاس اور دیگر مسائل کے مطالعہ کے بعد احقر کی رائے یہ ہے کہ وہ شخص، جس کو انتفاخ الخصیتین کا مرض ہو، اور چڈی استعمال نہ کرنے کی صورت میں ازدیادِ مرض کا اندیشہ ہو، وہ چڈی کے بجائے لنگوٹ کا استعمال کرے، کہ اس میں ضرورت بھی پوری ہوجائے گی اور سلے ہوئے کپڑے کا پہننا بھی لازم نہیں آئے گا، جس کے استعمال کی حالت احرام میں اجازت نہیں ہے۔

اس مسئلے [چڈی پہننا] کی صریح عبارت کا ملنا مشکل ہے، تاہم اس کی ایک نظیر زبدۃ المناسک صفحہ ۸۵، ۸۶ کا ایک مسئلہ ہے کہ ”مرد سردی کی وجہ سے اگر ہاتھ پر چھوٹا رومال، یا بڑا رومال لپیٹ لے، تو جائز ہے، مگر اس کے لیے دستانہ، چمڑے، روئی یا سوتی کے موزے کا پہننا ممنوع ہے۔“[۱]

اس لیے چڈی کے بجائے لنگوٹ کا استعمال کیا جائے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] عمرہ یا حج کے احرام سے نکلنے کا طریقہ

۱۶۹۷- سوال: حج اور عمرہ سے حلال ہونے کا طریقہ کیا ہے؟

---

(۱) مرد کو اپنے ہاتھوں میں دستانہ، مخیط چرمی، خواہ کپڑے کے، ہاتھوں کی وضع پر بنے ہوئے، پہننا بھی حرام ہے، مگر کپڑے سے، جیسا رومال وغیرہ، لپیٹ لے، یا ڈھانک لے، تو مباح ہے۔ (زبدۃ المناسک، مع عمدۃ المناسک: ۱/ ۸۵-۸۶، الجمعیۃ پریس، دہلی)

(۲) وحقيقة لبس المخيط أن يحصل بواسطة الخياطة اشتمال على البدن واستمساك. (البحر الرائق: ۳/ ۷، كتاب الحج، باب الجنايات، ط: دار الكتاب الإسلامي)

الجواب حامداومصلیا:

بیت اللہ کا طواف، صفاومروہ کی سعی کی ادائیگی کے بعد حلق یا قصر کرانے سے عمرہ کرنے والا حلال ہوجائے گا۔ [1]

حج کا احرام باندھنے والا حج کے ارکان ادا کرنے کے بعد دسویں ذی الحجہ کے دن جمرہ عقبیٰ کی رمی اور اگر متمتع یا قارن ہو، تو ذبح کرکے حلق یا قصر کرانے سے حلال ہوجائے گا۔ [2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) فإذا فرغ من السعي، فإن كان محرما بالعمرة، ولم يسق الهدي يحلق أو يقصر فيحل؛ لأن أفعال العمرة هي الطواف والسعي فإذا أتى بهما لم يبق عليه شيء من أفعال العمرة فيحتاج إلى الخروج منها بالتحلل، وذلك بالحلق أو التقصير كالتسليم في باب الصلاة، . . . فإذا حلق أو قصر حل له جميع محظورات الإحرام. (بدائع الصنائع: ۲/۱۴۹، كتاب الحج، فصل في بيان سنن الحج وبيان الترتيب، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۴۷۲، كتاب الحج، مطلب في أحكام العمرة، ط: دار الفكر- بيروت)

(۲) فإذا فرغ من هذا الرمي لا يقف، وينصرف إلى رحله، فإن كان منفردا بالحج يحلق أو يقصر، والحلق أفضل . . . ولا ذبح عليه، وإن كان قارنا أو متمتعا يجب عليه أن يذبح ويحلق ويقدم الذبح على الحلق لقوله تعالى: {ويذكروا اسم الله في أيام معلومات على ما رزقهم من بهيمة الأنعام فكلوا منها وأطعموا البائس الفقير} [الحج:28] {ثم ليقضوا تفثهم} [الحج:29] رتب قضاء التفث، وهو الحلق على الذبح. ـــــــــ وروي عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال: أول نسكنا في يومنا هذا الرمي ثم الذبح ثم الحلق. ـــــــــ وروي عنه - صلى الله عليه وسلم - أنه رمى ثم ذبح ثم دعا بالحلاق. . . . ـــــــــ فإذا حلق الحاج أو قصر حل له كل شيء حظر عليه الإحرام إلا النساء عند عامة العلماء. . . .

فإذا طاف طواف الزيارة كله أو أكثره حل له النساء أيضا؛ لأنه قد خرج من العبادة، وما بقي عليه شيء من أركانها، والأصل أن في الحج إحلالين: الإحلال الأول بالحلق أو بالتقصير ويحل به كل شيء إلا النساء، والإحلال الثاني بطواف الزيارة، ويحل به النساء أيضا. (بدائع الصنائع: ۲/۱۵۸، كتاب الحج، فصل في بيان سنن الحج وبيان الترتيب، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ المبسوط للسرخسي: ۴/۶۴، كتاب المناسك، باب رمي الجمار، ط: دار المعرفة- بيروت)

عن ابن عباس قال: الطواف بالبيت صلاة، ولكن الله أحل فيه المنطق، فمن نطق فلا ينطق إلا بخير. (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار المعروف بـ'مصنف ابن أبي شيبة'-أبو بكر بن أبي شيبة (م:۲۳۵ھ): ۳/۱۳۷، رقم الحديث:۱۲۸۰۸، كتاب الحج، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد-الرياض)

عن أبي سعيد، أنه كان يأمر بنيه إذا طافوا أن لا يلغوا في طوافهم، ولا يعصوا خلسة، ولا يكلموا أحدا حتى يقضوا طوافهم إن استطاعوا. (المصدر السابق، رقم الحديث:۱۲۸۰۹)

باب الطواف والسعي والحلق والقصر

[طواف، سعی اور حلق وقصر کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب الطواف والسعي والحلق والقصر

[طواف، سعی اور حلق وقصر کا بیان]

[۱] طواف کا معنی اور اس کے لیے نیت کا شرط ہونا

۱۶۹۸- سوال: طواف کسے کہتے ہیں، طواف کے لیے نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں، اور نیت کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب حامدا ومصليا:

طواف کے معنی کسی چیز کے گرد گھومنا ہے، نیت کر کے بیت اللہ کے گرد سات چکر لگانے کو طواف کہا جاتا ہے، ایک چکر کو ''شوط'' کہا جاتا ہے۔[۱]

طواف کے لیے نیت فرض ہے، بہ غیر نیت کے جس قدر بھی چکر لگائے جائیں، وہ طواف نہ ہوگا۔[۲]

(۱) الطواف: هو الدوران حول الكعبة أربعة أشواط أو أكثر إلى تمام السبعة كيف ما حصل. (غنية الناسك في بغية المناسك- محمد حسن شاه المهاجر المكي، ص:۳۹، باب في ماهية الطواف وأنواعه وأركانه وشرائطه وسائر أحكامه، ط: یادگار شیخ، سہارن پور)

(۲) وأما شرطه وواجباته فشرطه النية، وهو أصل النية دون التعيين حتى لو لم ينو أصلا بأن طاف هاربا من سبع أو طالبا لغريم لم يجز. (بدائع الصنائع: ۱۲۸/۲، كتاب الحج، فصل شرط وواجبات طواف الزيارة، ط: دار الكتب العلمية☆ الجوهرة النيرة- أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبِيدِيّ اليمني الحنفي (م: ۸۰۰ھ): ۱۵۹/۱، كتاب الحج، ط: المطبعة الخيرية☆ رد المحتار على الدر المختار: ۴۳۸/۱، كتاب الصلاة، فروع في النية، ط: دار الفكر- بيروت)

طواف کی نیت کرتے ہوئے اس طرح کہے: اے اللہ! میں طواف کرتا ہوں، تو اس کو میرے لیے آسان فرما اور قبول فرما۔ (☆☆) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] استلام کا مطلب اور اس کا طریقہ

۱۶۹۹- سوال: استلام کسے کہتے ہیں، اور اس کا طریقہ کیا ہے۔؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

استلام کا معنیٰ حجر اسود کو بوسہ دینا، یا ہاتھ سے چھونا ہے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ حجر اسود پر اس طرح رکھے، جیسے سجدے میں زمین پر رکھتے ہیں، پھر اپنا منہ اپنی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھ کر ادب کے ساتھ بوسہ دے، اگر ہجوم کی وجہ سے بوسہ نہ دے سکے، تو اپنی ہتھیلی حجر اسود کو مس کرے اور اس ہتھیلی کو بوسہ دے، اگر بھیڑ کی وجہ سے ہاتھ لگانا بھی ممکن نہ ہو، تو حجر اسود کے سامنے دونوں ہاتھ کندھوں یا کانوں کے برابر اٹھا کر یہ خیال کرے کہ میں ان ہاتھوں کو حجر اسود پر رکھ رہا ہوں، پھر دونوں ہتھیلیوں کو بوسہ دے دے۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] اضطباع اور رمل کا مطلب اور ان کا وقت

۱۷۰۰- سوال: اضطباع اور رمل کا کیا مطلب ہے؟

(☆☆) لأن النية عمل القلب لا عمل اللسان لكن يستحب أن يقول بلسانه ما نوى بقلبه فيقول: اللهم إني أريد كذا فيسره لي، وتقبله مني لما ذكرنا في بيان سنن الحج. (بدائع الصنائع: ۲/۱۶۱، كتاب الحج، فصل بيان ما يصير به محرما، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۱) والاستلام أن يضع يديه على الحجر الأسود ويقبله لفعله - عليه السلام - الثابت في الصحيحين وإن لم يقدر وضع يديه وقبلهما أو إحداهما فإن لم يقدر أمس الحجر شيئا كالعرجون ونحوه، وقبله لرواية مسلم وإن عجز عن ذلك للزحمة استقبله ورفع يديه حذاء أذنيه، وجعل باطنهما نحو الحجر مشيرا بهما إليه وظاهرهما نحو وجهه هكذا المأثور... وقول القوام الكاكي الأولى أن لا يسجد عندنا ضعيف، وهذا التقبيل المسنون إنما يكون بوضع الشفتين من غير تصويت كما ذكره الحلبي في مناسكه. (البحر الرائق: ۲/۳۵۱، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: دار الكتب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۹۳، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد، مطلب في دخول مكة، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۲۲۵، كتاب المناسك، الباب الخامس في كيفية أداء الحج، ط: دار الفكر- بيروت)

یہ دونوں عمل کب کیے جاتے ہیں، اور کون لوگ کریں گے؟

الجواب حامداومصلیا:

"اضطباع" کہتے ہیں: دائیں بغل سے چادر نکال کر بائیں کندھے پر ڈالنا، اور "رمل" یہ ہے کہ: کندھے ہلا کر اس طرح چلنا، جیسے پہلوان اکھاڑے میں چلتا ہے۔

یہ دونوں عمل اس طواف میں کیے جاتے ہیں، جس کے بعد سعی کرنی ہے۔

رمل صرف طواف کے پہلے تین چکروں میں ہی سنت ہے۔ (۱)

یہ دونوں کام مردوں کے لیے سنت ہیں، عورتوں کے لیے نہیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] معذور شخص رمل ترک کرسکتا ہے؟

۱۷۰۱- سوال: ایک شخص کم زور اور بیمار ہے، رمل کرنے کی استطاعت نہیں ہے، تو کیا اس کے

(۱-۲) عن ابن يعلى، عن يعلى، قال: طاف النبي صلى الله عليه وسلم مضطبعا ببرد أخضر. (سنن أبي داود: ۱/۲۵۹، رقم الحديث: ۱۸۸۳، كتاب المناسك، باب الاضطباع في الطواف، ط: ديوبند)

عن ابن عباس، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه اعتمروا من الجعرانة فرملوا بالبيت وجعلوا أرديتهم تحت آباطهم قد قذفوها على عواتقهم اليسرى. (المصدر السابق، رقم الحديث: ۱۸۸۴)

عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما، قال: رمل رسول الله صلى الله عليه وسلم من الحجر إلى الحجر ثلاثا، ومشى أربعا. (الصحيح لمسلم: ۱/۴۱۱، رقم الحديث: ۲۳۳ - (۱۲۶۲)، كتاب الحج، باب استحباب الرمل في الطواف والعمرة، وفي الطواف الأول في الحج، ط: ديوبند)

(قال) يرمل في الثلاثة الأول في كل شوط منها من الحجر الأسود إلى الحجر الأسود فالحاصل أن كل طواف بعده سعي فالرمل في الثلاثة الأول منها سنة، وكل طواف ليس بعده سعي فلا رمل فيه، والرمل هو الاضطباع، وهز الكتفين، وهو أن يدخل أحد جانبي ردائه تحت إبطه، ويلقيه على المنكب الآخر، ويهز الكتفين في مشيه كالمبارز الذي يتبختر بين الصفين. (المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۴/۱۰، أول كتاب المناسك، ط: دار المعرفة - بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۲/۱۴۷، كتاب الحج، فصل بيان سنن الحج وبيان الترتيب في أفعاله، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/۱۳۸، كتاب الحج، باب الإحرام، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت ☆ البحر الرائق- ابن نجيم المصري: (م: ۹۷۰هـ): ۲/۵۸۷، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: زكريا- ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۲۲۶، كتاب المناسك، الباب الخامس في كيفية أداء الحج، ط: دار الفكر- بيروت)

حج میں کوئی نقص تو پیدا نہیں ہوگا؟

الجواب حامداومصلیا:

اگر کوئی شخص کم زوری یا بیماری کی وجہ سے رمل نہ کرسکے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔(☆☆) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] طواف کی اقسام اور چند اصطلاحی الفاظ کی وضاحت

۱۷۰۲- سوال: حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم!

حج کی سعادت سے بہرہ ور ہونے کا موقع مل رہا ہے، اس موقع سے تربیتی کیمپ میں شرکت کا موقع ملا، جہاں بعض اصطلاحی الفاظ سننے کو ملے، لیکن اس کی حقیقت سمجھ میں نہیں آئی، آپ سے درخواست ہے کہ ان کی حقیقت واضح فرمادیں:

طواف، مطاف اور شوط کسے کہتے ہیں اور طواف کی کتنی اقسام ہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

طواف کے معنی کسی چیز کے گرد گھومنا ہے، نیت کرکے بیت اللہ کے گرد سات چکر لگانے کو طواف کہا جاتا ہے۔ طواف کرنے کی جگہ کو مطاف کہا جاتا ہے۔ بیت اللہ کا ایک چکر ایک ''شوط'' کہلاتا ہے۔[1]

(☆☆) ولو رمل في الكل لا شيء عليه، ويكره تنزيها لترك سنة المشي، وكذا لو مشى في الكل إلا إذا تعذر لمرض أو تعسر لكبر أو غيره. (غنية الناسك في بغية المناسك، ص: ۱۳۲، فصل في الأخذ في الطواف وكيفية أدائه، ط: مكتبه يادگار شيخ، سهارن پور)

(۱) الطواف لغة: الدوران حول الشيء، يقال: طاف حول الكعبة وبها يطوف طوفا وطوفانا بفتحتين، والمطاف: موضع الطواف. ـــــــ وتطوف وطوف: بمعنى طاف، ومنه قوله تعالى: {إن الصفا والمروة من شعائر الله فمن حج البيت أو اعتمر فلا جناح عليه أن يطوف بهما}. ـــــــ وفي الاصطلاح: الطواف: هو الدوران حول البيت الحرام. (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۲۹/ ۱۲۰، مادة: طواف، صادر عن: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية- الكويت)

الطواف: هو الدوران حول الكعبة أربعة أشواط أو أكثر إلى تمام السبعة كيف ما حصل. (غنية الناسك في بغية المناسك- محمد حسن شاه المهاجر المكي، ص: ۱۳۹، باب في ماهية الطواف وأنواعه وأركانه وشرائطه وسائر أحكامه، ط: يادگار شيخ)

شوط: شوط الشيء: لغة في شيطه. والشوط: الجري مرة إلى غاية، والجمع أشواط، ... شاط يشوط شوطا إذا عدا شوطا إلى غاية، وقد عدا شوطا أي طلقا. ابن الأعرابي: شوط الرجل إذا طال سفره. ... وفي حديث الطواف: رمل ثلاثة أشواط، هي جمع شوط، والمراد به المرة الواحدة من الطواف حول البيت، وهو في الأصل مسافة من=

طواف کی درج ذیل سات قسمیں ہیں:[۲]

(۱) طواف قدوم: آفاقی کا حج کا احرام باندھ کر مسجد حرام میں آکر طواف کرنا ''طواف قدوم'' کہلاتا ہے، یہ طواف سنت ہے۔[۳] (۲) طواف زیارت: یہ حج کا رکن ہے، اس کا وقت دسویں ذی الحجہ سے بارہویں ذی الحجہ تک ہے۔[۴] (۳) طواف وداع: جب بیت اللہ سے رخصت ہو کر اپنے وطن واپس آتے ہیں، اس وقت یہ طواف کیا جاتا ہے، یہ طواف واجب ہے، البتہ حیض والی عورت پر یہ طواف واجب نہیں ہے، وہ صرف باہر سے بیت اللہ کی زیارت کر لے۔[۵] (۴) طواف عمرہ: یہ وہ طواف ہے، جو عمرہ کا احرام

=الأرض يعدوها الفرس كالميدان ونحوه.(لسان العرب- محمد بن مكرم بن على، أبو الفضل، جمال الدين ابن منظور الأنصاري الرويفعى الإفريقى (م:۷۱۱ھ):۷/۳۳۷، حرف الطاء المهملة، فصل الشين المعجمة، ط: دار صادر- بيروت)

[۲] أنواع الطواف: ــــــ يتنوع الطواف بحسب سبب مشروعيته إلى سبعة أنواع، وهي:

طواف القدوم، طواف الزيارة، طواف الوداع، طواف العمرة، طواف النذر، طواف تحية المسجد الحرام، طواف التطوع. كذا عدها الحنفية والمالكية والحنابلة. (لباب المناسك للسندي وشرحه للقاري "المسلك المتقسط شرح المنسك المتوسط" مطبعة مصطفى محمد ص:۹۶-۹۷، بحوالہ: الموسوعة الفقهية الكويتية:۲۹/۱۲۱، مادہ: طواف، صادر عن: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية- الكويت)

[۳] (وطاف بالبيت طواف القدوم ويسن) هذا الطواف (للآفاقي) لأنه القادم. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله طواف القدوم) يسمى أيضا طواف التحية، وطواف اللقاء، وطواف أول عهد بالبيت، وطواف إحداث العهد بالبيت، وطواف الوارد والورود، شرح اللباب.

ويقع هذا الطواف للقدوم من المفرد بالحج وإن لم ينو كونه للقدوم أو نوى غيره؛ لأنه وقع في محله، قال في اللباب: ثم إن كان المحرم مفردا بالحج وقع طوافه هذا للقدوم وإن كان مفردا بالعمرة أو متمتعا أو قارنا وقع عن طواف العمرة نواه له أو لغيره وعلى القارن أن يطوف طوافا آخر للقدوم اهـ أي استحبابا بعد فراغه عن سعي العمرة قاري. وفي اللباب: وأول وقته حين دخوله مكة وآخره من وقوفه بعرفة فإذا وقف فقد فات وقته، وإن لم يقف فإلى طلوع فجر النحر (قوله للآفاقي) أي لا غير فتح فلا يسن للمكي ولا لأهل المواقيت ومن دونها إلى مكة سراج وشرح اللباب. (رد المحتار على الدر المختار:۲/۴۹۴، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد، ط: دار الفكر- بيروت)

هو سنة للآفاقي المفر بالحج، و القارن ولو دخل قبل الأشهر. (غنية الناسك في بغية المناسك، ص:۱۳۷، فصل في أحكام طواف القدوم، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

[۴] وطاف للفرض في يومه ذلك وهو الأفضل، وإلا في الثاني والثالث وليلتاهما منهما... الخ. (غنية الناسك في بغية المناسك، ص:۲۲۹، باب طواف الزيادة)

[۵] (ثم) إذا أراد السفر (طاف للصدر) أي الوداع (سبعة أشواط بلا رمل وسعي، وهو واجب إلا على أهل مكة)=

باندھ کر کیا جاتا ہے، یہ عمرہ کا رکن ہے۔[٦] (۵) طواف نذر: وہ طواف جو منت ماننے کی وجہ سے واجب ہوا ہو۔[٧] (٦) طواف تحیہ: مسجد حرام میں داخلہ پر جو طواف کیا جاتا ہے، اسے "طواف تحیہ" کہتے ہیں، یہ طواف مستحب ہے۔[٨] (٧) طواف نفل: یہ ہر وقت کیا جا سکتا ہے، البتہ اگر جماعت ہو رہی ہو، یا خطبہ جاری ہو، تو اس وقت طواف کرنا جائز نہیں۔[٩] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[٦] صحت طواف کی شرائط

۱۷۰۳- سوال: طواف کامل طور پر ادا ہو، اس کے لیے کن باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے؟

=ومن في حكمهم فلا يجب بل يندب كمن مكث بعده؛... (وحيضها لا يمنع) نسكا (إلا الطواف) ولا شيء عليها بتأخيره إذا لم تطهر إلا بعد أيام النحر، فلو طهرت فيها بقدر أكثر الطواف لزمها الدم بتأخيره لباب (وهو بعد حصول ركنيه يسقط طواف الصدر) ومثله النفاس.(الدر المختار:٢/٥٢٣-٥٢٨)ـــــــــ قال ابن عابدين:(قوله لا يمنع نسكا) أي شيئا من أعمال الحج (قوله إلا الطواف) فهو حرام من وجهين دخولها المسجد وترك واجب الطهارة.... (قوله وهو) أي الحيض بعد حصول ركنيه: أي ركني الحج،... (قوله يسقط طواف الصدر) أي يسقط وجوبه عنها كما قدمناه ولا دم عليها كما في اللباب.(رد المحتار على الدر المختار:٢/٥٢٨، كتاب الحج، مطلب في طواف الزيارة، ط: دار الفكر)

[٦] طواف العمرة: وهو ركن فيها، وأول وقته بعد الإحرام بالعمرة، ولا آخر له.(الموسوعة الفقهية الكويتية:٢٩/١٢١، مادہ: طواف، صادر عن: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية-الكويت)

[٧] طواف النذر: وهو واجب ولا يختص بوقت إذا لم يعين الناذر في نذره للطواف وقت.(الموسوعة الفقهية الكويتية: ٢٩/١٢٣، مادہ: طواف، صادر عن: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية-الكويت)

وطواف النذر منجزا و معلقا وهو واجب .(غنية الناسك في بغية المناسك، ص:١٤٠، فصل في ماهية الطواف وأنواعه و أحكامه، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

[٨] طواف تحية المسجد الحرام: و هو مستحب لكل من دخل المسجد الحرام.(الموسوعة الفقهية الكويتية: ٢٩/١٢٣، مادہ: طواف، صادر عن: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية - الكويت☆غنية الناسك في بغية المناسك، ص:١٤٠، فصل في ماهية الطواف وأنواعه وأحكامه، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

[٩] طواف التطوع غير طواف التحية، فلا يختص بزمان دون زمان.... ولا ينبغي له أن يتطوع ويكون عليه غيره من سائر الفروض.(الموسوعة الفقهية الكويتية: ٢٩/١٢٣، مادہ: طواف، صادر عن: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية-الكويت)

(الطواف عند الخطبة وإقامة المكتوبة) فإن ابتداء الطواف حينئذ مكروه...، الخ.(المسلك المتقسط في المنسك المتوسط-الملا علي القاري(م:١٠١٤هـ) ص:٢٣٤، فصل في مكروهاته، ط: المكتبة الإمدادية)

تفصیل سے واضح فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیا:

درج ذیل باتوں کا خیال رکھا جائے، تو ان شاء اللہ طواف کامل طور پر ادا ہو جائے گا، ان میں سے بعض طواف کے لیے شرط ہے، بعض واجب اور بعض مسنون، اس لیے تمام امور کا خاص خیال رکھا جائے:

(۱) باوضو ہونا[۱] (۲) ستر کا چھپانا۔[۲] (۳) بدن اور کپڑے کا پاک ہونا۔[۳] (۴) پیدل طواف کرنا جب کہ اس کی استطاعت ہو۔[۴] (۵) طواف میں حطیم کو بھی شامل کرنا۔[۵] (۶) حجر اسود سے طواف شروع کرنا۔[۶] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] سعی کی تعریف، طریقہ اور اس کا وقت

۱۷۰۴- سوال: سعی کسے کہتے ہیں، اس کا طریقہ کیا ہے، یہ کہاں اور کس وقت کی جاتی ہے؟

---

[۱] فأما الطهارة عن الحدث، والجنابة، والحيض، والنفاس فليست بشرط لجواز الطواف، وليست بفرض عندنا بل واجبة حتى يجوز الطواف بدونها. (بدائع الصنائع: ۱۲۹/۲، كتاب الحج، فصل شرط وواجبات طواف الزيارة، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

[۲] وأما ستر العورة فهو مثل الطهارة عن الحدث، والجنابة أي إنه ليس بشرط الجواز، وليس بفرض لكنه، واجب عندنا حتى لو طاف عريانا فعليه الإعادة ما دام بمكة فإن رجع إلى أهله فعليه الدم. (المصدر السابق)

[۳] فأما الطهارة عن النجس فليست من شرائط الجواز بالإجماع فلا يفترض تحصيلها، ولا تجب أيضا لكنه سنة حتى لو طاف، وعلى ثوبه نجاسة أكثر من قدر الدرهم جاز، ولا يلزمه شيء إلا أنه يكره. (المصدر السابق)

[۴] ومن واجبات الطواف أن يطوف ماشيا لا راكبا إلا من عذر حتى لو طاف راكبا من غير عذر فعليه الإعادة ما دام بمكة، وإن عاد إلى أهله يلزمه الدم. (المصدر السابق: ۱۳۰/۲)

[۵] فإذا طاف في داخل الحطيم فقد ترك الطواف ببعض البيت، والمفروض هو الطواف بكل البيت، لقوله تعالى {وليطوفوا بالبيت العتيق} [الحج: ۲۹]، والأفضل أن يعيد الطواف كله مراعاة للترتيب فإن أعاد على الحجر خاصة أجزأه، لأن المتروك هو لا غير فاستدركه، ولو لم يعد حتى عاد إلى أهله يجب عليه الدم، لأن الحطيم ربع البيت فقد ترك من طوافه ربعه. (المصدر السابق: ۱۳۲/۲، فصل مكان الطواف)

[۶] فأما الابتداء من الحجر الأسود فليس بشرط من شرائط جوازه بل هو سنة في ظاهر الرواية حتى لو افتتح من غير عذر أجزأه مع الكراهة لقوله تعالى {وليطوفوا بالبيت العتيق} [الحج: ۲۹]، مطلقا عن شرط الابتداء بالحجر الأسود إلا أنه لو لم يبدأ يكره، لأنه ترك السنة. (المصدر السابق: ۱۳۰/۲، فصل شرط وواجبات طواف الزيارة)

الجواب حامداومصلیا:

سعی کا معنی ہے: دوڑنا، شریعت کی اصطلاح میں صفا ومروہ کے درمیان مخصوص طریقے سے سات چکر لگانے کا نام سعی ہے۔(۱) سعی کا وقت طواف کرنے کے فورا بعد ہے، طواف سے پہلے سعی درست نہیں ہے، اگر طواف سے پہلے کوئی سعی کرلےگا، تو اس سعی کا اعادہ واجب ہے۔(۲) سعی کا طریقہ یہ ہے کہ:

سب سے پہلے صفا پر اس قدر چڑھے کہ بیت اللہ شریف نظر آئے،(۳) پھر سعی کی نیت کرے، نیت کرنا سنت ہے، دل میں نیت کرلینا کافی ہے، البتہ زبان سے بھی نیت کے الفاظ کہنا مستحب ہے۔(۴)

نیت اس طرح کرے: اے اللہ میں سعی کا ارادہ کرتا ہوں اور صفا مروہ کے سات چکر تیرے ہی لیے لگاتا ہوں، تو اس کو قبول فرما اور میرے لیے آسان فرما۔

اس طرح نیت کر کے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھائے، جیسے نماز میں تحریمہ کے وقت اٹھایا جاتا ہے، اس کے بعد ''اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ'' بلند آواز سے پڑھے اور نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ دعا مانگے کہ یہ جگہ دعا کی قبولیت کی ہے۔[۵]

---

(۱) السعي لغة: من سعى يسعى سعيا؛ أي: قصد أو عمل أو مشى أو عدا، ويستعمل كثيرا في المشي.ـــــ وو ردت المادة في القرآن بما يفيد معنى الجد في المشي، كقوله تعالى في صلاة الجمعة: {فاسعوا إلى ذكر الله وذروا البيع}، وقال تعالى: {وجاء من أقصى المدينة رجل يسعى قال يا قوم اتبعوا المرسلين}.

والسعي في الاصطلاح: قطع المسافة الكائنة بين الصفا والمروة سبع مرات ذهابا وإيابا بعد طواف في نسك حج أو عمرة. (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۲۹/۱۱، ماده: سعي، صادر عن: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية-الكويت)

(۲)...أن السعي بعد الطواف فلو عكس أعاد السعي؛ لأنه تبع له، وصرح في المحيط بأن تقديم الطواف شرط لصحة السعي، وبه علم أن تأخير السعي واجب، وإلى أنه لا يجب بعده فورا، والسنة الاتصال به بحر، فإن أخر لعذر أو ليستريح من تعبه، فلا بأس وإلا فقد أساء ولا شيء عليه، لباب. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۰۰/۲، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد، مطلب في السعي بين الصفا والمروة، ط: دار الفكر-بيروت)

(۳) (فصعد الصفا) بحيث يرى الكعبة من الباب. (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۰۰/۲)

(۴) لأن النية عمل القلب لا عمل اللسان لكن يستحب أن يقول بلسانه ما نوى بقلبه فيقول: اللهم إني أريد كذا فيسره لي، وتقبله مني لما ذكرنا في بيان سنن الحج. (بدائع الصنائع: ۱۶۱/۲، كتاب الحج، فصل بيان ما يصير به محرما، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

[۵] (واستقبل البيت وكبر وهلل وصلى على النبي صلى الله عليه وسلم) بصوت مرتفع، خانية (ورفع يديه) نحو السماء. (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۰۰/۲ ☆ كنز الدقائق مع البحر الرائق: ۵۸۱/۲، كتاب الحج، ط: زكريا-ديوبند)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اکبر تین بار اور "لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وهو على كل شيء قدير" ایک مرتبہ پڑھ کر دعا کی تھی۔[٦]

صفا پر دعا مانگ کر مروہ کی طرف چلے۔ صفا اور مروہ کے درمیان بھی اللہ تعالی کی طرف دھیان وتوجہ کر کے زبان اور دل سے دعا مانگتا رہے۔[٧]

صفا سے ستر یا اسی فٹ پر ہرا ستون ہے (اور رات میں ہری لائٹ جلتی ہے) وہاں سے دوسرے ہرے ستون تک مردوں کو دوڑنا سنت ہے، اس کے بعد اپنی میانہ رفتار سے چلے، مروہ پر چڑھ کر بیت اللہ کی داہنی جانب تھوڑا مڑ کر اس طرح دعا کرے، جیسا کہ صفا پر ہاتھ اٹھا کر تکبیر کے ساتھ دعا کی تھی، جب صفا سے شروع کر کے مروہ پر پہنچا، تو ایک چکر پورا ہو گیا۔ مروہ سے اتر کر صفا پر جانے کے لیے پہلے چکر میں جو عمل کیا تھا، اسی طرح عمل کرے، بل کہ ساتوں چکر اسی طرح لگاتا رہے۔[٨] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(٦) وفي حديث طويل قال: ثم رجع إلى البيت فاستلم الركن، ثم خرج من الباب إلى الصفا، فلما دنا من الصفا قرأ ﴿إن الصفا والمروة من شعائر الله﴾ [البقرة:١٥٨]، نبدأ بما بدأ الله به، فبدأ بالصفا فرقي عليه حتى رأى البيت فكبر الله ووحده وقال: لا إله إلا الله، وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد، يحيي ويميت وهو على كل شيء قدير، لا إله إلا الله وحده أنجز وعده، ونصر عبده، وهزم الأحزاب وحده، ثم دعا بين ذلك، وقال: مثل هذا ثلاث مرات. (سنن أبي داود: ١/٢٦٢، رقم الحديث: ١٩٠٥، كتاب المناسك، باب صفة حجة النبي صلى الله عليه وسلم، عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالى عنه، ط: فيصل پبلی کیشنز، دیوبند)

(٧) (قوله ثم اهبط نحو المروة ساعيا بين الميلين الأخضرين وافعل عليها فعلك على الصفا) أي على المروة من الصعود والتكبير والتهليل والصلاة والدعاء. (البحر الرائق - ابن نجيم المصري (م: ٩٧٠هـ): ٢/٣٥٨، كتاب الحج، باب الإحرام، الاغتسال ودخول الحمام للمحرم، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(٨) (ثم مشى نحو المروة ساعيا بين الميلين الأخضرين) المتخذين في جدار المسجد (وصعد عليها وفعل ما فعله على الصفا يفعل هكذا سبعا يبدأ بالصفا ويختم) الشوط السابع (بالمروة) فلو بدأ بالمروة لم يعتد بالأول هو الأصح. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله ثم مشى نحو المروة) قال في اللباب: ثم يهبط نحو المروة ساعيا ذاكرا ماشيا على هينته، حتى إذا كان دون الميل المعلق في ركن المسجد قيل بنحو ستة أذرع سعى سعيا شديدا في بطن الوادي حتى يجاوز الميلين ثم يمشي على هينته حتى يأتي المروة، ويستحب أن يكون السعي بين الميلين فوق الرمل دون العدو، وهو في كل شوط أي بخلاف الرمل في الطواف فإنه مختص بالثلاثة الأول... (قوله وصعد عليها) أي باعتبار الزمن الأول أما الآن فمن وقف على الدرجة الأولى، بل على أرضها يصدق أنه طلع عليها شرح اللباب (قوله وفعل ما فعله على الصفا) أي من الاستقبال بأن يميل إلى يمينه أدنى ميل ليتوجه إلى البيت، وإلا =

[۸] بغیر احرام کے سعی کرنا

۱۷۰۵- سوال: اگر کوئی شخص اپنے حج کی سعی سات ذی الحجہ کو احرام کے بغیر کرے، تو اس کی سعی کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ اگر سعی کا اعتبار نہ ہو، تو اس کو دم دینا پڑے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سعی کا وقت احرام کے بعد ہے، اگر کوئی شخص بغیر احرام کے سعی کرے گا، تو اس پر دم واجب ہوگا؛ کیوں کہ "احرام" سعی کے لیے شرط ہے اور شرط کے بغیر مشروط کا تحقق نہیں ہوتا ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] ویل چیئر پر بیٹھ کر سعی کرنا

۱۷۰۶- سوال: پیدل سعی کرنا ضروری ہے، یا ویل چیئر [پہیے والی کرسی] پر بیٹھ کر بھی سعی کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پیدل سعی کرنا ضروری ہے، البتہ عذر ہو، جیسا کہ مرض کی وجہ سے چلنے کی استطاعت نہیں ہے، تو ویل چیئر [پہیے والی کرسی] پر بیٹھ کر سعی کرنا جائز ہے۔(۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=فالبيت لا يبدو اليوم لحجبه بالبنيان، ومن التكبير والذكر والدعاء المشتمل على الصلاة والثناء، شرح اللباب. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۵۰۱، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد، مطلب في السعي بين الصفا والمروة، ط: دار الفكر-بيروت ☆ كنز الدقائق: ۲/۵۸۲-۵۸۳، ط: كتاب الحج، ط: زكريا-ديوبند)

[۱] (الثالث تقديم الإحرام عليه) أي إحرام حج أو عمرة، (فلو سعى قبله) أي قبل الإحرام ولو بعد طواف (لم يجز) لأن السعي من واجبات الحج، و الإحرام شرط، والواجب و الركن وغيرهما لا يصح بدون الشرط، (و أما وجود الإحرام حالة السعي فإن كان سعي الحج و قد سعى الحج فيشترط وجوده، وإن للحج بعده) أي بعد الوقوف (فلا يشترط) أي وجود الإحرام. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع إرشاد الساري، ص: ۲۴۷، باب السعي بين الصفا والمروة، فصل في شرائط صحة السعي، ت: محمد طلحة بلال أحمد منيار، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة)

(۲) وأما ركنه فكينونته بين الصفا، والمروة، سواء كان بفعل نفسه أو بفعل غيره عند عجزه عن السعي بنفسه بأن كان مغمى عليه، أو مريضا فسعى به محمولا أو سعى راكبا لحصوله كائنا بين الصفا، والمروة، وإن كان قادرا على المشي بنفسه فحمل أو ركب يلزمه الدم؛ لأن السعي بنفسه عند القدرة على المشي، واجب فإذا تركه فقد ترك الواجب من غير عذر فيلزمه الدم كما لو ترك المشي في الطواف من غير عذر. (بدائع الصنائع: ۲/۱۳۴، كتاب الحج، فصل ركن السعي، ط: دار الكتب العلمية ☆ غنية الناسك في بغية المناسك، ص: ۱۲۴، باب السعي بين الصفا و المروة، فصل في الواجبات، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

[۱۰] اگر طواف قدوم کے بعد سعی کی ہو، تو طواف زیارت کے بعد کی سعی کی ضرورت نہیں

۱۷۰۷- سوال: بعض حضرات قران کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ پہونچے، طواف کیا، مقام ابراہیم کے پاس نفل نماز ادا کی، زم زم کا پانی پیا، صفا و مروہ کی سعی کی، پھر منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں قیام کیا، منیٰ آ کر ۱۰/ ذی الحجہ کو بڑے شیطان کو کنکری ماری، اس کے بعد قربانی کی، پھر حلق کے بعد غسل کیا اور کپڑے پہن کر طواف زیارت کی ادائیگی سے فراغت حاصل کی؛ لیکن طواف زیارت کے بعد صفا و مروہ کی سعی نہیں کی، تو اس سلسلے میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قارن جب مکہ مکرمہ پہونچے، تو عمرہ کا طواف اور سعی کرے، (ابھی حلق وقصر نہ کرائے) اس کے بعد حج کے لیے طواف قدوم اور سعی کرنے کا ارادہ ہو، تو رمل اور اضطباع بھی کرے اور صفا و مروہ کی سعی کر لے۔ (۱)

صورت مسئولہ میں طواف قدوم کے بعد صفا و مروہ کی سعی کر لی گئی ہے؛ اس لیے طواف زیارت کے

---

(۱) "فإذا دخل مكة ابتدأ فطاف بالبيت سبعة أشواط يرمل في الثلاث الأول منها، ويسعى بعدها بين الصفا والمروة وهذه أفعال العمرة ثم يبدأ بأفعال الحج فيطوف طواف القدوم سبعة أشواط ويسعى بعده... ولا يحلق بين العمرة والحج؛ لأن ذلك جناية على إحرام الحج وإنما يحلق في يوم النحر كما يحلق المفرد ويتحلل بالحلق عندنا لا بالذبح كما يتحلل المفرد. (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/۱۵۱، كتاب الحج، باب القران، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت)

(قال) يرمل في الثلاثة الأول في كل شوط منها من الحجر الأسود إلى الحجر الأسود، فالحاصل أن كل طواف بعده سعي فالرمل في الثلاثة الأول منها سنة، وكل طواف ليس بعده سعي فلا رمل فيه، والرمل هو الاضطباع، وهز الكتفين، وهو أن يدخل أحد جانبي ردائه تحت إبطه، ويلقيه على المنكب الآخر، ويهز الكتفين في مشيه كالمبارز الذي يتبختر بين الصفين. (المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۴/۱۰، أول كتاب المناسك، ط: دار المعرفة- بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۲/۱۴۷، كتاب الحج، فصل بيان سنن الحج وبيان الترتيب في أفعاله، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/۱۳۸، كتاب الحج، باب الإحرام، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت ☆ البحر الرائق- ابن نجيم المصري: (م: ۹۷۰هـ): ۲/۵۸۷، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: زكريا- ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۲۲۶، كتاب المناسك، الباب الخامس في كيفية أداء الحج، ط: دار الفكر- بيروت)

بعد سعی کرنا ضروری نہیں ہے، ان کی سعی ادا ہوگئی۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] طواف قدوم کے بعد اگر سعی کرلی، تو دوبارہ سعی کرنے کی ضرورت نہیں

گذشتہ سے پیوستہ

۱۷۰۸- سوال: کچھ حاجی خیمہ میں مولانا سے مسائل معلوم کررہے تھے، اتنے میں ہم لوگ بھی پہونچ گئے اور مولانا سے پوچھا کہ ہم نے حج قران کی نیت کی ہے، جب مکہ آئے تو طواف وسعی سب کچھ کیا، مگر طواف زیارت کرنے گئے تو سعی نہیں کی، ہم نے صحیح کیا یا غلط؟ تو مولانا نے کہا: واپس جاؤ، اور سعی کرو، ہم نے طواف وداع کرنے کے بعد سعی کی، تو کیا ہماری سعی درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ حضرات نے طواف قدوم کے ساتھ سعی کی تھی، اس لیے طواف زیارت کے بعد سعی کی ضرورت نہیں تھی، مولانا نے جو دوسری مرتبہ سعی کرنے کے متعلق کہا، وہ درست نہیں ہے۔ [☆☆] ہاں! جن لوگوں نے طواف قدوم کے ساتھ سعی نہیں کی، اور انہوں نے اب سعی کی، تو سعی ادا ہوگئی، مگر تاخیر کی وجہ سے ایک قسم کی کراہیت پیدا ہوگئی۔ [☆☆☆] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۲) فإن كان قد سعى بين الصفا والمروة عقيب طواف القدوم لم يرمل في هذا الطواف ولا سعي عليه وإن كان لم يقدم السعي، رمل في هذا الطواف وسعى بعده"؛ لأن السعي لم يشرع إلا مرة، والرمل ما شرع إلا مرة في طواف بعده سعي. (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/ ۱۳۸، كتاب الحج، باب الإحرام، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي-بيروت)

(☆☆) سوال سابق برعنوان "اگر طواف قدوم کے بعد سعی کی ہو تو طواف زیارت کے بعد کی سعی کی ضروت نہیں" کا حاشیہ نمبر (۲) ملاحظہ کریں۔

(☆☆☆) (إذا فرغ من الطواف) أي الطواف الذي بعده سعي (فالسنة أن يخرج للسعي على فوره) أي ساعته من غير تأخير (فإن أخره لعذر) أي لضرورة (أو ليستريح) أي ليحصل له الراحة وتعود إليه القوة (فلا بأس به) أي لا يكون مسئيا (وإن أخره لغير عذر) أي من استراحة وغيرها (فقد أساء) لتركه الموالاة التي هي سنة بين الطواف والسعي (ولا شيء عليه) أي من الجزاء بالدم أو الصدقة. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملاعلي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۲۴۱، باب السعي بين الصفا والمروة، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة)

وصرح في المحيط بأن تقديم الطواف شرط لصحة السعي، وبه علم أن تأخير السعي واجب، وإلى أنه لا يجب بعده فورا، والسنة الاتصال به بحر، فإن أخر لعذر أو ليستريح من تعبه، فلا بأس وإلا فقد أساء ولا شيء عليه، لباب.

(ردالمحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۰۰، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد، مطلب في السعي بين الصفا والمروة، ط: دار الفكر-بيروت)

[۱۲] عورتوں کے بال کاٹنے کا طریقہ

۱۷۰۹- سوال: عورتیں کس طرح بال کاٹیں گی، کیا عورت کو بھی حلق اور قصر دونوں کا اختیار ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

عورت کے لیے بال کاٹنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے بال کے تین حصے کر کے ایک حصہ داہنی طرف، دوسرا حصہ بائیں طرف اور تیسرا حصہ پیچھے کی جانب کرے، پھر ہر ایک حصے میں سے ایک ایک پور کے بہ قدر بال خود کاٹ لے، یا کسی محرم سے کٹوالے۔ عورتوں کے لیے قصر (کتروانا) ضروری ہے، ان کے لیے حلق (منڈوانا) جائز نہیں ہے۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] جس کے بال چھوٹے ہوں، وہ کیا کرے؟

۱۷۱۰- سوال: مرد کو حلق اور قصر کے درمیان اختیار ہے؛ لیکن اگر کسی آدمی کے بال

---

(۱) (ثم) بعد الرمي (ذبح إن شاء) لأنه مفرد (ثم قصر) بأن يأخذ من كل شعره قدر الأنملة وجوبا وتقصير الكل مندوب والربع واجب. (الدر المختار) ـــــــــ قال ابن عابدين: (قوله بأن يأخذ إلخ) قال في البحر: والمراد بالتقصير أن يأخذ الرجل والمرأة من رءوس شعر ربع الرأس مقدار الأنملة كذا ذكره الزيلعي، ومراده أن يأخذ من كل شعرة مقدار الأنملة كما صرح به في المحيط. وفي البدائع قالوا: يجب أن يزيد في التقصير على قدر الأنملة حتى يستوفي قدر الأنملة من كل شعرة برأسه لأن أطراف الشعر غير متساوية عادة.

قال الحلبي في مناسكه وهو حسن اهـ وفي الشرنبلالية: يظهر لي أن المراد بكل شعرة أي من شعر الربع على وجه اللزوم ومن الكل على سبيل الأولوية فلا مخالفة في الأجزاء لأن الربع كالكل كما في الحلق اهـ فقول الشارح من كل شعرة أي من الربع لا من الكل وإلا ناقض ما بعده، وقوله: وجوبا قيد لقدر الأنملة فلا يتكرر مع قوله: والربع واجب والأنملة بفتح الهمزة والميم وضم الميم لغة مشهورة، ومن خطأ راويها فقد أخطأ واحدة الأنامل بحر. وفي تهذيب اللغات للنووي الأنامل أطراف الأصابع. وقال أبو عمر الشيباني والسجستاني والجري لكل أصبع ثلاث أنملات. (رد المحتار على الدر المختار - ابن عابدين (م: ۱۲۵۲ هـ): ۲/ ۵۱۵-۵۱۶، كتاب الحج، مطلب في رمي جمرة العقبة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ بدائع الصنائع - الكاساني (م: ۵۸۷هـ): ۲/ ۱۴۱، كتاب الحج، فصل مقدار واجب الحلق والتقصير، ط: دار الكتب العلمية ☆ البحر الرائق - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۲/ ۶۰۶، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: زكريا - ديوبند ☆ غنية الناسك في بغية المناسك، ص: ۲۲۶، فصل في الحلق، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

انتہائی چھوٹے ہیں، تو وہ کیا کرے؟

الجواب حامداومصلیا:

اگر بال ایک پورے سے بھی چھوٹے ہیں، تو پھر استرا پھیرنا (یعنی حلق کرنا) ہی ضروری ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] بال صفا پاؤڈر، یا صابن سے بال کو زائل کرنا

۱۱۷۱- سوال: اگر کوئی حاجی قینچی سے حلق کرنے کے بہ جائے، بال صفا پاؤڈر یا صابن کے ذریعے بال کو زائل کرے، تو کافی ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

جی ہاں بال صفا پاؤڈر یا صابن کے ذریعے بالوں کو دور کردینے سے بھی واجب ادا ہوجاتا ہے؛[2] البتہ استرے سے بال صاف کرنا مستحب ہے۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ومتى تعذر أحدهما لعارض تعين الآخر فلو لبده بصمغ بحيث تعذر التقصير تعين الحلق بحر. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله فلو لبده إلخ) مثال لتعذر التقصير ومثله ما لو كان الشعر قصيرا فيتعين الحلق، وكذا لو كان معقوصا أو مضفورا كما عزي إلى المبسوط. (رد المحتار على الدر المختار-ابن عابدين (م: ۱۲۵۲ھ): ۵۱۶/۲، كتاب الحج، مطلب في رمي جمرة العقبة، ط: دار الفكر-بيروت ☆ البحر الرائق-ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ): ۶۰۶/۲، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: زكريا-ديوبند ☆ غنية الناسك في بغية المناسك، ص: ۲۲۷، فصل في الحلق، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

(۲) ولو أزاله بنحو نورة جاز. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله بنحو نورة) كحلق ونتف. (رد المحتار على الدر المختار-ابن عابدين (م: ۱۲۵۲ھ): ۵۱۶/۲، كتاب الحج، مطلب في رمي جمرة العقبة، ط: دار الفكر-بيروت ☆ بدائع الصنائع- الكاساني (م: ۵۸۷ھ): ۱۴۱/۲، كتاب الحج، فصل مقدار واجب الحلق والتقصير، ط: دار الكتب العلمية ☆ البحر الرائق-ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ): ۶۰۶/۲، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: زكريا-ديوبند ☆ غنية الناسك في بغية المناسك، ص: ۲۲۶، فصل في الحلق، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور ☆ الفتاوى الهندية: ۲۳۱/۱، كتاب المناسك، الباب الخامس في كيفية أداء الحج، ط: دار الفكر-بيروت)

(۳) والإزالة لا تختص بالموسى بل بأي آلة كانت أو بالنورة، والمستحب الحلق بالموسى؛ لأن السنة وردت به. (البحر الرائق: ۳۷۲/۲، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ غنية الناسك في بغية المناسك، ص: ۲۲۶، فصل في الحلق، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

[۱۵] 'بال کتروانا یا حلق کرانا' حرم میں لازم ہے؟

۱۷۱۲-سوال: جدہ کا رہنے والا ایک شخص عمرہ کے لیے گیا، عمرہ کے ارکان سے فراغت کے بعد حلق کرانے بیٹھا؛ لیکن چوتھائی سر کا ہی قصر کرواسکا؛ اس لیے کہ وہاں کافی بھیڑ تھی، اس کے بعد وہ اپنے مقام جدہ آ گیا، اور پورے سر کا قصر کروایا، تو کیا حرم میں ہی پورے سر کا قصر کروانا ضروری ہے؟ مذکورہ صورت میں دم واجب ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا، تو اس کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

چوتھائی سر کے بال کٹانا یا حلق کرانا [مونڈانا] واجب ہے، پورے سر کا حلق کروانا مسنون ہے؛ اس لیے جب چوتھائی سر کے بال کٹوا لیے، تو واجب ادا ہوگیا؛ لہٰذا دم واجب نہیں ہوگا۔[۱]

البتہ یاد رہے کہ منیٰ میں بال کٹانا یا مونڈانا سنت ہے اور حرم کی حد میں واجب ہے، اس لیے اگر حرم کی حد سے باہر نکل کر حلق یا قصر کرائے گا تو دم واجب ہوگا، صورت مسئولہ میں حدودِ حرم میں قصر کروایا گیا ہے؛

---

[۱] (و السنة حلق جميع الرأس، أو تقصير جميعه، وإن اقتصر على الربع جاز مع الكراهة)، لتركه السنة، و الاكتفاء بمجرد الواجب، (و هو) أي الربع (أقل الواجب في الحلق) و كذا في التقصير. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط-الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۳۲۲-۳۲۳، باب مناسك منى، فصل في الحلق و التقصير، ت: محمد طلحة بلال أحمد منيار، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۵۱۶/۲، كتاب الحج، مطلب في رمي العقبة، ط: دار الفكر-بيروت)

(قال:) الحلق أفضل من التقصير، لما روينا من الأثر فيه، و لأن المأمور به بعد الذبح قضاء التفث، قال الله تعالى: {ثم ليقضوا تفثهم} [الحج: 29]، وهو في الحلق أتم، و التقصير فيه بعض الحلق، فلهذا كان الحلق أفضل، و التقصير يجزي، وهو أن يأخذ شيئا من أطراف شعره، . . . و التقصير قائم مقام الحلق في حكم التحلل، فإذا فعل ذلك في أحد جانبي رأسه أجزأه بمنزلة ما لو حلق نصف رأسه، و كذلك إن فعله في أقل من النصف، و كان بقدر الثلث أو الربع فكذلك يجزئه، لأن كل حكم تعلق بالرأس فالربع منه ينزل منزلة الكمال كالمسح بالرأس، و لكنه مسيء في الاكتفاء بهذا المقدار، لأن النبي - صلى الله عليه وسلم - حلق جميع رأسه، و أمرنا بالاقتداء به، فما كان أقرب إلى موافقة فعله فهو أفضل، و لأنه إنما يفعل هذا ضنة منه بشعره، و فيما هو نسك تكره الضنة فيه بالمال و النفس فكيف بالشعر. (المبسوط-محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۷۰/۴، كتاب المناسك، باب الحلق، ط: دار المعرفة-بيروت)

لہٰذا دم واجب نہیں ہوگا۔ (زبدۃ المناسک جلد ۱، صفحہ ۱۷۱/۱۷۲) [☆☆] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] حج یا عمرہ میں بال کٹوانے کی مقدار

گذشتہ سے پیوستہ

۱۷۱۳- سوال: عمرہ کرنے کے بعد قصر الشعر یعنی بال کے کٹوانے کی کم از کم مقدار کتنی ہے؟ بہت سے لوگ یوں کرتے ہیں کہ عمرہ کرنے کے بعد سر کے بال بعض جگہ سے قینچی سے بال کاٹ لیتے ہیں اور بہت سے لوگ بالوں کو انتہائی چھوٹا کرواتے ہیں، یعنی ایک انچ یا اس سے بھی کم، نصف انچ بال کٹواتے ہیں، دریافت یہ کرنا ہے کہ شرعی اعتبار سے کتنے بال کٹوائے جائیں؟

الجواب حامداومصليا:

پورے سر کے ایک چوتھائی کے برابر بال کٹوانا (خواہ حلق ہو یا قصر) واجب ہے، لیکن مکروہ ہے۔ (۱)
حج یا عمرہ کے بعد سر کے بال منڈوانا (حلق کرانا)، قصر کرانے کے مقابلے میں زیادہ ثواب کا کام ہے۔ (۲)

[☆☆] (ولو حلق في الحل) أي في غير الحرم الشامل لمنى وغيرها، مع كونه سنة في منى (أو أخره عن أيام النحر فعليه دم، سواء كان مفردا أو غيره). (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۵۰۶، باب الجنايات و أنواعها، النوع الخامس الجنايات في أفعال الحج، فصل في الجناية في الذبح و الحلق، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة)

(۱) وأما مقدار الواجب، فأما الحلق فالأفضل حلق جميع الرأس لقوله عز وجل {محلقين رءوسكم} [الفتح: 27]، والرأس اسم للجميع. ـــــ وكذا روي أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - حلق جميع رأسه؛ فإنه روي أنه رمى ثم ذبح ثم دعا بالحلاق فأشار إلى شقه الأيمن فحلقه، وفرق شعره بين الناس، ثم أشار إلى الأيسر فحلقه وأعطاه لأم سليم. ـــــ وروي أنه قال - صلى الله عليه وسلم - أول نسكنا في يومنا هذا الرمي ثم الذبح، ثم الحلق.
والحلق المطلق يقع على حلق جميع الرأس، ولو حلق بعض الرأس، فإن حلق أقل من الربع لم يجزه، وإن حلق ربع الرأس أجزأه، ويكره. ـــــ أما الجواز فلأن ربع الرأس يقوم مقام كله في القرب المتعلقة بالرأس كمسح ربع الرأس في باب الوضوء. ـــــ وأما الكراهة فلأن المسنون هو حلق جميع الرأس لما ذكرنا، وترك المسنون مكروه. (بدائع الصنائع: ۱۴۱/۲، كتاب الحج، فصل مقدار واجب الحلق والتقصير، ط: دار الكتب العلمية)
مزید تفصیل کے لیے سوال سابق (بعنوان: بال کتروانا یا حلق کرانا حرم میں لازم ہے؟) کا حاشیہ نمبر (۱) ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اللهم اغفر للمحلقين، قالوا: وللمقصرين، قال: اللهم اغفر للمحلقين، قالوا: وللمقصرين، قالها ثلاثا، قال: وللمقصرين. (صحيح البخاري: ۲۳۳/۱، رقم الحديث: ۱۷۲۸، كتاب الحج، باب الحلق والتقصير عند الإحلال، ط: ديوبند ☆الصحيح لمسلم: ۴۲۰/۱، رقم الحديث: ۳۲۰-(۱۳۰۲)، كتاب الحج، باب تفضيل الحلق على التقصير وجواز التقصير، ط: ديوبند) =

اگر کسی کو قصر کروانا ہو، تو انگلی کے پورے سے کچھ زیادہ بال کٹوائے؛ کیوں کہ سر میں چھوٹے بڑے بال ہوں گے، تو سب برابر ہو جائیں گے۔ (☆☆) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] حج یا عمرہ میں سر کے بال کس قدر کٹوائے؟

گزشتہ سے پیوستہ

۱۷۱۴- سوال: حج یا عمرہ سے حلال ہوتے وقت سر کے بال کاٹنے کا شرعی حکم کیا ہے؟ کتنے بال کاٹیں جائیں؟ کیا حلق کرانا ضروری ہے، یا بال کے کچھ حصے کٹوانا کافی ہے؟ بینوا، تو جروا۔

الجواب حامدا ومصليا:

احرام چاہے وہ حج کا ہو یا عمرہ کا، حلال ہونے کے لیے [چوتھائی سر کا] حلقیا قصر لازم و واجب ہے، البتہ حلق کرانا مسنون ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کروانے والوں کے متعلق تین مرتبہ "اللهم ارحم المحلقين" کے الفاظ سے رحم کی دعا فرمائی، جب کہ مقصرین (قصر کروانے والوں) کے لیے صرف چوتھی مرتبہ دعا فرمائی۔ (بخاری شریف جلد ۱ صفحہ ۲۳۳)[۱]

اس وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ حلق، قصر کے مقابلے میں افضل ہے، پورے سر کو منڈوانا مسنون ہے، چوتھائی سر کا حلق کرانا واجب ہے، اگر قصر کروانا ہو، تو بال کو، انگلی کے پور کے برابر قصر کروائے، چوں کہ بال چھوٹے بڑے ہوتے ہیں؛ اس لیے ایک پور سے کچھ زائد کاٹنا بہتر ہے۔ (شامی، عالمگیری)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= والحلق أفضل من التقصير، لأن الله تعالى بدأ به في كتابه في قوله {محلقين رءوسكم ومقصرين} [الفتح: 27] وقال {ولا تحلقوا رءوسكم حتى يبلغ الهدى محله} [البقرة: 196] فهذا بيان أنه ينبغي أن يتحلل بالحلق. وقال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - رحم الله المحلقين فقيل: والمقصرين فقال: رحم الله المحلقين حتى قال في الرابعة: والمقصرين، فقدظاهر في هذا الدعاء ثلاث مرات للمحلقين فدل أنه أفضل. (المبسوط-محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۴/۲۱، كتاب المناسك، قبيل: باب القران، ط: دار المعرفة-بيروت)

(☆☆) يجب أن يزيد في التقصير على قدر الأنملة، لأن الواجب هذا القدر من أطراف جميع الشعر، وأطراف جميع الشعر لا يتساوى طولها عادة بل تتفاوت فلو قصر قدر الأنملة لا يصير مستوفيا قدر الأنملة من جميع الشعر بل من بعضه فوجب أن يزيد عليه حتى يستيقن باستيفاء قدر الواجب فيخرج عن العهدة بيقين. (بدائع الصنائع: ۲/۱۴۱، كتاب الحج، فصل مقدار واجب الحلق والتقصير، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

[۱-۲] سوال سابق بہ عنوان "حج یا عمرہ میں بال کٹوانے کی مقدار" کے حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

[۱۸] مکروہات طواف

۱۷۱۵- سوال: وہ امور جو طواف کے دوران مکروہ ہیں، کیا ہیں؟

الجواب حامدا ومصلیا:

درج ذیل چیزیں دوران طواف مکروہ ہیں:

(۱) بلاضرورت طواف میں بات کرنا۔[1] ــــــــــ (۲) خرید وفروخت یا اس سے متعلق کوئی

---

[۱] عن ابن عباس قال: الطواف بالبيت صلاة، ولكن الله أحل فيه المنطق، فمن نطق فلا ينطق إلا بخير. (الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار المعروف بـ 'مصنف ابن أبي شيبة'- أبو بكر بن أبي شيبة (م:۲۳۵هـ): ۱۳۷/۳، رقم الحديث: ۱۲۸۰۸، كتاب الحج، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد- الرياض)

عن أبي سعيد، أنه كان يأمر بنيه إذا طافوا أن لا يلغوا في طوافهم، ولا يعصوا خلسة، ولا يكلموا أحدا حتى يقضوا طوافهم إن استطاعوا. (المصدر السابق، رقم الحديث: ۱۲۸۰۹)

عن عطاء قال: طفت وراء ابن عمر، وابن عباس، فلم أسمع أحدا منهما يتكلم في الطواف. (المصدر السابق، رقم: ۱۲۸۱۰)

عن ابن عباس قال: الطواف بالبيت صلاة، فأقلوا الكلام فيه. (المصدر السابق، رقم الحديث: ۱۲۸۱۱)

عن نافع قال: طفت مع طاوس، فلم يسمعه يبدأ إنسانا بالكلام إلا أن يكلمه فيجيبه. (المصدر السابق، رقم الحديث: ۱۲۸۱۲)

قال طاوس: إني لأعدها غنيمة أن أطوف بالبيت أسبوعا لا يكلمني أحد. (المصدر السابق، رقم الحديث: ۱۲۸۱۳)

عن الشيباني، قال: كنت أطوف مع سعيد بن جبير وهو يحدثني. (المصدر السابق، رقم الحديث: ۱۲۸۱۴، من رخص في الكلام في الطواف)

عن مغيرة قال: كان شريح يطوف بالبيت، فسأله رجل فأفتاه. (المصدر السابق، رقم الحديث: ۱۲۸۱۵)

عن عبد الملك بن أبي سليمان قال: رأيت سعيد بن جبير يطوف بالبيت يحدث أصحابه ويفتي. (المصدر السابق، رقم الحديث: ۱۲۸۱۶)

قال: كان مجاهد، وسعيد بن جبير، وعلي بن عبد الله بن العباس، والحسين بن الحسن، وأبو جعفر يتكلمون وهم يطوفون بالبيت، وبين الصفا والمروة. (المصدر السابق، رقم الحديث: ۱۲۸۱۷)

ويكره إنشاد الشعر، والتحدث في الطواف، لما روي عن النبي - صلى الله عليه وسلم - أنه قال: الطواف بالبيت صلاة فأقلوا فيه الكلام. ــــــــ وروي أنه قال - صلى الله عليه وسلم - فمن نطق فيه فلا ينطق إلا بخير، ولأن ذلك يشغله عن الدعاء. (بدائع الصنائع: ۱۳۱/۲، كتاب الحج، فصل شرط وواجبات طواف الزيارة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ غنية الناسك في بغية المناسك، ص: ۱۲۳، فصل في الواجبات، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور ☆ البحر الرائق- ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۵۷۷/۲، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: زكريا- ديوبند)

بات کرنا۔[۲] ــــــــــ (۳) بلند آواز سے دعا کرنا یا قرآن شریف پڑھنا کہ جس سے نماز پڑھنے والوں کو خلل ہو۔[۳] ــــــــــ (۴) ناپاک کپڑے میں طواف کرنا۔[۴] ــــــــــ (۵) رمل اور اضطباع کو بلا عذر چھوڑ دینا۔[۵] ــــــــــ (۶) حجر اسود کے استلام کو بلا عذر چھوڑ دینا۔[۶] ــــــــــ (۷) طواف

---

[۲] ويكره الحديث في البيع والشراء في الطواف والسعي كذا في التتارخانية. (الفتاوى الهندية:۱/۲۲۷، كتاب المناسك، الباب الخامس في كيفية أداء الحج، ط: دار الفكر - بيروت☆ غنية الناسك في بغية المناسك، ص:۱۶۳، فصل في الواجبات، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

[۳] ويكره أن يرفع صوته بالقرآن؛ لأنه يتأذى به غيره لما يشغله ذلك عن الدعاء، ولا بأس بأن يقرأ القرآن في نفسه. (بدائع الصنائع:۲/۱۳۱، كتاب الحج، فصل شرط وواجبات طواف الزيارة، ط: دار الكتب العلمية☆البحر الرائق:۲/۵۷۷، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: زكريا - ديوبند☆غنية الناسك في بغية المناسك، ص:۱۶۳، فصل في الواجبات، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

[۴] فأما الطهارة عن النجس فليست من شرائط الجواز بالإجماع فلا يفترض تحصيلها، ولا تجب أيضا لكنه سنة حتى لو طاف، وعلى ثوبه نجاسة أكثر من قدر الدرهم جاز، ولا يلزمه شيء إلا أنه يكره. (بدائع الصنائع:۲/۱۲۹، كتاب الحج، فصل شرط وواجبات طواف الزيارة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆البحر الرائق:۲/۵۷۶-۵۷۷، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: زكريا - ديوبند☆غنية الناسك في بغية المناسك، ص:۱۶۳، فصل في الواجبات، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

[۵] (ورمل) أي مشي بسرعة مع تقارب الخطى وهز كتفيه (في الثلاث الأول) استنانا (فقط) فلو تركه أو نسيه ولو في الثلاثة لم يرمل في الباقي. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله ورمل) أي في كل طواف بعده سعي وإلا فلا كالاضطباع، بدائع... (قوله ولو في الثلاثة إلخ) قال في الفتح ولو مشى شوطا لم تذكر لا يرمل إلا في شوطين وإن لم يذكر في الثلاثة لا يرمل بعد ذلك اهـ أي لأن ترك الرمل في الأربعة سنة، فلو رمل فيها كان تاركا للسنتين وترك إحداهما أسهل بحر، ولو رمل في الكل لا يلزمه شيء ولو الجية، وينبغي أن يكره تنزيها لمخالفة السنة، بحر. (رد المحتار على الدر المختار:۲/۴۹۸، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد، مطلب في طواف القدوم، ط: دار الفكر ☆غنية الناسك في بغية المناسك، ص:۱۳۲، فصل في الأخذ في الطواف وكيفية أدائه، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

[۶] عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: طاف النبي صلى الله عليه وسلم بالبيت على بعير، كلما أتى الركن أشار إليه بشيء كان عنده وكبر. (صحيح البخاري:۱/۲۱۹، رقم الحديث:۱۶۱۳، كتاب الحج، باب التكبير عند الركن، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم:۱/۴۱۳، رقم الحديث: ۲۵۳-(۱۲۷۲)، كتاب الحج، باب جواز الطواف على بعير وغيره، واستلام الحجر بمحجن ونحوه للراكب، ط: ديوبند)

(وكلما مر بالحجر فعل ما ذكر) من الاستلام. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله من الاستلام) فهو سنة بين كل شوطين كما في غاية البيان. وذكر في المحيط والولوالجية: أنه في الابتداء والانتهاء سنة، وفيما بين ذلك أدب بحر ووفق في شرح اللباب بأنه في الطرفين آكد مما بينهما قال وكذا يسن بين الطواف والسعي اهـ وفي الهداية وإن لم يستطع الاستلام استقبل وكبر وهلل. (رد المحتار على الدر المختار:۲/۴۹۸، كتاب الحج، فصل في=

کے چکروں میں بہت زیادہ تاخیر کرنا (یعنی بلاعذر خوب آہستہ چلنا یا وقفہ وقفہ سے چلنا)۔[۷] ــــــــ (۸) مسلسل دو طواف اس طرح کرنا کہ درمیان میں دوگانۂ طواف نہ پڑھنا۔ البتہ اگر مکروہ وقت ہو، تو ایک ساتھ کئی طواف اکٹھا کر لینا، پھر صحیح وقت میں ان کی نمازیں ادا کر لینا جائز ہے۔[۸] ــــــــ (۹) طواف میں استلام کے وقت دونوں ہاتھوں کو تکبیر تحریمہ کے وقت جس طرح اٹھاتے ہیں، اس طرح نہ اٹھانا، تکبیر کہتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھانا سنت اور اس کے خلاف کرنا مکروہ ہے۔[۹] ــــــــ (۱۰) خطبہ یا فرض نماز ہو رہی ہو اس وقت طواف کرنا۔[۱۰] ــــــــ (۱۱) طواف کے دوران کوئی چیز کھانا، بعض علماء نے

=الإحرام وصفة المفرد، مطلب في طواف القدوم، ط: دار الفكر☆بدائع الصنائع: ۱۴۷/۲، كتاب الحج، فصل بيان سنن الحج وبيان الترتيب في أفعاله، ط: دار الكتب العلمية)

[۷] (قوله وقف) وفي شرح الطحاوي يمشي حتى يجد الرمل وهو الأظهر لأن وقوفه مخالف للسنة، قاري على النقاية، وفي شرحه على اللباب: لأن الموالاة بين الأشواط وأجزاء الطواف سنة متفق عليها؛ بل قيل واجبة، فلا يتركها لسنة مختلف فيها. اهـ. قلت: ينبغي التفصيل جمعا بين القولين بأنه إن كانت الزحمة قبل الشروع وقف لأن المبادرة إلى الطواف مستحبة فيتركها لسنة الرمل المؤكدة وإن حصلت في الأثناء فلا يقف لئلا تفوت الموالاة.
(رد المحتار على الدر المختار: ۴۹۸/۲، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد، مطلب في طواف القدوم، ط: دار الفكر)

[۸] (وختم الطواف باستلام الحجر استنانا ثم صلى شفعا) في وقت مباح (يجب) بالجيم على الصحيح (بعد كل أسبوع). [الدر المختار] ــــــــ قال ابن عابدين: (قوله في وقت مباح) قيد للصلاة فقط فتكره في وقت الكراهة بخلاف الطواف، والسنة الموالاة بينهما وبين الطواف، فيكره تأخيرها عنه إلا في وقت مكروه ... (قوله على الصحيح) وقيل يسن، قهستاني (قوله بعد كل أسبوع) أي على التراخي ما لم يرد أن يطوف أسبوعا آخر، فعلى الفور بحر. وفي السراج يكره عندهما الجمع بين أسبوعين أو أكثر بلا صلاة بينهما وإن انصرف عن وتر.... والخلاف في غير وقت الكراهة أما فيه فلا يكره إجماعا ويؤخر الصلاة إلى وقت مباح. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۹۹/۲، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد، مطلب في طواف القدوم، ط: دار الفكر☆البحر الرائق: ۵۸۰، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: زكريا - ديوبند☆غنية الناسك في بغية المناسك، ص: ۱۹۲، باب دخول مكة وحرمها زادها الله شرفا وتعظيما، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

ويصلي لكل أسبوع ركعتين في الوقت الذي يباح فيه التطوع كذا في شرح الطحاوي ويكره له الجمع بين الأسبوعين بغير صلاة بينهما في قول أبي حنيفة ومحمد - رحمهما الله تعالى - سواء انصرف عن شفع أو وتر كذا في السراج الوهاج. (الفتاوى الهندية: ۲۲۷/۱، كتاب المناسك، الباب الخامس في كيفية أداء الحج، ط: دار الفكر - بيروت)

[۹] معلم الحجاج، ص ۱۳۰۔

[۱۰] ولو أقيمت الصلاة والرجل يطوف أو يسعى يترك الطواف والسعي ويصلي ثم يبني بعد الفراغ من الصلاة، وإذا=

پینے کو بھی مکروہ لکھا ہے، خواہ پانی ہو یا شربت یا کولڈرنک وغیرہ۔ [۱۱] ــــــــ (۱۲) پیشاب یا پاخانے کے تقاضے کے وقت طواف کرنا۔ [۱۲] ــــــــ (۱۳) سخت بھوک یا غصہ کی حالت میں طواف کرنا۔ [۱۳] ــــــــ (۱۴) طواف کی حالت میں نماز کی طرح ہاتھ باندھنا۔ [۱۴] ــــــــ (۱۵) کولہے، کوکھ یا گرد پر ہاتھ رکھ کر طواف کرنا۔ [۱۵] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] طواف کے چکروں میں شک ہوجائے، تو کیا کرے؟

۱۷۱۶- سوال: چند لوگوں کی ایک جماعت طواف کررہی تھی، کہ زید کو طواف کے چکروں میں شک ہوگیا کہ: کتنے ہوئے ہیں، تو اب وہ کیا کرے؟

الجواب حامداومصلیا:

شک کی صورت میں اگر ساتھ میں طواف کرنے والوں میں سے کوئی ایک دین دار شخص بتلائے کہ اتنے چکر ہوئے ہیں، تو اس کی بات پر عمل کرنا مستحب ہے؛ لیکن اگر یہ اطلاع دو دین دار شخص دے، تو ان کی بات پر عمل کرنا واجب ہے۔

=أقيمت الجنازة خرج من سعيه إليها فإذا فرغ وعاد يبني على ما كان، هكذا في فتح القدير. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۲۷، كتاب المناسك، الباب الخامس في كيفية أداء الحج، ط: دار الفكر-بيروت)

(الطواف عند الخطبة) أي مطلقا لأشعاره بالإعراض ولو كان ساكتا (وإقامة المكتوبة) فإن ابتداء الطواف حينئذ مكروه. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط-الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴هـ)، ۲۳۴، فصل في مكروهاته، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة)

[۱۱] وجاز فيهما أكل وبيع وإفتاء وقراءة لكن الذكر أفضل منها. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله وجاز فيهما أكل وبيع) المصرح به في اللباب كراهة البيع فيهما وكراهة الأكل في الطواف لا السعي، ومثل البيع الشراء وعد الشرب فيهما من المباحات. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۹۷، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد، مطلب في طواف القدوم، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/ ۵۷۷، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: زكريا-ديوبند)

[۱۲-۱۳] والطواف وهو يدافع البول أو الغائط، أو وهو شديد التوقان إلى الأكل، ونحو ذلك مما يشغله عن الحضور في العبادة، كما يكره في الصلاة. (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۲۹/ ۱۴۱، مادة: طواف، مكروهات الطواف، ط: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية-الكويت)

[۱۴] معلم الحجاج، ص: ۱۳۰۔

[۱۵] حوالہ سابق۔

اور کوئی بتانے والا نہ ہو، تو طواف رکن میں شک ہو جائے، تو سات چکر پھر سے لگائے اور نئے سرے سے طواف کرے، اگر طواف واجب میں شک ہو جائے، تو جس چکر کے متعلق شک ہو، بس اسی کو دہرائے، طواف سنت یا نفل میں شک ہو جائے، تو جس طرف زیادہ خیال ہو، اس کو اختیار کرے، یعنی غالب گمان پر عمل کرے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] طواف کے لیے کسی کو اجرت پر متعین کرنا

۱۷۱۷- سوال: ایک شخص معذور، یا نہایت ضعیف ہے، از خود طواف نہیں کرسکتا ہے، اس نے ایک شخص کو کرایہ پر طے کیا ہے کہ: اس کو ویل چیئر یا سائیکل پر طواف کرائے، تو کیا ایسا کرنا جائز ہے، اس کی اجرت لینے دینے میں شرعاً کوئی حرج تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مریضوں اور معذوروں کا ویل چیئر اور سائیکل پر بیٹھ کر طواف کرنا صحیح ہے۔[2] اور کسی کو اس کام کے

---

(۱) لو شك في عدد الأشواط في طواف الركن أعاده ولا يبني على غالب ظنه، بخلاف الصلاة، وقيل إذا كان يكثر ذلك يتحرى، ولو أخبره عدل بعدد يستحب أن يأخذ بقوله، ولو أخبره عدلان وجب العمل بقولهما لباب. قال شارحه ومفهومه أنه لو شك في أشواط غير الركن لا يعيده بل يبني على غلبة ظنه؛ لأن غير الفرض على التوسعة والظاهر أن الواجب في حكم الركن لأنه فرض عملي. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۹۷، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد، مطلب في طواف القدوم، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/۵۷۷، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: زكريا- ديوبند ☆ غنية الناسك في بغية المناسك، ص: ۱۳۲، فصل في الأخذ في الطواف وكيفية أدائه، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

وفصل الحنفية في الشك في عدد الأشواط بين طواف الفرض والواجب وغيره: أما طواف الفرض كالعمرة والزيارة والواجب كالوداع فقالوا: لو شك في عدد الأشواط فيه أعاده، ولا يبني على غالب ظنه، بخلاف الصلاة، ولعل الفرق بينهما كثرة الصلوات المكتوبة وندرة الطواف.

أما غير طواف الفرض والواجب وهو النفل فإنه إذا شك فيه يتحرى، ويبني على غالب ظنه، ويبني على الأقل المتيقن في أصله. (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۲۹/۱۲۵، مادة: طواف، الشك في عدد الأشواط، ط: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية- الكويت)

(۲) وأما ركنه فحصوله كائنا حول البيت سواء كان بفعل نفسه أو بفعل غيره، وسواء كان عاجزا عن الطواف بنفسه فطاف به غيره بأمره أو بغير أمره، أو كان قادرا على الطواف بنفسه فحمله غيره بأمره أو بغير أمره غير أنه إن كان عاجزا أجزأه، ولا شيء عليه، وإن كان قادرا أجزأه، ولكن يلزمه الدم، أما الجواز فلأن الفرض حصوله كائنا حول=

لیے اجارہ پر طے کرنا کہ وہ اس کو ویل چیئر یا سائیکل پر بیٹھا کر طواف کرائے، تو جائز ہے، اس کی اجرت لینے اور دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بلا عذر سائیکل، ویل چیئر وغیرہ پر طواف کرے گا، تو دم واجب ہوگا، ساتھ میں گنہ گار بھی ہوگا۔ (☆☆) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۱] رمی: مفہوم، وقت اور طریقہ

۱۷۱۸- سوال: رمی کسے کہتے ہیں، اس کا وقت اور طریقہ کیا ہے۔؟

الجواب حامداومصلیا:

''رمی'' جمرہ پر کنکر مارنے کو کہتے ہیں۔ (۱) دسویں تاریخ کو فقط ایک ہی جمرہ کی رمی کرنا واجب ہے، گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو تینوں جمرات کی رمی کرنا واجب ہے، اگر تیرہویں کی صبح صادق تک منیٰ میں ٹھہر گیا، تو اس دن بھی تینوں جمرات کی رمی کرنا واجب ہے۔ (۲)

=البيت، وقد حصل.

وأما لزوم الدم فلتركه الواجب، وهو الشيء بنفسه مع القدرة عليه فدخله نقص فيجب جبره بالدم كما إذا طاف راكبا أو زحفا، وهو قادر على المشي، وإذا كان عاجزا عن المشي لا يلزمه شيء؛ لأنه لم يترك الواجب إذ لا وجوب مع العجز. (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۳۴، كتاب الحج، فصل ركن طواف الزيارة، ط: دار الكتب العلمية)

(☆☆)(و) لا لأجل الطاعات مثل (الأذان والحج والإمامة وتعليم القرآن والفقه) ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان. (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/ ۵۶، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، ط: دار الفكر ☆ لسان الحكام في معرفة الأحكام- أحمد بن محمد بن محمد، أبو الوليد، لسان الدين ابن الشِّحْنَة الثقفي الحلبي الحلبي (م: ۸۸۲هـ)، ص: ۳۶۶، الفصل الثامن عشر في الاجارة، ط: البابي الحلبي - القاهرة ☆ درر الحكام شرح غرر الأحكام- محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا- أو منلا أو المولى- خسرو (م: ۸۸۵هـ): ۲/ ۲۳۳، كتاب الإجارة، باب مايفسد الإجارة، ط: دار إحياء الكتب العربية)

(۱) وأما تفسير رمي الجمار، فرمي الجمار في اللغة: هو القذف بالأحجار الصغار، وهي الحصى، إذ الجمار جمع جمرة، والجمرة هي الحجر الصغير، وهي الحصاة، وفي عرف الشرع: هو القذف بالحصى في زمان مخصوص، ومكان مخصوص، وعدد مخصوص. (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۳۷، كتاب الحج، فصل تفسير رمي الجمار، ط: دار الكتب العلمية)

(۲) وأما مكان الرمي ففي يوم النحر عند جمرة العقبة، وفي الأيام الأخر عند ثلاثة مواضع: عند الجمرة الأولى، والوسطى، والعقبة. (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۳۸، كتاب الحج، فصل مكان رمي الجمار، ط: دار الكتب العلمية)

أنه في اليوم الأول يرمي جمرة العقبة لا غير، وفي بقية الأيام يرميها يبدأ بالأولى ثم بالوسطى ثم بجمرة العقبة كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۳۴، كتاب المناسك، الباب الخامس في كيفية أداء الحج، مواضع رمي الجمار، ط: دار الفكر ☆ غنية الناسك في بغية المناسك، ص: ۲۳۳، باب الرمي، فصل في أيام الرمي، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

رمی کا طریقہ یہ ہے کہ: سب سے پہلے جمرۂ اولیٰ کی جڑ میں سات کنکریاں مارکر' ایک طرف لوگوں سے کچھ دور ہٹ جائے اور قبلہ رو ہوکر دعا مانگے۔

جمرۂ اولیٰ سے فارغ ہوکر جمرۂ وسطیٰ پر آئے، یہاں بھی سات کنکریاں مارکر' لوگوں سے ایک طرف ہوکر دعا مانگے۔

اس کے بعد جمرۂ عقبہ کی رمی کرے، جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد ٹھہرنا اور دعا مانگنا حدیث سے ثابت نہیں ہے؛ لہٰذا رمی کے بعد یہاں سے فوراً روانہ ہوجائے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

---

(۳) عن عائشة، قالت: أفاض رسول الله صلى الله عليه وسلم من آخر يومه حين صلى الظهر، ثم رجع إلى منى، فمكث بها ليالي أيام التشريق يرمي الجمرة، إذا زالت الشمس كل جمرة بسبع حصيات، يكبر مع كل حصاة، ويقف عند الأولى، والثانية فيطيل القيام، ويتضرع، ويرمي الثالثة ولا يقف عندها. (سنن أبي داود: ۱/۲۷۱، رقم الحديث: ۱۹۷۳، كتاب المناسك، باب في رمي الجمار، ط: ديوبند)

وفي الأيام الأخر عند ثلاثة مواضع: عند الجمرة الأولى، والوسطى، والعقبة، ويعتبر في ذلك كله مكان وقوع الجمرة لا مكان الرمي حتى لو رماها من مكان بعيد فوقعت الحصاة عند الجمرة أجزأه، وإن لم تقع عنده لم تجزها إلا إذا وقعت بقرب منها؛ لأن ما يقرب من ذلك المكان كان في حكمه لكونه تبعا له. . . فإن ترك الترتيب في اليوم الثاني فبدأ بجمرة العقبة فرماها ثم بالوسطى ثم بالتي تلي المسجد ثم ذكر ذلك في يومه، فإنه ينبغي أن يعيد الوسطى وجمرة العقبة، وإن لم يعد أجزأه، ولا يعيد الجمرة الأولى، أما إعادة الوسطى وجمرة العقبة فلتركه الترتيب، فإنه مسنون؛ لأن النبي - صلى الله عليه وسلم - رتب فإذا ترك المسنون تستحب الإعادة. (بدائع الصنائع: ۲/۱۳۸-۱۳۹، كتاب الحج، فصل بيان حكم رمي الجمار إذا تأخر عن وقته، ط: دار الكتب العلمية)

بخلاف اليوم الأول، وهو يوم النحر إذا ترك الجمرة فيه، وهو سبع حصيات أنه يلزمه دم عنده؛ لأن سبع حصيات كل، وظيفة اليوم الأول فكان تركه بمنزلة ترك كل، وظيفة اليوم الثاني والثالث، وذلك أحد وعشرون حصاة. (المصدر السابق: ۲/۱۳۹ ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۲۴۷، كتاب الحج، الفصل الخامس، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۳/۵۲۹، كتاب الحج، الفصل الثالث، ط: زكريا - ديوبند)

ثم الأصل أن كل رمي بعده رمي يقف بعده لأنه في وسط العبادة فيأتي بالدعاء فيه وكل رمي ليس بعده رمي لا يقف لأن العبادة قد انتهت ولهذا لا يقف بعد جمرة العقبة في يوم النحر أيضا. (الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/۱۴۶، كتاب الحج، باب الإحرام، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت)

[۲۲] رمی جمرہ میں نیابت اور نائب کے رمی کرنے کا طریقہ

۱۷۱۹-سوال: ایک شخص کثرت ازدحام کی وجہ سے خود رمی کرنے نہیں جاتا ہے؛ بل کہ کسی مسٹنڈے، صحت مند آدمی کو اپنا نائب بناتا ہے، تو کیا یہ صحیح ہے، اگر صحیح ہے تو نائب کا اُس کی طرف سے رمی کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

مرد، عورت، ضعیف اور مریض سب کا بہ ذات خود رمی کرنا ضروری ہے، دوسرے کو نائب بنانا جائز نہیں ہے۔[۱]

ہاں عذر شرعی کی وجہ سے نائب بنانا جائز ہے، مثلاً: آدمی اتنا بیمار ہو کہ بیٹھ کر نماز پڑھنا اس کے لیے جائز ہو، یا مرض کی وجہ سے جمرہ تک پہنچنے میں شدید تکلیف ہو اور مرض بڑھ جانے کا قوی اندیشہ ہو، یا پیدل چلنے کی استطاعت نہ ہو اور سواری بھی میسر نہ ہو، تو ایسا شخص رمی میں دوسرے کو نائب بنا سکتا ہے۔[۲]

نائب کے لیے رمی کا طریقہ یہ ہے کہ: وہ پہلے خود اپنی طرف سے تینوں جمروں کی رمی کر لے، اس کے بعد معذور کی طرف سے رمی کرے، اسی طرح دوسرے اور تیسرے شخص کی، جس قدر لوگوں کا نائب ہو، یکے بعد دیگرے کرتا رہے؛ لیکن اس طرح رمی کرنا کہ پہلے اپنی طرف سے ایک کنکری پھینکے، پھر معذور کی طرف سے پھینکے، یہ مکروہ ہے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] رمی کے بعض مسائل

۱۷۲۰-سوال: جب رمی کا دن آیا، تو ہم نے دس ذی الحجہ کو بڑے شیطان کو کنکریاں ماریں، اور گیارہویں ذی الحجہ کو درمیانی، بڑے، اور چھوٹے شیطان کو بالترتیب کنکری مار کر چلے آئے اور تیسرے دن

(۱) السادس: أن یرمي بنفسه فلا تجوز النیابة فیه عند القدرة. (غنیة الناسك، ص: ۲۴۳، فصل في شرائط الرمي، ط: مکتبه یادگار شیخ، سہارن پور)

والرجل والمرأة في الرمي سواء إلا أن رمیها في اللیل أفضل فلا تجوز النیابة عن المرأة بغیر عذر. (حوالہ سابق)

(۲) وتجوز عند العذر فلو رمی عن مریض بأمره أو مغمی علیه ولو بغیر أمره أو صبي أو معتوه أو مجنون جاز. (حوالہ سابق)

(۳) والأولی أن یرمي السبعة أولا عن نفسه، ثم عن غیره. (حوالہ سابق)

ولو رمی بحصاتین إحداهما عن نفسه والأخری من غیره جاز ویکره. (حوالہ سابق)

یعنی بارہ ذی الحجہ کو کنکری مارنے سے پہلے مولانا سے رمی کے متعلق پوچھا، تو مولانا نے بتایا کہ: جاؤ چھوٹے شیطان کو چودہ کنکری مارو، (یعنی سات کنکری گذشتہ کل کی اور سات آج کی)، اور پھر درمیانی اور بڑے شیطان کو کنکری مارنا۔ ہم نے ایسا ہی کیا، تو کیا حنفی مسلک کے مطابق ہماری رمی صحیح ہوئی؟ خیمہ میں بیٹھے ہوئے انڈیا، پاکستان اور بنگلہ دیش کے علماء گیارہویں کو ترتیب وار کنکری نہ مارنے کی وجہ سے، قضا، اور دم واجب ہونے کو بتلا رہے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کو ترتیب سے رمی کرنا سنت ہے، پہلے چھوٹے (جمرۂ اولیٰ) پھر درمیانی (جمرۂ وسطی) پھر بڑے پتھر (جمرۂ عقبہ) پر رمی کرنا مسنون ہے؛ آپ حضرات نے رمی خلاف سنت ادا کی ہے، اس کے باوجود ادا ہوگئی۔[1] بارہویں کو وہ شخص قضاء کرے، جس نے گیارہویں کو رمی نہ کی ہو۔[2] خلاف سنت امر پر دم واجب نہیں ہوتا، مولانا صاحب نے آپ کو غلط مسئلہ بتایا ہے۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (وإذا كان اليوم الثاني) أي من أيام النحر... (رمى الجمار الثلاثة)... (ويبدأ بالجمرة الأولى) أي وجوبا وهو الأحوط، أو سنة وعليه الأكثر،... (ثم يأتي الجمرة الوسطى، فيصنع عندها كما صنع عند الأولى)... ثم يأتي الجمرة القصوى وهي جمرة العقبة). (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۳۴۰-۳۴۲، باب رمي الجمار وأحكامه، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة)

(۲) (فلو بدأ بجمرة العقبة ثم بالوسطى ثم بالأولى... ثم تذكر ذلك في يومه فإنه يعيد الوسطى و العقبة حتما) أي وجوبا عند البعض (أو سنة) مؤكدة عند الأكثر، وكذا لو ترك الأولى و رمى الأخريين، فإنه يرمي الأولى ويستقبل الباقية) أي ويأتي بالوسطى والعقبة وجوبا أو سنة. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملاعلي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۳۵۲، باب رمي الجمار وأحكامه، فصل في أحكام الرمي وشرائطه وواجباته)

(۳) تینوں جمرات کی رمی میں ترتیب کی کیا حیثیت ہے، بعض علماء کی رائے ہے کہ ترتیب واجب ہے، جب کہ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ جمرات ثلاثہ کے درمیان ترتیب واجب نہیں، پہلا قول احتیاط پر مبنی ہے، جب کہ اکثر علماء نے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے۔

خیمہ میں موجود متعدد علماء نے جو وجوب دم کی بات کہی ہے، وہ پہلے قول پر مبنی ہے، کہ رمی میں جمرات کے درمیان ترتیب واجب ہے اور ترک واجب پر دم آتا ہے۔ جب کہ حضرت مفتی صاحبؒ نے اکثر علماء کے قول کے مطابق ''کہ رمی میں ترتیب واجب نہیں ہے''، خیمے میں موجود علماء کے قول کی تغلیط کی ہے، تفصیل کے لیے ذیل کی عبارت ملاحظہ فرمائیں، لباب اور اس ملا علی قاریؒ کی شرح میں رمی کی شرائط کی تفصیل کے ذیل میں یہ عبارت ہے:

(العاشر: الترتيب في رمي الجمار على قول بعض) ففي "المبسوط" للسرخسي: فإن بدأ في اليوم الثاني بجمرة العقبة فرماها، ثم بالجمرة الوسطى، ثم بالتي تلي المسجد، ثم ذكر ذلك في يومه، يعيد على الجمرة =

[۲۴] رمیٔ جمار سے قبل منیٰ چھوڑ دینے کی وجہ سے دم واجب ہوگا یا نہیں؟

۱۷۲۱- سوال: ہمارے ایک رشتہ دار اس سال حج کو گئے تھے، اُن کے ساتھ اِس طرح کا واقعہ پیش آیا ہے کہ ایامِ حج میں قیامِ منیٰ کے دِنوں میں سے ایک دن جمعہ تھا، وہ جمعہ کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ چلے گئے، گویا شیطان کو کنکریاں مارنے سے پہلے منیٰ سے رخصت ہو گئے، البتہ جمعہ کی ادائیگی کے بعد فوراً آ کر انہوں نے کنکریاں ماری، تو کیا گیارہویں ذی الحجہ کو رمی سے پہلے، منیٰ سے چلے جانے کی وجہ سے اُن پر کسی طرح کا دم واجب ہوگا؟ حالاں کہ انہوں نے بعدِ جمعہ، واپس آ کر رمی کی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

امسال (۱۹۷۴ء) گیارہویں ذی الحجہ کو جمعہ کا دن تھا، رمی کا وقتِ مسنون گیارہویں ذی الحجہ کو زوالِ شمس کے بعد سے غروبِ شمس تک رہتا ہے، اِس لیے کوئی شخص مکہ مکرمہ طوافِ زیارت یا ادائیگیٔ جمعہ کے لیے گیا، اور واپس آ کر اس نے غروبِ شمس سے قبل رمی کر لی، تو اُس نے خلافِ شرع کوئی کام نہیں کیا، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں حاجی صاحب کے حج میں کوئی خرابی نہیں آئی۔

صورتِ مسئولہ میں جمعہ کی ادائیگی کے بعد فوراً آ کر غروبِ شمس سے پہلے رمی جمار کی گئی ہے، گویا وقتِ مسنون میں رمی کی گئی ہے، اس لیے سنت طریقہ کے مطابق عمل ہوا ہے، اِس میں کوئی دم واجب نہیں ہوگا، البتہ رات میں مردوں کے لیے رمی کرنا مکروہ ہے، لیکن دم واجب نہیں ہوگا، اور عورتوں کے لیے ازدحام

=الوسطى، وجمرة العقبة، لأنه نسك شرع مرتبا في هذا اليوم، فما سبق أوانه لا يعتد به، فكان رمي الجمرة الأولى بمنزلة الافتتاح للجمرة الوسطى، والوسطى بمنزلة الافتتاح لجمرة العقبة فما أدى قبل وجود مفتاحه، لا يكون معتدا به كمن سجد قبل الركوع أو سعى قبل الطواف بالبيت فالمعتد من رميه هنا الجمرة الأولى فلهذا يعيد على الوسطى كمن سجد قبل الركوع أو سعى قبل الطواف بالبيت فالمعتد من رميه هنا الجمرة الأولى فلهذا يعيد على الوسطى، وعلى جمرة العقبة. انتهى. وهو صريح في إفادة هذا المعنى.

(والأكثر على أنه سنة) كما صرح به صاحب "البدائع" والكرماني و"المحيط" و"فتاوى السراجية". وقال ابن الهمام: والذي يقي عندي استنان الترتيب، لا تعيينه. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۳۵۲، باب رمي الجمار و أحكامه، فصل في أحكام الرمي و شرائطه و واجباته، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة)

[مجتبیٰ حسن قاسمی]

کی وجہ سے رات میں بھی رمی کرنا مکروہ نہیں ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] أیضاً

گذشتہ سے پیوستہ

۱۷۲۲- سوال: (متعلق بالا) اگر دم واجب ہوتا ہے، جیسا کہ بعض علماء فرما رہے ہیں، تو مذکورہ شخص اِس وقت اپنے وطن ''ری یونین'' میں آچکے ہیں، تو وہ دم کس جگہ ادا کریں؟ اگر دم واجب نہ ہو، تو اِس غلطی کی وجہ سے اُسے کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

اوپر ذکر کردہ تفصیل کے مطابق دم بالکل واجب نہیں ہے، ارکانِ حج میں کسی طرح کا کوئی نقصان نہیں ہوا ہے؛ اِس لیے اگر کوئی شخص وجوبِ دم کی بات کہہ رہا ہے، تو وہ غلط مسئلہ بتا رہا ہے، اندازے سے جواب دے رہا ہے، تو گنہ گار ہوگا، یہ بڑی جسارت کی بات ہے کہ آدمی بغیر علم حاصل کیے ہوئے لوگوں کی رہنمائی کرنے لگے؛ اِس لیے مسئلہ بتانے میں بڑے احتیاط کی ضرورت ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۶] حج میں عورتوں کے مخصوص مسائل

۱۷۲۳- سوال: حج میں عورتوں کے وہ مسائل، جو مردوں سے مختلف ہیں، کیا ہیں؟

---

(۱)(والوقت المسنون في اليومين يمتد من الزوال إلى غروب الشمس، و من الغروب إلى طوع الفجر وقت مكروه) أي اتفاقا... (ولو لم يرم يوم النحر) أي اليوم الأول (أو الثاني أو الثالث رماه في الليلة المقبلة) أي الآتية لكل من الأيام الماضية (ولا شيء عليه سوى الإساءة) لتركه السنة (إن لم يكن بعذر) أي ضرورة. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط- الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۳۳۹-۳۴۰، باب رمي الجمار و أحكامه، فصل في وقت الرمي، ت: محمد طلحة بلال أحمد منيار، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة)

السادس: أن يرمي بنفسه فلا تجوز النيابة فيه عند القدرة..............

و الرجل و المرأة في الرمي سواء إلا أن رميها في الليل أفضل فلا تجوز النيابة عن المرأة بغير عذر. (غنية الناسك، ص: ۲۴۳، فصل في شرائط الرمي، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

(۲) فالمفروض على المفتي و القاضي التثبت في الجواب و عدم المجازفة فيهما، خوفا من الافتراء على الله بتحريم حلال و ضده، و يحرم اتباع الهوى و التشهي و الميل إلى المال، الذي هو الداهية الكبرى، المصيبة العظمى، فإن ذلك أمر عظيم، لا يتجاسر عليه إلا كل جاهل شقي. (شرح عقود رسم المفتي- ابن عابدين (م: ۱۲۵۲ھ) ص: ۵۸، طبقات الفقهاء، ط: زكريا- ديوبند)

الجواب حامدا ومصليا:

عورتوں کے وہ احکام، جو مردوں سے جدا ہیں، درج ذیل ہیں:

(۱) عورتوں کے لیے رمل اور اضطباع جائز نہیں ہے۔[۱] (۲) صفا اور مروہ کی سعی میں عورتوں کے لیے میلین اخضرین کے درمیان دوڑنا سنت نہیں ہے۔[۲] (۳) عورتوں کا بلند آواز سے تلبیہ پڑھنا ممنوع ہے؛ کیوں کہ اجنبی مرد تک اس کی آواز پہنچے گی، جو جائز نہیں ہے، صرف اس قدر آواز سے پڑھے کہ خود سن لے۔[۳] (۴) عورتیں احرام کی حالت میں بھی سلا ہوا کپڑا پہنیں گی۔[۴] (۵) خواتین کے لیے سر کے بال منڈوانا حرام ہے، صرف بال کتروائے گی۔[۵] (۶) حیض ونفاس کی حالت میں عورت کسی قسم کا طواف نہیں کرسکتی اور ایسی حالت میں مسجد میں آنا بھی جائز نہیں ہے۔[۶] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱-۲] (ولا ترمل) ولا تضطبع (ولا تسعى بين الميلين). [الدر المختار] ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله ولا ترمل إلخ) لأن أصل مشروعيته لإظهار الجلد وهو للرجال ولأنه يخل بالستر، وكذا السعي: أي الهرولة بين الميلين في السعي والاضطباع سنة الرمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۲۸/۲، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد، مطلب في طواف القدوم، ط: دار الفكر☆المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۱۷۲/۲۷، كتاب الوصايا، باب الوصية في الحج، ط: دار المعرفة- بيروت☆الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱۳۹/۱، كتاب الحج، باب الإحرام، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت☆البحر الرائق- ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۶۲۲/۲، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: زكريا- ديوبند)

[۳-۴-۵] "ولا ترفع صوتها بالتلبية" لما فيه من الفتنة"... ولا تحلق ولكن تقصر "لما روي أن النبي عليه الصلاة والسلام نهى النساء عن الحلق وأمرهن بالتقصير ولأن حلق الشعر في حقها مثله كحلق اللحية في حق الرجل وتلبس من المخيط ما بدا لها؛ لأن في لبس غير المخيط كشف العورة. (الهداية في شرح بداية المبتدي: ۱۳۹/۱، كتاب الحج، باب الإحرام، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت ☆ البحر الرائق- ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۶۲۱-۶۲۲/۲، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: زكريا- ديوبند☆رد المحتار على الدر المختار: ۵۲۸/۲، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد، مطلب في طواف القدوم، ط: دار الفكر☆المبسوط- شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۱۷۲/۲۷، كتاب الوصايا، باب الوصية في الحج، ط: دار المعرفة- بيروت)

[۶] (وحيضها لا يمنع) نسكا (إلا الطواف) [الدر المختار] ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله لا يمنع نسكا) أي شيئا من أعمال الحج (قوله إلا الطواف) فهو حرام من وجهين دخولها المسجد وترك واجب الطهارة. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۲۸/۲، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد، مطلب في طواف القدوم، قبيل باب القران هو أفضل) =

[۲۷] طواف زیارت کا وقت

۱۷۲۴- سوال: طواف زیارت کی حج میں کیا حیثیت ہے، اور اس کا وقت کب تک ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

طواف زیارت حج کا عظیم رکن ہے، اس کا وقت دسویں تاریخ کی صبح صادق سے بارہویں کی سورج غروب ہونے تک رہتا ہے، مگر دسویں کو اس طواف کی ادائیگی مستحب ہے؛ لہٰذا دسویں ذی الحجہ کو رمی، قربانی پھر حلق کر کے طواف زیارت کرنا چاہیے۔ بارہویں تاریخ کے بعد اس طواف کا کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس سے دم واجب ہوتا ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۸] حائضہ کا ۱۲/تاریخ کے بعد طواف زیارت کرنا

۱۷۲۵- سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ: ایک خاتون کو ۱۰/۱۱/۱۲ تینوں

= والمرأة في جميع ذلك كالرجل، غير أنها لا تكشف رأسها، وتكشف وجهها، ولا ترفع صوتها بالتلبية، ولا ترمل في الطواف، ولا تسعى بين الميلين، ولا تحلق رأسها، ولكن تقصر. ــــــــ قال الشارح: [عبد الغني بن طالب بن حمادة بن إبراهيم الغنيمي الدمشقي الميداني الحنفي (م:۱۲۹۸ھ)]: (والمرأة في جميع ذلك) المار (كالرجل) لعموم الخطاب (غير أنها لا تكشف رأسها) : لأنها عورة (وتكشف وجهها) ولو سدلت شيئاً عليه وجافته عنه جاز؛ لأنه بمنزلة الاستظلال بالمحمل (ولا ترفع صوتها بالتلبية) بل تسمع نفسها دفعا للفتنة (ولا ترمل في الطواف) ولا تضطبع، ولا تسعى بين الميلين (ولا تحلق رأسها، ولكن تقصر) من ربع شعرها كما مر، وتلبس المخيط والخفين. (اللباب في شرح الكتاب:۱/ ۱۹۵، كتاب الحج، قبيل باب القران، ت: محمد محيي الدين عبد الحميد، ط: المكتبة العلمية، بيروت-لبنان)

(۱) وطواف الزيارة ركن الحج، وهو الحج الأكبر في تأويل قوله تعالى ﴿وأذان من الله ورسوله إلى الناس يوم الحج الأكبر﴾ [التوبة:۳] ووقته أيام النحر فلا ينبغي أن يؤخره عن أيام النحر، والأفضل أداؤه في أول أيام النحر كالتضحية لقوله - صلى الله عليه وسلم -: أيام النحر ثلاثة أفضلها أولها.(المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م:۴۸۳ھ): ۴/ ۲۲، كتاب المناسك، ط: دار المعرفة-بيروت)

(و) طواف الزيارة (أول وقته بعد طلوع الفجر يوم النحر وهو فيه) أي الطواف في يوم النحر الأول (أفضل ويمتد) وقته إلى آخر العمر (وحل له النساء) بالحلق السابق، حتى لو طاف قبل الحلق لم يحل له شيء، . . . (فإن أخره عنها) أي أيام النحر ولياليها منها (كره) تحريما (ووجب دم) لترك الواجب. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۵۱۸-۵۱۹، كتاب الحج، مطلب في طواف الزيارة، ط: دار الفكر)

تاریخ میں- جو طواف زیارت کا وقت ہے- ماہواری جاری ہے، وہ بارہ تاریخ کے بعد پاک ہوئی، اب وہ طواف زیارت کرنا چاہتی ہے، کرسکتی ہے یا نہیں، اس پر دم واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

اگر عورت حیض یا نفاس کی وجہ سے بارہویں تاریخ کے بعد طواف زیارت کررہی ہے، تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے، اس پر دم واجب نہیں ہوگا۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] طواف وداع اور حائضہ خاتون

۱۷۲۶- سوال: طواف وداع کن لوگوں پر واجب ہے؟

اس کا وقت کیا ہے؟ اگر کسی عورت کو طواف وداع کے وقت ماہواری جاری ہو، تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

طواف وداع میقات سے باہر رہنے والوں پر واجب ہے۔

اس کا وقت طواف زیارت کے بعد ہے، جب مکہ مکرمہ سے واپسی کا ارادہ ہوتا ہے، اس وقت بیت اللہ کا وداعی طواف کیا جاتا ہے۔ [2]

اگر کسی عورت کو حیض آ گیا ہو اور اس کا شوہر یا محرم- جس کے ساتھ اس نے سفر کیا ہے- روانہ ہو رہا

---

[۱] (وحيضها لا يمنع) نسكا (إلا الطواف) ولا شيء عليها بتأخيره إذا لم تطهر إلا بعد أيام النحر. [الدر المختار]

قال ابن عابدين: (قوله لا يمنع نسكا) أي شيئا من أعمال الحج (قوله إلا الطواف) فهو حرام من وجهين دخولها المسجد وترك واجب الطهارة. (رد المحتار: ۲/ ۵۲۸، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد، مطلب في طواف القدوم، قبيل باب القران هو أفضل، ط: دار الفكر- بيروت)

(۲) (ثم) إذا أراد السفر (طاف للصدر) أي الوداع (سبعة أشواط بلا رمل وسعي، وهو واجب إلا على أهل مكة ومن في حكمهم. (الدر المختار)———قال ابن عابدين: (قوله ثم إذا أراد السفر) أتى بثم وما بعدها إشارة إلى ما في النهر وغيره من أن أول وقته بعد طواف الزيارة إذا كان على عزم السفر . . . (قوله إلا على أهل مكة) أفاد وجوبه على كل حاج آفاقي مفرد أو متمتع أو قارن بشرط كونه مدركا مكلفا غير معذور فلا يجب على المكي، ولا على المعتمر مطلقا، وفائت الحج والمحصر والمجنون والصبي والحائض والنفساء كما في اللباب وغيره (قوله ومن في حكمهم) أي ممن كان داخل المواقيت، وكذا من نوى الاستيطان قبل حل النفر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۲۳، كتاب الحج، مطلب في طواف الزيارة، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق- ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۲/ ۲۲- ۶۲۱، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: زكريا- ديوبند ☆ غنية الناسك في بغية المناسك، ص: ۲۴۷، باب طواف الصدر، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

ہو، تو ایسی صورت میں عورت کے ذمے یہ طواف واجب نہیں ہے۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیمات غفرلہ

[۳۰] طواف وداع کے بعد مکہ میں ٹھہرنے والے کا حکم

۱۷۲۷- سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے مکہ مکرمہ سے روانہ ہونے کا پختہ اردہ کرلیا، طواف وداع سے بھی فارغ ہوگیا؛ لیکن اچانک اسے کسی کام کی وجہ سے مزید کچھ ایام مکہ میں ٹھہرنا پڑ گیا، تو کیا اب واپسی کے وقت دوبارہ اس کے لیے طواف وداع کرنا واجب ہے؟

الجواب حامداومصليا:

طواف وداع کرنے کے بعد کسی وجہ سے مکہ مکرمہ میں ٹھہرنا ہوگیا ہو، تو پھر جب رخصت ہونے کا ارادہ ہو، اس وقت دوبارہ طواف کرنا مستحب ہے، واجب نہیں۔ [2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (وهو بعد حصول ركنيه يسقط طواف الصدر) ومثله النفاس. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله وهو) أي الحيض بعد حصول ركنيه: أي ركني الحج، وهو وإن كان فيه تشتيت الضمائر لكنه ظاهر (قوله يسقط طواف الصدر) أي يسقط وجوبه عنها كما قدمناه ولا دم عليها كما في اللباب. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۲۳، كتاب الحج، مطلب في طواف الزيارة، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق-ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۲/ ۲۲-۶۲۱، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: زكريا- ديوبند)

(وإن حاضت بعد) الوقوف و (طواف الزيارة سقط عنها طواف الصدر ولا شيء عليها لتركه) أي ترك طواف الصدر ولم يأمرهن بإقامة شيء مقامه كما يسقط عمن أقام بمكة؛ لأنه على من يصدر من مكة فإن أقام قبل أن يحل النفر الأول سقط عنه طواف الصدر بالاتفاق. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر- عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ 'داماد أفندي' (م: ۱۰۷۸هـ): ۱/ ۲۸۶، كتاب الحج، فصل المسائل التي تتعلق بالوقوف وأحوال النساء وأحوال البدن وتقليدها، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۲) (ثم) إذا أراد السفر (طاف للصدر) أي الوداع (سبعة أشواط بلا رمل وسعي، وهو واجب إلا على أهل مكة) ومن في حكمهم فلا يجب بل يندب كمن مكث بعده. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله ثم إذا أراد السفر) أتى بثم وما بعدها إشارة إلى ما في النهر وغيره من أن أول وقته بعد طواف الزيارة إذا كان على عزم السفر، حتى لو طاف كذلك ثم أطال الإقامة بمكة ولم يتخذها دارا جاز طوافه ولا آخر له وهو مقيم، بل لو أقام عاما لا ينوي الإقامة فله أن يطوف، ويقع أداء، نعم المستحب إيقاعه عند إرادة السفر. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۲۳، كتاب الحج، مطلب في طواف الصدر، ط: دار الفكر)

وأما وقته [طواف الصدر] فقد روي عن أبي حنيفة أنه قال ينبغي للإنسان إذا أراد السفر أن يطوف طواف الصدر =

[۳۱] طواف وداع کیے بغیر واپس ہونے کا حکم

۱۷۲۸-سوال: ایک شخص جلدی جلدی میں طواف وداع کیے بہ غیر ہی مکہ سے روانہ ہوگیا، میقات کی حدود سے نکلنے کے بعد اس کو کسی نے بتایا کہ: تم نے طواف وداع نہیں کیا ہے؛ اس لیے تمہارے ذمے دم واجب ہوگیا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ ہماری شرعی رہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں کہ کیا اس شخص کا یہ کہنا کہ ''تم پر دم واجب ہوگیا ہے'' صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو [غیر مکی یا ایسا شخص، جو میقات کے اندر رہتا ہو] شخص طواف وداع کیے بہ غیر مکہ سے روانہ ہوگیا ،تو جب تک وہ میقات سے نہ نکلے، واپس لوٹ کر طواف کرنا اس کے لیے واجب ہے، اس میں احرام کی شرط نہیں ہے، اور اگر میقات سے نکل گیا ہے، جیسا کہ آپ کے سوال میں مذکور ہے، تو اب اس پر دو کام میں سے کوئی ایک ضروری ہے: یا تو دم ادا کرے، یعنی: جانور بھیج کر یا کسی کو حکم کر کے حرم کے احاطے میں ایک بکرا ذبح کروادے، یا احرام باندھ کر مکہ واپس جائے اور عمرہ کر کے پھر طواف وداع کرلے، اور اس صورت میں جو طواف وداع میں تاخیر ہوئی ہے، اس سے دم واجب نہ ہوگا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=حين يريد أن ينفر، وهذا بيان الوقت المستحب لا بيان أصل الوقت، ويجوز في أيام النحر، وبعدها، ويكون أداء لا قضاء، حتى لو طاف طواف الصدر، ثم أطال الإقامة بمكة، ولم ينو الإقامة بها، ولم يتخذها دارا جاز طوافه، وإن أقام سنة بعد الطواف إلا أن الأفضل أن يكون طوافه عند الصدر لما قلنا، ولا يلزمه شيء بالتأخير عن أيام النحر بالإجماع.

(بدائع الصنائع: ۲/ ۱۴۳، كتاب الحج، فصل وقت طواف الصدر، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۱) (ثم) إذا أراد السفر (طاف للصدر) أي الوداع (سبعة أشواط بلا رمل وسعي، وهو واجب إلا على أهل مكة). [الدر المختار] ــــــ قال ابن عابدين: (قوله وهو واجب) فلو نفر ولم يطف وجب عليه الرجوع ليطوف ما لم يجاوز الميقات فيخير بين إراقة الدم والرجوع بإحرام جديد بعمرة مبتدئا بطوافها ثم بالصدر، ولا شيء عليه لتأخيره، والأول أولى تيسيرا عليه ونفعا للفقراء نهر ولباب. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۲۳، كتاب الحج، مطلب في طواف الصدر، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/ ۶۱۴، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: زكريا-ديوبند)

فإن نفر ولم يطف يجب عليه أن يرجع، ويطوف ما لم يجاوز الميقات؛ لأنه ترك طوافا واجبا، وأمكنه أن يأتي به من غير الحاجة إلى تجديد الإحرام فيجب عليه أن يرجع، ويأتي به، وإن جاوز الميقات لا يجب عليه الرجوع؛ لأنه لا يمكنه الرجوع إلا بالتزام عمرة بالتزام إحرامها ثم إذا أراد أن يمضي مضى، وعليه دم، وإن أراد أن يرجع أحرم بعمرة=

[۳۲] طوافِ وداع کے درمیان عورت کو حیض آجائے، تو کیا کرے؟

۱۷۲۹- سوال: حج بیت اللہ سے وطن واپسی سے پہلے طواف کے درمیان میری اہلیہ کو حیض آ گیا، تو اب کیا کیا جائے؟ اپنے وطن پہنچ کر جانور قربان کرنا ہوگا یا مکہ میں؟ اور کون سے جانور کی قربانی واجب ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیا:

وطن واپسی کے وقت طوافِ وداع کے درمیان اگر حیض آ گیا اور پاک ہونے کے بعد عورت نے اُس طواف کو دہرا لیا، تو کوئی چیز واجب نہیں ہوگی، اگر طواف دہرائے بغیر وطن واپس آ گئی، تو ایک چھوٹے جانور (بکری) کی قربانی واجب ہے۔[1] اور اُسے حدودِ حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے، وطن میں قربانی کی گئی تو ناکافی ہوگی۔[2] اُس کا آسان راستہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ جا رہا ہو، تو اُسے قربانی کا ذمے دار بنا دے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=ثم رجع، وإذا رجع يبتدئ بطواف العمرة ثم بطواف الصدر، ولا شيء عليه لتأخيره عن مكانه، وقالوا: الأولى أن لا يرجع، ويريق دما مكان الطواف؛ لأن هذا أنفع للفقراء، وأيسر عليه لما فيه من دفع مشقة السفر، وضرر التزام الإحرام، والله أعلم. (بدائع الصنائع: ۱۴۳/۲، كتاب الحج، فصل مكان طواف الصدر، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۱) (أو طاف للقدوم) لوجوبه بالشروع (أو للصدر جنبا) أو حائضا (أو للفرض محدثا ولو جنبا فبدنة إن) لم يعده. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله لوجوبه بالشروع) أشار إلى أن الحكم كذلك في كل طواف هو تطوع، فيجب الدم لو طافه جنبا، والصدقة لو محدثا كما في الشرنبلالية عن الزيلعي. . . . (قوله إن لم يعده) أي الطواف الشامل للقدوم والصدر والفرض، فإن أعاده فلا شيء عليه فإنه متى طاف أي طواف مع أي حدث ثم أعاده سقط موجبه. اهـ. . . . وإن طاف للزيارة محدثا وللصدر طاهرا، فإن حصل الصدر في النحر انتقل إلى الزيارة، ثم إن طاف للصدر ثانيا فلا شيء عليه وإلا فعليه دم لتركه. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۵۱-۵۲/۲، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج، ط: دار الفكر- بيروت ☆ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع ارشاد الساري، ص: ۴۹۶، ۴۹۷، باب الجنايات وأنواعها، الجناية في أفعال الحج، ط: الكمتبة الإمدادية- مكة المكرمة ☆ الفقه الإسلامي وأدلته: ۲۹۴/۳، ثالثا: الجناية التي توجب دما واحدا، ط: الهدى انٹرنیشنل- دیوبند)

(۲) عن جابر، قال: ثم قال النبي صلى الله عليه وسلم: قد نحرت ها هنا ومنى كلها منحر، ووقف بعرفة فقال: قد وقفت ها هنا وعرفة كلها موقف، ووقف بالمزدلفة فقال: قد وقفت ها هنا ومزدلفة كلها موقف. (سنن أبي داود: ۲۴۶/۱، رقم الحديث: ۱۹۰۷، كتاب المناسك، باب صفة حجة النبي صلى الله عليه وسلم، ط: ديوبند)

قال "ولا يجوز ذبح الهدايا إلا في الحرم" لقوله تعالى في جزاء الصيد: ﴿هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ﴾ [المائدة: ۹۵] فصار أصلا=

[۳۳] حائضہ عورت کا حرمِ مکی و مدنی میں داخلہ اور طواف وسعی کا حکم

۱۷۳۰- سوال: حائضہ عورت حرمِ مکی یا مسجدِ نبوی میں داخل ہوسکتی ہے یا نہیں؟ نیز طواف وسعی کے بارے میں اُس کے لیے حکمِ شرعی کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

حائضہ عورت دوسری مساجد کی طرح مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی میں بھی داخل نہیں ہوسکتی؛ (۱) اِس لیے حالتِ حیض میں طواف ممنوع ہے، بقیہ ارکان حالتِ حیض میں ادا کرسکتی ہے، سعی بین الصفا والمروہ بھی کرسکتی ہے۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۴] ایامِ حج میں احرام کے بعد حیض شروع ہوا، تو کیا حکم ہے؟

۱۷۳۱- سوال: اگر کسی عورت کو ایامِ حج میں احرام کے بعد حیض شروع ہوجائے، تو وہ کیا کرے؟

=في كل دم هو كفارة ولأن الهدي اسم لما يهدى إلى مكان ومكانه الحرم قال عليه الصلاة والسلام " منى كلها منحر وفجاج مكة كلها منحر ". (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۱۸۱، كتاب الحج، باب الهدي، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت★البحر الرائق- ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۳/ ۱۲۸، كتاب الحج، باب الهدي، ط: زكريا- ديوبند☆ غنية الناسك في بغية المناسك، ص: ۳۳۸، فصل في شرائط كفاراتها الثلاث، مطلب في شرائط جواز الدم، ط: مکتبہ یادگارِ شیخ، سہارن پور)

(۱) القاسم بن محمد، يقول: سمعت عائشة تقول: خرجنا لا نرى إلا الحج، فلما كنا بسرف حضت، فدخل علي رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنا أبكي، قال: ما لك أنفست؟. قلت: نعم، قال: إن هذا أمر كتبه الله على بنات آدم، فاقضي ما يقضي الحاج، غير أن لا تطوفي بالبيت. قالت: وضحى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن نسائه بالبقر. (صحيح البخاري: ۱/ ۴۳، رقم الحديث: ۲۹۴، كتاب الحيض، باب كيف كان بدء الحيض وقول النبي صلى الله عليه وسلم: هذا شيء كتبه الله على بنات آدم، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۸۸، رقم الحديث: ۱۱۹- (۱۲۱۱)، كتاب الحج، باب بيان وجوه الإحرام، وأنه يجوز إفراد الحج والتمتع والقران... الخ، ط: ديوبند)

ومنها أنها لا تطوف بالبيت ؛لقوله - صلى الله عليه وسلم - لعائشة - رضي الله عنها - حين حاضت بسرف: اصنعي جميع ما يصنع الحاج غير أن لا تطوفي بالبيت. ـــــــ ومنها أن لا تدخل المسجد؛ لأن ما بها من الأذى أغلظ من الجنابة والجنب ممنوع من دخول المسجد فكذلك الحائض، وهذا؛ لأن المسجد مكان الصلاة فمن ليس من أهل أداء الصلاة ممنوع من دخوله. (المبسوط-محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۳/ ۵۳- ۱۵۲، كتاب الحيض و النفاس، فصل الأحكام التي تتعلق بالحيض، ط: دار المعرفة - بيروت☆ المحيط البرهاني: ۱/ ۲۱۷، كتاب الطهارة، الفصل الثامن في الحيض، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

’’حیض‘‘ صرف طوافِ کعبہ سے مانع ہے، لہٰذا احرام سے پہلے یا اُس کے بعد حیض آ گیا، تو طواف کے علاوہ بقیہ ارکان کو ادا کرتی رہے، مثلاً، وقوفِ عرفہ اور وقوفِ مزدلفہ وغیرہ تمام ارکان ادا کرسکتی ہے، اِن ارکان سے قبل طواف نہ کرے۔[۱] اِن تمام مناسک کے بعد (اگر حیض سے پاک ہوگئی ہو، تو) دسویں ذی الحجہ کو طوافِ زیارت کرلے، اگر ایامِ نحر ختم ہونے تک پاک نہ ہوئی ہو، تو بارہویں ذی الحجہ کی شام تک انتظار کرے، اگر غروبِ آفتاب سے قبل پاک ہوگئی، تو طواف کرلے۔

اگر بارہ ذی الحجہ کی شام (غروب) سے پہلے پاک ہوگئی اور اِس قدر وقت باقی ہے کہ بہ عجلت غسل کرکے طواف کے چار چکر لگانا ممکن ہو، تو اُس پر لازم ہے کہ طواف کرلے، اور اگر اُس نے اِتنا وقت ملنے کے باوجود تاخیر کی اور طواف نہیں کیا، تو ایک قربانی (بکری) لازم ہوگی، اِسی طرح یوم النحر کو قربانی کے بعد اُس کو اِتنا وقت ملا کہ وہ طواف کرسکتی تھی؛ مگر جان بوجھ کر تاخیر کی اور حیض آ گیا، تو اُس صورت میں بھی دم لازم ہوگا۔[۲] اگر قصداً تاخیر نہیں کی؛ بل کہ حیض پہلے سے جاری تھا، یا اچانک جاری ہوگیا اور پورے تین دِن ایامِ نحر کے گزر گئے؛ مگر حیض بند نہیں ہوا، تو جب بند ہو جائے، تب طواف کرے گی، اِس صورت میں کوئی دم لازم نہیں ہوگا۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) سوال سابق بہ عنوان: ’’حائضہ عورت کا حرمِ مکی اور مسجدِ نبوی میں داخلہ اور طواف وسعی کا حکم‘‘ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) أن الحائض إذا طهرت في آخر أيام النحر، فإن أمكنها الطواف قبل الغروب ولم تفعل فعليها دم للتأخير، وإن لم يمكنها طواف أربعة أشواط فلا شيء عليها ولو حاضت بعدما قدرت على الطواف فلم تطف حتى مضى الوقت لزمها الدم؛ لأنها مقصرة بتفريطها، وفي الظهيرية: وليالي أيام النحر منها. (البحر الرائق-ابن نجيم المصري (م:۹۷۰ھ): ۲/ ۳۷۴، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: دار الكتب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۱۹، كتاب الحج، مطلب في طواف الزيارة، ط: دار الفكر-بيروت ☆ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع إرشاد الساري، ص: ۳۹۵، ت: محمد طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة ☆ فتح القدير: ۳/ ۶۲، كتاب الحج، باب الجنايات، فصل: طاف طواف القدوم محدثا، ط: دار الفكر-بيروت)

(۳) إن المرأة إذا حاضت أو نفست قبل أيام النحر، فطهرت بعد مضيها، فلاشيء عليها. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع إرشاد الساري، ص: ۴۹۶ ☆ فتح القدير: ۳/ ۶۲، كتاب الحج، باب الجنايات، فصل: طاف طواف القدوم محدثا، ط: دار الفكر-بيروت ☆ منحة الخالق على البحر الرائق: ۲/ ۳۹۸، كتاب الحج، باب التمتع، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۱۹، مطلب في طواف الزيارة)

[۳۵] مکہ پہنچنے کے بعد حیض شروع ہوجائے تو عورت کیا کرے؟

۱۷۳۲- سوال: ایک عورت صرف عمرہ ادا کرنے کی نیت سے مکہ پہنچی اور حیض شروع ہوگیا، تو اب وہ عمرہ کے ارکان کیسے ادا کرے گی؟ نیز اگر وہ حج بھی کرنا چاہتی ہے، تو کس طرح حج کے ارکان کو انجام دے گی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمرہ کا احرام باندھنے والی عورت اگر آٹھویں ذی الحجہ سے قبل حیض سے پاک ہوجائے، تو عمرہ ادا کرے، اگر قران اور عمرہ کرنے کی غرض سے آئی ہو اور مناسکِ حج تک اُس کو عمرہ کے لیے طواف کرنے کا موقع نہ ملا ہو، تو حج کے مناسک شروع کردے، اور حیض سے فراغت اور حج کے ارکان سے فراغت کے بعد عمرہ کی قضا کرے، مقامِ تنعیم سے احرام باندھ لینا کافی ہوگا۔ (درِمختار)[۱]

حج کے ایام کے علاوہ دیگر ایام میں عمرہ کرنے والی کو اگر حیض آگیا، تو اُس کو پاک ہونے تک ٹھہرنا ہوگا، اور اگر حالتِ حیض میں طواف کرے گی، تو عمرہ درست ہوجائے گا؛ لیکن سخت گنہگار ہوگی، نیز دم (بکری) لازم ہوگا۔ (شامی)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۶] حج کے دنوں میں عورت کو حیض آگیا

۱۷۳۳- سوال: حج کا مہینہ چل رہا ہو، اور کوئی عورت حج کے لیے رختِ سفر باندھے، اور جس دن وہاں [مکہ مکرمہ] پہونچے، اسی دن حیض شروع ہوجائے، تو ایسی حالت میں وہ کیا کرے گی؟ کیا اس کے لیے نماز معاف ہے؟ حج کے ایام میں وہ کیا طریقہ اختیار کرے گی؟ جواب دے کر مہربانی فرمائیں۔

---

[۱] (فإن وقف) القارن بعرفة (قبل) أكثر طواف (العمرة بطلت) عمرته،... (وقضيت) بشروعه فيها. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله وقضيت) أي بعد أيام التشريق شرح اللباب، وتقدم أن المكروه إنشاء العمرة في هذه الأيام لا فعلها فيها بإحرام سابق تأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۳۵، كتاب الحج، باب القران، ط: دار الفكر- بيروت)

[۲] ولو طاف للعمرة كله أو أكثره أو أقله ولو شوطا جنبا أو حائضا أو نفساء أو محدثا فعليه شاة. (المصدر السابق: ۲/ ۵۵۱، كتاب الحج، باب الجنايات، ط: دار الفكر ☆ فتح القدير: ۳/ ۵۵، كتاب الحج، باب الجنايات، فصل: طاف طواف القدوم محدثا، ط: دار الفكر- بيروت)

الجواب حامداو مصلیا:

عورت کو احرام کے بعد حیض آ جائے، تو وہ طواف اور نماز کے علاوہ حج کے باقی ارکان ادا کرے گی، پہنچتے ہی حیض آ گیا اور عمرہ کا احرام تھا، تو رک جائے حیض ختم ہونے کے بعد عمرہ کرے، احرام کی حالت جاری رہے گی، اگر ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ آ جائے، تو وہ منیٰ جائے گی، حیض کی حالت میں منیٰ میں جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، حائضہ سے نماز معاف ہے، وقوف عرفہ، وقوف مزدلفہ، رمی جمار، قربانی وغیرہ حالت حیض میں جائز ہے، فرض طواف پاک ہونے کے بعد کرے گی، حیض کی وجہ سے حج سے قبل عمرہ نہ کر پائی ہو، تو حج کے بعد عمرہ کی قضا کرے گی۔ (درمختار)[1]، فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۷] حیض کی حالت میں طوافِ زیارت کا حکم

۱۷۳۴- سوال: حیض کی حالت میں طوافِ زیارت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیا:

حیض کی حالت میں طوافِ زیارت جائز نہیں ہے، بل کہ پاک ہونے کے بعد ادا کرے، اُس پر

[۱] وفي حديث جابر بن عبد الله رضي الله عنهما: "وأن عائشة حاضت، فنسكت المناسك كلها، غير أنها لم تطف بالبيت، قال: فلما طهرت وطافت قالت: يا رسول الله، أتنطلقون بعمرة وحجة، وأنطلق بالحج؟ فأمر عبد الرحمن بن أبي بكر أن يخرج معها إلى التنعيم، فاعتمرت بعد الحج في ذي الحجة. (صحيح البخاري: ۲۳۹/۱-۲۴۰، رقم الحديث: ۱۷۸۵، كتاب الحج، باب عمرة التنعيم، ط: ديوبند)

عن عائشة رضي الله عنها، أنها أهلت بعمرة، فقدمت ولم تطف بالبيت حتى حاضت، فنسكت المناسك كلها، وقد أهلت بالحج، فقال لها النبي صلى الله عليه وسلم: يوم النفر يسعك طوافك لحجك وعمرتك، فأبت، فبعث بها مع عبد الرحمن إلى التنعيم، فاعتمرت بعد الحج. (الصحيح لمسلم: ۳۹۰/۱، رقم الحديث: ۱۳۲-(۱۲۱۱)، كتاب الحج، باب بيان وجوه الإحرام، وأنه... الخ، ط: ديوبند)

(وحيضها لا يمنع) نسكا (إلا الطواف) ولا شيء عليها بتأخيره إذا لم تطهر إلا بعد أيام النحر، فلو طهرت فيها بقدر أكثر الطواف لزمها الدم بتأخيره لباب. (الدر المختار مع رد المحتار: ۵۲۸/۲، كتاب الحج، قبيل: باب القران، ط: دار الفكر-بيروت)

إن المرأة إذا حاضت أو نفست قبل أيام النحر فطهرت بعد مضيها، فلاشيء عليها. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۴۹۶، باب الجنايات و أنواعها، النوع الخامس الجنايات في أفعال الحج، فصل في حكم الجنايات في طواف الزيارة، ت: طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة)

کوئی دم واجب نہیں ہوگا، اور اگر حالتِ حیض میں طوافِ زیارت کرلیا، تو وہ عورت سخت گنہگار ہوگی، اور ایک بدنہ (بڑے جانور) کی قربانی لازم ہوگی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۸] حیض کی حالت میں طوافِ وداع کا کیا حکم ہے؟

۱۷۳۵- سوال: حیض کی حالت میں طوافِ وداع کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حیض سے پاک ہونے کے بعد طوافِ وداع کرے، اگر مکہ سے روانگی کا وقت ہوگیا ہے، تو حائضہ کے لیے طوافِ وداع معاف ہے۔ (ہدایہ)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۹] حائضہ عورت طوافِ زیارت پاک ہونے کے بعد ادا کرے

۱۷۳۶- سوال: حکم یہ ہے کہ حائضہ عورت، بہ حالت حیض طوافِ زیارت نہیں کرسکتی، تو رکن حج کی ادائیگی کے بغیر اس کے حج کا کیا حکم ہے؟ آخر وہ کیا کرے؟ پاک ہونے کے بعد طوافِ زیارت کرے؟ ایامِ حج کے بعد اگر طواف کرے، تو صحیح ہوگا یا پھر آئندہ سال ادا کرنا پڑے گا؟ کیا تاخیر کی صورت میں دم لازم آئے گا؟ طوافِ وداع کے وقت اگر حیض آجائے، تو عورت کیا کرے؟

براہ کرم مذکورہ سوالات کے جوابات مرحمت فرمائیں۔

---

(۱) ولو طاف للزيارة جنبا أو حائضا أو نفساء كله أو أكثره فعليه بدنة، ويقع معتدا به في حق التحلل ويصير عاصيا. (مناسك الملا علي القاري مع حاشية إرشاد الساري، ص: ۴۸۸، باب الجنايات وأنواعها، النوع الخامس الجنايات في أفعال الحج، فصل في حكم الجنايات في طواف الزيارة، ت: طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۵۵۱-۵۵۲، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج، ط: دار الفكر- بيروت☆ البحر الرائق: ۳/ ۱۰، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۲] "فإن حاضت بعد الوقوف وطواف الزيارة انصرفت من مكة ولا شيء عليها لطواف الصدر؛ لأنه عليه الصلاة والسلام رخص للنساء الحيض في ترك طواف الصدر". (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۱۵۶، كتاب الحج، باب التمتع، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت ☆ البحر الرائق: ۳/ ۶۰، كتاب الحج، باب الإحصار في الحج أو العمرة، ط: دار الكتاب الإسلامي☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۲۳، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد، مطلب في طواف الصدر، ط: دار الفكر- بيروت)

الجواب حامداو مصلیا:

طواف زیارت فرض ہے؛ لیکن حیض ونفاس کی حالت میں طواف درست نہیں ہوگا؛ لہٰذا حیض ونفاس سے پاک ہوکر طواف زیارت کرے گی، اور تاخیر کی وجہ سے عورت کے حج میں کوئی نقصان نہیں آئے گا؛ کیوں کہ مذکورہ چیز (حیض ونفاس) اللہ کی جانب سے ہے، یعنی سماوی عذر ہے، حالت حیض میں طواف زیارت نہ کرے، ورنہ دم لازم ہوگا۔[۱] دوتین دن انتظار کرے، جب حیض منقطع ہوجائے، تب طواف کرے۔[۲]

البتہ طواف وداع کے لیے پاک ہونے تک انتظار کرنا ضروری نہیں ہے، اگر مکہ مکرمہ سے جانے کا وقت آجائے، تو طواف وداع کیے بغیر چلی جائے، حیض کی وجہ سے عورت کے ذمہ سے طواف وداع ساقط ہوجائے گا اور حج میں کوئی نقصان نہیں آئے گا۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ولو طاف للزيارة جنبا أو حائضا أو نفساء كله أو أكثره فعليه بدنة، ويقع معتدا به في حق التحلل ويصير عاصيا. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۴۸۸، باب الجنايات و أنواعها، النوع الخامس الجنايات في أفعال الحج، فصل في حكم الجنايات في طواف الزيارة، ت: طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية - مكة المكرمة ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۵۵۲-۵۵۱، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۳/ ۱۰، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۲) واضح رہے کہ طواف زیارت کا وقت دسویں ذی الحجہ سے بارہویں ذی الحجہ تک ہے، اگر کوئی بارہویں ذی الحجہ کے بعد طواف زیارت کرے گا، تو دم لازم ہوگا، لیکن اگر کسی عورت کو حیض آجائے، اور ۱۲/ ذی الحجہ تک منقطع نہ ہو، تو اس کے حق میں تاخیر موجب دم نہیں ہے، حیض سے پاک ہونے کے بعد طواف کرے گی، ذیل کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

(و) طواف الزيارة (أول وقته بعد طلوع الفجر يوم النحر وهو فيه) أي الطواف في يوم النحر الأول (أفضل ويمتد) وقته إلى آخر العمر... (فإن أخره عنها) أي أيام النحر ولياليها منها (كره) تحريما (ووجب دم) لترك الواجب، وهذا عند الإمكان، فلو طهرت الحائض إن قدر أربعة أشواط ولم تفعل لزم دم وإلا لا. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۵۱۸-۵۱۹، كتاب الحج، مطلب في طواف الزيارة، ط: دار الفكر - بيروت)

(وحيضها لا يمنع) نسكا (إلا الطواف) ولا شيء عليها بتأخيره إذا لم تطهر إلا بعد أيام النحر، فلو طهرت فيها بقدر أكثر الطواف لزمها الدم بتأخيره لباب. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۵۲۸، كتاب الحج، قبيل: باب القران)

إن المرأة إذا حاضت أو نفست قبل أيام النحر فطهرت بعد مضيها، فلا شيء عليها. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۴۹۶، باب الجنايات و أنواعها، النوع الخامس الجنايات في أفعال الحج، فصل في حكم الجنايات في طواف الزيارة، ت: طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية - مكة المكرمة)

(۳) "فإن حاضت بعد الوقوف وطواف الزيارة انصرفت من مكة ولا شيء عليها لطواف الصدر؛ لأنه عليه الصلاة والسلام رخص للنساء الحيض في ترك طواف الصدر". (الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر بن عبد الجليل =

[۴۰] طواف زیارت سے پہلے کسی خاتون کو حیض شروع ہو جائے تو وہ کیا کرے؟

۱۷۳۷-سوال: طواف زیارت حج کا رکن ہے، حج کے دنوں میں ایک عورت کے حیض کے ایام شروع ہو گئے، اگر وہ حج کے ایام کے بعد پاک ہوتی ہے، تو طواف زیارت کب کرے گی؟ اور اگر حج کے ایام کے بعد فوراً ہوائی جہاز کا سفر ہو، اور اس سے پہلے حیض منقطع نہ ہو، تو اس کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداومصلیا:

''طواف زیارت'' ایام نحر میں کرنا ضروری ہے؛ لیکن عورت حالت حیض میں ہو اور ایام نحر [۱۰-۱۲ ذی الحجہ] میں حیض منقطع نہ ہو، تو ایام نحر کے بعد جب بھی وہ پاک ہو جائے، طواف زیارت کر لے اور اس پر اس تاخیر کی وجہ سے کوئی دم واجب نہ ہوگا۔[۱]

اگر ایام نحر میں پاک نہ ہو سکی اور پاک ہونے سے پہلے ہی واپسی کا ہوائی جہاز ہے، تو اسے رد کر دے اور دوسرے جہاز سے جائے، اگر حالت حیض میں طواف کرے گی، تو گنہ گار ہو گی، مگر وطن جانے کی اجازت ہو گی اور ایک اونٹ کی قربانی واجب ہو گی، اور حج ادا ہو جائے گا۔[۲]

= الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/۱۵۶، كتاب الحج، باب التمتع، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت ☆ البحر الرائق: ۳/۶۰، كتاب الحج، باب الإحصار في الحج أو العمرة، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۵۲۳، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد، مطلب في طواف الصدر، ط: دار الفكر - بيروت)

[۱] (وحيضها لا يمنع) نسكا (إلا الطواف) ولا شيء عليها بتأخيره إذا لم تطهر إلا بعد أيام النحر، فلو طهرت فيها بقدر أكثر الطواف لزمها الدم بتأخيره لباب. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۵۲۸، كتاب الحج، قبيل: باب القران)

إن المرأة إذا حاضت أو نفست قبل أيام النحر فطهرت بعد مضيها، فلاشيء عليها. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۴۹۶، باب الجنايات و أنواعها، النوع الخامس الجنايات في أفعال الحج، فصل في حكم الجنايات في طواف الزيارة، ت: طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية - مكة المكرمة)

(۲) ولو طاف للزيارة جنبا أو حائضا أو نفساء كله أو أكثره، فعليه بدنة، ويقع معتدا به في حق التحلل، ويصير عاصيا، وعليه أن يعيد طاهرا احتما، فإن عاد سقطت عنه البدنة. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۴۸۸، باب الجنايات و أنواعها، النوع الخامس الجنايات في أفعال الحج، فصل في حكم الجنايات في طواف الزيارة، ط: المكتبة الإمدادية ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۵۵۱-۵۵۲، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۳/۱۰، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي)

اگر طواف زیارت کیے بغیر عورت روانہ ہوجائے، تو واپس آ کر طواف زیارت کرنا ضروری ہے، ورنہ مرد کے لیے حلال نہ ہوگی۔ [۳]

واپس آ کر طواف زیارت کرنے کے لیے کوئی مدت متعین نہیں ہے، زندگی میں جب بھی ممکن ہو، واپس آئے اور طواف زیارت کرلے۔ [۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۱] حائضہ کے لیے طواف زیارت کا حکم

۱۷۳۸- سوال: حج کے ارکان میں ایک رکن طوافِ زیارت ہے، جس کی ادائیگی کے لیے پاک ہونا ضروری ہے، اب ایک عورت کو- جو حج میں ہے- طوافِ زیارت سے پہلے حیض شروع ہوگیا۔ جو ۵ سے ۶ دن تک جاری رہے گا۔ ان ایام میں حیض کی عادت اس عورت کے لیے ہمیشہ سے ہے۔ اس عورت کا ان ہی دنوں میں وطن واپسی کی ٹکٹ ہے، جس کو بدلا نہیں جاسکتا، ایسی صورت میں طوافِ زیارت کس طرح ادا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداومصلیا:

طوافِ زیارت کے بغیر عورت حلال نہیں ہوگی۔ ۵-۶-۷ جتنے دن بھی حیض کے ہیں، جب ختم ہوجائیں، تب طوافِ زیارت کرے، ٹکٹ تبدیل کروالے۔

جو عبادت زندگی میں ایک مرتبہ کی جاتی ہے، جس کے لیے ہزاروں خرچ ہوتے ہیں، ٹکٹ کی بکنگ کے وقت ہی اس کا خیال رکھے، ۷۔۸ دن مؤخر کردے؛ کیوں کہ حیض آنے کا وقت- عادت کے باوجود- آگے پیچھے ہوسکتا ہے؛ اس لیے بکنگ کے لیے احتیاطاً- جن کے ساتھ جوان عورتیں ہوں- ۷ تا ۸ دن مؤخر

---

(۳) ولو لم یطف أصلا لا یحل له النساء وإن طال ومضت سنون بإجماع.(رد المحتار على الدر المختار: ۵۱۸/۲، کتاب الحج، فصل في صفة الإحرام وصفة المفرد، ط: دار الفكر ☆الفتاوى الهندية: ۲۳۲/۱، کتاب المناسك، الباب الخامس في كيفية أداء الحج، ط: دار الفكر ☆الهداية: ۱۶۲/۱، کتاب الحج، فصل ومن طاف طواف القدوم محدثا، ط: دار إحياء التراث الإسلامي)

[۴](و) طواف الزيارة (أول وقته بعد طلوع الفجر يوم النحر وهو فيه) أي الطواف في يوم النحر الأول (أفضل ويمتد) وقته إلى آخر العمر... (فإن أخره عنها) أي أيام النحر ولياليها منها (كره) تحريما (ووجب دم) لترك الواجب، وهذا عند الإمكان، فلو طهرت الحائض إن قدر أربعة أشواط ولم تفعل لزم دم وإلا لا.(الدر المختار مع رد المحتار: ۵۱۸/۲-۵۱۹، کتاب الحج، مطلب في طواف الزيارة، ط: دار الفكر- بيروت)

کرائے، کہ طوافِ زیارت کر کے واپس آ سکے۔ البتہ طوافِ وداع حیض والی عورت سے معاف ہو جاتا ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۲] مکی اور بیت اللہ کا طواف

۱۷۳۹- سوال: رمضان کے بعد مکہ میں اکثر جمعہ کے دن بہت بھیڑ ہوتی ہے، جس کی بناء پر بیت اللہ کا طواف کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے، اس لیے میں صرف نماز پڑھ کر چلا جاتا ہوں، طواف نہیں کرتا، تو کیا طواف نہ کرنے کی بناء پر دم واجب ہوگا؟ یا بعد میں طواف کا اعادہ کرنا پڑے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میقات کے اندر رہنے والوں کے لیے بیت اللہ کا طواف، تحیۃ المسجد کے قائم مقام ہے؛ لہٰذا یہ طواف سنت ہے اور ترک سنت کی بناء پر احناف کے نزدیک دم واجب نہیں ہوتا، اگر آپ مسجد حرام میں طواف کی نیت سے جائیں، تو طواف کیجئے اور نماز کی نیت ہو، تو نماز ادا کیجیے۔[2]

---

(۱) قد تقدم تخریجه تحت عنوان: حج کے دنوں میں عورت کو حیض آ گیا ☆ حائضہ عورت طواف زیارت سے پاک ہونے کے بعد ادا کرے ☆ طواف زیارت سے پہلے کسی خاتون کو حیض شروع ہو جائے تو وہ کیا کرے؟

(۲) (السادس: طواف التحية، وهو مستحب لكل من دخل المسجد) أي المسجد الحرام، (إلا إذا كان عليه غيره) أي من الأطوفة (فيقوم هو) أي ذلك الغير (مقامه) أي ينوب منابه، ويدخل في ضمنه (كالمعتمر) أعم من أن يكون متمتعا أو لا، فإنه طواف فرض العمرة، ويندرج فيه طواف تحية المسجد، لما ارتفع به طواف القدوم الذي هو أقوى من طواف تحية المسجد، وكذا إذا دخل المسجد من عليه فرض أو غيره فصلى ذلك؛ فإنه قام مقام صلاة تحية المسجد، وذلك لأن تحية هذا المسجد الشريف بخصوصه هو الطواف، إلا إذا كان له مانع فحينئذ يصلي تحية المسجد إن لم يكن وقت كراهية الصلاة. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴هـ)، ص: ۲۰۲، باب أنواع الأطوفة وأحكامها، ت: طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة)

(ثم) ابتدأ بالطواف، لأنه تحية البيت ما لم يخف فوت المكتوبة أو جماعتها أو الوتر أو سنة راتبة. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله ثم ابتدأ بالطواف) فإن كان حلالا فطواف التحية أو محرما بالحج فطواف القدوم، وهذا إذا دخل قبل النحر، فإن دخل فيه أغنى طواف الفرض عن التحية أو بالعمرة فطوافها ولا طواف قدوم لها كذا في الفتح نهر... (قوله لأنه تحية البيت) أي لمن أراد الطواف، بخلاف من لم يرده وأراد أن يجلس فلا يجلس حتى يصلي ركعتين تحية المسجد إلا أن يكون الوقت مكروها للصلاة شرح اللباب للقاري، وفي شرحه على النقاية فإن لم يكن محرما فطواف تحية المسجد إلا أن يكون الوقت مكروها وليس معناه أن من لم يطف لا يصلي تحية المسجد كما فهمه بعض العوام. اهـ.

قلت: لكن قولهم تحية هذا المسجد الطواف يفيد أنه لو صلى ولم يطف لا يحصل التحية إلا أن يخص بترك الطواف بلا عذر فمع العذر تحصل التحية بالصلاة ثم رأيت في شرح اللباب أيضا ما يدل على ذلك حيث قال في=

الغرض بھیڑ کی وجہ سے طواف نہ کیا، تو دم واجب نہیں ہوگا، مکہ مکرمہ کے رہنے والوں کے لیے بہتر یہ ہے کہ حج کے ایام میں نفلی طواف نہ کرے، آفاقی یعنی میقات کے باہر سے آنے والوں کے لیے حرم کو خالی کردے، تاکہ وہ آسانی کے ساتھ طواف کرسکیں۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۳] طواف کے بعد جماعت شروع ہوجائے، تو طواف کی دو رکعت کب پڑھے؟

۱۷۴۰- سوال: ایک شخص احرام باندھ کر عصر کی نماز سے پہلے حرم شریف پہنچا اور طواف کرنے لگا، ابھی طواف مکمل ہی ہوا تھا کہ عصر کی جماعت شروع ہوگئی، جس کی وجہ سے طواف کی دو رکعت نہیں پڑھ سکا، تو جماعت کے بعد طواف کی دو رکعت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہ پڑھ سکتا ہو، تو اس کے لیے [طواف کی دو رکعت نماز پڑھے بغیر] سعی کرنے کی گنجائش ہے یا مغرب تک انتظار کرے اور مغرب بعد سعی کرکے طواف کی دو رکعت پڑھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عصر کی نماز سے پہلے طواف مکمل ہوا کہ عصر کی نماز کے لیے اقامت کہی گئی، تو عصر کی نماز میں شامل ہونا ضروری ہے، چوں کہ عصر کی نماز کے بعد احناف کے نزدیک کوئی سنن یا نوافل نہیں ہے؛ اس لیے عصر بعد سعی کر لے اور مغرب کی فرض نماز کے بعد سنت سے پہلے طواف کی دو رکعت ادا کرلے۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= قلت: لكن قولهم تحية هذا المسجد الطواف يفيد أنه لو صلى ولم يطف لا يحصل التحية إلا أن يخص بترك الطواف بلا عذر فمع العذر تحصل التحية بالصلاة ثم رأيت في شرح اللباب أيضا ما يدل على ذلك حيث قال في موضع آخر إن تحية هذا المسجد بخصوصه هو الطواف إلا إذا كان له مانع فيصلي تحية المسجد إن لم يكن وقت كراهة. اهـ. (قوله ما لم يخف إلخ) أي فيقدم كل ذلك على الطواف أي طواف التحية وغيرها لباب وشرحه، ثم يطوف بحر وهذا يفيد أن هذه الصلوات لا تحصل بها التحية مع أنها تحصل في بقية المساجد، وليس ذلك إلا لأن تحيته هي الطواف دون الصلاة، بخلاف باقي المساجد، ولهذا قال بعض العلماء: إن الفرق من وجهين: أحدهما: أن الصلاة جنس فناب بعضها مناب بعض، وليس الطواف من جنسها، والثاني: أن صلاة الفرض في المسجد تحية المسجد والطواف تحية البيت لا تحية المسجد. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۹۳- ۴۹۲، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد، مطلب في دخول مكة، ط: دار الفكر ☆ حاشية الطحطاوي على المراقي، ص: ۳۹۴، كتاب الصلاة، فصل في تحية المسجد، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۱) (والسنة الموالاة بينها وبين الطواف) أي فراغه إن لم يكن وقت الكراهة، وإلا فيصلي بعد فرض المغرب، قبل السنة، إن كان في الوقت سعة. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط- الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۲۱۹، باب أنواع الأطوفة وأحكامها، فصل في ركعتي الطواف، ت: محمد طلحة بلال أحمد منيار، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة)

[۴۴] طواف اور دعاء

۱۷۴۱- سوال: حج اور عمرہ میں طواف کے ہر چکر کی مستقل دعاء بتائی جاتی ہے، ساتوں چکر کی الگ دعاء ہے، جدہ سے مکہ معظّمہ پہنچنے کے بعد ایک مرتبہ طواف اور سعی معلّم الحجاج یا اس کے نمائندے کرواتے ہیں، اُس وقت وہ جیپ میں بیٹھ کر طواف کرتے ہیں اور دعاء پڑھواتے ہیں، اُس میں پریشانی یہ ہوتی ہے کہ پیچھے کے لوگ ٹھیک سے اُس دعاء کو سن نہیں پاتے، بسا اوقات پیچھے کے لوگ غلط بھی پڑھ لیتے ہیں، بہت سے لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر دعاء نہ سنائی دے، تو اُس کی جگہ تیسرا کلمۂ تمجید پڑھ لیا جائے تو وہ بھی کافی ہے، مزید یہ کہ بہت سے لوگ طواف کے دوران کتاب ساتھ رکھ کر اُس میں سے پڑھتے ہیں، تو کیا ہر چکر کی متعین دعاء پڑھنا ضروری ہے؟ یا تیسرا کلمہ پڑھنا کافی ہو جائے گا؟ اگر زبانی یاد نہ ہو تو کتاب ساتھ میں رکھ سکتے ہیں؟ یا زبانی یاد کرنا ضروری ہے؟ اِس باب میں حکمِ شرعی کے متعلق رہنمائی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیا:

طواف کے چکر کے دوران دعاء کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔[1]

(۱) عن عبد الله بن السائب، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ما بين الركنين ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة، وقنا عذاب النار. (سنن أبي داود: ۱/۲۶۰، رقم الحديث: ۱۸۹۲، كتاب المناسك، باب الدعاء في الطواف، ط: فيصل پبليكيشنز- ديوبند)

ابن هشام، يسأل عطاء بن أبي رباح عن الركن اليماني، وهو يطوف بالبيت، فقال عطاء: حدثني أبو هريرة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: " وكل به سبعون ملكا، فمن قال: اللهم إني أسألك العفو والعافية في الدنيا والآخرة، ربنا آتنا في الدنيا حسنة، وفي الآخرة حسنة، وقنا عذاب النار، قالوا: آمين " فلما بلغ الركن الأسود، قال يا أبا محمد ما بلغك في هذا الركن الأسود؟ فقال عطاء: حدثني أبو هريرة، أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من فاوضه، فإنما يفاوض يد الرحمن، قال له ابن هشام: يا أبا محمد فالطواف؟ قال عطاء: حدثني أبو هريرة، أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من طاف بالبيت سبعا ولا يتكلم، إلا بسبحان الله والحمد لله، ولا إله إلا الله، والله أكبر، ولا حول ولا قوة، إلا بالله، محيت عنه عشر سيئات، وكتبت له عشر حسنات، ورفع له بها عشرة درجات، ومن طاف، فتكلم وهو في تلك الحال، خاض في الرحمة برجليه، كخائض الماء برجليه. (سنن ابن ماجة: ۲/۲۱۲، رقم الحديث: ۲۹۵۷، أبواب المناسك، باب فضل الطواف، ط: ديوبند)

والمعروف في الطواف إنما هو مجرد ذكر الله روى ابن ماجه عن أبي هريرة أنه سمع النبي - صلى الله عليه وسلم - يقول: من طاف بالبيت سبعا ولم يتكلم إلا بسبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر ولا حول ولا قوة إلا بالله=

دعاء جس زبان میں مانگی جائے، جائز ہے، عربی زبان ہی میں ضروری نہیں ہے۔[۲]

معلمین کے نمائندے اس قدر جلد جلدی پڑھاتے ہوں کہ صاف سمجھ میں نہ آتی ہو، تو صرف کلمہ پڑھتے رہنا یا گجراتی اور اُردو زبان میں دعاء مانگنا بھی جائز ہے، بہتر ہے کہ دوران طواف نبی کریم ﷺ سے منقول دعاؤں کے پڑھنے کا اہتمام کرے اور قرآن کریم کی تلاوت نہ کرے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=محيت عنه عشر سيئات و كتبت له عشر حسنات و رفع له بها عشر درجات. (البحر الرائق: ۲/ ۳۵۴، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: دار الكتاب الإسلامي)

وفي رسالة الحسن البصري التي أرسلها إلى أهل مكة أن الدعاء هناك يستجاب في خمسة عشر موضعا في الطواف وعند الملتزم وتحت الميزاب وفي البيت وعند زمزم . . . الخ. (المصدر السابق: ۲/ ۳۷۸، كتاب الحج، قبل باب القران)

(۲) ولا يسقط الوجوب ما لم يقرأ الفاتحة وسورة بها [بالعربية]، وبقية الأذكار تتأدى بالعربية وغيرها سواء لما مر أن الذكر لا يتقيد بلسان دون لسان و حصول المطلوب منه لا يتوقف على العربية بخلاف القرأة، فإنها مطلوبة بقيدها لقوله تعالى: فاقرأوا ما تيسر من القرآن. . . . فلو سبح في الصلاة بالفارسية أو دعا أو أثنى على الله تعالى أو تعوذ أو هلل أو تشهد أو صلى على النبي صلى الله عليه وسلم بالفارسية يصح عند أبي حنيفة، كما في رد المحتار (۱/ ۵۰۴) لأن هذه كلها من قبل الأذكار و هو حاصل بأي لفظ كان و بأي لسان كان. (إعلاء السنن-ظفر أحمد العثماني (م: ۱۳۹۴هـ): ۴/ ۱۳۱، أبواب القراءة، ط: إدارة القران و العلوم الإسلامية-كراتشي)

(۳) المصلي لا يدعو بما يحضره من الدعاء، بل ينبغي أن يدعو في صلاته بدعاء محفوظ؛ لأنه يخاف أن يجري على لسانه ما يشبه كلام الناس، فتفسد به صلاته؛ أما في غير حالة الصلاة ينبغي أن يدعو بما يحضره، و لا يستظهر الدعاء؛ لأن حفظ الدعاء يذهب برقة القلب. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني-أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد ،ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۵/ ۳۱۳، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الرابع في الصلاة، والتسبيح، وقراءة القرآن، والذكر، والدعاء......، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ البحر الرائق شرح كنز الدقائق-ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۱/ ۵۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۲/ ۱۸۳، كتاب الصلاة، الفصل الثالث: كيفية الصلاة، ت: المفتي شبير أحمد القاسمي، ط: زكريا-ديوبند)

وجاز فيهما أكل وبيع وإفتاء وقراءة لكن الذكر أفضل منها وفي منسك النووي الذكر المأثور أفضل وأما غير المأثور فالقراءة أفضل فليراجع. (الدر المختار) ـــــــــ قال ابن عابدين: (قوله لكن الذكر أفضل منها) أي من القراءة في الطواف، وهذا ما نقله في الفتح عن التجنيس، وقال وفي الكافي للحاكم الذي هو جميع كلام محمد يكره أن يرفع صوته بالقراءة فيه ولا بأس بقراءته في نفسه، وفي المنتقى عن أبي حنيفة لا ينبغي للرجل أن يقرأ في طوافه ولا بأس بذكر الله تعالى، ولا ينبو ما ذكره في التجنيس عما ذكره الحاكم لأن لا بأس في الأكثر لخلاف=

=الأولى اهـ أي ومن غير الأكثر قول المنتقى، ولا بأس بذكر الله تعالى.

ثم قال في الفتح: والحاصل أن هدي النبي - صلى الله عليه وسلم - هو الأفضل، ولم يثبت عنه في الطواف قراءة بل الذكر وهو المتوارث من السلف والمجمع عليه فكان أولى. اهـ. (قوله فليراجع) أقول: الحاصل من هذه النقول التي ذكرناها آنفا أن القراءة خلاف الأولى وأن الذكر أفضل منها مأثورا أولا كما هو مقتضى الإطلاق إلا أن يراد به الكامل وهو المأثور فيوافق ما نقله الشارح عن النووي، واستحسنه في شرح اللباب، لكن كون القراءة أفضل من غير المأثور ينبو عنه قول المنتقى: لا ينبغي أن يقرأ في طوافه، فإنه يشعر بالمنع عن القراءة تنزيها والظاهر عدم المنع عن ذكر غير مأثور يدل عليه ما أسلفناه عن الهداية من أن محمدا - رحمه الله - لم يعين في الأصل لمشاهد الحج شيئا من الدعوات لأن التوقيت يذهب بالرقة وإن تبرك بالمنقول منها فحسن اهـ وهذا يفيد أن المراد بالذكر هنا مطلقه كما هو قضية إطلاقهم على خلاف ما فصله النووي فليتأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۹۷/۲، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد، مطلب في طواف القدوم، ط: دار الفكر☆البحر الرائق: ۳۶۰/۲، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: دار الكتاب الإسلامي)

القران في حق الآفاقي أفضل من التمتع والإفراد، والتمتع في حقه أفضل من الإفراد، وهذا هو المذكور في ظاهر الرواية، هكذا في المحيط.

وليس لأهل مكة تمتع ولا قران، وإنما لهم الإفراد خاصة، كذا في الهداية وكذلك أهل المواقيت ومن دونها إلى مكة في حكم أهل مكة كذا في السراج الوهاج. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۳۹، كتاب المناسك، الباب السابع في القران والتمتع، ط: دار الفكر ☆ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۳۶۰، باب القران، ت: طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية - مكة المكرمة)

باب الإفراد، والتمتع، والقران

[حج افراد، تمتع اور قران کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب الإفراد، والتمتع، والقران

[حج افراد، تمتع اور قران کا بیان]

[۱] حج کی قسمیں

۱۷۴۲-سوال: میں حج کا ارادہ رکھتا ہوں، علماء سے سنا تھا کہ حج کی متعدد قسمیں ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ اگر حج کی متعدد قسمیں ہیں، تو واضح فرمادیں کہ کون کون سی اور کتنی ہیں، اور امام اعظمؒ کے نزدیک کون سی قسم افضل اور ثواب کے اعتبار سے بڑھی ہوئی ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

حج کی تین قسمیں ہیں: (۱) حج کے ایام میں ایک ہی احرام سے حج اور عمرہ دونوں کی ایک ساتھ نیت کرنا' فقہاء کی اصطلاح میں ''قران'' کہلاتا ہے۔ مسلک حنفی میں اس کا ثواب سب سے زیادہ ہے۔[۱]

(۲) ''تمتع'': حج کی دوسری قسم تمتع ہے، اس کا مطلب ہے: حج کے ایام میں عمرہ کا احرام باندھ کر

[۱] (القران أن يهل) الإهلال رفع الصوت بالتكبير (بحج وعمرة معا) قال في الكنز، وهو أن يهل بالعمرة والحج من الميقات. . . إلخ. (درر الحكام شرح غرر الأحكام-محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا - أو منلا أو المولى - خسرو (م:۸۸۵ھ):۱/۲۳۴، كتاب الحج، باب القران والتمتع، ط: دار إحياء الكتب العربية)

ارکان عمرہ ادا کر کے حلال ہو جانا، اس کے بعد ساتویں یا آٹھویں ذوالحجہ کو حج کا احرام باندھنا۔ مسلک حنفی میں ثواب کے اعتبار سے یہ دوسرے درجے پر ہے۔[۲]

(۳) حج کی تیسری قسم "حج افراد" ہے، یعنی حج کے ایام میں میقات سے صرف حج کا احرام باندھنا۔[۳]

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] آفاقی کا حجِ افراد کے ساتھ مرحوم کی طرف سے عمرہ کرنا

۱۷۴۳- سوال: میں سعودی عرب کے ریاض شہر میں رہتا ہوں، میں نے اپنے ایک مرحوم رشتہ

---

[۲] [التمتع] وهو أفضل من الإفراد. وصفته: أن يحرم بعمرة في أشهر الحج، ويطوف ويسعى، ويحلق أو يقصر وقد حل، ثم يحرم بالحج يوم التروية، وقبله أفضل، ويفعل كالمفرد، ويرمل ويسعى، وعليه دم التمتع. (المختار)

وفي شرحه الاختيار: وهو الجمع بين أفعال العمرة والحج في أشهر الحج في سنة واحدة بإحرامين بتقديم أفعال العمرة من غير أن يلم بأهله إلماما صحيحا، حتى لو أحرم قبل أشهر الحج وأتى بأفعال العمرة في أشهر الحج كان متمتعا، ولو طاف طواف العمرة قبل أشهر الحج أو أكثره لم يكن متمتعا، والإلمام الصحيح أن يعود إلى أهله بعد أفعال العمرة حلالا. (الاختيار لتعليل المختار- عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ۶۸۳ھ): ۱/ ۱۵۸، كتاب الحج، باب التمتع، ت: الشيخ محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي- القاهرة)

[۳] الإفراد أي إفراد كل واحد من الحج والعمرة بإحرام على حدة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۲۹، كتاب الحج، باب القران، ط: دار الفكر- بيروت)

(باب القران) ... (والكلام هنا في فصول) أحدها في تفسير القران والتمتع والإفراد: "فالقران" هو الجمع بين الحج والعمرة بأن يحرم بهما أو يحرم بالحج بعد إحرام العمرة قبل أداء الأعمال من قولهم قرن الشيء إذا جمع بينهما، و"التمتع" هو الترفق بأداء النسكين في سفر واحد من غير أن يلم بينهما بأهله إلماما صحيحا، "والإفراد" بالحج أن يحج أولا، ثم يعتمر بعد الفراغ من الحج أو يؤدي كل نسك في السفر على حدة أو يكون أداء العمرة في غير أشهر الحج. ——— [فصل: الأفضل من أنواع الحج] ——— (والفصل الثاني) في بيان الأفضل: فعندنا الأفضل هو القران، ثم بعده التمتع. (المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۴/ ۲۵، كتاب المناسك، باب القران، ط: دار المعرفة- بيروت ☆ الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/ ۱۵۰، كتاب الحج، باب القران، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت ☆ البحر الرائق- ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ): ۲/ ۶۲۵، كتاب الحج، باب القران، ۲/ ۶۳۶، باب التمتع، ط: زكريا- ديوبند)

دار کی طرف سے عمرہ کی نیت کی تھی، میں نے وہ عمرہ ذی الحجہ کے مہینے میں کیا اور اسی سال ۸/ ذی الحجہ کو اپنا حج بھی کیا، یہ حج، حج افراد تھا، تو اس طرح حج کے ساتھ مرحوم کی طرف سے عمرہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ میں نے میقات سے پہلے عمرہ کا احرام باندھا تھا، پھر عمرہ کے بعد ۸/ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھا، تو اس طرح شرعاً یہ صحیح ہوا یا نہیں؟ نیز یہ بھی بتلائیں کہ کسی مرحوم کی طرف سے محض عمرہ کی نیت کرنے سے عمرہ واجب ہوتا ہے یا نہیں؟ مفصل بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صرف ارادہ کرنے سے عمرہ واجب نہیں ہوتا ہے، اسی طرح حج افراد کی محض نیت سے وہ حج واجب نہیں ہوتا ہے۔[1]

صورتِ مسئولہ میں آپ کے آفاقی ہونے کی وجہ سے آپ کا حج، حج تمتع ہوا، پس جس کی طرف سے عمرہ کیا ہے، اس کا عمرہ ہو گیا اور آپ کا حج بھی صحیح ہو گیا۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) أما الأول: فركن النذر هو الصيغة الدالة عليه وهو قوله: "لله عز شأنه علي كذا، أو علي كذا، أو هذا هدي، أو صدقة، أو مالي صدقة، أو ما أملك صدقة، ونحو ذلك. (بدائع الصنائع: ۸۱/۵، كتاب النذر، بيان ركن النذر وشرائطه، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

ثم الحج كما هو واجب بإيجاب الله تعالى ابتداء على من استجمع شرائط الوجوب - وهو حجة الإسلام - فقد يجب بإيجاب الله تعالى لكن بناؤه على وجود سبب الوجوب من العبد وهو النذر بأن يقول لله علي حجة؛ لأن النذر من أسباب الوجوب في العبادات والقرب المقصودة، قال النبي - صلى الله عليه وسلم -: من نذر أن يطيع الله فليطعه، وكذا لو قال علي حجة فهذا ______ وقوله: لله علي حجة سواء؛ لأن الحج لا يكون إلا لله تعالى، وسواء كان النذر مطلقا أو معلقا بشرط بأن قال: إن فعلت كذا فلله علي أن أحج حتى يلزمه الوفاء به إذا وجد الشرط. (بدائع الصنائع: ۲۲۳/۲، كتاب الحج، فصل سبب وجوب الحج، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

وركنه عند الحنفية: هو الصيغة الدالة مثل قول الشخص لله علي كذا، أو علي كذا، أو علي نذر، أو هذا هدي. (الفقه الإسلامي وأدلته: ۴۷۰/۳، الباب السادس: الأيمان والنذور والكفارات، الفصل الثاني: النذور، ط: الهدیٰ انٹرنیشنل-دیوبند)

(۲) والتمتع: هو الترفق بأداء النسكين في سفر واحد، من غير أن يلم بينهما بأهله إلماما صحيحا، والإفراد بالحج: أن يحج أولا، ثم يعتمر بعد الفراغ من الحج، أو يؤدي كل نسك في السفر على حدة، أو يكون أداء العمرة في غير أشهر الحج. (المبسوط-محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۲۵/۴، كتاب المناسك، باب القران، ط: دار المعرفة - بيروت ☆المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري -الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۸۴، شرائط صحة الأداء، ت: طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة)

[۳] حج افراد کس کے لیے بہتر ہے؟

۱۷۴۴- سوال: حج افراد صرف مکہ کے مقیم ہی کر سکتے ہیں، یا سعودی عرب کے کسی بھی شہر کے مقیم کر سکتے ہیں؟ کیوں کہ یہاں ریاض وغیرہ میں کام کرنے والوں کو صرف سات آٹھ دن کی ہی چھٹی ملتی ہے؛ اس لیے وہ مکہ کے مقیم نہیں بن سکتے ہیں، اس کے متعلق وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

دنیا کا کوئی بھی مسلمان حج افراد کر سکتا ہے۔ (معلم الحجاج)[۱]

البتہ افضلیت کے متعلق علماء میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک میقات سے باہر رہنے والے کے لیے حج قران کرنا بہتر ہے؛ لہٰذا وہ میقات سے حج اور عمرہ دونوں کا ساتھ میں احرام باندھے۔[۲] اور میقات سے اندر رہنے والے کے لیے حج کے دنوں میں عمرہ کرنا مکروہ ہے؛ اس لیے وہ حج افراد کرے گا؛ لیکن میقات سے باہر رہنے والا حج کے دنوں میں ایک عمرہ کر سکتا ہے، لہٰذا آپ کا عمرہ صحیح ہوگا۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] مفرد بالحج کے لیے طواف قدوم حکم

۱۷۴۵- سوال: مفرد بالحج کے لیے طواف قدوم کرنا کیسا ہے؟ اور کیا اس کے لیے صفا ومروہ کی

---

[۱] آفاقی شخص کو اختیار ہے کہ حج کی تینوں قسموں میں سے جس کا جی چاہے، احرام باندھے، لیکن مکہ مکرمہ کے رہنے والوں کو قران اور تمتع منع ہے۔ (معلم الحجاج، ص:۹۹، اقسام حج، ط: دار الکتاب- دیوبند)

(۲) القران في حق الآفاقي أفضل من التمتع والإفراد، والتمتع في حقه أفضل من الإفراد، وهذا هو المذكور في ظاهر الرواية، هكذا في المحيط. ــــــ وليس لأهل مكة تمتع ولا قران، وإنما لهم الإفراد خاصة، كذا في الهداية وكذلك أهل المواقيت ومن دونها إلى مكة في حكم أهل مكة كذا في السراج الوهاج. (الفتاوى الهندية: ۲۳۹/۱، كتاب المناسك، الباب السابع في القران والتمتع، ط: دار الفكر ☆ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري -الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴هـ) ص: ۳۶۰، باب القران، ت: طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة)

(۳) ويكره فعلها في أشهر الحج لأهل مكة ومن بمعناهم. (ارشاد الساری، ص: ۶۵۶)

مسئلے کی تخریج وتفصیل ''ایام حج میں نفل عمرہ جائز ہے یا نہیں؟'' کے تحت گذر چکی ہے۔

سعی ضروری ہے؟ بینوا، تو جروا۔

الجواب حامدا ومصلیا:

مفرد بالحج کے لیے ''طواف قدوم'' مسنون ہے، جب مفرد بالحج مکہ مکرمہ پہنچ کر طواف کرے گا، تو اس کا یہ طواف 'طواف قدوم ہوگا، خواہ وہ طواف قدوم کی نیت کرے یا نہ کرے، اگر نفل کی نیت کرے، تب بھی طواف قدوم ہی ہوگا۔ (۱)

مفرد بالحج کے لیے حج کے احرام میں ایک سعی واجب ہے؛ لیکن طواف قدوم کے بعد ضروری نہیں ہے، اگر طواف قدوم کے بعد سعی نہیں کی، تو طواف زیارت کے بعد کرنا ضروری ہوگا اور اگر طواف قدوم کے بعد ہی سعی کر لی ہو، تو طواف زیارت کے بعد سعی کرنا واجب نہیں ہے۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) "ثم إن كان المحرم مفردا بالحج، وقع طوافه هذا للقدوم" أي ولو نوى غيره؛ لأنه وقع في محله و هو سنة للآفاقي. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۱۹۸، باب دخول مكة، فصل في صفة الشروع في الطواف، ت: محمد طلحة بلال أحمد منيار، ط: المكتبة الإمدادية - مكة المكرمة ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۴۹۲، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المحرم، ط: دار الفكر)

(۲) ... أن السعي بعد الطواف فلو عكس أعاد السعي لأنه تبع له، وصرح في المحيط بأن تقديم الطواف شرط لصحة السعي، وبه علم أن تأخير السعي واجب وإلى أنه لا يجب بعده فورا، والسنة الاتصال به، بحر، فإن أخر لعذر أو ليستريح من تعبه، فلا بأس وإلا فقد أساء ولا شيء عليه، لباب. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۰۰، كتاب الحج، فصل في الإحرام وصفة المفرد، مطلب في طواف القدوم، ط: دار الفكر - بيروت ☆ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۲۵۰، باب السعي بين الصفا والمروة، فصل في شرائط صحة السعي، ط: المكتبة الإمدادية - مكة المكرمة)

عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: جاءت امرأة من خثعم عام حجة الوداع، قالت: يا رسول الله إن فريضة الله على عباده في الحج أدركت أبي شيخا كبيرا لا يستطيع أن يستوي على الراحلة فهل يقضي عنه أن أحج عنه؟ قال: **نعم**. (صحيح البخاري: ۱/۲۵۰، رقم الحديث: ۱۸۵۴، ۱۸۵۵، كتاب الحج، باب الحج عمن لا يستطيع الثبوت على الراحلة، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۴۳۱، رقم الحديث: ۴۰۷-(۱۳۳۴، ۱۳۳۵)، كتاب الحج، باب الحج عن العاجز لزمانة وهرم ونحوهما، أو للموت، ط: ديوبند)

باب الحج عن الغير

[حج بدل کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب الحج عن الغیر

[حج بدل کا بیان]

[۱] حج بدل: مفہوم اور شرائط

۱۷۴۶-سوال: حج بدل کسے کہتے ہیں، اور حج بدل کے لیے کسی کو بھیجنے کی شرط کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص پر حج فرض ہو گیا ہو، اور حج کا وقت بھی اسے مل گیا ہو؛ لیکن اس وقت حج ادا نہ کرسکا ہو اور فی الحال اس میں حج ادا کرنے کی بالکل استطاعت نہ ہو، یا ایسے مرض میں مبتلا ہو گیا کہ جس سے افاقہ کی بالکل امید نہیں ہے، جیسے لقوہ ہو گیا یا اندھا ہو گیا، یعنی: سفر کرنے کی اس میں استطاعت نہ رہی ہو، تو ایسے شخص کے ذمے فرض ہوتا ہے کہ: اپنی طرف سے کسی کو بھیج کر حج کرائے، یا وصیت کرے کہ: میرے مرنے کے بعد میرے مال میں سے حج کرایا جائے، اسی کا نام حج بدل ہے۔[1]

---

(۱) عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: جاءت امرأة من خثعم عام حجة الوداع، قالت: يا رسول الله إن فريضة الله على عباده في الحج أدركت أبي شيخا كبيرا لا يستطيع أن يستوي على الراحلة فهل يقضي عنه أن أحج عنه؟ قال: نعم. (صحيح البخاري: ۱/ ۲۵۰، رقم الحديث: ۱۸۵۴، ۱۸۵۵، كتاب الحج، باب الحج عمن لا يستطيع الثبوت على الراحلة، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۴۳۱، رقم الحديث: ۴۰۷-(۱۳۳۴، ۱۳۳۵)، كتاب الحج، باب الحج عن العاجز لزمانة وهرم ونحوهما، أو للموت، ط: ديوبند)

=

حج بدل کی شرط یہ ہے کہ: وہ بیماری موت تک برقرار رہے، اگر حج بدل کروانے کے بعد مریض میں اتنی استطاعت آگئی کہ: سفر کرسکتا ہے، تو پھر دوبارہ اس پر لازم ہوگا کہ: بہ ذات خود حج کرے۔(۲) فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] حج بدل میں جانے والا اگر اپنے فرض حج کی نیت کرلے؟

۱۷۴۷- سوال: کسی شخص پر حج فرض ہوا اور وہ دوسرے کے حج بدل میں جا رہا ہو، اور ساتھ میں اپنے فرض حج کی نیت بھی کرلے، تو اس کا فرض حج ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حج صرف ایک کا ادا ہوگا، دونوں کا نہیں؛ لہٰذا حج بدل کرنے والے کے لیے اپنے حج کی نیت کرنا

= والمراد بالصحة صحة الجوارح فلا يجب أداء الحج على مقعد ولا على زمن ولا مفلوج ولا مقطوع الرجلين ولا على المريض والشيخ الذي لا يثبت بنفسه على الراحلة والأعمى والمجبوس والخائف من السلطان الذي يمنع الناس من الخروج إلى الحج لا يجب عليهم الحج بأنفسهم ولا الإحجاج عنهم إن قدروا على ذلك هذا ظاهر المذهب عن أبي حنيفة وهو رواية عنهما.

وظاهر الرواية عنهما أنه يجب عليهم الإحجاج فإن أحجوا أجزأهم ما دام العجز مستمرا بهم فإن زال فعليهم الإعادة بأنفسهم وظاهر ما في التحفة اختياره فإنه اقتصر عليه وكذا الإسبيجابي وقواه المحقق في فتح القدير ومشى على أن الصحة من شرائط وجوب الأداء فالحاصل أنها من شرائط الوجوب عنده ومن شرائط وجوب الأداء عندهما وفائدة الخلاف تظهر في وجوب الإحجاج كما ذكرنا في وجوب الإيصاء ومحل الخلاف فيما إذا لم يقدر على الحج وهو صحيح أما إن قدر عليه وهو صحيح ثم زالت الصحة قبل أن يخرج إلى الحج فإنه يتقرر دينا في ذمته فيجب عليه الإحجاج اتفاقا. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۲/۳۳۵، أول كتاب الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (م: ۸۶۱هـ): ۲/۴۱۵، كتاب الحج، ط: دار الفكر)

(۲) قال: (ولا يجوز إلا عن الميت، أو عن العاجز بنفسه عجزا مستمرا إلى الموت) ولا يجوز عن القادر؛ لأن الحج عبادة بدنية وجبت للابتلاء، فلا تجري فيها النيابة، ... ويشترط دوام العجز إلى الموت كالفدية أيضا، لأنه متى قدر وجب عليه بنفسه. (الاختيار لتعليل المختار - عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ۶۸۳هـ): ۱/۱۷۰، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ت: محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة ☆تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ): ۲/۸۵، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق ☆غنية الناسك، ص: ۴۱۶، فصل في شرائط النيابة في الحج الفرض، ط: يادگار شيخ، سهارن پور)

جائز نہیں ہے۔ (۱) اگر وہ اپنے حج کی نیت کرے گا، تو حج بدل ادا نہ ہوگا اور سارا خرچ بھیجنے والے کو واپس کرنا لازم ہوگا۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] حج بدل میں تمتع کا حکم

۱۷۴۸- سوال: جس شخص کو حج بدل کرنے کے لیے بھیجا جا رہا ہے، وہ احرام باندھتے وقت حج کی کون سی قسم کا احرام باندھے گا؟ کیا اس کے لیے حج تمتع کرنے کی اجازت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

حج بدل کرنے والا بھیجنے والے کی اجازت کے بہ غیر، بالاتفاق تمتع نہیں کر سکتا ہے۔ (۳) البتہ اگر بھیجنے والے نے اس کو اختیار دیا ہو کہ: آپ جس حج کا بھی چاہیں، احرام باندھ سکتے ہیں، تو حج افراد اور حج قران کا احرام باندھنے میں تو کوئی حرج نہیں؛ لیکن حج تمتع کے سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض علماء آمر کی اجازت کے باوجود حج تمتع کو ناجائز کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: بھیجنے والے کا حج ادا نہ ہوگا۔ یہی رائے ملا علی قاریؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۴) اور مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ (۵) کی ہے۔ (۶)

---

(۱) الخامس عشر: أن يحرم بحجة واحدة، فلو أهل بحجة عن الآمر ثم بأخرى عن نفسه لم يجز إلا إن رفض الثانية.
(رد المحتار على الدر المختار: ۲/۶۰۱، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۲۵۷، كتاب المناسك، الحج عن الغير، ط: دار الفكر)

[۲] (وينوي النائب عنه) حتى لو نوى عن نفسه وقع عنه وضمن النفقة (فيقول لبيك بحجة عن فلان) عند الإحرام بعد الركعتين. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ 'داماد أفندي' (م: ۱۰۷۸ھ): ۱/۳۰۸، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ البحر الرائق: ۳/۶۸، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۳) کیوں کہ اس صورت میں آمر کے حکم کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔ (مرتب)

(۴) ساتویں: میقات آمر سے احرام حج کا باندھے اور مخالفت آمر کے حکم کی نہ کرے، پس اگر آمر نے حج کو کہا، اور مامور نے تمتع کر دیا، تو ضمان دیوے گا، اور حج مامور کا ہوے گا، نہ آمر کا۔ علی ہذا جو افراد کی جگہ قران کر دیا، تو مخالف ہو گیا، اور روپیہ واپس دیوے گا، مگر جو آمر نے اجازت دی ہو، کہ قران کر دینا، تو درست ہے، مگر دم قران اپنے مال سے دیوے، آمر کے مال سے درست نہیں، اور تمتع کرنا کسی حال میں درست نہیں، اگرچہ آمر نے اذن دیا ہو، کیوں کہ میقات آمر سے حج نہ ہوے گا، مگر جو تمتع اذن آمر سے کیا ہے، تو ضمان نہیں آتا، گو حج آمر کا ادا بھی نہیں ہوتا۔ (تالیفات رشیدیہ، ص: ۶۴۷، رسالہ: زبدۃ المناسک، ط: مکتبۃ الحق- جوگیشوری، ممبئی) [بقیہ اگلے صفحہ پر]

تاہم بہت سے علماء نے مجبوری کی بناء پر اس صورت میں تمتع کو جائز کہا ہے، یعنی: سخت مجبوری میں حج تمتع کرے گا، تو جائز ہوگا اور ان شاء اللہ قبول ہونے کی امید ہے۔ (۷) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۵) میری رائے حج عن الغیر میں تمتع کے جواز کی نہیں ہے، اور جو عبارتیں آپ نے تمتع کے استدلال جواز میں لکھی ہیں اور جو عبارتیں اس قسم کی اور پائی جاتی ہیں میرے نزدیک اس مدعا کے لیے مفید نہیں ہیں۔ (فتاویٰ مظاہر علوم المعروف بہ فتاویٰ خلیلیہ، ص:……، کتاب الحج، حج بدل میں تمتع کا عدم جواز، ط:……)

(۶) اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ حج بدل میں حج آمر کے میقات سے ہونا چاہیے، اور اس صورت میں حج، آمر کے میقات سے نہیں ہوتا، اس لیے حج تمتع درست نہ ہونا چاہیے، علامہ شامیؒ نے اس مسئلے پر تفصیلی بحث کی ہے، آپ بھی ان کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

(قوله إلا لمأمور بالحج للمخالفة) ذكره في البحر بحثا بقوله: وينبغي أن لا تجوز هذه الحيلة للمأمور بالحج لأنه حينئذ لم يكن سفره للحج ولأنه مأمور بحجة آفاقية وإذا دخل مكة بغير إحرام صارت حجته مكية فكان مخالفا، وهذه المسألة يكثر وقوعها فيمن يسافر في البحر الملح وهو مأمور بالحج ويكون ذلك في وسط السنة فهل له أن يقصد البندر المعروف بجدة ليدخل مكة بغير إحرام حتى لا يطول الإحرام عليه لو أحرم بالحج فإن المأمور بالحج ليس له أن يحرم بالعمرة اهـ.

أي لأنه إذا اعتمر ثم أحرم بالحج من مكة يصير مخالفا في قولهم كما في التتار خانية عن المحيط، وهل مخالفته لكونه جعل سفره لغير الحج المأمور به، أو لكونه لم يجعل حجته آفاقية.

وعلى الثاني لو اعتمر أو فعل الحيلة بأن قصد البندر، ثم دخل مكة ثم خرج وقت الحج إلى الميقات فأحرم منه لم يكن مخالفا لأن حجته صارت آفاقية أما على الأول فهو مخالف ويحتمل أن المخالفة لكل من العلتين كما يفيده أول عبارة البحر المذكورة فتتحقق المخالفة بالعلة الأولى لكن ذكر العلامة القاري في بعض رسائله مسألة اضطرب فيها فقهاء عصره وهي: أن الآفاقي الحاج عن الغير إذا جاوز الميقات بلا إحرام للحج، ثم عاد إلى الميقات، وأحرم هل يصح عن الآمر قيل: لا، وقيل نعم، ومال هو إلى الثاني قال: وأفتى به الشيخ قطب الدين، وشيخنا سنان الرومي في منسكه، والشيخ علي المقدسي.

قلت: وهذا يفيد جواز الحيلة المذكورة له إذا عاد إلى الميقات، وأحرم، والجواب عن قوله لأن سفره حينئذ لم يكن للحج أنه إذا قصد البندر عند المجاوزة ليقيم به أياما لبيع أو شراء مثلا ثم يدخل مكة لم يخرج عن أن يكون سفره للحج كما لو قصد مكانا آخر في طريقه ثم النقلة عنه والله تعالى أعلم فافهم.

وأما لو أحرم بالحج من الميقات وأقام بمكة حراما فإنه لا يحتاج إلى هذه الحيلة لكنه يكره تقديم الإحرام على أشهر الحج أي يحرم كما قدمناه قبيل أحكام العمرة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۷۷، كتاب الحج، مطلب في المواقيت، ط: دار الفكر-بيروت)

(۷) اگرچہ من حیث الدلیل رجحان اس کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ حج بدل میں آمر کی اجازت سے قران اور تمتع دونوں جائز ہوں، اور فقہاء متاخرین نے صاحب لباب اور اس کے حاشیہ حباب وغیرہ میں اسی کو اختیار بھی کیا ہے، مگر ملا علی قاری اور حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ کا=

[۴] حج بدل کا طریقہ

۱۷۴۹- سوال: میں حج بدل میں جانا چاہتا ہوں، تو مجھے احرام کہاں سے اور کتنے دن پہلے باندھنا چاہیے؟ اگر جہاز سے سیدھے مدینہ لے جایا گیا، تو کیا مدینہ جا کر احرام باندھ سکتا ہوں؛ کیوں کہ حکومت کبھی مکہ تو کبھی مدینہ لے جاتی ہے اور میں مدینہ شریف پہلے جانا چاہتا ہوں؛ اس لیے اگر مدینہ چلا گیا، تو لمبے عرصہ تک احرام باقی رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے، نیز حج بدل میں صحیح طریقہ کیا ہے؟ کیسے اور کس طرح یہ حج ادا کرنا چاہیے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حج بدل میں اگر آپ اپنے والد یا بھائی کی طرف سے جا رہے ہیں اور مرحوم نے وصیت نہیں کی ہے، آپ خود ان کی طرف سے تبرعاً حج کر رہے ہیں، تو حج تمتع کر لیجیے، یعنی پہلے عمرہ کا احرام باندھیے اور عمرہ کر کے احرام کھول دیجیے، پھر حج کے دنوں میں حج کا احرام باندھ کر حج کر لیجیے، اس طرح حج ادا ہو جائے گا، اس میں احرام باقی رکھنے کی کوئی پریشانی نہ ہوگی۔ (۱)

=فتویٰ اس سے مختلف ہے، وہ تمتع کو بہ اذن آمر بھی جائز نہیں قرار دیتے۔

معاملہ ادائے فرض کا نازک ہے، اس لیے احتیاط لازم ہے، جہاں تک ممکن ہو، حج بدل میں افراد یا قران کیا جائے، تمتع نہ کریں؛ لیکن اس زمانے میں حج وعمرہ کرنے میں عام آدمی آزاد نہیں، کہ جب اور جس وقت چاہیں، جا سکیں، اور طول احرام سے بچنے کے لیے ایام حج کے بالکل قریب سفر کریں، ہر طرف حکومتوں کی پابندیاں شدید ہیں، اس لیے اگر کسی حج بدل کرنے والے کو وقت سے زیادہ پہلے جانے کی مجبوری ہو، اور احرام طویل میں واجبات احرام کی پابندی مشکل نظر آئے، تو اس کے لیے تمتع کر لینے کی بھی گنجائش ہے۔ (جواہر الفقہ: ۱/ ۵۱۶، حج بدل میں قران اور تمتع، [منہج الخیر فی الحج عن الغیر]، ط: مکتبہ تفسیر القرآن- جامع مسجد، دیوبند)

مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور صاحب احسن الفتاویٰ حضرت مولانا ومفتی رشید احمدؒ نے بھی جواز کی بات کہی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: کفایت المفتی: ۴/ ۳۴۵، کتاب الحج والزیارۃ، حج بدل، حج کے بارے میں ایک تفصیلی فتویٰ، ط: زکریا- دیوبند ☆ احسن الفتاوی: ۴/ ۵۲۳، حج بدل میں تمتع وقران کا حکم، ط: دار الاشاعت- دہلی)

(۱) "التمتع أفضل من الإفراد عندنا" . . . "وصفته أن يبتدئ من الميقات في أشهر الحج فيحرم بالعمرة ويدخل مكة فيطوف لها ويسعى ويحلق أو يقصر وقد حل من عمرته" . . . قال: "ويقيم بمكة حلالا" لأنه حل من العمرة. قال: "فإذا كان يوم التروية أحرم بالحج من المسجد" والشرط أن يحرم من الحرم أما المسجد فليس بلازم وهذا لأنه في معنى المكي وميقات المكي في الحج الحرم على ما بينا" وفعل ما يفعله الحاج المفرد" لأنه مؤد للحج.

(الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): =

لیکن اگر مرحوم کی طرف سے حج بدل کی وصیت کی گئی ہے اور آپ ان کے پیسوں سے جارہے ہیں، تو آپ کو میقات سے، بجائے عمرہ کے، حج کا احرام باندھنا ہوگا، یعنی حج افراد کرنا ہوگا، مگر یہ کہ مرحوم کی طرف سے حج تمتع کی اجازت ہو، تو عمرہ کا احرام باندھ کر حج تمتع کیا جاسکتا ہے، البتہ اجازت کے باوجود حج تمتع بہتر نہیں؛ کیوں کہ بعض علماء کے نزدیک حج بدل میں حج تمتع مطلقاً جائز نہیں، خواہ میت کی طرف سے اجازت ہو یا نہ ہو۔ (معلم الحج: ۳۰۷)[۲]

اور آپ جو سیدھے مدینہ شریف جانا چاہتے ہیں اور وہاں کے میقات سے حج کا احرام باندھنا چاہتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے، اپنی راحت کی خاطر حج میں بھیجنے والے کا حج خراب نہیں کرنا چاہیے۔[۳]

حج بدل میں جانے والے کو چاہیے کہ سب سے آخری جہاز میں میقات سے احرام باندھ کر مکہ جاکر

=۱/ ۱۵۳، كتاب الحج، باب التمتع، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت ☆ تبيين الحقائق: ۲/ ۴۵، كتاب الحج، باب التمتع، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق)

[۲] آمر کی مخالفت نہ کرنا: اگر آمر نے افراد یعنی صرف حج کا حکم کیا تھا، اور مامور نے تمتع کیا، تو مخالف ہوگا، اور ضمان واجب ہوگا، اور حج مامور کا ہوگا۔ اسی طرح اگر قران کیا، تو بھی مخالف ہوگا، اور ضمان دینا ہوگا۔

البتہ قران آمر کی اجازت سے کرنا جائز ہے، دم قران اپنے پاس سے دینا ہوگا، آمر کے روپیے سے دینا جائز نہیں، اور تمتع کرنا اجازت سے بھی جائز نہیں، اگر اجازت سے تمتع کرے گا، تو گو مامور پر ضمان نہ ہوگا، لیکن آمر کا حج ادا نہ ہوگا۔ (معلم الحجاج، ص: ۲۸۴، حج بدل کے شرائط [۱۵]، از ص: ۲۸۱ تا ۲۸۶، ط: دار الکتاب - دیوبند)

اس کے حاشیہ میں ہے: حج بدل کرنے والے کو آمر کی بلا اجازت تمتع کرنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں؛ لیکن اگر آمر تمتع کی اجازت دے دے، تو بعض علماء جائز کہتے ہیں، مگر محققین کی رائے یہی ہے، حج بدل والے کو آمر کی اجازت سے بھی تمتع کرنا جائز نہیں۔ اگر تمتع اجازت سے کرے گا، تو گو ضمان نہ ہوگا، لیکن آمر کا حج ادا نہ ہوگا۔ [حوالہ سابق]

یہی قول ہے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا، دیکھیے: زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک: ۲/ ۱۵۷، ط: الجمعیۃ پریس - دہلی ☆ احسن الفتاوی ۴/ ۵۲۳، کتاب الحج، حج بدل میں تمتع وقران کا حکم، ط: دار الاشاعت - دہلی ☆ کفایت المفتی: ۴/ ۳۴۵، ۳۴۶، کتاب الحج، حج کے بارے میں ایک تفصیلی فتویٰ، ط: زکریا - دیوبند ☆ فتاویٰ عثمانی: ۲/ ۲۲۲، کتاب الحج، حج بدل میں تمتع کا احرام، ط: کتب خانہ نعیمیہ - دیوبند۔

(ودم القران) والتمتع (والجناية على الحاج) إن أذن له الآمر بالقران والتمتع وإلا فيصير مخالفا فيضمن.

(الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۶۱۰، كتاب الحج، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة، ط: دار الفكر - بيروت)

مزید تفصیل کے لیے سوال سابق بہ عنوان "حج بدل میں تمتع کا حکم" ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) حاشیہ معلم الحجاج، ص: ۲۸۵، حج بدل کے شرائط، ط: دار الکتاب - دیوبند

سیدھا حج ادا کرے، اس میں کسی مضائقہ اور احرام کی طوالت کی پریشانی کے بغیر حج ادا ہو جائے گا، اس کے بعد مکہ یا مدینہ میں جتنا ٹھہرنا ہو، ٹھہر سکتا ہے، حج بدل میں وصیت کی گئی ہے، تو یہی سب سے بہتر طریقہ ہے یعنی آخری جہاز میں جاتے ہوئے میقات سے احرام باندھنا اور حج ادا کرنا۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] حج بدل کرنے والے کا آمر کی رضامندی سے حج تمتع کرنا

۱۷۵۰-سوال: (۱) حج بدل کرنے والا اپنے بھیجنے والے کی رضامندی سے "حج تمتع" کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) حج کی تینوں قسموں میں سے حج بدل میں کون سی صورت بہتر ہے؟

الجواب حامدا و مصليا:

(۱-۲) بھیجنے والے کی اجازت سے جانے والا حج تمتع کر سکتا ہے؛ لیکن بہتر نہیں ہے۔[۲] حج بدل

---

(۱) کوشش اسی کی ہونی چاہیے، تاہم اب صورت حال تبدیل ہو چکی ہے، اور حج کے سفر کا آغاز و اختتام، حاجی کے اختیار میں نہیں رہتا؛ اس لیے اگر حج بدل کرنے والا کوئی شخص حج افراد کے بجائے، بہ اجازت آمر، حج تمتع کر لے، تو ان شاء اللہ آمر کی جانب سے حج ہو جائے گا۔ (تفصیل کے لیے سوال سابق کا حاشیہ نمبر: ۵ [ترتیب میں حاشیہ نمبر: ۷] ملاحظہ فرمائیں)

[۲] (وينبغي للآمر أن يفوض الأمر إلى المأمور فيقول: حججي عني) أي بهذا (كيف شئت مفردا أو قارنا أو متمتعا) فيه أن هذا القيد سهو ظاهر، إذ التفويض المذكور في كلام المشائخ مقيد بالإفراد، و القران لا غير، ففي الكبير: قال الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل: إذا أمر غيره أن يحج عنه ينبغي أن يفوض الأمر إلى المأمور فيقول: حجي عني بهذا كيف شئت، إن شئت حجة و إن شئت فاقرن، و الباقي من المال وصية له، لكي لا يضيق الأمر على الحاج و لا يجب عليه الرد إلى الورثة، انتهى كلامه.

و قد سبق أيضا أن من شرط الحج عن الغير أن يكون ميقاتيا آفاقيا، و تقرر أن بالعمرة ينتهي سفره إليها و يكون حجه مكيا، و أما ما في قاضي خان من التخيير بحجة أو عمرة و حجة، أو بالقران فلا دلالة على جواز التمتع، إذ الواو لا يفيد الترتيب، فيحمل على حج و عمرة بأن يحج أولا عنه ثم بعمرة له أيضا، فتدبر؛ فإنه موضع خطر. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط)

في إرشاد الساري: (قوله: أن هذا القيد سهو ظاهر) في شرح هذا الكتاب: ولا يخفى أن هذا سهو منه؛ لأن الميت لو أمره بالتمتع فتمتع المأمور صح، ولا يكون مخالفا بلا خلاف بين الأئمة الأسلاف، فتدبر كذا في الحباب. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع إرشاد الساري، ص: ۶۴۷، ۶۴۸، فصل في النفقة، ص: ۶۴۳، ت: طلحة بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة)

کے لیے جانے والا شخص آخری جہاز سے جائے اور صرف حج ہی کا احرام باندھے، یہ اس کے لیے بہتر ہے، اس میں اس کو زیادہ دنوں تک احرام میں نہیں رہنا پڑے گا، حج بدل کرنے والے کے لیے مفرد بالحج کا ہونا سب سے بہتر ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] حج بدل میں تمتع کرنا

۱۷۵۱- سوال: آپ نے اپنی کتاب ''مسائل حج'' میں صفحہ نمبر ۱۹۹ پر حج بدل میں تمتع کرنے کے متعلق لکھا ہے کہ ''حج بدل کے طور پر جو شخص بھیج رہا ہے، اس کی اجازت سے بھی تمتع کرنا جائز نہیں ہے، بھیجنے والے نے تمتع کی اجازت دی ہے، تو تمتع کرنے والے پر کوئی مالی تاوان لازم نہیں ہوگا؛ لیکن بھیجنے والے کا حج ادا نہیں ہوگا، تو آپ سے سوال یہ ہے کہ تمتع کون سے حج بدل میں جائز نہیں، حج بدل کی حسب ذیل چند صورتیں یہ ہیں:

(۱) ایک مال دار نے- جس پر حج فرض تھا، مگر وہ اپنی زندگی میں کسی وجہ سے اپنا حج ادا نہیں کر سکا- اپنے ورثہ کو وصیت کی تھی کہ میرے انتقال کے بعد میرا حج بدل کروا دینا۔

(۲) ایک آدمی پر اس کی زندگی میں حج فرض نہیں تھا؛ لیکن اس کے ورثاء نے اس کے انتقال کے بعد کسی کو اس کی طرف سے حج بدل کے لیے بھیجا۔

(۳) ایک آدمی پر اس کی زندگی میں حج فرض تھا؛ لیکن نہ تو وہ اپنا حج کر سکا اور نہ وصیت کر سکا؛ تاہم اس کے ورثاء نے اس کے تہائی مال میں سے کسی کو حج بدل کے لیے بھیجا، تو مذکورہ تینوں صورتوں میں سے کون سی صورت میں حج بدل میں تمتع کرنا جائز نہیں ہے؟ محمد یوسف بلیسر یا، نواپور

---

[۱] (العاشر: أن يحرم من الميقات) أي من ميقات الآمر ليشمل المكي وغيره، (فلو اعتمر وقد أمره بالحج ثم حج من عامه من مكة لا يجوز و يضمن) أي في قولهم جميعا و لايجوز ذلك عن حجة الإسلام، لأنه مأمور بحجة ميقاتية، كذا في الكبير. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط، ص: ۶۲۲)

و في إرشاد الساري: و هو أن من شرائط صحة الحج عن الغير أن لا ينتهي سفره إلى عمرة، وهو على نوعين متفق عليه و مختلف فيه، فالأول أن يحرم بعمرة مفردة، و هذا الحكم أعم من أن يكون إنشاءها من الميقات أو مما دونه أو مما فوقه. (إرشاد الساري مع المسلك المتقسط في المنسك المتوسط، ص: ۶۲۳، فصل في شرائط جواز الإحجاج)

مسئلے کی مکمل تفصیل وتخریج کے لیے عنوان ''حج بدل میں تمتع کا حکم'' اور ''حج بدل کا طریقہ'' کی تفصیل وحواشی ملاحظہ فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

پہلی صورت میں تمتع جائز نہیں ہے۔[1] دوسری اور تیسری صورت میں ورثاء میت کے حق میں متبرع (تبرع اور احسان کرنے والے) ہیں؛ اس لیے اس میں حج تمتع جائز ہے۔

البتہ جب ورثاء ہزاروں روپے خرچ کرکے میت کی طرف سے کسی کو حج بدل کے لیے بھیج رہے ہیں، تو جانے والے کو آخری ہوائی جہاز سے بھیجیں اور اس کو اس بات کی تاکید کردیں کہ میقات سے اپنا احرام باندھے؛ کیوں کہ جب آخری ہوائی جہاز سے جائے گا، تو صرف چھ سات دن ہی احرام میں رہنا پڑے گا یا ان سے بھی کم؛ البتہ آپ کی تحریر کردہ دوسری اور تیسری صورت میں، بھیجنے والے کی اجازت سے تمتع کرنا جائز ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] والدین کا حج باقی ہو، اور ساس کی طرف سے حج بدل کرے

۱۷۵۲-سوال: ایک شخص سعودی عرب میں رہتا ہے، اس نے اپنا حج کرلیا ہے، اب وہ اپنی مرحوم ساس کی طرف سے حج ادا کرنا چاہتا ہے، مگر سوال یہ ہے کہ خود اس کے والدین- جو بہ قید حیات ہیں اور یہاں ہندوستان میں رہتے ہیں- نے حج نہیں کیا ہے، اور ان کی اتنی مالی استطاعت بھی نہیں ہے کہ وہ حج کرسکیں، جب کہ لڑکا سعودیہ میں اچھے خاصے پیسے کماتا ہے۔

تو اس صورت میں اس شخص کا اپنی ساس کی طرف سے حج کرنا کیسا ہے؟ کیا اس کی مرحوم ساس کی طرف سے حج ادا ہوگا یا نہیں؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

صورت مسئولہ میں داماد کا اپنی ساس کی طرف سے حج بدل کرنا صحیح ہے، یہ حج ادا ہوجائے گا، البتہ اپنے آباء واجداد اور امہات میں سے جن لوگوں نے باوجود حج فرض ہونے کے حج ادا نہیں کیا تھا، ان کی طرف سے حج کرے گا، تو اس میں ثواب زیادہ حاصل ہوگا۔[3]

---

(۱) پچھلے سوالوں میں تفصیل وتخریج گذر چکی ہے۔

(۲) کیوں کہ یہ ورثاء کی جانب سے تبرع اور احسان ہے، جس میں احرام کا میقاتی ہونا ضروری نہیں۔

(۳) عن جابر بن عبد الله، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حج عن أبيه وأمه فقد قضى عنه حجته وكان له=

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "کوئی شخص کافر پڑوسی سے حسن سلوک کرے، تو ایک ثواب اور مسلمان پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے، تو دو ثواب اور مسلمان رشتہ دار پڑوسی سے حسن سلوک کرے، تو اس میں تین ثواب ہیں: ۱- پڑوسی کا، ۲-مسلمان ہونے کا، ۳-رشتہ داری کا۔ (بخاری شریف)[۱]

لہذا بہتر یہی کہ پہلے اپنے بلاواسطہ رشتہ داروں کے حقوق ادا کرے اور جن پر حج فرض تھا اور انتقال کر گئے (یا موجود ہیں لیکن بڑھاپے یا مرض کی وجہ سے چلنے پھرنے کی استطاعت نہیں ہے) ان کی طرف سے حج بدل کرے۔ اگر ایسی کوئی صورت نہ ہو، تو پھر ساس کی طرف سے-جب کہ اس پر حج فرض ہو اور بغیر ادا کئے انتقال کر گئی ہو-حج بدل کرلے، کہ اس سے ایک مسلمان کا فرض ادا ہو جائے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] نفلی حج کا ثواب مرحومین کو پہنچانا بہتر ہے یا زندہ رشتہ داروں کو؟

۱۷۵۳- سوال: الحمد للہ میں نے حج فرض ادا کرلیا ہے، اب نفلی حج کرنا چاہتا ہوں، تو اس کا

=فضل عشر حجج. (سنن الدارقطني- أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود بن النعمان بن دينار البغدادي الدارقطني (م:۳۸۵ھ): ۳/ ۳۰۰، رقم الحديث: ۲۶۱۰، كتاب الحج، باب المواقيت، ت: شعيب الارنؤوط، و جماعة من العلماء، ط: مؤسسة الرسالة- بيروت)

عن عبد العزيز بن عبد الله بن عمر، عن أبيه، عن جده قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من حج عن والديه بعد وفاتهما كتب له عتق من النار، وكان للمحجوج عنهما أجر حجة تامة من غير أن ينقص من أجورهما شيء". (شعب الإيمان-أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي (م:۴۵۸ھ): ۱۰/ ۳۰۴، رقم الحديث: ۷۵۳۴، بر الوالدين، فصل في حفظ حق الوالدين بعد موتهما، ت: د. عبد العلي عبد الحميد حامد، ط: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند)

ذكر العلامة نوح عن مناسك القاضي: حج الإنسان عن غيره أفضل من حجه عن نفسه، بعد أن أدى فرض الحج لأن نفعه متعد، وهو أفضل من القاصر اهـ تأمل. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۶۰۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب الفرق بين العبادة والقربة، والطاعة، ط: دار الفكر- بيروت)

[۱] قال ابن حجر: وقد وردت الإشارة إلى ما ذكرته في حديث مرفوع أخرجه الطبراني من حديث جابر رفعه: الجيران ثلاثة جار له حق وهو المشرك له حق الجوار وجار له حقان وهو المسلم له حق الجوار وحق الإسلام وجار له ثلاثة حقوق مسلم له رحم له حق الجوار والإسلام والرحم. (فتح الباري شرح صحيح البخاري-أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي (م:۸۵۲ھ): ۱۰/ ۴۴۲، كتاب الأدب، باب الوصاءة بالجار، تحت رقم: ۶۰۱۴-۶۰۱۵، ط: دار المعرفة- بيروت)

ثواب مرحومین کو پہنچانا بہتر ہے یا زندہ رشتہ داروں کو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرحوم: ماں باپ اور دادا، دادی، جن کے ذمہ حج فرض تھا، اور انہوں نے حج ادا نہیں کیا، ان کی طرف سے حج بدل کرنا زیادہ ثواب کا کام ہے۔[1]

اگر انہوں نے حج کرلیا تھا، تو دوسرے مرحوم قرابت داروں کی طرف سے حج بدل کرنا چاہیے، زندہ اشخاص کے لیے تو حج کے بہت سے مواقع ہیں، اس لیے ترجیحی بنیاد پر وفات پاچکے رشتے داروں کے لیے حج بدل کرنا چاہیے، البتہ سب سے پہلے اپنے حج فرض کی ادائیگی کو لازم سمجھنا چاہیے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱)عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حج عن أبويه أو قضى عنهما مغرما بعث يوم القيامة مع الأبرار. (سنن الدارقطني - أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود بن النعمان بن دينار البغدادي الدارقطني (م:۳۸۵ھ): ۲۹۹/۳، رقم الحديث:۲۶۰۸، كتاب الحج، باب المواقيت، ت: شعيب الارنؤوط، وجماعة من العلماء، ط: مؤسسة الرسالة-بيروت)

عن زيد بن أرقم، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا حج الرجل عن والديه تقبل منه ومنهما واستبشرت أرواحهما في السماء وكتب عند الله تعالى برا. (المصدر السابق، رقم الحديث:۲۶۰۷)

عن جابر بن عبد الله، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حج عن أبيه وأمه فقد قضى عنه حجته وكان له فضل عشر حجج. (المصدر السابق:۳۰۰/۳، رقم الحديث:۲۶۱۰)

اعلم أن فعل الولد ذلك مندوب إليه جدا. لما أخرج الدارقطني عن ابن عباس - رضي الله تعالى عنهما - عنه - صلى الله عليه وسلم - لمن حج عن أبويه أو قضى عنهما مغرما بعث يوم القيامة مع الأبرار. وأخرج أيضا عن جابر أنه -عليه الصلاة والسلام- قال: من حج عن أبيه وأمه فقد قضى عنه حجته وكان له فضل عشر حجج. وأخرج أيضا عن زيد بن أرقم قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: إذا حج الرجل عن والديه تقبل منه ومنهما واستبشرت أرواحهما وكتب عند الله برا" .اهـ. (فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بـ'ابن الهمام' (م:۸۶۱ھ): ۱۵۹/۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الفكر ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۶۰۹/۲، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة، ط: دار الفكر)

(۲)عن ابن عباس، أن النبي صلى الله عليه وسلم سمع رجلا يقول: لبيك عن شبرمة، قال: من شبرمة؟ قال: أخ لي - أو قريب لي - قال: حججت عن نفسك؟ قال: لا، قال: حج عن نفسك ثم حج عن شبرمة. (سنن أبي داود: ۲۵۲/۱، رقم الحديث:۱۸۱۱، كتاب المناسك، باب الرجل يحج عن غيره، ط: ديوبند ☆ سنن ابن ماجه: ۲۰۸/۲، رقم الحديث: ۲۹۰۳، كتاب المناسك، باب الحج عن الميت، ط: ديوبند)

[۹] کناڈا میں رہنے والے معذور شخص کا ہندوستان سے حج بدل کرانا

۱۷۵۴-سوال: کناڈا میں ہمارے ایک بھائی رہتے ہیں، جن پر حج فرض ہوگیا ہے، مگر انہیں لقوہ لگ گیا ہے، داہنا ہاتھ اور بایاں پیر سوکھ گیا ہے، چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا مشکل ہے، یہاں تک کہ کپڑے پہننے میں دوسروں کے محتاج ہیں؛ بل کہ بستر پر سونے کے لیے بھی جب تک دوسرا شخص ان کا پیر اٹھا کر چار پائی پر نہ رکھے، نہیں سو پاتے ہیں، یہی حال کار میں بیٹھتے وقت ہوتا ہے، تو ایسی صورت حال میں اگر ان کے لیے حج بدل کا حکم ہو، تو وہ حج بدل کناڈا ہی سے کروایا جائے، یا انڈیا سے بھی کروایا جاسکتا ہے، اگر اس میں گنجائش ہو تو سوال یہ ہے کہ کناڈا سے تو لوگ ہوائی جہاز سے حج کے لیے جاتے ہیں، جبکہ کہ انڈیا سے اکثر پانی کے جہاز سے جاتے ہیں، تو اس سے کوئی فرق تو نہ آئے گا؟ مفصل جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صورت مسئولہ میں چوں کہ مرض ایسا ہے، جس کے ٹھیک ہونے کی آئندہ امید نہیں ہے، لہٰذا ایسا مریض حج بدل کرواسکتا ہے۔[۱] پھر اس میں مریض کو اختیار ہے کہ وہ حج بدل کے لیے کسی کو کناڈا سے بھیجے یا ہندوستان سے بھیجے، حجِ فرض ادا ہوجائے گا۔ (زبدۃ المناسک: ۲/ ۱۵۳)[۲]

---

(۱) وإن كان عجزا لا يرجى زواله كالزمانة والعمي، جاز أن يامر غيره بالحج. (فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ۱/ ۳۰۹، كتاب الحج، فصل في الحج عن الميت، ط: زكريا- ديوبند ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۶۴۸، كتاب الحج، الحج عن الغير، رقم المسئلة: ۵۲۴۵، ت: المفتي شبير أحمد القاسمي، ط: زكريا- ديوبند ☆ البحر الرائق: ۳/ ۶۵، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۲] اگر میت یا مریض نے خود حکم کیا تھا، کہ میرے وطن کے سوا فلاں جگہ سے حج کرایا جائے، تو جائز ہے۔ (زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک: ۲/ ۱۵۳، ط: الجمعیۃ پریس- دہلی)

وأما ما يرجع إلى تعيين الوطن، فلا يخلو من أن يكون له وطن واحد أو أوطان، فإن اتحد تعين. ومن فروعه ما عن محمد في خراساني أدركه الموت بمكة فأوصى أن يحج عنه يحج عنه من خراسان، وما عن أبي يوسف في مكي قدم إلى الري فحضره الموت فأوصى أن يحج عنه يحج عنه من مكة. ——— أما لو أوصى أن يقرن عنه فإنه حينئذ يقرن عنه من الري، لأنه لا قران لأهل مكة فيحمل عليه من حيث هو، وإن كانت له أوطان في بلدان يحج عنه من أقربها إلى مكة، ولو عين مكانا جاز منه اتفاقا، وكذا إذا عين مكانا مات فيه. (فتح القدير- ابن الهمام: (م: ۸۶۱هـ): ۳/ ۱۵۶-۵۷، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الفكر ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۶۰۴، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الفكر)

=

اسی طرح اگر وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد ہندوستان سے حج بدل کروایا جائے، تو یہ بھی جائز ہے، البتہ اگر مطلق وصیت کی اور انتقال ہوگیا، تو اب کناڈا ہی سے حج بدل کرانا ضروری ہوگا؛ لیکن جب تک حیات ہیں انڈیا سے حج بدل کرا سکتے ہیں، اس میں انہیں اختیار ہے۔ [1] اور بہتر یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کو حج بدل میں بھیجے، جس نے پہلے اپنا حج کرلیا ہو۔ [2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] حج بدل جدہ سے کرانا

۱۷۵۵- سوال: مرحوم کی طرف سے حج بدل جدہ سے کرا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مرحوم نے وصیت کی ہے، تو ایک تہائی مال میں سے ہندوستان ہی سے حج بدل کے لیے جانا یا کسی کو بھیجنا ضروری ہوگا۔ [3]

= وإن أوصى أن يحج عنه من موضع كذا من غير بلده، يحج عنه من ثلث ماله من ذلك الموضع الذي بين، قرب من مكة أو بعد عنها وما فضل في يد الحاج عن الميت بعد النفقة في ذهابه ورجوعه فإنه يرده على الورثة لا يسعه أن يأخذ شيئا مما فضل هكذا في البدائع. (الفتاوى الهندية: ۲۵۹/۱، كتاب المناسك، الباب الخامس عشر في الوصية، ط: دار الفكر)

(۱) ولو أحج عنه من غير وطنه مع إمكان الإحجاج من وطنه من ثلث ماله فإن الوصي يكون ضامنا ويكون الحج له ويحج عن الميت ثانيا إلا إذا كان المكان الذي أحج منه قريبا إلى وطنه من حيث يبلغ إليه ويرجع إلى وطنه قبل الليل فحينئذ لا يكون ضامنا ولو أحج عنه من موضع وفضل عنه من ثلث ماله وتبين أنه كان يبلغ أبعد منه، فإن الوصي يكون ضامنا ويحج عنه من حيث يبلغ إلا إذا كان الفضل يسيرا من زاد وكسوة فلا يكون مخالفا ويرد الفضل على الورثة، كذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية: ۲۵۹/۱، كتاب المناسك، الباب الخامس عشر في الوصية، ط: دار الفكر)

(۲) عن ابن عباس، أن النبي صلى الله عليه وسلم سمع رجلا يقول: لبيك عن شبرمة، قال: من شبرمة؟ قال: أخ لي - أو قريب لي - قال: حججت عن نفسك؟ قال: لا، قال: حج عن نفسك ثم حج عن شبرمة. (سنن أبي داود: ۲۵۲/۱، رقم الحديث: ۱۸۱۱، كتاب المناسك، باب الرجل يحج عن غيره، ط: ديوبند ☆ سنن ابن ماجه: ۲۰۸/۲، رقم الحديث: ۲۹۰۳، كتاب المناسك، باب الحج عن الميت، ط: ديوبند)

(۳) إذا أوصى بأن يحج عنه، وهو في منزله، إن بين مكاناً، يحج عنه من ذلك المكان بالإجماع، وإن لم يبين مكاناً يحج عنه من وطنه عند علمائنا رحمهم الله، لأن الوصية بالإحجاج أمر بإقامة غيره مقام نفسه في الحج، فإنما ينصرف مطلق هذا الأمر إلى ما كان واجباً على المنوب عنه، والواجب على المنوب عنه الحج من وطنه، حتى لا يجب عليه ما لم يملك من الزاد والراحلة قدر ما يحمله من وطنه إلى مكة ويرده إلى بلده، وهذا إذا كان ثلث ماله يكفي للحج من =

اور اگر وصیت نہیں کی ہے، مگر لڑکا یا بھائی وغیرہ اپنی طرف سے حج کرتا ہے اور ثواب بخش دیتا ہے، یا مرحوم کی طرف سے احرام باندھ کر ان کی طرف سے حج کرتا ہے، تو اس میں ہندوستان سے حج کرنا ضروری نہیں، جدہ، بل کہ مکہ مکرمہ سے بھی حج کیا جا سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، اور اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ مرحوم کے ذمہ میں موجود فریضہ ادا ہو جائے گا:

(فإن فسر المال) أو المكان (فالأمر عليه) أي على ما فسره (وإلا فيحج) عنه (من بلده) قياسا لا استحسانا فليحفظ، فلو أحج الوصي عنه من غيره لم يصح (إن وفى به) أي بالحج من بلده (ثلثه) وإن لم يف فمن حيث يبلغ استحسانا. (درمختار)[1]

وفي الشامية: وإن لم يوص به فتبرع الوارث عنه بالإحجاج أو الحج بنفسه، قال أبو حنيفة يجزيه إن شاء الله تعالى ؛لقوله - صلى الله عليه وسلم - للخثعمية أرأيت لو كان على أبيك دين، الحديث انتهى. (شامی)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیمات غفرلہ

=وطنه، فأما إذا كان لا يكفي لذلك، فإنه يحج عنه من حيث يمكن الإحجاج عنه. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني- أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:۶۱۶ھ): ۲/ ۴۸۲، كتاب المناسك، الفصل السادس عشر: في الوصية بالحج، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ الفتاوى التاتار خانية: ۳/ ۶۵۶، كتاب الحج، الفصل السادس عشر: في الوصية بالحج، ط: زكريا- ديوبند)

[۲] الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۶۰۴-۶۰۸، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الفكر- بيروت.

[۳] رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۶۰۸، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة، ط: دار الفكر- بيروت.

وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۸۵، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: المكتبة الكبرى الأميرية- بولاق.

عن عبد الله بن عباس، عن الفضل بن عباس، أن امرأة من خثعم، قالت: يا رسول الله، إن أبي أدركته فريضة الله في الحج وهو شيخ كبير لا يستطيع أن يستوي على ظهر البعير، قال: حجي عنه. (سنن الترمذي: ۱/ ۱۸۵، رقم الحديث: ۹۲۸، أبواب الحج، باب ما جاء في الحج عن الشيخ الكبير، والميت، ط: ديوبند)

وفي كل منهما لا يخلو إما إن أطلق الوصية أو عين المال والمكان فإن أوصى بأن يحج عنه، وأطلق يحج عنه من ثلث ماله؛ لأنه بمنزلة التبرعات فإن بلغ ثلثه أن يحج عنه من بلده وجب الإحجاج من بلده؛ لأن الواجب عليه الحج من بلده الذي يسكنه. (البحر الرائق: ۳/ ۷۱، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۱۱] ۱- والدہ کی زندگی میں ان کی طرف سے حج بدل کرنا

[۱۲] ۲- اس شخص کا حج بدل میں جانا، جس نے خود حج نہ کیا ہو

۱۷۵۶- سوال: میری والدہ پر حج فرض ہو چکا ہے، مگر وہ بہت ضعیف ہو چکی ہیں، صرف گھر میں چلنا پھرنا رہتا ہے، محلہ میں یا باہر کہیں جانا ہو، تو بیل گاڑی یا رکشہ کے بغیر نہیں جاسکتی ہیں اور اپنے ساتھ کسی محرم کو لے جانے کی اس میں استطاعت نہیں ہے، تو ایسی صورت حال میں والدہ کی طرف سے میں خود حج بدل میں جاسکتا ہوں یا نہیں؟ جب کہ مجھ پر حج فرض نہیں ہوا ہے اور نہ میں نے اس سے پہلے کوئی حج کیا ہے، شریعت کی جو ہدایت ہو، وہ تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کی والدہ کے ساتھ کسی محرم کا جانا ضروری ہے، اگر محرم کا خرچ ان کے پاس نہیں ہے، تو حج نہ کرنے سے ان کو کوئی گناہ نہ ہوگا، بس صرف وصیت لکھ دے کہ میرے مرنے کے بعد اس مال سے حج بدل کردیا جائے، تو جب حج بدل کر دیا جائے گا، ان کا حج ادا ہو جائے گا۔[۱]

[۱] (و) مع (زوج أو محرم) ولو عبدا أو ذميا أو برضاع (بالغ) قيد لهما كما في النهر بحثا (عاقل والمراهق كبالغ) جوهرة... (مع) وجوب النفقة لمحرمها (عليها) لأنه محبوس (عليها) لامرأة حرة ولو عجوزا في سفر. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله مع وجوب النفقة إلخ) أي فيشترط أن تكون قادرة على نفقتها ونفقته (قوله لمحرمها) قيد به لأنه لو خرج معها زوجها فلا نفقة له عليها بل هي لها عليه النفقة... (قوله لأنه محبوس عليها) أي حبس نفسه لأجلها ومن حبس نفسه لغيره فنفقته عليه. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۶۴، كتاب الحج، ط: دار الفكر - بيروت ☆ ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر: ۱/ ۳۸۷، ط: مكتبة فقيه الأمة - ديوبند)

ثم تكلموا أن أمن الطريق وسلامة البدن - على قول أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - ووجود المحرم للمرأة شرط لوجوب الحج أم لأدائه، بعضهم جعلوها شرطا للوجوب وبعضهم شرطا للأداء، وهو الصحيح، وثمرة الخلاف فيما إذا مات قبل الحج فعلى قول الأولين لا تلزمه الوصية، وعلى قول الآخرين تلزمه كذا في النهاية. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۱۹، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته وشرائطه وأركانه، ط: دار الفكر - بيروت)

وإن مات عن وصية لا يسقط الحج عنه، ويجب أن يحج عنه، لأن الوصية بالحج قد صحت، وإذا حج عنه يجوز عند استجماع شرائط الجواز. (بدائع الصنائع: ۲/ ۲۲۲، كتاب الحج، فصل بيان حكم فوات الحج عن العمرة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۵۸، كتاب المناسك، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج، ط: دار الفكر - بيروت)

لیکن سوال میں آپ نے ذکر کیا ہے کہ میری والدہ کو گھر میں چلنے پھرنے کے علاوہ، محلہ میں یا دوسری جگہ جانا مشکل ہے، (یعنی دوسروں کی مدد کی محتاج ہے) تو اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ حج میں (بہ ذات خود جانے کے لیے) بدن کی تندرستی وسلامتی ضروری ہے، جب آپ کی والدہ محلہ میں بھی جانے کے لیے بیل گاڑی یا رکشہ کی محتاج ہے، تو ایسی صورت میں حج فرض ہو جانے کے سبب وہ کسی اور کو اپنی طرف سے حج میں بھیج سکتی ہیں۔ (شامی ☆ بدائع الصنائع)[۲]

البتہ مذکور ضعف وکمزوری موت تک پایا جانا ضروری ہے، اگر موت سے پہلے تندرستی لوٹ آئی تو وہ حج بدل کافی نہ ہوگا، پھر سے ان کو حج کرنا ضروری ہوگا۔[۳]

اور سوال میں مذکور ہے کہ آپ نے خود حج نہیں کیا ہے، تو حج بدل میں ایسے شخص کو بھیجنا چاہیے، جس

---

[۲] والنوع الثاني: شروط الأداء وهي التي إن وجدت بتمامها مع شروط الوجوب، وجب أداؤه بنفسه، وإن فقد بعضها مع تحقق شروط الوجوب، فلا يجب الأداء بل عليه الإحجاج أو الإيصاء عند الموت وهي خمسة: سلامة البدن، وأمن الطريق وعدم الحبس، والمحرم أو الزوج للمرأة وعدم العدة لها. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۵۸/۲، أول كتاب الحج، ط: دار الفكر - بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۲۱۳/۲، كتاب الحج، فصل نبات الحرم، ط: دار الكتب العلمية ☆ إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، ص: ۷۰، باب شرائط الحج، النوع الثاني: شرائط الأداء، ت: محمد طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية - مكة المكرمة ☆ الفتاوى الهندية: ۲۱۸/۱، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته... الخ، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) الثاني: العجز المستدام من وقت الإحجاج إلى وقت الموت، أي فإن زال قبل الموت لم يجز حج غيره عنه فرضا. (إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، ص: ۶۱۲، ت: محمد طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية - مكة المكرمة ☆ البحر الرائق: ۶۵/۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الفتاوى الهندية: ۲۵۸/۱، كتاب المناسك، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج، ط: دار الفكر - بيروت)

قال: (ولا يجوز إلا عن الميت، أو عن العاجز بنفسه عجزا مستمرا إلى الموت) ولا يجوز عن القادر، لأن الحج عبادة بدنية وجبت للابتلاء، فلا تجري فيها النيابة، ... ويشترط دوام العجز إلى الموت كالفدية أيضا، لأنه متى قدر وجب عليه بنفسه. (الاختيار لتعليل المختار - عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ۶۸۳ھ): ۱۷۰/۱، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ت: محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة ☆ تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳ھ): ۸۵/۲، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق ☆ غنية الناسك، ص: ۴۱۶، فصل في شرائط النيابة في الحج الفرض، ط: یادگار شیخ، سہارن پور ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۶۴۸/۳، كتاب الحج، الحج عن الغير، ط: زكريا - ديوبند)

نے خود حج کرلیا ہو، تاہم اگر آپ جاتے ہیں تو - اگرچہ حج فرض ادا نہیں کیا ہے - اس کی گنجائش ہے، حج بدل صحیح ہو جائے گا۔[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] ورثاء کا اپنے والد کی جانب سے کسی کو حج بدل میں بھیجنا

۱۷۵۷- سوال: (الف) میرے والد صاحب جناب احمد بن یوسف داؤجی کی وفات کو نو مہینے ہوئے، اُن کی جانب سے ہم اپنے بھائی اشرف بن احمد داؤجی کو حج بدل کے لیے بھیجنا چاہتے ہیں اور گھر میں ہماری دو جوان بہنیں بھی ہیں، تو اِس حج بدل کے متعلق حکمِ شرعی کیا ہے؟

(ب) میرا ایک پھوپھی زاد بھائی لندن میں مقیم ہے، جو اپنی خوشی سے میری والدہ اور بھائی کے لیے سفرِ حج کا خرچ اٹھانا چاہتا ہے، تو اُس کے خرچ سے جا سکتے ہیں، یا مجھ پر پورا خرچ کرنا لازم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) اگر آپ کے والد صاحب نے حج بدل کے لیے وصیت کی ہے تو اُسے پورا کرنا ضروری

---

(۴) والأفضل للإنسان إذا أراد أن يحج رجلاً عن نفسه أن يحج رجلاً قد حج عن نفسه؛ لأنه أهدى إلى إقامة الأعمال، ولأنه أبعد عن الخلاف، فإن الذي لم يحج عن حجة الإسلام عن نفسه لم تجز حجته عن غيره عند بعض الناس، ومع هذا لو أحج رجلاً لم يحج عن نفسه حجة الإسلام يجوز عندنا، وسقط الحج عن الآمر؛ لأن النبي عليه السلام حين أمر الخثعمية، قال: الحج عن أبيها لم يستفسر أنها هل حجت عن نفسها أم لا؟. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني-أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:٦١٦هـ): ٤٧٨/٢، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر: في الرجل يحج عن آخر، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت☆الأصل المعروف بالمبسوط-أبو عبد الله محمد بن الحسن بن فرقد الشيباني (م:١٨٩هـ): ٥٠٤/٢، كتاب المناسك، باب الحج عن الميت وغيره، ت: أبو الوفا الأفغاني، ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية-كراتشي☆المبسوط-محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م:٤٨٣هـ): ١٥١/٤، كتاب المناسك، باب الحج عن الميت وغيره، ط: دار المعرفة-بيروت☆تحفة الفقهاء-محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ٥٤٠هـ): ٤٢٩/١، كتاب المناسك، مسائل الأمر بالحج، ط: دار الكتب العلمية-بيروت☆الفتاوى التاتارخانية: ٤٢٩/٣، كتاب الحج، الفصل الخامس عشر: في الحج عن الغير، ط: زكريا-ديوبند☆الفتاوى الهندية: ٢٥٧/١، كتاب المناسك، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير، ط: دار الفكر☆المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري (م: ١٠١٤هـ)، ص: ٦٥٠، باب الحج عن الغير، ت: محمد طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة)

ہے، ورنہ آپ گنہگار ہوں گے۔ [۱] اور اگر وصیت نہیں کی ہے؛ لیکن تمام ورثاء عاقل و بالغ ہوں، کوئی بھی نابالغ نہ ہو، تو تمام کی رضامندی سے کسی ایک کو حج بدل میں بھیجنا ثواب کا کام ہے، [۲] ان شاء اللہ آپ کے والد صاحب کی جانب سے فرضِ حج ادا ہو جائے گا۔ [۳]

آپ کی والدہ محترمہ کو، آپ کے والدِ مرحوم کے ترکہ سے جو آٹھواں حصہ ملا ہے، یا تو اُن میں سے حج کا خرچ نکالیں یا آپ عاقل و بالغ ورثاء خرچ اٹھالیں، دونوں شکلوں میں والدہ کا فرض حج ادا ہو جائے گا۔

(ب) آپ کا پھوپھی زاد بھائی اپنی خوشی سے آپ کا اور آپ کی والدہ کے حج کا خرچ اٹھالے، تو جائز ہے۔ [۴] بہتر یہ ہے کہ وہ سفر کے اخراجات کا تمہیں مالک بنادے، پھر تم اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کرتے رہو، اِس سے حج بدل اور والدہ دونوں کا حج ادا کرنا جائز ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وإن مات عن وصية لا يسقط الحج عنه، ويجب أن يحج عنه؛ لأن الوصية بالحج قد صحت، وإذا حج عنه يجوز عند استجماع شرائط الجواز. (بدائع الصنائع: ۲/ ۲۲۲، كتاب الحج، فصل بيان حكم فوات الحج عن العمرة، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۵۸، كتاب المناسك، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) فإن أجازت الورثة وهم كبار، جاز، وإن لم يجيزوا؛ لا يجوز. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۵۹، كتاب المناسك، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج، ط: دار الفكر)

(۳) قال الكرماني: فلو مات رجل وعليه فرض الحج سقط فرض الحج عنه عندنا إلا أن يوصي بأن يحج عنه من ثلث ماله فتجبر الورثة على ذلك، وإن لم يوص لم يجبروا على ذلك . . . ثم عندنا إذا مات بعد فرض الحج، ولم يوص فحج رجل عن الميت من غير وصية أو تبرع الورثة بذلك فحج عن أبيه أو أمه حجة الإسلام من غير وصية أوصى بها الميت قال أبو حنيفة: يجزئه ذلك إن شاء الله تعالى. (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق-شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِّلْبِيُّ (م: ۱۰۲۱هـ): ۲/ ۸۵، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: المطبعة الكبرى الأميرية-بولاق، القاهرة ☆ المحيط البرهاني -أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۲/ ۴۸۷، كتاب المناسك، الفصل السادس عشر: في الوصية بالحج، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۴) (قوله إذا قدروا على الزاد) بنفقة وسط لا إسراف فيها ولا تقتير (والراحلة) أي بطريق الملك أو الإجارة دون الإعارة، والإباحة في الوقت الذي قدمنا ذكره. ولو وهب له مال ليحج به لا يجب عليه قبوله سواء كان الواهب ممن تعتبر منته كالأجانب، أو لا تعتبر كالأبوين والمولودين. (فتح القدير-كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بـ'ابن الهمام' (م: ۸۶۱هـ): ۲/ ۴۱۰، كتاب الحج، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۱۷، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته ووقته وشرائطه وأركانه، ط: دار الفكر-بيروت)

[۱۴] حج بدل کے لیے رکھے ہوئے سونے سے، امین کسی کو حج بدل میں بھیجے یا میت کے ورثاء؟

۱۷۵۸- سوال: ایک شخص سات سال قبل انتقال کر گیا، اُس نے مرنے سے پہلے اپنی جانب سے حج بدل کے خرچ کے لیے ایک آدمی کے پاس سولہ تولہ سونا بہ طورِ امانت رکھا تھا، اگر یہ امین مرحوم کی وصیت کے مطابق اُس سونے کو حج بدل کے لیے خرچ نہ کرے اور نہ ہی اِس بارے میں میت کے ورثاء کے ساتھ کوئی مشورہ کرے، تو اِس شخص کے بارے میں حکمِ شرعی کیا ہے؟

امانت رکھنے والا مذکورہ شخص اپنی چاہت کے مطابق میت کی جانب سے کسی شخص کو حج بدل کے لیے بھیج سکتا ہے یا نہیں؟ امانت رکھنے والا شخص بہ ذاتِ خود حج بدل میں جائے یا وہ کسی اور کو بھیج دے، اور یہ بات مرحوم کے ورثاء کو قبول نہ ہو تو حج بدل ادا ہوگا یا نہیں؟

مرحوم کے دو لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں، اِن میں سے کن کی رضامندی ضروری ہے؟ اگر مذکورہ امانت دار شخص عمر رسیدہ ہے، اور مرحوم کی وصیت پر عمل کیے بغیر مر گیا، تو اُس کا کیا حکم ہے؟

مرحوم کے دونوں بیٹوں نے حج ادا نہیں کیا ہے، تو کیا اُن کے دونوں بیٹوں میں سے کوئی ایک حج بدل میں جا سکتا ہے یا نہیں؟

امانت رکھنے والے شخص کا یوں کہنا کہ وارث حج بدل ادا نہیں کر سکتا، کیا از روئے شرع صحیح ہے؟

مرحوم کے ورثاء خود ہی حج بدل کا انتظام کرنے پر آمادہ ہیں، تو کیا وہ اِس شخص کے پاس رکھی ہوئی امانت کا مطالبہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامدا ومصليا:

مذکورہ مسئلہ میں مرحوم کی وصیت کے مطابق اُس کی جانب سے حج بدل میں کسی کو بھیجنا فرض ہے۔[1] اور جس قدر ہو سکے، اُس میں جلدی کی جائے، میت نے جس شخص کو حج بدل کے خرچ کے لیے امانت سپرد کیا ہے، وہ خود بھی حج بدل کے لیے جا سکتا ہے اور اپنے علاوہ کسی اور کو بھی بھیج سکتا ہے، حج بدل ادا کروانے کا ذمہ

---

(۱) وإن مات عن وصية لا يسقط الحج عنه، ويجب أن يحج عنه، لأن الوصية بالحج قد صحت، وإذا حج عنه يجوز عند استجماع شرائط الجواز. (بدائع الصنائع: ۲/۲۲۲، كتاب الحج، فصل بيان حكم فوات الحج عن العمرة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۲۵۸، كتاب المناسك، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج، ط: دار الفكر - بيروت)

دار خود امانت رکھنے والا شخص ہے۔ [۲] اگر بلا سبب قصداً تاخیر کرے گا تو وہ گنہگار ہوگا، چوں کہ یہ شخص خود ذمہ دار ہے؛ اِس لیے اُسے ورثاء سے اِس بارے میں اِجازت لینے کی، یا مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں، تاہم مشورہ کرنا بہتر ہے۔

مرحوم کی جانب سے مذکورہ امانت کے ذریعہ حج بدل کی وصیت کی گئی ہے، تو وصیت میت کے ترکہ کے ایک تہائی حصہ میں سے نافذ ہوگی، اُس سے زیادہ میں نہیں، اگر حج بدل کا خرچ کل ترکہ کے ایک تہائی حصے سے زیادہ ہے، تو پھر ورثاء کی رضامندی ضروری ہے، اگر تمام ورثاء رضامند ہوں، تو حج بدل کی ادائیگی لازم ہوگی، ورنہ نہیں۔ [۳]

امانت رکھے ہوئے سولہ تولہ سونے کے علاوہ مرحوم کا کوئی اور مال نہیں ہے، تو یہی کل مال سمجھا جائے گا، اور ایک تہائی یعنی سوا پانچ تولہ سونے کے ذریعہ حج بدل صحیح ہوگا، اور بقیہ سونے کے حق دار مرحوم کے ورثاء ہوں گے، اور اِس امانت کے علاوہ اور بھی ترکہ ہے، تو حج بدل کے بعد جو کچھ بھی بچے، وہ تمام ورثاء کا حق ہوگا۔ [۴]

---

(۲) وللوصي أن يحج بنفسه إلا أن يأمره بالدفع أو يكون وارثا ولم تجز البقية. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله وللوصي أن يحج إلخ) قال في فتح القدير: ولا يجوز الاستئجار على الطاعات، وعن هذا قلنا لو أوصى أن يحج عنه ولم يزد على ذلك كان للوصي أن يحج عنه بنفسه إلا أن يكون وارثا، أو دفعه لوارث ليحج فإنه لا يجوز إلا أن تجيز الورثة وهم كبار؛ لأن هذا كالتبرع بالمال فلا يصح للوارث إلا بإجازة الباقين؛ ولو قال الميت للوصي ادفع المال لمن يحج عني لم يجز له أن يحج بنفسه مطلقا. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۶۱۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب العمل على القياس دون الاستحسان هنا، ط: دار الفكر-بيروت)

(۳) من أوصى بأكثر من ثلث ماله لم يجز في الفضل على الثلث إلا أن يجيزه الورثة بعد موته وهم كبار؛ لأن حقهم تعلق بماله بمرضه ولكن الشرع جعل الثلث محلا لوصية الموصي ليتدارك به ما فرط في حياته فما زاد على ذلك إذا أوصى به، فقد قصد الإضرار بورثته بإسقاط حقهم عما تعلق حقهم به وإيثار الأجنبي على من آثره الشرع، وهو الوارث فللوارث أن يرد عليه قصده بأن يأبى الإجازة ولا معتبر بإجازته في حياة الموصي عندنا. (المبسوط-محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۲۷/ ۱۵۴-۱۵۳، كتاب الوصايا، ط: دار المعرفة - بيروت☆ الهداية: ۴/ ۵۱۳، كتاب الوصايا، باب في صفة الوصية ما يجوز من ذلك، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۶/ ۶۵۱، كتاب الوصايا، ط: دار الفكر-بيروت)

(۴) وما فضل في يد الحاج عن الميت بعد النفقة في ذهابه ورجوعه فإنه يرده على الورثة لا يسعه أن يأخذ شيئا مما فضل؛ لأن النفقة لا تصير ملكا للحاج بالإحجاج، وإنما ينفق قدر ما يحتاج إليه في ذهابه وإيابه على حكم ملك الميت؛ لأنه لو ملك إنما يملك بالاستئجار، والاستئجار على الطاعات لا يجوز عندنا فكان الفاضل ملك الورثة=

حج بدل کے لیے مرحوم نے بہ ذاتِ خود کسی شخص کی تعیین نہیں کی ہے، لہٰذا کوئی بھی شخص اُس کی جانب سے حج بدل ادا کرسکتا ہے، وارث بھی حج بدل کے لیے جاسکتا ہے، لیکن اِس بارے میں اختیار اُسی کا ہوگا جسے اِس امانت کا ذمہ دار بنایا گیا ہے، ورثاء کو اُن کے موروثی حق کے علاوہ کوئی چیز امانت دار کے پاس سے مانگنے کا حق نہیں ہے۔

حج بدل کے لیے مستحب یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کو بھیجا جائے جس نے اپنا حج فرض ادا کرلیا ہو، کوئی ایسا شخص جس پر حج فرض نہیں ہے، تو وہ بھی حج بدل ادا کرسکتا ہے، لیکن یہ بہتر نہیں، اور ایسا شخص جس پر حج فرض ہوگیا ہو، اس کے باوجود اُس نے اپنا حج ادا نہ کیا ہو، اُس کا حج بدل میں جانا مکروہ ہے، لیکن پھر بھی اگر اس نے مرحوم کی جانب سے حج بدل ادا کیا، تو حج ادا ہوجائے گا۔(۵) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=فيجب عليه رده إليهم. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع- علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م:۵۸۷هـ): ۲/ ۲۲۳، كتاب الحج، فصل بيان حكم فوات الحج عن العمرة، قبيل: فصل سبب وجوب الحج، ط: دار الكتب العلمية ☆ الفتاوى الهندية: ۲۵۹/۱، كتاب المناسك، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج، ط: دار الفكر- بيروت ☆ تبيين الحقائق: ۸۸/۲، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، فصل: المأمور بالحج له أن ينفق على نفسه، ط: المكتبة الكبرى الأميرية- بولاق)

(۵) والأفضل للإنسان إذا أراد أن يحج رجلاً عن نفسه أن يحج رجلاً قد حج عن نفسه؛ لأنه أهدى إلى إقامة الأعمال، ولأنه أبعد عن الخلاف، فإن الذي لم يحج عن حجة الإسلام عن نفسه لم تجز حجته عن غيره عند بعض الناس، ومع هذا لو أحج رجلاً لم يحج عن نفسه حجة الإسلام يجوز عندنا، وسقط الحج عن الآمر؛ لأن النبي عليه السلام حين أمر الخثعمية، قال: الحج عن أبيها لم يستفسر أنها هل حجت عن نفسها أم لا؟. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني- أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:۶۱۶هـ): ۴۷۸/۲، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر: في الرجل يحج عن آخر، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ الأصل المعروف بالمبسوط- أبو عبد الله محمد بن الحسن بن فرقد الشيباني (م:۱۸۹هـ): ۲/ ۵۰۴، كتاب المناسك، باب الحج عن الميت وغيره، ت: أبو الوفا الأفغاني، ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية- كراتشي ☆ المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۱۵۱/۴، كتاب المناسك، باب الحج عن الميت وغيره، ط: دار المعرفة- بيروت ☆ تحفة الفقهاء- محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۴۰هـ): ۴۲۹/۱، كتاب المناسك، مسائل الأمر بالحج، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۶۴۹/۳، كتاب الحج، الفصل الخامس عشر: في الحج عن الغير، ط: زكريا- ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۲۵۷/۱، كتاب المناسك، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير، ط: دار الفكر ☆ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري- الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴هـ) ص: ۶۵۰، باب الحج عن الغير، ت: محمد طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة)

[۱۵] عورت، مرد کی جانب سے حج بدل ادا کرسکتی ہے یا نہیں؟

۱۷۵۹-سوال: کوئی عورت کسی مرد کی جانب سے حج بدل ادا کرسکتی ہے؟ اسی طرح بیوی اپنے شوہر کی جانب سے کسی محرم کے ساتھ سفر حج کو روانہ ہو، تو جائز ہے؟ یا کوئی اجنبی عورت کسی اجنبی مرد کی جانب سے حج ادا کرسکتی ہے؟

الجواب حامدا أو مصليا:

مرد کی جانب سے حج بدل کے لیے اُس کی بیوی یا اجنبی عورت جا سکتی ہے۔ (درمختار)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] حج بدل کی ایک شکل

۱۷۶۰-سوال: ہمارے ایک دوست سعودیہ عربیہ میں رہتے ہیں، ان پر حج فرض ہو چکا ہے اور ان کے مرحوم والد صاحب پر بھی حج فرض تھا، البتہ انہوں نے کسی خاص وجہ سے اپنا حج نہیں کیا تھا، اب اس آدمی کو کیا پہلے اپنا حج ادا کرنا چاہیے یا اپنے والد کی جانب سے حج بدل، اگر اس نے پہلے والد صاحب کی طرف سے حج بدل ادا کیا، تو والد کی جانب سے ذمہ ساقط ہوگا یا نہیں؟

---

[1] (لكنه يشترط) لصحة النيابة (أهلية المأمور لصحة الأفعال) ثم فرع عليه بقوله (فجاز حج الصرورة) بمهملة: من لم يحج (والمرأة) ولو أمة (والعبد وغيره) كالمراهق وغيرهم أولى لعدم الخلاف. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: وعلل في الفتح الكراهة في المرأة بما في المبسوط من أن حجها أنقص؛ إذ لا رمل عليها، ولا سعي في بطن الوادي، ولا رفع صوت بالتلبية، ولا حلق. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۶۰۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والعادة، ط: دار الفكر)

... وسواء كان رجلا أو امرأة إلا أنه يكره إحجاج المرأة، لكنه يجوز، أما الجواز فلحديث الخثعمية. ــــ وأما الكراهة فلأنه يدخل في حجها ضرب نقصان؛ لأن المرأة لا تستوفي سنن الحج فإنها لا ترمل في الطواف وفي السعي بين الصفا والمروة ولا تحلق. (بدائع الصنائع: ۲/ ۲۱۳، كتاب الحج، فصل نبات الحرم، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ المبسوط-شمس الأئمة السرخسي: ۴/ ۱۵۵، كتاب المناسك، باب الحج عن الميت وغيره، ط: دار المعرفة- بيروت)

البتہ کسی مرد کا، کسی خاتون کو حج بدل کے طور پر بھیجنا غیر اولیٰ / مکروہ ہے۔

الجواب حامداو مصلیا:

آپ کا دوست اولاً اپنا فرض حج ادا کرے۔[1] اس کے بعد اپنے والد صاحب کی جانب سے حج بدل کرے، یا اپنا حج فرض خود ادا کرے اور کسی نیک اور معتمد آدمی کو- جو حج کر چکا ہو- رقم دے اور اس کے ذریعہ والد صاحب کی طرف سے حج بدل کروالے، اپنا فرض حج ادا کیے بغیر والد صاحب کی جانب حج بدل کرنا مکروہ ہوگا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ﴿وللہ علی الناس حج البیت من استطاع إلیه سبیلا﴾ (آل عمران:۹۷)

عن أنس بن مالك، قال: نهينا أن نسأل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن شيء، فكان يعجبنا أن يجيء الرجل من أهل البادية العاقل، فيسأله، ونحن نسمع، فجاء رجل من أهل البادية، فقال: يا محمد، أتانا رسولك فزعم لنا أنك تزعم أن الله أرسلك، ... (وفيه) قال: وزعم رسولك أن علينا حج البيت من استطاع إليه سبيلا، قال: صدق، قال: ثم ولى، قال: والذي بعثك بالحق، لا أزيد عليهن، ولا أنقص منهن، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: لئن صدق ليدخلن الجنة. (الصحيح لمسلم:۱/۳۰-۳۱، رقم الحديث: ۱۰-(۱۲)، كتاب الإيمان، باب السوال عن أركان الإسلام، ط: ديوبند)

(۲) عن عبد الله بن عباس رضي الله عنهما، قال: كان الفضل رديف رسول الله صلى الله عليه وسلم، فجاءت امرأة من خثعم، فجعل الفضل ينظر إليها وتنظر إليه، وجعل النبي صلى الله عليه وسلم، يصرف وجه الفضل إلى الشق الآخر، فقالت: يا رسول الله إن فريضة الله على عباده في الحج أدركت أبي شيخا كبيرا، لا يثبت على الراحلة، أفأحج عنه؟ قال: نعم، وذلك في حجة الوداع. (صحيح البخاري:۱/۲۰۵، رقم الحديث: ۱۵۱۳، أول كتاب المناسك، باب وجوب الحج وفضله، ط: ديوبند)

قال في الفتح بعد ما أطال في الاستدلال: والذي يقتضيه النظر أن حج الصرورة عن غيره إن كان بعد تحقق الوجوب عليه بملك الزاد والراحلة والصحة فهو مكروه كراهة تحريم لأنه يتضيق عليه في أول سني الإمكان فيأثم بتركه، وكذا لو تنفل لنفسه ومع ذلك يصح لأن النهي ليس لعين الحج المفعول بل لغيره وهو الفوات، إذ الموت في سنة غير نادر. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار:۲/۶۰۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في حج الصرورة، ط: دار الفكر)

وسواء كان الحاج قد حج عن نفسه، أو كان صرورة أنه يجوز في الحالين جميعا إلا أن الأفضل أن يكون قد حج عن نفسه... ولنا حديث الخثعمية "أن النبي - صلى الله عليه وسلم - قال لها حجي عن أبيك، ولم يستفسر أنها كانت حجت عن نفسها أو كانت صرورة. ولو كان الحكم يختلف لاستفسر؛ ولأن الأداء عن نفسه لم يجب في وقت معين فالوقت كما يصلح لحجه عن نفسه يصلح لحجه عن غيره، فإذا عينه لحجه عن غيره وقع عنه؛ ... إلا أن الأفضل أن يكون قد حج عن نفسه؛ لأنه بالحج عن غيره يصير تاركا إسقاط الفرض عن نفسه، فيتمكن في هذا الإحجاج ضرب كراهة، ولأنه إذا كان حج مرة كان أعرف بالمناسك. (بدائع الصنائع:۲/۲۱۳، كتاب الحج، فصل نبات الحرم، ط: دار الكتب العلمية)

[۱۷] اگر تہائی مال حج کے لیے ناکافی ہو، تو؟

۱۷۶۱- سوال: ایک شخص پر حج فرض تھا، مرتے وقت وصیت بھی کی؛ لیکن مرحوم کے ایک تہائی مال میں اتنی رقم نہیں ہے کہ اس سے اس کا حج بدل ادا کیا جاسکے، تو اس صورت میں کیا کیا جائے؟ محمد یوسف بلیسریا، نواپور

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک تہائی مال کے ذریعہ جہاں سے بھی حج ہوسکتا ہے، وہاں سے حج کروایا جائے؛ خواہ جدہ سے ہو یا جدہ سے بھی نزدیک کسی اور علاقے سے۔(۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] عدم وصیت کی صورت میں ورثاء کا حج نہ کرنا

۱۷۶۲- سوال: مرنے والے کے متروکہ مال میں ایک تہائی رقم اتنی ہے کہ اس کے ذریعہ مرنے والا کا حج بدل ادا کیا جاسکتا ہے؛ لیکن مرنے والے نے اپنے حج کے متعلق کوئی وصیت نہیں کی ہے اور ورثاء کسی کو حج کے لیے نہیں بھیج رہے ہیں، تو کیا وہ [ورثاء] گنہ گار ہوں گے؟ بینوا توجروا۔ محمد یوسف بلیسریا، نواپور

الجواب حامداً ومصلیاً:

بسا اوقات انسان، دنیا کی محبت میں گرفتار ہو کر فرائض و واجبات سے غافل ہوجاتا ہے، جس کا اثر آنے والی [آخرت کی] زندگی میں ظاہر ہوسکتا ہے۔ مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے مال سے نوازا تھا، پھر بھی اس نے حج فرض ادا نہیں کیا، اور نہ ہی وصیت کی؛ اس لیے گنہ گار ہوگا اور ممکن ہے کہ اس کو اپنی غلطی کی سزا بھگتنی پڑے۔(۲)

---

(۱) قال محمد - رحمه الله - يحج عن الميت من بلده إذا بلغت النفقة، وإلا فمن حيث بلغ. (البحر الرائق: ۳/ ۷۰، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي)

الحادي عشر أن يحج عنه من وطنه إن اتسع الثلث وإلا فمن حيث يبلغ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۶۰۰، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب شروط الحج عن الغير، ط: دار الفكر - بيروت ☆ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع إرشاد الساري، ص: ۶۴۰، باب الحج عن الغير، فصل لو أوصى بالحج يحج عنه من ثلث المال، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۶۵۲، كتاب الحج، الفصل السادس عشر في الوصية بالحج، ط: زكريا - ديوبند)

(۲) من عليه الحج إذا مات قبل أدائه فلا يخلو إما إن مات من غير وصية، وإما إن مات عن وصية، فإن مات من غير وصية يأثم بلا خلاف... فإن لم يوص به حتى مات أثم بتفويته الفرض عن وقته مع إمكان الأداء في الجملة فيأثم =

جب اس نے حج کی وصیت نہیں کی ہے، تو ورثاء پر واجب اور ضروری نہیں ہے کہ وہ ان کی جانب سے حج کرائیں، اگر ورثاء مرحوم کے حج کے لیے کسی کو بھیج رہے ہیں، تو توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے حق میں قبول فرمالے، اور وہ دار و گیر سے بچ جائے، تاہم یہ ورثاء پر واجب نہیں، اگر وہ ایسا کرتے ہیں، تو ان کی جانب سے تبرع اور احسان ہوگا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] ایک عورت کا دوسری مرحومہ عورت کی جانب سے حج بدل کرنا

۱۷۶۳-سوال: ایک مرحومہ عورت کی طرف سے ایک نیک عورت کو حج بدل کے لیے بھیجا جارہا ہے اور حج بدل کے لیے جانے والی عورت کا شوہر بھی اس کے ساتھ اپنا حج ادا کرنے جائے، تو شوہر کا اپنا حج اور اس عورت کا دوسری مرحومہ عورت کی جانب سے حج بدل ادا کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟ یو-ای-دادابھائی

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں کہ ایک عورت دوسری مرحومہ عورت کی طرف سے حج بدل کرے اور اس کا شوہر

=لكن يسقط عنه في حق أحكام الدنيا عندنا حتى لا يلزم الوارث الحج عنه من تركته؛ لأنه عبادة، والعبادات تسقط بموت من عليه سواء كانت بدنية أو مالية في حق أحكام الدنيا عندنا. (بدائع الصنائع: ۲/۲۲۱، كتاب الحج، فصل بيان حكم فوات الحج عن العمرة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆ المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۲/۴۸۷، كتاب المناسك، الفصل السادس عشر في الوصية بالحج، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري- الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴هـ) ص: ۲۰۸، باب الفوات، حكم فوات الحج عن العمر، ت: محمد طلحة بلال أحمد منيار، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة)

(۱) عن ابن عباس رضي الله عنهما، أن امرأة من جهينة، جاءت إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقالت: إن أمي نذرت أن تحج فلم تحج حتى ماتت، أفأحج عنها؟ قال: نعم حجي عنها، أرأيت لو كان على أمك دين أكنت قاضية؟ اقضوا الله فالله أحق بالوفاء. (صحيح البخاري: ۱/۲۴۹-۲۵۰، رقم الحديث: ۱۸۵۲، كتاب جزاء الصيد، باب الحج والنذور عن الميت، والرجل يحج عن المرأة، ط: ديوبند)

ومن مات وعليه فرض الحج ولم يوص به، لم يلزم الوارث أن يحج عنه، وإن أحب أن يحج عنه حج، وأرجو أن يجزيه إن شاء الله تعالى. (الفتاوى التاتارخانية: ۳/۶۶۷، كتاب الحج، الفصل السادس عشر في الوصية بالحج، ط: زكريا- ديوبند ☆ بدائع الصنائع: ۲/۲۲۱، كتاب الحج، فصل بيان حكم فوات الحج عن العمرة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆ الفتاوى الهندية: ۱/۲۵۸، كتاب المناسك، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج، ط: دار الفكر- بيروت)

اس کے ساتھ رہے اور اپنا حج کرے، تو دونوں کا حج ہو جائے گا۔[1] البتہ عورت حج بدل کے لیے جا رہی ہے، تو حج بدل کی شرائط کا پاس ولحاظ رکھنا ضروری ہوگا، مثلاً حج بدل کے لیے جانے والی عورت نے اگر اپنا فرض حج ادا نہیں کیا ہے، تو اس کو حج بدل کے لیے نہ جانا چاہیے،[2] نیز مرنے والی عورت نے اگر حج بدل کے لیے

---

(۱)(ويجوز إحجاج المرأة)بإذن زوج لها و وجود محرم معها(مع الكراهة).فيه أنه لا يظهر وجه الكراهة لا سيما في إحجاج المرأة عن المرأة، فإن الظاهر أن يكون أولى و أنسب و يدل عليه إطلاق "الفتاوى السراجية" حيث قال سواء كان عبدا أو أمة من غير ذكر امرأة.(المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملا علي القاري(م:۱۰۱۴ھ)،ص:۶۳۰-۶۳۹،باب الحج عن الغير، جواز إحجاج المرأة و العبد و الأمة، ت: محمد طلحة بلال أحمد منيار، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة)

صاحب بدائع نے رقم فرمایا ہے کہ عورتوں کو حج بدل کے لیے بھیجنا جائز تو ہے، البتہ مکروہ ہے، کراہت کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ عورتوں کے حج میں [مردوں کے مقابلے میں] یک گونہ نقص رہتا ہے، کہ وہ طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی میں رمل نہیں کر سکتی، اور نہ ہی وہ حلق کرا سکتی ہے، ان کی تحریر ملاحظہ فرمائیں:

وسواء كان رجلا أو امرأة إلا أنه يكره إحجاج المرأة، لكنه يجوز، أما الجواز فلحديث الخثعمية. وأما الكراهة فلأنه يدخل في حجها ضرب نقصان؛ لأن المرأة لا تستوفي سنن الحج؛ فإنها لا ترمل في الطواف، وفي السعي بين الصفا و المروة، و لا تحلق.(بدائع الصنائع:۲/ ۲۱۳، كتاب الحج، فصل نبات الحرم، ط: دار الكتب العلمية)

ناچیز مرتب عرض کرتا ہے کہ کراہت کی جو وجہ علامہ کاسانیؒ نے ذکر فرمائی ہے، یہ اس صورت میں متحقق ہوگی، جب کہ کوئی خاتون، کسی مرد کی جانب سے حج کرے، لیکن اگر وہ کسی خاتون کا حج بدل کر رہی ہے، تو پھر کراہت کی مذکورہ وجہ متحقق نہیں ہوگی۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

(۲)والأفضل للإنسان إذا أراد أن يحج رجلاً عن نفسه أن يحج رجلاً قد حج عن نفسه؛ لأنه أهدى إلى إقامة الأعمال، و لأنه أبعد عن الخلاف، فإن الذي لم يحج عن حجة الإسلام عن نفسه لم تجز حجته عن غيره عند بعض الناس، ومع هذا لو أحج رجلاً لم يحج عن نفسه حجة الإسلام يجوز عندنا، وسقط الحج عن الآمر؛ لأن النبي عليه السلام حين أمر الخثعمية، قال: الحج عن أبيها، لم يستفسر أنها هل حجت عن نفسها أم لا؟.(المحيط البرهاني في الفقه النعماني-أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:۶۱۶ھ):۲/ ۴۷۸، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر: في الرجل يحج عن آخر، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م:۴۸۳ھ): ۴/ ۱۵۱، كتاب المناسك، باب الحج عن الميت وغيره، أوصى أن يحج عنه بألف درهم فبلغت حججا، ط: دار المعرفة - بيروت ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۶۴۹، كتاب الحج، الفصل الخامس عشر: في الرجل يحج عن آخر، ط: زكريا- ديوبند☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۵۷، كتاب المناسك، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير، ط: دار الفكر- بيروت)

وصیت کی ہو، تو میقات سے حج کا احرام باندھنا ضروری ہے؛[۳] الغرض حج بدل کے لیے جانے والی عورت کے لیے حج بدل کے شرائط کا خیال رکھنا ضروری ہے۔[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] ۱- دوسرے کی جانب سے حج کرتے وقت نیت کیا کرنی چاہیے؟

[۲۱] ۲- حج بدل میں احرام کا طریقہ

۱۷۶۴- سوال: میرا برادر نسبتی (سالا) سعودی عرب میں نوکری کرتا ہے، وہاں اقامت کے دوران اس نے دو حج ادا کیے ہیں، اب تیسری مرتبہ اپنے مرحوم چچا کی جانب سے حج کرنا چاہتا ہے، تو نیت کیا کرے؟ حضرت والا سے درخواست ہے کہ احرام کا طریقہ بھی بیان فرمائیں؟

الجواب حامداومصلیا:

غسل اور لوازمات غسل (ناخن تراشنا، موئے زیر ناف صاف کرنا، میل کچیل خوب اچھی طرح دور کرنا) سے فراغت حاصل کرے، اگر شادی شدہ ہو، تو غسل سے پہلے وظیفۂ زوجیت ادا کرے، پھر احرام کی چادر باندھ کر سب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھے، پھر تلبیہ پڑھے، پھر حج یا عمرہ-جس کی ادائیگی مطلوب ہے- کی نیت کرے۔[۱]

---

(۳) (العاشر أن يحرم من الميقات) أي من ميقات الآمر، ليشمل المكي وغيره، (فلو اعتمر وقد أمره بالحج ثم حج من عامه من مكة لا يجوز). [المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع إرشاد الساري، ص: ٦٢٢، باب الحج عن الغير، فصل في شرائط جواز الإحجاج، وهي عشرون، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة☆البحر الرائق: ٦٦/٣، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي]

(۱) حج بدل کی تفصیلی شرائط کے لیے رجوع کریں: درمختار کی عبارت: (لكنه يشترط) لصحة النيابة (أهلية المأمور لصحة الأفعال) ثم فرع عليه بقوله (فجاز حج الصرورة) بمهملة: من لم يحج (والمرأة) ولو أمة (والعبد وغيره كالمراهق وغيرهم أولى لعدم الخلاف" کے ذیل میں کی گئی علامہ شامی کی مکمل بحث کی جانب۔ (رد المحتار على الدر المختار: ٦٠٣/٢، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والعادة، ط: دار الفكر)

(۲) (وأما شرطه فالنية) حتى لا يصير محرما بالتلبية بدون نية الإحرام كذا في محيط السرخسي، ولا يصير شارعا بمجرد النية ما لم يأت بالتلبية أو ما يقوم مقامها من الذكر أو سوق الهدي أو تقليد البدنة كذا في المضمرات.

وإذا أراد الإحرام اغتسل أو توضأ والغسل أفضل إلا أن هذا الغسل للتنظيف حتى تؤمر به الحائض كذا في الهداية. ويستحب في حق النفساء والصبي ويستحب كمال التنظيف من قص الأظفار والشارب وحلق الإبطين=

نیت کرتے وقت دل سے پختہ ارادہ کرے، بہتر ہے کہ زبان سے بھی کہے کہ: اے اللہ! میں اپنے چچا (جو نام ہو، اسے ذکر کرے) کی جانب سے حج یا عمرہ کا احرام باندھتا ہوں، تو اس کو میرے لیے آسان فرما اس کو قبول فرما، ہر وقت چچا کا نام لینا ضروری نہیں ہے، صرف نیت کے وقت نام لے لے، کافی ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] حج بدل اپنے بھانجے سے کروانا

۱۷۶۵- سوال: خالہ اپنے بھانجے کو محرم کے طور پر اپنے ساتھ حج کے لیے لے جاتی ہے اور لڑکا کسی قسم کی نوکری یا تجارت نہیں کرتا ہے، تو لڑکے کا حج فرض ادا ہوگا یا نفل؟ اور اگر خالہ لڑکے کا پورا خرچہ ہدیہ کے طور پر دیدے تو کیا فرض حج ادا ہو جائے گا؟

خالہ اپنے بھانجے کو اپنے شوہر کے حج بدل کے طور پر لے جائے، تو یہ درست ہے یا نہیں؟ اور حج بدل کی نیت سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ شوہر نے حج بدل کی وصیت نہیں کی ہے۔

=والعانة والرأس لمن اعتاده من الرجال أو أراده وإلا فتسريحه وإزالة الشعث والوسخ عنه، وعن بدنه بغسله بالخطمي والأشنان ونحوهما، ومن المستحب عند إرادة الإحرام جماع زوجته أو جاريته إن كانت معه ولا مانع من الجماع فإنه من السنة، هكذا في البحر الرائق.

وينزع المخيط والخف ويلبس ثوبين إزارا ورداء جديدين أو غسيلين، والجديد أفضل، كذا في فتاوى قاضي خان ولو لبس ثوبا واحدا يستر عورته، جاز كذا في الاختيار شرح المختار، والإزار من السرة إلى ما تحت الركبة والرداء على الظهر والكتفين، والصدر ويشده فوق السرة وإن غرز طرفيه في إزاره فلا بأس به ولو خلله بخلال أو مسلة أو شده على نفسه بحبل أساء ولا شيء عليه كذا في البحر الرائق. ويدخل الرداء تحت يمينه ويلقيه على كتفه اليسرى، ويبقي كتفه الأيمن مكشوفا كذا في خزانة المفتين. . . ـــــــــــ ثم يصلي ركعتين ويقرأ فيهما بما شاء. . . ، ثم إذا فرغ من صلاته يطلب من الله التيسير ويدعو: اللهم إني أريد الحج فيسره لي وتقبله مني، كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۲۲، كتاب المناسك، الباب الثالث في الإحرام، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) التاسع نية المحجوج عنه عند الإحرام، وهي أن يقول بلسانه -وهو الأفضل-: أحرمت عن فلان أو لبيك عن فلان وإن شاء اكتفى بنية القلب. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴هـ) ص: ۶۲۲، باب الحج عن الغير، فصل في شرائط جواز الإحجاج، وهي عشرون، التاسع النية عن المحجوج عنه عند الإحرام، ت: محمد طلحة بلال أحمد منيار، ط: مكة المكرمة☆ بدائع الصنائع: ۲/ ۲۱۳، كتاب الحج، فصل نبات الحرم، ط: دار الكتب العلمية ☆البحر الرائق: ۳/ ۶۶، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي)

الجواب حامداومصليا:

(۱) خالہ اپنے بھانجے کو- جو کہ صاحب نصاب اور حج پر بذاتہٖ قادر نہیں ہے- حج کے لیے لے جائے اور وہ بھانجا فرض حج کا احرام باندھے، تو فرض حج ادا ہوگا، خواہ خالہ اپنے بھانجے کو خرچہ کا مالک بنائے یا نہ بنائے، اگر وہ مکہ مکرمہ پہنچ گیا ہے، تو اس پر حج فرض ہوگا۔[1]

(۲) اگر شوہر پر حج فرض تھا اور حج ادا کروانے کی وصیت بھی کی ہے، تو جس نے فرض حج ادا نہیں کیا ہے، اس سے حج بدل کروانا مکروہ ہے؛ کیوں کہ حج بدل میں حج میقاتی ہونا ضروری ہے، یعنی میقات سے حج کا احرام باندھنا ضروری ہے اور یہ شخص عمرہ کا احرام باندھے گا؛ جو بعض علماء کے نزدیک جائز نہیں ہے، لیکن صورت مسئولہ میں، جب کہ شوہر نے وصیت نہیں کی ہے، عورت' شوہر کے لیے حج بدل کے طور پر اپنے بھانجے کو لے جائے، تو اس میں حرج کی کوئی وجہ نہیں ہے، حج ادا ہو جائے گا، ایسی صورت میں حج بدل کا میقاتی ہونا ضروری نہیں ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) "الحج لا يجب على الفقير" إنما المراد به الآفاقي قبل وصوله إلى الميقات. ـــــــ وبدخوله إلى مكة ووصوله إلى الكعبة تعين عليه فرضية الحج، سواء أحرم به أم لا. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملا علي القاري (م:۱۰۱۴ھ) ص: ۵۷، باب شرائط الحج، النوع الأول: شرائط الوجوب...، الشرط السادس، ط: المكتبة الإمدادية - مكة المكرمة ☆فتح القدير: ۴۱۹/۲، كتاب الحج، مقدمة: يكره الخروج إلى الحج، ط: دار الفكر- بيروت ☆رد المحتار على الدر المختار: ۶۰۴/۲، كتاب الحج، مطلب في حج الصرورة، ط: دار الفكر- بيروت)

(۲) والأفضل للإنسان إذا أراد أن يحج رجلاً عن نفسه أن يحج رجلاً قد حج عن نفسه؛ لأنه أهدى إلى إقامة الأعمال، ولأنه أبعد عن الخلاف، فإن الذي لم يحج عن حجة الإسلام عن نفسه لم تجز حجته عن غيره عند بعض الناس، ومع هذا لو أحج رجلاً لم يحج عن نفسه حجة الإسلام يجوز عندنا، وسقط الحج عن الآمر؛ لأن النبي عليه السلام حين أمر الخثعمية، قال: الحج عن أبيها لم يستفسر أنها هل حجت عن نفسها أم لا؟. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني-أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:۶۱۶ھ): ۴۷۸/۲، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر: في الرجل يحج عن آخر، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆الأصل المعروف بالمبسوط-أبو عبد الله محمد بن الحسن بن فرقد الشيباني (م:۱۸۹ھ): ۵۰۴/۲، كتاب المناسك، باب الحج عن الميت وغيره، ت: أبو الوفا الأفغاني، ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية- كراتشي ☆المبسوط-محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۱۵۱/۴، كتاب المناسك، باب الحج عن الميت وغيره، ط: دار المعرفة- بيروت ☆تحفة الفقهاء- محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۴۰ھ): ۴۲۹/۱، كتاب المناسك، مسائل الأمر بالحج، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆الفتاوى التاتارخانية: ۶۴۹/۳، كتاب الحج، الفصل الخامس عشر: في الحج عن الغير، ط: زكريا- ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۲۵۷/۱، كتاب المناسك، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير، ط: دار الفكر ☆ إرشاد الساري إلى =

[۲۳] والدہ کی طرف سے حج بدل کی نیت کر کے معذور ہو جانا

۱۷۶۶- سوال: میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے، انتقال کے برسوں بعد میں نے دل میں یہ نیت کی تھی کہ میں اپنی والدہ کی طرف سے حج کروں گا، میں نے اپنا حج تو ادا کر لیا؛ لیکن فی الحال میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے؛ لہٰذا میں والدہ کی جانب سے حج کے لیے نہیں جا سکتا، تو اب میں کیا کروں؟ کیا میں ایصال ثواب کے لیے کوئی اور صورت اختیار کروں، جس سے حق ادا ہو جائے، یا پھر کسی اور کو حج بدل کے لیے بھیجوں ؟ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم سے امید ہے کہ وضاحت فرمائیں گے۔

الجواب حامداومصليا:

اگر آپ نے فقط دل میں ہی نیت کی تھی، زبان سے کچھ نہیں کہا تھا، صرف اس بات کا ارادہ کیا تھا کہ والدہ کی طرف سے حج کروں گا، تو اگر والدہ پر حج فرض تھا اور انہوں نے اپنی زندگی میں حج نہیں کیا تھا اور نہ ہی وصیت کی تھی، تو بہتر ہے کہ ان کی جانب سے حج کروالیں۔ [1] اور اگر حج فرض نہیں تھا، تو پھر کوئی ایسا کام

=مناسك الملاعلي القاري، ص:۶۵۰، باب الحج عن الغير، ت: محمد طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة)

عن ابن عباس رضي الله عنهما، أن امرأة من جهينة، جاءت إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقالت: إن أمي نذرت أن تحج فلم تحج حتى ماتت، أفأحج عنها؟ قال: نعم حجي عنها، أرأيت لو كان على أمك دين أكنت قاضية؟ اقضوا الله فالله أحق بالوفاء. (صحيح البخاري: ۱/ ۲۴۹-۲۵۰، رقم الحديث: ۱۸۵۲، كتاب جزاء الصيد، باب الحج والنذور عن الميت، والرجل يحج عن المرأة، ط: ديوبند)

ومن مات وعليه فرض الحج ولم يوص به، لم يلزم الوارث أن يحج عنه، وإن أحب أن يحج عنه حج، وأرجو أن يجزيه إن شاء الله تعالى. (الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۶۶۷، كتاب الحج، الفصل السادس عشر في الوصية بالحج، ط: زكريا- ديوبند ☆ بدائع الصنائع: ۲/ ۲۲۱، كتاب الحج، فصل بيان حكم فوات الحج عن العمرة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۵۸، كتاب المناسك، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج، ط: دار الفكر- بيروت)

(۱) عن جابر بن عبد الله، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حج عن أبيه وأمه، فقد قضى عنه حجته وكان له فضل عشر حجج. (سنن الدارقطني- أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود بن النعمان بن دينار البغدادي الدارقطني (م: ۳۸۵هـ): ۳/ ۳۰۰، رقم الحديث: ۲۶۱۰، كتاب الحج، باب المواقيت، ت: شعيب الارنؤوط، وجماعة من العلماء، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت- لبنان)

عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حج عن والديه، أو قضى عنهما مغرما بعثه الله يوم القيامة مع الأبرار. (المعجم الأوسط- سليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللخمي الشامي، أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰هـ) =

کریں جس سے والدہ کو ہمیشہ ثواب پہنچتا رہے، مثلاً کسی مدرسہ یا مسجد میں کوئی چیز بنوادیں یا رقم دے کر صدقہ جاریہ کا ثواب حاصل کریں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۴] وصی کے ذمہ میت کے وطن سے حج بدل کروانا ضروری ہے

۱۷۶۷- سوال: ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے پیسوں سے حج کروالینا، دریافت یہ کرنا ہے کہ وصی جدہ میں مقیم کسی شخص سے حج بدل کرواسکتا ہے یا نہیں؟ یا پھر یہاں [کرمالی، گجرات، ہندوستان] سے کسی شخص کو بھیجنا پڑے گا؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

میت پر اگر حج فرض تھا اور اس نے وصیت کر کے ایک شخص کو حج کی رقم دے کر وکیل بنایا ہے، تو میت کی جہاں وفات ہوئی ہے، وہیں سے حج کروانا ضروری ہے، یا ایسی جگہ سے کہ جہاں سے انسان صبح جا کر شام کو واپس آجائے، مثلاً عمروڈا، کوسمبا، کیم یا بھروچ سے آپ حج بدل کے لیے بھیجیں گے، تو حج ادا ہوگا اور اگر بمبئی سے بھیجا، تو جائز نہیں ہے۔[2] اسی طرح کسی کو جدہ سے بھیجیں گے، تب بھی میت کی جانب سے حج ادا نہیں ہوگا،

=: ۱۱/۸، رقم الحديث: ۷۸۰۰، باب الميم، باب من اسمه محمود، ت: طارق بن عوض الله، عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني، ط: دار الحرمين - القاهرة ☆الترغيب في فضائل الأعمال وثواب ذلك - أبو حفص عمر بن أحمد بن عثمان، البغدادي المعروف بـ ابن شاهين (م: ۳۸۵هـ) ص: ۹۴، رقم الحديث: ۳۰۳، باب مختصر من كتابي كتاب بر الوالدين وما فيه من الفضل والندب على ذلك، ت: محمد حسن محمد حسن إسماعيل، ط: دار الكتب العلمية، بيروت ☆سنن الدارقطني: ۲۹۹/۳، رقم الحديث: ۲۶۰۸، كتاب الحج، باب المواقيت)

ومن مات وعليه فرض الحج ولم يوص به، لم يلزم الوارث أن يحج عنه، وإن أحب أن يحج عنه حجّ، وأرجو أن يجزيه إن شاء الله تعالى. (الفتاوى التاتارخانية: ۶۶۷/۳، كتاب الحج، الفصل السادس عشر في الوصية بالحج، ط: زكريا - ديوبند ☆بدائع الصنائع: ۲۲۱/۲، كتاب الحج، فصل بيان حكم فوات الحج عن العمرة، ط: دار الكتب العلمية ☆الفتاوى الهندية: ۲۵۸/۱، كتاب المناسك، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: "إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له". (الصحيح لمسلم: ۴۱/۲، رقم الحديث: ۱۴-(۱۶۳۱)، كتاب الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، ط: ديوبند)

(۲) ويحج عنه من بلده الذي يسكنه؛ لأن الحج مفروض عليه من بلده فمطلق الوصية ينصرف إليه، ولهذا قال=

وکیل - جس کو رقم سپرد کیا گیا ہے - گنہ گار ہوگا اور اگر جدہ سے بھیجا تو جو خرچ ہوا ہے، وہ وکیل کو دینا پڑے گا اور دوبارہ وطن سے کسی کو حج کے لیے بھیجنا لازم ہوگا۔ (زبدۃ المناسک جلد دوم صفحہ ۱۵۳)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] حج بدل: مرنے والے کے مقام سے ضروری ہے؟

۱۷۶۸- سوال: ایک آدمی نے اپنے حج کی وصیت کی، اس کے ورثاء دوسرے آدمی کو حج کے لیے بھیجنا چاہتے ہیں، حج بدل کے لیے جانے والا شخص اپنے ملک سے جدہ جاتا ہے اور وہاں مقیم ہوجاتا ہے، پھر حج کے دنوں میں احرام باندھ کر مرحوم کے لیے حج بدل کرتا ہے، تو اس طرح کرنا جائز ہے؟ نیز جانے والے آدمی کے لیے اپنے ملک سے احرام باندھنا چاہیے یا نہیں؟ اور کس کے حج کا احرام باندھے؟

الجواب حامدا ومصليا:

صورت مسئولہ میں جب مرحوم نے حج بدل کی وصیت کی ہے، تو حج بدل میں جانے والے آدمی کے لیے جدہ میں ٹھہرنے کی نیت سے جانا جائز نہیں، اس کا سفر ہندوستان سے مکہ شریف کا ہونا ضروری ہے اور حج افراد کا احرام باندھے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= محمد: - رحمه الله - روى ابن رستم عنه في خراساني أدركه الموت بمكة فأوصى أن يحج عنه من خراسان، وروى هشام عن أبي يوسف في مكي قدم الري فحضره الموت فأوصى أن يحج عنه حج عنه من مكة. (بدائع الصنائع: ۲۲۲/۲، كتاب الحج، فصل بيان حكم فوات الحج عن العمرة، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

وإذا أوصى بالحج، فإنه يحج عنه من بلده؛ لأنه لو عزم على الخروج بنفسه للحج كان يخرج من بلده ويتجهز لسفر الحج من بلده، فكذلك إذا أوصى به بعد موته فالظاهر أن مقصوده تجهيز من يحج عنه من بلده، وإن مات في الطريق، فإن كان خرج للتجارة، فإنه يحج عنه من بلده أيضا، وإن خرج هو يريد الحج فمات في الطريق يحج عنه من حيث مات. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۱۷۳/۲۷، كتاب الوصايا، باب الوصية في الحج، ط: دار المعرفة - بيروت)

[۱] زبدۃ المناسک: ۱۵۳/۲، ط: الجمعیۃ پریس - دہلی۔

(قوله فلو أحج الوصي عنه من غيره) أي من غير بلده فيما إذا وجب الإحجاج من بلده لم يصح ويضمن ويكون الحج له ويحج عن الميت ثانيا لأنه خالف إلا أن يكون ذلك المكان قريبا من بلده بحيث يبلغ إليه ويرجع إلى الوطن قبل الليل كما في اللباب والبحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۶۰۵/۲، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب العمل على القياس دون الاستحسان هنا، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) قد تقدم تخريجه.

[۲۶] مفرد کے لیے قربانی کا حکم

۱۷۶۹- سوال: ایک شخص جدہ میں مقیم ہے، اور اپنی مرحوم نانی کی جانب سے نفلی حج کرنا چاہتا ہے، تو حج کی قربانی اپنے وطن (گجرات، انڈیا) میں کرسکتا ہے، یا پھر مکہ میں ہی کرنی پڑے گی؟ اگر یہاں (گجرات میں) کرے، تو کوئی حرج لازم آئے گا؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامدا ومصلیا:

حج کی قربانی سے کیا مراد ہے؟ بالتفصیل لکھیں، تو جواب دیا جائے گا۔

نوٹ: جدہ میں رہنے والا شخص حج افراد کرے گا، حج تمتع نہیں، لہٰذا اس پر دم تمتع لازم نہیں آئے گا۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۷] نفلی حج وعمرہ

۱۷۷۰- سوال: ایک شخص جدہ میں مقیم ہے، اس سے انڈیا میں مقیم شخص نے اپنی دادی کی جانب سے حج کرنے کے لیے کہا ہے، نہ تو ان کی دادی پر حج فرض تھا، اور نہ ہی انہوں نے وصیت کی تھی، یہ نفلی حج ہوگا، تو جدہ میں مقیم شخص کے لیے اس کے ادا کرنے کا طریقہ کیا ہوگا، وضاحت کی درخواست ہے۔

نوٹ: حج افراد کا ارادہ ہے اور انڈیا میں حج کی قربانی کا ارادہ ہے، تو کیا یہ درست ہے؟

ایک شخص زندہ ہے، اس کے نام کا عمرہ (نفل) جدہ سے کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اور نفل طواف کرسکتے ہیں یا نہیں، مثلاً: ماں باپ زندہ ہیں، انہوں نے بفضل اللہ حج وعمرہ کرلیا ہے، اس کے باوجود ان کی جانب

---

(۱) (والمكي ومن في حكمه يفرد فقط) ولو قرن أو تمتع جاز وأساء، وعليه دم جبر. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله ولو قرن أو تمتع جاز وأساء إلخ) أي صح مع الكراهة للنهي عنه، وهذا ما مشى عليه في التحفة وغاية البيان والعناية والسراج وشرح الإسبيجابي على مختصر الطحاوي. [و فيه بحث طويل ، فليراجع ثمه. مجتبى حسن القاسمي] (رد المحتار على الدر المختار: ۵۳۹/۲، كتاب الحج، باب التمتع، ط: دار الفكر- بيروت☆ درر الحكام شرح غرر الأحكام: ۲۳۶/۱، كتاب الحج، باب القران والتمتع، ط: دار إحياء التراث العربي☆ فتح القدير: ۱۶/۳، كتاب الحج، باب التمتع، ط: دار الفكر- بيروت)

سے نفلی عمرہ وطواف کرنے کا ارادہ ہے، تو کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

آپ، اپنے دوست کی دادی کی جانب سے حج نفل کرنا چاہتے ہیں، تو احرام باندھتے وقت اس کی نیت کریں، کہ میں فلاں کی جانب سے حج کرتا ہوں، زبان سے کہنا مستحب ہے، صرف دل سے ارادہ کر لینا بھی کافی ہے۔ احرام کے بعد جو ارکان ادا کرنے ہیں، ان کو ادا کرتے رہیں، ان کی ادائیگی کے وقت نیت کی ضرورت نہیں ہے، نیت صرف میقات پر کرنا ہے۔(۱)

چوں کہ آپ جدہ میں ہیں یعنی آپ میقات کے اندر ہے؛ لہٰذا آپ کو صرف حج کا احرام باندھنا ہے۔ اور حج افراد میں قربانی واجب نہیں ہوتی، تمتع وقران میں دم شکر واجب ہے؛ لہٰذا مذکورصورت میں قربانی کو واجب سمجھنا جائز نہیں ہے؛ ہاں اگر ثواب کی نیت سے انڈیا میں قربانی کراتے ہوں، تو اس کا ثواب مل جائے گا۔(۲)

زندہ اسی طرح مردہ دونوں ہی کی طرف سے جتنے چاہیں، عمرہ وطواف نفل کی نیت سے کر سکتے ہیں، ثواب پہنچ جائے گا، عمرہ کرتے وقت نیت کرو یا کرنے کے بعد، بہرصورت ثواب پہنچ جائے گا۔(۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) التاسع نية المحجوج عنه عند الإحرام، وهي أن يقول بلسانه -وهو الأفضل-: أحرمت عن فلان أو لبيك عن فلان و إن شاء اكتفى بنية القلب. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۶۲۲، باب الحج عن الغير، فصل في شرائط جواز الإحجاج، وهي عشرون، التاسع النية عن المحجوج عنه عند الإحرام، ت: محمد طلحة بلال أحمد منيار، ط: مكة المكرمة ☆ بدائع الصنائع: ۲/ ۲۱۳، كتاب الحج، فصل نبات الحرم، ط: دار الكتب العلمية ☆ البحر الرائق: ۳/ ۶۶، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۲) "ويجب" أي إجماعا "على القارن والمتمتع هدي شكرا لما وفقه الله تبارك وتعالى للجمع بين النسكين في أشهر الحج بسفر واحد". (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۳۶۸، باب القران، فصل في هدي القارن والمتمتع، ت: محمد طلحة بلال أحمد منيار، ط: مكة المكرمة)

وفي الخانية: ويجب الدم على القارن و المتمتع شكرا لما أنعم الله تعالى عليه بتيسير الجمع بين العبادتين. (الفتاوى الخانية- فخر الدين حسن بن منصور الأوزجندي (م: ۲۹۵ھ): ۱/ ۳۰۴، كتاب الحج، فصل في التمتع، ط: كوئٹه، مثل زكريا- ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۳۹، كتاب المناسك، الباب السابع في القران والتمتع، ط: دار الفكر- بيروت)

(۳) عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: "إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من =

[۲۸] حج افراد، تمتع اور قران میں دم [قربانی] کا وجوب

۱۷۷۱- سوال: ایک شخص مرحوم کی جانب سے حج بدل، اس کی وصیت کے بغیر اپنی طرف سے کر رہا ہے، وہ جدہ میں مقیم ہے، اور مرحوم کا وارث یا رشتے دار نہیں ہے، تو کیا اس کا جدہ سے حج کرنا مرحوم کی جانب سے کفایت کر جائے گا؟ اور اس حج کی قربانی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اپنے وطن [گجرات، انڈیا] میں کی، تو ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصليا:

وصیت کے بغیر اگر وہ اپنی طرف سے جدہ سے حج بدل کرے، تو ان شاء اللہ فرض حج ادا ہو جائے گا۔(۱)

=صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له ". (الصحيح لمسلم: ۴۱/۲، رقم الحديث: ۱۴-(۱۶۳۱)، كتاب الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، ط: ديوبند)

الأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة، أو صوما، أو صدقة، أو غيرها، عند أهل السنة والجماعة، لما روي عن النبي عليه الصلاة والسلام: أنه ضحى بكبشين أملحين، أحدهما عن نفسه، والآخر عن أمته، ممن أقر بوحدانية الله تعالى، وشهد له بالبلاغ جعل تضحية إحدى الشاتين لأمته. (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱۷۸/۱، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت☆البحر الرائق: ۶۳/۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي☆بدائع الصنائع: ۲۱۲/۲، كتاب الحج، فصل نبات الحرم، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۱) جن کی جانب سے حج بدل کیا جائے، اگر انہوں نے وصیت کی ہو، تو ان کے حج فرض کی طرف سے کفایت کرے گا، اور اگر وصیت نہ کی ہو، اور وارث اپنی طرف سے تبرعاً حج کرے یا کرائے، تب بھی امام ابوحنیفہؒ کی صراحت کے مطابق حج فرض کی جانب سے ان شاء اللہ کافی ہوگا، البتہ اگر اجنبی تبرعاً حج کرے، تو حج فرض کی طرف سے کفایت کرے گا یا نہیں؟ روایت اس سلسلے میں موجود نہیں ہے، بعض اصول کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ اس صورت میں بھی ان شاء اللہ حج فرض کی جانب سے کفایت کرے گا، تاہم متاخرین کی روایت یا یوں کہیے کہ عبارت مختلف ہے، ذیل کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

(وبشرط الأمر به) أي بالحج عنه (فلا يجوز حج الغير بغير إذنه إلا إذا حج) أو أحج (الوارث عن مورثه) [الدر المختار]

قال ابن عابدين: (قوله إلا إذا حج أو أحج الوارث) أي فيجزئه إن شاء الله تعالى كما في البدائع واللباب، وهذا إذا لم يوص المورث، . . . ثم اعلم أن التقييد بالوارث يفهم منه أن الأجنبي يخالفه وإلا لزم إلغاء هذا الشرط من أصله، والعجب أنه في اللباب ذكر هذا الشرط وعمم شارحه الوارث وغيره من أهل التبرع.

وعبارة اللباب وشرحه هكذا: (الرابع الأمر) أي بالحج (فلا يجوز حج غيره بغير أمره إن أوصى به) . . . (وإن=

اس پر دم تمتع واجب نہیں ہے؛ کیوں کہ مکہ اور اس کے اطراف میں رہنے والے کو صرف حج کا احرام باندھنا ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] چلنے پھرنے سے عاجز ہونے والے کا اپنی زندگی میں حج بدل کروانا

۱۷۷۲- سوال: میری والدہ صاحبہ پر حج فرض ہے؛ لیکن ابھی تک ادا نہیں کر سکی ہے، اب ضعیف اور کمزوری اس قدر لاحق ہوگئی ہے کہ حج کی ادائیگی کی طاقت نہیں رہی، نیز کسی مددگار محرم کو ساتھ لے جانے پر بھی قادر نہیں ہے، بس اتنے پیسے ہیں کہ خود اپنا حج کر سکے۔

=لم یوص به) أي بالإحجاج (فتبرع عنه الوارث) وكذا من هم أهل التبرع (فحج) أي الوارث ونحوه (بنفسه) أي عنه (أو أحج عنه غيره جاز) والمعنى جاز عن حجة الإسلام إن شاء الله تعالى كما قاله في الكبير. وحاصله أن ما سبق يحكم بجوازه ألبتة، وهذا مقيد بالمشيئة. ففي مناسك السروجي: لو مات رجل بعد وجوب الحج ولم يوص به فحج رجل عنه أو حج عن أبيه أو أمه عن حجة الإسلام من غير وصية، قال أبو حنيفة: يجزيه إن شاء الله، وبعد الوصية يجزيه من غير المشيئة، اهـ ثم أعاد في شرح اللباب المسألة في محل آخر، وقال: فلو حج عنه الوارث أو أجنبي يجزيه وتسقط عنه حجة الإسلام إن شاء الله تعالى لأنه إيصال للثواب، وهو لا يختص بأحد من قريب أو بعيد على ما صرح به الكرماني والسروجي اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۹۹/۲، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة، ط: دار الفكر - بيروت)

(قوله أوصى بحج إلخ) قيد بالوصية لأنه لو كان لم يوص فتبرع عنه الوارث بالحج أو الإحجاج يصح كما قدمه المصنف: أي يصح عن الميت عن حجة الإسلام إن شاء الله تعالى كما قدمناه. ونقل ط عن الولوالجية أن التعليق بالمشيئة على القبول لا على الجواز، وقدمنا أيضا عن شرح اللباب أن الوارث غير قيد، فإذا لم يوص يجزئه تبرع الوارث والأجنبي عنه. (المصدر السابق: ۶۰۶/۲، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب العمل على القياس دون الاستحسان هنا ☆ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴هـ)، ص: ۶۱۳-۶۱۴، باب الحج عن الغير، ط: المكتبة الإمدادية - مكة المكرمة)

(۲) (والمكي ومن في حكمه يفرد فقط) ولو قرن أو تمتع جاز وأساء، وعليه دم جبر. (الدر المختار) ——— قال ابن عابدين: (قوله ولو قرن أو تمتع جاز وأساء إلخ) أي صح مع الكراهة للنهي عنه، وهذا ما مشى عليه في التحفة وغاية البيان والعناية والسراج وشرح الإسبيجابي على مختصر الطحاوي. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۳۹/۲، كتاب الحج، باب التمتع، ط: دار الفكر - بيروت ☆ درر الحكام شرح غرر الأحكام: ۲۳۶/۱، كتاب الحج، باب القران والتمتع، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ فتح القدير: ۱۶/۳، كتاب الحج، باب التمتع، ط: دار الفكر - بيروت)

گھر کے اندر تو چل پھر لیتی ہے؛ لیکن ایک محلہ سے دوسرے محلہ تک چل کر جانے کی قدرت نہیں ہے، اسی طرح دوسرے گاؤں جانا ہو، تو اگر گاڑی وغیرہ ہے، تو جا سکتی ہے، ورنہ نہیں، غرضیکہ چلنے پھرنے پر قدرت نہیں رہی، ایسی حالت میں وہ اپنے بیٹے کو حج بدل کے لیے بھیجنا چاہتی ہے، تو کیا ان کی حیات میں اس طرح حج بدل کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

(۱) سفر اگر لمبا ہو، یعنی ۴۸ رمیل کی دوری کا ہو، تو خاتون کے ساتھ محرم کا ہونا ضروری ہے، سفر حج کافی لمبا سفر ہے، اس لیے بغیر محرم کے آپ کی والدہ کے لیے حج میں جانا درست نہیں، محرم کو لے جانے کا خرچ نہیں ہے؛ لہٰذا آپ کی والدہ حج نہیں کرے گی، تو گنہگار نہ ہوگی، وصیت لکھ دے کہ میں مرجاؤں، تو میری جانب سے حج بدل ادا کرلیا جائے۔[۱]

(۲) آپ کی والدہ اس قدر کمزور اور ضعیف ہوگئی ہیں کہ سفر حج پر قدرت نہیں رکھتیں، فقہاء نے لکھا ہے کہ حج کی ادائیگی کے لیے بدن کی سلامتی اور تندرستی کا ہونا ضروری ہے، آپ کی والدہ دوسرے محلہ تک جانے میں گاڑی کی محتاج ہے یا دوسرے کی مدد کی محتاج ہے؛ لہٰذا اگر اس پر حج فرض ہے، [جیسا کہ آپ نے لکھا ہے] تو زندگی میں ہی دوسرے کو حج بدل کے لیے بھیج سکتی ہے۔ (شامی جلد ۲ صفحہ ۱۹۵، فتاویٰ عالم گیری)[۲]

---

(۱) قد مر تخريجه غير مرة.

[۲] (صحيح) البدن (بصير) غير محبوس وخائف من سلطان يمنع منه. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله صحيح البدن) أي سالم عن الآفات المانعة عن القيام بما لا بد منه في السفر، فلا يجب على مقعد ومفلوج وشيخ كبير لا يثبت على الراحلة بنفسه وأعمى، وإن وجد قائدا، ومحبوس، وخائف من سلطان لا بأنفسهم، ولا بالنيابة في ظاهر المذهب عن الإمام وهو رواية عنهما وظاهر الرواية عنهما وجوب الإحجاج عليهم، ويجزيهم إن دام العجز وإن زال أعادوا بأنفسهم. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۵۹/۲، كتاب الحج، ط: دار الفكر)

والنوع الثاني: شروط الأداء وهي التي إن وجدت بتمامها مع شروط الوجوب، وجب أداؤه بنفسه، وإن فقد بعضها مع تحقق شروط الوجوب، فلا يجب الأداء بل عليه الإحجاج أو الإيصاء عند الموت وهي خمسة: سلامة البدن، وأمن الطريق وعدم الحبس، والمحرم أو الزوج للمرأة وعدم العدة لها. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۵۸/۲، أول كتاب الحج، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۲۵۸/۱، كتاب المناسك الباب الأول في تفسير الحج، ط: دار الفكر - بيروت ☆ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۶۱۱، باب الحج عن الغير)

شرط یہ ہے کہ کمزوری وضعف یعنی عذر مرتے دم تک باقی رہے، اگر تندرستی عود کرآئی، تو دوبارہ آپ کی والدہ کو حج کے لیے جانا پڑے گا۔[۳]

مذکورصورت میں حج بدل کے لیے ایسے شخص کو بھیجا جائے، جس نے اپنا حج کرلیا ہو، اس کے باوجود اگر آپ نے اپنا حج فرض ادانہیں کیا ہے اور حج بدل کریں گے، تب بھی حج ہوجائے گا، البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۰] نابالغ بچوں کے حج وعمرہ کا طریقہ

[۳۱] احرام کی چادروں پر بچوں کی نجاست لگ جائے، تو کیا کرے؟

۱۷۷۳-سوال: میں حج کے لیے جارہی ہوں، اپنے ساتھ، اپنے دونوں بچوں کو بھی لے جارہی ہوں، میرا بڑا لڑکا تین سال کا ہے اور دوسرا لڑکا ایک سال کا۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ ان دونوں کے حج وعمرہ کا احرام باندھنا ہوگا یانہیں؟ اور احرام کس طرح باندھنا پڑے گا؟ عام کپڑوں میں یا مرد کی طرح دو چادروں میں۔

میرے دونوں لڑکوں کے حج وعمرہ کی اور طواف کی نیت کس کے ذمہ ہوگی اور کس طرح ہوگی؟——— لڑکوں کی جانب سے قربانی کرنی ہوگی یانہیں؟ نیز ان کے احرام کی نماز الگ سے پڑھنی ہوگی یا ایک ہی نماز میں نیت کافی ہوگی؟——— طواف کے بعد دو رکعت الگ الگ پڑھنی ہوگی، یا دو رکعت میں دونوں کی

---

(۳) قال: (ولا يجوز إلا عن الميت، أو عن العاجز بنفسه عجزا مستمرا إلى الموت) ولا يجوز عن القادر؛ لأن الحج عبادة بدنية وجبت للابتلاء، فلا تجري فيها النيابة، ... ويشترط دوام العجز إلى الموت كالفدية أيضا؛ لأنه متى قدر وجب عليه بنفسه. (الاختيار لتعليل المختار-عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ۶۸۳ھ): ۱/۱۷۰، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ت: محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي-القاهرة ☆ تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق-فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳ھ): ۲/۸۵، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: المطبعة الكبرى الأميرية-بولاق ☆ غنية الناسك، ص: ۳۱۶، فصل في شرائط النيابة في الحج الفرض، ط: یادگار شیخ، سہارن پور ☆ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۶۱۲، باب الحج عن الغير، فصل في شرائط جواز الإحجاج، ت: محمد طلحة بلال أحمد منيار، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة)

(۴) قدمر تخريجه مرارا.

نیت کافی ہے؟ ـــــــ ایک ہی طواف دونوں کے لیے کفایت کر جائے گا، یا دونوں کی طرف سے الگ الگ طواف کرنے ہوں گے۔ ـــــــ عمرہ کے بعد حج کے لیے احرام باندھنا ہوگا یا نہیں؟ اور اگر باندھے تو کس طرح؟ اور نیت کیسی کرنی ہوگی؟ اور قربانی کرنی ہوگی یا نہیں؟

جب میں احرام کے کپڑے پہنے رہوں اور میرے بچہ کی کوئی ناپاکی اس میں لگ جائے تو حالت احرام میں دوسرے کپڑے بدل سکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے لڑکے - جن میں سے ایک کی عمر ۳/سال اور ایک کی صرف ۱/سال ہے - ابھی کچھ سمجھنے کے قابل نہیں ہیں؛ لہٰذا سب سے پہلے آپ نماز اور تلبیہ پڑھ کر نیت کر کے عمرہ یا حج کا احرام باندھ لیجیے، اس کے بعد بغیر نماز پڑھے بچوں کو احرام کی تہبند والی چادر، تہبند کی طرح لپیٹ دیجیے اور بدن کے اوپر کپڑا ڈال دیجیے، اس کے بعد دونوں لڑکوں کی جانب سے الگ الگ احرام کی نیت کیجیے اور تلبیہ پڑھیے، جب اتنا کریں گے، تو دونوں لڑکوں کا احرام شروع ہو جائے گا۔

مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد ایک لڑکے کو اٹھا کر یا چلا کر طواف، عمرہ اور صفا مروہ کی سعی کر لیں، دونوں کا حلق کرالیں، عمرا ادا ہو جائے گا۔

اسی طرح حج کے لیے ان کے والد صاحب کے اپنے فرزندوں کی جانب سے حج کی نیت کرنے اور تلبیہ پڑھنے سے حج کا احرام شروع ہو جائے گا، منیٰ، عرفات، مزدلفہ میں ٹھہرنے سے واجب اور فرض ادا ہو جائے گا، کنکر یا تو والد صاحب مارے یا تین سال کے بچے سے شرطوں کے مطابق مروائے، واجب دونوں صورتوں میں ادا ہو جائے گا۔[1]

---

(۱) عن ابن عباس، عن النبي صلى الله عليه وسلم لقي ركبا بالروحاء، فقال: من القوم؟، قالوا: المسلمون، فقالوا: من أنت؟ قال: رسول الله، فرفعت إليه امرأة صبيا، فقالت: ألهذا حج؟ قال: نعم، ولك أجر. (الصحيح لمسلم: ۱/۴۳۱-۴۳۲، رقم الحديث: ۴۰۹-(۱۳۳۶)، كتاب الحج، باب صحة حج الصبي وأجر من حج به، ط: ديوبند)

عن جابر، قال: حججنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، ومعنا النساء والصبيان، فلبينا عن الصبيان، ورمينا عنهم. (سنن ابن ماجة: ۲/۲۱۸، رقم الحديث: ۳۰۳۸، كتاب المناسك، باب الرمي عن الصبيان، ط: ديوبند☆ سنن الترمذي: ۱/۱۸۵، رقم الحديث: ۹۲۷، أبواب الحج، "باب" بعد: باب ماجاء في حج الصبي، ط: ديوبند)

(وأما غير المميز) أي من الصغار (فلا تصح منه المباشرة) أي مباشرة الإحرام، والطواف مما يحتاج إلى نيته؛ =

ممنوعاتِ احرام کی قبیل سے کوئی فعل بچوں سے سرزد ہوجائے، تو نہ دم واجب ہوگا، نہ صدقہ۔ (۲)

=لكن يصح منه ما لاتعلق للنية به كالوقوفين (و كذا المجنون، و تصح) أي المباشرة (من وليهما) أي بأن ينوي عنهما، و ينوب عنهما فيما عجزا عن مباشرته كالسعي، و الرمي، و كذا فيما لا يصح لهما مباشرته كالطواف. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملا علي القاري (م:۱۰۱۴ھ) ص:۸۵-۸۶، باب شرائط الحج، النوع الثالث: شرائط صحة الأداء، ط: المكتبة الإمدادية - مكة المكرمة)

(قال) و الصبي الذي يحج به أبوه يقضي المناسك ويرمي الجمار؛ لأنه يأتي به للتخلق حتى يتيسر له بعد البلوغ فيؤمر به بمثل ما يؤمر به البالغ، وإن ترك الرمي لم يكن عليه شيء، و كذلك المجنون يحرم عنه أبوه؛ لأن فعلهما للتخلق فلا يكون واجبا إذ ليس للأب عليهما ولاية الإيجاب فيما لا منفعة لهما فيه عاجلا، ولهذا لا يجب الدم بترك الرمي عليهما، وهو معتبر بالكفارات لا يجب شيء منها على الصبي، والمجنون عندنا، والأصل في جواز الرمي هكذا ما روي عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أن امرأة رفعت صبيا من هودجها إليه فقالت: ألهذا حج، فقال: نعم، ولك أجره، فدل ذلك على أنه يجوز للأب أن يحرم عن ولده الصغير، والمجنون بمنزلة الصغير، والله أعلم بالصواب. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۶۹/۴، كتاب المناسك، باب رمي الجمار، ط: دار المعرفة - بيروت)

والخلاصة: إن كل ما أمكن الصبي فعله بنفسه، لزمه فعله، ولا ينوب غيره عنه، كالوقوف والمبيت بمزدلفة ونحوهما، وما عجز عنه، عمله الولي عنه. (الفقه الإسلامي و أدلته: ۹۰/۳-۹۱، الباب الخامس: الحج و العمرة، المبحث الثاني: شروط الحج و العمرة، المطلب الأول: إحجاج الصغير و المجنون، ط: مكتبة تهانوي - ديوبند☆البحر الرائق: ۳۸/۲، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: دار الكتاب الإسلامي☆رد المحتار على الدر المختار: ۴۶۷/۲، كتاب الحج، ط: دار الفكر)

(۲) ثم إنهما [الصبي و المجنون] لا يؤخذان بترك الواجبات و ارتكاب المحظورات. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۸۶، باب شرائط الحج، النوع الثالث: شرائط صحة الأداء، ط: المكتبة الإمدادية - مكة المكرمة)

(ولا يصح من غيره) أي من غير الصبي المميز (الأداء) أي مباشرة الأفعال (و الا الإحرام) على ما في البدائع من أنه لا يجوز أداؤه الحج بنفسه... (بل يصحان من وليه له) أي نيابة عنه، (فيحرم عنه من كان أقرب إليه) أي في النسب (فلو اجتمع والد، وأخ يحرم له الوالد) على ما في "فتاوى قاضي خان" والظاهر أنه شرط الأولوية، وهذا كله مبني على انعقاده نفلا؛ لكن في "شرح المجمع" وعندنا إذا أهل الصبي أو وليه لم ينعقد فرضا و لا نفلا، و في "الهداية" ما يدل انعقاده نفلا، ثم قال صاحب الهداية: و اختلف المتأخرون، فمنع بعضهم انعقاده أصلا، و قيل ينعقد ويكون حج تمرين و اعتياد، انتهى.

ويمكن الجمع بأنه لا ينعقد انعقادا مُلزما، وينعقد نفلا غير ملزم؛ لأنه غير مكلف، ففائدته التعود بعمل الخير و يتفرع عليه أنه لو لم يفعل شيئا من المأمورات أو ارتكب شيئا من المحظورات لا يجب عليه شيء من القضاء و الكفارات. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۱۵۸، باب الإحرام، فصل في إحرام الصبي، ط: المكتبة الإمدادية - مكة المكرمة)

طواف کے بعد کی دو رکعت نہ بچوں پر واجب ہے نہ والد پر، اسی طرح قربانی بھی بچوں کی جانب سے نہیں ہے۔ (۳) صرف ارکان میں والد صاحب نیابت کریں گے۔

دونوں بچوں کی جانب سے احرام، تلبیہ اور طواف الگ الگ کرنا ہوگا۔

(۲) حالت احرام میں مرد یا عورت کے کپڑوں پر ناپاکی لگ جائے، تو اس کو دھونا بھی کافی ہے اور بدلنا بھی جائز ہے۔ (۴) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۲] وارث کے سامنے کسی کو حج پر بھیجنے کا 'اظہار خیال' وصیت نہیں

۱۷۷۴- سوال: ایک آدمی نے اپنی زندگی میں اپنے لڑکے کے ساتھ بات چیت کے درمیان یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ مجھے فلاں آدمی کو حج کے لیے بھیجنا ہے؛ لیکن اسی اثنا میں ان کی وفات ہوگئی، ان کی وفات کے وقت حج کے لیے پیسے بھی موجود تھے؛ لیکن ورثاء میں ان کے لڑکوں نے پیسے ضائع کر دیے، اب لڑکوں کو یہ خیال آیا کہ والد صاحب کا حج بدل کرانا چاہیے؛ اس لیے انہوں نے زمین بیچ کر پیسے جمع کیے ہیں، اور باپ کی جانب سے حج بدل کرانا چاہتے ہیں۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ مرحوم کا لڑکے کے سامنے یہ خیال ظاہر کرنا کہ "فلاں آدمی کو حج کے لیے بھیجنا ہے" وصیت شمار ہوگا یا نہیں؟ اگر وصیت ہو، تو حج بدل کرنے والا کس نیت سے احرام باندھے، قران، تمتع یا افراد کی نیت سے؟ حج تمتع کی نیت سے مرحوم کے حق میں حج کرائے، تو درست ہے یا نہیں؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامدا ومصليا:

انسان کا اپنے لڑکے کے سامنے یہ خیال ظاہر کرنا کہ "مجھے حج کے لیے فلاں آدمی کو بھیجنا ہے" وصیت

---

(۳)(ولو طاف بصبي) أي غير مميز (لايصلي عنه) ركعتي الطواف؛ لأنه لا تصح النيابة عندنا في العبادة من الصوم و الصلاة كما حقق في إسقاطهما. (مناسك الملا علي القاري مع حاشية إرشاد الساري، ص: ۲۲۲، باب أنواع الأطوفة، فصل في إحرام الصبي، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة)

و شرائط وجوبه: القدرة عليه، و صحة القران، و التمتع، والعقل، والبلوغ . . . الخ. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۳۶۹، باب القران، فصل في هدي القارن و المتمتع)

(۴)(و غسل الثوب) أي للطهارة أو النظافة لا لقصد قتل القملة و الزينة. (المصدر السابق ص: ۱۷۲، باب الإحرام، فصل في مباحات الإحرام)

میں شمار نہیں ہوگا؛ اس لیے ورثاء کے لیے مرحوم کی جانب سے حج کرانا واجب نہیں۔ (۱)

آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مرحوم کے اوپر حج فرض تھا، اور مرحوم نے اس کو ادا نہیں کیا، گویا غفلت سے کام لیا، نیز حج بدل کے لیے وصیت بھی نہیں کی؛ اس لیے اس معاملے میں مرحوم گنہ گار ہوگا۔ (۲) ایسی صورت میں اولاد اپنے والد کی طرف سے حج بدل کے لیے کوئی آدمی بھیجے یا خود کوئی لڑکا جائے اور میقات سے والد کے نام کا احرام باندھے، تو مرحوم کا حج فرض ادا ہو جائے گا، اور ورثاء کی جانب سے تبرع اور احسان ہوگا۔ (۳)

---

(۱) ثم إن الوصية في اللغة اسم بمعنى المصدر هو التوصية، ومنه قوله تعالى {حين الوصية} [المائدة: 106] ثم سمي الموصى به وصية، ومنه قوله تعالى {من بعد وصية توصون بها} [النساء: 12] وفي الشريعة: تمليك مضاف إلى ما بعد الموت بطريق التبرع، سواء كان ذلك في الأعيان أو في المنافع، كذا في عامة الشروح.

قال بعض المتأخرين: ثم الوصية والتوصية وكذا الإيصاء في اللغة: طلب فعل من غيره ليفعله في غيبته حال حياته أو بعد وفاته. وفي الشريعة: تمليك مضاف إلى ما بعد الموت على سبيل التبرع عينا كان أو منفعة. (فتح القدير: ۱۰/۴۱۱، كتاب الوصايا، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق: ۶/۱۸۲، كتاب الوصايا، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق ☆ العناية شرح الهداية - محمد بن محمد بن محمود، أكمل الدين البابرتي (م: ۷۸۶ھ): ۱۰/۴۱۲، كتاب الوصايا، باب في صفة الوصية، ط: دار الفكر)

(۲) ومن مات وعليه فرض الحج ولم يوص به، لم يلزم الوارث أن يحج عنه، وإن أحب أن يحج عنه حجّ، وأرجو أن يجزيه إن شاء الله تعالى. (الفتاوى التاتارخانية: ۳/۶۶۷، كتاب الحج، الفصل السادس عشر في الوصية بالحج، ط: زكريا - ديوبند ☆ بدائع الصنائع: ۲/۲۲۱، كتاب الحج، فصل بيان حكم فوات الحج عن العمرة، ط: دار الكتب العلمية ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۲۵۸، كتاب المناسك، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج، ط: دار الفكر - بيروت)

(۳) عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حج عن أبويه أو قضى عنهما مغرما بعث يوم القيامة مع الأبرار. (سنن الدارقطني - أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود بن النعمان بن دينار البغدادي الدارقطني (م: ۳۸۵ھ): ۳/۲۹۹، رقم الحديث: ۲۶۰۸، كتاب الحج، باب المواقيت، ت: شعيب الارنؤوط، وجماعة من العلماء، ط: مؤسسة الرسالة - بيروت)

عن زيد بن أرقم، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا حج الرجل عن والديه تقبل منه ومنهما واستبشرت أرواحهما في السماء وكتب عند الله تعالى برا. (المصدر السابق، رقم الحديث: ۲۶۰۷)

عن جابر بن عبد الله، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حج عن أبيه وأمه فقد قضى عنه حجته وكان له فضل عشر حجج. (المصدر السابق: ۳/۳۰۰، رقم الحديث: ۲۶۱۰)

اعلم أن فعل الولد ذلك مندوب إليه جدا. لما أخرج الدارقطني عن ابن عباس - رضي الله تعالى عنهما - عنه - =

مرحوم نے حج کی وصیت نہیں کی تھی؛ اس لیے ان کی جانب سے حج کرنے والا، میقات سے جس نیت سے احرام باندھنا چاہے، باندھ سکتا ہے، یعنی حج قران وتمتع اورافراد ہرایک کی گنجائش ہے۔ (۴) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۳] کبرسنی اور کمزوری کی بناء پر حج بدل میں کسی کو بھیجنا

۱۷۷۵-سوال: ایک شخص کی مالی حالت اچھی ہے اور اس پر حج فرض ہے؛ لیکن کبرسنی اور کمزوری کی بناء پر خود حج ادا نہیں کرسکتا، تو وہ شخص اپنی لڑکی کو حج بدل کے لیے بھیج سکتا ہے یا نہیں؟ اس آدمی کو ایک ہی لڑکی ہے، لڑکا نہیں ہے، نیز ان کی لڑکی نے گذشتہ سال- جو کہ سعودی میں ملازم ہے- اپنا حج ادا کرلیا ہے، اس سال ویزا لے کر وہ حج بدل کرسکتی ہے؟ نیز حج کا خرچ کتنا ذمے میں ہوگا؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامدا ومصليا:

بیماری ایسی ہو کہ وہ لاچار اور مجبور ہو دوسرے کے سہارے کے بغیر چل پھر نہ سکتا ہو، تو حج بدل کرانے کی اجازت ہے، البتہ کمزوری ختم ہوجائے اور وہ شخص خود حج پر قادر ہوجائے، تو اس کے لیے دوبارہ حج

= صلى الله عليه وسلم- لمن حج عن أبويه أو قضى عنهما مغرما بعث يوم القيامة مع الأبرار. وأخرج أيضا عن جابر أنه -عليه الصلاة والسلام- قال: من حج عن أبيه وأمه فقد قضى عنه حجته وكان له فضل عشر حجج. وأخرج أيضا عن زيد بن أرقم قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: إذا حج الرجل عن والديه تقبل منه ومنهما واستبشرت أرواحهما وكتب عند الله برا". اهـ. (فتح القدير- كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بـ'ابن الهمام' (م:۸۶۱هـ): ۱۵۹/۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الفكر رد المحتار على الدر المختار: ۶۰۹/۲، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة، ط: دار الفكر)

وإن لم يوص به فتبرع الوارث عنه بالإحجاج أو الحج بنفسه، قال أبو حنيفة يجزيه إن شاء الله تعالى، لقوله - صلى الله عليه وسلم - للخثعمية أرأيت لو كان على أبيك دين، الحديث انتهى. (رد المحتار على الدر المختار: ۶۰۸/۲، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة، ط: دار الفكر - بيروت☆تبيين الحقائق: ۸۵/۲، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: المكتبة الكبرى الأميرية- بولاق)

(۴) الرابع عشر عدم المخالفة، فلو أمره بالإفراد فقرن أو تمتع ولو للميت لم يقع عنه ويضمن النفقة... وهذه الشرائط كلها في الحج الفرض، وأما النفل فلا يشترط فيه شيء منها: إلا الإسلام والعقل. (رد المحتار على الدر المختار: ۶۰۰/۲-۶۰۱، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب شروط الحج عن الغير عشرون، ط: دار الفكر- بيروت)

کرنا لازم ہوگا۔[1]

حج کے لیے آنے جانے کا کرایہ، مکان کا کرایہ، منیٰ وعرفات اور مزدلفہ جانے کا مکمل خرچ، نیز کھانے پینے کا مکمل خرچ، حج بدل میں بھیجنے والے کے لیے دینا ضروری ہے۔[2] نیز میقات سے حج کا احرام باندھنا ضروری ہے،[3] اور اگر بھیجنے والے نے تمتع کی اجازت دی ہے، تو تمتع کا احرام باندھنا جائز ہے؛ لیکن بہتر

---

(۱)الثاني: العجز المستدام من وقت الإحجاج إلى وقت الموت، أي فإن زال قبل الموت لم يجز حج غيره عنه فرضا.... وإن زال عذره... أي بزوال حبسه أو برئه من مرضه ونحوه قبل الموت في وقت يمكنه أي يؤديه بنفسه وجب عليه الأداء بنفسه أي المباشرة بفعله وظهرت نفلية الأول. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملاعلي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۶۱۲-۶۱۳، ت: محمد طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية - مكة المكرمة ☆ البحر الرائق: ۳/۶۵، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الفتاوى الهندية: ۱/۲۵۸، كتاب المناسك، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج، ط: دار الفكر)

قال: (ولا يجوز إلا عن الميت، أو عن العاجز بنفسه عجزا مستمرا إلى الموت) ولا يجوز عن القادر؛ لأن الحج عبادة بدنية وجبت للابتلاء، فلا تجري فيها النيابة،... ويشترط دوام العجز إلى الموت كالفدية أيضا؛ لأنه متى قدر وجب عليه بنفسه. (الاختيار لتعليل المختار - عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ۶۸۳ھ): ۱/۱۷۰، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ت: محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة ☆ تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳ھ): ۲/۸۵، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق ☆ غنية الناسك ص: ۳۱۶، فصل في شرائط النيابة في الحج الفرض، ط: یادگار شیخ، سہارن پور ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۳/۶۲۸، كتاب الحج، الحج عن الغير، ط: زكريا - ديوبند)

[۲] (فصل في النفقة) أي حكم إنفاق الحاج المأمور، (المراد من النفقة: ما يحتاج إليه من طعام وإدام) ومنه اللحم (وشراب وثياب في الطريق، ومركوب) أي بإجارة أو اشتراء (وثوبي إحرام) أي إزار ورداء، (واستئجار منزل) أي يأوي إليه، (ومحمل وقربة وإداوة) أي ظرف ماء ونحوه، (وسائر الآلات) أي مما لا يستغني عنها في الطريق.

(وكذا دهن السراج) ... (وما يغسل به ثيابه) أي من الصابون والأشنان، وكذا ما يغسل به رأسه من نحو الخطمي والسدر... (وأجرة الحارس ... والحلاق ودخول الحمام) أي أجرته... (كل ذلك بالمعروف) أي بالتوسط والاقتصاد من غير تبذير وتقتير. [المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۶۴۳-۶۴۴، باب الحج عن الغير، فصل في نفقة المأمور بالحج، ت: محمد طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية - مكة المكرمة ☆ فتح القدير: ۳/۱۴۸، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الفكر - بيروت]

[۳] (العاشر أن يحرم من الميقات) أي من ميقات الآمر، ليشمل المكي وغيره، (فلو اعتمر وقد أمره بالحج ثم حج من عامه من مكة لا يجوز... ويضمن) أي في قولهم جميعا، ولا يجوز ذلك عن حجة الإسلام، لأنه مأمور بحجة ميقاتية. [المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملاعلي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۶۲۲، باب الحج عن الغير، فصل في شرائط جواز الإحجاج، وهي عشرون، ط: المكتبة الإمدادية - مكة المكرمة ☆ البحر الرائق: ۳/۶۲، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي]

نہیں، اگر حج پر بھیجنے والے نے تمتع کی اجازت دی ہو، تو بعض علماء تمتع کی اجازت دیتے ہیں؛ اس لیے حج بدل میں قران اور تمتع سب کی اجازت لے لے۔ [۴] حج کے بعد قانون کے مطابق آنے کی تاریخ متعین ہو اور اس سے زیادہ رہائش اختیار کرے، تو بھیجنے والے کی رقم میں سے خرچ کرنا جائز نہیں، بھیجنے والے کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے خرچ کرنا جائز نہیں، نیز بھیجنے والے کی اجازت کے بغیر اس کے مال سے صدقہ کرنا یا کسی کی دعوت کرنا بھی جائز نہیں۔ [۵]

صورت مسئولہ میں باپ اگر کمزوری کی بناء پر چلنے پھرنے پر قادر نہ ہو اور سفر کرنے سے معذور ہو، تو لڑکی کو محرم کے ساتھ حج بدل کے لیے بھیجنا جائز ہے، باپ کا حج فرض ادا ہو جائے گا؛ لیکن کسی مرد کو بھیجنا بہتر ہے۔ [۶]

عورت کے لیے بغیر محرم کے سفر کرنا جائز نہیں، اس لیے لڑکی اگر محرم کے بغیر سفر کرے گی، تو گنہ گار ہوگی؛ لیکن باپ کا حج فرض ادا ہو جائے گا۔ [۷]

لڑکی کے لیے باپ کے حج کی نیت کرنا ضروری ہے، اگر باپ کے حج کی نیت نہیں کی، تو باپ کا حج ادا نہ ہوگا۔ [۸] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۴) قدمر تخريجه وتفصيله مرارا.

[۵] (ولا يصرف الدنانير إلا لحاجة) أي ضرورة تدعو إلى ذلك... (ولا يدعو) أي المأمور (إلى طعامه) أي أحدا، إذ ليس له التبرع ولا التطوع، ولذا قال: (ولا يتصدق) أي من طعامه أو غيره على أحد من الفقراء (ولا يقرض) أي أحدا... (وإن وسع عليه الآمر) وهو الموصى أو الوصي (الأمر) أي أمر المصروف (فله أن يفعل ذلك). [المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۶۴۳-۶۴۴، باب الحج عن الغير، فصل في نفقة المأمور بالحج، ت: محمد طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية - مكة المكرمة☆فتح القدير: ۱۴۸/۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الفكر - بيروت]

[۶] (ويجوز إحجاج المرأة) بإذن زوج لها و وجود محرم معها (مع الكراهة). (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۶۴۰-۶۳۹، باب الحج عن الغير، جواز إحجاج المرأة والعبد والأمة، ت: محمد طلحة بلال أحمد منيار، ط: المكتبة الإمدادية - مكة المكرمة)

وسواء كان رجلا أو امرأة إلا أنه يكره إحجاج المرأة، لكنه يجوز أما الجواز فلحديث الخثعمية. وأما الكراهة فلأنه يدخل في حجها ضرب نقصان؛ لأن المرأة لا تستوفي سنن الحج، فإنها لا ترمل في الطواف، وفي السعي بين الصفا والمروة، ولا تحلق. (بدائع الصنائع: ۲۱۳/۲، كتاب الحج، فصل نبات الحرم، ط: دار الكتب العلمية)

(۷) قدمر تخريجه مرارا.

(۸) التاسع نية المحجوج عنه عند الإحرام، وهي أن يقول بلسانه - وهو الأفضل -: أحرمت عن فلان أو لبيك عن =

[۳۴] معذور خاتون اور حج بدل

۱۷۷۶- سوال: ایک خاتون کی عمر تقریبا ۶۵/سال ہے، وہ صاحب مال ہے، ان کے ذمہ حج فرض ہو چکا ہے؛ لیکن وہ پاؤں سے معذور ہے، چلنے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے، زیادہ نہیں چل پاتی، پاؤں کا آپریشن بھی کیا گیا تھا؛ لیکن چلنے پھرنے کی تکلیف ختم نہیں ہوئی، اسے جوڑوں کا درد بھی ہے، جسے ''گٹھیا'' کہا جاتا ہے، اس کی وجہ سے بھی پاؤں میں درد ہوتا ہے۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ ایسی صورت میں وہ اپنے شوہر یا اپنے دونوں لڑکوں میں سے کسی ایک کو (جس نے اپنا حج فرض ادا نہیں کیا ہے) حج بدل کے لیے بھیج سکتی ہے؟ اگر نہیں، تو ان کو کسی محرم کے ساتھ جانا ضروری ہوگا، شرعی حکم کیا ہے؟ واضح فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیا:

ادائیگی حج کے لیے تندرستی ضروری ہے؛ اس لیے جو مرد یا عورت بیمار ہے، یا عمر کی اس منزل پر ہے کہ دوسرے کی مدد کے بغیر سواری پر چڑھ نہیں سکتے، تو وہ دوسروں کو حج بدل کے لیے بھیج سکتے ہیں۔ (شامی جلد ۲ صفحہ ۹۴، عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۱۷۳)[1]

=فلان و إن شاء اكتفى بنية القلب.(المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملا علي القاري(م:۱۰۱۴ھ) ص:۶۲۲، باب الحج عن الغير، فصل في شرائط جواز الإحجاج، وهي عشرون، التاسع النية عن المحجوج عنه عند الإحرام، ت: محمد طلحة بلال أحمد منيار، ط: مكة المكرمة☆ بدائع الصنائع: ۲/ ۲۱۳، كتاب الحج، فصل نبات الحرم، ط: دار الكتب العلمية ☆ البحر الرائق: ۳/ ۶۶، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۱] (قوله صحيح البدن) أي سالم عن الآفات المانعة عن القيام بما لا بد منه في السفر، فلا يجب على مقعد ومفلوج وشيخ كبير لا يثبت على الراحلة بنفسه وأعمى، وإن وجد قائدا، ... وجوب الإحجاج عليهم، ويجزيهم إن دام العجز وإن زال أعادوا بأنفسهم.(رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۵۹، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۱۸، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج وفرضيته...، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق شرح كنز الدقائق- ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ): ۲/ ۳۳۵، أول كتاب الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ فتح القدير - كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (م: ۸۶۱ھ): ۲/ ۴۱۵، كتاب الحج، ط: دار الفكر ☆ بدائع الصنائع: ۲/ ۱۲۲، كتاب الحج، فصل شرائط فرضية الحج، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

تفصیلی تخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیں: ''حج بدل: مفہوم اور شرائط'' کا حاشیہ نمبر (۱)۔

اسی طرح کسی کو لقوہ کا مرض ہو، اور بیماری اس حد تک ہو کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ از خود جانا ممکن نہ ہو، یا دونوں پاؤں کٹ گئے ہوں، یا دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں اور ایک ہاتھ کٹ گیا ہو تو ایسے معذور دوسروں کو حج بدل کے لیے بھیج سکتے ہیں۔

مذکورہ عورت کو اگر چلنے کی طاقت ہے، زینہ پر چڑھنے اور اترنے کی طاقت ہے، تو دوسرے کو حج بدل کے لیے بھیجنا جائز نہیں ہے، اور اس کے لیے محرم کے بغیر سفر کرنا جائز نہیں، اگر کوئی مال دار محرم از خود نہ جاتا ہو، اور غریب محرم جانے کے لیے تیار ہو، تو اس کا خرچ برداشت کرنا ہوگا۔ (۲)

لیکن اگر اس خاتون میں چلنے پھرنے کی سکت نہیں ہے، تو وہ کسی سے حج بدل کرواسکتی ہے۔ حج بدل کے لیے ایسے آدمی کو بھیجا جائے، جس نے اپنا حج فرض ادا کرلیا ہو، اگر ادا نہیں کیا ہے، تو اس کو بھیجنا بہتر نہیں ہے، اس کے باوجود حج ادا ہوجائے گا۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۵] حج بدل اور نیت

۱۷۷۷- سوال: ہمارے ایک ساتھی نے پچھلے سال حج کیا، جس میں انہوں نے والدہ کے حج کی نیت کی، اور قربانی وطن آکر کی، اور اس سال پھر حج کو گئے، تو کسی مولانا نے مسئلہ بتایا کہ گذشتہ سال جو حج آپ نے کیا تھا، وہ آپ کی جانب سے ادا ہوا، اس سال آپ اپنی والدہ کی جانب سے حج کریں، انہوں نے اس سال بھی قربانی وطن آکر کی، تو شریعت کی رو سے ان کا حج درست ہوا یا نہیں؟

---

(۲) ... من شرائط وجوب الحج عليها في حقها المحرم عندنا، ثم يشترط أن تملك قدر نفقة المحرم؛ لأن المحرم إذا كان يخرج معها فنفقته في مالها إلا في رواية عن محمد - رحمه الله تعالى - يقول: نفقة المحرم في ماله؛ لأنه غير مجبر على الخروج، فإذا تبرع به لم يستوجب بتبرعه النفقة عليها، ولكن في ظاهر الرواية هي لا تتوسل إلى الحج إلا بنفقة المحرم كما لا تتوسل إلى الحج إلا بنفقتها، فكما يشترط لوجوب الحج عليها ملك الزاد والراحلة ويجعل ذلك شرطا لنفسها، فكذلك للمحرم الذي يخرج معها يجعل ذلك شرطا. (المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۴/ ۱۶۳، كتاب المناسك، باب الحج عن الميت و غيره، استأجر رجلا ليحج عنه، ط: دار المعرفة - بيروت ☆ مجمع الأنهر: ۱/ ۲۶۲، كتاب الحج، شروط الحج، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ حاشية الطحطاوي على المراقي، ص: ۷۲۸، كتاب الحج، مدخل، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۳) تقدم تخريجه مرارا.

قربانی کا کیا حکم ہوگا، کیا اس کا حدودِ حرم میں کرنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے ساتھی نے سال گذشتہ جس کی نیت سے حج کیا، اسی کی جانب سے ادا ہوا، والدہ کی جانب سے حج کیا تھا، تو والدہ کا حج ادا ہوگیا۔

اس سال انہوں نے جس کے حج کی نیت کی، اسی کا حج ادا ہوگا، جن مولانا صاحب نے آپ کو مسئلہ بتلایا کہ پہلے سال والدہ کی نیت کرنے کے باجود تمہارا حج ہوگیا، وہ غلط ہے۔ (۱)

قربانی اگر حجِ تمتع یا قران کی وجہ سے کی گئی، تو حرم شریف میں کرنی ضروری تھی، وطن کی قربانی کافی نہیں ہوگی، (۲) لیکن اگر صرف حج کا احرام تھا، اور مکہ مکرمہ میں پندرہ دن سے کم قیام رہا، تو قربانی واجب نہیں ہوئی، نہ وطن میں اور نہ حرم میں۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۶] معلم الحجاج سے حج بدل کروانا

۱۷۷۸- سوال: (۱) ایک شخص کا انتقال ہوا، اس کے لڑکے اپنے باپ کی طرف سے مکہ سے کسی

---

(۱) التاسع نية المحجوج عنه عند الإحرام، وهي أن يقول بلسانه -وهو الأفضل-: أحرمت عن فلان أو لبيك عن فلان وإن شاء اكتفى بنية القلب. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط-الملا علي القاري مع حاشية إرشاد الساري- (م:۱۰۱۴ھ) ص:۶۲۲، باب الحج عن الغير، فصل في شرائط جواز الإحجاج، وهي عشرون، التاسع النية عن المحجوج عنه عند الإحرام، ت: محمد طلحة بلال أحمد منيار، ط: مكة المكرمة ☆ البحر الرائق: ۶۶/۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي)

ولأن الأداء عن نفسه لم يجب في وقت معين فالوقت كما يصلح لحجه عن نفسه يصلح لحجه عن غيره، فإذا عينه لحجه عن غيره وقع عنه. (بدائع الصنائع: ۲/ ۲۱۳، كتاب الحج، فصل نبات الحرم، ط: دار الكتب العلمية)

(۲) راجع للتخريج والتفصيل عنوان المسئلة: "دم جنایت کا حرم میں ادا کرنا ضروری ہے"۔

(۳)... فإن كان منفردا بالحج يحلق أو يقصر، والحلق أفضل... ولا ذبح عليه، وإن كان قارنا أو متمتعا يجب عليه أن يذبح ويحلق ويقدم الذبح على الحلق لقوله تعالى: ﴿ويذكروا اسم الله في أيام معلومات على ما رزقهم من بهيمة الأنعام فكلوا منها وأطعموا البائس الفقير﴾ [الحج:28] ﴿ثم ليقضوا تفثهم﴾ [الحج:29] رتب قضاء التفث، وهو الحلق على الذبح. وروي عن النبي -صلى الله عليه وسلم- أنه قال: أول نسكنا في يومنا هذا الرمي ثم الذبح ثم الحلق. وروي عنه -صلى الله عليه وسلم- أنه رمى ثم ذبح ثم دعا بالحلاق. (بدائع الصنائع: ۱۵۸/۲، كتاب الحج، فصل في بيان سنن الحج وبيان الترتيب، ط: دار الكتب العلمية ☆ المبسوط للسرخسي: ۶۴/۴، كتاب المناسك، باب رمي الجمار، ط: دار المعرفة-بيروت)

عالم یا معلم کے ذریعہ حج بدل کرائیں، تو اُس سے حج ادا ہوگا یا نہیں؟ یا یہیں [بھروچ، گجرات، انڈیا] سے کسی متقی عالم کو بھیجنا ضروری ہے؟

(۲) حج بدل کے لیے کون جا سکتا ہے؟ شریعت میں اُس کے لیے کیا شرائط ہیں؟ کیا حج بدل میں کوئی جائے، تو اُس پر حج فرض ہو جاتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

میت نے انتقال سے پہلے وصیت کی ہو کہ مجھ پر حج فرض ہے، اور میں اب تک ادا نہیں کر سکا ہوں، تہائی مال میں سے تم لوگ وطن سے حج کے لیے کسی کو بھیج دینا، تو وطن سے ہی بھیجنا ضروری ہے، مکہ مکرمہ سے کسی آدمی کو بھیجنے سے حج فرض ادا نہیں ہوگا، اگر ایسا کیا گیا، تو لڑکے گنہگار ہوں گے۔[۱] اگر وصیت نہیں کی ہے، تب بھی مستحب ہے کہ کوئی بالغ لڑکا یا دو تین لڑکے مل کر خرچ جمع کر کے کسی کو حج بدل کے لیے بھیج دیں۔[۲]

سوال میں جو صورت آپ نے لکھی ہے، وہ ٹھیک نہیں ہے، زبدۃ المناسک (جلد دوم صفحہ نمبر: ۱۵۴) میں لکھا ہے کہ معلم حضرات چند لوگوں سے رقم لے کر ایک حج کرتے ہیں، اور سب کو ثواب بخشتے ہیں، اُس سے حج فرض ادا نہیں ہوگا، اِس لیے بہتر یہی ہے کہ اپنے وطن سے ہی کسی عالم کو بھیج کر میت کی طرف سے حج فرض ادا کریں۔[۳]

---

(۱) (فإن فسر المال) أو المكان (فالأمر عليه) أي على ما فسره (وإلا فيحج) عنه (من بلده) قياسا لا استحسانا فليحفظ. فلو أحج الوصي عنه من غيره لم يصح (إن وفى به) أي بالحج من بلده (ثلثه) وإن لم يف فمن حيث يبلغ استحسانا. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۶۰۴-۶۰۸، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الفكر-بيروت)

وفي كل منهما لا يخلو إما إن أطلق الوصية أو عين المال والمكان فإن أوصى بأن يحج عنه، وأطلق، يحج عنه من ثلث ماله، لأنه بمنزلة التبرعات فإن بلغ ثلثه أن يحج عنه من بلده وجب الإحجاج من بلده، لأن الواجب عليه الحج من بلده الذي يسكنه. (البحر الرائق: ۳/ ۷۱، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۲) وإن لم يوص به فتبرع الوارث عنه بالإحجاج أو الحج بنفسه، قال أبو حنيفة يجزيه إن شاء الله تعالى ؛ لقوله - صلى الله عليه وسلم - للخثعمية أرأيت لو كان على أبيك دين، الحديث... انتهى. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۶۰۸، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ تبيين الحقائق: ۲/ ۸۵، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: المكتبة الكبرى الأميرية-بولاق)

(۳) وہاں کے معلمین کی معرفت حج نہ کرایا جائے؛ کیوں کہ ان پر بھروسہ نہیں ہوتا، وہ چند آدمیوں کی طرف سے روپیہ وصول کر کے کراتے ہیں، سنا گیا ہے کہ ایک شخص سے حج کرا کے، سب کو فقط ثواب بخش دیتے ہیں، واللہ اعلم، کہاں تک یہ سچ ہے، لہٰذا کسی معتمد، =

(۲) حج بدل میں ایسے آدمی کو بھیجنا چاہیے، جس نے اپنا حج فرض ادا کرلیا ہو، اگر کسی نے حج نہیں کیا ہے، اُس کو حج کے لیے بھیجا تو بھی حج ادا ہوجائے گا، مگر ایسے آدمی کو بھیجنا اچھا نہیں ہے، مکروہِ تنزیہی ہے۔ (۴)

البتہ اِمام شافعیؒ کے نزدیک ایسے آدمی کو حج بدل میں بھیجنا جائز نہیں ہے، جس نے حج فرض ادا نہیں کیا ہے، اُن کے نزدیک اِس صورت میں حج بالکل ادا ہی نہیں ہوگا؛ لہٰذا اختلافِ ائمہ سے بچتے ہوئے ایسے شخص کو-جس نے حج ادا نہیں کیا ہے-نہ بھیجا جائے۔ (۵) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= نیک صالح سے حج کرایا جائے، اور خرچہ کے لیے روپیہ وسعت سے مناسب دیے جائیں۔ (زبدۃ المناسک: ۲/ ۱۵۵-۱۵۴، دوسرے کی نیابت سے حج کرانے کی شرطیں، ط: الجمعیۃ پریس-دہلی)

(والأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسك) أي العامل بعلمه في تلك المسائل. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط-الملا علي القاري مع حاشية إرشاد الساري-(م: ۱۰۱۴هـ) ص: ۶۲۲، باب الحج عن الغير، جواز إحجاج المرأة والعبد والأمة، ت: محمد طلحة بلال أحمد منيار، ط: مكة المكرمة ☆ فتح القدير: ۳/ ۱۵۱، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الفكر-بيروت)

(۴) والأفضل للإنسان إذا أراد أن يحج رجلاً عن نفسه أن يحج رجلاً قد حج عن نفسه؛ لأنه أهدى إلى إقامة الأعمال، ولأنه أبعد عن الخلاف، فإن الذي لم يحج عن حجة الإسلام عن نفسه لم تجز حجته عن غيره عند بعض الناس، ومع هذا لو أحج رجلاً لم يحج عن نفسه حجة الإسلام يجوز عندنا، وسقط الحج عن الآمر؛ لأن النبي عليه السلام حين أمر الخثعمية، قال: الحج عن أبيها لم يستفسر أنها هل حجت عن نفسها أم لا؟. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني-أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۲/ ۴۷۸، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر: في الرجل يحج عن آخر، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆ الأصل المعروف بالمبسوط-أبو عبد الله محمد بن الحسن بن فرقد الشيباني (م: ۱۸۹هـ): ۲/ ۵۰۴، كتاب المناسك، باب الحج عن الميت وغيره، ت: أبو الوفا الأفغاني، ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية-كراتشي ☆ المبسوط-محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۴/ ۱۵۱، كتاب المناسك، باب الحج عن الميت وغيره، ط: دار المعرفة-بيروت ☆ تحفة الفقهاء-محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۴۰هـ): ۱/ ۴۲۹، كتاب المناسك، مسائل الأمر بالحج، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۶۴۹، كتاب الحج، الفصل الخامس عشر: في الحج عن الغير، ط: زكريا-ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۵۷، كتاب المناسك، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير، ط: دار الفكر ☆ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴هـ) ص: ۶۵۰، باب الحج عن الغير، ت: محمد طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة)

(۵) وقال الشافعي: لا يجوز حج الصرورة عن غيره، ويقع حجه عن نفسه، ويضمن النفقة. (بدائع الصنائع: ۲/ ۲۱۳، كتاب الحج، فصل نبات الحرم، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

[۳۷] والدین اور بیویوں اور اپنی جانب سے حج بدل کروانا

۱۷۷۹-سوال: میری عمر ۷۵ سال ہے، اور میری بیوی- جو بہ قید حیات ہے- کی عمر ۶۵ سال ہے، ہم دونوں تقریباً ۸، ۱۰ سال سے بیمار ہیں اور بغیر سہارے کے اٹھنا بیٹھنا بھی مشکل ہے، میری پہلی بیوی کا انتقال ہوگیا، اس سے ایک لڑکا اور دوسری بیوی سے تین لڑکے ہیں، ماشاءاللہ سبھی سرکاری ملازم اور خوش حال ہیں، میری صرف ایک لڑکی ہے، جس کی عمر ۳۸ر سال ہے اور وہ کنواری ہے، ہماری خدمت کرتی ہے۔

میرے والدین پر ان کی جائداد کے اعتبار سے حج فرض ہوگیا تھا؛ اس لیے کہ وہ ۱۵ر ایکڑ زمین کے مالک تھے؛ لیکن کسی وجہ سے حج نہیں کر سکے اور اس دنیا سے رخصت ہوگئے، اب میرے حالات سازگار ہوئے تو میں بھی اس قابل نہیں رہا کہ حج کے لیے خود جاسکوں؛ لہٰذا میں اپنی طرف سے، اپنی دونوں بیویوں کی طرف سے اور اپنے والدین کی طرف سے حج بدل کرانا چاہتا ہوں، اس کی کیا صورت ہوگی، شرعی اعتبار سے ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

آپ اپنی طرف سے، والدین اور دونوں بیویوں کی طرف سے حج بدل کرانا چاہتے ہیں، یہ مبارک سوچ ہے، حج بدل کرالیں، ان شاءاللہ ثواب سے نوازے جائیں گے۔[1]

---

(۱) عن جابر بن عبد الله، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حج عن أبيه وأمه، فقد قضى عنه حجته وكان له فضل عشر حجج. (سنن الدارقطني- أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود بن النعمان بن دينار البغدادي الدارقطني (م:۳۸۵ھ): ۳۰۰/۳، رقم الحديث: ۲۶۱۰، كتاب الحج، باب المواقيت، ت: شعيب الارنؤوط، وجماعة من العلماء، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت-لبنان)

عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حج عن والديه، أو قضى عنهما مغرما بعثه الله يوم القيامة مع الأبرار. (المعجم الأوسط-سليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللخمي الشامي، أبو القاسم الطبراني (م:۳۶۰ھ) :۱۱/۸، رقم الحديث: ۷۸۰۰، باب الميم، باب من اسمه محمود، ت: طارق بن عوض الله، عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني، ط: دار الحرمين - القاهرة ☆الترغيب في فضائل الأعمال وثواب ذلك- أبو حفص عمر بن أحمد بن عثمان، البغدادي المعروف بـ ابن شاهين (م:۳۸۵ھ) ص: ۹۴، رقم الحديث: ۳۰۳، باب مختصر من كتابي كتاب بر الوالدين وما فيه من الفضل والندب على ذلك، ت: محمد حسن محمد حسن إسماعيل، ط: دار الكتب العلمية، بيروت ☆سنن الدارقطني: ۲۹۹/۳، رقم الحديث: ۲۶۰۸، كتاب الحج، باب المواقيت) =

اگر آپ کسی کی مدد اور سہارے کے بغیر سفر نہیں کر سکتے، تو آپ کسی دوسرے کو حج بدل کے لیے بھیج سکتے ہیں، آپ کی والدہ اور دونوں بیویوں کا انتقال ہو گیا ہو یا دوسرے کے سہارے بغیر سفر نہ کر سکتے ہوں، تو ان کے حج بدل میں بھی دوسروں کو بھیج سکتے ہیں۔[۲]

البتہ اگر آپ کی والدہ اور دونوں بیویوں کے پاس اتنا مال نہیں تھا کہ ان پر حج فرض ہو جائے، تو حج بدل میں بھیجنا ضروری نہیں ہے، تاہم ہر مسلمان کی خواہش ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد اسے ثواب ملتا رہے؛ لہٰذا جن پر حج فرض نہیں تھا، ان کے لیے صدقہ جاریہ کے طور پر بہ قدر استطاعت چھوٹا مدرسہ، چھوٹی مسجد یا بورنگ یا کسی دار العلوم کا کوئی ضروری کام کرا دیں، یہ زیادہ بہتر رہے گا اور مرحوم کو اس کا ہمیشہ ثواب ملتا رہے گا۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= ومن مات وعليه فرض الحج ولم يوص به، لم يلزم الوارث أن يحج عنه، وإن أحب أن يحج عنه حج، وأرجو أن يجزيه إن شاء الله تعالى. (الفتاوى التاتارخانية: ٦٦٧/٣، كتاب الحج، الفصل السادس عشر في الوصية بالحج، ط: زكريا- ديوبند ☆ بدائع الصنائع: ٢٢١/٢، كتاب الحج، فصل بيان حكم فوات الحج عن العمرة، ط: دار الكتب العلمية ☆ الفتاوى الهندية: ٢٥٨/١، كتاب المناسك، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج، ط: دار الفكر- بيروت)

(٢) والنوع الثاني: شروط الأداء وهي التي إن وجدت بتمامها مع شروط الوجوب، وجب أداؤه بنفسه، وإن فقد بعضها مع تحقق شروط الوجوب، فلا يجب الأداء بل عليه الإحجاج أو الإيصاء عند الموت وهي خمسة: سلامة البدن، وأمن الطريق وعدم الحبس، والمحرم أو الزوج للمرأة وعدم العدة لها. (رد المحتار على الدر المختار: ٤٥٨/٢، كتاب الحج، ط: دار الفكر- بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ٢٥٨/١، كتاب المناسك الباب الأول في تفسير الحج، ط: دار الفكر- بيروت ☆ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط- الملا علي القاري (م: ١٠١٤هـ) ص: ٦١١، باب الحج عن الغير)

(٣) عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: "إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: إلا من صدقة جارية، أو علم ينتفع به، أو ولد صالح يدعو له". (الصحيح لمسلم: ٤١/١، رقم الحديث: ١٤-(١٦٣١)، كتاب الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، ط: ديوبند)

قال الرحمتي: والحق التفصيل، فما كانت الحاجة فيه أكثر والمنفعة فيه أشمل فهو الأفضل كما ورد "حجة أفضل من عشر غزوات" وورد عكسه، فيحمل على ما كان أنفع، فإذا كان أشجع وأنفع في الحرب، فجهاده أفضل من حجه، أو بالعكس فحجه أفضل، وكذا بناء الرباط إن كان محتاجا إليه كان أفضل من الصدقة وحج النفل، وإذا كان الفقير مضطرا أو من أهل الصلاح أو من آل بيت النبي - صلى الله عليه وسلم - فقد يكون إكرامه أفضل من حجات وعمر وبناء ربط. (رد المحتار على الدر المختار: ٦٢١/٢، كتاب الحج، فروع في الحج، مطلب في تفضيل الحج على الصدقة، ط: دار الفكر- بيروت)

[۳۸] حج بدل کے لیے زمین بیچنا

گذشتہ سے پیوستہ

۱۷۸۰- سوال: میری زمین وجائداد وافر مقدار میں ہے، البتہ اس [زمین] کے علاوہ نقد رقم کچھ نہیں ہے، مجھ پر حج فرض ہو چکا ہے، تو کیا میں اپنی زمین فروخت کر کے حج بدل کرواسکتا ہوں۔

الجواب حامداومصلیا:

جب آپ پر حج فرض ہو چکا ہے، اور ادائیگی نہیں کر سکے ہیں، اب رقم نہیں ہے، تو حج بدل کرانے کے لیے زمین جائداد اور ملکیت کا بیچنا ضروری ہے، ورنہ بڑے گنہ گار ہوں گے۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۹] حج بدل کرنے والے کے اہل وعیال کا نفقہ

گذشتہ سے پیوستہ

۱۷۸۱- سوال: حج بدل کے لیے جس شخص کو بھیجا جائے، اس کے سفر کے تمام اخراجات میرے ذمہ ہوں گے؛ لیکن اس کے لوٹ کر آنے تک اس کی سرپرستی میں رہنے والوں کے نان ونفقے کی ذمہ داری کس کی ہوگی؟

الجواب حامداومصلیا:

گھر کے لوگوں کی ذمہ داری بھیجنے والوں کی نہیں ہے؛ جس کو آپ بھیج رہے ہیں، اسی کے تمام اخراجات کی ذمے داری آپ پر ہے۔ [2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وإن كان له مسكن فاضل أو عبد أو متاع أو كتب أو ثياب أو أرض أو كرم أو حوانيت أو نحو ذلك مما لايحتاج إليها يجب بيعها إن كان به وفاء بالحج. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري(م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۶۰-۶۱، باب شرائط الحج، ت: محمد طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة)

(۲) (فصل في النفقة) أي حكم إنفاق الحاج المأمور، (المراد من النفقة: مايحتاج إليه من طعام و إدام) و منه اللحم (و شراب و ثياب في الطريق، ومركوب) أي بإجارة أو اشتراء (و ثوبي إحرام) أي إزار و رداء، (واستئجار منزل) أي يأوي إليه، (و محمل و قربة و إداوة) أي ظرف ماء و نحوه، (وسائر الآلات) أي مما لا يستغني عنها في الطريق.

(و كذا دهن السراج) ... (وما يغسل به ثيابه) أي من الصابون و الأشنان، و كذا ما يغسل به رأسه من نحو الخطمي و السدر... (و أجرة الحارس ... و الحلاق و دخول الحمام) أي أجرته... (كل ذلك بالمعروف) =

[۴۰] اگر حج کے ارکان کی ادائیگی سے قبل حج بدل کرنے والے کا انتقال ہوجائے؟

گذشتہ سے پیوستہ

۱۷۸۲- سوال: سفر حج شروع کرنے کے بعد حج کے ارکان کی ادائیگی سے قبل حج بدل کرنے والے کا انتقال ہوجائے تو حج ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

حج کے ارکان ادا کرنے سے پہلے حج بدل کرنے والے کا انتقال ہوجائے، تو حج بدل [حج فرض] ادا نہیں ہوگا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۱] حج بدل کرنے والے کا انتقال ہوجائے تو اس کے اہل وعیال کی ذمہ داری بھیجنے والے پر ہوگی؟

گذشتہ سے پیوستہ

۱۷۸۳- سوال: حج ادا کرنے کے بعد راستہ میں یا مدینہ یا مکہ مکرمہ میں حج بدل کرنے والے کا انتقال ہوجائے، تو اس کی زیر کفالت رہنے والوں کے نان نفقہ کا ذمہ دار کون ہوگا؟ نقد روپیے دینے ہوں گے، تو کتنے دینے ہوں گے، اور کب تک؟

=أي بالتوسط والاقتصاد من غير تبذير وتقتير. ......

(ولا يصرف الدنانير إلا لحاجة) أي ضرورة تدعو إلى ذلك... (ولا يدعو) أي المأمور (إلى طعامه) أي أحدا؛ إذ ليس له التبرع ولا التطوع، ولذا قال: (ولا يتصدق) أي من طعامه أو غيره على أحد من الفقراء (ولا يقرض) أي أحدا... (وإن وسع عليه الآمر) وهو الموصى أو الوصي (الأمر) أي أمر المصروف (فله أن يفعل ذلك). [المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۶۴۳-۶۴۴، باب الحج عن الغير، فصل في نفقة المأمور بالحج، ت: محمد طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة☆فتح القدير: ۱۴۸/۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الفكر-بيروت]

(۱) قال- رحمه الله- (فإن مات في طريقه يحج عنه من منزله بثلث ما بقي)ـــــــــ ومعنى المسألة أنه إذا أوصى شخص بأن يحج عنه فأحجوا عنه فمات الحاج في طريق الحج يحج عنه من منزله بثلث ما بقي من ماله... وهذا عند أبي حنيفة وقالا: يحج عنه من حيث مات الأول. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق- عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳ھ): ۸۷/۲، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق☆ البحر الرائق: ۷۱/۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي)

الجواب حامداو مصلیا:

ہر آدمی کی موت اس کے وقت پر آنے والی ہے؛ لہٰذا کسی کا سفر حج میں انتقال ہو جائے، تو اس کی وجہ سے بھیجنے والا اس کے اہل وعیال کے خرچ کا ضامن نہیں ہوگا، اور خرچ دینا فرض نہیں ہوگا۔[1] البتہ کوئی آدمی مدد کرے اور فی سبیل اللہ یتیموں کی ذمہ داری لے لے، تو بڑے ثواب کا کام ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴۲] حج بدل کرنے والے کا گناہ اسی کے ذمہ ہوگا

گذشتہ سے پیوستہ

۱۷۸۴- سوال: ایک شخص قابل اعتماد ہے، اس لیے اسے حج بدل کے لیے روانہ کیا گیا؛ لیکن وہ کوئی گناہ کرے یا سونا چاندی خرید لائے یا حکومت کی جانب سے منع کی گئی اشیاء خرید لائے، تو وبال کس کے سر ہوگا؟

الجواب حامداو مصلیا:

حج بدل کرانے والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ نیک، صالح، مسائل حج سے واقف ایسے شخص کو بھیجے، جس نے اپنا حج کر لیا ہو۔[3]

---

(۱) ''حج بدل کرنے والے کے اہل وعیال کا نفقہ'' کا حاشیہ ملاحظہ کریں۔

(۲) عن سهل بن سعد، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أنا وكافل اليتيم في الجنة هكذا، وقال بإصبعيه السبابة والوسطى. (صحيح البخاري: ۸۸۸/۲، رقم الحديث: ۶۰۰۵، كتاب الأدب، باب فضل من يعول يتيما، ط: ديوبند)

عن ابن عباس، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من قبض يتيما من بين المسلمين إلى طعامه وشرابه أدخله الله الجنة البتة إلا أن يعمل ذنبا لا يغفر له. (سنن الترمذي: ۱۳/۲، رقم الحديث: ۱۹۱۷، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في رحمة اليتيم وكفالته، ط: ديوبند)

(۳) والأولى أن يحج رجلا عالما بالمناسك قد حج عن نفسه وهو حر؛ لأنه أبعد عن الخلاف، وأقدر على المناسك من السعي والهرولة وكشف الرأس والحلق. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق- عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ): ۸۸/۲، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، فصل: المأمور بالحج، ط: المطبعة الكبرى الأميرية- بولاق

☆المبسوط للسرخسي: ۱۵۱/۴، كتاب المناسك، باب الحج عن الميت وغيره، أوصى رجل أن يحج عنه، ط: دار المعرفة- بيروت

☆المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴هـ) ص: ۶۴۰، باب الحج عن الغير، جواز إحجاج المرأة والعبد والأمة، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة)

جس شخص کو حج کے لیے بھیجا گیا، وہ حرم شریف میں گناہ کا ارتکاب کرے، یا حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کرے، تو بھیجنے والا گنہ گار نہیں ہوگا اور گرفت میں آنے کی صورت میں جرمانہ ادا کرنے کی ذمہ داری بھی بھیجنے والے پر نہیں ہوگی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ﴿۳۸﴾ وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ﴿۳۹﴾ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ﴿۴۰﴾. (۵۳-النجم: ۳۸-۴۰)

معنى الآية: أنه لا تحمل نفس حمل نفس أخرى، أي لا تؤخذ نفس بإثم غيرها. (اللباب في علوم الكتاب-أبو حفص سراج الدين عمر بن علي بن عادل الحنبلي الدمشقي النعماني (م: ۷۷۵ھ): ۱۸/ ۲۰۲، سورة النجم، ت: عادل أحمد عبد الموجود و علي محمد معوض، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ التفسير المظهري - المظهري، محمد ثناء الله (م: ۱۲۲۵ھ): ۹/ ۱۲۵، سورة النجم، ت: غلام نبي التونسي، ط: مكتبة الرشدية - الباكستان)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ. (۵-المائدۃ:۹۵)

باب الجناية

[جنایت کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب الجناية

[جنایت کا بیان]

[۱] جنایت: مفہوم واقسام

۱۷۸۵- سوال: میرا حج کا ارادہ ہے، سنا ہے کہ حج میں جنایت کرنے سے دم واجب ہوجاتا ہے؛ بل کہ بسا اوقات حج بھی فاسد ہوجاتا ہے؛ لہٰذا حضرت والا سے درخواست ہے کہ: میرے درج ذیل سوالات کے تفصیلی جوابات مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں! سوال یہ ہے:

''جنایت'' کسے کہتے ہیں؟ اس کی کتنی قسمیں ہیں؟ احرام کی جنایات کتنی ہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

حرم میں یا احرام کی حالت میں، جن امور سے منع کیا گیا ہے، ان کے ارتکاب کو ''جنایت'' کہا جاتا ہے۔(۱) جنایت کی دو قسمیں ہیں: (۱) جنایت احرام: یعنی جو امور احرام کی حالت میں

(۱) الجناية في اللغة الذنب والجرم، وهو في الأصل مصدر جنى، ثم أريد به اسم المفعول، قال الجرجاني: الجناية كل فعل محظور يتضمن ضررا على النفس أو غيرها، ... والجناية... أطلقها بعض الفقهاء على كل فعل ثبتت حرمته بسبب الإحرام أو الحرم. فقالوا: جنايات الإحرام، والمراد بها كل فعل ليس للمحرم أو الحاج أن يفعله وعبر عنها جمهور الفقهاء بممنوعات الإحرام أو محظوراته، أو محرمات الإحرام، والحرم. (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۱۶/۵۹، مادة: ''جناية''، ط: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية- الكويت)

ممنوع ہیں، ان کے خلاف کرنا۔(۲) جنایت حج: یعنی حج کے جو واجبات ہیں، ان کو ترک کر دینا یا ان کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا۔

احرام کی جنایت آٹھ ہیں: (۱) مردوں کا سلے ہوئے کپڑے پہننا۔(۲) مردوں کا سر اور چہرہ ڈھانکنا۔(۳) خوش بو لگانا۔(۴) بدن کے کسی بھی عضو کے بال دور کرنا۔(۵) ناخن تراشنا۔(۶) بدن کی جوں مارنا یا اس کو بدن سے علاحدہ کرنا۔(۷) جماع کرنا، یا شہوت کے ساتھ بوسہ دینا، یا شہوت سے عورت کو پکڑ کر دبانا۔(۸) خشکی کے جانور کا شکار کرنا۔[۲]

حج کی مبارک اور مقبولیت کے اوقات میں احقر کو بھی یاد فرمائیں۔فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۲) اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰاُولِي الْاَلْبَابِ. (۲-البقرۃ:۱۹۷)

عن ابن عمر، قال: "الرفث: الجماع، والفسوق: ما أصيب من معاصي الله من صيد وغيره، والجدال: السباب والمنازعة. (المستدرك على الصحيحين-أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله بن محمد بن حمدويه بن نعيم بن الحكم الضبي الطهماني النيسابوري المعروف بابن البيع (م:۴۰۵ھ): ۲/ ۳۰۳، رقم الحديث:۳۰۹۴، كتاب التفسير، من سورة البقرة، ت: مصطفى عبد القادر عطا، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

الجناية: هنا ما تكون حرمته بسبب الإحرام أو الحرم، وقد يجب بها دمان أو دم أو صوم أو صدقة. (الدر المختار)

(قوله بسبب الإحرام أو الحرم) حاصل الأول سبعة نظمها الشيخ قطب الدين بقوله:

محرم الإحرام يا من يدري		إزالة الشعر وقص الظفر
واللبس والوطء مع الدواعي		والطيب والدهن وصيد البر

زاد في البحر ثامنا وهو ترك واجب من واجبات الحج. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۴۳، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج، ط: دار الفكر)

فليتق الرفث والفسوق والجدال، ولا يلبس قميصا ولا سراويل، ولا عمامة، ولا قلنسوة، ولا قباء، ولا خفين، ولا يحلق شيئا من شعر رأسه وجسده ولا يلبس ثوبا معصفرا ونحوه، ولا يغطي رأسه ولا وجهه، ولا يتطيب، ولا يغسل رأسه ولا لحيته بالخطمي، ولا يدهن، ولا يقتل صيد البر، ولا يشير إليه، ولا يدل عليه... ولا يكسر بيض الصيد، ولا يقطع شجر الحرم. (المختار مع تعليل الاختيار - عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م:۶۸۳ھ): ۱/ ۱۴۵، كتاب الحج، فصل ما يستحب فعله لمن أراد أن يحرم، ت: الشيخ محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة ☆غنية الناسك في بغية المناسك- محمد حسن شاه المهاجر المكي، ص:۱۰۸- ۱۱۳، كتاب الحج، فصل في محرمات الإحرام ومحظوراته، ط: مکتبہ یادگار شیخ -سہارن پور☆كنز الدقائق مع البحر الرائق: ۲/ ۵۶۵، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: زكريا-ديوبند☆مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: ۱/ ۳۹۷-۳۹۸، كتاب الحج، ط: مكتبة فقيه الامة-ديوبند)

[۲] طواف وداع صرف آفاقی پر لازم ہے

۱۷۸۶-سوال: ہم دو بھائی جدہ میں کام کرتے ہیں، حج میں ہم نے طواف وداع نہیں کیا، اور احرام کھول کر سیدھے جدہ چلے گئے، پھر پتہ چلنے پر واپس احرام باندھے بغیر ہی طواف وداع کیا، تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ کیا اس کی وجہ سے دم واجب ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

طواف وداع اس حاجی پر واجب ہے، جو آفاقی ہو، یعنی میقات سے باہر کا رہنے والا ہو۔ جو حجاج کرام حرم کی حدود میں رہتے ہیں، یا حل میں؛ میقات سے اندر رہتے ہیں، ان پر طواف وداع واجب نہیں ہے؛ لہٰذا آپ چوں کہ جدہ میں رہتے ہیں اور جدہ میقات سے اندر کا حصہ ہے، اس لیے آپ کے ذمہ طواف وداع واجب نہیں ہے، اس لیے صورت مسئولہ میں کوئی دم لازم نہ ہوگا۔ (1) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] چند اصطلاحی الفاظ کی وضاحت

۱۷۸۷-سوال: حضرت مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

---

(۱) وأما شرائطه [طواف الصدر] فبعضها شرائط الوجوب، وبعضها شرائط الجواز.

أما شرائط الوجوب فمنها أن يكون من أهل الآفاق فليس على أهل مكة، ولا من كان منزله داخل المواقيت إلى مكة طواف الصدر إذا حجوا؛ لأن هذا الطواف إنما وجب توديعا للبيت، ولهذا يسمى طواف الوداع، ويسمى طواف الصدر لوجوده عند صدور الحجاج ورجوعهم إلى وطنهم، وهذا لا يوجد في أهل مكة؛ لأنهم في وطنهم، وأهل داخل المواقيت في حكم أهل مكة، فلا يجب عليهم كما لا يجب على أهل مكة، وقال أبو يوسف أحب إلي أن يطوف المكي طواف الصدر؛ لأنه وضع لختم أفعال الحج، وهذا المعنى يوجد في أهل مكة. (بدائع الصنائع: ۱۴۲/۲، كتاب الحج، فصل شرائط وجوب طواف الصدر، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆تحفة الفقهاء- محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۴۰هـ): ۴۱۰/۱، كتاب المناسك، باب الإحرام، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆ المبسوط-محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۳۵/۴، كتاب المناسك، باب الطواف، ط: دار المعرفة - بيروت ☆حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح- أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱هـ)، ص: ۷۳۲، كتاب الحج، فصل في كيفية ترتيب أفعال الحج، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية - بيروت☆ فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ۲۹۸/۱، كتاب الحج، الواجبات التي يجب بها الدم، ط: زكريا- ديوبند)

سلام مسنون کے بعد۔

سفر حج کے دوران درج ذیل الفاظ سننے میں آئے، جن کا معنی اور مطلب مجھے معلوم نہیں ہے، آپ سے درخواست ہے کہ اس کی وضاحت فرما کر میری راحت کا سامان مہیا فرمائیں۔ الفاظ یہ ہیں: (۱) دم، (۲) بدنہ اور (۳) صدقہ۔

الجواب حامداومصلیا:

آپ نے بڑی اہم بات پوچھی ہے، یہ حج کے اصطلاحی الفاظ ہیں، جن سے واقف ہونا بے حد ضروری ہے۔

دم: سے مراد بکرا، دنبہ اور مینڈھے کو ذبح کرنا ہے، یا بڑے جانور: گائے، بھینس وغیرہ میں سے ساتواں حصہ قربان کرنا ہے، اس جانور میں ان تمام شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، جو قربانی کے جانور میں ضروری ہے۔[۱]

بدنہ: اس لفظ سے مراد بڑا جانور: گائے، بھینس اور اونٹ ہے۔ جہاں بدنہ واجب ہوتا ہے، وہاں اس کے کل حصہ کا قربان کرنا واجب ہوتا ہے، ساتواں حصہ کافی نہیں ہوتا۔ بدنہ صرف دو مقام پر واجب ہوتا ہے۔ (۱) حیض، نفاس یا جنابت کی حالت میں طواف زیارت کرنے میں۔ (۲) وقوف عرفہ کے بعد حلق سے پہلے عورت سے جماع کر لینے میں۔[۲]

---

(۱) الدم بالتخفيف، هو ذلك السائل الأحمر الذي يجري في عروق الحيوانات، وعليه تقوم الحياة.

واستعمله الفقهاء بهذا المعنى، وكذلك عبروا به عن القصاص والهدي في قولهم: مستحق الدم (يعني ولي القصاص) وقولهم: يلزمه دم. كما أطلقوه على ماتراه المرأة في الحيض، والاستحاضة، والنفاس أيضا. (الموسوعة الفقهية الكويتية: ۲۵/۲۱، مادة: "الدم"، ط: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية-الكويت)

(۲) "ولا يجوز في الهدايا إلا ما جاز في الضحايا" لأنه قربة تعلقت بإراقة الدم كالأضحية فيتخصصان بمحل واحد " والشاة جائزة في كل شيء إلا في موضعين: من طاف طواف الزيارة جنبا، ومن جامع بعد الوقوف بعرفة، فإنه لا يجوز فيهما إلا البدنة ". (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م:۵۹۳ھ): ۱۸۱/۱، كتاب الحج، باب الهدي، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۲۶۱/۱، كتاب المناسك، الباب السادس عشر في الهدي، ط: دار الفكر ☆ غنية الناسك، ص: ۳۰۹، باب الجنايات، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

(البدن) جمع بدنة (من الإبل والبقر) والهدى منهما ومن الغنم. (درر الحكام شرح غرر الأحكام-محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا-أو منلا أو المولى-خسرو (م:۸۸۵ھ): ۲۳۳/۱، كتاب الحج، باب المواقيت، قبيل: باب القران والتمتع، ط: دار إحياء الكتب العربية ☆ الدر المختار مع رد المحتار: ۵۲۸/۲، كتاب الحج، قبيل: باب القران، ط: دار الفكر)

صدقہ: حج کے مسائل بیان کرنے کے دوران جہاں بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے، وہاں پر عام طور پر صدقۂ فطر کے بہ قدر گیہوں یا اس کی قیمت صدقہ کرنا مراد ہوتا ہے۔ البتہ بعض دفعہ صدقہ میں ایک مشت گیہوں یا روٹی کا ٹکڑا یا پنیر دینا بھی کافی ہوتا ہے، جیسے: جوں اور ٹڈی کے مارنے میں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] کامل وناقص جنایت کی مراد اور اس کی جزاء

۱۷۸۸- سوال: کامل جنایت اور ناقص جنایت کسے کہتے ہیں، ان کے ارتکاب کی صورت میں جزاء کے طور پر کیا شئے واجب ہوتی ہے؟

الجواب حامدا ومصلیا:

بدن کے کسی بڑے عضو: سر، ڈاڑھی، ہتھیلی یا ران وغیرہ پر یا پورے بدن پر بلا عذر خوش بو لگانا، خواہ خوش بو تھوڑی ہی دیر کے لیے لگائی جائے، یہ تمام صورتیں کامل جنایت کہلاتی ہیں، اس میں دم واجب ہوتا ہے۔[2]

---

(۱) "وكل صدقة في الإحرام غير مقدرة فهي نصف صاع من بر إلا ما يجب بقتل القملة والجرادة" هكذا روي عن أبي يوسف رحمه الله. (الهداية في شرح بداية المبتدي: ۱/۱۵۷، كتاب الحج، باب الجنايات، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت ☆ غنية الناسك، ص: ۳۰۹، باب الجنايات، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

(۲) "وإذا تطيب المحرم فعليه الكفارة فإن طيب عضوا كاملا فما زاد فعليه دم" وذلك مثل الرأس والساق والفخذ وما اشبه ذلك لأن الجناية تتكامل بتكامل الارتفاق وذلك في العضو الكامل فيترتب عليه كمال الموجب " وإن طيب أقل من عضو فعليه الصدقة " لقصور الجناية. (الهداية في شرح بداية المبتدي: ۱/۵۷-۱۵۶، كتاب الحج، باب الجنايات، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت ☆)

(اعلم) بأن المحرم ممنوع من استعمال الدهن والطيب لقوله - صلى الله عليه وسلم - الحاج، الشعث التفل، وقال: يأتون شعثا غبرا من كل فج عميق. واستعمال الدهن والطيب يزيل هذا الوصف وما يكون صفة العبادة يكره إزالته إلا أن في ظاهر الرواية قال: إن استعمل الطيب في عضو كامل يلزمه الدم، وقد فسره هشام عن محمد - رحمهما الله تعالى - قال: كالفخذ والساق ونحوهما.

وإن استعمله فيما دون ذلك فعليه الصدقة وعلى قول محمد - رحمه الله تعالى - بحصته من الدم. وقال الشعبي - رحمه الله تعالى -: القليل والكثير من الطيب سواء في وجوب الدم به؛ لأن رائحة الطيب توجد منه سواء استعمل القليل أو الكثير، ولكنا نقول: الجزاء إنما يجب بحسب الجناية، وإنما تتكامل الجناية بما هو مقصود من قضاء التفث، والمعتاد استعمال الطيب في عضو كامل فتم به جنايته وفيما دون ذلك في جنايته نقصان فيكفيها نقصان الصدقة. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۴/۱۲۲، كتاب المناسك، باب الدهن والطيب، ط: دار المعرفة - بيروت)

اور کسی چھوٹے عضو، مثلاً: کان، آنکھ، مونچھ یا انگلی وغیرہ پر یا بڑے عضو کے تھوڑے سے حصے پر بلا عذر خوش بو لگائی، تو یہ جنایت ناقص کہلائے گی، اس میں صدقۂ فطر کے بہ قدر صدقہ ادا کرنا واجب ہے، اور اگر عذر ولاچاری میں یہ جنایت کی ہے، تو اس کو اختیار ہے کہ صدقۂ فطر کے بہ قدر صدقہ ادا کرے، یا تین روزے رکھے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] حجر اسود پر خوش بو لگی ہو تو بوسہ دینا جائز نہیں

۱۷۸۹- سوال: حجر اسود کے اوپر خوش بو لگی ہو، اس کا بوسہ لیتے وقت قوی اندیشہ ہے کہ منہ یا ہاتھ پر لگ جائے گی، تو کیا اس صورت حال میں بوسہ دینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حجر اسود کے اوپر اگر خوش بو لگی ہوئی ہو، تو محرم کو اس کا بوسہ دینا جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر محرم نے اس حال میں بوسہ دے دیا اور خوش بو اس کے منہ اور ہاتھ پر لگ گئی، تو اگر خوش بو زیادہ لگی ہے، تو دم واجب ہوگا اور اگر تھوڑی لگی ہو، تو صدقہ واجب ہوگا۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وكذا قال ابن الكمال: إن المراد الاحتراز عن العضو الصغير مثل الأنف والأذن لما عرفت أن من اعتبر في حد الكثرة العضو الكامل قيده بالكبير اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۴۵/۲، كتاب الجنايات في الحج، ط: دار الفكر)

(وإن طيب أو حلق) أو لبس (بعذر) خير إن شاء (ذبح) في الحرم (أو تصدق بثلاثة أصوع طعام على ستة مساكين) أين شاء (أو صام ثلاثة أيام) ولو متفرقة. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله بعذر) قيد للثلاثة وليست الثلاثة قيدا، فإن جميع محظورات الإحرام إذا كان بعذر ففيه الخيارات الثلاثة كما في المحيط قهستاني، وأما ترك شيء من الواجبات بعذر فإنه لا شيء فيه على ما مر أول الباب عن اللباب، وفيه: ومن الأعذار الحمى والبرد والجرح والقرح والصدع والشقيقة والقمل، ولا يشترط دوام العلة ولا أداؤها إلى التلف بل وجودها مع تعب ومشقة يبيح ذلك، وأما الخطأ والنسيان والإغماء والإكراه والنوم وعدم القدرة على الكفارة فليست بأعذار في حق التخيير، ولو ارتكب المحظور بغير عذر فواجبه الدم عينا، أو الصدقة فلا يجوز عن الدم طعام ولا صيام، ولا عن الصدقة صيام؛ فإن تعذر عليه ذلك بقي في ذمته. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۵۷/۲، كتاب الجنايات في الحج)

(۲) وإذا استلم الركن فأصاب فمه أو يده خلوف كثير فعليه دم وإن كان قليلا فعليه طعام. (الأصل المعروف بالمبسوط - أبو عبد الله محمد بن الحسن بن فرقد الشيباني (م: ۱۸۹هـ): ۴۷۸/۲، كتاب المناسك، باب الدهن والطيب، ت: أبو الوفا الأفغاني، ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية - كراتشي)

وإن استلم الركن فأصاب فمه أو يده خلوق كثير فعليه دم، وإن كان قليلا فعليه صدقة إذ لا فرق بين أن يكون =

[۶] کھانے میں خوش بو استعمال کرنا

۱۷۹۰- سوال: کھانے میں خوش بو استعمال کرنے کی کیا تفصیل ہے، اور اس میں کون سی جزاء واجب ہوتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے سوال کا جواب بڑا تفصیل طلب ہے، اختصار کے ساتھ جواب یہ ہے کہ: خوش بو کو اگر کھانے میں ملا کر پکا دیا گیا ہو، تو اس میں کوئی جزاء واجب نہیں ہوگی، اگرچہ خوش بو کافی مقدار میں ہو اور کھانے سے خوش بو پھوٹ رہی ہو۔

کھانا پکا لینے کے بعد اگر خوش بو کسی چیز، مثلاً: چائے یا ترکاری میں ڈالی جائے، تو بھی اس سے کچھ واجب نہ ہوگا، البتہ اگر اس صورت میں لونگ، الائچی اور گرم مصالحہ وغیرہ کی خوش بو کھانے کے اندر سے پھوٹ رہی ہو، تو پھر کھانا مکروہ ہے۔

اگر خوش بو ملا کر کھانا پکایا نہیں گیا ہے تو اگر زیادہ مقدار میں کھایا اور خوش بو اس میں غالب ہے تو دم واجب ہوگا اور اگر کم کھایا، تو صدقہ واجب ہوگا، خواہ اس میں سے خوش بو نہ آتی ہو۔ چٹنی، اچار وغیرہ میں خوش بو پکائے بہ غیر ملائی جاتی ہے؛ لہٰذا اگر اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے چند دفعہ کھایا تو دم واجب ہوگا۔

ایسے کھانے میں جو پکایا نہیں گیا ہے، اس میں خوش بو ملائی گئی اور وہ خوش بو کھانے کے مقابلے میں کم ہے یعنی کھانے کی چیز مقدار میں غالب اور خوش بو مغلوب ہے، تو کوئی چیز واجب نہ ہوگی، تاہم اس کا کھانا مکروہ ہے۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=الخلوق التزق به من الركن أو من موضع آخر. (المبسوط-محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م:۴۸۳ھ): ۴/۱۲۴، كتاب المناسك، باب الدهن و الطيب، قبيل: اكتحال المحرم، ط: دار المعرفة-بيروت☆درر الحكام شرح غرر الأحكام-محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا- أو منلا أو المولى -خسرو (م:۸۸۵ھ): ۱/۲۳۹، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج، ط: دار إحياء الكتب العربية☆ البحر الرائق-ابن نجيم المصري(م:۹۷۰ھ): ۳/۵، كتاب الحج، باب الجنايات، ط: زكريا - ديوبند ☆ غنية الناسك في بغية المناسك، ص: ۳۱۳، الفصل الأول في الطيب، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور☆ بدائع الصنائع: ۲/۱۹۱، كتاب الحج، محظورات الإحرام، فصل تطيب المحرم، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۱) وإن استعمل في مأكول أو شقاق رجل لا يعطى له حكم الطيب كالشحم، ولو كان الطيب في طعام طبخ وتغير،=

[۷] پان میں خوش بودار تمبا کو کھانا

۱۷۹۱- سوال: میں حج کرنے کے لیے جارہا ہوں، مجھے پان کھانے کی عادت ہے، پان میں خوش بووالا تمبا کو بھی کھاتا ہوں، اب آپ سے معلوم یہ کرنا ہے کہ: کیا احرام کی حالت میں خوش والا تمبا کو ڈال کر پان کھاسکتا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پان میں خوش بووالا تمبا کو اور الائچی وغیرہ کھانا مکروہ ہے، فقہ کے بعض الفاظ کے بہ موجب اس سے دم بھی واجب ہوتا ہے، لہٰذا اس میں احتیاط کی سخت ضرورت ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= فلا شيء على المحرم في أكله، سواء كان يوجد ريحه أو لا؛ لأن الطيب صار مستهلكا في الطعام بالطبخ، وإن كان لم يطبخ يكره إذا كان ريحه يوجد منه ولا شيء عليه؛ لأن الطعام غالب عليه، فكان الطيب مغمورا مستهلكا فيه، وإن أكل عين الطيب غير مخلوط بالطعام فعليه الدم إذا كان كثيرا. (بدائع الصنائع: ۱۹۱/۲، كتاب الحج، محظورات الإحرام، فصل تطيب المحرم، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

ولو جعله في طعام قد طبخ فلا شيء فيه وإن لم يطبخ وكان مغلوبا كره أكله كشم طيب وتفاح. (الدر المختار: ۵۴۶/۲)

قال ابن عابدين: اعلم أن خلط الطيب بغيره على وجوه لأنه إما أن يخلط بطعام مطبوخ أو لا، ففي الأول لا حكم للطيب سواء كان غالبا أم مغلوبا، وفي الثاني الحكم للغلبة، إن غلب الطيب وجب الدم، وإن لم تظهر رائحته كما في الفتح، وإلا فلا شيء عليه غير أنه إذا وجدت معه الرائحة كره، وإن خلط بمشروب فالحكم فيه للطيب سواء غلب غيره أم لا، غير أنه في غلبة الطيب يجب الدم، وفي غلبة الغير تجب الصدقة إلا أن يشرب مرارا فيجب الدم. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۴۷/۲، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۲۴۱/۱، كتاب المناسك، الباب الثامن في الجنايات، ط: دار الفكر-بيروت ☆ الفتاوى التاتارخانية- فريد الدين عالم بن العلاء (م: ۷۸۶هـ): ۵۹۱/۳، كتاب الحج، نوع منه في الدهن والتطيب والخضاب، ط: زكريا- ديوبند☆ غنية الناسك في بغية المناسك، ص: ۳۱۷-۳۱۸، باب الجنايات، مطلب في أكل الطيب وشربه، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

(۱) الطيب كل شيء له رائحة مستلذة ويعده العقلاء طيبا كذا في السراج الوهاج... ولو كان الطيب في طعام طبخ وتغير فلا شيء على المحرم في أكله، سواء كان توجد رائحته أو لا، كذا في البدائع. وإن خلطه بما يؤكل بلا طبخ فإن كان مغلوبا فلا شيء عليه، غير أنه إن وجدت معه الرائحة كره، وإن كان غالبا وجب الجزاء ولو خلطه بما يشرب فإن كان غالبا فدم، وإلا فصدقة إلا أن يشرب مرارا فيجب دم، هكذا في النهر الفائق. (الفتاوى الهندية: ۲۴۰/۱-۲۴۱، كتاب المناسك، الباب الثامن في الجنايات، ط: دار الفكر ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۵۴۷/۲، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى التاتارخانية- فريد الدين عالم بن العلاء (م: ۷۸۶هـ): ۵۹۱/۳، كتاب الحج، نوع منه في الدهن والتطيب والخضاب، ط: زكريا- ديوبند ☆ غنية الناسك في بغية المناسك، ص: ۳۱۷-۳۱۸، باب الجنايات، مطلب في أكل الطيب وشربه، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

[۸] غربت کی وجہ سے دم ساقط نہیں ہوتا ہے

۱۷۹۲- سوال: ایک شخص پر کسی جنایت کی وجہ سے دم واجب ہوا؛ لیکن اس کے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ وہ اسے ادا کر سکے، تو کیا معافی کی کوئی شکل ہے؟ براہ کرم جلدی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نادار و مفلس شخص، جس کے اندر دم ادا کرنے کی استطاعت نہیں ہے، اس سے دم ساقط نہ ہوگا۔(۱) جب بھی اس کو مال میسر ہو، وہ دم ادا کرے، یہ حکم اس وقت ہے جب اس نے بلا عذر جنایت کی ہو۔ عذر سے اگر کوئی جنایت کی ہو، تو اس میں تین امور: دم، روزہ اور صدقہ میں سے کوئی ایک کر لے گا، تو واجب ادا ہو جائے گا۔(۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] دم کا حدودِ حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے

۱۷۹۳- سوال: مجھ پر کسی جنایت کی وجہ سے دم واجب ہے؛ لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ وطن واپس جا کر دم ادا کروں، تو کیا یہ جائز ہے؟ دوسری بات یہ معلوم کرنا ہے کہ دم کا گوشت کن کو دیا جائے، کیا جانی [جنایت کرنے والا] کا خود کھانا اور دیگر اہل و عیال اور مال دار کو کھلانا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن صورتوں میں دم واجب ہے، اس کو حرم کی حدود میں ذبح کرنا ضروری ہے، حرم سے باہر ذبح کرنا

---

(۱) ولو ارتكب المحظور بغير عذر فواجبه الدم عينا، أو الصدقة فلا يجوز عن الدم طعام ولا صيام، ولا عن الصدقة صيام؛ فإن تعذر عليه ذلك بقي في ذمته. اهـ. ـــــــ وما في الظهيرية من أنه إن عجز عن الدم صام ثلاثة أيام ضعيف كما في البحر. (الفتاوى الهندية: ۲۵۷/۲، كتاب الحج، باب الجنايات، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) "وإن تطيب أو لبس مخيطا أو حلق من عذر فهو مخير إن شاء ذبح شاة وإن شاء تصدق على ستة مساكين بثلاثة أصوع من الطعام وإن شاء صام ثلاثة أيام" لقوله تعالى: ﴿فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾ [البقرة:۱۹۶] وكلمة أو للتخيير، وقد فسرها رسول الله عليه الصلاة والسلام بما ذكرنا، والآية نزلت في المعذور. (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱۵۹/۱، كتاب الحج، باب الجنايات، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۵۴۳/۲، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲۲/۳، كتاب الحج، باب الجنايات، ط: زكريا - ديوبند)

جائز نہیں ہے۔[1] دم کا گوشت فقراء کو صدقہ کرنا ضروری ہے، خود کھانا یا مال دار کو کھلانا جائز نہیں ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] احرام کی حالت میں خوش بو والے مشروبات کا استعمال

۱۷۹۴- سوال: حضرت مفتی صاحب! مدفیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

احرام کی حالت میں روح افزا کا شربت، سوڈا، لیمن وغیرہ پی سکتے ہیں یا نہیں؟ میں حج کے لیے جا رہا ہوں اور گرمی شدید ہے، ذرا تفصیل سے تحریر فرمادیں کہ کن کن مشروبات کا پینا محرم کے لیے جائز ہے اور کن کا نہیں؟

---

(۱) يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ ۗ عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ ۚ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ. (۵-المائدۃ:۹۵)

عن جابر، قال: ثم قال النبي صلى الله عليه وسلم: قد نحرت ها هنا ومنى كلها منحر، ووقف بعرفة فقال: قد وقفت ها هنا وعرفة كلها موقف، ووقف بالمزدلفة فقال: قد وقفت ها هنا ومزدلفة كلها موقف. (سنن أبي داود: ۱/۲۶۶، رقم الحديث: ۱۹۰۷، كتاب المناسك، باب صفة حجة النبي صلى الله عليه وسلم، ط: ديوبند)

قال "ولا يجوز ذبح الهدايا إلا في الحرم" لقوله تعالى في جزاء الصيد: {هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ} [المائدة:۹۵] فصار أصلا في كل دم هو كفارة ولأن الهدي اسم لما يهدى إلى مكان ومكانه الحرم قال عليه الصلاة والسلام "منى كلها منحر وفجاج مكة كلها منحر". (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/۱۸۱، كتاب الحج، باب الهدي، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت☆ البحر الرائق- ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۳/۱۲۸، كتاب الحج، باب الهدي، ط: زكريا- ديوبند☆ غنية الناسك في بغية المناسك، ص: ۳۳۸، فصل في شرائط كفاراتها الثلاث، مطلب في شرائط جواز الدم، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

(۲) (ويأكل) استحبابا (من هدي التطوع) إذا بلغ محله (والمتعة والقران) ... (لا) يأكل (من غيرها)؛ لأنها دماء كفارات... (وخص ذبح هدي المتعة والقران بأيام النحر دون غيرهما) أي يجوز ذبح بقية الهدايا في أي وقت شاء... (و) خص (الكل بالحرم)... (ويجوز أن يتصدق به) أي الهدي (على فقير الحرم وغيره) من الفقراء المستحقين. وقال الشافعي يختص به. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر- عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸هـ): ۱/۳۰۰، كتاب الحج، باب الهدي، ط: دار إحياء التراث العربي)

الجواب حامدا و مصلیا:

ٹھنڈے مشروبات، مثلاً: سوڈا، لیمن، شربت وغیرہ میں اگر خوش بو نہیں ہے، تو حالت احرام میں اس کا پینا جائز ہے۔ اور اگر اس میں خوش بو ملی ہوئی ہے، تو اگر خوش بو غالب ہے، تو صدقہ واجب ہوگا؛ لیکن اگر ایک ہی مجلس میں بار بار ایسی خوش بو والی چیز پی لی، تو اس سے دم واجب ہوگا۔ (☆☆) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] ۱- عمرہ کرنے والے کا حدود حرم سے باہر بال کٹوانا
[۱۲] ۲- دم جنایت کا مقام اور اس کے گوشت کا حکم

۱۷۹۵- سوال: ایک شخص عمرہ کے لیے گیا، اس نے عمرہ تو کر لیا؛ لیکن ازدحام کی وجہ سے اس نے حرم کے حدود میں بال نہیں کٹوائے، بل کہ جدہ میں جا کر بال کٹوائے، تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ کیا اس پر دم واجب ہوگا؟ اگر واجب ہے، تو یہ دم کہاں ادا کرنا ہوگا، حرم کی حدود میں؟ یا انڈیا میں بھی ادا کر سکتے ہیں؟ اس دم کا گوشت عزیز واقارب اور مال دار کو دے سکتے ہیں؟ مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

حج یا عمرہ کے ارکان سے فراغت کے بعد حدود حرم ہی میں بالوں کو منڈانا یا کتروانا واجب ہے، حدود حرم سے باہر حل میں مثلاً: جدہ وغیرہ جا کر بال کٹوانے سے ترک واجب کا ارتکاب لازم آئے گا، جس کی وجہ سے دم واجب ہوتا ہے، پس صورت مسئولہ میں اس شخص پر دم واجب ہے۔ (۱)

(☆☆) وإن خلط بمشروب فالحكم فيه للطيب سواء غلب غيره أم لا، غير أنه في غلبة الطيب يجب الدم، وفي غلبة الغير تجب الصدقة إلا أن يشرب مرارا فيجب الدم. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۴۷، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۴۱، كتاب المناسك، الباب الثامن في الجنايات، ط: دار الفكر - بيروت ☆ النهر الفائق - سراج الدين، عمر بن إبراهيم، ابن نجيم الحنفي (م: ۱۰۰۵ھ): ۲/ ۱۱۷، كتاب الحج، باب الجنايات، ط: دار الإيمان - سهارن فور)

وإن خلطه بمشروب كالهيل و القرنفل بالقهوة، فالحكم للطيب مائعا كان أو جامدا، فإن الطيب غالبا يجب دم إن شرب كثيرا وإلا فصدقة، وإن كان مغلوبا فصدقة إلا أن يشربه مرارا فدم إن اتحد المجلس و إن لا، فلكل مرة صدقة. (غنية الناسك في بغية المناسك، ص: ۳۱۸، باب الجنايات، مطلب في أكل الطيب و شربه، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

(۱) ومن اعتمر فخرج من الحرم وقصر فعليه دم عند أبي حنيفة ومحمد - رحمهما الله تعالى - وقال أبو يوسف - رحمه الله - لا شيء عليه، .... والتقصير والحلق في العمرة غير موقت بالزمان بالإجماع؛ لأن أصل العمرة لا =

اور یہ دم حدود حرم میں ہی ادا کرنا واجب ہے، حرم کے علاوہ اپنے وطن یا جدہ وغیرہ میں ادا کرنا کافی نہ ہوگا۔ (۲) اس دم کے لیے چھوٹا جانور ذبح کرے، بڑے جانور میں ایک حصہ رکھنا بھی جائز ہے۔ اور دم کے جانور میں وہ سب شرائط کا ہونا ضروری ہے، جو قربانی کی صحت کے لیے ہیں۔ (۳)

اس دم کو "دم جنایت" کہا جاتا ہے، اس کا گوشت فقراء ہی کو دینا ضروری ہے، خود کھانا، یا مال داروں کو دینا جائز نہیں۔ (۴) اگر کسی ایک فقیر کو بھی دے دیا اور اس کو اس کا مالک بنا دیا، تو یہ جائز ہے، ذمہ بری ہو جائے گا۔ (۵) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=يتوقت به بخلاف المكان لأنه موقت به. ـــــــــ قال: " فإن لم يقصر حتى رجع وقصر فلا شيء عليه في قولهم جميعا " معناه إذا خرج المعتمر ثم عاد لأنه أتى به في مكانه فلا يلزمه ضمانه ". (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۱۶۴، كتاب الحج، باب الجنايات، فصل: ومن طاف طواف القدوم محدثا فعليه صدقة، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۵۴، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج، ط: دار الفكر - بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۲/ ۱۴۱، كتاب الحج، فصل بيان زمان ومكان الحلق والتقصير، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۲) عن جابر، قال: ثم قال النبي صلى الله عليه وسلم: قد نحرت ها هنا، ومنى كلها منحر، ووقف بعرفة فقال: قد وقفت ها هنا وعرفة كلها موقف، ووقف بالمزدلفة فقال: قد وقفت ها هنا، ومزدلفة كلها موقف. (سنن أبي داود: ۱/ ۲۴۶، رقم الحديث: ۱۹۰۷، كتاب المناسك، باب صفة حجة النبي صلى الله عليه وسلم، ط: ديوبند)

قال " ولا يجوز ذبح الهدايا إلا في الحرم " لقوله تعالى في جزاء الصيد: ﴿هَدْياً بَالِغَ الْكَعْبَةِ﴾ [المائدة: ۹۵] فصار أصلا في كل دم هو كفارة، ولأن الهدي اسم لما يهدى إلى مكان، ومكانه الحرم، قال عليه الصلاة والسلام: " منى كلها منحر وفجاج مكة كلها منحر ". (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۱۸۱، كتاب الحج، باب الهدي، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت ☆ البحر الرائق- ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۳/ ۱۲۸، كتاب الحج، باب الهدي، ط: زكريا- ديوبند ☆ غنية الناسك في بغية المناسك، ص: ۳۳۸، فصل في شرائط كفاراتها الثلاث، مطلب في شرائط جواز الدم، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

(۳) " ولا يجوز في الهدايا إلا ما جاز في الضحايا "؛ لأنه قربة تعلقت بإراقة الدم كالأضحية فيتخصصان بمحل واحد " والشاة جائزة في كل شيء إلا في موضعين: من طاف طواف الزيارة جنبا، ومن جامع بعد الوقوف بعرفة، فإنه لا يجوز فيهما إلا البدنة ". (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/ ۱۸۱، كتاب الحج، باب الهدي، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۶۱، كتاب المناسك، الباب السادس عشر في الهدي، ط: دار الفكر ☆ غنية الناسك، ص: ۳۰۹، باب الجنايات، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

(۴) (ويأكل) استحبابا (من هدي التطوع) إذا بلغ محله (والمتعة والقران) . . . [بقیہ حواشی اگلے صفحہ پر]

[۱۳] دم جنایت کا حرم میں ادا کرنا ضروری ہے

۱۷۹۶- سوال: حج کی جنایات میں جو دم واجب ہوتا ہے، اس دم کا حرم شریف میں ادا کرنا ضروری ہے، یا کوئی شخص اپنے وطن میں آ کر بھی ادا کر سکتا ہے؟

(۱) آپ کی کتاب ''مسائل حج'' [گجراتی ایڈیشن] کے صفحہ نمبر ۱۴۲ ر پر فائدہ نمبر ۳ ر[1] کی عبارت کے اطلاق سے کسی نے یہ مطلب نکالا کہ جنایت کا دم کہیں بھی ادا کیا جا سکتا ہے، یہ دم حرم میں ادا کرنا ضروری نہیں ہے، تو اس سلسلہ میں کیا حکم ہے؟ اگر کسی نے وطن میں دم ادا کر دیا، تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ بینوا، وتوجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

اس دم کا حرم شریف میں ادا کرنا ضروری ہے، دوسری جگہ یہ دم ادا کرنے سے وہ معتبر نہ ہوگا، اگر وطن

[بقیہ پچھلے صفحہ کا] (لا) يأكل (من غيرها)؛ لأنها دماء كفارات... (وخص ذبح هدي المتعة والقران بأيام النحر دون غيرهما) أي يجوز ذبح بقية الهدايا في أي وقت شاء... (و) خص (الكل بالحرم)... (ويجوز أن يتصدق به) أي الهدي (على فقير الحرم وغيره) من الفقراء المستحقين. وقال الشافعي يختص به. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م:۱۰۷۸هـ): ۱/۳۰۰، كتاب الحج، باب الهدي، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۵) ولو أكله بعد ذبحه غرمه ويجوز التصدق بكل لحمه أو بما غرمه من قيمة أكله على مسكين واحد، بحر. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۵۴۶، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج، ط: دار الفكر - بيروت)

[حواشی صفحہ ہٰذا]

۱] مسائل حج کے اردو ایڈیشن میں یہ مسئلہ اس طرح ہے:

فائدہ (۳): جنایت کی جزاء فوراً ادا کرنا ضروری نہیں، موت سے پہلے تک ادا کرنا ضروری ہے، اگر ادا نہیں کر سکا، تو اس کی وصیت کرنا لازم ہے، اگر وصیت نہیں کی، اور ورثاء نے اپنے مورث کی طرف سے تبرعاً ادا کر دیا، تو ان شاء اللہ ادا ہو جائے گی۔ (مسائل حج، ص: ۱۶۷، جنایت کا بیان، ط: دار العلوم مدنی دار التربیت، کرمالی)

مذکورہ مسئلہ کے اطلاق سے قاری کو دھوکہ ہوا کہ دم کی جزاء موت تک ادا کی جا سکتی ہے، خواہ کہیں بھی کی جائے، حالاں کہ اس مسئلہ میں صرف اس کا بیان ہے کہ جزاء کب تک ادا کی جا سکتی ہے، کہاں ادا کی جائے گی؟ اس کی تفصیل نہیں ہے، اس کی تفصیل مسائل حج کے ص: ۱۸۷، پر موجود ہے۔ [مرتب]

آ گئے ہیں، تو کسی کو وکیل بنا کر حرم میں ادا کرنا ضروری ہے۔ (ہدایہ☆ مسائل حج)[۱]

(۲) صفحہ ۱۵۳ر پر اس کی تفصیل موجود ہے۔[۲] اگر پوری کتاب پڑھ لیتے، تو شاید اطلاق سے جو غلط فہمی پیدا ہوئی ہے، وہ نہ ہوتی۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] مسواک کے لیے ٹہنی توڑنے پر ثابت شدہ جنایت وطن میں ادا کرنا

۱۷۹۷- سوال: مزدلفہ میں اگر کسی نے مسواک بنانے کے لیے درخت کی ٹہنی توڑی، اس کے بعد اس کو علم ہوا کہ یہ جائز نہیں ہے، تو اس پر دم واجب ہوگا یا نہیں؟ اور یہ دم اپنے وطن میں آ کر ادا کرے، تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس جنایت میں جانور ذبح کرنا ہو، تو حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] جنایت میں واجب شدہ صدقہ وطن میں آ کر ادا کرنا

۱۷۹۸- سوال: جنایت میں جو صدقہ واجب ہوتا ہے، اس کو حرم میں ادا کرنا ضروری ہے، یا بعد میں دوسری جگہ بھی ادا کیا جا سکتا ہے؟

---

[۱] قال "ولا يجوز ذبح الهدايا إلا في الحرم" لقوله تعالى في جزاء الصيد: ﴿هَدْياً بَالِغَ الْكَعْبَةِ﴾ [المائدة:۹۵] فصار أصلا في كل دم هو كفارة، ولأن الهدي اسم لما يهدى إلى مكان، ومكانه الحرم. قال عليه الصلاة والسلام: "منى كلها منحر وفجاج مكة كلها منحر". (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/۱۸۱، كتاب الحج، باب الهدي، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت☆ البحر الرائق- ابن نجيم المصري(م:۹۷۰هـ): ۳/۱۲۸، كتاب الحج، باب الهدي، ط: زكريا- ديوبند ☆ غنية الناسك في بغية المناسك، ص:۳۳۸، فصل في شرائط كفاراتها الثلاث، مطلب في شرائط جواز الدم، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

[۲] مسئلہ نمبر ۵۴۵: جن صورتوں میں دم واجب ہے، اس دم کو حرم کی حدود میں ذبح کرنا ضروری ہے، حرم سے باہر ذبح کرنا جائز نہیں۔ (مسائل حج، ص:۱۸۷، رمی کی جنایات، ط: دار العلوم مدنی دار التربیت، کرمالی)

(۳) تقدم تخريجه وتفصيله غير مرة.

ولا يجوز اتخاذ المساويك من أراك الحرم وسائر أشجاره إذا كان أخضر اهـ. (منحة الخالق على البحر الرائق: ۲/۴۷، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج، فصل قتل محرم صيدا أو دل عليه من قتله، ط: دار الكتاب الإسلامي☆ الفتاوى الهندية: ۱/۲۶۴، كتاب الحج، الباب السابع عشر في النذر بالحج، ط: دار الفكر- بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

''صدقہ'' حرم میں ادا کرنا ضروری نہیں ہے، اپنے وطن میں بھی دیا جا سکتا ہے۔(ہدیہ:۱/۲۶۰)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] کیا دم کی قربانی وطن میں کر سکتے ہیں، کیوں کہ حرم میں فقراء میسر نہیں ہوتے؟

۱۷۹۹- سوال: دم کی قربانی میں مسئلہ یہ ہے کہ اس کا گوشت غریبوں کو دینا چاہیے، تو حاجی اکثر اجنبی اور حرم کی مکمل صورت حال سے ناواقف ہوتے ہیں، تو ان کے لیے وہاں غریبوں کا تلاش کرنا بہت مشکل ہے اور غرباء ملتے بھی نہیں ہیں؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے وہاں فراخی رکھی ہے اور اگر ہو بھی، تو اجنبی آدمی کے لیے کسی غریب کا پہچاننا بہت مشکل ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں حاجی اپنے وطن میں قربانی کر سکتا ہے؟ اور اگر حرم میں کرنا ضروری ہے، تو پھر اس گوشت کو وہاں کس طرح تقسیم کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دم وطن میں ادا کرنا جائز نہیں ہے، اور اصل چیز، جانور کا ذبح کرنا ہے، غرباء کو تلاش کرنا ضروری نہیں ہے، آپ جس کام کو مشکل سمجھتے ہیں، حقیقت میں ایسا نہیں ہے، غرباء، حرم شریف کے سامنے ہی نظر آتے ہیں، اور اگر بالفرض وہ موجود نہ ہوں، تو مقامی کسی شخص سے بات کر کے جانور ذبح کر کے گوشت اس کے حوالہ کر دیں، الغرض! کسی بھی صورت میں دم کا جانور حرم شریف کے علاوہ میں ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] أما الصدقة قربة معقولة في كل زمان ومكان. (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م:۵۹۳هـ):۱/۲۶۰، كتاب الحج، باب الجنايات، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي-بيروت)

ولاتختص الصدقة بزمان ولا مكان. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري(م:۱۰۱۴هـ)، ص:۵۶۵، أحكام الصدقة، وشرائط جوازها، ت: طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة)

[۲] (ويختص) أي جواز ذبحه (بالمكان وهو الحرم) فلايجوز ذبحه في غيره أصلا. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري(م:۱۰۱۴هـ)، ص: ۳۶۹، باب القران، فصل في هدي القارن والمتمتع، ت: طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة☆الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ):۱/۱۸۱، كتاب الحج، باب الهدي، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت★البحر الرائق- ابن نجيم المصري(م:۹۷۰هـ): ۳/۱۲۸، كتاب الحج، باب الهدي، ط: زكريا- ديوبند ☆ غنية الناسك في بغية المناسك، ص:۳۳۸، فصل في شرائط كفاراتها الثلاث، مطلب في شرائط جواز الدم، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

[۱۷] عقیقہ یا قربانی کے جانور میں دم جنایت کا حصہ رکھنا

۱۸۰۰- سوال: عقیقہ یا قربانی کے جانور میں دم کا حصہ رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستحب یہ ہے کہ قربانی کے جانور میں شرکاء، قربانی ہی کے ہوں، اگر اس میں دم احصار، دم تمتع، دم جنایت وغیرہ کے شرکاء ہوں، تو بھی جائز ہے۔ (شامی ☆ عالم گیری)[۱]

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ: اگر قربانی کے جانور میں دم جنایت کا حصہ ہو، تو قربانی کرنے والے کے لیے بھی گوشت کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔ (شامی: ۵/ ۲۸۵)[۲] البتہ اگر اپنے اپنے حصے کو تقسیم کر دے، تو قربانی کرنے والے کے لیے اپنے حصے کا صدقہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] محض تقصیرات کے توہم پر تلافی کے لیے دم ادا کرنا

۱۸۰۱- سوال: کسی حاجی کو معین طور پر یہ معلوم نہیں ہے کہ اس سے کون سی جنایت ہوئی ہے

---

[۱] فصح اشتراك ستة في بدنة شريت لقربة، وإن اختلفت أجناسها. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله وإن اختلفت أجناسها) في الفتح عن الأصل والمبسوط: كل من وجب عليه من المناسك جاز أن يشارك ستة نفر قد وجبت الدماء عليهم وإن اختلفت أجناسها من دم متعة وإحصار وجزاء صيد وغير ذلك، ولو كان الكل من جنس واحد كان أحب إلي. اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۶۱۵، كتاب الحج، باب الهدي، ط: دار الفكر-بيروت)

قلت: وفي أضحية القهستاني: لو ذبح سبعة عن أضحية، ومتعة، وقران، وإحصار، وجزاء الصيد، أو الحلق، والعقيقة والتطوع؛ فإنه يصح في ظاهر الأصول. وعن أبي يوسف الأفضل أن تكون من جنس واحد، فلو كانوا متفرقين وكل واحد متقرب جاز. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۴۳، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج)

ولو أرادوا القربة-الأضحية أو غيرها من القرب-أجزأهم، سواء كانت القربة واجبة أو تطوعا، أو وجب على البعض دون البعض، وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت، بأن أراد بعضهم الأضحية، وبعضهم جزاء الصيد، وبعضهم هدي الإحصار، وبعضهم كفارة عن شيء أصابه في إحرامه، وبعضهم هدي التطوع، وبعضهم دم المتعة أو القران، وهذا قول أصحابنا الثلاثة رحمهم الله تعالى، وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له من قبل، كذا ذكر محمد - رحمه الله تعالى - في نوادر الضحايا. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۰۴، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، ط: دار الفكر - بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۵/ ۷۰، كتاب التضحية، فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

[۲] لم أظفر به.

محض یہ سمجھ کر کہ مجھ سے کوئی نہ کوئی غلطی ہوئی ہوگی، وہ دم دینا چاہتا ہے تو دم دے سکتا ہے یا نہیں؟ تا کہ اس کی وہ غلطی اللہ تعالی معاف فرما دے، ایسی صورت میں بکرا ذبح کرے یا کسی بڑے جانور میں حصہ رکھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

احکام اسلام کا مدار نیت پر ہے، شک کی وجہ سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا ہے؛[1] اس لیے ایسا دم دینا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ اگر اس گوشت سے کوئی فائدہ اٹھانے والا نہ ہو، تو وہ برباد ہوگا، جس کی وجہ سے یہ دم ادا کرنا اسراف میں داخل ہو جائے گا اور یہ جائز نہیں۔[2]

بہتر یہ ہے کہ جانور ذبح کرنے کی بجائے نقد رقم غرباء پر صدقہ کر دے، تا کہ وہ اپنی ضرورت پوری کر سکیں اور آپ کو اس کا ثواب بھی مل جائے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] حاجی اپنی قربانی کہاں کرے؟

۱۸۰۲- سوال: تقریباً ڈیڑھ سال سے ایک شخص عرب ملک میں ملازمت کرتا ہے، اب اس کے

---

(۱) قاعدة: اليقين لا يزول بالشك. (قواعد الفقه، ص: ۱۴۳، رقم: ۴۲۱، ط: الصدف-كراتشي)

(۲) كُلُوا مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ۖ وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝ (٦-الأنعام: ١٤١)

وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۝ (١٧-الاسراء: ٢٦-٢٧)

عن المغيرة بن شعبة، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "إن الله حرم عليكم: عقوق الأمهات، ووأد البنات، ومنع وهات، وكره لكم قيل وقال، وكثرة السؤال، وإضاعة المال". (صحيح البخاري: ۱/ ۳۲۴، رقم الحديث: ۲۴۰۸، كتاب في الاستقراض وأداء الديون والحجر والتفليس، باب ما ينهى عن إضاعة المال☆ الصحيح لمسلم: ۲/ ۷۵، رقم الحديث: ۱۲-(۵۹۳)، كتاب الأقضية، باب النهي عن كثرة المسائل من غير حاجة...، ط: ديوبند)

وإضاعة المال صرفه في غير وجهه، وقيل: إنفاقه في غير طاعة الله تعالى، والإسراف والتبذير. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري-بدر الدين العيني (م: ۸۵۵ھ): ۱۲/ ۲۴۶، باب ما ينهى عن إضاعة المال...الخ، ط: دار إحياء التراث العربي)

قوله: (وإضاعة المال)، هو رواية الكشميهني وفي رواية غيره: (إضاعة الأموال)، وهو أن يتركه من غير حفظ له فيضيع، أو يتركه حتى يفسد، أو يرميه إذا كان يسيرا كبرا عن تناوله، أو بأن يرضى بالغبن، أو ينفقه في البناء واللباس والمطعم بإسراف، أو ينفقه في المعاصي، أو يسلمه لخائن أو مبذر... الخ. (المصدر السابق: ۹/ ۶۱، باب قول الله تعالى: لا يسئلون الناس إلحافا)

سیٹھ (کفیل) نے اس کو حج کرنے کی اجازت دی ہے؛ لیکن حجاج کرام کو قربانی کا جانور بڑا مہنگا ملتا ہے، بڑے جانور کی قیمت دو ہزار ریال اور چھوٹے جانور کی قیمت پانچ سو یا چھ سو ریال ہے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا حاجی کو اپنی قربانی اپنے وطن میں کرنے کی اجازت ہے یا وہیں منیٰ میں کرنا لازم ہے؟ قاسم جی آدم جی، دڑھال

الجواب حامداً ومصلیاً:

حاجی ایامِ حج میں اگر مقیم ہو، اس طور پر کہ پندرہ دن سے زیادہ وہاں ٹھہرنے کا ارادہ ہے یا پندرہ دن ہو چکے ہیں، تو اس پر قربانی واجب ہوگی، جس کو اپنے وطن میں بھی کرسکتا ہے۔

ہاں پندرہ دن مکہ مکرمہ میں ٹھہرنے کی نیت نہ ہو، یعنی وہ مسافر ہو، تو اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔ [۱]

البتہ جو قربانی حج قران یا حج تمتع کی وجہ سے واجب ہوئی ہے، اس کو منیٰ ہی میں کرنا واجب ہے، اپنے وطن میں جائز نہیں۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] رمی جمار اور قربانی کے درمیان ترتیب

۱۸۰۳- سوال: حضرت مفتی صاحب! جیسا کہ آپ کو معلوم ہوگا کہ انتظامی سہولت کے

[۱] (وإنما تجب) التضحية ... (على حر)؛ فلا تجب على العبد، (مسلم)؛ فلا تجب على الكافر، (مقيم) فلا تجب على المسافر؛ لقول علي - رضي الله تعالى عنه - ليس على مسافر جمعة ولا أضحية، ... ويستوي فيه المقيم بالمصر والقوي والبوادي، (موسر)؛ لأن العبادة لا تجب إلا على القادر، وهو الغني دون الفقير، ومقداره ما تجب فيه صدقة الفطر. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ'داماد أفندي' (م:۱۰۷۸ھ):۲/۵۱۶، كتاب الأضحية، ط: دار إحياء التراث العربي☆البحر الرائق:۸/۱۹۷، كتاب الأضحية، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ بدائع الصنائع:۵/۶۳، كتاب الأضحية، فصل شرائط وجوب الأضحية، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ الدر المختار مع رد المحتار:۶/۳۱۲، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر☆ الجوهرة النيرة:۲/۱۸۶، كتاب الأضحية، حكم الأضحية، ط: المطبعة الخيرية)

(۲) قال "ولا يجوز ذبح الهدايا، إلا في الحرم" لقوله تعالى في جزاء الصيد: ﴿هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ﴾ [المائدة:۹۵] فصار أصلا في كل دم هو كفارة، ولأن الهدي اسم لما يهدى إلى مكان، ومكانه الحرم، قال عليه الصلاة والسلام: "منى كلها منحر، وفجاج مكة كلها منحر". (الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م:۵۹۳ھ):۱/۱۸۱، كتاب الحج، باب الهدي، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت☆ البحر الرائق - ابن نجيم المصري (م:۹۷۰ھ):۳/۱۲۸، كتاب الحج، باب الهدي، ط: زكريا - ديوبند ☆ غنية الناسك في بغية المناسك، ص:۳۳۸، فصل في شرائط كفاراتها الثلاث، مطلب في شرائط جواز الدم، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

پیشِ نظر حجاج کے پاس سے قربانی کی رقم سعودی حکومت پیشگی وصول کر لیتی ہے، حجاجِ کرام اِس رقم کو جمع کرواتے وقت قربانی کا وقت بھی لکھواتے ہیں، مثلاً دس ذی الحجہ کو صبح ۱۱ ربجے ہماری جانب سے قربانی کرنی ہے، اب عام طور پر مزدلفہ سے واپسی میں کسی وجہ سے منیٰ پہنچنے اور رمی جمار کرنے میں تاخیر ہوتی ہے، اِس صورت میں جن لوگوں نے قربانی کی رقم جمع کروا کر قربانی کا وقت طے کر دیا ہوتا ہے، اُن کی جانب سے رمی سے قبل بھی قربانی ہو جاتی ہے، تو کیا اِس صورت میں مسلکِ حنفی کے مطابق دم واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیا:

حج کے افعال میں رمی، ذبح اور حلق تینوں کے درمیان ترتیب واجب ہے، اور ترتیب کے ترک کی صورت میں حضرت امام ابوحنیفہ اور اِمام زفر رحمہما اللہ کے نزدیک دم (قربانی) واجب ہوتی ہے، اور حج کی جنایت (قصور) کے بارے میں یہ اصول ہے کہ جنایت خواہ قصداً ہوئی ہو یا بھول کر، جبراً ہوئی ہو یا اختیاراً، خود سے جنایت صادر ہوئی ہو یا دوسرے کو حکم دینے کی وجہ سے اُس نے کی ہو، ہر حال میں دم واجب ہوتا ہے، اِس لیے مذکورہ صورت میں، جب کہ قربانی کا ذمہ دار جس شخص کو ٹھہرایا ہے اُس نے رمی اور حلق سے پہلے قربانی کر دی تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق دم لازم ہوگا۔[1]

لیکن اِس سے بچنا ممکن بھی ہے، کہ وکیل کو احتیاطاً قربانی کے لیے آخری وقت ہی بتانا چاہیے، رمی کا وقتِ مباح اصحابِ عذر کے لیے دسویں ذی الحجہ (یوم النحر) کی شام اور اُس کے بعد آنے والی رات گیارہویں کی صبح صادق سے قبل تک رہتا ہے، اور قربانی دوسرے روز ہو سکتی ہے، دم قران و تمتع تین دِنوں کے اندر ادا کیا تو جائز ہے، اِس لیے حقیقت میں کوئی ایسا عذر متحقق نہیں ہو رہا ہے کہ امامِ اعظمؒ کے مسلک سے ہٹا جائے، فی الواقع عذر متحقق ہو، تب بھی دم لازم ہوتا ہے، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔

رہی یہ بات کہ ایسے مواقع میں صاحبینؒ کے مسلک کو اختیار کیا جائے یا نہیں؟ تو اُس کی قطعاً اِس مسئلہ میں ضرورت نہیں ہے، اور نہ علماءِ احناف میں سے کسی نے اِس مسئلہ میں صاحبینؒ کے مسلک کو راجح قرار

(۱) وعلى هذا: من قدم نسكا على نسك كأن حلق قبل الرمي أو نحر القارن قبل الرمي أو حلق قبل الذبح فعليه دم عند أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - وعندهما لا يلزمه الدم بالتقديم، والتأخير، ... وهذا لأن مراعاة الوقت في الأركان واجب كمراعاة المكان... وترك الواجب في الحج يوجب الجبر بالدم. (المبسوط-محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۴/ ۴۱- ۴۲، كتاب المناسك، باب الطواف، ط: دار المعرفة - بيروت ☆ الهداية: ۱/ ۱۶۴، كتاب الحج، باب الجنايات، فصل: ومن طاف طواف القدوم... الخ، ط: دار إحياء التراث العربي)

دیا ہے؛ اس لیے کہ امام صاحبؒ کے مسلک کی بنیاد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت پر ہے کہ:

عن ابن عباس قال: من قدم شيئا من حجه أو أخره، فليهرق لذلك دما. (مصنف ابن ابی شیبہ)[۲]

اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مسلک بھی ہے۔ نیز احصار کے بارے میں نص قرآنی بھی ہے:

"وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ".(۳)

اور اپنے سروں کو اس وقت تک مت منڈاؤ جب تک کہ قربانی اپنے موقع پر نہ پہنچ جاوے (اور وہ موقع حرم ہے کہ کسی کے ہاتھ وہاں جانور بھیج دیا جائے) (ترجمہ بیان القرآن)

چناں چہ مُحصَر پر بھی دم لازم ہوگا، اگرچہ وہ کسی عذر کی بنا پر قربانی سے پہلے حلق کرا لے۔[۴] اِسی

[۲] الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار، المعروف بـ'مصنف ابن أبي شيبة'- أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (م:۲۳۵هـ): ۳/۳۶۲، رقم الحديث: ۱۴۹۵۸، كتاب الحج، في الرجل يحلق قبل أن يذبح، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد- الرياض ☆شرح معاني الآثار- أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة بن عبد الملك بن سلمة الأزدي الحجري المصري المعروف بالطحاوي (م:۳۲۱هـ): ۲/۲۳۸، رقم الحديث: ۴۰۸۱، كتاب مناسك الحج، باب من قدم من حجه نسكا قبل نسك، ت: محمد زهري النجار- محمد سيد جاد الحق، ط: عالم الكتب)

(۳) ۲- البقرة: ۱۹۶.

[۴] عن عبيد الله، حدثني نافع، أن عبد الله بن عبد الله، وسالم بن عبد الله، كلما عبد الله حين نزل الحجاج لقتال ابن الزبير، قالا: لا يضرك أن لا تحج العام، فإنا نخشى أن يكون بين الناس قتال يحال بينك وبين البيت، قال: " فإن حيل بيني وبينه فعلت كما فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنا معه، حين حالت كفار قريش بينه وبين البيت، أشهدكم أني قد أوجبت عمرة، فانطلق حتى أتى ذا الحليفة فلبى بالعمرة، ثم قال: إن خلي سبيلي قضيت عمرتي، وإن حيل بيني وبينه فعلت كما فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنا معه، ثم تلا: {لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة} [الأحزاب: 21]، ثم سار حتى إذا كان بظهر البيداء قال: ما أمرهما إلا واحد، إن حيل بيني وبين العمرة حيل بيني وبين الحج، أشهدكم أني قد أوجبت حجة مع عمرة، فانطلق حتى ابتاع بقديد هديا، ثم طاف لهما طوافا واحدا بالبيت وبين الصفا والمروة، ثم لم يحل منهما حتى حل منهما بحجة يوم النحر ". (الصحيح لمسلم: ۱/۴۰۴، رقم الحديث: ۱۸۱- (۱۲۳۰)، كتاب الحج، باب جواز التحلل بالإحصار، ط: ديوبند)

(وإذا أحصر المحرم بعدو أو أصابه مرض فمنعه من المضي جاز له التحلل)... وإذا جاز له التحلل (يقال له ابعث شاة تذبح في الحرم، وواعد من تبعثه بيوم بعينه يذبح فيه، ثم تحلل). [الهداية]

قال ابن الهمام [م: ۸۸۱هـ]: وقوله ثم تحلل يفيد أنه لا يتحلل قبله حتى لو ظن المحصر أن الهدي قد ذبح في يوم المواعدة ففعل من محظورات الإحرام ثم ظهر عدم الذبح إذ ذاك كان عليه موجب الجناية. (فتح القدير: ۳/۱۲۶، كتاب الحج، باب الإحصار، ط: دار الفكر- بيروت)

طرح قارن ومتمتع بھی قربانی سے پہلے حلق نہیں کرواسکتے، بہر حال! حلق کو مؤخر کرنا ہوگا، اور حلق کے بغیر حلال نہیں ہوسکے گا۔

افعالِ حج سے فراغت پر حلق (سرمنڈوانا یا کتروانا) یہ بھی ایک فعل حج (عبادت) ہے؛ لیکن یہ اگر قربانی یا رمی سے پہلے ہوجائے، تو جنایت بن جاتا ہے؛ کیوں کہ احرام کے درمیان میں آجاتا ہے، اِس لیے دم لازم ہے۔[۵]

حضرت اِمامِ اعظمؒ کا مسلک اصول پر مکمل منطبق اور حضرت ابن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت پر مبنی ہے۔

حضرات صاحبینؒ اور دیگر ائمہ نے جس روایت سے استدلال کیا ہے، جس میں قربانی سے پہلے رمی یا حلق کے متعلق دریافت کیا گیا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ارکان ادا کرتے رہو، کوئی حرج نہیں ہے:

"فما سئل عن شيء قدم أو أخر، إلا قال: افعل، ولا حرج".(٦)

اس کی توضیح یہ ہے کہ مذکورہ روایت اگر مفرد کے بارے میں ہے، تو سائل مفرد تھا، جس پر قربانی واجب نہیں؛ اِس لیے کہ مفرد کے ذمہ قربانی، رمی اور حلق کے درمیان ترتیب لازم نہیں ہے، اور اگر یہ حکم قارِن

---

[٥] (ولو حلق المفرد أو غيره) أي من القارن والمتمتع (قبل الرمي، أو القارن أو المتمتع) أي أو حلقا (قبل الذبح أو ذبحا قبل الرمي، فعليه دم) أو واحدة في المسئلة الأولى، ودمان عند أبي حنيفة في المسائل الباقية، دم للقران والتمتع، ودم للتحلل قبل الذبح وترك الترتيب الواجب عنده، وعندهما عليه دم للقران والتمتع. (المسلك المقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري (م: ١٠١٤ھ) ص: ٥٠٧، باب الجنايات وأنواعها، النوع الخامس: الجنايات في أفعال الحج، فصل في ترك الترتيب بين أفعال الحج، ت: محمد طلحة بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة ☆ بدائع الصنائع: ٥٨/٢، كتاب الحج، فصل بيان سنن الحج وبيان الترتيب، ط: دار الكتب العلمية)

(٦) مکمل روایت اس طرح ہے:

عن عبد الله بن عمرو بن العاص، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم وقف في حجة الوداع بمنى للناس يسألونه، فجاءه رجل فقال: لم أشعر فحلقت قبل أن أذبح؟ فقال: "اذبح ولا حرج" فجاء آخر، فقال: لم أشعر فنحرت قبل أن أرمي؟ قال: "ارم ولا حرج" فما سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن شيء قدم ولا أخر إلا قال: "افعل ولا حرج".

(صحيح البخاري: ١٨/١، رقم الحديث: ٨٣، كتاب العلم، باب الفتيا وهو واقف على الدابة وغيرها، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ٤٢١/١، رقم الحديث: ٣٢٧-(١٣٠٦)، كتاب الحج، باب جواز تقديم الذبح على الرمي، والحلق على الذبح وعلى الرمي وتقديم الطواف عليها كلها، ط: ديوبند)

و متمتع کے لیے ہو، تو مطلب یہ ہے کہ ایسا ہو گیا ہے، تو ہونے دو، دم لازم نہیں، خلاصہ یہ کہ یہ روایت قارن و متمتع کے لیے ترتیب کے فوت ہونے کی صورت میں، دم لازم نہ ہونے پر صریح نہیں ہے؛ کیوں کہ مذکورہ روایت کے راویوں میں خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مسلک ہے کہ حج کے افعال میں تقدیم و تاخیر سے دم لازم آتا ہے، معلوم ہوا کہ "لا حرج" سے صرف گناہ کی نفی ہے۔[۷] اسی وجہ سے دیگر ائمہ کی مستدل روایت، دم لازم نہ ہونے کے بارے میں نص نہیں ہے، محتمل ہے، اس لیے کہ اس بات کا قوی امکان ہے کہ یہ ارشاد گرامی مفرد کے بارے میں ہے، دم کے وجوب یا عدم وجوب پر نص نہیں ہے، اس لیے ایسی محتمل روایت کی بنیاد پر حضرت امامِ اعظمؒ کے مسلک کو، جو اصول اور استناد سے مؤید ہے، ترک کرنے کی ضرورت و جواز معلوم نہیں ہوتا۔ (مبسوطِ سرخسی : ۴/۴۲☆ شامی : ۲/۵۴۳☆ بدائع الصنائع: ۲/۱۳۲، ۲/۱۷۸)[۸] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۱] عمرہ کے بعد حلق یا قصر کے لیے کس قدر بال کٹوانا ضروری ہے؟

۱۸۰۴- سوال: میرا ایک دوست کراچی میں رہتا ہے، اُس نے عمرہ کے لیے احرام باندھ کر سعی اور طواف کیا، پھر حلق یا قصر کروانے کے بجائے وہاں چند لوگوں کو دیکھ کر، لاعلمی کی وجہ سے، اُس نے بھی دونوں کانوں کی جانب سے کچھ بال کتروائے، پھر جب اُسے پتہ چلا کہ حلق یا قصر کروانا ضروری ہے، تو اُس نے دوبارہ احرام باندھ کر عمرہ کر کے قصر کروایا، اب سوال یہ ہے کہ کیا عمرہ میں حلق یا قصر کروانا ضروری ہے؟

---

(۷) ثم أجاب أبو حنيفة عن حديث الباب ونحوه: أن المراد بالحرج المنفي هو الإثم، ولا يستلزم ذلك نفي الفدية. وقال الطحاوي: هذا ابن عباس أحد من روى عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه: ما سئل يومئذ عن شيء قدم ولا أخر من أمر الحج إلا قال: لا حرج: فلم يكن معنى ذلك عنده على الإباحة في تقديم ما قدموا، ولا تأخير ما أخروا، مما ذكرنا أن فيه الدم، ولكن معنى ذلك عنده: على أن الذي فعلوه في حجة النبي صلى الله عليه وسلم كان على الجهل بالحكم فيه، كيف هو فعذرهم لجهلهم وأمرهم في المستأنف أن يتعلموا مناسكه. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري-بدر الدين العينى (م: ۸۵۵هـ): ۱۰/۵۹، كتاب الحج، باب الذبح قبل الحلق، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت☆ فتح القدير: ۳/۶۳، كتاب الحج، باب الجنايات، فصل طاف طواف القدوم محدثا، ط: دار الفكر☆ المبسوط-محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۴/۴۱-۴۲، كتاب المناسك، باب الطواف، ط: دار المعرفة - بيروت☆ بدائع الصنائع: ۲/۱۳۲، كتاب الحج، فصل زمان طواف الزيارة، ط: دار الكتب العلمية)

[۸] قدمر الكلام بجميع تفاصيله و كتبه المذكورة.

مذکورہ شخص جس نے غلطی کر کے دوبارہ عمرہ ادا کیا تو کیا وہ اپنے پہلے عمرہ سے حلال سمجھا جائے گا یا نہیں؟ دوسری دفعہ اُس کا احرام باندھنا صحیح ہوا یا نہیں؟ اور کیا دم واجب ہوگا؟ کراچی میں رہتے ہوئے دم ادا کرنے کی کوئی صورت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اِس شخص کے دونوں عمرے صحیح ہوئے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

احرام سے حلال ہونے کے لیے سر کے چوتھائی حصے کے بال کتروانا کافی ہے، اور قصر کی کم از کم حد یہ ہے کہ ایک انگلی کے ایک پورو ے کے بقدر چوتھائی سر کے بال کتروائے؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں جب کہ دونوں کانوں کی جانب سے بال کتروائے ہیں، تو اب دیکھ لیا جائے کہ دونوں جانب سے ایک پورو ے کے بہ قدر چوتھائی سر کی مقدار ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اگر چوتھائی سر کی مقدار ہوگئی ہے، تو یہ قصر کافی ہے۔[1] اور وہ شخص حلال ہو جائے گا، دونوں عمرے صحیح ہوں گے اور کوئی دم واجب نہیں ہوگا۔

اور اگر اتنی مقدار میں قصر نہیں کیا ہے، تو پہلا عمرہ دوسرے عمرے کے ساتھ مل گیا ہے، لیکن چوں کہ پہلے عمرہ کے طواف اور سعی کے بعد دوسرا عمرہ شروع کیا ہے؛ لہٰذا دونوں عمرے تو صحیح ادا ہو جائیں گے؛ لیکن دونوں عمرہ کے اختلاط کی وجہ سے بطورِ دم ایک بکری واجب ہوگی، پہلے عمرے میں کم بال کتروانے پر کوئی دم واجب نہیں ہوگا، دوسرے عمرہ کے بعد جو قصر کروایا ہے، اُس کے ذریعہ وہ دونوں عمرہ سے حلال سمجھا جائے گا، دونوں عمرہ صحیح ہیں؛ لیکن جان بوجھ کر ایک عمرہ کو دوسرے میں ملا دینا مکروہِ تحریمی ہے۔[2]

---

(۱) والتقصير قائم مقام الحلق في حكم التحلل، فإذا فعل ذلك في أحد جانبي رأسه أجزأه بمنزلة ما لو حلق نصف رأسه، وكذلك إن فعله في أقل من النصف، وكان بقدر الثلث أو الربع فكذلك يجزئه؛ لأن كل حكم تعلق بالرأس فالربع منه ينزل منزلة الكمال كالمسح بالرأس، ولكنه مسيء في الاكتفاء بهذا المقدار. (المبسوط-محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م:۴۸۳هـ): ۴/۷۰، كتاب المناسك، باب الحلق، ط: دار المعرفة- بيروت☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۵۱۶، كتاب الحج، مطلب في رمي جمرة العقبة، ط: دار الفكر - بيروت☆حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۲/۳۲، كتاب الحج، باب الإحرام، ط: المطبعة الكبرى الأميرية-القاهرة)

(۲) "ومن فرغ من عمرته إلا التقصير فأحرم بأخرى فعليه دم لإحرامه قبل الوقت" "لأنه جمع بين إحرامي العمرة، وهذا مكروه، فيلزمه الدم، وهو دم جبر وكفارة. (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م:۵۹۳هـ): ۱/۱۷۴، كتاب الحج، باب إضافة الإحرام إلى الإحرام، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت ☆ تبيين الحقائق: ۲/۷۵، كتاب الحج، باب إضافة الإحرام إلى الإحرام، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة☆ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري(م:۱۰۱۴هـ) ص: ۴۱۴، باب الجمع بين النسكين المتحدين . . . ، فصل في الجمع بين العمرتين، ت: محمد طلحة بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/۵۸۷، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج، ط: دار الفكر - بيروت)

اب پہلے عمرہ کے بعد قصر میں جو غلطی کی ہے (بال ناکافی مقدار میں کٹروائے) پھر دوسرے عمرہ سے قبل اپنے آپ کو حلال سمجھنے کی وجہ سے جتنے کام خلافِ احرام کیے ہوں اُن کی وجہ سے ایک بکری بطورِ دم واجب ہوگی، اِس طرح دو بکریاں بطورِ دم کے واجب ہوگی، پہلا دم دو احرام کو جمع کرنے کی وجہ سے اور دوسرا دم احرام کے خلاف کام کرنے کی وجہ سے۔[۱]

دونوں دم کی ادائیگی حدودِ حرم میں ضروری ہے، اگر کوئی مکہ جا رہا ہو، تو اُسے یا اور کسی کو بھی مکہ میں اِس بات کا وکیل بنا دیا جائے کہ وہ اُس کی جانب سے حدودِ حرم میں دو دم ادا کر دے، تو تب بھی کافی ہو جائے گا، اور دم ادا ہو جائے گا۔(۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] طواف الوداع اور تینوں جمرات کی رمی کے ترک پر کیا حکم ہے؟

۱۸۰۵- سوال: میں ۱۹۸۲ء میں حج کے لیے گیا تھا، مگر جس ٹور سے گیا تھا، اُس ٹور کے ذمہ داروں نے بہت جلد بازی کی؛ جس کی وجہ سے طوافِ وداع کا موقع نہیں مل سکا، نیز ایامِ نحر میں تینوں جمرات کی رمی بھی چھوٹ گئی، صرف پہلے دِن جمرۂ عقبہ کی رمی کی تھی، اب اِس کا کفارہ کیسے ادا کرنا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

طوافِ زیارت کے بعد کوئی نفل طواف یا طوافِ وداع نہیں کیا، تو ایک دم کی قیمت مکہ مکرمہ روانہ کرنا ہوگا، وہاں گوشت تقسیم کر دیا جائے گا، یہ بھی شکل ہے کہ دوبارہ مکہ مکرمہ جائے اور ارکانِ عمرہ ادا کر کے طوافِ وداع کر لے؛ مگر دم بھیجنا بہتر ہے، غریبوں کا فائدہ اُسی میں ہے، نیز گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کو رمی نہیں کی؛ اِس لیے دوسرا دم بھی لازم ہوگا، لہٰذا آپ پر کل دو دم واجب ہوں گے: ایک طوافِ وداع کے ترک کا اور دوسرا رمی جمار ثلاثہ کے ترک کا۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (و إن حلق للأولی قبل الفراغ من الثانية لزمه دم آخر) أي للجناية على الثانية إتفاقا (و لو بعده، لا) [المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۴۱۴، باب الجمع بين النسكين المتحدين...، فصل في الجمع بين العمرتين، ت: محمد طلحة بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۸۷، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج، ط: دار الفكر-بيروت]

(۲) عنوان ''دم جنایت کا حرم میں ادا کرنا ضروری ہے'' کا حاشیہ ملاحظہ کریں۔

[۳] (و من ترك طواف الصدر كله أو أكثره، فعليه شاة) أي لترك الواجب. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع=

[۲۳] مکہ پہنچ کر طواف وسعی کیے بغیر بیماری کی وجہ سے احرام کھول دیا

۱۸۰۶- سوال: ایک شخص حج کی نیت سے مکہ مکرمہ کا سفر شروع کرتا ہے، جدہ پہنچ کر حج کا احرام باندھتا ہے اور مکہ کی طرف روانہ ہوجاتا ہے، وہاں پہنچتے ہی اس کی طبیعت خراب ہوجاتی ہے اور طواف وسعی کیے بغیر احرام کھول دیتا ہے، پھر ارکان حج ادا کرتا ہے، تو ایسے شخص کا حج صحیح ہوگا یا نہیں؟ طواف وسعی نہ کرنے کی وجہ سے کیا اس پر دم وغیرہ لازم آئے گا یا نہیں؟ اگر وہاں اس نے دم نہیں دیا، تو وطن آکر اس کی تلافی کی کیا صورت ہوگی؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمرہ کے لیے احرام باندھنے کے بعد بیماری کی وجہ سے اس نے احرام کھول دیا، تو حلال ہونے کا اصل طریقہ یہ ہے کہ اولاً دنبہ ذبح کرکے گوشت غرباء میں تقسیم کردے، اس کے بعد حلال ہوجائے اور صحت یابی کے بعد عمرہ کی قضا کرے اور ایام حج میں حج ادا کرے؛ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ (۱)

=حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري(م:۱۰۱۴ھ) ص: ۴۹۶، باب الجنايات و أنواعها، النوع الخامس الجنايات في أفعال الحج، فصل في الجناية في طواف الصدر، ت: طلحة بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة☆فتح القدير: ۵۶/۳، كتاب الحج، فصل طاف طواف القدوم محدثا، ط: دار الفكر-بيروت)

ولو ترك رمي يوم من أيام النحر كله أو أكثره... فعليه دم. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري(م:۱۰۱۴ھ) ص: ۵۰۷، فصل في الجنايات في رمي الجمرات☆الهداية: ۱۶۳/۱، كتاب الحج، فصل ومن طاف طواف القدوم محدثا، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

وإنما يتعدد الجزاء بتعدد الجنايات إذا لم ينو الرفض. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۵۳/۲، كتاب الحج، باب الجنايات في الحج، ط: دار الفكر)

قال في البحر: الواجب أحد شيئين إما الشاة أو الإعادة والإعادة هي الأصل ما دام بمكة ليكون الجابر من جنس المجبور، فهي أفضل من الدم. وأما إذا رجع إلى أهله، ففي الحدث اتفقوا على أن بعث الشاة أفضل من الرجوع. وفي الجنابة اختار في الهداية أن الرجوع أفضل لما ذكرنا. واختار في المحيط أن البعث أفضل لمنفعة الفقراء. (المصدر السابق: ۵۵۱/۲)

(۱) فسدت عمرته فيمضي فيها ويقضيها وعليه شاة. (الهداية: ۱۶۱/۱، كتاب الحج، باب الجنايات، فصل: فإن نظر إلى فرج إمرأته بشهوة، ط: دار إحياء التراث العربي☆المبسوط للسرخسي: ۴۵/۴، كتاب المناسك، باب الطواف، ط: دار المعرفة-بيروت☆الفتاوى الهندية: ۲۴۵/۱، كتاب المناسك، الباب الثامن في الجنايات، الفصل الخامس في الطواف، ط: دار الفكر)

سوال میں مذکور تفصیل کے مطابق حج ادا ہو گیا[1] اور عمرہ کی قضا واجب ہوگی، دم حرم شریف میں دینا پڑے گا، یہاں (وطن) میں دم ادا نہیں ہوگا۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۴] محرم کے بالوں کا جھڑنا

۱۸۰۷-سوال: اگر کسی آدمی کے بال جھڑتے ہوں اور لمبی مدت تک احرام میں رہنے کی وجہ سے بال بڑے ہو گئے ہوں اور وضو و غسل اور سر پر مسح کرتے وقت دو چار بال گر جاتے ہوں، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

احرام کی حالت میں جن امور کی انجام دہی لازم وضروری ہو؛ مثلاً: فرض غسل، فرض وضو اور فرض مسح وغیرہ، ان امور کے انجام دینے کی وجہ سے اگر بال جھڑتے ہوں، تو ہر تین بال پر ایک مٹھی گیہوں صدقہ کرے، البتہ احرام کی حالت میں جن امور کی انجام دہی لازم و واجب نہیں، ان کے ارتکاب میں بال گرتے ہوں، تو ہر بال پر روٹی کا ٹکڑا اور ہر تین بال پر صدقہ فطر کے برابر اناج دینا ضروری ہوگا۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (وحكم الواجبات لزوم الجزاء) أي الدم (بترك واحد منها وجواز الحج) أي حجه معه. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴هـ) ص: ۱۰۱، باب فرائض الحج وواجباته، فصل في واجبات الحج، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة)

(۲) تفصیلی تخریج کے لیے دیکھیے عنوان: "دم کا حدودِ حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے"۔

(۳) اگر بال بہ ذات خود گرے، تو کوئی چیز واجب نہیں ہوگی، ہاں اگر محرم کے کسی فعل کی وجہ سے گرے، تو پھر اس پر جزا لازم آئے گی:

فصل في سقوط الشعر: لا يخفى أن الشعر إذا سقط بنفسه لا محذور فيه، لاحتمال قلعه قبل إحرامه وسقوطه بغير فعله، ولعلهم أرادوا أنه إذا سقط بسبب فعل المحرم بأن أحس به وأدركه فحينئذ يلزمه الجزاء الذي ذكروه. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري-الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴هـ) ص: ۴۶۴، النوع الثالث في الحلق وإزالة الشعر، وقلم الأظفار، فصل في سقوط الشعر، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة)

اگر وضوء یا غسل یا داڑھی اور سر کھجلانے کی وجہ سے بال گر جائیں، تو ہر بال پر ایک مٹھی اناج، یا روٹی کا ٹکڑا یا کھجور صدقہ کیا جائے؛ لیکن اگر گرنے والے بال سر یا داڑھی کے بال کے دسویں حصے کی مقدار کو پہنچ جائیں، تو دم واجب ہوگا۔

اور اگر کسی مرض کی وجہ سے بال گر جائیں، تو محرم پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی:

ولو سقط من رأسه أو من لحيته ثلاث شعرات عند الوضوء أو غيره أي حين مسه وحكه... فعليه كف من طعام كما روي عن محمد... أو كسرة أي من خبز أو تمرة لكل شعرة. (المصدر السابق) =

[۲۵] حج میں واقع ہونے والی غلطی کی تلافی

۱۸۰۸-سوال: بیرون ملک کے ایک آدمی سے حج کے ارکان وافعال میں کچھ بھول ہوگئی؛ لیکن کیا بھول ہوئی، اس کو یاد نہیں ہے، دوسرے آدمی سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ شیطان کو پتھر مارنے کے سلسلے میں کوئی غلطی ہوگئی تھی، اس کے صدقے میں گھر والوں کو کھلانا اور دوسرے وسعت والے لوگوں کو کھلانا کیسا ہے؟ جواب تفصیل کے ساتھ دیں۔

الجواب حامدا ومصلیا:

حج میں غلطی ہوجائے، تو اس کی تلافی قربانی اور صدقہ وغیرہ کے ذریعے ممکن ہے، بعض غلطی پر گناہ نہیں ہوتا، اور بعض غلطی کے ارتکاب میں حاجی گنہ گار بھی ہوتا ہے، اگر کوئی جنایت جان بوجھ کر ہوئی ہو، تو حاجی

= وفي الحاوي عن المنتقى عن محمد -رحمه الله تعالى-: وإن كان الساقط مقدر العشر من شعر الرأس أو اللحية فعليه دم. (المصدر السابق)

ولو تناثر شعره بالمرض فلا شيء عليه، فإنه ليس باختياره وكسبه. (المصدر السابق)

حضرت مفتی صاحبؒ نے یہاں جو فرق بیان کیا ہے (یہی تفصیل آپؒ کی کتاب ''مسائل حج'' [ص:۱۷۷] میں بھی موجود ہے) کہ: ''اگر محرم کے ان امور کی انجام دہی میں بال گرجائیں، جن کا انجام دینا اس کے لیے ضروری ہے، تو ہر تین بال پر ایک مٹھی صدقہ، اور اگر ان امور کی انجام دہی میں بال گرجائیں، جن کا انجام دینا محرم کے لیے لازم نہیں ہے، تو ہر تین بال پر صدقہ فطر کے برابر اناج کا صدقہ واجب ہوگا'' حقیر کو تلاش بسیار کے باوجود اس فرق کے تعلق سے کوئی حوالہ نہیں مل سکا، اس مسئلے میں ویسے بھی فتاویٰ کی کتابوں میں اختلاف روایت یا یوں کہیے کہ اختلاف عبارت موجود ہے، جس کی طرف ملا علی قاریؒ نے ''فإنه موضع زلل'' کے ذریعے اشارہ فرمایا ہے، ذیل کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

(ولو سقط من رأسه أو من لحيته ثلاث شعرات عند الوضوء أو غيره) أي حين مسه وحكه، وفيه إيماء إلى ما قدمناه (فعليه كف من طعام) كما روي عن محمد على إطلاقه من غير قيد لكل شعرة (أو كسرة) أي من خبز (أو تمرة لكل شعرة.) ويخالفه ما في قاضي خان: وإن أخذ المحرم من شاربه أو من رأسه أو مسح لحيته فانتثر منها شعر يطعم مسكينا. وفي البدائع: ولو أخذ شيئا من رأسه أو لحيته أو لمس شيئا من ذلك فانتثر منه شعرة فعليه صدقة، وكذا ذكر التمرتاشي، وقيل: لو مس لحيته فوقعت منها شعرة أو شعرتان تصدق بتمرة أو تمرتين، كذا في الكبير بصيغة التمريض، فينافي ما اختاره هنا، فتأمل فإنه موضع زلل. (مناسك الملا علي القاري مع حاشية إرشاد الساري، ص: ۳۶۴، النوع الثالث في الحلق وإزالة الشعر، وقلم الأظفار، فصل في سقوط الشعر، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة)　　[مجتبیٰ حسن قاسمی]

گنہ گار ہوگا، ورنہ گناہ لازم نہیں آئے گا۔ (۱)

حج میں جب کوئی جنایت اور بھول کرے، اور اس میں دمِ جنایت یعنی جانور ذبح کرنا ضروری ہو، تو اس جانور کو حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے، حرم کے علاوہ افریقہ یا ہندوستان میں ذبح کرنے سے نقصان کی تلافی نہیں ہوگی، جانور ذبح کر کے غریب اور مسکین لوگوں کو کھلانا ضروری ہے، غریب رشتہ دار حرم میں ہوں، تو ان کو کھلانا بھی جائز ہے۔ (۲) تفصیل آپ نے لکھی نہیں ہے کہ حتمی طور پر کیا غلطی ہوئی ہے اور اس غلطی میں جانور واجب ہے یا غلہ؛ اس لیے مزید کچھ نہیں لکھا جا سکتا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۶] محصر بالحج والعمرۃ، دمِ احصار کس جگہ ادا کرے؟

[باب الاحصار]

۱۸۰۹- سوال: ایک شخص بیت اللہ کے لیے گھر سے روانہ ہوا، ممبئی میں اس نے حج اور عمرہ کی نیت کر

---

(۱) المحرم إذا جنى عمدا بلا عذر يجب عليه الجزاء و الإثم، وإن جنى بغير عمد أو بعذر فعليه الجزاء دون الإثم، ولا بد من التوبة على كل حال. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع حاشية إرشاد الساري، ص: ۴۲۱-۴۲۲، باب الجنايات، ت: محمد طلحة بلال أحمد منيار، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة)

(۲) عن جابر، قال: ثم قال النبي صلى الله عليه وسلم: قد نحرت ها هنا ومنى كلها منحر، ووقف بعرفة فقال: قد وقفت ها هنا وعرفة كلها موقف، ووقف بالمزدلفة فقال: قد وقفت ها هنا ومزدلفة كلها موقف. (سنن أبي داود: ۱/۲۶۶، رقم الحديث: ۱۹۰۷، كتاب المناسك، باب صفة حجة النبي صلى الله عليه وسلم، ط: ديوبند)

قال "ولا يجوز ذبح الهدايا إلا في الحرم" لقوله تعالى في جزاء الصيد: ﴿هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ﴾ [المائدة: ۹۵] فصار أصلا في كل دم هو كفارة ولأن الهدي اسم لما يهدى إلى مكان ومكانه الحرم قال عليه الصلاة والسلام "منى كلها منحر وفجاج مكة كلها منحر". (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/۱۸۱، كتاب الحج، باب الهدي، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت ★ البحر الرائق - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۳/۱۲۸، كتاب الحج، باب الهدي، ط: زكريا - ديوبند ☆ غنية الناسك في بغية المناسك، ص: ۳۳۸، فصل في شرائط كفاراتها الثلاث، مطلب في شرائط جواز الدم، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

(ويأكل) استحبابا (من هدي التطوع) إذا بلغ محله (والمتعة والقران)... (لا) يأكل (من غيرها)؛ لأنها دماء كفارات... (وخص ذبح هدي المتعة والقران بأيام النحر دون غيرهما) أي يجوز ذبح بقية الهدايا في أي وقت شاء... (و) خص (الكل بالحرم)... (ويجوز أن يتصدق به) أي الهدي (على فقير الحرم وغيره) من الفقراء المستحقين. وقال الشافعي يختص به. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸هـ): ۱/۳۰۰، كتاب الحج، باب الهدي، ط: دار إحياء التراث العربي)

کے احرام باندھ لیا، پھر اچانک حکومت کی جانب سے اسے روک دیا گیا، تو اب وہ کیا کرے؟ احرام کہاں کھولے؟ قربانی [دم احصار] کہاں کرے؟ کوئی ایسا شخص بھی نہیں ہے کہ منیٰ میں اس کی جانب سے قربانی کردے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صلح حدیبیہ کے موقع سے رسول ﷺ، صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ مقام حدیبیہ میں روک دیے گئے تھے، آپ ﷺ دم احصار ادا فرما کر حلال ہو گئے؛[۱] اس لیے حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ محصر حل میں بھی، بل کہ اسے جہاں روک دیا گیا، اسی جگہ دم ادا کر کے حلال ہو جائے۔[۲] جب کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ محصر دم یا اس کی قیمت حرم جانے والے کی معرفت بھیجے، اور تاریخ ذبح کی طے کردے، جب اس کی قربانی [دم احصار] حرم میں متعینہ تاریخ کو ذبح ہو جائے، تب یہ شخص حلال ہوگا۔[۳]

مگر زبدۃ المناسک صفحہ ۱۳۳ ج ۲ پر لکھا ہے کہ موجودہ حالات میں اگر ایسی صورت پیش آجاوے

---

(۱) عن ابن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج معتمرا، فحال كفار قريش بينه وبين البيت، فنحر هديه وحلق رأسه بالحديبية، وقاضاهم على أن يعتمر العام المقبل، ولا يحمل سلاحا عليهم إلا سيوفا، ولا يقيم بها إلا ما أحبوا، فاعتمر من العام المقبل، فدخلها كما كان صالحهم، فلما أن أقام بها ثلاثا، أمروه أن يخرج فخرج. (صحيح البخاري: ۲/۶۱۰، رقم الحديث: ۴۲۵۲، كتاب المغازي، باب عمرة القضاء، ط: ديوبند)

(۲) وأما القسم الثاني: وهو أن ينحرها في الحل ويفرقها في الحل، فهذا غير مجزئ إجماعا، إلا دم الإحصار؛ فإنه يجزئه نحره في الموضع الذي أحصر فيه؛ لأنه موضع تحلله. (الحاوي الكبير في فقه مذهب الإمام الشافعي [وهو شرح مختصر المزني] -أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي، الشهير بالماوردي (م: ۴۵۰هـ): ۴/۲۲۹، باب دخول مكة، مسألة: قال الشافعي رضي الله عنه: "ولا يكون الطعام والهدي إلا بمكة..."، ت: علي محمد معوض - عادل أحمد عبد الموجود، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۳) مذهب أبي حنيفة أن دم الإحصار يتوقت بالحرم وهو المكان. (عمدة القاري: ۱۰/۱۴۸، كتاب الحج، باب النحر قبل الحلق في الحصر، ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

وإذا لم يتحلل إلا بالهدي، وأراد التحلل يجب أن يبعث الهدي، أو ثمنه ليشترى به الهدي فيذبح عنه، ويجب أن يواعدهم يوما معلوما يذبح فيه؛ فيحل بعد الذبح، ولا يحل قبله، بل يحرم عليه، كما يحرم على المحرم غير المحصر، فلا يحلق رأسه، ولا يفعل شيئا من محظورات الإحرام حتى يكون اليوم الذي واعدهم فيه، ويعلم أن هديه قد ذبح؛ لقوله تعالى {ولا تحلقوا رءوسكم حتى يبلغ الهدي محله} [البقرة:196] حتى لو فعل شيئا من محظورات الإحرام قبل ذبح الهدي، يجب عليه ما يجب على المحرم إذا لم يكن محصرا. (بدائع الصنائع: ۲/۱۷۸، كتاب الحج، حكم الإحصار، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

کہ کسی انسان کا ملنا مشکل ہو جائے، جو حرم جانے والا ہو، یا جنگ کے حالات پیش آجائیں یا موجودہ سال ۱۹۸۴ء میں سعودی گورنمنٹ نے متعینہ تاریخ کے بعد مسافرین کا داخلہ ممنوع قرار دیا ہو اور احرام باندھ لیا گیا، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہی شخص نہیں جا سکتا، تو دوسرا کہاں سے جا سکتا ہے؟ ایسی مجبوری کی حالت میں اس کی گنجائش ہوگی کہ امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کر کے مفرد بالحج ایک دم اور قارن دو دم ذبح کر کے حلال ہو جائے۔[۴]

لہٰذا سوال میں تحریر کردہ صورت میں "محرم بالحج والعمرۃ" مجبوری کی وجہ سے ممبئی یا اپنے وطن سورت ولساڈ میں دم ذبح کروائے، اور حلال ہو جائے۔ (معلم الحجاج)[۵] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۴) اگر محصر کو ایسا آدمی نہ مل سکے، جس کے ہاتھ ہدی بھیج کر حرم میں ذبح کرائے، تو اس صورت میں محصر کو بہت ہی مشکل پیش آئے گی، اس تنگی کو رفع کرنے کے لیے ذیل کی عبارات سے گنجائش ہو سکتی ہے:

صاحب زبدۃ المناسک، عین الہدایہ کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس قول کے موافق جس کسی کو آدمی میسر نہ ہو، تو اس کو جائز ہوگا کہ مقام احصار میں ذبح کر دے، اور شک نہیں کہ اگر لے جانا ممکن نہ ہو، یا آدمی میسر نہ ہو، تو اس کے سوا چارہ ہی نہیں ہے، انتہی۔

ہمارے نزدیک تو ضرورت اور تنگی کی وجہ سے گنجائش نکلی، اور امام شافعیؒ کے مذہب میں تو مطلق جواز ہے: (فیذبح عنه في الحرم) خلافا للشافعي، جوز ذبحه حیث أحصر ولو في الحل، کما قدر في محله. (شرح اللباب، ص: ۲۷۶)

پس اس توافق سے بھی وسعت ہوئی، واللہ اعلم۔

الرابع: لا یجوز ذبح دم الإحصار إلا في الحرم عندنا في الحج، والعمرة. وقال أبو بکر الرازي - رحمه الله - في "أحکام القرآن": هو قول ابن مسعود، وابن عباس إن قدر علیه، وعطاء، وطاووس، ومجاهد، والحسن البصري، وإبراهیم النخعي، وسفیان الثوري. وقال الشافعي - رحمه الله -، ومالك - رحمه الله -، وأحمد - رحمه الله - في العمرة یذبح هدیه حیث أحصر، وعن أحمد - رحمه الله - في الحج روایتان، أحدهما: أنه یختص بیوم النحر. (البنایة شرح الهدایة - بدر الدین العینی (م: ۸۵۵ھ): ۴/۳۳۶، کتاب الحج، باب الإحصار، مایتحقق به الإحصار، ط: دار الکتب العلمیة)

(۵) معلم الحجاج، ص: ۲۷۵، حاشیہ نمبر ۱، احصار یعنی دشمن یا درندہ یا مرض کی وجہ سے حج سے رک جانا محصر کا حکم، ط: دار الکتاب - دیوبند۔

عن عطاء، عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: لما رجع النبي صلى الله عليه وسلم من حجته قال لأم سنان الأنصارية: ما منعك من الحج؟، قالت: أبو فلان، تعني زوجها، كان له ناضحان حج على أحدهما، والآخر يسقي أرضا لنا، قال: فإن عمرة في رمضان تقضي حجة أو حجة معي. (صحيح البخاري: ۱/ ۲۵۰، رقم الحديث: ۱۸۶۳، كتاب الحج، باب حج النساء، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۴۰۹، رقم الحديث: ۲۲۲-(۱۲۵۶)، كتاب الحج، باب فضل العمرة في رمضان، ط: ديوبند)

باب العمرة

[عمرہ کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب العمرة

[عمرہ کا بیان]

[۱] عمرہ کا طریقہ اور اس کے متعلقات

۱۸۱۰-سوال: الحمدللہ حج کے متعلق تو ہمیں کافی کچھ علم ہے؛ لیکن عمرہ کے متعلق کچھ نہیں جانتا، یہ عمرہ کون سی عبادت ہے اور اس کا طریقہ کیا ہے؟ تفصیلاً بیان فرما کر مہربانی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"عمرہ" زندگی میں ایک بار سنت مؤکدہ ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: {وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ}[۱] عمرہ کا کوئی وقت معین نہیں پورے سال میں کبھی بھی کر سکتے ہیں۔[۲]

---

[۱] ۲-البقرۃ:۱۹۶۔

[۲] (والعمرة) في العمر (مرة سنة مؤكدة) على المذهب... (وجازت في كل السنة). [الدر المختار] ــــــ قال ابن عابدين: (قوله والعمرة في العمر مرة سنة مؤكدة) أي إذا أتى بها مرة فقد أقام السنة غير مقيد بوقت غير ما ثبت النهي عنها فيه إلا أنها في رمضان أفضل هذا إذا أفردها فلا ينافيه أن القران أفضل لأن ذلك أمر يرجع إلى الحج لا العمرة. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۷۳-۴۷۲، كتاب الحج، مطلب أحكام العمرة، ط: دار الفكر ☆ مجمع الأنهر: ۱/۲۶۵، كتاب الحج، حكم العمرة، ط: دار إحياء التراث العربي)

البتہ ذی الحجہ کے پانچ دن: ۹-۱۰-۱۱-۱۲-۱۳ تاریخ کو عمرہ کرنا مکروہ تحریمی ہے، اس میں فقط عمرہ کی نیت سے احرام باندھنا جائز نہیں؛ کیوں کہ وہ حج کے مخصوص ایام ہیں؛ لیکن اگر کوئی حج قران کرتا ہے، یعنی حج کے احرام کے ساتھ عمرہ کا بھی احرام باندھتا ہے، تو اس کے لیے ان ایام میں بھی اجازت ہے۔[۳]

مکی یعنی مکہ مکرمہ کے رہائشی کے لیے حج کے مکمل دنوں [یکم شوال تا ۱۳/ ذی الحجہ] میں عمرہ کرنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے گھر کے رہائشی اور باشندے ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ باہر سے آنے والوں کو موقع دیں اور ان دنوں عمرہ سے توقف کر کے ان کے لیے کچھ قربانی پیش کریں۔(۴)

---

[۳] (وكرهت) تحريما (يوم عرفة وأربعة بعدها) أي كره إنشاؤها بالإحرام حتى يلزمه دم وإن رفضها لا أداؤها فيها بالإحرام السابق. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۴۷۳، كتاب الحج، مطلب في أحكام العمرة، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۳۷، كتاب الحج، الباب السادس في العمرة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ مجمع الأنهر: ۱/ ۲۶۵، كتاب الحج، حكم العمرة، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ تبيين الحقائق: ۲/ ۸۲، كتاب الحج، العمرة حكمها وأركانها، ط: المطبعة الكبرى الأميرية- بولاق، القاهرة)

(۴) مکی اور ان حضرات کے لیے، جو مکی کے حکم میں ہیں، ''ایام حج'' [شوال تا ختم ایام حج] میں عمرہ کرنا کیسا ہے؟ صاحب فتح القدیر علامہ کمال الدین، ابن الہمامؒ نے ان کے لیے عمرہ کو مکروہ لکھا ہے، خواہ ان کا اس سال حج کا ارادہ ہو، یا نہ ہو۔ حضرت مفتی بیمات صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہی ہے، جب کہ دیگر علماء فرماتے ہیں کہ حج کے صرف پانچ ایام میں ایسے مکی کے لیے عمرہ مکروہ ہے، جو اس سال حج کا ارادہ رکھتے ہوں۔ یہی رائے اکثر علماء کی ہے، اس سلسلے میں حضرت مفتی صاحبؒ کے یہاں ایک تفصیلی استفتاء بھی موصول ہوا تھا، جس میں انہوں نے اپنی رائے کی وضاحت کی ہے اور اپنی دلیل بھی تحریر کی ہے، استفتاء اور جواب آئندہ صفحات میں درج ہوں گے، ذیل میں علامہ شامیؒ کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں، جس میں علامہ شامیؒ نے علامہ ابن الہمام کے شاگرد، علامہ قاسم بن قطلوبغا کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ مکی کے لیے عمرہ کی کراہت کا قول ہمارے کسی امام؛ بل کہ ائمہ اربعہ کا نہیں ہے، گویا انہوں نے اس قول کو ابن الہمام کا تفرد قرار دیا ہے:

يزاد على الأيام الخمسة ما في اللباب وغيره من كراهة فعلها في أشهر الحج لأهل مكة، ومن بمعناهم أي من المقيمين، ومن في داخل الميقات؛ لأن الغالب عليهم أن يحجوا في سنتهم، فيكونوا متمتعين، وهم عن التمتع ممنوعون، وإلا فلا منع للمكي عن العمرة المفردة في أشهر الحج، إذا لم يحج في تلك السنة، ومن خالف فعليه البيان شرح اللباب، ومثله في البحر، وهو رد على ما اختاره في الفتح من كراهتها للمكي، وإن لم يحج ونقل عن القاضي عيد في شرح المنسك أن ما في الفتح قال العلامة قاسم: إنه ليس بمذهب لعلمائنا ولا للأئمة الأربعة، ولا خلاف في عدم كراهتها لأهل مكة. اهـ. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۴۷۳، كتاب الحج، مطلب في أحكام العمرة، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۳/ ۶۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي)

رمضان شریف میں عمرہ کا بہت ثواب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: رمضان شریف میں عمرہ کا ثواب حج کے برابر ہے۔ دوسری حدیث میں ہے اس کو اتنا ثواب ملے گا، گویا اس نے میرے ساتھ حج کیا۔ (شامی: ۲/۱۵۱)[۵]

عمرہ کا طریقہ: میقات سے احرام باندھ کر شریعت کے بتا ہوئے مخصوص طریقہ کے مطابق، بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کرے، اس کے بعد بال منڈوا کر (یا انگلی کے ایک پور کے بہ قدر کٹوا کر) احرام کھول دے۔ (شامی: ۲/۱۵۱)[۶]

---

[۵] عن عطاء، قال: سمعت ابن عباس رضي الله عنهما، يخبرنا يقول: قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم- لامرأة من الأنصار، -سماها ابن عباس فنسيت اسمها-: ما منعك أن تحجين معنا؟، قالت: كان لنا ناضح، فركبه أبو فلان وابنه، لزوجها وابنها، وترك ناضحا ننضح عليه، قال: فإذا كان رمضان اعتمري فيه، فإن عمرة في رمضان حجة، أو نحوا مما قال. (صحيح البخاري: ۱/۲۳۹، رقم الحديث: ۱۷۸۲، كتاب الحج، باب عمرة في رمضان، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۱/۴۰۹، رقم الحديث: ۲۲۱-(۱۲۵۶)، كتاب الحج، باب فضل العمرة في رمضان، ط: ديوبند)

عن عطاء، عن ابن عباس رضي الله عنهما، قال: لما رجع النبي صلى الله عليه وسلم من حجته قال لأم سنان الأنصارية: ما منعك من الحج؟، قالت: أبو فلان، تعني زوجها، كان له ناضحان حج على أحدهما، والآخر يسقي أرضا لنا، قال: فإن عمرة في رمضان تقضي حجة أو حجة معي. (صحيح البخاري: ۱/۲۵۰، رقم الحديث: ۱۸۶۳، كتاب الحج، باب حج النساء، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۱/۴۰۹، رقم الحديث: ۲۲۲-(۱۲۵۶)، كتاب الحج، باب فضل العمرة في رمضان، ط: ديوبند)

دوسری روایت میں "أو حجة معي" کا اضافہ ہے، اسی وجہ سے اس روایت کو نقل کیا گیا ہے۔

(قوله وندبت في رمضان) أي إذا أفردها كما مر عن الفتح ثم الندب باعتبار الزمان لأنها باعتبار ذاتها سنة مؤكدة أو واجبة كما مر أي أنها فيه أفضل منها في غيره واستدل له في الفتح بما عن ابن عباس عمرة في رمضان تعدل حجة وفي طريق لمسلم تقتضي حجة أو حجة معي قال وكان السلف رحمنا الله تعالى بهم يسمونها الحج الأصغر وقد اعتمر -صلى الله عليه وسلم- أربع عمرات كلهن بعد الهجرة في ذي القعدة على ما هو الحق وتمامه فيه. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۴۷۳، كتاب الحج، مطلب في أحكام العمرة، ط: دار الفكر)

[۶] (وهي إحرام وطواف وسعي) وحلق أو تقصير فالإحرام شرط، ومعظم الطواف ركن وغيرهما واجب هو المختار ويفعل فيها كفعل الحاج. (الدر المختار) ــــــ قال ابن عابدين: (قوله ويفعل فيها كفعل الحاج) قال في اللباب وأحكام إحرامها كإحرام الحج من جميع الوجوه وكذا حكم فرائضها وواجباتها وسننها ومحرماتها ومفسدها ومكروهاتها وإحصارها وجمعها أي بين عمرتين، وإضافتها أي إلى غيرها في النية ورفضها كحكمها في الحج: وهي لا تخالفه إلا في أمور منها أنها ليست بفرض وأنها لا وقت لها معين، ولا تفوت وليس فيها وقوف بعرفة=

پس عمرہ کے چار افعال ہیں: ۱- احرام ۲- بیت اللہ کا طواف ۳- صفا مروہ کی سعی ۴- حلق یا قصر کرنا۔ ان میں احرام عمرہ کی شرط ہے، بیت اللہ کا طواف رکن ہے، اور سعی وحلق اس کے واجبات میں سے ہے۔(۱) (زیادہ تفصیل کے لیے کتاب: "مسائل حج" کو دیکھنا چاہیے)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] ایام حج میں نفلی عمرہ جائز ہے یا نہیں؟

۱۸۱۱- سوال: آپ کی کتاب "مسائل حج" (گجراتی ایڈیشن) پڑھی، ماشاء اللہ بہت مفید ہے (جزاکم اللہ خیراً) پڑھتے پڑھتے صفحہ ۹۶-۹۷[۳] پر یہ مسئلہ نظر سے گزرا کہ حج کے ایام میں متمتع حاجی، حج کے عمرہ کے سوا "نفل عمرہ" نہیں کر سکتا ہے اور ہندوستانی حاجی مکی کے حکم میں ہوتا ہے اور مکی کو ایام حج میں عمرہ کرنا جائز نہیں۔

جب کہ فتاویٰ رحیمیہ اردو جلد دو صفحہ ۲۷ کے ایک سوال کے جواب میں- جس کا عنوان ہے: "ایام

ولا مزدلفة ولا رمي فيها ولا جمع أي بين صلاتين ولا خطبة ولا طواف قدوم ولا صدر ولا تجب بدنة بإفسادها ولا بطوافها جنبا أي بل شاة وأن ميقاتها الحل لجميع الناس بخلاف الحج فإن ميقاته للمكي الحرم. اهـ. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۴۷۳، كتاب الحج، مطلب في أحكام العمرة، ط: دار الفكر)

(۱) وهي في الشرع زيارة البيت والسعي بين الصفا والمروة على صفة مخصوصة وهي أن تكون مع الإحرام، هكذا في محيط السرخسي... (وأما ركنها) فالطواف. ——— (وأما واجباتها) فالسعي بين الصفا والمروة والحلق أو التقصير كذا في محيط السرخسي. ——— (وأما شرائطها) فشرائط الحج إلا الوقت هكذا في البدائع. ——— (وأما سننها وآدابها) فما هو سنن الحج وآدابه إلى الفراغ من السعي. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۳۷، كتاب المناسك، الباب السادس في العمرة، ط: دار الفكر مجمع الأنهر: ۱/ ۳۰۷، كتاب الحج، باب الإحصار والفوات، قبيل: باب الحج عن الغير، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ تبيين الحقائق: ۲/ ۸۲، كتاب الحج، العمرة حكمها وأركانها، ط: المطبعة الكبرى الأميرية- بولاق، القاهرة)

[۲] دیکھیے، ص: ۱۱۴، مسئلہ نمبر: ۳۲۳، رمضان شریف میں عمرہ کرنے کا بیان، ط: دار العلوم مدنی دار التربیت، کرمالی۔

یہ کتاب پہلے گجراتی زبان میں تھی، اب الحمد للہ "مسائل حج" کے نام سے صاحب زادۂ محترم حافظ اسجد بیمات صاحب کے زیر اہتمام، اردو زبان میں شائع ہو چکی ہے، مترجم: مولانا ومفتی اسامہ پالن پوری۔

[۳] مسائل حج اردو ایڈیشن میں یہ مسئلہ ان الفاظ کے ساتھ رقم ہے:

مسئلہ نمبر ۴۱۰: حج کے مہینوں میں ایک عمرہ کر لینے کے بعد دوسرا عمرہ کرنا مکروہ ہے، یہ حکم اس کے لیے ہے، جو حج کا ارادہ رکھتا ہو، لیکن جو صرف عمرہ کی نیت سے آیا ہو، اس کے لیے متعدد عمرہ کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ (مسائل حج- مفتی بیماتؒ، ص: ۱۴۴، ط: کرمالی)

حج میں عمرہ کرنا'' -لکھا ہے، کہ: ''ایام حج میں متمتع آفاقی کے لیے یوم عرفہ، یوم نحر اور ایام تشریق کے علاوہ ایام میں نفل عمرہ جائز ہے اور جاہل معلم ان ایام میں لوگوں کو عمرہ سے روکتے ہیں، یہ غلط ہے، غریب ناواقف حجاج ایسی عبادات سے محروم رہتے ہیں، جس کو وہ لوگ اپنے وطن میں نہیں کر سکتے، وہ ایک بڑی عبادت سے محروم رہتے ہیں''۔[1]

تو اس طرح ''مسائل حج'' کے مسئلہ میں اور ''فتاویٰ رحیمیہ'' کے مسئلہ میں صاف تضاد ہے، جس سے حجاج کرام کے لیے ایک الجھن پیدا ہو سکتی ہیں، ہمارے یہاں دیولہ سے ۱۱ر حجاج روانہ ہو گئے ہیں، اور ۴ر حجاج ۴-۹-۱۹۸۳ء میں سے جانے والے ہیں؛ اس لیے جلد جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

مستفتی: یوسف دیولہ
۲۹-۸-۱۹۸۳ء

الجواب حامداً ومصلياً:

مذکور مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے، زبدۃ المناسک کے مصنف حضرت مولانا شیر محمد صاحب -جن کے متعلق حضرت مولانا بدر عالم صاحب فرماتے ہیں کہ مسائل حج میں ان کو میں امام مانتا ہوں- نے اپنی کتاب میں دوسری جلد کے صفحہ ۱۹ر سے صفحہ ۲۴ر تک اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے، اسے ملاحظہ فرمائیں۔[2]

---

(۱) ایام حج (۹ر ذی الحجہ سے لے کر ۱۳ر ذی الحجہ تک) میں عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کرنا مکروہ تحریمی ہے، چھٹی نہ ملنے کا عذر معتبر نہیں ہے، معلم الحجاج میں ہے:

عمرہ تمام سال میں کرنا جائز ہے، صرف پانچ روز (۹ر ذی الحجہ سے ۱۳ر ذی الحجہ تک) میں عمرہ کا احرام باندھنا مکروہ تحریمی ہے، اگر ان ایام میں احرام نہیں باندھا، بل کہ پہلے سے احرام بندھا ہوا تھا، تو پھر مکروہ نہیں، لیکن اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ ان پانچ روز کے بعد عمرہ کرے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۸ر ۱۴۴، کتاب الحج، باب العمرۃ، ایام حج میں عمرہ کرنا، ط: دار الاشاعت-کراچی ☆ معلم الحجاج، ص: ۲۲۱، مسائل تمتع، متمتع ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ حج سے پہلے کر سکتا ہے، ط: دار الکتاب-دیوبند)

[۲] متمتع آفاقی، جب مکہ مکرمہ میں آ کر عمرہ کر کے حلال ہو، اور وہاں رہے، تو حج سے پہلے مکہ مکرمہ سے نفلی عمرہ کرے، تو اس کے لیے جائز ہے یا نہ؟ ——— اس میں اختلاف ہے، رحمت اللہ سندھی نے مناسک المتوسط میں لکھا ہے کہ ''یہ معتمر حج سے پہلے دوسرا عمرہ نہ کرے، اور ملا علی قاری نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ ''یہ صحیح نہیں ہے''؛ کیوں کہ اس کی بنیاد اس پر ہے کہ مکی کو مفرد عمرہ بھی اشہر حج میں ممنوع ہے، جیسا کہ ابن الہمام کا مذہب ہے۔ چوں کہ ملا رحمت اللہ ان کے تلمیذ ہیں، اس لیے ان کی اتباع کی وجہ سے مکروہ فرمایا ہو۔ حالاں کہ مکی کو تمتع وقران ممنوع ہے، اور یہ متمتع آفاقی ہے، اس کو عمرہ کرنا منع نہیں، بل کہ تکرار عمروں کا اس کو جائز ہے، کیوں کہ یہ مستقل عبادت ہے، مثل طواف کے، انتہی۔......

جو آفاقی اشہر حج میں میقات سے احرام عمرہ کا باندھ کر ادا کرتا ہے، باوجود اس کے کہ اس سال میں حج بھی کرے گا، تو اس کو=

اس کا حاصل یہ ہے کہ مکی ہو یا آفاقی، ایام حج میں جو شخص مکہ میں قیام کرلے، اس کو ایک بار عمرہ کرنے کے بعد دوسری بار عمرہ نہیں کرنا چاہیے، البتہ جو شخص عمرہ کر کے مدینہ شریف چلا جائے، تو اس کو وہاں سے حج کا احرام باندھ کر آنا بہتر ہے؛ لیکن اس کے لیے عمرہ کا احرام باندھ کر آنا بھی جائز ہے۔

اسی بنا پر میں نے اپنی کتاب میں مذکورہ کتاب کے حوالہ سے لکھا ہے اور لوگوں کا عمل بھی آج اسی پر ہے، رہا سوال عمرہ جیسی عبادت سے محرومی کا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ طواف ہمیشہ کرنے کی اجازت ہے اور طواف بھی ایک عبادت ہے، پس جس قدر چاہے طواف کرے؛ لیکن عمرہ ایک سے زیادہ کرنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ حج کے ایام میں صرف حج کی اجازت ہونی چاہیے، حج کے اکرام و تعظیم کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ ایام حج کو صرف ارکان حج کے لیے ہی خاص کر دیا جائے، البتہ آنے والوں کی مجبوری و لاچاری کے پیش نظر ایک عمرہ کی اجازت دے دی گئی ہے، تاکہ عمرہ کر کے احرام کھول سکے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: زبدة المناسک مع عمدة المناسک: ۱۹/۲-۲۴، مطبوعہ: الجمعیۃ پریس، دہلی) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] حج سے پہلے نفلی عمرہ کرنا

۱۸۱۲- سوال: حج سے پہلے نفل عمرہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ آپ کی کتاب: ''مسائل حج'' صفحہ نمبر:

= دونوں عبادتیں حج اور عمرہ ایک سال میں جمع کرنا مشروع و جائز ہے، بخلاف مکی اور جو مکی کے حکم میں ہو گیا ہو اور یہ آفاقی جب عمرہ سے حلال ہو کر مکہ میں رہا، تو بعض احکام میں اب مکی کا حکم رکھتا ہے، اب اگر اس کے بعد حج سے پہلے دوسرا عمرہ کرے گا، باوجود اس کے کہ اس سال حج بھی کرے گا، تو اب یہ دوسرا عمرہ اشہر حج میں کرنا اس لیے ممنوع ہو گا کہ اس نے مکہ والوں کے حکم میں ہو کر اشہر حج میں، باوجود حج کا ارادہ رکھتے ہوئے عمرہ کیا ہے، پس اس کو مفرد عمرہ نہ کہا جائے گا، اگرچہ اس سے صحیح تمتع بھی منعقد نہ ہوا ہو، کیوں کہ اس کا تمتع تو پہلے عمرہ سے بہ طریق مشروع میقات آفاقی سے منعقد ہو چکا ہے۔ اور ثانی عمرہ کو مکی ہو کر اشہر حج میں کرنے کی نیت رکھتے ہوئے کیا ہے، تو صورتاً متمتع ہوا۔

گویا مکی ہو کر اشہر حج میں عمرہ اور حج دو عبادتوں کو جمع کیا، پس اس ثانی عمرہ کو مفردہ قرار دے کر اشہر حج میں مفردہ عمرہ کرنے کو عدم جواز والی روایت پر مبنی کرنا بعید از قیاس ہے، اگرچہ صاحب اللباب اپنے استاذ ابن الہمام کی اتباع کی وجہ سے مفرد عمرہ کو اشہر حج میں ممنوع جانتے ہوں، اور غالب یہی ہے، ملا علی قاریؒ نے اسی وجہ سے اس کی ممانعت کو اس پر مبنی جان کر تعاقب کیا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (زبدة المناسک مع عمدة المناسک: ۱۹/۲-۲۰، تحقیق اس مسئلے کہ کہ آیا یہ متمتع آفاقی ......الخ، ط: الجمعیۃ پریس- دہلی ☆ مناسک الملا علی القاری مع حاشیہ ارشاد الساری، ص: ۶۵۵، باب العمرة، فصل فی وقتها، ت: محمد طلحہ بلال منیار، ط: المکتبۃ الامدادیہ، مکہ مکرمہ ☆ بدائع الصنائع: ۱۶۹/۲، کتاب الحج، فصل بیان ما یحرم بہ المحرمون، ط: دار الکتب العلمیہ - بیروت)

۹۶، ۹۷ اور مسئلہ نمبر: ۳۲۲، ۳۲۳ پر آپ نے لکھا ہے کہ ''نفل عمرہ کرنا جائز نہیں ہے'' جب کہ حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب کی کتاب ''فتاوی رحیمیہ'' کی پانچویں جلد میں حضرت نے خود لکھا ہے کہ نفلی عمرہ کرنا جائز ہے تو دونوں مسئلوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے، تفصیل سے جواب مطلوب ہے۔ آپ کا خادم: محمد اعظم

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفلی عمرہ کرنا جائز ہے، دراصل مسئلہ نمبر: ۳۲۲ میں ایک جملہ چھوٹ گیا ہے، پورا مسئلہ یوں ہے: ''عید کا چاند دیکھنے کے بعد حنفی مکی کے لیے عمرہ کرنا جائز نہیں ہے''۔

البتہ اس مسئلہ میں کہ ''ایام حج میں مکی کے لیے عمرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟'' علمائے کرام کا اختلاف ہے؛ میں نے ناجائز لکھا ہے، جب کہ دیگر کتابوں میں جائز لکھا ہوا ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] سعودی میں مقیم حضرات کے لیے اشہر حج میں عمرہ کرنا

۱۸۱۳- سوال: سعودی میں جو لوگ مقیم ہیں، ان کے متعلق ایسا سننے میں آیا ہے کہ رمضان کے بعد [اشہر حج] وہ (مقیم) عمرہ نہیں کر سکتے، اگر عمرہ کریں گے، تو حج کرنا ضروری ہوگا، اگر حج نہیں کرے گا، تو قربانی کرنا ضروری ہوگا۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا یہ بات (جو ہم نے سن رکھی ہے) صحیح ہے؟ سعودی میں مقیم شخص اشہر حج میں عمرہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر عمرہ کرنے کے بعد حج بدل یا حج افراد کر لے یا رمضان کے بعد مقیم نے صرف عمرہ کیا ہو، تو اس کے لیے قربانی کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکورہ مسئلہ میں مکی [مکہ مکرمہ کا رہنے والے] اور میقاتی [یعنی میقات کے اندر رہنے والا] اگر حج کا ارادہ رکھتے ہوں، تو ان کے لیے عمرہ کرنا جائز نہیں ہے۔[2] اس لیے کہ میقاتی کے لیے تمتع اور قران جائز نہیں ہے، بناء بریں مکی یا میقاتی ایام حج میں عمرہ کرنے کے بعد حج کریں گے، تو ان پر دم جنایت لازم ہوگا۔[3]

---

(۱) قد تقدم تخریجه تحت عنوان: ''ایام حج میں نفلی عمرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟''۔

(۲) ویکره فعلها في أشهر الحج لأهل مكة و من بمعناهم، أي من المقيمين و من في داخل الميقات. (مناسك الملا علي القاري مع حاشية إرشاد الساري، ص: ٦٥٦، باب العمرة، ت: محمد طلحة بلال أحمد منيار، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة ☆ بدائع الصنائع: ۱۶۹/۲، كتاب الحج، بيان ما يحرم به المحرمون، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۳) (والمكي ومن في حكمه يفرد فقط) ولو قرن أو تمتع جاز وأساء، وعليه دم جبر. (الدر المختار) =

اگر کوئی سعودی میقات کے باہر کا رہنے والا ہے، تو اس کے لیے تمتع وقران جائز ہے اور جائز تمتع اور قران والوں کے ذمہ دم شکر واجب ہوگا۔[۱] تمام سعودی کے لیے یکساں حکم نہیں ہے۔

مکی یعنی مکہ مکرمہ کے رہائشی کے لیے حج کے مکمل دنوں [یکم شوال تا ۱۳ر ذی الحجہ] میں عمرہ کرنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے گھر کے رہائشی اور باشندے ہیں، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ باہر سے آنے والوں کو موقع دیں اور ان دنوں میں عمرہ سے توقف کر کے ان کے لیے کچھ قربانی پیش کریں۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] تجارت کی غرض سے جانے والے کے لیے عمرے کا شرعی حکم

۱۸۱۴- سوال: میں نے حج فرض ادا کرلیا ہے، اب تجارت کے لیے دبئی اور جدہ جانا چاہتا ہوں؛ تو میں صرف عمرہ کرلوں اور حج نہ کروں، تو اس کی گنجائش ہے یا نہیں؟

= قال ابن عابدين: (قوله ولو قرن أو تمتع جاز وأساء إلخ) أي صح مع الكراهة للنهي عنه، وهذا ما مشي عليه في التحفة وغاية البيان والعناية والسراج وشرح الإسبيجابي على مختصر الطحاوي. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۳۹/۲، كتاب الحج، باب التمتع، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الهداية: ۱۵۵/۱، كتاب الحج، باب التمتع، ت: طلال يوسف، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت ☆ اللباب في شرح الكتاب - عبد الغني بن طالب بن حمادة بن إبراهيم الغنيمي الدمشقي الميداني الحنفي (م: ۱۲۹۸ھ): ۲۰۰/۱، كتاب الحج، باب التمتع، ت: محمد محيي الدين عبد الحميد، ط: المكتبة العلمية - بيروت)

(۳) فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ. (۲- البقرة: ۱۹۶)

ويجب الدم على القارن والمتمتع شكرا لما أنعم الله تعالى عليه بتيسير الجمع بين العبادتين. (قاضي خان على هامش الهندية: ۳۰۴/۱، كتاب الحج، فصل في التمتع، ط: زكريا - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۲۳۹/۱، كتاب المناسك، الباب السابع في القران والتمتع، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفقه الإسلامي وأدلته: ۲۶۲/۳، الباب الخامس: باب الحج والعمرة، المبحث الثامن: ثالثا كيفية القران، ط: مكتبة تهانوي - ديوبند ☆ مناسك الملا علي القاري مع حاشية إرشاد الساري، ص: ۳۶۸، باب القران، فصل في هدي القارن والمتمتع، ط: المكتبة الإمدادية - مكة المكرمة)

(۴) مکی اور ان حضرات کے لیے، جو مکی کے حکم میں ہیں، "ایام حج" [شوال تا ختم ایام حج] میں عمرہ کرنا کیسا ہے؟ صاحب فتح القدیر علامہ کمال الدین، ابن الہمامؒ نے ان کے لیے عمرہ کو مکروہ لکھا ہے، خواہ ان کا اس سال حج کا ارادہ ہو، یا نہ ہو۔ حضرت مفتی بیمات صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہی ہے، جب کہ دیگر علماء فرماتے ہیں کہ حج کے صرف پانچ ایام میں ایسے مکی کے لیے عمرہ مکروہ ہے، جو اس سال حج کا ارادہ رکھتے ہوں۔ یہی رائے اکثر علماء کی ہے، علامہ شامیؒ نے علامہ ابن الہمام کے شاگرد، علامہ قاسم بن قطلو بغا کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ مکی کے لیے عمرہ کی کراہت کا قول ہمارے کسی امام؛ بل کہ ائمہ اربعہ کا نہیں ہے، گویا انہوں نے اس قول کو ابن الہمام کا تفرد قرار دیا ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے: الدر المختار مع رد المحتار: ۴۷۳/۲، كتاب الحج، مطلب في أحكام العمرة، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۶۳/۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

الجواب حامداومصلیا:

عمرہ کرنا سنت مؤکدہ ہے، پورا سال اس کا وقت ہے، صرف حج کے پانچ دنوں (ذی الحجہ کی نو، دس، گیارہ، بارہ اور تیرہ تاریخ) میں صرف عمرہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔[1] اس لیے آپ ان دنوں کے علاوہ میں اگر مکہ مکرمہ جارہے ہیں، تو عمرے کا احرام باندھ کر جائیں اور عمرہ کر کے اپنے وطن واپس لوٹیں، یا تجارت کے لیے کسی اور ملک کا رخ کریں؛ کیوں کہ مکہ مکرمہ کی عظمت واحترام کی خاطر وہاں بغیر احرام کے داخل ہونا جائز نہیں، اس لیے بغیر احرام کے مکہ مکرمہ جانا جائز نہیں۔[2]

رہی بات حج فرض کی، سو آپ نے اسے ادا کرلیا ہے؛ اس لیے آپ پر حج فرض نہیں ہوگا۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] (والعمرة) في العمر (مرة سنة مؤكدة) على المذهب ... (وجازت في كل السنة) وندبت في رمضان (وكرهت) تحريما (يوم عرفة وأربعة بعدها) أي كره إنشاؤها بالإحرام حتى يلزمه دم وإن رفضها لا أداؤها فيها بالإحرام السابق. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۴۷۲-۴۷۳، كتاب الحج، ط: دار الفكر ☆ مجمع الأنهر: ۱/ ۲۶۵، كتاب الحج، حكم العمرة، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۳۷، كتاب المناسك، الباب السادس في العمرة، ط: دار الفكر)

(۲) ولا يجوز للآفاقي أن يدخل مكة بغير إحرام نوى النسك أو لا ولو دخلها فعليه حجة أو عمرة كذا في محيط السرخسي في باب دخول مكة بغير إحرام. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۲۱، كتاب المناسك، الباب الثاني في المواقيت، ط: دار الفكر ☆ عمدة القاري: ۱۰/ ۲۰۵، كتاب الحج، باب دخول الحرم ومكة بغير إحرام، ط: دار إحياء التراث العربي - بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۲/ ۱۶۴، كتاب الحج، فصل بيان مكان الإحرام، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۵۵۱، كتاب الحج، الفصل الرابع في بيان مواقيت الإحرام، ط: زكريا - ديوبند)

(۳) البتہ آفاقی کے دخول مکہ کی وجہ سے عمرہ یا حج کرنا ضروری ہوتا ہے، اس لیے عمرہ کرنا لازم ہوگا، خود حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنی کتاب "مسائل حج" میں اس کی صراحت کی ہے، حضرتؒ رقم طراز ہیں:

آفاقی، یعنی میقات سے باہر رہنے والا، مکہ مکرمہ میں پانچوں میقاتوں میں سے کسی بھی میقات سے گذرے گا، تو اس پر حج یا عمرہ کرنا لازم ہوجائے گا، انتہی۔

ثم إذا دخل الآفاقي مكة بغير إحرام، وهو لا يريد الحج، ولا العمر، فعليه لدخول مكة إما حجة وإما عمرة، فإن أحرم بالحج أو العمرة من غير أن يرجع إلى الميقات فعليه دم لترك حق الميقات، وإن عاد إلى الميقات وأحرم وهذا على وجهين: إن أحرم بحجة الإسلام أو عمرة عما لزمه خرج عن العهدة، وإن أحرم بحجة الإسلام أو عمرة كانت عليه إن كان ذلك في عامه أجزأه عما لزمه لدخول ملة بغير إحرام استحسانا. (الفتاوى التاتارخانية: ۳/ ۵۵۱-۵۲، كتاب الحج، الفصل الرابع في بيان مواقيت الإحرام، ط: زكريا - ديوبند) [مجتبیٰ حسن قاسمی]

[۶] کیا عمرہ حج کے ارکان میں شامل ہے؟

۱۸۱۵- سوال: ''عمرہ'' حج کے ارکان میں شامل ہے یا الگ ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

''عمرہ'' ایک مستقل عبادت ہے؛ لہٰذا اس کے ارکان الگ ادا کرنے پڑیں گے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وهي في الشرع زيارة البيت والسعي بين الصفا والمروة على صفة مخصوصة وهي أن تكون مع الإحرام، هكذا في محيط السرخسي... (وأما ركنها) فالطواف.ـــــــ (وأما واجباتها) فالسعي بين الصفا والمروة والحلق أو التقصير كذا في محيط السرخسي.ـــــــ (وأما شرائطها) فشرائط الحج إلا الوقت هكذا في البدائع.ـــــــ (وأما سننها وآدابها) فما هو سنن الحج وآدابه إلى الفراغ من السعي. (الفتاوى الهندية: ۱/۲۳۷، كتاب المناسك، الباب السادس في العمرة، ط: دار الفكر مجمع الأنهر: ۱/۳۰۷، كتاب الحج، باب الإحصار والفوات، قبيل: باب الحج عن الغير، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ تبيين الحقائق: ۲/۸۲، كتاب الحج، العمرة حكمها وأركانها، ط: المطبعة الكبرى الأميرية- بولاق، القاهرة)

ثم يأتي القبر الكريم، فيستدبر القبلة، ويستقبل جدار القبر، ويبعد من رأس القبر نحو أربعة أذرع، ويقف ناظرا إلى أسفل، خاشعا، فارغ القلب من علائق الدنيا، مستحضرا قلبه جلالة موقفه صلى الله عليه وسلم، ثم يسلم ولا يرفع صوته، فيقول: (السلام عليك يا رسول الله، السلام عليك يا نبي الله، السلام عليك يا خيرة الله، السلام عليك يا خير خلق الله، السلام عليك يا حبيب الله، السلام عليك يا نذير... ——— ثم يتأخر نحو يمينه إلى الشرق قدر ذراع، فيسلم على أبي بكر رضي الله عنه، فيقول: (السلام عليك يا أبا بكر صفي رسول الله، وثانيه في الغار، جزاك الله عن أمة نبيه صلى الله عليه وسلم خيرا). ——— ثم يتأخر نحو اليمين قدر ذراع، فيسلم على عمر رضي الله عنه، فيقول: (السلام عليك يا عمر، أعز الله بك الإسلام، جزاك الله عن أمة محمد صلى الله عليه وسلم خيرا).

(الفقه الإسلامي و أدلته: ۳/ ۳۳۹-۳۴۰، الباب الخامس: الحج و العمرة، الفصل الثاني: خصائص الحرمين، المبحث الثاني: حرم المدينة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ) ص: ۷۱۵-۷۱۹، باب زيارة سيد المرسلين - صلى الله عليه وسلم -، فصل في آداب السلام على رسول الله صلى الله عليه وسلم و الصالحين، ت: محمد طلحة بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية - مكة المكرمة)

فصل زيارة النبى صلى الله عليه وسلم

[روضۂ اقدس اور مدینہ منورہ کی زیارت کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فصل زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

[روضۂ اقدس اور مدینہ منورہ کی زیارت کا بیان]

[۱] مسجدِ نبوی کے آٹھ ستونوں میں سے کہاں نماز اور کہاں دعاء کی جائے؟

۱۸۱۶- سوال: مسجدِ نبوی میں آٹھ ستون ہیں، اُن میں سے کس ستون کے پاس نماز پڑھی جائے؟ اور کون سے ستون کے پاس دعاء کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دونوں خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہما پر صلوٰۃ وسلام سے فراغت کے بعد استوانۂ ابی لبابہ رضی اللہ عنہ کے پاس آکر نفل پڑھ کے دعاء کرے، پھر منبر کے پاس دعاء کرے، پھر استوانۂ حنانہ کے پاس دعاء کرے، اِن دوستونوں پر دعاء مستحب ہے، اِن کے علاوہ اور بھی متبرک جگہیں ہیں؛ لیکن اُن میں دعاء مستحب نہیں، تاہم اگر کوئی دعاء کرلے تو کوئی حرج بھی نہیں۔ (طحطاوی علی مراقی الفلاح: ۱/ ۴۰۸)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] ثم يأتي أسطوانة أبي لبابة التي ربط بها نفسه حتى تاب الله عليه، وهي بين قبره والمنبر، ويصلي ما شاء نفلا، ويتوب إلى الله، ويدعو بما شاء، ويأتي الروضة، ويصلي ما شاء، ويدعو بما أحب، ويكثر من التسبيح والتهليل والثناء والاستغفار، ثم يأتي المنبر فيضع يده على الرمانة التي كانت به تبركا بأثر الرسول صلى الله عليه وسلم ومكان يده الشريفة إذا خطب لينال بركته صلى الله عليه وسلم ويصلي عليه، ويسأل الله ما شاء، ثم يأتي الأسطوانة الحنانة، وهي التي فيها بقية الجذع الذي حن إلى النبي صلى الله عليه وسلم حين تركه، وخطب على المنبر؛ حتى نزل =

[۲] استوانۂ وفود پر اِس نیت سے تلاوت کرنا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا رہا ہوں

۱۸۱۷- سوال: استوانۂ وقوف، [۱] جو چوکور شکل میں ایک اونچی جگہ بنی ہوئی ہے، اُس پر بہت سے لوگ بیٹھ کر تلاوت کرتے ہیں، اگر کوئی شخص وہاں بیٹھ کر اِس نیت سے تلاوت کرے کہ میں حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سبق سنا رہا ہوں، تو کیا اِس نیت سے تلاوت کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیا:

اِس نیت سے تلاوت کرنا ثابت نہیں ہے، بل کہ اگر زور سے [بلند آواز میں] تلاوت کی گئی، تو دیگر نمازیوں کو خلل ہوگا، جس سے اجتناب ضروری ہے۔

جو چیز ثابت نہیں ہے، اُسے مسنون سمجھ کر نہ کیا جائے، کہ اس سے بدعت کے دروازے کھلتے ہیں۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=فاحتضنه فسكن، ويتبرك بما بقي من الآثار النبوية، والأماكن الشريفة، ويجتهد في إحياء الليالي مدة إقامته، واغتنام مشاهدة الحضرة النبوية، وزيارته في عموم الأوقات. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح-أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: ۱۲۳۱ هـ)، ص: ۷۵۰، كتاب الحج، فصل في زيارة النبي صلى الله عليه وسلم، ت: محمد عبد العزيز الخالدي، ط: دار الكتب العلمية بيروت-لبنان)

[۱] ''اسطوانہ وقوف'' کا علم نہ ہو سکا، خیال ہوتا ہے کہ ''اسطوانہ وفود'' مراد ہے، جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تشریف رکھتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چوں کہ اس اسطوانہ کے پاس مختلف علاقے سے آنے والے وفد سے ملاقات کرتے تھے، اس لیے اسے ''اسطوانہ وفود'' کہا جانے لگا:

وأسطوانة الوفود... كان صلى الله عليه وسلم وسراة الصحابة أي أفاضلهم وأشرافهم (يجلسون عندها) ولعل إضافتها إلى الوفود لأنه-صلى الله عليه وسلم- كان يقعد عندها لملاقاتهم وقضاء مقصوداتهم. (مناسك الملا علي القاري مع حاشية إرشاد الساري، ص: ۷۲۸، ۷۲۹، باب زيارة سيد المرسلين -صلى الله عليه وسلم-، فصل في آداب المجاورة في المدينة المنورة، الأساطين الفاضلة، ت: محمد طلحة بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة)

(۲) قال الشافعي رحمه الله: ما أحدث مما يخالف الكتاب أو السنة أو الأثر أو الإجماع فهو ضلالة، وما أحدث من الخير مما لا يخالف شيئا من ذلك فليس بمذموم... قال النووي: البدعة كل شيء عمل على غير مثال سبق، وفي الشرع إحداث ما لم يكن في عهد رسول الله - صلى الله عليه وسلم. (مرقاة المفاتيح-علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۱/ ۲۲۴، تحت رقم الحديث: ۱۴۱، ط: دار الفكر-بيروت)

[۳] روضۂ اقدس کی کون سی جالی کے پاس قبرِ اطہر ہے؟

۱۸۱۸- سوال: روضۂ اقدس کی تین جالیاں ہیں، اُن میں سے کونسی جالی کے پیچھے قبر اطہر ہے؟ اور کونسی جالیوں کے پیچھے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی قبریں ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پہلی جالی کے پیچھے حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم، دوسری جالی کے پیچھے حضرتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ، اور تیسری جالی کے پیچھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قبریں ہیں۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] مدینہ منوّرہ کی زمین پر سر کے بل چلنے کا مطلب

۱۸۱۹- سوال: مدینہ شریف کی زیارت کے تذکرہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ مدینہ شریف کی زمین پر سر کے بل چلنا چاہیے، تو یہاں سر کے بل چلنے سے کیا مراد ہے؟ برائے کرم تشریح فرمائیں۔

گذارش: مکہ مکرمہ سے بہت سے حجاجِ کرام "مومیائی" نامی ایک دوا خرید کر لاتے ہیں، جس کی تاثیر گرم بتائی جاتی ہے، اور یہ دوائی ایک حلال پرندے کے جزء سے تیار ہوتی ہے، تو اُس پرندے کا

(۱) ثم يأتي القبر الكريم، فيستدبر القبلة، ويستقبل جدار القبر، ويبعد من رأس القبر نحو أربعة أذرع، ويقف ناظرا إلى أسفل، خاشعا، فارغ القلب من علائق الدنيا، مستحضر اقلبه جلالة موقفه صلى الله عليه وسلم، ثم يسلم ولا يرفع صوته، فيقول: (السلام عليك يا رسول الله، السلام عليك يا نبي الله، السلام عليك يا خيرة الله، السلام عليك يا خير خلق الله، السلام عليك يا حبيب الله، السلام عليك يا نذير . . . ـــــــ ثم يتأخر نحو يمينه إلى الشرق قدر ذراع، فيسلم على أبي بكر رضي الله عنه، فيقول: (السلام عليك يا أبا بكر صفي رسول الله، وثانيه في الغار، جزاك الله عن أمة نبيه صلى الله عليه وسلم خيرا) ـــــــ ثم يتأخر نحو اليمين قدر ذراع، فيسلم على عمر رضي الله عنه، فيقول: (السلام عليك يا عمر، أعز الله بك الإسلام، جزاك الله عن أمة محمد صلى الله عليه وسلم خيرا) . [الفقه الإسلامي و أدلته: ۳/۳۳۹-۳۴۰، الباب الخامس: الحج و العمرة، الفصل الثاني: خصائص الحرمين، المبحث الثاني: حرم المدينة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ مناسك الملا علي القاري مع حاشية إرشاد الساري، ص:۷۱۵-۷۱۹، باب زيارة سيد المرسلين -صلى الله عليه وسلم-، فصل في آداب السلام على رسول الله صلى الله عليه وسلم و الصالحين، ت: محمد طلحة بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة]

اُردو یا عربی نام کیا ہے؟ برائے کرم رہنمائی فرمائیں، تاکہ ہم یہاں بھی اُسے تلاش کر سکیں۔

الجواب حامداً ومصلیا:

سر کے بل چلنے کا لغوی معنیٰ ظاہر ہے یعنی ''سر کو زمین پر رکھ کر چلنا''؛ لیکن یہاں یہ معنیٰ لغوی مراد نہیں ہے، بل کہ یہ ایک محاورہ ہے، جس کے معنیٰ ہیں: نہایت ادب واحترام کے ساتھ چلنا، جیسے اُردو زبان میں کہا جاتا ہے: قربان ہو جانا، یعنی اپنی مرضی کو ختم کر کے تابع ہو جانا۔ (۱)

اردو زبان میں اُس پرندے کو مومیاء کہتے ہیں۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] حج کی صحت مدینہ منورہ کی زیارت پر موقوف نہیں

۱۸۲۰- سوال: بیرون کا باشندہ، مکہ شریف میں رہنے والا، اگر حج کے علاوہ دوسرے دنوں میں مدینہ شریف جا کر زیارت کر کے آیا ہے، تو حج کے بعد بھی اس کے لیے مدینہ شریف جانا لازم ہے؟ اگر نہیں جائے تو گنہ گار ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیا:

مدینہ شریف کی عبادت، مستقل عبادت ہے، حج کی صحت اس پر موقوف نہیں؛ اس لیے چاہے وہ مکہ کا باشندہ ہو یا ہندوستان، یورپ کا ہو یا افریقہ کا، حج کر لے، اگر وہ مدینہ شریف نہیں جا سکا، تب بھی اس کا حج صحیح ہو جائے گا۔ (۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) سر کے بل: سر کے سہارے، (۲) نہایت ادب سے، بڑی عزت سے۔ (فیروز اللغات کلاں، ص: ۷۹۲، جدید اڈیشن، ط: ادبی دنیا، جامع مسجد، دہلی)

(۲) مومیائی - مومیاء: نام ایک شئے کا ہے، جسے بہ طور دوا کے استعمال کرتے ہیں، اور یہ سیاہ رنگ کی ہوتی ہے۔ (لغات کشوری، ص: ۵۱۴، باب میم، فصل میم مع واؤ، ط: دار الاشاعت کراچی - پاکستان)

(۳) وزيارة قبره مندوبة، بل قيل واجبة لمن له سعة. (الدر المختار) ـــــــــ قال ابن عابدين: (قوله مندوبة) أي بإجماع المسلمين كما في اللباب. (رد المحتار على الدر المختار: ۶۲۶/۲، كتاب الحج، فروع في الحج، حرم المدينة ومكة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ فتح القدير: ۱۷۹/۳، كتاب الحج، مسائل منثورة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ مناسك الملا علي القاري مع حاشية إرشاد الساري، ص: ۷۰۹، باب الحج عن الغير، ت: محمد طلحة بلال أحمد منيار، ط: المكتبة الإمدادية - مكة المكرمة ☆ فتاوى دار العلوم: ۵۸۰/۶، زیارت مدینہ، ط: دار العلوم - دیوبند)

عن علي -رضي الله تعالی عنه- قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: " من ملك زادا وراحلة تبلغه إلى بيت الله ولم يحج فلا عليه أن يموت يهوديا، أو نصرانيا، وذلك أن الله يقول في كتابه: {ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا} ". [آل عمران:۹۷] (سنن الترمذي:۱/ ۱۶۷، رقم الحديث: ۸۱۲، أبواب الحج، باب ما جاء في التغليظ في ترك الحج)

باب متفرقات الحج

[حج کے متفرق مسائل]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب متفرقات الحج

[حج کے متفرق مسائل]

[۱] فرض حج کی ادائیگی سے قبل عمرہ کرنا

۱۸۲۱-سوال: میں اور میری والدہ نے اب تک حج ادا نہیں کیا ہے، اور ہم عمرہ کے لیے جانا چاہتے ہیں، تو فرض حج باقی ہوتے ہوئے ہمارا عمرہ ادا ہوگا؟ یا پہلے فرض حج ادا کرنے کے بعد عمرہ کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

حج کی ادائیگی سے پہلے آپ کا عمرہ ادا کرنا جائز ہے، لیکن اگر آپ پر حج فرض ہے، تو بلا کسی عذر کے اُس کی ادائیگی میں تاخیر نہ کریں، کیوں کہ اِس بارے سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اِس لیے پہلے حج ادا کرنا بہتر ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن علي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من ملك زادا وراحلة تبلغه إلى بيت الله ولم يحج فلا عليه أن يموت يهوديا، أو نصرانيا، وذلك أن الله يقول في كتابه: {ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا} [آل عمران:۹۷]
(سنن الترمذي: ۱/۱۶۷، رقم الحديث: ۸۱۲، أبواب الحج، باب ما جاء في التغليظ في ترك الحج، ط: ديوبند)

وأما كونه على الفور، فهو قول أبي يوسف وأصح الروايتين عن أبي حنيفة، وعند محمد يجب على التراخي والتعجيل أفضل كذا في الخلاصة، وتحقيقه أن الأمر إنما هو طلب المأمور به ولا دلالة له على الفور ولا على =

[۲] پہلے والد کا حج بدل یا بھائی کے قرض کی ادائیگی؟

۱۸۲۲- سوال: ہم کل چھ بھائی ہیں: دو انڈیا میں، دو انگلینڈ میں، ایک سعودیہ میں اور ایک زامبیا میں رہتے ہیں، ہمارے والد کا انتقال آج سے ۳۴؍سال قبل ہوا تھا، انہوں نے کوئی حج نہیں کیا ہے، ان پر حج فرض تھا یا نہیں؟ ہمیں معلوم نہیں۔ اب باہر رہنے والے بھائیوں نے مل کر یہ طے کیا ہے کہ والد کی طرف سے حج بدل کیا جائے اور اس کا خرچ وہ سب مل کر اٹھائیں گے، لیکن سوال یہ ہے کہ انڈیا میں جو دو بھائی رہتے ہیں، ان کو کسی وجہ سے قرض ہو گیا ہے، دوسرے بھائی بھی ان کی وقتاً فوقتاً تھوڑی تھوڑی مدد کرتے رہتے ہیں، لیکن فی الحال ان کا قرض کچھ زیادہ ہو گیا ہے، تو اب ان مقروض بھائیوں کا قرض پہلے ادا کیا جائے یا والد صاحب کی طرف سے حج بدل کیا جائے؟ اس سلسلہ میں آپ جناب سے شریعت کی صحیح رہنمائی چاہتے ہیں، امید ہے کہ جواب دے کر مشکور فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے سوال میں دو باتیں ہیں:

(۱) والد کی طرف سے حج کی ادائیگی، (۲) بھائی کا قرض ادا کرنا۔ تو جاننا چاہیے کہ آج سے ۳۴؍سال قبل عموماً جہالت کی وجہ سے حج فرض ہونے کے باوجود بھی لوگ حج نہیں کیا کرتے تھے، اس لیے زیادہ امکان ہے کہ آپ کے والد پر حج فرض ہو گیا ہو، اور والد کا حق مقدم ہے پس اپنی رضامندی سے کسی بھی بھائی کو یا سب کو مل کر ان کی طرف سے حج کروانا چاہیے۔[1]

=التراخي فأخذ به محمد وقواه بأنه -عليه السلام- حج سنة عشر وفرضية الحج كانت سنة تسع فبعث أبا بكر حج بالناس فيها ولم يحج هو إلى القابلة.

وأما أبو حنيفة وأبو يوسف فقالا: الاحتياط في تعيين أول سني الإمكان؛ لأن الحج له وقت معين في السنة والموت في سنة غير نادر فتأخيره بعد التمكن في وقته تعريض له على الفوات فلا يجوز وبهذا حصل الجواب عن تأخيره -عليه الصلاة والسلام- إذ لا يتحقق في حقه تعريض الفوات وهو الموجب للفور؛ لأنه كان يعلم أنه يعيش حتى يحج ويعلم الناس مناسكهم تكميلا للتبليغ وبهذا التقرير علم أن الفورية ظنية؛ لأن دليل الاحتياط ظني ومقتضاه الوجوب فإذا أخره وأداه بعد ذلك وقع أداء ويأثم بالتأخير لترك الواجب. (البحر الرائق: ۲/۳۳۳، كتاب الحج، واجبات الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[نوٹ: حاشیہ نمبر: (۱) اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں]

اگر باہر رہنے والے تمام بھائی مل کر خرچ اٹھاتے ہیں اور مقروض بھائیوں کے پاس سے کچھ نہیں لیا جاتا ہے تو ان مقروض بھائیوں کو اس سلسلہ میں روکنے کا کوئی حق نہیں ہے؛ کیوں کہ ان کے پاس سے کچھ رقم نہیں لی گئی ہے، اور اگر وہ بھی ساتھ دیتے ہیں اور کچھ رقم دیتے ہیں، تو اس کی اجازت ہے۔

مقروض وغریب بھائیوں کی جانب سے مدد نہ آئے، اور صاحب مال حج بدل کرائے، یہ زیادہ بہتر ہے، اس میں زیادہ ثواب ہے۔ حج بدل کرانے کے بعد بھی غریب بھائیوں کی مدد کی جائے اور ان کا خیال رکھا جائے، کہ یہ ضروری ہے۔ البتہ یہاں ملک (انڈیا) میں رہنے والے بھائیوں کو بھی چاہیے کہ اپنی حالت بدلنے کی خود بھی کوشش کریں، سودی نظام کا سہارا لے کر اور غلط راستہ اپنا کر یہاں بیٹھے موج ومستی نہ کریں (جیسا کہ بہت سے لوگ ایسا کرتے ہیں اور باہر کے رشتہ داروں سے امید لگائے رہتے ہیں) اگر وہ یہاں صحیح طریقہ سے رہتے ہوں اور مالی مشکلات کو دور کرنے کے لیے کوشاں ہو، لیکن کامیابی نہ ملتی ہو، تو بلاشبہ ان کی مدد کرنے میں بھی بہت بڑا ثواب ہے۔ [۲] لیکن والد کا حق بھائیوں سے زیادہ ہے، اس کا خیال رکھا جائے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن ابن عباس رضي الله عنهما، أن امرأة من جهينة، جاءت إلى النبي صلى الله عليه وسلم، فقالت: إن أمي نذرت أن تحج فلم تحج حتى ماتت، أفأحج عنها؟ قال: نعم حجي عنها، أرأيت لو كان على أمك دين أكنت قاضية؟ اقضوا الله فالله أحق بالوفاء. (صحيح البخاري: ۱/۲۴۹-۲۵۰، رقم الحديث: ۱۸۵۲، كتاب الحج، باب الحج والنذور عن الميت، والرجل يحج عن المرأة، ط: ديوبند)

... أن من مات، وعليه فرض الحج، ولم يوص به لم يلزم الوارث أن يحج عنه، وإن أحب أن يحج عنه حج، وأرجو أن يجزئه إن شاء الله، هكذا ذكر القدوري في شرحه؛ لأن رسول الله عليه السلام شبه ديون الله تعالى بديون العباد في الحج في حديث الخثعمية، ثم في ديون العباد من قضى دين غيره بغير أمره يجوز، ولكن موقوفاً على مشيئة رب الدين، فكذا في دين الله تعالى. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني - أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:۶۱۶هـ): ۲/۴۸۷، كتاب المناسك، الفصل السادس عشر: في الوصية بالحج، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆الفتاوى التاتارخانية: ۳/۶۶۷، كتاب الحج، الفصل السادس عشر: في الوصية بالحج، ط: زكريا- ديوبند☆ بدائع الصنائع: ۲/۲۲۱، كتاب الحج، فصل بيان حكم فوات الحج عن العمرة، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆الفتاوى الهندية: ۱/۲۵۸، كتاب المناسك، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج، ط: دار الفكر- بيروت)

(۲) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من نفس عن مؤمن كربة من كرب الدنيا، نفس الله عنه كربة من كرب يوم القيامة، ومن يسر على معسر، يسر الله عليه في الدنيا والآخرة، ومن ستر مسلما، ستره الله في الدنيا والآخرة، والله في عون العبد ما كان العبد في عون أخيه، ... الحديث. (الصحيح لمسلم: ۲/۳۴۵، رقم الحديث: ۳۸-(۲۶۹۹)، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، ط: ديوبند)

[۳] اہل جدہ حج میں مسافر شرعی نہیں ہوتے ہیں

۱۸۲۳- سوال: یہاں جدہ سے مکہ مکرمہ ۷۳ ر کلومیٹر ہے اور وہاں سے عرفات ۱۳ ر کلومیٹر ہے، اور مذکور ۷۳ ر کلومیٹر کا فاصلہ جدہ شہر کے وسط سے حرم تک کا ہے، جب کہ جدہ میونسپلٹی کی آخری حد سے مکہ مکرمہ کی پہلی حد تک کا فاصلہ صرف ۴۰ ر کلومیٹر ہے، تو ایسی صورت میں اہل جدہ جب حج میں جائیں، تو نماز میں قصر کریں یا اتمام؟ واضح رہے کہ مذکور فاصلہ کلومیٹر ہی کے ذریعے بیان کیا گیا ہے میل کے ذریعے نہیں، پس مسافر بننے کے لیے سفر شرعی کی تحدید میں گھر سے منزل مقصود تک کا فاصلہ شمار ہوگا یا جدہ کی آبادی ختم ہونے سے مکہ کی آبادی شروع ہونے تک کا فاصلہ معتبر ہوگا یا جدہ کی میونسپلٹی کی حد سے مکہ کی میونسی پلٹی کی حد شروع ہونے تک کا فاصلہ گننے میں آئے گا؟ تسلی بخش جواب عنات فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سفر شرعی کے لیے شہر کی آبادی جہاں سے ختم ہوتی ہے، وہاں سے (آخری مقصود شہر کی حد شروع ہونے تک) ۴۸ ر میل یا ۷۷ ر کلومیٹر ہونا ضروری ہے۔ پس اہل جدہ (مکہ یا عرفات جانے سے) مسافر شمار نہ ہوں گے، ان پر نماز میں اتمام لازم ہے، کیوں کہ جدہ سے حج کی نیت سے نکلنے والا شخص مکہ ہوتے ہوئے منیٰ اور عرفات کا سفر کرے گا، تب بھی یہ سفر ۷۷ ر کلومیٹر کا نہیں ہوتا ہے، پس وہ مسافر شرعی نہ ہوگا، اس کے ذمہ پوری نماز لازم ہوگی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) إذا جاوز المقيم عمران مصره قاصدا مسيرة ثلاثة أيام و لياليها . . . يلزمه قصر الصلاة. (قاضي خان مع الهندية: ۱/ ۱۶۴، باب صلاة المسافر، ط: زكريا - ديوبند☆الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۳۹، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، ط: زكريا- ديوبند☆البحر الرائق: ۱/ ۲۲۶، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ط: زكريا- ديوبند)

واضح رہے کہ مسافت سفر کا آغاز کہاں سے ہوگا؟ اس موضوع پر اسلامک فقہ اکیڈمی- انڈیا کا باضابطہ سمینار منعقد ہو چکا ہے۔ اس سمینار کا ایک سوال یہی تھا کہ ''ایسا شخص جو ایسے مقام کا سفر کر رہا ہو، جو شہر کی انتہائی حدود سے تو ۴۸ ر میل کے فاصلے پر نہ ہو، لیکن اس کے گھر کے پاس سے ۴۸ ر میل کا فاصلہ ہو، تو وہ قصر کرے گا یا اتمام؟

عارض مسئلہ نے لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں مقالہ نگار کی دو طرح کی آراء ہیں، ۲۳ ر مقالہ نگار حضرات تو اس حق میں ہیں کہ ایسا شخص اتمام کرے گا، جب کہ ۲۱ ر حضرات اس صورت میں قصر کے قائل ہیں۔ (مسافت سفر کا آغاز- ایک اہم شرعی مسئلہ، ص: ۴۱- ۴۲، مسافت سفر کا شمار کہاں سے ہوگا؟ عارض: مفتی حبیب اللہ قاسمی، ط: اسلامک فقہ اکیڈمی- انڈیا)

فقہ اکیڈمی انڈیا کا [سترہواں] فقہی سمینار، دار العلوم علی متقی، برہان پور (ایم- پی) میں منعقد ہو چکا ہے، جس کا فیصلہ- جو مذکورہ=

[۴] حج میں اور ہندوستان میں عیدالاضحیٰ کی تاریخ میں فرق کیوں ہے؟

۱۸۲۴-سوال: حج ۸ / یا ۹ / ذی الحجہ کو ہوتا ہے، اپنے یہاں عیدالاضحیٰ کے ایک یا دو دن پہلے، تو اس کی کیا وجہ ہے؟ مفصل بیان فرمائیں۔ سال رواں میں جمعہ کو حج ہوا اور اتوار کو عیدالاضحیٰ ہوئی دو دن کا فرق رہا! غیر مسلم کہتے ہیں کہ تمہارے یہاں تہواروں میں اتحاد نہیں ہے، اتنا فرق کیوں رہتا ہے؟ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

مسائل حج اور بعض حقائق سے واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے بسا اوقات انسان مختلف قسم کے سوالات سے پریشان ہوجاتا ہے۔

مسلمانوں کے عید و بقرعید کا مدار چاند کی رؤیت پر ہے۔[۱] اور مشرق و مغرب کے طویل فاصلے کی بناء پر چاند کی رؤیت مختلف ملک میں مختلف وقت میں ہوسکتی ہے، جس کی وجہ سے مشرق و مغرب اور شمال

=مسئلہ سے متعلق ہے- درج ذیل ہے:

۳- چھوٹے شہروں میں مسافت شرعی کا حساب اس جگہ سے ہوگا، جہاں شہر ختم ہوا ہے، یعنی شہر ختم ہونے کے بعد ۴۸ / میل سفر کیا جائے، تبھی وہ مسافر ہوگا۔

۴- بڑے شہروں میں- جن کی آبادی میلوں تک پھیل گئی ہے- مسافت شرعی کا شمار کس مقام سے ہوگا؟ اس میں دو نقاط نظر ہیں: زیادہ حضرات کی رائے ہے کہ جہاں شہر ختم ہوتا ہے، وہیں سے ۴۸ / میل کی مسافت شمار کی جائے گی۔ [**حضرت مفتی بیات صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بھی یہی رائے ہے۔ مجتبیٰ حسن قاسمی**] دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ جس محلہ سے سفر شروع ہوا ہے، وہیں سے مسافت سفر کا شمار ہوگا، البتہ اس پر سبھوں کا اتفاق ہے کہ نماز میں قصر کا حکم شہر سے باہر نکلنے کے بعد ہی شروع ہوگا، اور اسی طرح واپس ہوتے وقت شہر میں داخل ہونے سے پہلے پہلے تک ہی قصر کرنا درست ہوگا۔ (مسافت سفر کا آغاز- ایک اہم شرعی مسئلہ، ص: ۲۴، اکیڈمی کا فیصلہ، ط: اسلامک فقہ اکیڈمی- انڈیا)

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه، يقول: قال النبي -صلى الله عليه وسلم-: أو قال: قال أبو القاسم صلى الله عليه وسلم: صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته، فإن غبي عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين. (صحيح البخاري: ۱/۲۵۶، رقم الحديث: ۱۹۰۹، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: إذا رأيتم الهلال فصوموا، وإذا رأيتموه فأفطروا، ط: ديوبند ☆ الصحيح لمسلم: ۱/۳۴۷، رقم الحديث: ۱۷-(۱۰۸۱)، كتاب الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال، والفطر لرؤية الهلال... الخ، ط: ديوبند)

وجنوب کے باشندے اس سلسلہ میں ایک دو دن آگے پیچھے رہتے ہیں، ہندوستان میں سورج طلوع ہوتا ہے، تو باربڈوز اور کناڈا وغیرہ میں پچھلی تاریخ کا سورج غروب ہوتا ہے، ہندوستان والے جس وقت عید کی خوشیاں مناتے ہیں، کناڈا اور باربڈوز والے نیند میں مست ہوتے ہیں، پس تاریخ کا فرق یہاں بھی ہوگیا۔ (۲)

حجاج کے لیے سب سے اہم وعظیم رکن وقوف عرفہ ہے، جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حج تو وقوف عرفہ ہے''۔ (۳)

اس حدیث کی بناء پر ''یوم عرفہ'' یعنی ۹/ ذی الحجہ کو ''حج کا دن'' کہا جاتا ہے؛ لہٰذا جہاں اخبارات اور رسائل میں ہم نے پڑھا کہ ۱۹۸۳ء میں جمعہ کو حج ہوا، اس کا مطلب ہے کہ حجاج نے حج کا سب سے اہم و عظیم رکن یعنی ''وقوف عرفہ'' جمعہ کو کیا، اس لحاظ سے سعودی عرب ہم سے صرف ایک ہی دن آگے تھا، ۱۹۸۳ء میں ہمارے یہاں ۸/ ذی الحجہ تھی اور عربستان میں ۹/ ذی الحجہ تھی، پس دو دن نہیں؛ بل کہ ایک ہی دن وہ ہم

---

(۲) اعلم أن نفس اختلاف المطالع لا نزاع فيه بمعنى أنه قد يكون بين البلدتين بعد بحيث يطلع الهلال له ليلة كذا في إحدى البلدتين دون الأخرى وكذا مطالع الشمس؛ لأن انفصال الهلال عن شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار حتى إذا زالت الشمس في المشرق لا يلزم أن تزول في المغرب، وكذا طلوع الفجر وغروب الشمس بل كلما تحركت الشمس درجة فتلك طلوع فجر لقوم وطلوع شمس لآخرين وغروب لبعض ونصف ليل لغيرهم كما في الزيلعي وقدر البعد الذي تختلف فيه المطالع مسيرة شهر فأكثر على ما في القهستاني عن الجواهر. (رد المحتار على الدر المختار- ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲ هـ): ۲/ ۳۹۳، كتاب الصوم، سبب صوم رمضان، مطلب في اختلاف المطالع، ط: دار الفكر-بيروت ☆ تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق-عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ): ۱/ ۳۲۱، كتاب الصوم، قبيل: باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة ☆ درر الحكام شرح غرر الأحكام-محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا - أو منلا أو المولى - خسرو (م: ۸۸۵هـ): ۱/ ۲۰۱، كتاب الصوم، قبيل: باب موجب الإفساد في الصوم، ط: دار إحياء الكتب العربية ☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر- عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ'داماد أفندي' (م: ۱۰۷۸هـ): ۱/ ۲۳۹، كتاب الصوم، ما يثبت به رمضان، قبيل: باب موجب الفساد، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۳) عن عبد الرحمن بن يعمر، قال: شهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم فأتاه ناس، فسألوه عن الحج؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الحج عرفة، فمن أدرك ليلة عرفة قبل طلوع الفجر من ليلة جمع، فقد تم حجه. (المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي-أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳هـ): ۵/ ۲۵۶، رقم الحديث: ۳۰۱۶، كتاب مناسك الحج، فرض الوقوف بعرفة، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية- حلب)

سے تاریخ میں آگے تھے، اور ایک دن تو (جائے وقوع کے اعتبار سے) آگے رہنے ہی والے ہیں۔ (☆☆)

امید ہے کہ جواب سے اطمینان ہو جائے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] حاجی مسافر ہوتا ہے، پھر اس پر قربانی کیوں ہے؟

۱۸۲۵-سوال: حاجی مسافر ہوتا ہے، اور مسافر پر قربانی واجب نہیں ہوتی ہے، جب کہ حجاج قربانی بھی کرتے ہیں۔ آخر کیوں؟ امید ہے کہ اس سلسلے میں پیدا ہونے والے شک کو دور فرما کر مہربانی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً

ہر حاجی مسافر نہیں ہوتا ہے، بعض وہ ہوتے ہیں، جو ۱۵/دن یا اس سے زائد مکہ مکرمہ میں رہنے کا ارادہ رکھتے ہیں، [۱] ایسے حاجی مسافر نہیں ہیں، وہ مقیم ہیں، ان پر قربانی واجب ہوگی، البتہ جو حاجی مکہ میں

(☆☆) [تنبیه] يفهم من كلامهم في كتاب الحج أن اختلاف المطالع فيه معتبر فلا يلزمهم شيء لو ظهر أنه رئي في بلدة أخرى قبلهم بيوم وهل يقال كذلك في حق الأضحية لغير الحجاج؟ لم أره والظاهر نعم؛ لأن اختلاف المطالع إنما لم يعتبر في الصوم لتعلقه بمطلق الرؤية، وهذا بخلاف الأضحية فالظاهر أنها كأوقات الصلوات يلزم كل قوم العمل بما عندهم فتجزئ الأضحية في اليوم الثالث عشر وإن كان على رؤيا غيرهم هو الرابع عشر والله أعلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۹۳-۳۹۳، كتاب الصوم، قبيل: باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، مطلب في اختلاف المطالع، ط: دار الفكر)

[۱] (من خرج من عمارة موضع إقامته) من جانب خروجه وإن لم يجاوز من الجانب الآخر.... (قاصدا)... (مسيرة ثلاثة أيام ولياليها)... (بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة) حتى لو أسرع فوصل في يومين قصر، ... (صلى الفرض الرباعي ركعتين)... (ولو) كان (عاصيا بسفره)... (حتى يدخل موضع مقامه) إن سار مدة السفر، وإلا فيتم بمجرد نية العود... (أو ينوي)... (إقامة نصف شهر) حقيقة أو حكما... (فيقصر إن نوى) الاقامة (في أقل منه) أي في نصف شهر (أو) نوى (فيه لكن في غير صالح) أو كنحو جزيرة أو نوى فيه لكن (بموضعين مستقلين كمكة ومنى) فلو دخل الحاج مكة أيام العشر لم تصح نيته لأنه يخرج إلى منى وعرفة فصار كنية الإقامة في غير موضعها وبعد عوده من منى تصح، كما لو نوى مبيته بأحدهما أو كان أحدهما تبعا للآخر بحيث تجب الجمعة على ساكنه للاتحاد حكما. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۲۱-۱۲۶)

قال ابن عابدين: (قوله فلو دخل إلخ) هو ضد مسألة دخول الحاج الشام؛ فإنه يصير مقيما حكما، وإن لم ينو الإقامة، وهذا مسافر حكما، وإن نوى الإقامة لعدم انقضاء سفره ما دام عازما على الخروج قبل خمسة عشر يوما أفاده الرحمتي. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۲۶، كتاب الصلاة، باب المسافر، ط: دار الفكر ☆ البحر الرائق: ۲/۲۲۵ تا ۲۳۱، باب المسافر، ط: دار الكتاب - ديوبند)

=

۱۵/دن ٹھہرنے کی نیت نہ کریں، پہلی ذی الحجہ کو مکہ میں پہنچیں، اور ۱۳/ یا ۱۴/ذی الحجہ کو مدینہ شریف جانے کا ارادہ رکھتے ہوں، تو وہ مسافر ہیں، جن پر قربانی واجب نہیں ہے۔ (۲)

واضح رہے کہ مذکور قربانی (جو کہ عید الاضحیٰ کی قربانی ہے) اپنے وطن ممبئی، سورت وغیرہ بھی کر سکتا ہے، البتہ تمتع یا قران کی جو قربانی ہے (جس کو حج کی قربانی کہتے ہیں) اس کا حرم شریف میں ہی کرنا واجب ہے۔ (۳) اور یہ قربانی خواہ مسافر ہو یا مقیم ہر ایک پر لازم ہے۔ (۴) حج تمتع اور حج قران والی قربانی سے آپ کو شبہ ہوا کہ تمام حاجی قربانی کرتے ہیں، حالاں کہ سب پر واجب نہیں، امید ہے کہ مذکورہ تفصیل سے اشکال رفع ہو جائے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= وذكر في كتاب المناسك أن الحاج إذا دخل مكة في أيام العشر ونوى الإقامة خمسة عشر يوما أو دخل قبل أيام العشر لكن بقي إلى يوم التروية أقل من خمسة عشر يوما ونوى الإقامة لا يصح؛ لأنه لا بد له من الخروج إلى عرفات فلا تتحقق نية إقامته خمسة عشر يوما فلا يصح. (بدائع الصنائع: ۱/ ۹۸، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يصير المسافر به مقيما، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲) (وإنما تجب) التضحية دون الأضحية... (على حر) فلا تجب على العبد (مسلم) فلا تجب على الكافر (مقيم) فلا تجب على المسافر لقول علي - رضي الله تعالى عنه - ليس على مسافر جمعة ولا أضحية... ويستوي فيه المقيم بالمصر والقوي والبوادي (موسر)؛ لأن العبادة لا تجب إلا على القادر وهو الغني دون الفقير ومقداره ما تجب فيه صدقة الفطر. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸ھ): ۲/ ۵۱۶، كتاب الأضحية، ط: دار إحياء التراث العربي☆البحر الرائق: ۸/ ۱۹۷، كتاب الأضحية، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆بدائع الصنائع: ۵/ ۶۳، كتاب الأضحية، فصل في شرائط وجوب الأضحية، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۳) عن جابر، قال: ثم قال النبي صلى الله عليه وسلم: قد نحرت ها هنا ومنى كلها منحر، ووقف بعرفة فقال: قد وقفت ها هنا وعرفة كلها موقف، ووقف بالمزدلفة فقال: قد وقفت ها هنا ومزدلفة كلها موقف. (سنن أبي داود: ۱/ ۲۶۶، رقم الحديث: ۱۹۰۷، كتاب المناسك، باب صفة حجة النبي صلى الله عليه وسلم، ط: ديوبند)

قال "ولا يجوز ذبح الهدايا إلا في الحرم" لقوله تعالى في جزاء الصيد: ﴿هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ﴾ [المائدة: ۹۵] فصار أصلا في كل دم هو كفارة ولأن الهدي اسم لما يهدى إلى مكان ومكانه الحرم قال عليه الصلاة والسلام "منى كلها منحر وفجاج مكة كلها منحر". (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۱/ ۱۸۱، كتاب الحج، باب الهدي، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت☆ البحر الرائق- ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰ھ): ۳/ ۱۲۸، كتاب الحج، باب الهدي، ط: زكريا- ديوبند ☆ غنية الناسك في بغية المناسك، ص: ۳۳۸، فصل في شرائط كفاراتها الثلاث، مطلب في شرائط جواز الدم، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

(۴) ﴿فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾. (۲-البقرة: ۱۹۶) =

[۶] ۱-میت کی طرف سے حج کے لیے رقم الگ کر کے استعمال کر لینا اور سعودیہ سے حج کرانا
[۷] ۲-ترکہ کی جمع رقم پر زکوۃ کا حکم

۱۸۲۶-سوال: ۱۹۸۰ء میں ہم نے اپنے خسر کی وراثت میں تہائی حصہ-جس کی کل رقم پندرہ ہزار ہوتی ہے-الگ نکال کر ان کی طرف سے حج کرنے کے لیے بینک میں جمع کرادی، اس رقم کا سود آتا رہتا ہے۔

ہمارے ایک ہم زلف کا لڑکا سعودی عرب میں رہتا ہے، تو کیا یہ جائز ہے کہ وہ لڑکا ہمارے خسر یعنی اپنے نانا کی طرف سے وہاں سے حج کر لے اور یہ رقم یہاں سب لڑکیاں اور ان کی ماں آپس میں تقسیم کر لیں؟ کیوں کہ ان کو یہاں ایک مسافر خانہ میں تعاون کرنا ہے، تو کیا وہ ایسا کر سکتی ہیں؟ اسی طرح یہ رقم جواب تک بینک میں جمع رہی، اس کی گذشتہ سالوں کی زکوۃ نکالنا واجب ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلياً

آپ کے خسر نے حج کے متعلق وصیت نہیں کی ہے؛ بل کہ لڑکیوں اور ان کی ماں نے اپنی خوشی سے حج کے لیے ترکہ میں سے ۱۵۰۰۰/ الگ کیے تھے، لیکن سوال کے انداز سے یہ معلوم ہورہا ہے کہ آپ کی ساس اور ان کی لڑکیوں کی نیت خراب ہوگئی ہے اور ان میں سے کوئی اب انڈیا سے ''جمع شدہ رقم'' سے حج کرانے کے لیے تیار نہیں ہے، بل کہ جدہ سے حج کرانا چاہتے ہیں، اس وجہ سے آپ کی بیوی وغیرہ وہ تہائی مال واپس لینا چاہتی ہیں، شرعاً ان کو یہ مال لینے کا حق ہے، وہ لے سکتی ہیں؛ کیوں کہ وہ اس مال کی شرائط کے تحت مالک ہیں؛ اس لیے وہ اس رقم کو لے کر مسافر خانہ میں بھی لگا سکتی ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔[1]

= اتفق العلماء على أن المتمتع والقارن يلزمهما إذا أحرما بالحج و العمرة في أشهر الحج في عام واحد الهدي... و دم القران و التمتع دم شكر لقوله تعالى: ﴿فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾. (الفقه الإسلامي و أدلته: ۲۶۲/۳، الباب الخامس: باب الحج و العمرة، المبحث الثامن: ثالثا كيفية القران، ط: الهدى انٹرنیشنل، دیوبند)

(يجب) أي إجماعا (على القارن و المتمتع هدي) شكرا لما وفقه الله تبارك و تعالى للجمع بين النسكين في أشهر الحج بسفر واحد. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط-الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴هـ)، ص: ۳۶۸، باب القران، فصل في هدي القارن و المتمتع، ت: طلحه بلال منيار، ط: المكتبة الإمدادية-مكة المكرمة)

(۱) لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (رد المحتار على الدر المختار: ۵۱/۵، باب البيع الفاسد، مطلب في تعريف المال، ط: دار الفكر)

=

اور جہاں تک زکوۃ کا سوال ہے، تو اس رقم کی گذشتہ سالوں کی زکوۃ آپ کی بیوی وغیرہ- جو اس مال کی اصل مالک ہیں- کے ذمہ ادا کرنا ضروری ہے[۲] اور اس پر سود کی جو رقم آئی ہے، وہ غرباء کو بغیر ثواب کی نیت کے دے دینا ضروری ہے۔[۳] فقط، اللہ اعلم بالصواب۔

[۸] قانونی مجبوری کی وجہ سے سفرِ حج کے لیے اصل نام بدل کر پاسپورٹ بنوانا

۱۸۲۷- سوال: ایک شخص حج کے سفر کا ارادہ رکھتا ہے؛ لیکن اُس کے لیے پاسپورٹ بنوانے میں کچھ قانونی پریشانیاں حائل ہیں، جن کے پیش نظر وہ شخص اپنا اصل نام بدل کر پاسپورٹ بنوا کر حج میں جانے کا رادہ رکھتا ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً اصل نام اسماعیل ہے، اور وہ اُسے بدل کر محمد اسماعیل کر دے، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حج فرض ہو، اور حکومت کی قانونی دشواری ایسی ہو کہ نام بدلنے کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ ہو، تو نام

= والحاصل أن القياس في جنس هذه المسائل أن يفعل المالك ما بدا له مطلقا لأنه متصرف في خالص ملكه. (المصدر السابق: ۴۴۸/۵، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي، ط: مسائل متفرقة، مطلب اقتسموا دارا وأراد كل منهم فتح باب لهم ذلك، ط: دار الفكر ☆ فتح القدير: ۳۲۶/۷، كتاب أدب القاضي، باب التحكيم، مسائل شتى من كتاب القضاء، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه فحال الحول، وقد بقي معه منه نصاب فإنه يزكي ذلك الباقي، وإن كان قصده الإنفاق منه أيضا في المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلى حوائجه الأصلية وقت حولان الحول. (رد المحتار على الدر المختار: ۲۶۲/۲، أول كتاب الزكاة، ط: دار الفكر)

(۳) والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه. (رد المحتار على الدر المختار: ۹۹/۵، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالا حراما، ط: دار الفكر)

وعلى هذا لو مات مسلم وترك ثمن خمر باعه مسلم لا يحل لورثته كما بسطه الزيلعي. (الدر المختار) —— وفي حاشية ابن عابدين (م: ۱۲۵۲ هـ): وقال في النهاية: قال بعض مشايخنا: كسب المغنية كالمغصوب لم يحل أخذه، وعلى هذا قالوا لو مات الرجل وكسبه من بيع الباذق أو الظلم أو أخذ الرشوة يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئا وهو أولى بهم ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه اهـ. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۸۵/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ط: دار الفكر-بيروت)

اِس طرح بدلا جائے کہ وہ جھوٹ شمار نہ ہو، مثلاً: اسماعیل کی جگہ محمد اسماعیل کر دے، [جیسا کہ سوال میں لکھا گیا ہے] تو گنجائش ہے، یا نام کی جگہ کنیت استعمال کرے، مثلاً مذکور شخص کے لڑکے کا نام ابراہیم ہے، تو یہ شخص اپنا نام ابوابراہیم لکھوا کر پاسپورٹ بنائے، اس [عمل] کا شمار جھوٹ میں نہیں ہوگا اور حج فرض بھی ادا ہو جائے گا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] قارن اور مفرد کا، اپنے ساتھی کے کپڑے دھونا

۱۸۲۸- سوال: قارن یا مفرد اپنے کسی بیمار اور معذور ساتھی کے کپڑے دھو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

محرم کے لیے سفر کے بیمار اور کمزور رفقاء کے کپڑے دھونا جائز ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] نفلی حج کرنے والے کو رقم دینا بہتر ہے یا صدقہ و خیرات کرنا؟

۱۸۲۹- سوال: ایک شخص غریب ہے، زکوۃ کا مستحق ہے، اس کو ایک صاحبِ مال اپنے ساتھ حج بیت اللہ کے لیے لے جانا چاہتے ہیں، غریب- جس پر حج فرض نہیں ہے- کو حج کے لیے لے جانے میں ۳۵ سے ۴۰ ہزار کا خرچ ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ اتنے روپے کسی غریب، یتیم کی شادی میں یا کسی کے قرض کی ادائیگی میں یا مساجد و مدارس میں دینا زیادہ بہتر ہے یا غریب کو حج کروانا؟

(۱) قاعدة: الضرورات تبيح المحظورات (شن). (قواعد الفقه- محمد عميم الإحسان المجددي البركتي، ص:۸۹، رقم: ۱۷۰، ط: الصدف ببلشرز- كراتشي ☆ شرح القواعد الفقهية- أحمد بن الشيخ محمد الزرقا (۱۲۸۵-۱۳۵۷ھ)، ص:۱۸۵، القاعدة العشرون، ت: مصطفى أحمد الزرقا، ط: دار القلم- دمشق/ سوريا)

قال ابن عابدين: (قوله: ويوري) التورية أن يظهر خلاف ما أضمر في قلبه أتقاني. قال في العناية فجاز أن يراد بها هنا اطمئنان القلب وأن يراد الإتيان بلفظ يحتمل معنيين اهـ وفيه أنه قد يكره على السجود للصنم أو الصليب ولا لفظ فالظاهر أنها إضمار خلاف ما أظهر من قول أو فعل؛ لأنها بمعنى الإخفاء فهي من عمل القلب تأمل. (قوله: ثم إن ورى لا يكفر) كما إذا أكره على السجود للصليب أو سب محمد- صلى الله تعالى عليه وسلم- ففعل وقال نويت به الصلاة لله تعالى، ومحمدا آخر غير النبي. (رد المحتار على الدر المختار: ۱۳۴/۶، كتاب الإكراه، ط: دار الفكر- بيروت ☆ العناية شرح الهداية: ۲۴۱/۹، كتاب الإكراه، فصل من أكره على أن يأكل الميتة...، ط: دار الفكر- بيروت)

(۲) وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۝ (۵- المائدة: ۲)

الجواب حامداومصلیا:

حج نفل میں لے جانے کے مقابلے میں اتنی رقم کسی غریب، بیوہ، یتیم، سخت حاجت مند کی ضرورت میں خرچ کرنا افضل ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] حج کرنے والے کو حاجی کہنا کیسا ہے؟

۱۸۳۰-سوال: بکر حج بیت اللہ کر کے آیا ہے، لہٰذا زیدؔ بکر کو حاجی صاحب کہہ کر پکارتا ہے، تو

---

(۱) اصل مسئلہ یہ ہے کہ ضرورت کا لحاظ کیا جائے گا، جس مد میں خرچ کی ضرورت زیادہ ہو، اس مد میں خرچ کرنا زیادہ افضل ہے، دوسرے کو حج نفل کرانے کے مقابلے میں بیوہ، یتیم اور مسکین و حاجب مند کی ضروت پوری کرنا یقیناً زیادہ اہم ہے؛ اس لیے حضرت مفتی صاحبؒ نے لکھا ہے کہ ان افراد کی ضرورت پوری کرنا زیادہ افضل ہے، پوری تفصیل درج ذیل عبارت میں ملاحظہ فرمائیں:

بناء الرباط أفضل من حج النفل، واختلف في الصدقة ورجح في البزازية أفضلية الحج لمشقته في المال والبدن جميعا، قال: وبه أفتى أبو حنيفة حين حج وعرف المشقة. (الدر المختار) ——— قال ابن عابدين: (قوله ورجح في البزازية أفضلية الحج) حيث قال: الصدقة أفضل من الحج تطوعا، كذا روي عن الإمام لكنه لما حج وعرف المشقة أفتى بأن الحج أفضل، ومراده أنه لو حج نفلا وأنفق ألفا فلو تصدق بهذه الألف على المحاويج فهو أفضل لا أن يكون صدقة فليس أفضل من إنفاق ألف في سبيل الله تعالى، والمشقة في الحج لما كانت عائدة إلى المال والبدن جميعا فضل في المختار على الصدقة. اهـ.

قال الرحمتي: والحق التفصيل، فما كانت الحاجة فيه أكثر والمنفعة فيه أشمل فهو الأفضل كما ورد "حجة أفضل من عشر غزوات" وورد عكسه فيحمل على ما كان أنفع، فإذا كان أشجع وأنفع في الحرب فجهاده أفضل من حجه، أو بالعكس فحجه أفضل، وكذا بناء الرباط إن كان محتاجا إليه كان أفضل من الصدقة وحج النفل وإذا كان الفقير مضطرا أو من أهل الصلاح أو من آل بيت النبي - صلى الله عليه وسلم - فقد يكون إكرامه أفضل من حجات وعمر وبناء ربط.

كما حكى في المسامرات عن رجل أراد الحج فحمل ألف دينار يتأهب بها فجاءته امرأة في الطريق وقالت له إني من آل بيت النبي - صلى الله عليه وسلم - وبي ضرورة فأفرغ لها ما معه، فلما رجع حجاج بلده صار كلما لقي رجلا منهم يقول له تقبل الله منك، فتعجب من قولهم، فرأى النبي - صلى الله عليه وسلم - في نومه وقال له: تعجبت من قولهم تقبل الله منك؟ قال نعم يا رسول الله؛ قال: إن الله خلق ملكا على صورتك حج عنك؛ وهو يحج عنك إلى يوم القيامة بإكرامك لامرأة مضطرة من آل بيتي؛ فانظر إلى هذا الإكرام الذي ناله لم ينله بحجات ولا ببناء ربط. (رد المحتار على الدر المختار: ۶۲۱/۲، كتاب الحج، فروع في الحج، مطلب في تفضيل الحج على الصدقة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ منحة الخالق على البحر الرائق: ۳۳۴/۲، كتاب الحج، واجبات الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي)

بکر کہتا ہے کہ مجھے حاجی صاحب مت کہو، میرا نام لے کر پکارو، تو مجھے خوشی ہوگی۔

سوال یہ کہ حاجی صاحب کہنا کیسا ہے؟ کیوں کہ اتباع سنت کے مطابق دیکھا جائے تو سرکار دو عالم ﷺ کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نام سے پہلے یہ لفظ دیکھنے یا سننے میں نہیں آیا، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حاجی صاحب کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر ''بکر'' تواضع کی وجہ سے حاجی صاحب کہنے سے منع کرتا ہے، تو ٹھیک ہے، اگر یوں سمجھ کر منع کرتا ہے کہ جائز نہیں، تو ایسا سمجھنا درست نہیں ہے۔

''حج'' اللہ رب العزت کی ایک بڑی نعمت ہے، ہر ایک کو نہیں ملتی، اگر کسی کو ملی ہے اور دوسرے لوگ عزت واکرام کی وجہ سے حاجی صاحب کہہ کر پکارتے ہیں، تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ مولانا وغیرہ کہہ کر عزت دی جاتی ہے۔

صحابہؓ کی نیکیاں اور دوسرے کمالات ایسے تھے کہ ان کے لیے حج بڑے اہم کاموں میں شمار کیے جانے کے لائق نہیں تھا؛ لہٰذا انہیں حاجی کہہ کر بلانے کی ضرورت نہیں تھی، اسی طرح آج کل جن لوگوں کو حج کرنے میں کوئی قربانی دینی نہیں پڑتی، ان کو بھی ایسا لقب نہیں دیا جاتا، مثلاً: آج کل جو لوگ مکہ مکرمہ میں ہی رہتے ہیں، تو حج وطواف وغیرہ ان کے لیے ایسا ہی ہے، جیسا کہ نماز وروزہ کی عبادت، لیکن جو لوگ دور دراز ملک سے حج کرنے کے لیے جاتے ہیں، ان کی قربانی ہمہ جہت ہے کہ مال اور وقت قربانی کے ساتھ سفر کی تکلیف بھی برداشت کرنی پڑتی ہے؛ اس لیے انہیں حاجی کہہ کر پکارا جاتا ہے، ہاں خود اپنے آپ کو حاجی نہ کہنا چاہیے؛ کیوں کہ اس میں ایک طرح سے نیکی کی تشہیر ہے، جس میں ریاکاری کا قوی اندیشہ ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ○ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ○ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ○ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ○﴾. (۱۰۷-الماعون: ۴-۷)

﴿الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ﴾ الناس فيعملون حيث يروا الناس، ويرونهم طلبا للثناء عليهم. (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني-شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (م: ۱۲۷۰ھ): ۱۵/ ۴۷۵، سورة الماعون، ت: علي عبد الباري عطية، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

عن سلمة، قال: سمعت جندبا، يقول: قال النبي صلى الله عليه وسلم، ولم أسمع أحدا يقول قال النبي صلى الله عليه وسلم غيره، فدنوت منه، فسمعته يقول: قال النبي صلى الله عليه وسلم: من سمع سمع الله به، ومن يرائي يرائي الله =

[۱۲] ضبط ولادت کا آپریشن کرانے والی کا حج کرنا

۱۸۳۱- سوال: شوہر و بیوی نے حج کا ارادہ کیا، ایک مسئلہ بیچ میں آکر کھڑا ہوا، وہ یہ کہ بیوی کا نس بندی کا آپریشن کروالیا، تو کیا ایسی حالت میں اس کو حج کی اجازت ہے؟ اگر نہیں ہے، تو کیا کرے، کیا دوبارہ آپریشن کروا کے رحم کو ولادت کے قابل بنانا ضروری ہے؟ کیا حج ہر طرح کے گناہوں کو دھو دیتا ہے؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلاضرورت شدیدہ نس بندی کا آپریشن کرانا گناہ کا کام ہے، جس سے اجتناب لازم ہے، اگر کسی نے اس گناہ کا ارتکاب کرلیا، تو اس پر توبہ واستغفار لازم ہے، اگر دوبارہ آپریشن کر کے رحم کو ولادت کے قابل کر کے بنایا جاسکتا ہو، تو بنالے، ورنہ توبہ سے گناہ معاف ہوجاتا ہے، جب کہ ندامت ہو۔[1]

ایسی خاتون کے لیے حج کرنے کی ممانعت نہیں ہے، خوشی سے حج کرے، حج تو گناہوں کو معاف کرنے کے لیے ہی ہوتا ہے، جب آدمی حج کرتا ہے، تو گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہوجاتا ہے، جیسے بچہ پیدائش کے وقت گناہوں سے پاک صاف ہوتا ہے۔[2]

=به. (صحيح البخاري: ۲/ ۹۶۲، رقم الحديث: ۶۴۹۹، كتاب الرقاق، باب الرياء والسمعة، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۲/ ۴۱۲، رقم الحديث: ۴۸-(۲۹۸۷)، كتاب الزهد، باب تحريم الرياء، ط: ديوبند)

(قال: قال النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم -: "من سمع") بتشديد الميم، أي: من عمل عملا للسمعة بأن نوه بعمله وشهره ليسمع الناس به ويمتدحوه ("سمع الله به") بتشديد الميم أيضا، أي: شهره الله بين أهل العرصات وفضحه على رءوس الأشهاد. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح-علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۸/ ۳۳۳۲، رقم: ۵۳۱۶، كتاب الآداب، باب الرياء والسمعة، ط: دار الفكر-بيروت)

(۱) والتوبة ترك الذنب على أحد الأوجه، وفي الشرع: ترك الذنب لقبحه، والندم على فعله، والعزم على عدم العود، ورد المظلمة إن كانت، أو طلب البراءة من صاحبها... وقال القرطبي في المفهم: اختلفت عبارات المشايخ فيها، فقائل يقول: إنها الندم، وآخر يقول: إنها العزم على أن لا يعود، وآخر يقول الإقلاع عن الذنب، ومنهم من يجمع بين الأمور الثلاثة، وهو أكملها. (فتح الباري شرح صحيح البخاري-أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي (م: ۸۵۲هـ): ۱۱/ ۱۰۳، تحت رقم الحديث: ۶۳۰۷، كتاب الاستئذان، باب التوبة، ط: دار المعرفة - بيروت ☆ عمدة القاري: ۲۲/ ۲۷۹، كتاب الاستئذان، باب التوبة، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۲) أبو هريرة رضي الله عنه، قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: من حج لله فلم يرفث، ولم يفسق، رجع كيوم ولدته أمه. (صحيح البخاري: ۱/ ۲۰۶، رقم الحديث: ۱۵۲۱، كتاب الحج، باب فضل الحج المبرور، ط: ديوبند)

ہاں! حقوق العباد معاف نہیں ہوتے، حج سے بھی معاف نہیں ہوتے، کسی کا مال ذمہ میں باقی ہے، کسی کو گالی دی ہے، کسی کو ستایا ہے، کسی کی غیبت کی ہے اور بہتان والزام لگایا ہے، تو اس سے معافی مانگنا اور معاف کرانا ضروری ہے، جب تک معاف نہ کروالیا جائے اور حق دار کو حق نہ پہونچادیا جائے، معاف نہیں ہو گا۔ [۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

[۱۳] مردہ کی جانب سے طواف کرنا

۱۸۳۲-سوال: مردہ کی طرف سے صرف طواف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۳) (في حديث طويل قال عمرو بن العاص:) فلما جعل الله الإسلام في قلبي أتيت النبي صلى الله عليه وسلم، فقلت: ابسط يمينك فلأبايعك، فبسط يمينه، قال: فقبضت يدي، قال: ما لك يا عمرو؟ قال: قلت: أردت أن أشترط، قال: تشترط بماذا؟ قلت: أن يغفر لي، قال: أما علمت أن الإسلام يهدم ما كان قبله؟ وأن الهجرة تهدم ما كان قبلها؟ وأن الحج يهدم ما كان قبله؟. (الصحيح لمسلم: ۱/ ۷۶، رقم الحديث: ۱۹۲-(۱۲۱)، كتاب الإيمان، باب كون الإسلام يهدم ما قبله وكذا الهجرة والحج، ط: ديوبند)

قال الشيخ التوربشتي من أئمتنا رحمهم الله: الإسلام يهدم ما كان قبله مطلقا مظلمة كانت أو غيرها، صغيرة أو كبيرة، وأما الهجرة والحج فإنهما لا يكفران المظالم، ولا يقطع فيهما بغفران الكبائر التي بين العبد ومولاه، فيحمل الحديث على هدمهما الصغيرة المتقدمة، ويحتمل هدمهما الكبائر التي تتعلق بحقوق العباد بشرط التوبة. عرفنا ذلك من أصول الدين فرددنا المجمل إلى المفصل، وعليه اتفاق الشارحين. وقال بعض علمائنا: يمحو الإسلام ما كان قبله من كفر وعصيان، وما ترتب عليهما من العقوبات التي هي حقوق الله، وأما حقوق العباد فلا تسقط بالحج والهجرة إجماعا، ولا بالإسلام لو كان المسلم ذميا، سواء كان الحق عليه ماليا أو غير مالي كالقصاص، أو كان المسلم حربيا وكان الحق ماليا بالاستقراض أو الشراء، وكان المال غير الخمر. وقال ابن حجر: الحج يهدم ما قبله مما وقع قبله وبعد الإسلام ما عدا المظالم، لكن بشرط ما ذكر في حديث: (من حج فلم يرفث، ولم يفسق خرج من ذنوبه كيوم ولدته أمه) مع ذلك فالذي عليه أهل السنة كما نقله غير واحد من الأئمة كالنووي وعياض أن محل ذلك في غير التبعات، بل الكبائر، إذ لا يكفرها إلا التوبة، وعبارة بعض الشارحين حقوق المالية لا تنهدم بالهجرة والحج، وفي الإسلام خلاف، وأما حقوق العباد فلا تسقط بالهجرة والحج إجماعا اهـ. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح-علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۱/ ۱۰۲، كتاب الإيمان، تحت رقم الحديث: ۲۸، ط: دار الفكر-بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً

مردہ کی طرف سے زندہ آدمی بدنی، مالی عبادت کر کے ثواب پہنچا سکتا ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] زندہ آدمی کو حج، عمرہ کا ثواب پہنچانا

۱۸۳۳- سوال: زندہ کی طرف سے عمرہ یا فقط طواف کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً

مرحوم کو ثواب پہنچتا ہے؛ اس لیے حج، عمرہ یا فقط طواف کر کے ثواب پہنچانا جائز ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] ۱- حج کا فلسفہ

[۱۶] ۲- بھابھی کو حج پر لے جانا

۱۸۳۴- سوال: امسال میرا حج کا ارادہ ہے، (ان شاء اللہ) میرے ساتھ میری بیوی، والدہ اور میرے مرحوم بھائی کی بیوہ یعنی میری بھابھی جانے والی ہے۔ میری بھابھی کی تین لڑکیاں ہیں اور تینوں کی شادی

(۱) والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوما أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكرا أو طوافا أو حجا أو عمرة أو غير ذلك عند أصحابنا للكتاب والسنة. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق-ابن نجيم المصري (م:٩٧٠هـ): ٣/ ٦٣، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ مزید دیکھیے: حاشية الطحطاوي، ص ٦٢٢، كتاب الجنائز، فصل في زيارة القبور ☆ رد المحتار: ٢/ ٢٤٣، باب صلاة الجنائز، مطلب في زيارة القبور ☆ الهداية: ١/ ٢٧٦، كتاب الحج، باب الحج فى الغير، ط: مكتبة الاتحاد- ديوبند)

(۲) اعلم أن الأصل في هذا أن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره من الأموات والأحياء حجا أو صلاة أو صوما أو صدقة أو غيرها كتلاوة القرآن وسائر الأذكار، فإذا فعل شيئا من هذا وجعل ثوابه لغيره جاز بلا شبهة، ويصل إليه عند أهل السنة والجماعة. (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط- الملا علي القاري (م:١٠١٤هـ)، ص:٦٠٩، باب الحج عن الغير، ت: محمد طلحة بلال أحمد منيار، ط: المكتبة الإمدادية- مكة المكرمة ☆ البحر الرائق شرح كنز الدقائق-ابن نجيم المصري (م:٩٧٠هـ): ٣/ ٦٣، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ حاشية الطحطاوي، ص ٦٢٢، كتاب الجنائز، فصل في زيارة القبور ☆ رد المحتار: ٢/ ٢٤٣، باب صلاة الجنائز، مطلب في زيارة القبور ☆ الهداية: ١/ ٢٧٦، كتاب الحج، باب الحج فى الغير، ط: مكتبة الاتحاد- ديوبند)

ہو چکی ہے، کوئی لڑکا نہیں ہے، میری بھابھی کا ایک بھائی ہے، جس کا اس سال حج کرنے کا ارادہ نہیں ہے، ہمارا یہ نفلی حج ہوگا، دریافت یہ کرنا ہے کہ میں اپنی بھابھی، بیوی اور ماں کو لے کر حج کے لیے جا سکتا ہوں یا نہیں؟

میرا، فیملی کے ساتھ بار بار نفلی حج کرنا شریعت کی نگاہ میں کیسا ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

حج فرض ہو یا نفل، عظیم عبادت ہے اور عبادت میں جان اسی وقت پیدا ہوگی، جب کہ اسے، اس کی شرطوں کے مطابق ادا کیا جائے، آپ، اپنی بھابھی کے لیے غیر محرم ہیں؛ اس لیے ان کا، آپ کے ساتھ سفر کرنا جائز نہیں ہے، واضح رہے کہ حج فرض میں جب اس کی اجازت نہیں ہے، تو حج نفل میں بدرجہ اولیٰ ممانعت ہوگی؛ الغرض، آپ کا، اپنی بھابھی کو ساتھ لے جانا جائز نہیں ہے۔(۱)

اب میں آپ کا دھیان ایک اہم امر کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں:

آپ چار یا پانچ آدمی نفل حج کے لیے جائیں گے، جس میں سوا لاکھ روپئے خرچ ہوں گے اور امید ہے کہ ثواب انگنت ملے گا، لیکن ایک مسلمان جب کوئی نفلی عبادت کرے، تو اسے سوچنا چاہیے کہ میں اپنی رقم کس مدو مصرف میں صرف کروں گا، تو مجھے زیادہ سے زیادہ ثواب ملے گا؟

بخاری اور مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ مجھے کوئی کام ایسا بتائیں، جس کا ثواب زیادہ ہو، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے۔(۲)

اسی سوال کا کسی دوسرے کو جواب دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ کھانا کھلاؤ اور سلام کرو، چاہے آپ اسے پہچانتے ہوں یا نہ پہچانتے ہوں۔(۳)

---

(۱) عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تسافر المرأة ثلاثة أيام إلا مع ذي محرم.
(صحيح البخاري: ۱/۱۴۷، رقم الحديث: ۱۰۸۶، كتاب الجمعة، أبواب تقصير الصلاة، باب: في كم يقصر الصلاة، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۱/۴۳۳، رقم الحديث: ۴۱۳-(۱۳۳۸)، كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره، ط: ديوبند)
تفصیلی تخریج گذر چکی ہے۔

(۲) عن أبي بردة، عن أبي موسى رضي الله عنه، قال: قالوا يا رسول الله، أي الإسلام أفضل؟ قال: من سلم المسلمون من لسانه، ويده. (صحيح البخاري: ۱/۶، رقم الحديث: ۱۱، كتاب الإيمان، باب: أي الإسلام أفضل؟، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۱/۴۸، رقم الحديث: ۶۶-(۴۲)، كتاب الإيمان، باب بيان تفاضل الإسلام، وأي أموره أفضل، ط: ديوبند)

(۳) عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما، أن رجلا سأل النبي صلى الله عليه وسلم: أي الإسلام خير؟ قال: تطعم =

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سائل کو تو یہ جواب دیا کہ کسی کو تکلیف مت پہنچاؤ اور اسی طرح کا سوال کرنے والے دوسرے سائل کو جواب دیا کہ غریبوں کو کھانا کھلانا زیادہ ثواب کا کام ہے۔ یہ دونوں جواب الگ الگ کیوں ہیں؟ اس کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں، بہتر جواب یہ ہے کہ جب صحابۂ کرام کی تنگ دستی کا زمانہ تھا، رہائش، کپڑے اور کھانے پینے کے سلسلے میں بڑی تنگی تھی، اور اکثر صحابہ اس سلسلے میں تکلیف اور سامنا کرتے رہتے تھے، تو ایسے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانا کھلاؤ اور ضرورت مندوں کی حاجت پوری کرو۔

جب تنگ دستی ختم ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے وسعت وفراخی سے نوازا، تو اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زبان یا ہاتھ سے کسی کو تکلیف اور ایذاء مت پہنچاؤ۔

خلاصہ یہ ہے کہ حال کے تقاضے کے مطابق مال خرچ کرنا چاہیے، تاکہ زیادہ سے زیادہ اجر وثواب مل سکے۔ موجودہ زمانے میں بہ کثرت نفلی حج کرنے والے سوچیں کہ قوم کے لاکھوں بچے مساجد، مدارس اور دین سے کافی دور ہیں، لاکھوں نوجوان تعلیم کے فقدان کی وجہ سے دین اور شعار دین سے نکل رہے ہیں، جھونپڑ پٹی اور بنجر علاقوں میں رہنے والوں کی اولاد کو کوئی کلمہ پڑھانے والا نہیں ہے، اگر نفلی حج پر خرچ کی جانے والی رقم سے دو چھوٹے دینی مدرسے بن جائیں گے، تو حالات کے تقاضے کے مطابق اور زیادہ ثواب ملے گا، ان شاء اللہ۔[۴]

=الطعام، وتقرأ السلام على من عرفت ومن لم تعرف. (صحيح البخاري: ۱/۶، رقم الحديث: ۱۲، كتاب الإيمان، باب: إطعام الطعام من الإسلام، ط: ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۱/۴۸، رقم الحديث: ۶۳-(۳۹)، كتاب الإيمان، باب بيان تفاضل الإسلام، وأي أموره أفضل، ط: ديوبند)

(۴) (قوله ورجح في البزازية أفضلية الحج) حيث قال: الصدقة أفضل من الحج تطوعا، كذا روي عن الإمام لكنه لما حج، وعرف المشقة، أفتى بأن الحج أفضل، ومراده أنه لو حج نفلا وأنفق ألفا، فلو تصدق بهذه الألف على المحاويج فهو أفضل، لا أن يكون صدقة فليس أفضل من إنفاق ألف في سبيل الله تعالى، والمشقة في الحج لما كانت عائدة إلى المال والبدن جميعا فضل في المختار على الصدقة. اهـ.

قال الرحمتي: والحق التفصيل، فما كانت الحاجة فيه أكثر والمنفعة فيه أشمل فهو الأفضل كما ورد "حجة أفضل من عشر غزوات" وورد عكسه، فيحمل على ما كان أنفع، فإذا كان أشجع وأنفع في الحرب، فجهاده أفضل من حجه، أو بالعكس فحجه أفضل، وكذا بناء الرباط إن كان محتاجا إليه كان أفضل من الصدقة وحج النفل، وإذا كان الفقير مضطرا أو من أهل الصلاح أو من آل بيت النبي - صلى الله عليه وسلم - فقد يكون إكرامه أفضل من =

ہاں اگر اللہ کا کوئی نیک بندہ اس نیت سے نفلی حج کرے کہ میں عربستان کے ان لوگوں کو صحیح باتیں بتاؤں گا اور دعوت وتبلیغ اور وعظ ونصیحت کروں گا، جو یہود ونصاریٰ کے رنگ میں رنگ چکے ہیں اور اپنی تہذیب وکلچر کو چھوڑ کر ان کی تہذیب اور کلچر اپنا چکے ہیں اور دین اور شعار دین سے کوسوں دور ہیں، تو اس میں زیادہ ثواب ملے گا۔

حج کا ایک فلسفہ یہ بھی ہے کہ دنیا کے مختلف خطوں سے سمجھ دار، ہوش مند اور باشعور افراد آ کر یکجا ہوں

=حجات وعمر وبناء ربط.

كما حكي في المسامرات عن رجل أراد الحج فحمل ألف دينار يتأهب بها، فجاءته امرأة في الطريق، وقالت له: إني من آل بيت النبي - صلى الله عليه وسلم - وبي ضرورة فأفرغ لها ما معه، فلما رجع حجاج بلده صار كلما لقي رجلا منهم يقول له تقبل الله منك، فتعجب من قولهم، فرأى النبي - صلى الله عليه وسلم - في نومه، وقال له: تعجبت من قولهم تقبل الله منك؟ قال نعم يا رسول الله، قال: إن الله خلق ملكا على صورتك حج عنك، وهو يحج عنك إلى يوم القيامة بإكرامك لامرأة مضطرة من آل بيتي؛ فانظر إلى هذا الإكرام الذي ناله لم ينله بحجات ولا ببناء ربط. (رد المحتار على الدر المختار: ۶۲۱/۲، كتاب الحج، فروع في الحج، مطلب في تفضيل الحج على الصدقة، ط: دار الفكر-بيروت)

وعند الشافعية أن الحج لا يوصف بالنفلية بل المرة الأولى فرض عين وما زاد ففرض كفاية؛ لأن من فروض الكفاية أن يحج البيت كل عام ولم أره لأئمتنا بل صرحوا بالنفلية فقالوا حج النفل أفضل من الصدقة. (البحر الرائق)

قال ابن عابدين: (قوله: فقالوا حج النفل أفضل من الصدقة) قال الرملي: قال المرحوم الشيخ عبد الرحمن العمادي مفتي الشام في مناسكه: وإذا حج حجة الإسلام فصدقة التطوع بعد ذلك أفضل من حج التطوع عند محمد، والحج أفضل عند أبي يوسف، وكان أبو حنيفة - رحمه الله - يقول بقول محمد، فلما حج ورأى ما فيه من أنواع المشقات الموجبة لتضاعف الحسنات رجع إلى قول أبي يوسف اهـ.

قلت: قد يقال إن صدقة التطوع في زماننا أفضل؛ لما يلزم الحاج غالبا من ارتكاب المحظورات ومشاهدته لفواحش المنكرات وشح عامة الناس بالصدقات وتركهم الفقراء والأيتام في حسرات، ولا سيما في أيام الغلاء وضيق الأوقات وبتعدي النفع تتضاعف الحسنات. ــــــــ ثم رأيت في متفرقات اللباب الجزم بأن الصدقة أفضل منه، وقال شارحه القاري أي على ما هو المختار كما في التجنيس ومنية المفتي وغيرهما، ولعل تلك الصدقة محمولة على إعطاء الفقير الموصوف بغاية الفاقة أو في حال المجاعة، وإلا فالحج مشتمل على النفقة؛ بل وزاد إن الدرهم الذي ينفق في الحج بسبعمائة إلخ، قلت: قد يقال ما ورد محمول على الحج الفرض على أنه لا مانع من كون الصدقة للمحتاج أعظم أجرا من سبعمائة. (منحة الخالق على البحر الرائق-ابن عابدين (م: ۱۲۵۲هـ): ۳۳۴/۲، كتاب الحج، واجبات الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي☆المحيط البرهاني: ۴۹۵/۲، كتاب المناسك، الفصل العشرون في المتفرقات، ت: عبد الكريم السامي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

اوراپنے خطے کے دینی احوال وکوائف سے امت کوواقف کرائیں، تاکہ وہ جان لیں کہ ہم ایک دوسروں کے لیے دینی اوردنیوی اعتبار سے کتنے اورکس طرح مددگار ہوسکتے ہیں، ملی مفاد کے لیے کیسی اسکیمیں کارگر ہوں گی، اورکس طرح کے نئے پروگرام بنانے میں امت کا مفاد ہے۔ کاش حج کرنے والا طبقہ اس جانب اپنی توجہ مبذول کرتا، اس کے بجائے یہ ہورہا ہے کہ آج کل مسلمانوں نے نفلی حج کوسیر وتفریح کا ذریعہ بنالیا ہے، اللہ تعالیٰ صحیح سوچ عطافرمائے۔ (۵) امید ہے کہ آپ اس بارے میں غورفرمائیں گے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] نفل حج اداکرنا افضل ہے یا دینی اُمور میں رقم خرچ کرنا؟

۱۸۳۵- سوال: کچھ لوگ ہر سال حج کے لیے جاتے ہیں، دریافت یہ کرنا ہے کہ حج نفل ادا کرنا زیادہ افضل ہے، یا حج نفل کے بجائے مکاتب، مدارس کی امداد اور دینی کتابیں چھپواکر دینی امور میں رقم خرچ کرنا افضل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

مسلمانوں کا جان و مال اللہ کے راستہ میں خرچ ہونا چاہیے، اور وہ راستے اور راہیں مختلف ہیں، حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری تفصیل سے رہنمائی فرمائی ہے کہ انسان کو اپنی انمول جان اور بیش قیمت مال کہاں کہاں خرچ کرنا زیادہ بہتر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے رہنما اصول کی روشنی میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ فرض حج ادا کرلینے کے بعد، نفلی حج میں جانے کے مقابلے میں موجودہ زمانہ میں، ان دینی امور میں مال خرچ کرنا زیادہ

---

(۵) المصالح المرعية في الحج أمور: منها تعظيم البيت، فإنه من شعائر الله، وتعظيمه هو تعظيم الله تعالى.

ومنها تحقيق معنى العرضة، فإن لكل دولة أو ملة اجتماعا يتوارده الأقاصي والأداني ليعرف فيه بعضهم بعضا، ويستفيدوا أحكام الملة، ويعظموا شعائرها، والحج عرضة المسلمين وظهور شوكتهم واجتماع جنودهم وتنويه ملتهم، وهو قول الله تعالى: {وإذ جعلنا البيت مثابة للناس وأمنا}. (حجة الله البالغة- أحمد بن عبد الرحيم بن الشهيد وجيه الدين، المعروف بـ"الشاه ولي الله الدهلوي" (م:١١٧٦هـ): ٢/٨٧، من أبواب الحج، ت: السيد سابق، ط: دار الجيل، بيروت- لبنان)

نوٹ: شاہ ولی اللہؒ کی شہرۂ آفاق کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ"، استاذ گرامی قدر حضرت مولانا ومفتی سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم (شیخ الحدیث: دارالعلوم، دیوبند) کی عمدہ تحقیق کے ساتھ مکتبہ حجاز- دیوبند سے شائع ہوگئی ہے، اس نسخے میں مذکورہ عبارت ج:۲، ص:۱۶۰، پر ملاحظہ فرمائیں۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

ثواب رکھتا ہے، جن سے لوگ بڑا فائدہ اٹھاتے ہیں۔[۱]

عمدۃ القاری، شرح بخاری شریف میں آں حضرت ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جس شخص نے فرض حج ادا نہ کیا ہو، اُس کے لیے چالیس جہاد میں شریک ہونے سے افضل' فرض حج ادا کرنا ہے، اور جس نے فرض حج ادا کرلیا ہو، تو اُس کے لیے جہاد میں جانا چالیس حج ادا کرنے سے افضل ہے۔ (جلد: ۱/۱۸۹)[۲]

اِسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آکر ایک صحابیؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اسلام میں کون سا کام افضل ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ وہ مسلمان جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ محفوظ ہوں۔ (بخاری شریف: ۱/۶)[۳]

---

(۱)قلت: قد يقال إن صدقة التطوع في زماننا أفضل، لما يلزم الحاج غالبا من ارتكاب المحظورات ومشاهدته لفواحش المنكرات وشح عامة الناس بالصدقات وتركهم الفقراء والأيتام في حسرات، ولا سيما في أيام الغلاء وضيق الأوقات وبتعدي النفع تتضاعف الحسنات. ـــــــ ثم رأيت في متفرقات اللباب الجزم بأن الصدقة أفضل منه، وقال شارحه القاري أي على ماهو المختار كما في التجنيس ومنية المفتي وغيرهما، ولعل تلك الصدقة محمولة على إعطاء الفقير الموصوف بغاية الفاقة أو في حال المجاعة، وإلا فالحج مشتمل على النفقة، بل وزاد إن الدرهم الذي ينفق في الحج بسبعمائة إلخ، قلت: قد يقال ماورد محمول على الحج الفرض على أنه لا مانع من كون الصدقة للمحتاج أعظم أجرا من سبعمائة. (منحة الخالق على البحر الرائق-ابن عابدين (م: ۱۲۵۲هـ): ۲/ ۳۳۴، كتاب الحج، واجبات الحج، ط: دار الكتاب الإسلامي☆المحيط البرهاني: ۲/ ۴۹۵، كتاب المناسك، الفصل العشرون في المتفرقات، ت: عبد الكريم السامي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

تفصیلی تخریج کے لیے سوال سابق کا حاشیہ نمبر (۴) ملاحظہ فرمائیں۔

[۲] روي أنه، عليه السلام، قال: حجة لمن يحج افضل من أربعين غزوة، وغزوة لمن حج أفضل من أربعين حجة. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري-أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى (م: ۸۵۵هـ): ۱/ ۱۸۹، كتاب الإيمان، باب من قال: إن الإيمان هو العمل......، ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

عن مكحول، أنه كان يحدثهم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: حجة لمن لم يحج خير له من عشر غزوات أو تسع غزوات، وغزوة بعد حجة خير من عشر حجات أو تسع. (المراسيل-أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق، الأزدي السِّجِستاني (م: ۲۷۵هـ) ص: ۲۳۳، رقم الحديث: ۳۰۳، باب في فضل الجهاد، ت: شعيب الأرناؤوط، ط: مؤسسة الرسالة-بيروت)

عن مكحول، قال: أكثر المستأذنون إلى الحج رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم غزوة تبوك، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: غزوة لمن قد حج أفضل من أربعين حجة. (المصدر السابق، رقم الحديث: ۳۰۴)

[۳] عن أبي بردة، عن أبي موسى رضي الله عنه، قال: قالوا يا رسول الله، أي الإسلام أفضل؟ قال: من سلم المسلمون =

اور دوسری روایت میں اِس طرح کے اور ایک صحابیؓ کے سوال کے جواب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کھانا کھلاؤ، اور ہر مسلمان کو سلام کرو، خواہ اُسے پہچانتے ہوں یا نہ پہچانتے ہوں۔ (بخاری: ۱/۶)[۴]

علماءِ محدثین نے اِن دونوں حدیثوں کے ضمن میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں صحابیؓ کے ایک ہی طرح کے سوال کے جواب الگ الگ کیوں دیے؟ محدثین کرام نے مختلف توجیہات کی ہیں، اِمام نوویؒ شارح مسلم شریف، جلد: ۱، صفحہ: ۶۳ میں اور علامہ عینیؒ شارح بخاری شریف جلد: ۱، صفحہ: ۱۸۹/ میں لکھتے ہیں:

(۱) سائل کے بدل جانے کی وجہ سے جواب بدل گیا، کہ سائل میں جو ضرورت نظر آئی، اُس کے مطابق جواب دیا گیا۔[۵]

(۲) مجلس میں جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے، اُن کی دینی ضرورت کے مطابق جواب دیا گیا۔[۶]

(۳) جس کام میں نفع زیادہ ہو وہ کام افضل ہوگا، جیسے کہ جہاد کا نفع عام مخلوق کو ہوتا ہے اور حج کا فائدہ حاجی کی ذات تک محدود رہتا ہے۔[۷]

=من لسانه، ويده. (صحيح البخاري: ۱/۶، رقم الحديث: ۱۱، كتاب الإيمان، باب: أي الإسلام أفضل؟، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۱/۴۸، رقم الحديث: ۶۶-(۴۲)، كتاب الإيمان، باب بيان تفاضل الإسلام، وأي أموره أفضل، ط: ديوبند)

[۴] عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما، أن رجلا سأل النبي صلى الله عليه وسلم: أي الإسلام خير؟ قال: تطعم الطعام، وتقرأ السلام على من عرفت ومن لم تعرف. (صحيح البخاري: ۱/۶، رقم الحديث: ۱۲، كتاب الإيمان، باب: إطعام الطعام من الإسلام، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۱/۴۸، رقم الحديث: ۶۳-(۳۹)، كتاب الإيمان، باب بيان تفاضل الإسلام، وأي أموره أفضل، ط: ديوبند)

(۵) قلت: الحاصل أن اختلاف الأجوبة، في هذه الأحاديث لاختلاف الأحوال. (عمدة القاري: ۱/۱۸۹، كتاب الإيمان، باب من قال: إن الإيمان هو العمل......، ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

(۶) أجاب القاضي عياض، فقال: أعلم كل قوم بما لهم إليه حاجة، وترك ما لم تدعهم إليه حاجة، أو ترك ما تقدم علم السائل إليه أو علمه بما لم يكمله من دعائم الإسلام ولا بلغه عمله. (المصدر السابق☆ شرح النووي على مسلم: ۲/۷۷، كتاب الإيمان، باب بيان كون الإيمان بالله تعالى أفضل الأعمال، ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

(۷) فالجهاد أولى بالتحريض والتقديم من الحج لما في الجهاد من المصلحة العامة للمسلمين مع أنه متعين متضيق في هذا الحال بخلاف الحج والله أعلم. (شرح النووي على مسلم: ۲/۷۷، كتاب الإيمان، باب بيان كون الإيمان بالله تعالى أفضل الأعمال، ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت☆ عمدة القاري: ۱/۱۸۹، كتاب الإيمان)

(۴) زمانہ اور وقت کے اعتبار سے الگ الگ جواب دیا، جب ہجرت کر کے مدینہ آئے، تو تنگی اور فقر کا وقت تھا، مہاجرین کی مالی حالت کمزور تھی، اِس لیے اُس وقت کھانا کھلانے کو افضل فرمایا، اور جن کو کھانا کھلائے اُس کے ساتھ محبت کا سلوک کرے، اُس کو ذلیل و رسوا نہ کرنے کا حکم فرمایا، اور جب وسعت و فراخی کے دروازے کھل گئے، ہر شخص کے پاس مالی فراوانی ہوئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق مال چوں کہ تمام خرابیوں کی اصل ہے، اِس لیے فرمایا کہ اپنی زبان اور ہاتھ سے لوگوں کو تکلیف دینے سے بچتے رہو۔ (۸)

اِسی طرح نفل حج ادا کرنا کارِ ثواب ہے، لیکن جاہل اور ان پڑھ لوگ حرمین شریفین جا کر لوگوں کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے، لہٰذا اُن کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے مال کو مکاتب، مدارس اور تبلیغی کاموں میں خرچ کر کے جو طلباء اُس سے تعلیم حاصل کریں گے وہ حرمین شریفین کی خدمت کرنے والے اور آباد کرنے والے

---

(۸) قلت: الحاصل أن اختلاف الأجوبة، في هذه الأحاديث لاختلاف الأحوال، ولهذا سقط ذكر الصلاة والزكاة والصيام في هذا الحديث المذكور في هذا الباب، ولا شك أن الثلاث مقدمات على الحج والجهاد، ويقال: إنه قد يقال: خير الأشياء كذا، ولا يراد أنه خير من جميع الوجوه في جميع الأحوال والاشخاص، بل في حال دون حال، فإن قيل: كيف قدم الجهاد على الحج، مع أن الحج من أركان الاسلام، والجهاد فرض كفاية؟ يقال: إنما قدمه للاحتياج إليه أول الإسلام، ومحاربة الأعداء، ويقال: إن الجهاد قد يتعين كسائر فروض الكفاية، وإذا لم يتعين لم يقع الا فرض كفاية، وأما الحج فالواجب منه حجة واحدة، وما زاد نفل فإن قابلت واجب الحج بمتعين الجهاد، كان الجهاد أفضل لهذا الحديث، ولأنه شارك الحج في الفرضية، وزاد بكونه نفعا متعديا إلى سائر الأمة، وبكونه ذبا عن بيضة الإسلام. (عمدة القاري: ۱/۱۸۹، كتاب الإيمان، باب من قال: إن الإيمان هو العمل......، ط: دار إحياء التراث العربي)

(قوله ورجح في البزازية أفضلية الحج) حيث قال: الصدقة أفضل من الحج تطوعا، كذا روي عن الإمام لكنه لما حج، وعرف المشقة، أفتى بأن الحج أفضل، ومراده أنه لو حج نفلا وأنفق ألفا، فلو تصدق بهذه الألف على المحاويج فهو أفضل، لا أن يكون صدقة فليس أفضل من إنفاق ألف في سبيل الله تعالى، والمشقة في الحج لما كانت عائدة إلى المال والبدن جميعا فضل في المختار على الصدقة. اهـ.

قال الرحمتي: والحق التفصيل، فما كانت الحاجة فيه أكثر والمنفعة فيه أشمل فهو الأفضل كما ورد "حجة أفضل من عشر غزوات" وورد عكسه، فيحمل على ما كان أنفع، فإذا كان أشجع وأنفع في الحرب، فجهاده أفضل من حجه، أو بالعكس فحجه أفضل، وكذا بناء الرباط إن كان محتاجا إليه كان أفضل من الصدقة وحج النفل، وإذا كان الفقير مضطرا أو من أهل الصلاح أو من آل بيت النبي - صلى الله عليه وسلم - فقد يكون إكرامه أفضل من حجات وعمر وبناء ربط. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۶۲۱، كتاب الحج، فروع في الحج، مطلب في تفضيل الحج على الصدقة، ط: دار الفكر - بيروت)

بنیں گے، اِس زمانہ میں مکاتب، مدارس اور خانقاہیں ویران ہو رہی ہیں، اور اِن مصارف میں مال خرچ کرنے والے آئے دِن کم ہو رہے ہیں، البتہ جو علماءِ کرام نفل حج میں جا کر دنیوی لوگوں سے مِل کر اُن تک دینی علوم واحکام پہنچانے کے اِرادے سے نفل حج میں جائیں، تو اُن کا نفل حج ادا کرنا افضل ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] حجر اسود کون بادشاہ اپنے ساتھ مکہ مکرمہ سے لے گیا تھا

۱۸۳۶- سوال: ایسا سنا ہے کہ حجر اسود کبھی ٹوٹ گیا تھا، تین ٹکڑے ہو گئے تھے، ایک بادشاہ نے چاندی کے ذریعہ سے جوڑ دیا تھا، کس کے زمانہ میں ایسا ہوا تھا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حجر اسود کو قرامطہ ۳۱۷ھ میں اکھاڑ کر اپنے ساتھ لے گئے تھے اور ٹھیک بائیس سال کے بعد ۳۳۹ھ میں واپس کیا۔ (۱) ممکن ہے اس وقت حجرِ اسود کو کوئی نقصان پہنچا ہو، تاریخ میں اس واقعہ پر نقصان کا ذکر نہیں ہے، بہر حال اگر ایسا ہوا تو بعید از قیاس نہیں ہے؛ لیکن ٹوٹنا محقق نہیں ہے۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) سنة تسع وثلاثين وثلاثمائة

في هذه السنة، رد القرامطة الحجر الأسود إلى مكة، وكان بجكم قد بذل لهم ان ردوه خمسين الف دينار، فلم يجيبوه، وكان بين قلعه ورده اثنتان وعشرون سنه. (تاريخ الطبري=تاريخ الرسل والملوك- محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي، أبو جعفر الطبري (م: ۳۱۰ھ): ۱۱/۳۷۱، سنة تسع وثلاثين وثلاثمائة، ط: دار التراث- بيروت)

(۲) قال الذهبي في " العبر " في سنة ثلاث عشرة وأربعمائة: تقدم بعض الباطنية من البصريين فضرب الحجر الأسود بدبوس فقتلوه في الحال. قال محمد بن علي بن عبد الرحمن العلوي: قام فضرب الحجر ثلاث ضربات. قال: إلى متى يعبد الحجر؟ ولا محمد ولا علي فيمنعني محمد مما أفعله، فإني اليوم أهدم هذا البيت. فالتفاه أكثر الحاضرين وكان أن يفلت، وكان أحمر أشقر جسيما طويلان وكان على باب المسجد عشرة فوارس ينصرونه فاحتسب رجل ووجأه بخنجر، ثم تكاثروا عليه فهلك وأحرق، وقتل جماعة ممن اتهم بمعاونته واختبط الوفد، ومال الناس على ركب البصريين بالنهب، وتخشن وجه الحجر وتساقط منه شظايا يسيرة وتشقق، وظهر مكسره أسمر يضرب إلى صفرة محببا مثل الخشخاش، فأقام الحجر على ذلك يومين ثم إن بني شيبة جمعوا الفتات وعجنوه بالمسك واللك وحشوا الشقوق وطلوها بطلاء من ذلك فهو بين لمن تأمله. وذكر ابن الأثير: أن هذه الحادثة كانت في سنة أربع عشرة وأربعمائة. وذكر المسبحي: أن نافع بن محمد الخزاعي دخل الكعبة فيمن دخلها للنظر إلى الحجر الأسود لما كان في الكعبة بعد رد القرامطة له، وأنه تأمل الحجر الأسود فإذا السواد في=

[۱۹] زم زم کا پانی پینے کا طریقہ

۱۸۳۷- سوال: زم زم کا پانی پینے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامدا ومصلیا:

زم زم کا پانی کھڑے ہوکر، قبلہ رخ کر کے پیٹ بھر کر چند سانسوں میں پینا چاہیے، اگر ممکن ہوتو اپنے بدن چہرے اور سر پر بھی بہانا چاہیے۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] حرم مکی ومدنی میں افضل کون؟

۱۸۳۸- سوال: کیا ایسا کہہ سکتے ہیں کہ مدینہ منورہ کی سرزمین، بیت اللہ کی سرزمین سے زیادہ محترم ہے؟

الجواب حامدا ومصلیا:

مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ کی زمین سے افضل ہے، اور بیت اللہ شریف بھی افضل ہے، مگر مدینہ منورہ

=رأسه، دون سائره وسائره أبيض، قال: وكان مقدار طوله فيما حررت مقدار عظم الذراع، أو كالذراع المقبوضة الأصابع، والسواد في وجهه غير ماض في سائره جميعه. انتهى. وما ذكره العلوي في صفة نوى الحجر يخالف هذا. وقيل في طوله أكثر مما ذكره الخزاعي. ومن آياته: حفظ الله له من الضياع منذ أهبط إلى الأرض مع ما وقع من الأمور المقتضية لذهابه كالطوفان، ودفن بني إياد، وكما وقع من جرهم وغيرهم كما قدمناه. ومنها: أنه لما حمل إلى هجر هلك تحته أربعون جملا، فلما أعيد حمل على قعود أعجف فسمن كما قدمناه. وقيل: هلك تحته ثلاثمائة بعير. وقيل: خمسمائة. ومنها: أنه يطفو على الماء إذا وضع فيه ولا يرسخ. ومنها: أنه لا يسخن من النار، ذكر هاتين الآيتين ابن أبي الدم في "الفرق الإسلامية" فيما حكاه عنه ابن شاكر الكتبي المؤرخ، ونقل ذلك عن بعض المحدثين ورفعه إلى النبي صلى الله عليه وسلم وهذه صفة المسجد الحرام والكعبة المشرفة زادها الله تعالى شرفا وتعظيما. (تاريخ مكة المشرفة والمسجد الحرام والمدينة الشريفة والقبر الشريف- محمد بن أحمد بن الضياء محمد القرشي العمري المكي الحنفي، بهاء الدين أبو البقاء، المعروف بابن الضياء (م: ۸۵۴ھ) ص: ۱۷۸، فصل: ذكر آيات البيت الحرام زاده الله تشريفا وتعظيما، ت: علاء إبراهيم، أيمن نصر، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۱) (قوله شرب من ماء زمزم) أي قائما، مستقبلا القبلة، متضلعا منه، متنفسا فيه، مرارا، ناظرا في كل مرة إلى البيت، ماسحا به وجهه ورأسه وجسده، صابا منه على جسده، إن أمكن، كما في البحر وغيره. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۵۲۳، كتاب الحج، فصل في صفة إحرام المفرد، مطلب في طواف الزيارة، ط: دار الفكر ☆ مراقي الفلاح، ص: ۲۷۶، كتاب الحج، مدخل، تعريفه، ط: المكتبة العصرية)

کی زمین کا وہ حصہ، جو روضہ اقدس میں آپ ﷺ کے جسد اطہر کے ساتھ متصل ہے، وہ بیت اللہ شریف سے بھی افضل ہے؛ اس لیے علی الاطلاق یہ نہیں کہنا چاہیے کہ حرم مکی کو حرم مدنی پر فضیلت حاصل ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ومكة أفضل منها على الراجح إلا ما ضم أعضاءه - عليه الصلاة والسلام - فإنه أفضل مطلقا حتى من الكعبة والعرش والكرسي. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: وفي آخر اللباب وشرحه: أجمعوا على أن أفضل البلاد مكة والمدينة زادهما الله تعالى شرفا وتعظيما. واختلفوا أيهما أفضل، فقيل: مكة، وهو مذهب الأئمة الثلاثة والمروي عن بعض الصحابة، وقيل المدينة، وهو قول بعض المالكية والشافعية، قيل وهو المروي عن بعض الصحابة. ولعل هذا مخصوص بحياته - صلى الله عليه وسلم - أو بالنسبة إلى المهاجرين من مكة، وقيل بالتسوية بينهما. وهو قول مجهول لا منقول ولا معقول. [مطلب في تفضيل قبره المكرم صلى الله عليه وسلم]

(قوله إلا إلخ) قال في اللباب: والخلاف فيما عدا موضع القبر المقدس، فما ضم أعضاءه الشريفة، فهو أفضل بقاع الأرض بالإجماع. اهـ. قال شارحه: وكذا أي الخلاف في غير البيت: فإن الكعبة أفضل من المدينة ما عدا الضريح الأقدس وكذا الضريح أفضل من المسجد الحرام. وقد نقل القاضي عياض وغيره الإجماع على تفضيله حتى على الكعبة، وأن الخلاف فيما عداه. ونقل عن ابن عقيل الحنبلي أن تلك البقعة أفضل من العرش، وقد وافقه السادة البكريون على ذلك. وقد صرح التاج الفاكهي بتفضيل الأرض على السموات لحلوله - صلى الله عليه وسلم - بها، وحكاه بعضهم على الأكثرين لخلق الأنبياء منها ودفنهم فيها، وقال النووي: الجمهور على تفضيل السماء على الأرض، فينبغي أن يستثنى منها مواضع ضم أعضاء الأنبياء للجمع بين أقوال العلماء. (رد المحتار على الدر المختار: ۶۲۶/۲، كتاب الحج، فروع في الحج، حرم المدينة ومكة، مطلب في تفضيل مكة على المدينة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ المسلك المتقسط في المنسك المتوسط - الملا علي القاري (م: ۱۰۱۴ھ)، ص: ۷۴۶، ۷۴۷، باب زيارة سيد المرسلين، فصل في تفضيل بين مكة والمدينة، ت: محمد طلحة بلال أحمد منيار، ط: المكتبة الإمدادية - مكة المكرمة)

کتاب الأضحیة والعقیقة

قربانی اور عقیقے کا بیان

عن عائشة، أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال: ما عمل آدمي من عمل يوم النحر أحب إلى الله من إهراق الدم، إنه ليأتي يوم القيامة بقرونها وأشعارها وأظلافها، وأن الدم ليقع من الله بمكان قبل أن يقع من الأرض، فطيبوا بها نفسا. (سنن الترمذي: ۱/۲۷۵، رقم الحديث: ۱۴۹۳، أبواب الأضاحي، باب ما جاء في فضل الأضحية، ط: ديوبند)

باب من يجب عليه الأضحية

[قربانی کا وجوب]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب من يجب عليه الأضحية

[قربانی کا وجوب]

[۱] شریعت میں مال دار اور غریب کسے کہا جاتا ہے؟

۱۸۳۹- سوال: شریعت میں مال دار اور غریب کسے کہتے ہیں؟

الجواب حامداومصليا:

جس شخص کے پاس زندگی کی لازمی ضروریات کے علاوہ اتنا سامان یا اس کی قیمت ہو، جو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے مساوی ہو، تو وہ شخص شریعت کی نظر میں مال دار ہے اور اس پر صدقہ فطر اور قربانی واجب ہے۔

لازمی ضروریات کی چیزوں میں رہنے کا گھر، پہننے کے کپڑے (تین جوڑے) استعمالی برتن اور ضروری فرنیچر اسی طرح ایک سائیکل یا اسکوٹر داخل ہے۔

اور غریب وہ شخص کہلائے گا، جس کے پاس اس سے کم مال ہو۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) والموسر في ظاهر الرواية من له مائتا درهم أو عشرون دينارا أو شيء يبلغ ذلك سوى مسكنه ومتاع مسكنه ومركوبه وخادمه في حاجته التي لا يستغني عنها، فأما ما عدا ذلك من سائمة أو رقيق أو خيل أو متاع لتجارة أو غيرها فإنه يعتد به من يساره. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۲۹۲، كتاب الأضحية، الباب الأول في تفسير الأضحية وركنها وصفتها وشرائطها وحكمها، ط: دار الفكر)

[۲] موجودہ دور کے حساب سے نقد رقم کتنی ہو، تو قربانی واجب ہوگی؟

۱۸۴۰-سوال: موجودہ دور کے حساب سے کتنی رقم نقد ہو تو قربانی واجب ہوتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

کسی بھی وقت میں نقد رقم، ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو، تو اُس کی وجہ سے قربانی واجب ہو جائے گی۔ (ردالمحتار علی الدر المختار: ۶/ ۳۱۲)[۱] واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] قربانی کس پر واجب ہوتی ہے؟ صاحبِ نصاب کسے کہتے ہیں؟

۱۸۴۱-سوال: قربانی کس شخص پر واجب ہو جاتی ہے؟ اور صاحبِ نصاب کسے کہتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

جس شخص کے پاس اپنی حاجتِ اصلیہ اور قرض کے علاوہ اِتنا مال ہو کہ جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو جاتی ہے اور عیدالاضحیٰ کی صبح صادق کے وقت وہ اِس مال کا مالک ہے، تو اُس پر قربانی واجب ہوگی اور ایسے شخص کو شریعتِ مطہرہ کی اصطلاح میں صاحبِ نصاب کہا جاتا ہے، قربانی کے وجوب کے لیے مال پر سال گزرنے کی شرط نہیں ہے، اور نہ ہی یہ لازم ہے کہ وہ مال نامی ہو۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] وشرائطها: الإسلام والإقامة واليسار الذي يتعلق به) وجوب (صدقة الفطر) [الدر المختار] ـــــ وفي الشامية: (قوله واليسار إلخ) بأن ملك مائتي درهم أو عرضا يساويها غير مسكنه وثياب اللبس أو متاع يحتاجه إلى أن يذبح الأضحية. (ردالمحتار علی الدر المختار: ۶/ ۳۱۲، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر)

(۲) واضح رہے کہ زکوۃ اور قربانی کے نصاب میں یہ بات قدرے مشترک ہے کہ آدمی ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا یا اس کے بہ قدر اتنے مال کا مالک ہو، جو اس کی ضرورت اصلیہ سے زائد ہو، فرق صرف اتنا ہے کہ زکوۃ واجب ہونے کے لیے اس مال کا نامی ہونا اور اس پر سال کا گذرنا شرط ہے، جب کہ قربانی اور صدقۃ الفطر کے واجب ہونے کے لیے نہ تو مال کا نامی ہونا شرط ہے اور نہ ہی اس پر حولان حول (سال کا گذرنا) شرط ہے۔ لہٰذا وہ کپڑے، جو ضرورت سے زائد ہوں؛ لیکن تجارت کے لیے نہ ہوں اور ان کی قیمت نصاب زکوۃ کو پہنچتی ہو، تو اس صورت میں صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہوگی؛ لیکن زکوۃ واجب نہیں ہوگی، کیوں کہ یہ مال نامی نہیں ہے: =

[۴] والدین فارغ البال ہوں اور کاروبار لڑکوں کے ہاتھ میں ہو تو قربانی کس کے ذمے ہوگی؟

۱۸۴۲- سوال: ماں باپ بوڑھے ہیں، کام کاج سے فارغ ہیں، لڑکے سارا کاروبار کرتے ہیں اور وہی اس کا حساب رکھتے ہیں، تو ایسی صورت میں گھر کے ان بڑے بوڑھوں کی طرف سے قربانی کرنا چاہیے یا ان لڑکوں کی طرف سے، جو کاروبار سنبھال رہے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن کے ذمہ صدقۂ فطر واجب ہو، ان پر قربانی واجب ہے، بڑے بوڑھے جو کام کاج سے فارغ زندگی گزار رہے ہیں، اگر ان کے پاس نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی) کے بہ قدر رقم یا مال (ضرورت سے زائد) ہو، تو ان کے ذمہ قربانی ادا کرنا واجب ہے، جو لڑکے کاروبار کرتے ہیں، ان کے پاس بھی صدقۂ فطر واجب ہونے کے بہ قدر رقم ہوگی، تو [ان پر بھی] قربانی واجب ہوگی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= ثم لا بد من معرفة حد الغنى فنقول الغنى أنواع ثلاثة: غنى تجب به الزكاة، وغنى يحرم به أخذ الصدقة وقبولها ولا تجب به الزكاة، وغنى يحرم به السؤال ولا يحرم به الأخذ أما الغنى الذي تجب به الزكاة فهو أن يملك نصابا من المال النامي الفاضل عن الحاجة الأصلية.

وأما الغنى الذي يحرم به أخذ الصدقة وقبولها فهو الذي تجب به صدقة الفطر والأضحية وهو أن يملك من الأموال التي لا تجب فيها الزكاة ما يفضل عن حاجته وتبلغ قيمة الفاضل مائتي درهم من الثياب والفرش والدور والحوانيت والدواب والخدم زيادة على ما يحتاج إليه كل ذلك للابتذال والاستعمال لا للتجارة والإسامة، فإذا فضل من ذلك ما يبلغ قيمته مائتي درهم وجب عليه صدقة الفطر والأضحية وحرم عليه أخذ الصدقة. (بدائع الصنائع: ۴۸/۲، كتاب الزكاة، فصل الذي يرجع إلى المؤدى إليه، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

[۱] (وأما) (شرائط الوجوب): منها اليسار وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكاة (الفتاوى الهندية: ۲۹۲/۵، كتاب الأضحية، الباب الأول في تفسير الأضحية وركنها وصفتها وشرائطها وحكمها، ط: دار الفكر)

وشرط وجوبها اليسار عند أصحابنا رحمهم الله، والموسر في ظاهر الرواية من له مائتا درهم، أو عشرون ديناراً، أو شيء يبلغ ذلك سوى مسكنه ومتاع مسكنه ومتاعه ومركوبه وخادمه في حاجته التي لا يستغني عنها. (المحيط البرهاني-أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۸۵/۶، كتاب الأضحية، الفصل الأول في بيان وجوب الأضحية ومن لا تجب عليه، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆رد المحتار على الدر المختار: ۳۱۲/۶، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر- بيروت☆الفتاوى الهندية: ۲۹۲/۵، كتاب الأضحية، الباب الأول في تفسير الأضحية وركنها وصفتها وشرائطها وحكمها، ط: دار الفكر)

[۵] ’’قربانی‘‘ گھر کے کسی ایک فرد پر واجب ہوگی یا تمام کنبہ پر؟

۱۸۴۳- سوال: قربانی گھر کے ایک فرد پر واجب ہوگی یا پورے کنبہ پر؟ مثلاً کسی گھر میں باپ، تین لڑکے اور بیوی ہے، تو تمام افراد پر قربانی واجب ہوگی یا صرف باپ پر؟ یہ جواب بدعتی ماحول میں بھیجنا ہے، لہٰذا جلد جواب روانہ فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

دیگر عرض یہ کہ میرے دو نواسے ہیں، جن میں سے ایک کا نام آصف ہے، گھر میں بہت طوفان [شرارت] کرتا ہے، ایک دوسرے پر کنکری پھینکتا ہے، دوسرے نواسے کا نام عرفان ہے، وہ بھی گھر اور مدرسہ میں بہت پریشان کرتا ہے، تو دونوں کے لیے تعویذ بھی بنادیں۔

الجواب حامداً ومصلیا:

جس شخص کے پاس عید الاضحیٰ کی صبحِ صادق کے وقت اپنی حاجاتِ اصلیہ سے فارغ اتنا مال ہو کہ اُس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہے، تو اُس پر قربانی واجب ہے۔ (۱) بیوی یا بچوں کی جانب سے گھر کے ذمہ دار شخص پر قربانی واجب نہیں ہوگی۔

البتہ اگر بیوی یا بچوں کے پاس اُن کا خود کا مال حاجاتِ اصلیّہ سے فارغ ہو اور نصاب کے بہ قدر ہو، تو اُن پر اپنی علاحدہ قربانی واجب ہوگی۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] والد کی موجودگی میں قربانی کس پر واجب ہوگی؟

۱۸۴۴- سوال: والد بوڑھے ہیں، کام کاج سے فارغ ہو چکے ہیں، لڑکے سارا کاروبار سنبھالے ہوئے ہیں، زکوٰۃ بھی وہی ادا کرتے ہیں، تو قربانی ان لڑکوں کے ذمہ آئے گی یا بوڑھے باپ کے ذمہ، جن

(۱) ومنها الغنى لما روي عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أنه قال: "من وجد سعة فليضح"، شرط - عليه الصلاة والسلام - السعة، وهي الغنى، . . . وهو أن يكون في ملكه مائتا درهم أو عشرون دينارا أو شيء تبلغ قيمته ذلك سوى مسكنه وما يتأثث به وكسوته وخادمه وفرسه وسلاحه وما لا يستغني عنه وهو نصاب صدقة الفطر. (بدائع الصنائع: ۵/ ۶۴، کتاب التضحية، فصل في شرائط وجوب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية)

(۲) وليس على الرجل أن يضحي عن أولاده الكبار وامرأته إلا بإذنه. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۲۹۳، کتاب الأضحية، الباب الأول في تفسير الأضحية وركنها وصفتها وشرائطها وحكمها، ط: دار الفكر)

کے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔

الجواب حامداومصلیا:

جونصاب کے بہ قدر مال کا مالک ہو، اسی کے ذمے حسب شرع زکوۃ، قربانی اور صدقۃ الفطر واجب ہے، صورت مسئولہ میں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ملکیت لڑکوں کی ہے، اگر ایسا ہے، تو قربانی انہیں پر واجب ہوگی۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] نصاب کا مالک نہیں، مگر چند ماہ کی تنخواہ باقی ہے، تو قربانی کا حکم

۱۸۴۵- سوال: ایک شخص نصاب کا مالک نہیں ہے، مگر اس کی تین مہینے کی تنخواہ مجموعی طور پر ۱۸۰۰/روپے باقی تھی، اور دن ایام نحر کے چل رہے تھے، تو اس شخص کے اوپر قربانی واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱۸۰۰/روپے ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو، یا گھر میں (موجود) استعمال نہ ہونے والی چیزوں کو اس کے ساتھ ملانے سے نصاب پورا ہوجاتا ہو اور کوئی قرض نہ ہو، (یعنی اتنا قرض نہ ہو، جس کو منہا کرنے کے بعد نصاب نہ رہتا ہو) تو اس پر قربانی واجب ہوگی۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیمات غفرلہ

---

(۱) سوال سابق کے حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) (قوله واليسار إلخ) بأن ملك مائتي درهم أو عرضا يساويها غير مسكنه وثياب اللبس أو متاع يحتاجه إلى أن يذبح الأضحية، ... فإن وجب له في أيامها نصاب تلزم، وصاحب الثياب الأربعة لو ساوى الرابع نصابا غني، وثلاثة فلا؛ لأن أحدها للبذلة والآخر للمهنة والثالث للجمع والوفد والأعياد، والمرأة موسرة بالمعجل لو الزوج مليا وبالمؤجل لا، وبدار تسكنها مع الزوج إن قدر على الإسكان.

له مال كثير غائب في يد مضاربه أو شريكه ومعه من الحجرين أو متاع البيت ما يضحي به تلزم. (تكملة رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۳۱۲، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر- بيروت)

(وأما) (شرائط الوجوب): منها اليسار وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكاة، ... والموسر في ظاهر الرواية من له مائتا درهم، أو عشرون دينارا، أو شيء يبلغ ذلك سوى مسكنه، ومتاع مسكنه، ومركوبه، وخادمه في حاجته التي لا يستغني عنها. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۲۹۲، كتاب الأضحية، الباب الأول في تفسير الأضحية وركنها وصفتها وشرائطها وحكمها، ط: دار الفكر- بيروت)

[۸] جس کے پاس صرف سات تولہ سونا ہے، اس پر قربانی کا وجوب

۱۸۴۶- سوال: ایک شخص کے پاس صرف سات تولہ سونا ہے، اس کے علاوہ نقد رقم، مال تجارت اور ضرورت سے زیادہ مال واسباب بھی نہیں ہے، تو کیا اس پر قربانی واجب ہوگی؟

الجواب حامدا ومصلیا:

صورت مسئولہ میں اگر قرضہ نہیں ہے، تو چوں کہ سات تولہ سونا، ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت سے زیادہ ہے؛ لہٰذا اس پر قربانی واجب ہوگی۔ (بدائع)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] مشترکہ مکان مالکان پر قربانی کا وجوب

۱۸۴۷- سوال: زید کے پاس نصاب کے بہ قدر مال نہیں ہے، یعنی نہ سونے چاندی کا نصاب ہے، نہ مال تجارت ہے اور نہ وہ نقد رقم کا مالک ہے، ضرورت اصلیہ سے زائد سامان بھی نہیں ہے، البتہ اپنی ملکیت کے مکان کے علاوہ ایک اور مکان ہے، جو پانچ بھائیوں کے درمیان مشترک ہے اور ابھی تک تقسیم بھی نہیں کیا گیا ہے، زید کے ذمہ ۲۵ ؍ہزار کا قرضہ ہے، تو کیا اس صورت میں زید پر قربانی واجب ہوگی؟

الجواب حامدا ومصلیا:

مذکورہ صورت میں ۲۵ ؍ہزار یا جتنا قرضہ ہے، اس کو وضع [منہا] کرنے کے بعد زید کے حصے میں جتنی ملکیت کا [مشترکہ] مکان آتا ہے، اس کی قیمت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے بہ قدر ہو جاتی

---

[۱] ومنها الغنى لما روي عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أنه قال: "من وجد سعة فليضح"، شرط - عليه الصلاة والسلام - السعة، وهي الغنى، ولأنا أوجبناها بمطلق المال ومن الجائز أن يستغرق الواجب جميع ماله فيؤدي إلى الحرج، فلا بد من اعتبار الغنى، وهو أن يكون في ملكه مائتا درهم أو عشرون دينارا أو شيء تبلغ قيمته ذلك سوى مسكنه وما يتأثث به وكسوته وخادمه وفرسه وسلاحه وما لا يستغني عنه وهو نصاب صدقة الفطر.

(بدائع الصنائع: ۵/ ۶۴، كتاب التضحية، فصل في شرائط وجوب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية)

نوٹ: اگر سات تولہ سونا کے علاوہ کوئی مالیت نہ ہو، تو اس پر قربانی واجب نہیں ہوگی، چوں کہ عموماً سونا کے علاوہ لوگوں کے پاس کچھ پیسہ، یا معمولی چاندی یا بہ طور خاص گجرات میں ضرورت سے زائد برتن ہوتے ہی ہیں، خیال ہوتا ہے کہ اسی وجہ سے حضرت مفتی صاحبؒ نے سات تولہ سونا کی صورت میں وجوب اضحیہ کا فتویٰ دیا ہوگا۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

ہے، تو زید پر قربانی واجب ہے، زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ (درمختار وشامی)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] اپنی قربانی نہ کر کے مرحومین کی طرف سے قربانی کرنا

۱۸۴۸-سوال: میرے پاس تین بکرے ہیں، میں اس سال ان کے ذریعہ اپنے رشتہ داروں میں سے تین مرحومین کی طرف سے قربانی کرنا چاہتا ہوں، تو سوال یہ ہے کہ مرحومین کی طرف سے قربانی کرنے میں زندوں کی طرف سے بھی قربانی کرنا ضروری ہے؟ اس سلسلہ میں شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سب سے پہلے یہ لازم وضروری ہے کہ آدمی اپنا فرض وواجب حق ادا کرے، اس کے بعد اگر گنجائش ہو تو پھر نفل حق ادا کرے، قربانی کے واجب ہونے کے لیے وہی شرطیں ہیں، جو صدقۃ الفطر کے وجوب کے لیے ہیں، اگر آپ پر قربانی واجب ہوگئی ہے، تو پہلے آپ اپنی طرف سے قربانی کریں، جو ضروری ہے،[۲] پھر گنجائش ہو، تو مرحومین کی طرف سے کریں اور اگر آپ پر قربانی واجب نہیں، تو اپنی طرف سے کیے بغیر بھی مرحومین کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

---

[۱] وشرائطها: الإسلام والإقامة واليسار الذي يتعلق به) وجوب (صدقة الفطر). [الدر المختار] ـــــ وفي الشامية: (قوله واليسار إلخ) بأن ملك مائتي درهم أو عرضا يساويها غير مسكنه وثياب اللبس أو متاع يحتاجه إلى أن يذبح الأضحية ولو له عقار يستغله فقيل تلزم لو قيمته نصابا، وقيل لو يدخل منه قوت سنة تلزم، وقيل قوت شهر، فمتى فضل نصاب تلزمه. ولو العقار وقفا، فإن وجب له في أيامها نصاب تلزم. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/۳۱۲، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر)

(۲) تجب على حر مسلم موسر مقيم عن نفسه. (كنز) ـــــ قال ابن نجيم: وقوله: عن نفسه لأنه أصل في الوجوب عليه. (البحر الرائق مع كنز الدقائق: ۸/۱۹۷-۱۹۸، أول: كتاب الأضحية، ط: دار الكتاب الإسلامي)

وباليسار لأنها لا تجب إلا على القادر وهو الغني دون الفقير ومقداره مقدار ما تجب فيه صدقة الفطر. (المصدر السابق)

(۳) [فرع] من ضحى عن الميت، يصنع كما يصنع في أضحية نفسه من التصدق، والأكل، والأجر للميت والملك للذابح. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/۳۲۶، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر-بيروت)

إذا ضحى رجل عن أبويه بغير أمرهما و تصدق به، جاز؛ لأن ملكه له و إنما للميت ثواب الذبح و الصدقة. (فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ۳/۳۵۴، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا وما لا يجوز، ط: زكريا-ديوبند)

[۱۱] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کی محض نیت سے قربانی واجب نہ ہوگی

۱۸۴۹- سوال: محترم حضرت مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ عرض یہ ہے کہ میں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کی نیت کی ہے، جب کہ میری اپنی قربانی اب تک نہیں ہوئی ہے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس میں بکرے کی بجائے گائے کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض قربانی کی نیت سے قربانی واجب نہیں ہوتی، جب تک (زبان سے) منت نہ مانی جائے،(۱) اگر آپ نے زبان سے مثلاً یہ کہا ہو کہ "میرا فلاں کام ہوگیا، تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال ثواب کے لیے ایک بکرے کی قربانی کروں گا" یا مطلقا کہا ہو کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایصال ثواب کے لیے مجھ پر ایک قربانی ہے، تو منت ہوگئی اور قربانی واجب ہوگئی؛ لیکن جب تک یہ الفاظ نہ کہے جائیں، قربانی واجب نہ ہوگی، اگر بکرے کی منت نہیں مانی ہے، تو گائے کی قربانی میں کوئی حرج نہیں ہے کر سکتے ہیں۔(۲)

اور اگر آپ صاحب نصاب ہیں، تو آپ پر بھی قربانی واجب ہوگی، اور منت بھی مانی ہے، تو پھر دو

---

(۱) محض ارادے کی وجہ سے قربانی لازم نہیں ہوگی، حتی کہ اگر کسی مال دار نے بہ وقت شراء قربانی کی نیت کی ہو، تب بھی وہ جانور قربانی کے لیے متعین نہیں ہوتا ہے، ذیل کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وهل تتعين الأضحية بالنية؟ قالوا: إن كان فقيرا وقد اشتراها بنيتها تعينت (و في حاشية الحموي: قوله: تعينت الخ، بشرط أن يتلفظ الفقير بلسانه، وأما إذا لم يتلفظ فلا تتعين. انتهى) فليس له بيعها، وإن كان غنيا لم تتعين، والصحيح أنها تتعين مطلقا. ـــــــ و في حاشية الحموي: قوله: "و الصحيح الخ" قيل لا يلزم إذا نوى أن يضحي ولم يتلفظ وقت الشراء لها لو كان المشتري غنيا لا تجب باتفاق الروايات، فله بيعها، وإن كان فقيرا ذكر في الشافعي: أنها تتعين بالنية و عند الجمهور: لا، إلا أن يقول بلسانه علي أن أضحي بها. (الأشباه والنظائر مع حاشية الحموي: ۱/۹۰، الأولى: لا ثواب إلا بالنية، ت: المفتي محمد يوسف التاؤلوي، ط: مكتبة فقيه الأمة- ديوبند)

(۲) أجمع أصحابنا رحمهم الله: أن الشاة تصير واجبة الأضحية بالنذر بأن قال: لله علي أن أضحي هذه الشاة، وأجمعوا على أنها لا تصير واجبة الأضحية بمجرد النية، بأن نوى أن يضحي هذه الشاة ولم يذكر بلسانه نيته. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني- أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۶/ ۸۷، كتاب الأضحية، الفصل الثاني في وجوب الأضحية بالنذر، وما هو في معناه، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

قربانیاں واجب ہوں گی، ایک آپ کی اور ایک منت کی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۲] دمِ تمتع ادا کرنے سے واجب قربانی ادا ہوگی یا نہیں؟

۱۸۵۰- سوال: میرے رشتہ دار حرمین سے آئے ہیں، ہر سال وطن میں واجب قربانی ادا کرتے تھے، اِس سال حج کے لیے آئے، تو مکہ میں دمِ تمتع ادا کیا، واجب قربانی ادا نہیں کی، تو کیا اب اُن کو واجب قربانی کے بقدر رقم خیرات کرنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

اگر وہ مکہ میں ایام قربانی میں مقیم تھے، تو ان پر دم تمتع کے علاوہ قربانی واجب ہوگی۔

اگر انہوں نے واجب قربانی ادا نہیں کی، اور ایام نحر ختم ہو گئے، تو قربانی کے جانور یعنی ایک بکرے کی قیمت صدقہ کرنا ضروری ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] ایام اضحیہ گزرنے کے بعد قربانی کا حکم

۱۸۵۱- سوال: میرے ایک رشتہ دار جرمن سے آئے ہوئے تھے، وہ ہر سال اپنے وطن میں اپنی واجب قربانی کرواتے تھے، اس سال وہ حج کے لیے گئے اور انہوں نے حج کے دم تمتع کی قربانی کی؛ لیکن اپنی واجب قربانی نہیں کی، تو کیا اب ایام اضحیہ گزر جانے کے بعد ان کو اپنی واجب قربانی کا صدقہ کرنا پڑے

---

(۱) ولو نذر أن يضحي بشاة - وذلك في أيام النحر - وهو موسر فعليه أن يضحي بشاتين عندنا، شاة لأجل النذر وشاة بإيجاب الشرع ابتداء إلا إذا عنى به الإخبار عن الواجب عليه بإيجاب الشرع ابتداء فلا يلزمه إلا التضحية بشاة واحدة. (بدائع الصنائع: ۶۳/۵، كتاب التضحية، صفة التضحية، قبيل: فصل في شرائط وجوب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲) "ولو لم يضح حتى مضت أيام النحر إن كان أوجب على نفسه أو كان فقيرا وقد اشترى الأضحية تصدق بها حية وإن كان غنيا تصدق بقيمة شاة اشترى أو لم يشتر" لأنها واجبة على الغني. (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۳۵۸/۴، كتاب الأضحية، على من تجب الأضحية، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت☆ البحر الرائق: ۲۰۰/۸، كتاب الأضحية، ط: دار الكتاب الإسلامي☆ رد المحتار على الدر المختار: ۳۲۱/۶، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر-بيروت)

گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں اپنی واجب قربانی کی طرف سے ایک بکرے کی قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔(۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] حاجی پر عید الاضحیٰ کی قربانی

۱۸۵۲- سوال: کیا ہندوستان سے حج کے لیے جانے والے پر ہندوستان اور مکہ مکرمہ؛ ہر دو جگہ قربانی کرنا ضروری ہے؟ حاجی صاحب نے اگر قربانی مکہ مکرمہ میں تو کی، مگر ہندوستان میں ان کے نام کی قربانی

---

(۱) ولو لم يضح حتى مضت أيام النحر فقد فاته الذبح، فإن كان أوجب على نفسه شاة بعينها بأن قال: لله علي أن أضحي بهذه الشاة، سواء كان الموجب فقيرا أو غنيا، أو كان المضحي فقيرا وقد اشترى شاة بنية الأضحية فلم يفعل حتى مضت أيام النحر تصدق بها حية، وإن كان من لم يضح غنيا ولم يوجب على نفسه شاة بعينها تصدق بقيمة شاة اشترى أو لم يشتري، كذا في العتابية. (الفتاوى الهندية: ۲۹۶/۵، كتاب الأضحية، الباب الرابع فيما يتعلق بالمكان والزمان، ط: دار الفكر)

حاجی پر عید الاضحیٰ کی قربانی واجب ہونے کے سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ [حاجی] ۸/ذی الحجہ سے پندرہ دن پہلے مکہ مکرمہ پہنچ جائے اور اقامت کی نیت کر لے، تو مقیم ہوگا، اس پر عید الاضحیٰ والی قربانی واجب ہوگی، اور اگر وہ کسی وجہ سے قربانی نہیں کر سکا، تو پھر اسے بعد میں بکرے کی قیمت صدقہ کرنا ہوگا:

ولا تشترط الإقامة في جميع الوقت حتى لو كان مسافرا في أول الوقت ثم أقام في آخره تجب عليه. (بدائع الصنائع: ۶۳/۵، كتاب التضحية، فصل في شرائط وجوب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية☆الفتاوى الهندية: ۲۹۲/۵، كتاب الأضحية، الباب الأول في تفسير الأضحية وركنها وصفتها وشرائطها وحكمها، ط: دار الفكر)

وإن كان من لم يضح غنيا ولم يوجب على نفسه شاة بعينها تصدق بقيمة شاة اشترى أو لم يشتري، كذا في العتابية. (الفتاوى الهندية: ۲۹۶/۵، كتاب الأضحية، الباب الرابع فيما يتعلق بالمكان والزمان، ط: دار الفكر)

اور اگر حاجی مسافر ہے، یعنی مکہ مکرمہ ۸/ذی الحجہ سے پندرہ دن پہلے نہیں پہنچا، تو اس پر مال دار ہونے کی وجہ سے واجب ہونے والی قربانی ساقط ہو جائے گی، یعنی عید الاضحیٰ والی قربانی واجب نہیں ہے، علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

وذكر في الأصل وقال: ولا تجب الأضحية على الحاج؛ وأراد بالحاج المسافر فأما أهل مكة فتجب عليهم الأضحية وإن حجوا. (بدائع الصنائع: ۶۳/۵، كتاب التضحية، فصل في شرائط وجوب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية)

واللہ اعلم بالصواب۔ [مجتبیٰ حسن قاسمی]

نہیں ہوئی، تو اس کا کیا حکم ہے؟ اگر عقیقہ کے جانور میں اس کا حصہ رکھ لیا جائے، تو اس کا گوشت کون کھا سکتا ہے؟ کیا اس کا گوشت تبلیغی اجتماع میں استعمال کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حج کی قربانی الگ ہے، اور عید الاضحیٰ کی قربانی الگ ہے، حاجی پر حج قران یا حج تمتع کے شکر کے طور پر یا جنایت کی وجہ سے جو قربانی واجب ہوتی ہے، اسے حدود حرم (منی) میں ذبح کرنا ضروری ہے، حدود حرم سے باہر ذبح کرنے سے واجب ادا نہیں ہوگا۔[1]

اور وہ قربانی، جو صاحب استطاعت مقیم پر واجب ہوتی ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حاجی مقیم ہو، یعنی مکہ مکرمہ میں پندرہ دن قیام کا ارادہ ہو، تو اس پر قربانی کرنا واجب ہے،[2] اور اس قربانی کے کرنے میں حاجی کو اختیار ہے کہ اسے حدود حرم میں کرے یا اپنے وطن میں کرے۔

اگر کسی وجہ سے قربانی کے دنوں میں عید الاضحیٰ والی قربانی نہیں کر سکا، تو اگر جانور خرید چکا ہے، تو اسی کو

---

(۱) عن جابر، قال: ثم قال النبي صلى الله عليه وسلم: قد نحرت ها هنا ومنى كلها منحر، ووقف بعرفة فقال: قد وقفت ها هنا وعرفة كلها موقف، ووقف بالمزدلفة فقال: قد وقفت ها هنا ومزدلفة كلها موقف. (سنن أبي داود: ۱/۲۶۶، رقم الحديث: ۱۹۰۷، كتاب المناسك، باب صفة حجة النبي صلى الله عليه وسلم، ط: ديوبند)

قال "ولا يجوز ذبح الهدايا إلا في الحرم" لقوله تعالى في جزاء الصيد: ﴿هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ﴾ [المائدة: ۹۵] فصار أصلا في كل دم هو كفارة ولأن الهدي اسم لما يهدى إلى مكان ومكانه الحرم قال عليه الصلاة والسلام "منى كلها منحر وفجاج مكة كلها منحر". (الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱/۱۸۱، كتاب الحج، باب الهدي، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت ★ البحر الرائق - ابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ): ۳/۱۲۸، كتاب الحج، باب الهدي، ط: زكريا - ديوبند ☆ غنية الناسك في بغية المناسك، ص: ۳۳۸، فصل في شرائط كفاراتها الثلاث، مطلب في شرائط جواز الدم، ط: مکتبہ یادگار شیخ، سہارن پور)

(ويأكل) استحبابا (من هدي التطوع) إذا بلغ محله (والمتعة والقران)... (لا) يأكل (من غيرها)؛ لأنها دماء كفارات... (وخص ذبح هدي المتعة والقران بأيام النحر دون غيرهما) أي يجوز ذبح بقية الهدايا في أي وقت شاء... (و) خص (الكل بالحرم). (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸هـ): ۱/۳۰۰، كتاب الحج، باب الهدي، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۲) ولا تشترط الإقامة في جميع الوقت حتى لو كان مسافرا في أول الوقت ثم أقام في آخره تجب عليه. (بدائع الصنائع: ۵/۶۳، كتاب التضحية، فصل في شرائط وجوب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية ☆ الفتاوى الهندية: ۵/۲۹۲، كتاب الأضحية، الباب الأول في تفسير الأضحية وركنها وصفتها وشرائطها وحكمها، ط: دار الفكر)

صدقہ کردے اور اگر جانور نہیں خریدا ہے تو ایک جانور کی قیمت یا ایک جانور کا صدقہ کردے۔[۳]

عقیقہ کے جانور میں ایام قربانی کے علاوہ دوسرے دنوں میں قربانی کا حصہ رکھنا درست نہیں ہے۔ ہاں قربانی کے دنوں میں بڑے جانور میں قربانی اور عقیقہ دونوں کے حصے رکھنا درست ہے۔[۴]

جس کی طرف سے قربانی کی گئی ہے یا عقیقہ کیا گیا ہے، اس کی صراحتاً یا دلالۃً اجازت سے اس کے حصے کے بہ قدر گوشت تبلیغی اجتماع میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔[۵]

اگر حاجی عید سے پندرہ دن پہلے مکہ مکرمہ نہیں پہنچا، یا پندرہ دن پہلے پہنچا، لیکن مکہ مکرمہ میں مسلسل پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ نہیں ہے، مدینہ منورہ یا کسی اور جگہ جانے کا ارادہ ہے، تو گویا وہ حاجی عید سے پہلے مسافر ہے، لہٰذا اس پر عید کی قربانی واجب نہیں ہے۔[۶] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] غریب آدمی کا قربانی کی نیت سے جانور خریدنا

۱۸۵۴- سوال: بہشتی زیور حصہ: ۳، صفحہ: ۴۱، مسئلہ نمبر: ۳۳، میں ''قربانی کے بیان میں'' لکھا ہے کہ کسی شخص پر اگر قربانی واجب نہیں تھی؛ لیکن اس نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خریدا، تو اس پر اس جانور کی قربانی واجب ہوگئی۔[☆☆☆] دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا یہ حکم پورے سال کے لیے ہے یا صرف

---

(۳) "ولو لم يضح حتى مضت أيام النحر إن كان أوجب على نفسه أو كان فقيرا وقد اشترى الأضحية تصدق بها حية وإن كان غنيا تصدق بقيمة شاة اشترى أو لم يشتر" لأنها واجبة على الغني. (الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م:۵۹۳ھـ):۴/۳۵۸، كتاب الأضحية، على من تجب الأضحية، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت☆ البحر الرائق:۸/۲۰۰، كتاب الأضحية، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار:۶/۳۲۱، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر - بيروت)

(۴) عقیقہ کے باب میں اس کی تفصیلی تخریج آئے گی۔

(۵) ويهب منها ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي، كذا في الغياثية.ــــــ ولو تصدق بالكل جاز، ولو حبس الكل لنفسه جاز. (الفتاوى الهندية:۵/۳۰۰، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب، ط: دار الفكر)

(۶) وذكر في الأصل وقال: ولا تجب الأضحية على الحاج؛ وأراد بالحاج المسافر فأما أهل مكة فتجب عليهم الأضحية وإن حجوا. (بدائع الصنائع:۵/۶۳، كتاب التضحية، فصل في شرائط وجوب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية)

(☆☆☆) کسی پر قربانی واجب نہیں تھی، لیکن اس نے قربانی کی نیت سے جانور خرید لیا، تو اب اس جانور کی قربانی واجب ہوگئی۔ (بہشتی زیور، حصہ سوم، ص:۳۵، مسئلہ نمبر:۳۳، قربانی کا بیان، باب:۱۹، ط: امدادیہ لائبریری، چوک بازار، ڈھاکہ)

ایام نحر میں قربانی کی نیت سے جانور خریدنے کے ساتھ خاص ہے؟

غریب آدمی - کہ جس پر قربانی واجب نہ تھی - اس نے اگر ایام نحر میں قربانی کی نیت سے کوئی جانور خریدا، یا خود اس کے پاس اس کا ذاتی کوئی جانور تھا، اور اس نے اس کی قربانی کی نیت کرلی؛ تو بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ایام نحر میں اگر کسی غریب آدمی نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خریدا، یا اس کے پاس اس کا ذاتی کوئی جانور تھا، اور اس نے اس جانور میں ایام نحر میں قربانی کی نیت کی، تو اس پر قربانی واجب ہوجائے گی، ہاں! دوسرے دنوں میں اگر یہ غریب آدمی کہ جس پر قربانی واجب نہیں ہے، قربانی کی نیت سے کوئی جانور خریدے یا اس نے اپنے ذاتی جانور میں قربانی کی نیت کرلی، تو اس پر قربانی واجب نہیں ہوگی، کیا یہ بات صحیح ہے۔

ایام نحر کسے کہتے ہیں؟ اس کی بھی وضاحت فرمادیں۔

اقبال احمد شیر پوری (ماٹلی والا مدرسہ)

الجواب حامداً ومصلياً:

غریب آدمی اگر قربانی کی نیت سے کوئی جانور خریدے گا، تو اس پر قربانی واجب ہوجائے گی؛ کیوں کہ غریب آدمی کا قربانی کے لیے جانور خریدنا منت ماننے کے مترادف ہے؛ بدائع الصنائع میں لکھا ہے کہ "غریب آدمی کا قربانی کی نیت سے کسی جانور کو خریدنا یہ منت ماننے کے مترادف ہے"۔ (بدائع الصنائع: ۶۲/۵)[۱]

عالمگیری میں لکھا ہے کہ "قربانی دو طرح کی ہوتی ہے: واجب اور نفل، قربانی مال دار پر واجب ہے؛ اگر کسی غریب نے بھی اس کی منت مانی، تو اس پر بھی واجب ہوجائے گی؛ غریب آدمی نے قربانی کی نیت سے اگر کوئی جانور خریدا ہے، تو اس پر اسی جانور کی قربانی کرنا ضروری ہوگا، اسی وجہ سے فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ اگر غریب آدمی نے کوئی عیب دار جانور خریدا، تو اسی جانور سے غریب کی قربانی ادا ہوجائے گی، مال دار نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خریدا، اس کے بعد اس نے اس جانور کو بیچنے کا ارادہ کیا، تو اس کے لیے بیچنا جائز ہے؛ لیکن غریب کے لیے قربانی کی نیت سے خریدا ہوا جانور بیچنا جائز نہیں ہے۔ (عالمگیری: ۱۹۶/۶، ۱۹۷)[۲]

---

[۱] لأن الشراء للأضحية من الفقير كالنذر بالتضحية. (بدائع الصنائع: ۶۸/۵، كتاب التضحية، فصل في أنواع كيفية الوجوب، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

[۲] (وأما) (صفة التضحية) : فالتضحية نوعان واجب وتطوع. والواجب منها أنواع: منها ما يجب على الغني والفقير، ومنها ما يجب على الفقير دون الغني، ومنها ما يجب على الغني دون الفقير. أما الذي يجب على الغني والفقير فالمنذور به بأن قال: لله علي أن أضحي شاة أو بدنة أو هذه الشاة أو هذه البدنة، وكذلك لو قال ذلك وهو =

ایسا غریب آدمی، جس کی ملکیت میں کوئی جانور پہلے سے ہو، یا اس نے جانور یوں ہی خریدا ہو، بعد میں وہ اس جانور کی قربانی کرنے کا ارادہ کرے، تو محض ارادہ کر لینے سے اس جانور کی قربانی اس کے ذمے واجب نہیں ہوگی۔ (۳)

=معسر، ثم أيسر في أيام النحر فعليه أن يضحي شاتين؛ لأنه لم يكن وقت النذر أضحية واجبة عليه فلا يحتمل الإخبار فيحمل على الحقيقة الشرعية، فوجب عليه أضحية بنذره وأخرى بإيجاب الشرع. . . وأما الذي يجب على الفقير دون الغني فالمشترى للأضحية إذا كان المشتري فقيرا، بأن اشترى فقير شاة ينوي أن يضحي بها، وإن كان غنيا لا تجب عليه بشراء شيء،. . . وأما الذي يجب على الغني دون الفقير فما يجب من غير نذر ولا شراء للأضحية بل شكرا لنعمة الحياة وإحياء لميراث الخليل حين أمره الله بذبح الكبش في هذه الأيام، كذا في البدائع. (الفتاوى الهندية: ۲۹۱/۵-۲۹۲، كتاب الأضحية، الباب الأول في تفسير الأضحية وركنها وصفتها وشرائطها وحكمها، ط: دار الفكر)

قال الكرماني في مناسكه، وإذا اشترى شاة يريد أضحية في ضميره ففي ظاهر المذهب لا تصير أضحية حتى يوجبها بلسانه لكن المذهب والفتوى على أن ينظر إن كان المشتري غنيا لا يصير واجبا في الروايات كلها؛ لأنها واجبة في ذمته فلا يحتاج إلى التعيين، وإن كان فقيرا ففي ظاهر الرواية يجب أن يتعين بالعقد فإن وهب له أو تصدق عليه فنوى بقلبه لا تصير أضحية بالإجماع؛ لأن العقد لا يصلح للتعين في الإيجاب، وكذا لو كانت الشاة عنده فأضمر بقلبه الأضحية لا تصير أضحية بالإجماع. (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق-شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِّلْبِيُّ (م: ۱۰۲۱هـ): ۵/۶، كتاب الأضحية، من تجب عليه الأضحية، ط: المطبعة الكبرى الأميرية-بولاق، القاهرة)

(۳) ولو ملك إنسان شاة فنوى أن يضحي بها، أو اشترى شاة ولم ينو الأضحية وقت الشراء ثم نوى بعد ذلك أن يضحي بها لا تجب عليه سواء كان غنيا أو فقيرا. (حوالہ سابق: ۲۹۱/۵)

ولو اشترى شاة للأضحية، ثم باعها واشترى أخرى في أيام النحر فهذا على وجوه ثلاثة. (الأول): إذا اشترى شاة ينوي بها الأضحية. (والثاني): أن يشتري بغير نية الأضحية، ثم نوى الأضحية. (والثالث): أن يشتري بغير نية الأضحية، ثم يوجب بلسانه أن يضحي بها فيقول: لله علي أن أضحي بها عامنا هذا، ففي الوجه الأول في ظاهر الرواية لا تصير أضحية ما لم يوجبها بلسانه، وعن أبي يوسف-رحمه الله تعالى-عن أبي حنيفة-رحمه الله تعالى-: أنه تصير أضحية بمجرد النية كما لو أوجبها بلسانه وبه أخذ أبو يوسف-رحمه الله تعالى-وبعض المتأخرين.

وعن محمد-رحمه الله تعالى-في المنتقى: إذا اشترى شاة ليضحي بها وأضمر نية التضحية عند الشراء تصير أضحية كما نوى. فإن سافر قبل أيام النحر باعها وسقطت عنه الأضحية بالمسافرة، وأما الثاني إذا اشترى شاة بغير نية الأضحية، ثم نوى الأضحية بعد الشراء لم يذكر هذا في ظاهر الرواية، وروى الحسن عن أبي حنيفة-رحمه الله تعالى-أنها لا تصير أضحية حتى لو باعها يجوز بيعها وبه نأخذ، فأما إذا اشترى شاة، ثم أوجبها أضحية بلسانه وهو الوجه الثالث تصير أضحية في قولهم، كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۲۹۴/۵، كتاب الأضحية، الباب الأول في تفسير الأضحية وركنها وصفتها وشرائطها وحكمها، ط: دار الفكر☆ فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ۳۴۶/۳، كتاب الأضحية، ط: زكريا-ديوبند)

اس لیے بہشتی زیور کا مسئلہ اپنی جگہ پر درست ہے، چناں چہ غریب آدمی نے قربانی کی نیت سے ایام نحر یعنی: ۱۰-۱۱-۱۲ ذی الحجہ کو کوئی جانور خریدا، یا اس سے پہلے تو اس غریب پر قربانی واجب ہو جائے گی اور جانور کو بیچنا جائز نہیں ہوگا۔(۱) واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] غائب آدمی کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر قربانی میں حصہ رکھنے کا شرعی حکم

گذشتہ سے پیوستہ

۱۸۵۴- سوال: اسی طریقہ سے بہشتی زیور حصہ: ۳ صفحہ: ۴۲، مسئلہ نمبر ۳۸ پر قربانی کے بیان میں لکھا ہے کہ مثلاً: کوئی شخص یہاں موجود نہیں ہے اور کسی دوسرے آدمی نے اس کی اجازت کے بغیر اس کی طرف سے قربانی کر دی، تو یہ قربانی صحیح نہیں ہوگی، نیز کسی جانور میں کسی غائب آدمی کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر اگر اس کا حصہ رکھ لیا، تو دوسرے حصے داروں کی قربانی بھی صحیح نہیں ہوگی؛(۲) تو اس مسئلہ کا وضاحت کے ساتھ جواب دیں گے کہ دوسرے حصے داروں کی قربانی کیوں صحیح نہیں ہوگی؟ حالاں کہ ہم پر ہر سال افریقہ، انگلینڈ وغیرہ سے قربانی کے لیے خطوط آتے ہیں اور ان کی طرف سے قربانی کی بھی جاتی ہے اور اس کے خط کا آنا ہی اس کی طرف سے اجازت کے قائم مقام ہوتا ہے؛ اس لیے ان کی قربانی ہو جاتی ہے، یہ ہمارا ماننا ہے، مگر حضرت مفتی صاحب! بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کا خط نہیں آتا، اس کے باوجود ان کا حصہ رکھا جاتا ہے، یہ سمجھ کر کہ ہر سال ان کا خط آتا ہے، بعد میں اس کی اجازت کا خط آ جائے گا، اور اس کے پاس سے رقم وصول کر لیں گے؛ تو اس غائب آدمی کا حصہ اس کی اجازت کے بغیر رکھا گیا، تو کیا دوسرے حصے داروں کی قربانی صحیح ہوگی یا نہیں؟

اقبال احمد شیر پوری (ماٹلی والا مدرسہ)

---

(۱) شراء الفقیر قبل أیام النحر (یوم قرباں سے قبل کسی غریب کا قربانی کا جانور خریدنا) موجب قربانی ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے، احوط موجب ہونا ہے۔ [تفصیل کے لیے دیکھیے: احسن الفتاویٰ: ۷/ ۵۲۹-۵۳۰، کتاب الاضحیۃ والعقیقۃ، شراء الفقیر قبل ایام النحر بھی موجب ہے؟، ط: ایچ ایم سعید کمپنی، ادب منزل، پاکستان چوک، کراچی]

(۲) اگر کوئی شخص یہاں موجود نہیں، اور دوسرے شخص نے اس کی طرف سے، بغیر اس کے امر کے، قربانی کر دی تو یہ قربانی صحیح نہیں ہوئی، اور اگر کسی جانور میں کسی غائب کا حصہ بدون اس کے امر کے تجویز کر لیا، تو اور حصے داروں کی قربانی بھی صحیح نہیں ہوگی۔ (بہشتی زیور، حصہ سوم، ص: ۳۶، مسئلہ نمبر: ۳۸، قربانی کا بیان، باب: ۱۹، ط: امدادیہ لائبریری، چوک بازار، ڈھاکہ)

الجواب حامداو مصلیا:

بہشتی زیور میں ذکر کردہ مسئلہ اس شخص سے متعلق ہے، جس پر قربانی واجب ہے، کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کی طرف سے قربانی کرنا جائز نہ ہوگا؛ کیوں کہ قربانی عبادت ہے اور عبادت کی صحت کے لیے نیت ضروری ہے؛ اس لیے خود جانور ذبح کرے یا ذبح کرنے کے لیے کسی کو وکیل بنائے، لہٰذا جس مالدار کے اوپر قربانی واجب ہے، اس کی اجازت کے بغیر، اس کی جانب سے قربانی کی گئی، تو قربانی ادا نہیں ہوگی، اور جب ایک حصے کی قربانی صحیح نہیں ہوئی، تو بقیہ حصے داروں کی قربانی بھی صحیح نہیں ہوگی۔ [1]

نفل قربانی کسی غریب آدمی کی طرف سے کی گئی یا اس قربانی کا ثواب اس کو بخش دیا گیا، تو یہ جائز ہے؛ [2] کیوں کہ یہ قربانی واجب نہیں ہے، بل کہ نفل ہے، جس کے لیے اس کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

بیرون ممالک میں رہنے والے بھائیوں پر قربانی اگر واجب ہو، اور ان کا خط آپ تک نہیں پہنچا اور آپ نے ان کی طرف سے واجب قربانی کی نیت سے بڑے جانور کو ذبح کر دیا، تو دوسرے کسی بھی حصے دار کی قربانی درست نہیں ہوگی۔ (عالمگیری: ۶/ ۱۹۷) [3]

تمام حصے داروں کے لیے لازم ہے کہ وہ ثواب حاصل کرنے کی نیت کرے، کوئی ایک حصے دار بھی محض گوشت کھانے کی نیت کرے گا، تو کسی ایک کی بھی قربانی صحیح نہیں ہوگی۔ (عالمگیری، بدائع) [4]

---

(۱) ولو ضحی ببدنة عن نفسه وعرسه وأولاده، ليس هذا في ظاهر الرواية، وقال الحسن بن زياد في كتاب الأضحية: إن كان أولاده صغارا جاز عنه وعنهم جميعا في قول أبي حنيفة وأبي يوسف - رحمهما الله تعالى -، وإن كانوا كبارا إن فعل بأمرهم جاز عن الكل في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى، وإن فعل بغير أمرهم أو بغير أمر بعضهم، لا تجوز عنه ولا عنهم في قولهم جميعا، لأن نصيب من لم يأمر صار لحما فصار الكل لحما. (الفتاوی الهندية: ۵/ ۳۰۲، كتاب الأضحية، الباب السابع في التضحية عن الغير وفي التضحية بشاة الغير عن نفسه، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) لأن الأضحية من الغير عرفت قربة، لأنه - صلى الله عليه وسلم - ضحى عن أمته. (تكملة البحر الرائق: ۸/ ۲۰۲، كتاب الأضحية، الأضحية من الإبل والبقر والغنم، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۳] حاشیہ نمبر (۱) ملاحظہ فرمائیں۔

[۴] لا يشارك المضحي فيما يحتمل الشركة من لا يريد القربة رأسا، فإن شارك لم يجز عن الأضحية، وكذا هذا في سائر القرب إذا شارك المتقرب من لا يريد القربة لم تجز عن القربة. (الفتاوی الهندية: ۵/ ۳۰۴، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، ط: دار الفكر - بيروت ☆ بدائع الصنائع: ۵/ ۷۱، كتاب التضحية، فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

بیرون ملک رہنے والے بھائیوں کے خطوط ہر سال آنے کا گرچہ معمول ہو؛ مگر خط آنے سے پہلے ان کی طرف سے قربانی کرنا جائز نہیں ؛ کیوں کہ جب ان کا خط آیا، تو انہوں نے آپ کو اپنی قربانی کرنے کا وکیل بنادیا، اس لیے آپ کا وکیل بننا صحیح ہوگیا؛ لیکن خط آنے سے پہلے اس کی طرف سے وکیل بن کر قربانی کردینے سے آپ کی وکالت صحیح نہیں ہوگی، مثلاً: آپ کو اپنے استاذ نے دو تین مرتبہ کوئی چیز خریدنے کے لیے وکیل بنایا اور آپ نے استاذ کی طرف سے وکیل بن کر وہ چیز خرید بھی لی؛ اب کسی موقع پر آپ وکیل بنائے بغیر اپنے استاذ کی طرف سے کوئی چیز خریدلیں، یہ سمجھ کر کہ ہر مرتبہ استاذ مجھے وکیل بناتے تھے، اس مرتبہ بھی میں ان کی طرف سے وکیل بن کر ان کے لیے چیز خریدلوں، تو آپ کا یہ عمل درست نہیں ہوگا، اور خریدی ہوئی چیز خود آپ کی شمار ہوگی، نہ کہ آپ کے استاذ کی۔

الغرض سامنے والے کی اجازت وحکم اور رضامندی کے بغیر قربانی جائز نہیں ہوگی، نیز یہ حکم واجب قربانی کے لیے ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] قربانی کے جانور کا دودھ استعمال کرنے کا شرعی حکم

گذشتہ سے پیوستہ

۱۸۵۵- سوال: اگر کوئی آدمی -خواہ غریب ہو یا مال دار- قربانی کے لیے جانور خریدے اور وہ جانور دودھ دینے والا ہو، تو اس کا دودھ یہ شخص استعمال کرسکتا ہے؟ بعض لوگ اس میں بھی ایام نحر کی شرط لگاتے ہیں کہ ایام نحر میں اس کا دودھ استعمال نہیں کرسکتے ہیں، دوسرے دنوں میں استعمال کرسکتے ہیں اور بھیڑ دنبہ ہو تو ایام نحر سے پہلے اس کا اون [اس کے بال] بھی کاٹ سکتے ہیں، اس سلسلے میں اصل مسئلہ کیا ہے؟

اقبال احمد شیر پوری (ماٹلی والا مدرسہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب جانور کو قربانی کی نیت سے خریدلیا، تو خواہ مال دار ہو یا غریب، اس جانور سے کسی بھی طرح کا فائدہ اٹھانا اس کے لیے جائز نہیں ہے، اگر قربانی کا جانور دودھ والا ہو، تو اس کے تھنوں میں بار بار ٹھنڈے پانی کا چھڑکاؤ کیا جائے، یہاں تک کہ اس کے تھنوں سے دودھ آنا بند ہوجائے، اور اگر دودھ نکال لیا ہے، تو اسے فقراء ومساکین کو صدقہ کردے اور اگر خود استعمال کرلیا ہے، تو بازار کی قیمت کے بہ قدر رقم صدقہ

کردے، یہی حکم اس کے اون اور بالوں کا بھی ہے۔ (عالمگیری:۶/ ۲۰۶)[1]

کیوں کہ قربانی کی نیت سے جانور خریدنے کی وجہ سے اس کے ہر ہر جز کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کی نیت کرلی ہے؛ اس لیے اس کے کسی بھی حصے کو اپنے کام میں لانا جائز نہیں؛ خواہ جانور کو ایام نحر میں خریدا ہو یا اس سے پہلے، اور خریدنے والا خواہ مال دار ہو یا غریب؛ ہر ایک کے لیے یہی حکم ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] غریب آدمی کی قربانی کے جانور کا گم ہوجانا

۱۸۵۶- سوال: ایک غریب آدمی نے قربانی کی نیت سے جانور خریدا، پھر وہ جانور گم ہوگیا، تو اس نے دوسرا جانور خریدا، پھر وہ پہلے والا جانور بھی مل گیا، تو غریب کے لیے دونوں جانوروں کی قربانی کرنا واجب ہے، اور اگر ایسا واقعہ کسی مال دار کے ساتھ پیش آئے، تو اس کے لیے فقط ایک ہی جانور کی قربانی کرنا واجب ہے، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

اسی طرح بڑا جانور خریدتے وقت اگر کسی غریب آدمی کی نیت کسی کے شریک کرنے کی نہ تھی؛ لیکن بعد میں اس نے دوسروں کو شریک کرلیا، اگر ایام نحر باقی ہے، تو ان تمام حصوں کی قربانی اس کو پھر سے کرنی پڑے گی، جتنے حصے داروں کو اس نے شریک کیا ہے۔ اور اگر ایام نحر ختم ہوگئے ہیں، تو ان حصوں کے پیسوں

---

[۱] وإن كان في ضرعها لبن ويخاف ينضح ضرعها بالماء البارد، فإن تقلص وإلا حلب وتصدق، ويكره ركوبها واستعمالها كما في الهدي، فإن فعل فنقصها فعليه التصدق بما نقص، وإن آجرها تصدق بأجرها. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۰۱، كتاب الأضحية، الباب السادس في بيان مايستحب في الأضحية والانتفاع بها، ط: دار الفكر- بيروت)

(۲) ولو اشترى شاة للأضحية يكره أن يحلبها أو يجز صوفها فينتفع به؛ لأنه عينها للقربة فلا يحل له الانتفاع بجزء من أجزائها قبل إقامة القربة بها، كما لا يحل له الانتفاع بلحمها إذا ذبحها قبل وقتها، ومن المشايخ من قال: هذا في الشاة المنذور بها بعينها من المعسر والموسر، وفي الشاة المشتراة للأضحية من المعسر، فأما المشتراة من الموسر للأضحية فلا بأس أن يحلبها ويجز صوفها، كذا في البدائع. والصحيح أن الموسر والمعسر في حلبها وجز صوفها سواء هكذا في الغياثية. ولو حلب اللبن من الأضحية قبل الذبح أو جز صوفها يتصدق به، ولا ينتفع به، كذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۰۱، كتاب الأضحية، الباب السادس في بيان ما يستحب في الأضحية والانتفاع بها، ط: دار الفكر- بيروت)

کا صدقہ کرنا واجب ہوگا؛ جب کہ اگر مالدار آدمی ایسا کرے، تو اس کے لیے درست ہے اور غریب آدمی کو اتنی رقم صدقہ کرنی پڑتی ہے، اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ اس کا بھی وضاحت کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔

اقبال احمد شیر پوری (ماٹلی والا مدرسہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب غریب آدمی نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خریدا، تو اس پر اس جانور کی قربانی واجب ہوگئی اور چوں کہ نیت پورے جانور کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کی تھی؛ اس لیے اس میں کسی دوسرے کو حصے دار بنانا جائز نہیں ہے؛ اگر جانور خریدنے کے بعد اس میں کسی دوسرے کو حصہ دیا ہے، تو اس حصے کی جو بھی قیمت ہوگی، اس کا صدقہ کردینا ضروری ہوگا؛ البتہ خریدتے وقت ہی حصے دار بنانے کی نیت تھی، تو یہ جائز ہے۔[1]

اسی طرح جب غریب نے جانور کو خرید کر اس کی قربانی اپنے اوپر واجب کرلی، تو وہ جانور قربانی کے لیے متعین ہوگیا، اب اگر قربانی کرنے سے پہلے وہ جانور گم ہوگیا، اور اس کی جگہ اس نے دوسرا جانور خریدا، (حالاں کہ ایسا کرنا اس کے لیے ضروری نہیں تھا) تو گویا اس نے اس (دوسرے جانور) کی قربانی بھی اپنے

(۱) مال دار کا حکم اس کے برخلاف ہے، چوں کہ شریعت کی جانب سے ان پر پہلے ہی سے قربانی واجب ہے، اس لیے جانور خریدنے کی وجہ سے اس پر الگ سے کوئی چیز واجب نہیں ہوگی، الا یہ کہ وہ خود ہی جانور خریدنے سے پہلے اپنی زبان سے پورے جانور کو ذبح کرنا اپنے اوپر متعین کرلے، اس صورت میں مال دار کا حکم بھی غریب جیسا ہی ہوگا، یعنی خریدنے کے بعد دوسروں کو شریک کرنا درست نہیں ہوگا، البتہ مال دار کے لیے بہتر ہے کہ جانور خریدنے سے پہلے ہی دیگر شرکاء کو متعین کرلے:

ولو اشترى رجل بقرة يريد أن يضحي بها ثم أشرك فيها بعد ذلك قال هشام: سألت أبا يوسف فأخبرني أن أبا حنيفة - رحمه الله - قال: أكره ذلك ويجزيهم أن يذبحوها عنهم، قال: وكذلك قول أبي يوسف، قال: قلت لأبي يوسف ومن نيته أن يشرك فيها؟ قال: لا أحفظ عن أبي حنيفة - رحمه الله - فيها شيئا، ولكن لا أرى بذلك بأسا، وقال في الأصل: قال أرأيت في رجل اشترى بقرة يريد أن يضحي بها عن نفسه، فأشرك فيها بعد ذلك ولم يشركهم حتى اشتراها فأتاه إنسان بعد ذلك فأشركه حتى استكمل؛ يعني أنه صار سابعهم هل يجزي عنهم؟ قال: نعم استحسن وإن فعل ذلك قبل أن يشتريها كان أحسن، وهذا محمول على الغني إذا اشترى بقرة لأضحيته، لأنها لم تتعين لوجوب التضحية بها وإنما يقيمها عند الذبح مقام ما يجب عليه أو واجب عليه فيخرج عن عهدة الواجب بالفعل فيما يقيمه فيه فيجوز اشتراكهم فيها وذبحهم إلا أنه يكره، لأنه لما اشتراها ليضحي بها فقد وعد وعدا، فيكره أن يخلف الوعد، فأما إذا كان فقيرا فلا يجوز له أن يشرك فيها، لأنه أوجبها على نفسه بالشراء للأضحية فتعينت للوجوب فلا يسقط عنه ما أوجبه على نفسه. (بدائع الصنائع: ۵/ ۷۲، كتاب التضحية، فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

اوپر لازم کرلی، اب اگر پہلے والا جانور مل گیا، تو اس پر دونوں جانوروں کی قربانی واجب ہوگی؛ جب کہ مال دار پر شریعت نے قربانی لازم کی ہے، اس کے جانور خریدنے سے الگ سے کوئی چیز واجب نہیں ہوئی، اب اگر خریدا ہوا جانور غائب ہوگیا، تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ دوسرا جانور ذبح کرے، اس نے دوسرا جانور خریدلیا، اب اگر وہ پہلے والا جانور مل بھی گیا، تب بھی اس پر ایک ہی جانور کی قربانی واجب ہوگی، نہ کہ دونوں کی؛ کیوں کہ دونوں کو قربانی کے لیے اس نے متعین نہیں کیا ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] مرحومین اور زندہ رشتہ داروں کی طرف سے قربانی کرنا اور خود اپنی قربانی نہ کرنا

۱۸۵۷- سوال: میرا ارادہ یہ ہے کہ میں اپنے مرحومین، اور خاندان کے زندہ افراد؛ مثلاً: بھائی بہن اور اپنی اولاد کی طرف سے قربانی کروں؛ مجھے اپنی طرف سے قربانی کرنے کا ارادہ نہیں ہے، تو کیا اس طرح کرنا صحیح ہے؟ علمائے کرام اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

اگر آپ صاحب نصاب ہیں، تو آپ کے اوپر خود اپنی طرف سے قربانی واجب ہے، مرحومین

---

(۲) خلاصہ یہ کہ غریب پر از روئے شرع قربانی لازم نہیں ہے، اس پر اس وقت قربانی لازم ہوتی ہے، جب کہ وہ اس کے لیے جانور خریدے، یہی وجہ ہے کہ اس پر اسی جانور کا قربان کرنا لازم ہے، خواہ اس میں عیب پیدا ہوجائے، جب کہ مال دار کے لیے ایسا نہیں ہے۔
جب غریب کی قربانی کا جانور گم ہوگیا، تو اس پر دوسرا جانور خرید کر قربان کرنا لازم نہیں تھا، لیکن جب اس نے دوسرا جانور خریدا، تو گویا اس نے اپنے اوپر دوسرا جانور قربان کرنا لازم کیا، اس لیے پہلا والا جانور مل جائے، تب بھی دونوں کی قربانی لازم ہوگی، کہ دونوں اس کی جانب سے قربانی کے لیے متعین ہے، جب کہ مال دار کی طرف سے تعیین نہیں ہے؛ اس لیے اس پر صرف ایک کی قربانی لازم ہوگی:

"وهذا" الذي ذكرنا "إذا كانت هذه العيوب قائمة وقت الشراء، ولو اشتراها سليمة ثم تعيبت بعيب مانع، إن كان غنيا عليه غيرها، وإن فقيرا تجزئه هذه" لأن الوجوب على الغني بالشرع ابتداء، لا بالشراء، فلم تتعين به، وعلى الفقير بشرائه بنية الأضحية فتعينت، ولا يجب عليه ضمان نقصانه كما في نصاب الزكاة، وعن هذا الأصل قالوا: إذا ماتت المشتراة للتضحية، على الموسر مكانها أخرى ولا شيء على الفقير، ولو ضلت أو سرقت فاشترى أخرى ثم ظهرت الأولى في أيام النحر على الموسر ذبح إحداهما وعلى الفقير ذبحهما. (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳ھ): ۳۵۹/۴، كتاب الأضحية، ط: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت)

اور اپنے رشتہ داروں کی طرف سے قربانی کرنے سے آپ کی اپنی واجب قربانی ادا نہیں ہوگی؛ البتہ اگر جانور بڑا ہو، تو آپ اپنی طرف سے ایک حصہ رکھ کر، بقیہ چھ حصے مرحومین اور دیگر رشتہ داروں کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں، نیز وہ رشتے دار، جن کی طرف سے آپ قربانی کرنا چاہتے ہیں، اگر ان پر قربانی واجب ہے، تو اس صورت میں ان کی طرف سے قربانی کرنے میں، ان کی اجازت ووکالت ضروری ہے، ان کی اجازت و وکالت کے بغیر کسی حصے دار کی قربانی درست نہیں ہوگی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] ایام قربانی سے قبل بہ نیت قربانی جانور خریدنے سے اس جانور کی قربانی واجب نہیں ہوتی

۱۸۵۸- سوال: ایک شخص نے اس گمان سے قربانی کے جانور میں حصہ رکھ لیا کہ اس پر قربانی واجب ہے، پھر عید الاضحیٰ سے آٹھ دن پہلے پتہ چلا کہ اس پر قربانی واجب نہیں ہے، تو کیا وہ اپنا حصہ رد کروا سکتا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

قربانی کے ایام سے پہلے جس شخص نے قربانی کے جانور میں اپنا حصہ رکھ لیا، یا جانور خرید لیا، تو اس پر اس جانور کی قربانی واجب نہیں ہے، چاہے وہ غریب ہو، وہ جانور بدل بھی سکتا ہے اور رد بھی کر سکتا ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں قربانی کا حصہ رد ہو سکتا ہے؛ کیوں کہ ابھی عید الاضحیٰ آنے میں آٹھ دن باقی ہے؛ البتہ مستحب یہ ہے کہ جب ایک مرتبہ قربانی کی نیت کر چکا ہے، تو قربانی رد (کینسل) نہ کرے اور اگر غریب آدمی نے (جس پر قربانی واجب نہیں) قربانی کے دنوں میں قربانی کا جانور خرید لیا، تو اس کی قربانی لازم ہوگئی، وہ اسے رد نہیں کر سکتا۔ (شامی جلد ۶، صفحہ ۳۲۱)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ولو ضحى ببدنة عن نفسه وعرسه وأولاده، ليس هذا في ظاهر الرواية، وقال الحسن بن زياد في كتاب الأضحية: إن كان أولاده صغارا اجاز عنه وعنهم جميعا في قول أبي حنيفة وأبي يوسف - رحمهما الله تعالى -، وإن كانوا كبارا إن فعل بأمرهم جاز عن الكل في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالى، وإن فعل بغير أمرهم أو بغير أمر بعضهم، لا تجوز عنه ولا عنهم في قولهم جميعا؛ لأن نصيب من لم يأمر صار لحما فصار الكل لحما. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۰۲، كتاب الأضحية، الباب السابع في التضحية عن الغير وفي التضحية بشاة الغير عن نفسه، ط: دار الفكر - بيروت)

[۲] وفقير)... (شراها لها) لوجوبها عليه بذلك حتى يمتنع عليه بيعها. (الدر المختار) ــــــ و في الشامية: (قوله لوجوبها عليه بذلك) أي بالشراء، وهذا ظاهر الرواية لأن شراءه لها يجري مجرى الإيجاب، وهو النذر بالتضحية عرفا كما في البدائع. ووقع في التتارخانية التعبير بقوله شراها لها أيام النحر، وظاهره أنه لو شراها لها قبلها لا تجب، ولم أره صريحا فليراجع. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۳۲۱، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر) =

[۲۱] قربانی کرنے والے کا سات حصہ داروں کی نیت کرنا اور وکیل کے سامنے اظہار نہ کرنا

۱۸۵۹- سوال: بکر لندن میں ہے انڈیا میں رہنے والے اپنے بھائی کو کہا کہ ایک بڑا جانور خرید کر قربانی کر دینا کس کے کتنے حصے ہیں، اس کی میں نے نیت کر لی ہے، کیا اس صورت میں قربانی صحیح ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انڈیا میں رہنے والا بھائی وکیل ہے، مؤکل نے نیت کر لی ہے، لہٰذا قربانی ہو جائے گی۔(۱) وکیل کے سامنے نام ظاہر کرنا ضروری نہیں ہے، لیکن جس پر قربانی واجب ہے، اس کی رضامندی کے بغیر قربانی ادا نہیں ہوتی ہے؛ اس لیے جس پر قربانی واجب ہے، اس کی نیت بھی ضروری ہے۔(۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= وأما الذي يجب على الفقير دون الغني فالمشترى للأضحية إذا كان المشتري فقيرا، بأن اشترى فقير شاة ينوي أن يضحي بها. (الفتاوى الهندية: ۵/۲۹۱، كتاب الأضحية، الباب الأول في تفسيرها وركنها وصفتها وشرائطها وحكمها وفي بيان من تجب عليه ومن لا تجب، ط: دار الفكر - بيروت)

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے مجموعہ فتاویٰ ''فتاویٰ محمودیہ'' کا ایک سوال اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

سوال: جو شخص غریب ہے، کیا صرف جانور خریدنے سے اس کے ذمے قربانی واجب ہو جاتی ہے؟

جواب: اگر وہ قربانی کے دنوں میں قربانی کی نیت سے جانور خریدے گا، تب اس کے ذمے قربانی واجب ہوگی۔ فقط، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/۳۱۵، سوال نمبر: ۸۳۸۵، کتاب الاضحیۃ، باب من یجب علیہ الاضحیۃ ومن لا یجب، جانور خریدنے سے قربانی کا وجوب، ط: اشرفی بک ڈپو - دیوبند)

شراء الفقير قبل أيام النحر (یوم قرباں سے قبل کسی غریب کا قربانی کا جانور خریدنا) موجب قربانی ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے، احوط موجب ہونا ہے۔ [تفصیل کے لیے دیکھیے: احسن الفتاویٰ: ۷/۵۲۹-۵۳۰، کتاب الاضحیۃ والعقیقۃ، شراء الفقیر قبل ایام النحر بھی موجب ہے؟، ط: ایچ ایم سعید کمپنی، ادب منزل، پاکستان چوک، کراچی]

(۱) وأما الضحايا: فلا بد فيها من النية. (الاشباه والنظائر - ابن نجيم مصري (م: ۹۷۰ھ) ص: ۸۹، الفن الأول في القواعد الكلية، القاعدة الأولى: لا ثواب إلا بالنية، ت: المفتي محمد يوسف التاؤلوي، ط: مكتبة فقيه الأمة - ديوبند)

والأصل اقترانها بالأداء كسائر العبادات إلا أن الدفع يتفرق فيحرج باستحضار النية عند كل دفع فاكتفى بوجودها حالة العزل دفعا للحرج. (البحر الرائق: ۲/۳۶۸، كتاب الزكاة، ط: زكريا - ديوبند)

(۲) ذكر في فتاوى أبي الليث - رحمه الله تعالى - إذا ضحى بشاة نفسه عن غيره بأمر ذلك الغير أو بغير أمره لا تجوز؛ لأنه لا يمكن تجويز التضحية عن الغير إلا بإثبات الملك لذلك الغير في الشاة، ولن يثبت الملك له في الشاة إلا بالقبض، ولم يوجد قبض الآمر هاهنا لا بنفسه ولا بنائبه، كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۵/۳۰۲، كتاب الأضحية، الباب السابع في التضحية عن الغير، وفي التضحية بشاة الغير عن نفسه، ط: دار الفكر)

[۲۲] بہ نیت قربانی ہرن خریدنے سے قربانی کا وجوب

۱۸۶۰- سوال: ایک غریب شخص نے ناواقفیت کی بناء پر قربانی کے لیے بجائے بکرا کے، ایک ہرن خریدلیا، پھر بعد میں پتہ چلا کہ وحشی جانور کی قربانی جائز نہیں ہے، تو کیا اس کو بیچ کر، اس کی جگہ دوسرے جانور کی قربانی واجب ہوگی؟ اور اگر فروخت کرنے کے بعد اتنی قیمت نہیں آئی کہ اس سے بکرا خریدے یا بڑے جانور میں ساتواں حصہ لے سکے، تو کیا کیا جائے؟ اور اگر فروخت ہی نہیں ہوتا ہے، تو کیا صورت ہوگی؟ اس کے پاس قربانی کے دوسرے پیسے ہوں، تو کیا قربانی واجب ہوجائے گی اور اگر نہ ہو، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

ہرن خریدنے والا اگر صاحب نصاب نہیں ہے، تو اس کے ذمے قربانی واجب نہیں ہوگی، کیوں کہ قربانی کی نیت سے اہلی جانور (پالتو جانور، جس کی قربانی جائز ہے) کے خریدنے سے غریب پر قربانی لازم ہوتی ہے، اور یہاں یہ صورت نہیں پائی گئی۔

اور اگر صاحب نصاب ہے، یعنی اس کی ملک میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا یا اتنی قیمت کی کوئی اور شئے حاجت اصلیہ سے زائد ہے، تو اس پر قربانی واجب ہوگی، چاہے ہرن فروخت ہو یا نہ ہو۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے قربانی کے لیے جانور خرید کر اپنی قربانی کرنا

۱۸۶۱- سوال: ایک شخص مال دار اور صاحب نصاب ہے، اس نے جہالت و ناواقفیت کی وجہ سے جانور خرید کر یہ نیت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کی قربانی کروں گا، پھر مسئلہ معلوم ہوا کہ خود اس پر قربانی کرنا واجب ہے، تو کیا وہ نیت بدل کر واجب قربانی کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قربانی کو چھوڑ دے یا یہ جانور

---

(۱) (وأما) (شرائط الوجوب): منها اليسار وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكاة، ... والموسر في ظاهر الرواية من له مائتا درهم، أو عشرون دينارا، أو شيء يبلغ ذلك سوى مسكنه، ومتاع مسكنه، ومركوبه، وخادمه في حاجته التي لا يستغني عنها. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۲۹۲، كتاب الأضحية، الباب الأول في تفسير الأضحية وركنها وصفتها وشرائطها وحكمها، ط: دار الفكر- بيروت)

حضور ﷺ کے لیے رکھے اور اپنے لیے نیا جانور خریدے؟ واضح رہے کہ فی الحال اتنی گنجائش نہیں کہ وہ دوسرا جانور خرید سکے۔ یا ایسا کرے کہ اس سال اپنی جانب سے قربانی کرے اور آئندہ سال اگر وسعت ہو، تو حضور ﷺ کے نام کی قربانی کرے؟ خلاصہ یہ ہے کہ کیا حضور ﷺ کی جانب سے قربانی کرنا اس پر واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

مال دار یعنی صاحب نصاب پر اپنی طرف سے قربانی کرنا واجب اور ضروری ہے، اس کو ترک کرنے کی گنجائش نہیں ہے، مذکورہ جانور محض دل میں نیت کرنے سے حضور مقبول ﷺ کی طرف سے قربانی کے لیے متعین نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اگر وسعت دی ہے، تو حضرت رسول مقبول ﷺ کی طرف سے بھی قربانی دے، یہ قربانی نفل ہوگی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۴] کسی پیر کے کہنے پر قربانی میں جانور کو ذبح کرنے کے بجائے اُس کی قیمت، یا زندہ جانور دینا اور قربانی کے جانور کا خون پینا کیسا ہے؟

۱۸۶۰- سوال: بعد سلام، عرض ہے کہ مندرجۂ ذیل سوال کا جواب دے کر ممنون فرمائیں!

---

(۱) وأما الذي يجب على الفقير دون الغني فالمشترى للأضحية إذا كان المشتري فقيرا، بأن اشترى فقير شاة ينوي أن يضحي بها، وإن كان غنيا لا تجب عليه بشراء شيء، ولو ملك إنسان شاة فنوى أن يضحي بها، أو اشترى شاة ولم ينو الأضحية وقت الشراء ثم نوى بعد ذلك أن يضحي بها لا تجب عليه سواء كان غنيا أو فقيرا. (الفتاوى الهندية: ۲۹۱/۵، كتاب الأضحية، الباب الأول في تفسير الأضحية وركنها وصفتها وشرائطها وحكمها، ط: دار الفكر-بيروت)

قال الكرماني في مناسكه: وإذا اشترى شاة يريد أضحية في ضميره ففي ظاهر المذهب لا تصير أضحية حتى يوجبها بلسانه لكن المذهب والفتوى على أن ينظر إن كان المشتري غنيا لا يصير واجبا في الروايات كلها؛ لأنها واجبة في ذمته فلا يحتاج إلى التعيين، وإن كان فقيرا ففي ظاهر الرواية يجب أن يتعين بالعقد فإن وهب له أو تصدق عليه فنوى بقلبه لا تصير أضحية بالإجماع؛ لأن العقد لا يصلح للتعين في الإيجاب، وكذا لو كانت الشاة عنده فأضمر بقلبه الأضحية لا تصير أضحية بالإجماع. (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق-شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِلْبِيُّ (م: ۱۰۲۱ هـ): ۵/۶، كتاب الأضحية، من تجب عليه الأضحية، ط: المطبعة الكبرى الأميرية-بولاق، القاهرة)

(۱) بہت سے پیر اپنے مریدین سے کہتے ہیں کہ قربانی کی قیمت یا قربانی کا جانور بلا ذبح کیے، زندہ دے دینے سے بھی قربانی ادا ہو جاتی ہے۔

(۲) جو مرید اپنے یہاں خود جانور ذبح کرتے ہیں، اُن کو پیر صاحب کہتے ہیں کہ قربانی کے جانور کا خون پینا مبارک عمل ہے۔

(۳) پیر صاحب مریدین سے جانوروں کی کھال لیتے ہیں اور فروخت کر کے قیمت اپنے ذاتی استعمال میں لاتے ہیں، کیا پیر صاحب کو کھال دے سکتے ہیں؟ اور پیر صاحب کی باتوں پر عمل کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی کے دِنوں میں قربانی کا جانور ذبح کرنا ضروری ہے، جانور یا جانور کی قیمت دینے سے قربانی ادا نہیں ہوگی، قربانی کے دِنوں میں جانور ذبح کرنے پر جو ثواب ملتا ہے اور اللہ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے وہ ثواب ہزاروں یا لاکھوں روپئے کا صدقہ کر دینے سے بھی حاصل نہیں ہوگا، اِس لیے کہ غلام کا کام اپنے آقا کی فرماں برداری کرنا ہے، قربانی کے دِنوں میں قربانی کرنے سے اللہ کے حکم کی بجا آوری ہوگی اور اُس پر ثواب ملے گا، نقد روپیہ دینے سے حکم کی بجا آوری نہیں ہوگی، لہٰذا جانور دینے سے یا جانور کی قیمت کا صدقہ کرنے سے قربانی کا ثواب نہیں ملے گا۔[۱] دنیا میں ایک سیٹھ اپنے ملازم سے پانی طلب کرے اور ملازم شربت یا دودھ و کولڈ ڈرنک دے، تو ظاہر سی بات ہے کہ سیٹھ ناراض ہو جائے گا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ قربانی کے دِنوں میں اللہ کا حکم جانور کی قربانی کرنے کا ہے، لہٰذا نقد روپئے یا جانور پیر کو دینے سے گناہ ہوگا اور قربانی بھی ادا نہیں ہوگی، غلط مسائل بتانے والا آدمی فاسق و فاجر اور گنہگار ہے، ایسے جاہل آدمی کو پیر بنانا جائز نہیں ہے، حرام ہے، ایسا آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق گمراہ کرنے والوں میں سے ہے، قیامت کے قریب ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو

---

(۱) عن عائشة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ما عمل آدمي من عمل يوم النحر أحب إلى الله من إهراق الدم، إنه ليأتي يوم القيامة بقرونها وأشعارها وأظلافها، وأن الدم ليقع من الله بمكان قبل أن يقع من الأرض، فطيبوا بها نفسا.

(سنن الترمذي: ۱/ ۲۷۵، رقم الحديث: ۱۴۹۳، أبواب الأضاحي، باب ما جاء في فضل الأضحية، ط: ديوبند)

ومنها أنه لا يقوم غيرها مقامها في الوقت، حتى لو تصدق بعين الشاة أو قيمتها في الوقت لا يجزئه عن الأضحية.

(الفتاوى الهندية: ۵/ ۲۹۳-۲۹۴، كتاب الأضحية، الباب الأول في تفسير الأضحية وركنها وصفتها وشرائطها وحكمها)

بھی گمراہ کریں گے۔"(۲)

ایسے آدمی کو پیر بنانا جائز نہیں ہے، جو اپنا پیٹ پالنے کے لیے لوگوں کو غلط مسائل بتاتا ہے، ایسے شخص کے ساتھ تعلقات رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔

(۲) دمِ سائل [بہتا ہوا خون] پینا حرام ہے، قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ...الآية"(۳)

ترجمہ: تم پر حرام کیے گئے ہیں مردار، اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور کہ غیر اللہ کے نام زد کر دیا گیا ہو۔

لہٰذا خون پینا حرام ہے، اور جو شخص قرآن کی حرام کردہ چیزوں کی حلت کا جان بوجھ کر فتویٰ دے، اُس کا ایمان جاتا رہتا ہے اور وہ کافر ہو جاتا ہے، ایسے کافر کے ہاتھوں بیعت ہونا اور اُس کو پیر بنانا حرام ہے۔(۴)

(۳) پیر کو کھال دینا جائز ہے، لیکن ایسا شخص جس کے عقائد صحیح نہ ہوں، لوگوں کو گمراہ کرتا ہو، اپنا پیٹ پالنے کے لیے لوگوں کو غلط باتیں بتاتا ہو، اسلامی عقائد اور مسائل سے ناواقف ہو، ایسے شخص کو پیر بنانا حرام ہے، جو اُس کا ساتھ دے گا، وہ گنہگار ہوگا، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲"(۵)

---

(۲) عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن الله لا يقبض العلم انتزاعا ينتزعه من العباد، ولكن يقبض العلم بقبض العلماء، حتى إذا لم يبق عالما اتخذ الناس رءوسا جهالا، فسئلوا فأفتوا بغير علم، فضلوا وأضلوا. (صحيح البخاري: ۱/۲۰، رقم الحديث: ۱۰۰، كتاب العلم، باب: كيف يقبض العلم، ط: ديوبند☆الصحيح لمسلم: ۲/۳۴۰، رقم الحديث: ۱۳-(۲۶۷۳)، كتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه وظهور الجهل والفتن في آخر الزمان، ط: ديوبند)

(۳) ۵-المائدة: ۳.

(۴) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۸۷. (۵-المائدة: ۸۷)

ولا نكفر أحدا من أهل القبلة بذنب ما لم يستحله. ــــــــــ قال الألباني تعليقا عليه: قلت: يعني استحلالا قلبيا اعتقاديا وإلا فكل مذنب مستحل لذنبه عمليا أي مرتكب له ولذلك فلا بد من التفريق بين المستحل اعتقادا فهو كافر إجماعا وبين المستحل عملا لا اعتقادا فهو مذنب يستحق العذاب اللائق به إلا أن يغفر الله له ثم ينجيه إيمانه. (عقيدة الطحاوي-أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة بن عبد الملك بن سلمة الأزدي الحجري المصري المعروف بالطحاوي (م: ۳۲۱هـ)، ص: ۶۰، رقم: ۵۷، ت: محمد ناصر الدين الألباني، ط: المكتب الإسلامي-بيروت)

(۵) ۵-المائدة: ۲.

نیک کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ وظلم کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو؛ لہٰذا ایسے غلط عقیدہ آدمی کا ساتھ دینا اور اُس کو کھال دینا جائز نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] نماز نہ پڑھنے والے کی قربانی قبول ہوگی یا نہیں؟

۱۸۶۳- سوال: ''فضائلِ نماز'' (شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی مشہور کتاب) میں ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ: مسلمان نماز نہ پڑھے، تو اُسے ۱۵؍ قسم کے عذاب ہوں گے، جن میں سے پانچ دنیا میں ہوں گے، اِن پانچ میں ایک وعید یہ بھی ہے کہ نماز کے بغیر آدمی کا کوئی بھی عمل قابلِ قبول نہیں ہے، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ بالکل نماز نہیں پڑھتے اور عید کے دِن قربانی کرتے ہیں، تو کیا اُن کا یہ عمل قبول ہوگا؟

الجواب حامداومصلیا:

قربانی، زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر وغیرہ دیگر فرائض و واجبات [اگر حدود و قیود اور شرائط وارکان کا لحاظ کرکے انجام دیے ہوں، تو] ادا ہو جائیں گے، یعنی دنیا میں اس کا ذمہ بری ہو جائے گا، البتہ قبول کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۶] عقیقہ کیے بغیر قربانی کرنے کا حکم

۱۸۶۴- سوال: ایک شخص کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو اور وہ قربانی کرے، تو کیا اس کی قربانی ہو جائے گی؟

الجواب حامداومصلیا:

عقیقہ مستحب ہے،[2] عقیقہ کیے بغیر بھی کوئی اپنی قربانی کرے، تو ہو جائے گی، اس میں شک کی کوئی وجہ نہیں ہے۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (وأما) (حکمها): فالخروج عن عهدة الواجب في الدنيا والوصول إلى الثواب بفضل الله تعالى في العقبى، كذا في الغيائية. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۲۹۲، كتاب الأضحية، الباب الأول في تفسير الأضحية وركنها وصفتها...، ط: دار الفكر)

(۲) وإنما أخذ أصحابنا الحنفية في ذلك بقول الجمهور، وقالوا باستحباب العقيقة. (إعلاء السنن: ۱۷/ ۱۱۳، كتاب الذبائح، ط: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي)

(۳) من لم يعق عنه أجزأته أضحيته. (المصدر السابق: ۱۷/ ۱۲۶-۱۲۷، كتاب الذبائح)

[۲۷] چھوٹے بچے اور مجنون پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

۱۸۶۵-سوال: ایسے چھوٹے بچے اور مجنون، جو صاحب نصاب ہوں، ان پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وجوب قربانی کی شرائط میں سے عقل وبلوغ ہے؛ لہٰذا چھوٹے بچے اور مجنون پر قربانی واجب نہیں ہے۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

---

(۱) قربانی کے وجوب کے لیے "عقل وبلوغ" شرط ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں علماء احناف کے درمیان اختلاف ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بلوغ وعقل قربانی کے شرائط وجوب میں سے نہیں ہے؛ لہٰذا ان دونوں حضرات کے نزدیک بچے اور مجنون اگر مال دار ہوں، تو ان پر قربانی واجب ہوگی، اور ان کے باپ اور وصی کے لیے ان کی طرف سے قربانی کرنا لازم ہوگا، اگر باپ یا وصی نے قربانی نہیں کی، تو بلوغ وافاقے کے بعد ان دونوں پر اس قربانی کا ضمان دینا لازم ہوگا۔ اگر ان کے باپ نے ان کے مال سے ان کی طرف سے قربانی کردی، تو ضامن نہیں ہوگا۔ جب کہ حضرت امام محمد اور امام زفرؒ عقل وبلوغ کو شرائط وجوب میں گردانتے ہیں؛ لہٰذا باپ اگر اپنے بچے یا مجنون بیٹے کی جانب سے اسی کے مال سے قربانی کردے، تو باپ پر اس مال کا ضمان لازم آئے گا۔ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ بعض متاخرین احناف نے لکھا ہے کہ قربانی کے مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، بل کہ تمام کا اتفاق ہے کہ بچے اور مجنون کے مال میں قربانی واجب نہیں ہوگی۔ صاحب بدائع نے اس مسئلے میں اتفاق نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے؛ بل کہ صحیح یہی ہے کہ اس مسئلے میں بھی ویسا ہی اختلاف ہے، جیسا کہ صدقۂ فطر کے مسئلے میں ہے:

وأما البلوغ والعقل فليسا من شرائط الوجوب في قول أبي حنيفة وأبي يوسف، وعند محمد وزفر هما من شرائط الوجوب، حتى تجب الأضحية في مال الصبي والمجنون إذا كانا موسرين عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله؛ حتى لو ضحى الأب أو الصبي من مالهما لا يضمن عندهما، وعند محمد وزفر رحمهما الله يضمن، وهو على الاختلاف الذي ذكرنا في صدقة الفطر والحج ذكرت هنالك، ومن المتأخرين من قال لا خلاف بينهم في الأضحية أنها لا تجب في مالهما؛ لأن القربة في الأضحية هي إراقة الدم، وأنها إتلاف ولا سبيل إلى إتلاف مال الصغير، والتصدق باللحم تطوع ولا يجوز ذلك في مال الصغير، والصغير في العادة لا يقدر على أن يأكل جميع اللحم، ولا يجوز بيعه ولا سبيل للوجوب رأسا، والصحيح أنه على الاختلاف، وتجب الأضحية عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله ولا يتصدق باللحم لما قلنا لكن يأكل منها الصغير ويدخر له قدر حاجته، ويبتاع بالباقي ما ينتفع بعينه، كابتياع البالغ بجلد الأضحية ما ينتفع بعينه. (بدائع الصنائع: ۵/ ۶۴، كتاب التضحية، فصل في شرائط وجوب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

اسی اختلاف کی وجہ سے استاذ محترم، فقیہ عصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم رقم طراز ہیں: =

[۲۸] چھوٹے بچے کی جانب سے باپ کا قربانی کرنا

۱۸۶۶- سوال: اگر بچے پر قربانی واجب نہیں ہے اور باپ ادا کرنا چاہے، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طریقے سے چھوٹے بچے پر قربانی واجب نہیں ہے، لڑکے کے باپ پر بھی لڑکے کی قربانی واجب نہیں ہے؛ لیکن اگر باپ بچے کی جانب سے نفل قربانی ادا کرنا چاہے، تو ادا ہو جائے گی۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] نابالغ بچے کے مال میں سے کی گئی قربانی کے گوشت کا حکم

۱۸۶۷- سوال: نابالغ بچے کے مال میں سے قربانی ادا کی ہو، تو گوشت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اِس گوشت کو تقسیم کرنا جائز نہیں ہے، بچے کا باپ اُسے خشک کر کے رہنے دے، یا گوشت کو بیچ کر بچے کے لیے کپڑے، موزے وغیرہ خرید لے۔ (۲)

یہ حکم اُس وقت ہے جب کہ بچے کے مال میں سے قربانی کی ہو، اگر باپ نے اپنے مال میں سے قربانی کی ہے تو اُس کا حکم عام قربانی کی طرح ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= قربانی ایک عبادت ہے، اور شریعت عبادتیں بالغوں پر واجب قرار دیتی ہے، نہ کہ نابالغوں پر، اسی لیے نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ بچہ پر واجب نہیں، یہی حکم قربانی کا بھی ہے، کہ قول صحیح کے مطابق نابالغ پر قربانی واجب نہیں ہوگی، البتہ اگر ولی ایسے نابالغ بچوں کی طرف سے اپنے مال میں سے قربانی کردے تو بہتر اور قرین احتیاط ہے، چناں چہ مشہور فقیہ قاضی فخر الدین اوز جندیؒ فرماتے ہیں: "وفي الكافي الأصح أنه لا يجب ذلك... وليس للأب أن يفعله من مال الصغير". (فتاوی قاضی خان: ۳/ ۳۴۶، نیز دیکھیے: البحر الرائق: ۸/ ۱۷۴، الفتاوی الہندیۃ: ۵/ ۲۹۳) [کتاب الفتاویٰ: ۴/ ۱۳۲، قربانی اور عقیقہ سے متعلق سوالات، کیا نابالغ پر قربانی واجب ہے؟ ط: نعیمیہ-دیوبند]

(۱) سوال سابق کا حاشیہ ملاحظہ کریں۔

(۲) ثم فرع على القول الأول بقوله (وأكل منه الطفل) وادخر له قدر حاجته (وما بقي يبدل بما ينتفع) الصغير (بعينه) كثوب وخف لا بما يستهلك كخبز ونحوه ابن كمال. (الدر المختار مع رد المحتار: ۶/ ۳۱۷، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر)

...يأكل منها الصغير ويدخر له قدر حاجته، ويبتاع بالباقي ما ينتفع بعينه، كابتياع البالغ بجلد الأضحية ما ينتفع بعينه. (بدائع الصنائع: ۵/ ۶۴، كتاب التضحية، فصل في شرائط وجوب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

[۳۰] باپ نے چھوٹے بچے کی قربانی اپنے مال سے کی ہو، تو اُس کے گوشت کا حکم

۱۸۶۸- سوال: باپ نے بچے کی طرف سے قربانی کی ہو، لیکن اپنے مال کا استعمال کیا ہو، تو اُس کے گوشت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

باپ اپنی قربانی کا ثواب بچے کو عطا کرے، یا بچے کی طرف سے قربانی کرے، اُس کا حکم وہی ہے جو باپ کا اپنی قربانی کا ہے، اُس کے تین حصے کر کے ایک حصہ اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے، دوسرا حصہ رشتہ داروں کے لیے اور ایک حصہ فقراء کے درمیان تقسیم کر دے، یا پورا گوشت اپنے استعمال میں لے۔[1]

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۱] قربانی کا جانور مر جانے پر صاحب نصاب کے لیے حکم

۱۸۶۹- سوال: ایک خاتون ہے، جس پر حج یا زکوۃ فرض نہیں ہے، اس کے پاس دو بکرے

---

(۱) وإن تبرع بها عنه له الأكل لأنه يقع على ملك الذابح والثواب للميت. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۳۵/۶، كتاب الأضحية، فروع: لون أضحيته-عليه الصلاة والسلام- سوداء، ط: دار الفكر-بيروت)

والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة، أو صوما، أو صدقة، أو قراءة قرآن، أو ذكرا، أو طوافا، أو حجا، أو عمرة، أو غير ذلك عند أصحابنا للكتاب والسنة، أما الكتاب فلقوله تعالى ﴿وقل رب ارحمهما كما ربياني صغيرا﴾ [الاسراء:24]، وإخباره تعالى عن ملائكته بقوله ﴿ويستغفرون للذين آمنوا﴾ [غافر:7] وساق عبارتهم بقوله تعالى ﴿ربنا وسعت كل شيء رحمة وعلما فاغفر للذين تابوا واتبعوا سبيلك﴾ [غافر:7] إلى قوله ﴿وقهم السيئات﴾ [غافر:9]، وأما السنة فأحاديث كثيرة منها ما في الصحيحين، حين ضحى بالكبشين فجعل أحدهما عن أمته، . . . فإن من صام، أو صلى، أو تصدق، وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز، ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة كذا في البدائع، وبهذا علم أنه لا فرق بين أن يكون المجعول له ميتا أو حيا. (البحر الرائق: ۶۳/۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الهداية في شرح بداية المبتدي-المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۱۷۸/۱، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت ☆ الاختيار لتعليل المختار-ابن مودود الموصلي (م: ۶۸۳هـ): ۱۶۹/۴، كتاب الكراهية، فصل في الكلام، ت: محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي-القاهرة)

إذا ضحى رجل عن أبويه بغير أمرهما وتصدق به جاز؛ لأن اللحم ملكه، وإنما للميت ثواب الذبح والصدقة. (فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ۳۵۲/۳، كتاب الأضحية، قبيل: فصل في العيوب ما يمنع الأضحية وما لا يمنع، ط: زكريا-ديوبند)

تھے، اس نے ارادہ کیا کہ ایک بکرے کی قربانی کرے؛ لیکن وہ مر گیا، دوسرا بکرا خریدنے کی طاقت نہیں ،شریعت کا کیا حکم ہے، کیا اس پر قربانی کرنا واجب ہوگا؟

الجواب حامداو مصلیا:

بکرا ذاتی تھا، اس کی قربانی کا ارادہ تھا؛ لیکن مر گیا، تو دوسرا بکرا خرید کر قربانی کرنا واجب نہیں۔

(عالمگیری:۵/۱۱۱☆ شامی:۵/۲۸)[1]

جاننا چاہیے کہ جس پر صدقہ فطر واجب ہے، اس پر قربانی واجب ہے، یعنی ضرورت سے زائد ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کا جو شخص مالک ہو، اس پر قربانی واجب ہے، چاہے مال کے نامی نہ ہونے کی وجہ سے یا حولان حول کی وجہ سے اس پر زکوۃ فرض نہ ہو۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

---

[۱] ولو ملك إنسان شاة فنوى أن يضحي بها، أو اشترى شاة ولم ينو الأضحية وقت الشراء ثم نوى بعد ذلك أن يضحي بها لا تجب عليه سواء كان غنيا أو فقيرا. (الفتاوى الهندية: ۵/۲۹۱، كتاب الأضحية، الباب الأول في تفسيرها وركنها وصفتها وشرائطها وحكمها وفي بيان من تجب عليه ومن لا تجب، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) واضح رہے کہ زکوۃ اور قربانی کے نصاب میں یہ بات قدرے مشترک ہے کہ آدمی ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا یا اس کے بہ قدر اتنے مال کا مالک ہو، جو اس کی ضرورت اصلیہ سے زائد ہو، فرق صرف اتنا ہے کہ زکوۃ واجب ہونے کے لیے اس مال کا نامی ہونا اور اس پر سال کا گذرنا شرط ہے، جب کہ قربانی اور صدقۃ الفطر کے واجب ہونے کے لیے نہ تو مال کا نامی ہونا شرط ہے اور نہ ہی اس پر حولان حول (سال کا گذرنا) شرط ہے۔ لہٰذا وہ کپڑے جو ضرورت سے زائد ہوں؛ لیکن تجارت کے لیے نہ ہوں اور ان کی قیمت نصاب زکوۃ کو پہنچتی ہو، تو اس صورت میں صدقۃ الفطر اور قربانی واجب ہوگی؛ لیکن زکوۃ واجب نہیں ہوگی، کیوں کہ یہ مال نامی نہیں ہے:

ثم لا بد من معرفة حد الغنى فنقول الغنى أنواع ثلاثة: غنى تجب به الزكاة، وغنى يحرم به أخذ الصدقة وقبولها ولا تجب به الزكاة، وغنى يحرم به السؤال ولا يحرم به الأخذ أما الغنى الذي تجب به الزكاة فهو أن يملك نصابا من المال النامي الفاضل عن الحاجة الأصلية.

وأما الغنى الذي يحرم به أخذ الصدقة وقبولها فهو الذي تجب به صدقة الفطر والأضحية وهو أن يملك من الأموال التي لا تجب فيها الزكاة ما يفضل عن حاجته وتبلغ قيمة الفاضل مائتي درهم من الثياب والفرش والدور والحوانيت والدواب والخدم زيادة على ما يحتاج إليه كل ذلك للابتذال والاستعمال لا للتجارة والإسامة، فإذا فضل من ذلك ما يبلغ قيمته مائتي درهم وجب عليه صدقة الفطر والأضحية وحرم عليه أخذ الصدقة. (بدائع الصنائع: ۲/۴۸، كتاب الزكاة، فصل الذي يرجع إلى المؤدى إليه، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

[۳۲] کھیت کی قیمت نصاب کے برابر ہو، تو قربانی واجب ہوگی

۱۸۷۰- سوال: ایک شخص کے پاس اِتنا بڑا کھیت ہے، جو نصاب کی قیمت کو پہنچ جاتا ہے، تو کیا اِس کھیت کی وجہ سے اُس پر قربانی واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا

کھیت کی پیداوار میں سے گھر کے تمام افراد کے سالانہ گذر بسر کے بعد بقیہ رقم اگر نصاب کے بقدر ہوجاتی ہے، تو قربانی واجب ہوگی، مثلاً اگر کھیت دس بیگھا کا ہے، جن میں سے چھ بیگھا کی پیداوار سالانہ گذر بسر کے لیے کافی ہوجاتی ہے، تو بقیہ چار بیگھا کی پیداوار کی قیمت اگر نصاب تک پہنچ جاتی ہے، تو قربانی واجب ہوگی، ورنہ نہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۳] قربانی کا جانور خریدنے کے لیے روانہ کی ہوئی مشترک رقم کا ہلاک ہوجانا

۱۸۷۱- سوال: گذشتہ سال قربانی کے موقع پر ہم چند دوستوں نے مل کر چار بڑے جانوروں کی رقم لندن سے ہندوستان بذریعۂ رجسٹری ایک دار العلوم میں روانہ کی تھی، لیکن اتفاق سے وہ رقم راستہ ہی میں چوری ہوگئی اور دار العلوم تک نہیں پہنچ سکی، اِس رقم کے ذریعہ جو چار بڑے جانور خریدے جانے والے تھے، اُن میں بعض حصے واجب اور بعض نفل قربانی کے تھے، اب سوال یہ ہے کہ کیا اِس سال ہمیں دو بارہ اُسی قربانی کی قضا کرنی ہوگی؟ یا اِسی قدر رقم غرباء کو صدقہ کردیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

صورتِ مسئولہ میں قربانی کی رقم جانوروں کے خریدے جانے سے پہلے چوری ہوگئی، تو اب جن

---

(۱) وإن كان له عقار ومستغلات ملك اختلف المشايخ المتأخرون - رحمهم الله تعالى - فالزعفراني والفقيه علي الرازي اعتبرا قيمتها، وأبو علي الدقاق وغيره اعتبروا الدخل، واختلفوا فيما بينهم، قال أبو علي الدقاق: إن كان يدخل له من ذلك قوت سنة فعليه الأضحية، ومنهم من قال: قوت شهر، ومتى فضل من ذلك قدر مائتي درهم فصاعدا فعليه الأضحية. (الفتاوى الهندية: ۲۹۲/۵، كتاب الأضحية، الباب الأول في تفسير الأضحية وركنها وصفتها وشرائطها وحكمها، ط: دار الفكر)

لوگوں پر قربانی واجب تھی، اُن کے لیے اپنی قربانی کی قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے، قربانی کی قضاء نہیں، دوسرے سال اگر قربانی ادا کرے گا، تو نفل شمار ہوگی، اور پہلے سال والی قربانی کی جانب سے کفایت نہیں کرے گی۔

اور جن لوگوں کے قربانی میں نفلی حصے تھے، اُن پر کوئی صدقہ واجب نہیں ہے، اگر اپنی نیت کے لحاظ سے صدقہ کردیں تو کارِثواب ہے۔فقط، واللہ اعلم بالصواب۔ (درمختار: ۳۲۱/۶)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] وكذا لو ماتت فعلى الغني غيرها لا الفقير. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۲۵/۶، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر)

ولو لم يضح حتى مضت أيام النحر فقد فاته الذبح، فإن كان أوجب على نفسه شاة بعينها بأن قال: لله علي أن أضحي بهذه الشاة، سواء كان الموجب فقيرا أو غنيا، أو كان المضحي فقيرا وقد اشترى شاة بنية الأضحية فلم يفعل حتى مضت أيام النحر تصدق بها حية، وإن كان من لم يضح غنيا ولم يوجب على نفسه شاة بعينها تصدق بقيمة شاة اشترى أو لم يشتري، كذا في العتابية. (الفتاوى الهندية: ۲۹۶/۵، كتاب الأضحية، الباب الرابع فيما يتعلق بالمكان والزمان، ط: دار الفكر)

ومنها أنها تقضى إذا فاتت عن وقتها، ثم قضاؤها قد يكون بالتصدق بعين الشاة حية، وقد يكون بالتصدق بقيمة الشاة، فإن كان قد أوجب التضحية على نفسه بشاة بعينها فلم يضحها حتى مضت أيام النحر فيتصدق بعينها حية سواء كان موسرا أو معسرا، وكذا إذا اشترى شاة ليضحي بها فلم يضح حتى مضى الوقت. (الفتاوى الهندية: ۲۹۴/۵، كتاب الأضحية، الباب الأول في تفسير الأضحية وركنها وصفتها وشرائطها وحكمها، ط: دار الفكر)

فإن لم يفعل ذلك حتى جاء أيام النحر من العام القابل فضحى بها عن العام الماضي لم يجز. (المصدر السابق: ۲۹۷/۵، الباب الرابع فيما يتعلق بالمكان والزمان)

عن بلال بن أبي الدرداء، عن أبيه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم " ضحى بكبشين جذعين خصيين - أو قال: موجوءين - ". (مسند ابن أبي شيبة - أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (م: ۲۳۵ھ): ۱/۵۱، رقم الحديث: ۴۱، مسند خزيمة بن ثابت، ت: عادل بن يوسف العزازي و أحمد بن فريد المزيدي، ط: دار الوطن - الرياض)

عن أبي سلمة، عن عائشة، أو أبي هريرة: " أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ضحى بكبشين سمينين عظيمين أملحين أقرنين موجيين ". (مسند أحمد بن حنبل: ۴۱/۴۹۷، رقم الحديث: ۲۵۰۴۶، مسند النساء، مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضي الله عنها، ط: الرسالة - بيروت)

باب في أفضل الضحايا وفيما يجوز منها و ما لا يجوز

[قربانی کے لیے افضل اور ناجائز جانور کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب في أفضل الضحايا وفيما يجوز منها وما لا يجوز

[قربانی کے لیے افضل اور ناجائز جانور کا بیان]

[ا] قربانی میں کون سا جانور ذبح کرنا افضل ہے؟

۱۸۷۲- سوال: قربانی میں کون سا جانور ذبح کرنا چاہیے؟ بکرے کا ثواب زیادہ ہے یا گائے کا؟ درخواست ہے کہ تفصیل سے وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

گائے اور بکرے دونوں میں اگر بکرے کی قیمت زیادہ ہے، تو بکرے کی قربانی کرنے میں زیادہ ثواب ملے گا؛ مثلاً: گائے کی قیمت اگر تین سو پچیس روپیہ (۳۲۵) ہے اور بکرے کی قیمت تین سو تیس روپیہ (۳۳۰) ہے، تو بکرے کی قربانی میں زیادہ ثواب ملے گا اور اگر دونوں کی قیمت برابر ہے، تو بکرے کی قربانی میں زیادہ ثواب ملے گا؛ کیوں کہ اس کا گوشت گائے کے گوشت کے مقابلہ میں زیادہ اچھا ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ گوشت اور قیمت دونوں برابر ہوں، تو جس کا گوشت زیادہ اچھا ہو، اس کی قربانی

میں زیادہ ثواب ملے گا؛ ورنہ جس جانور کی قیمت زیادہ ہوگی، اس کی قربانی میں زیادہ ثواب ملے گا۔[(۱)] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ: احمد بن ابراہیم بیمات غفرلہ

[۲] قربانی کے جانور کی پسلی کا ٹوٹ جانا

۱۸۷۳- سوال: قربانی کے جانور کی پسلی ٹوٹ گئی؛ لیکن اس میں کوئی نقص معلوم نہیں ہو رہا ہے، تو کیا اس کی قربانی صحیح ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

جانور چلنے پر قادر ہو، اور گھاس چارا کھاتا ہو، تو اس کی قربانی جائز ہے، کوئی حرج نہیں ہے۔[(۲)] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ: احمد بن ابراہیم بیمات غفرلہ

[۳] کان کٹے ہوئے بکرے کو ٹانکیں لے کر جوڑ دیا گیا، تو اس کو قربان کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

۱۸۷۴- سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

ہمارے پاس قربانی کا ایک بکرا ہے، جس کا ایک کان دو پوروں کے بقدر کٹ گیا ہے، ڈاکٹر کے

---

(۱) البقرة أفضل من الشاة في الأضحية إذا استويا في القيمة؛ لأنها أعظم وأكبر، والشاة أفضل من سبع البقرة، وإذا استويا في القيمة، واللحم؛ لأن الشاة أفضل من سبع البقرة، وإن استويا في القيمة، واللحم؛ لأن لحم الشاة أطيب، وإن كان سبع البقرة أكثر لحماً، فسبع البقرة أفضل، والأصل في هذا أنهما إذا استويا في اللحم والقيمة فأطيبهما لحماً أفضل، وإذا اختلفا في القيمة واللحم، والفاضل أولى. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني-أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:٦١٦هـ):٦/ ٩٣، كتاب الأضحية، الفصل الخامس في بيان ما يجوز في الضحايا وما لا يجوز... الخ، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆رد المحتار على الدر المختار:٦/ ٣٢٢، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر- بيروت☆ الفتاوى الهندية:٥/ ٢٩٩، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب، ط: دار الفكر- بيروت ☆ درر الحكام شرح غرر الأحكام-محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا- أو منلا أو المولى-خسرو (م:٨٨٥هـ):١/ ٢٦٩، كتاب الأضحية، مايصح للأضحية، ط: دار إحياء الكتب العربية)

(۲) وأما الذي يرجع إلى محل التضحية فنوعان: أحدهما: سلامة المحل عن العيوب الفاحشة، فلا تجوز العمياء ولا العوراء البين عورها والعرجاء البين عرجها وهي التي لا تقدر تمشي برجلها إلى المنسك... الخ. (بدائع الصنائع: ٥/ ٧٥، كتاب التضحية، فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

پاس لے گئے، تو انہوں نے تین ٹانکیں لے کر اس کو جوڑ دیا ہے، اب بالکل صحیح معلوم ہو رہا ہے، اس میں کوئی عیب نظر نہیں آرہا ہے؛ لیکن اس کے دونوں کان اتنے بڑے ہیں کہ آنکھیں ڈھک جاتی ہیں، تو کیا ایسے بکرے کی قربانی شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قربانی کا جانور ایسا پسند کرنا چاہیے، جس میں کسی قسم کا کوئی عیب نہ ہو، نہ چھوٹا نہ بڑا، جانور خوب صورت بھی ہو۔ (۱) البتہ کم عیب ہو، تو قربانی درست ہوگی اور عیب فاحش ہو، تو قربانی درست نہیں ہوگی، کس عضو کا ایک تہائی ضائع ہونا جانا 'عیب قلیل ہے، لہٰذا اگر ایک تہائی کان کٹ گیا ہے، یا اس سے کم کٹا ہے، تو اس کی قربانی درست ہے، صورت مسئولہ میں کٹا ہوا کان سی دیا گیا ہے اور جڑ بھی گیا ہے، تو اس کی قربانی جائز ہے۔ (۲)

کان بڑے ہونے سے آنکھیں ڈھک جاتی ہیں، تو اس سے قربانی میں کوئی حرج نہ آئے گا، البتہ مستحب ہے کہ جانور ایسا ہونا چاہیے، جس میں کسی قسم کا عیب نہ ہو، اور وہ خوب صورت ہو۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

---

(۱) (وأما) الذي يرجع إلى الأضحية فالمستحب أن يكون أسمنها وأحسنها وأعظمها. (بدائع الصنائع: ۸۰/۵، كتاب التضحية، فصل في بيان مايستحب قبل التضحية وبعدها ومايكره، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲) (وأما صفته): فهو أن يكون سليما من العيوب الفاحشة، كذا في البدائع. . . . ولا تجوز العمياء والعوراء البين عورها، والعرجاء البين عرجها وهي التي لا تقدر أن تمشي برجلها إلى المنسك، والمريضة البين مرضها، ومقطوعة الأذنين والألية والذنب بالكلية، والتي لا أذن لها في الخلقة، وتجزئ السكاء وهي صغيرة الأذن فلا تجوز مقطوعة إحدى الأذنين بكمالها والتي لها إذن واحدة خلقة، ولو ذهب بعض هذه الأعضاء دون بعض من الأذن والألية والذنب والعين، ذكر في الجامع الصغير: إن كان الذاهب كثيرا يمنع جواز التضحية، وإن كان يسيرا لا يمنع، واختلف أصحابنا بين القليل والكثير فعن أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - أربع روايات، وروى محمد - رحمه الله تعالى - عنه في الأصل وفي الجامع أنه إذا كان ذهب الثلث أو أقل جاز، وإن كان أكثر لا يجوز، والصحيح أن الثلث وما دونه قليل وما زاد عليه كثير، وعليه الفتوى، كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۲۹۷/۵، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب، ط: دار الفكر - بيروت☆تكملة رد المحتار على الدر المختار: ۳۲۵/۶، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر)

ويجوز السكاء في قول أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - وهي صغيرة الأذنين، بعد أن يسمى أذنا. (فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ۳۵۳/۳، كتاب الأضحية، فصل في العيوب مايمنع الأضحية ومالا يمنع، ط: زكريا - ديوبند)

[۴] لنگڑے دنبے کی قربانی

۱۸۷۵- سوال: ایک دنبہ قربانی کے لیے خریدا گیا، خریدنے کے بعد پاؤں میں شاید موچ آ گیا، یا کانٹا چبھ گیا، یا چوٹ لگ گئی، اب وہ زمین پر پاؤں نہیں رکھ پاتا ہے، تو کیا ایسے دنبے کی قربانی جائز ہے؟

الجواب حامدا ومصلیا:

وہ جانور، جو دائمی طور پر لنگڑا ہو اور زمین پر پاؤں بالکل نہ رکھتا ہو، اس کی قربانی جائز نہیں کانٹا چبھنے یا معمولی زخم آنے کی وجہ سے پیر میں صرف اس قدر لنگ پیدا ہو گیا ہو کہ پیر زمین پر رکھ کر، جھک کر چلتا ہو، تو ایسے جانور کی قربانی جائز ہے۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] ایسے بکرے کی قربانی، جس کے پیر میں لنگ ہو

۱۸۷۶- سوال: میرے پاس قربانی کا جانور ہے، پچھلے پاؤں سے لنگڑا (ٹنج) ہے، لیکن اس پیر پر بل دے کر چلتا ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ گجراتی زبان میں ٹنج ایک قسم کی بیماری ہے، جس میں جانور لنگڑا کر چلتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامدا ومصلیا:

مذکورہ جانور کی قربانی جائز ہے، کوئی حرج نہیں ہے۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] جس جانور کے خصیے نہ ہوں، اس کی قربانی کا حکم

۱۸۷۷- سوال: جس جانور کے ایک خصیہ کا معمولی حصہ رہ گیا ہو اور اکثر حصہ خشک ہو گیا ہو، گویا خصی کیے ہوئے جانور جیسا ہو گیا ہو، تو کیا اس کی قربانی جائز ہے؟

---

(۱) والعرجاء التي تمشي بثلاث قوائم و لا تضع الرابعة على الأرض لا، وإن كانت تضعها وضعا ضعيفا إلا أنها تتمايل مع ذلك يجوز. (الفتاوى البزازية على هامش الهندية: ۶/ ۲۹۳، كتاب الأضحية، الباب الخامس في عيوبها، ط: زكريا بك ڈپو-دیوبند)

[۲] (قوله والعرجاء) أي التي لا يمكنها المشي برجلها العرجاء إنما تمشي بثلاث قوائم، حتى لو كانت تضع الرابعة على الأرض وتستعين بها جاز عناية. (ردالمحتار على الدر المختار: ۶/ ۳۲۳، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر)

الجواب حامدا ومصلیا:

ایک خصیہ [گولی] نہ ہو یا دونوں نہ ہو، بہ ہر صورت قربانی جائز ہے۔ (ہدایہ)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] جس جانور کے آنکھ میں پھوڑا ہو، اس کی قربانی کا حکم

۱۸۷۸- سوال: جس جانور کی آنکھ میں پھوڑا ہو، کیا اس کی قربانی جائز ہے؟

الجواب حامدا ومصلیا:

آنکھ میں پھوڑا ہو، مگر آنکھ کی بینائی مکمل ہو، متاثر نہ ہوئی ہو، تو قربانی جائز ہے اور اگر ایک تہائی بینائی ختم ہو گئی ہو، تو جائز نہیں ہے، بینائی معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو آنکھ تندرست ہے، اسے کھلا رکھا جائے اور پھوڑے والی آنکھ پر پٹی باندھ کر بند کر دیا جائے، پھر چارہ دکھایا جائے، اگر تندرست آنکھ سے مثلاً تیس فٹ کی دوری سے چارہ دیکھ لیتا ہے، تو اب تندرست آنکھ پر پٹی باندھ دی جائے اور عیب دار آنکھ کھول دی جائے، پھر چارہ دکھایا جائے، اگر پھوڑے والی آنکھ سے اکیس یا بائیس فٹ کی دوری سے چارہ دیکھ لیتا ہے، تو اس کی قربانی درست ہے اور اگر بیس فٹ کی دوری سے نہیں دیکھ پاتا، تو یہ علامت ہے کہ اس کی ایک تہائی سے زائد بینائی ختم ہو گئی ہے، اس لیے اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) عن بلال بن أبي الدرداء، عن أبيه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم "ضحى بكبشين جذعين خصيين - أو قال: موجوءين -". (مسند ابن أبي شيبة- أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (م:۲۳۵ھ): ۱/۵۱، رقم الحديث:۴۱، مسند خزيمة بن ثابت، ت: عادل بن يوسف العزازي وأحمد بن فريد المزيدي، ط: دار الوطن - الرياض)

عن أبي سلمة، عن عائشة، أو أبي هريرة: "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ضحى بكبشين سمينين عظيمين أملحين أقرنين موجيين. (مسند أحمد بن حنبل: ۴۱/۲۹۷، رقم الحديث: ۲۵۰۴۶، مسند النساء، مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضي الله عنها، ط: الرسالة - بيروت)

قال: "ويجوز أن يضحي بالجماء" ... "والخصي" "لأن لحمها أطيب وقد صح "أن النبي صلى الله عليه وسلم ضحى بكبشين أملحين موجوءين". (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر، الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م:۵۹۳ھ): ۴/۳۵۹، كتاب الأضحية، على من تجب الأضحية، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۵/۲۹۹، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب، ط: دار الفكر)

(۲) وإنما يعرف ذهاب قدر النصف أو الثلث من العين بأن تشد العين المعيبة بعد أن لا تعتلف الشاة يوما أو يومين، ثم يقرب العلف إليها قليلا قليلا، فإذا رأته من موضع أعلم ذلك الموضع، ثم تشد عينها الصحيحة ويقرب العلف إلى=

[۸] جس جانور کا ایک تھن بڑا اور دوسرا چھوٹا ہو، اس کی قربانی کرنا

۱۸۷۹-سوال: اگر قربانی کے جانور کا ایک تھن ایک بڑا اور ایک چھوٹا ہو، یا کسی جانور مثلاً بکرا، دنبہ، بھینس یا بھینسا وغیرہ کے پیدائشی سینگ یا کان نہ ہو، تو قربانی میں کوئی حرج ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک تھن بڑا اور ایک تھن چھوٹا ہو، تو کوئی حرج نہیں ہے۔[۱] دنبہ، بکرا، بھینسا وغیرہ جانور کے اگر پیدائشی سینگ نہ ہو، تو اس کی قربانی جائز ہے،[۲] لیکن اگر ایک کان یا دونوں کان نہ ہوں، تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے، ہاں چھوٹے کان والے جانور کی قربانی جائز ہے۔ (درمختار)[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=الشاة قليلا قليلا، حتى إذا رأته من مكان أعلم ذلك المكان، ثم يقدر ما بين العلامة الأولى والثانية من المسافة، فإن كانت المسافة بينهما الثلث فقد ذهب الثلث وبقي الثلثان، وإن كان نصفا فقد ذهب النصف وبقي النصف، كذا في الكافي. (الفتاوى الهندية: ۵/۲۹۸، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب، ط: دار الفكر ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۶/۳۲۴، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) وفي الظهيرية: ولا بأس بالجداء، وهي الصغيرة الأطباء جمع طبي: وهو الضرع. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/۳۲۴، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) وتجزي الجماء وهي التي لا قرن لها خلقة، وكذا مكسورة القرن تجزي لما روي أن سيدنا عليا - رضي الله عنه - سئل عن القرن فقال: لا يضرك، أمرنا رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أن نستشرف العين والأذن. وروي أن رجلا من همذان جاء إلى سيدنا علي - رضي الله عنه - فقال: يا أمير المؤمنين البقرة عن كم؟ قال: عن سبعة، ثم قال: مكسورة القرن؟ قال: لا ضير، ثم قال: عرجاء؟ فقال: إذا بلغت المنسك، ثم قال سيدنا علي - كرم الله وجهه -: أمرنا رسول الله - صلى الله عليه وسلم - أن نستشرف العين والأذن. (بدائع الصنائع: ۵/۷۶، كتاب التضحية، فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

(قوله ويضحي بالجماء) هي التي لا قرن لها خلقة وكذا العظماء التي ذهب بعض قرنها بالكسر أو غيره. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/۳۲۳، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر - بيروت)

قال - رحمه الله -: (ويضحي بالجماء) التي لا قرن لها يعني خلقة لأن القرن لا يتعلق به مقصود وكذا مكسورة القرن بل أولى. (تكملة البحر الرائق: ۸/۲۰۰، كتاب الأضحية، الأضحية بالجماء، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۳] (ولا) (بالهتماء) التي لا أسنان لها... (والسكاء) التي لا أذن لها خلقة، فلو لها أذن صغيرة خلقة أجزأت، زيلعي. (الدر المختار) ــــــــ وفي الشامية: (قوله التي لا أذن لها خلقة) قال في البدائع: ولا تجوز مقطوعة إحدى الأذنين بكمالها والتي لها أذن واحدة خلقة اهـ (قوله فلو لها أذن صغيرة خلقة أجزأت) وهذه تسمى صمعاء=

[۹] جرسی جانور کی قربانی

۱۸۸۰- سوال: جرسی جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ سوال کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

جرسی جانور کا تعارف: نر جانور کے منی کو انجکشن میں لے کر اس کو مادہ کے رحم میں ٹپکایا جاتا ہے، پھر اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے، دوسری بات یہ کہ جس طرح بیل کو کوہان ہوتی ہے، جرسی جانور کو کوہان نہیں ہوتی ہے۔

الجواب حامداو مصلیا:

جرسی جانور کی قربانی کے تعلق سے فقہاء نے لکھا ہے کہ جنگلی بیل اگر پالتو گائے کے ساتھ جفتی کرے اور اس سے بچہ پیدا ہو، تو اس کی قربانی جائز ہے، اسی طرح جنگلی نر، بکری کے ساتھ جفتی کرے اور اس سے بچہ پیدا ہو، تو اس کی قربانی جائز ہے؛ کیوں کہ بچہ ماں کے تابع ہوتا ہے، لہٰذا اگر مادہ جنگلی نہ ہو، بل کہ پالتو ہو اور اس سے بچہ پیدا ہوا ہو، تو وہ بھی پالتو کے حکم میں ہوگا، جس کی قربانی جائز ہے اور اگر اس کے برعکس ہو جفتی کرنے والا بکرا یا بیل پالتو ہو اور مادہ جنگلی ہو، تو اس کے بچہ کی قربانی جائز نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=بمهملتين كما في القاموس .(رد المحتار على الدر المختار: ٣٢٢/٦، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر - بيروت☆بدائع الصنائع: ٧٦/٥، كتاب التضحية، فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية- بيروت☆ الفتاوى الهندية: ٢٩٧/٥، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل الإقامة، ط: دار الفكر)

(١) وفي المتولد منهما تعتبر الأم، وكذا في حق الحل تعتبر الأم. (تبيين الحقائق) ــــ قال الشلبي: (قوله: وفي المتولد منهما تعتبر الأم) قال الأتقاني قال في خلاصة الفتاوى، ولو نزا كلب على شاة فولدت قال عامة المشايخ: لا يجوز، وقال الإمام الخيزاخزي: إن كان يشبه الأم يجوز، ولو نزا شاة على ظبي قال الإمام الخيزاخزي: إن كان يشبه الأب يجوز، ولو نزا ظبي على شاة، قال عامة المشايخ: يجوز، وقال الإمام الخيزاخزي: العبرة للمشابهة كذا في الخلاصة. اهـ. وكتب ما نصه فإن كانت أهلية يجوز، وإلا فلا حتى لو أن بقرة أهلية نزا عليها ثور وحش فولدت ولدا فإنه يجوز أن يضحي به، وإن كانت البقرة وحشية والثور أهليا لم يجز؛ لأن الأصل في المتولد الأم؛ لأنه ينفصل عن الأم، وهو حيوان متقوم تتعلق به الأحكام، وليس ينفصل من الأب إلا ماء مهينا لا خطر له، ولا يتعلق به حكم، وقيل إذا نزا ظبي على شاة أهلية فأولدت شاة يجوز التضحية بها، وإن ولدت ظبيا لا يجوز، وقيل إن ولدت الرمكة من حمار وحش حمارا لا يؤكل، وإن ولدت فرسا فحكمه حكم الفرس. اهـ بدائع. (حاشية الشلبي مع تبيين الحقائق: ٧/٦، كتاب الأضحية، مما تكون الأضحية، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة★الفتاوى الهندية: ٢٩٧/٥، كتاب الأضحية، الباب الخامس، ط: دار الفكر - بيروت)

[۱۰] جانور کو خصی کرنا اور اس کی قربانی کرنا

۱۸۸۱-سوال: جانور کی خصی کرنا کیسا ہے؟ اور خصی جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ قدرت کی دی ہوئی چیز کو ہم کیوں کاٹیں اور ہمیں اس کے چھیننے کا حق نہیں ہے، کیا ان کی یہ بات درست ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

جانور کو خصی کرنا جائز ہے،[۱] اور اس کی قربانی بھی درست ہے،[۲] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خصی جانور کی قربانی کرنا ثابت ہے؛[۳] لہٰذا جانور کو خصی کرنے میں کوئی عیب اور کراہت نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۳۰/۶)[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱)(و) جاز (خصاء البهائم) حتى الهرة، وأما خصاء الآدمي فحرام قيل والفرس وقيدوه بالمنفعة وإلا فحرام. (الدر المختار)ـــــــ قال ابن عابدين:(قوله وجاز خصاء البهائم)... وهو نزع الخصية، ...(قوله قيل والفرس) ذكر شمس الأئمة الحلواني أنه لا بأس به عند أصحابنا، وذكر شيخ الإسلام أنه حرام، (قوله وقيدوه) أي جواز خصاء البهائم بالمنفعة وهي إرادة سمنها أو منعها عن العض بخلاف بني آدم، فإنه يراد به المعاصي فيحرم أفاده الأتقاني عن الطحاوي. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۸۸/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ط: دار الفكر)

(۲) قال: "ويجوز أن يضحي بالجماء"... "والخصي" "لأن لحمها أطيب وقد صح "أن النبي صلى الله عليه وسلم ضحى بكبشين أملحين موجوءين". (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر، المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۳۵۹/۴، كتاب الأضحية، على من تجب الأضحية، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت)

والخصي أفضل من الفحل؛ لأنه أطيب لحما، كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۲۹۹/۵، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب، ط: دار الفكر)

(۳) عن بلال بن أبي الدرداء، عن أبيه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم "ضحى بكبشين جذعين خصيين - أو قال: موجوءين -". (مسند ابن أبي شيبة- أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (م: ۲۳۵هـ): ۵۱/۱، رقم الحديث: ۴۱، مسند خزيمة بن ثابت، ت: عادل بن يوسف العزازي وأحمد بن فريد المزيدي، ط: دار الوطن- الرياض)

عن أبي سلمة، عن عائشة، أو أبي هريرة: "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ضحى بكبشين سمينين عظيمين أملحين أقرنين موجيين. (مسند أحمد بن حنبل: ۴۹۷/۴۱، رقم الحديث: ۲۵۰۴۶، مسند النساء، مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضي الله عنها، ط: الرسالة- بيروت)

[۴] آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی دنبے کی قربانی کی ہے، خصی ہونا عیب نہیں ہے، اس سے گوشت میں کمی نہیں آتی، نیز خصی فربہ ہوتا ہے، اور اس کا گوشت لذیذ ہوتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۵۰/۱۰، سوال نمبر: ۶۸، کتاب الاضحیہ، خصی بکرے کی قربانی کا کیا حکم ہے؟، ط: دار الاشاعت، کراچی)

[۱۱] خنثیٰ مشکل کی قربانی درست نہیں ہے

۱۸۸۲- سوال: ایک آدمی نے ایسے جانور کی قربانی کی، جو باہر سے گائے معلوم ہوتا ہے اور اندر بیل ہے، تو کیا قربانی جائز ہوگی، اب اگر نہیں ہوسکتی تو اس کے عوض دوسری عید پر دوسرے جانور کی قربانی کر سکتے ہیں یا پھر دوسری بقرعید آنے سے پہلے کسی دن قربانی کی جائے؟ اور اس جانور میں جن لوگوں نے حصہ لیا ہے، ان کا نام یاد نہیں ہے، تو کس طرح کی نیت کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکور جانور کو عربی میں خنثیٰ مشکل کہتے ہیں، یعنی جس میں مذکر مؤنث دونوں کی علامتیں موجود ہوں، ایسے جانور کی قربانی درست نہیں ہے۔[۱] لہٰذا جتنے لوگوں کی قربانی اس جانور میں کی گئی تھی، کسی کی ادا نہیں ہوئی، ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے ہر ایک کی جانب سے ایک ایک بکرے کی قیمت صدقہ کرنا ضروری ہے۔[۲]

آئندہ سال قربانی کرنے سے گزشتہ سال کی قربانی کی ذمہ داری ادا نہ ہوگی۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۲] قربانی کے لیے ہدیہ دی گئی رقم سے جانور خرید کر قربان کرنا

۱۸۸۳- سوال: مجھ پر قربانی واجب ہے اور میں ہر سال اپنی قربانی کرتا ہوں؛ لیکن اس سال میرے ایک رشتہ دار نے- جو بیرون ملک رہتے ہیں- قربانی کے پیسے بھجوائے اور کہا کہ ان پیسوں سے اپنی قربانی

---

(۱) لا تجوز التضحية بالشاة الخنثى؛ لأن لحمها لا ينضج. (الفتاوى الهندية: ۲۹۹/۵، كتاب الذبائح، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب، ط: دار الفكر)

(۲) ومنها أنها تقضى إذا فاتت عن وقتها، ثم قضاؤها قد يكون بالتصدق بعين الشاة حية، وقد يكون بالتصدق بقيمة الشاة، فإن كان قد أوجب التضحية على نفسه بشاة بعينها فلم يضحها حتى مضت أيام النحر فيتصدق بعينها حية سواء كان موسرا أو معسرا، وكذا إذا اشترى شاة ليضحي بها فلم يضح حتى مضى الوقت. (الفتاوى الهندية: ۲۹۴/۵، كتاب الأضحية، قبيل: الباب الثاني في وجوب الأضحية بالنذر وما هو في معناه، ط: دار الفكر☆ رد المحتار على الدر المختار: ۳۲۱/۶، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر- بيروت)

(۳) فإن لم يفعل ذلك حتى جاء أيام النحر من العام القابل فضحى بها عن العام الماضي لم يجز. (الفتاوى الهندية: ۲۹۷/۵، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب، ط: دار الفكر)

کر لینا، تو اس رشتہ دار کے بھیجے ہوئے پیسوں سے قربانی کر لینا میرے لیے کافی ہوگا یا مجھ پر دو قربانی لازم ہوں گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے رشتے دار نے جب آپ کو رقم ہدیہ کی، تو آپ اس کے مالک بن گئے، مالک بن جانے کے بعد جب اس رقم سے جانور خرید کر اپنی قربانی کریں گے، تو قربانی ادا ہو جائے گی، اب دوسری قربانی کرنا لازم نہیں ہے؛ کیوں کہ واجب ذمہ سے ادا ہو گیا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] داغے ہوئے جانور کی قربانی کا حکم

۱۸۸۴- سوال: قربانی کے ایک جانور کو دائیں اور بائیں جانب داغا گیا ہے، باقی سب سلامت ہے، کوئی عیب ونقص نہیں ہے، اس کی قربانی صحیح ہے یا نہیں؟ کتنا داغا گیا ہو، تو قربانی صحیح نہیں ہوگی، مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب جانور کے صرف چمڑے کو داغا گیا ہے، تو اس کی قربانی جائز ہے، جب کہ کوئی اور عیب نہ ہو۔ (شامی ۵/ ۲۸۴)[۲]

قربانی کے جانور کے عیب کے بارے میں تفصیلات زیادہ ہیں، بعض عیوب جواز اضحیہ سے مانع ہے اور بعض مانع نہیں ہے، حسب ضرورت عیب بتا کر مسئلہ پوچھ لیں، ان شاء اللہ العزیز جواب دے دیا جائے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) أما أصل الحكم، فهو ثبوت الملك للموهوب له في الموهوب من غير عوض؛ لأن الهبة تمليك العين من غير عوض، فكان حكمها ملك الموهوب من غير عوض. (بدائع الصنائع: ۶/ ۱۲۷، كتاب الهبة، فصل في حكم الهبة، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

ولو وهب لرجل شاة فضحى بها الموهوب له أجزأته عن الأضحية لأنه ملكها بالهبة والقبض فصار كما لو ملكها بالشراء. (بدائع الصنائع: ۵/ ۷۷، كتاب التضحية، فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

[۲] تجوز التضحية بالمجبوب العاجز عن الجماع، والتي بها سعال، والعاجزة عن الولادة لكبر سنها، والتي لها كي. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۳۲۵، كتاب الأضحية)

والمستحب أن يكون سليما عن العيوب الظاهرة، فما جوز ههنا جوز مع الكراهة كما في المضمرات. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۳۲۳، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر-بيروت)

[۱۴] کان میں معمولی عیب والے بکرے کی قربانی کا حکم

۱۸۸۵- سوال: ایک بکرے کا کان بیچ سے سیدھا پھٹا ہوا ہے؛ لیکن بدن سے جڑا ہوا ہے، ایسے بکرے کی قربانی جائز ہے؟

الجواب حامدا ومصلیا:

ایسے بکرے کی قربانی جائز ہے۔ (شامی)[۱] البتہ خلاف مستحب (خلاف اولیٰ) ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] جس جانور کو کتے نے کاٹا ہو، اس کی قربانی

۱۸۸۶- سوال: ہمارے یہاں لوگ دنبہ اور بکریاں پالتے ہیں اور کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ بکریوں کو کتے کاٹ لیتے ہیں اور زخمی کر دیتے ہیں، اگر کتے کے کاٹے یا زخمی کیے ہوئے جانور کے زندہ رہنے کی امید نہ ہو، تو اس کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر زخم اچھا ہو جائے تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کا گوشت کھانا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصلیا:

گوشت کھانا جائز ہے [جب کہ طبی طور پر کوئی نقصان نہ ہو] اور اچھا ہونے کے بعد قربانی بھی جائز

---

[۱] لو ذهب بعض الأذن أو الألية أو الذنب أو العين. ذكر في الجامع الصغير إن كان كثيرا يمنع، وإن يسيرا لا يمنع. واختلف أصحابنا في الفاصل بين القليل والكثير، فعن أبي حنيفة أربع روايات. روى محمد عنه في الأصل والجامع الصغير أن المانع ذهاب أكثر من الثلث، وعنه أنه الثلث، وعنه أنه الربع، وعنه أن يكون الذاهب أقل من الباقي أو مثله اهـ بالمعنى والأولى هي ظاهر الرواية، وصححها في الخانية حيث قال: والصحيح أنه الثلث، وما دونه قليل، وما زاد عليه كثير وعليه الفتوى اهـ ومشى عليها في مختصر الوقاية والإصلاح. والرابعة هي قولهما قال في الهداية. وقالا: إذا بقي الأكثر من النصف أجزأه، وهو اختيار الفقيه أبي الليث، وقال أبو يوسف: أخبرت بقولي أبا حنيفة فقال قولي هو قولك، قيل هو رجوع منه إلى قول أبي يوسف، وقيل معناه قولي قريب من قولك. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۳۲۳-۳۲۴، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر)

(۲) والمستحب أن يكون سليما عن العيوب الظاهرة، فما جوز ههنا جوز مع الكراهة كما في المضمرات. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۳۲۳، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر - بيروت)

ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] کن بکری کی قربانی کا حکم

۱۸۸۷- سوال: ایک مخصوص قسم کی بکری جو کن بکری کہلاتی ہے، اُس میں مادہ کی علامت ہوتی ہے، عام بکریوں سے وہ کچھ الگ نظر آتی ہے، اُس میں نر کی کوئی علامت نہیں ہوتی، کافی فربہ، قدوقامت میں دیگر بکریوں سے بڑی اور زیادہ گوشت والی ہوتی ہے، اُس کا گوشت جلد گل جاتا ہے اور لذیذ ہوتا ہے، یہ بکری بچہ نہیں دیتی، اور نہ نر بکرا اُس سے جفتی کرتا ہے، ہنود اُسے پوجتے ہیں، اُسے وہ لوگ کاٹتے اور کھاتے نہیں ہیں، کچھ مسلمان اُس کی قربانی کرتے ہیں اور کچھ نہیں کرتے، تو ایسی بکری کو بہ طور قربانی ذبح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

بانجھ بکری کی قربانی جائز ہے، مذکورہ بکری بھی اگر از نوعِ غنم ہو اور وحشی جانوروں میں سے نہ ہو، تو اُس کی قربانی جائز ہے، بشرطیکہ اُس کا گوشت گل جاتا ہو اور کھانے کے لائق ہو۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(درِمختار علی الشامی: ۶/ ۳۴۵)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] قربانی کا جانور کم عمر کا ثابت ہوا پھر دوسرا جانور کم قیمت میں خریدا تو؟

۱۸۸۸- سوال: ایک جانور ۱۰۵۰/ کی قیمت میں قربانی کے لیے خریدا، پھر معلوم ہوا کہ ابھی یہ جانور قربانی کی عمر کا نہیں ہے، تو اب اس کے بدلہ میں ۸۰۰/ روپے میں دوسرا جانور خریدا، تو کیا اس صورت میں بھی زائد رقم کا صدقہ کرنا واجب ہوگا؟ جب کہ وہ پہلا جانور قربانی کے لائق نہیں تھا۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں جب جانور ۱۰۵۰/ میں قربانی ہی کی نیت سے خریدا، لیکن قربانی کی عمر نہ ہونے

---

(۱) والمستحب أن يكون سليما عن العيوب الظاهرة. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۳۲۳، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر-بيروت)

[۲] تجوز التضحية بالمجبوب العاجز عن الجماع، والتي بها سعال، والعاجزة عن الولادة لكبر سنها. (رد المحتار مع رد المحتار: ۶/ ۳۲۵، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر)

سے اس کی قربانی نہیں کی، اور اس کے بدلہ میں ۸۰۰/ روپے میں دوسرا جانور خریدا، تو زائد رقم ۲۵۰/ کا صدقہ کر دینے سے ذمہ بری ہو جائے گا اور اس صدقہ سے قربانی کامل و صحیح طریقہ سے ادا ہو جائے گی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] قربانی کے جانور کی قیمت میں سے بچی ہوئی رقم کو رفاہِ عام میں خرچ کرنا

۱۸۸۹- سوال: ایک شخص کے پاس انگلینڈ سے قربانی ادا کرنے کے لیے کسی نے بارہ سو روپئے

---

(۱) قال (وإذا اشترى أضحية، ثم باعها فاشترى مثلها فلا بأس بذلك)؛ لأن بنفس الشراء لا تتعين الأضحية قبل أن يوجبها، وبعد الإيجاب يجوز بيعها في قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله ويكره، وفي قول أبي يوسف - رحمه الله - لا يجوز لتعلق حق الله تعالى بعينها، ولكنهما يقولان تعلق حق الله تعالى بها لا يزيل ملكه عنها، ولا يعجزه عن تسليمها وجواز البيع باعتبار الملك والقدرة على التسليم ألا ترى أنا نجوز بيع مال الزكاة لهذا. ـــــــ والأصل فيه ما روي أن النبي - عليه الصلاة والسلام - دفع دينارا إلى حكيم بن حزام - رضي الله عنه - ليشتري له شاة للأضحية فاشترى شاة، ثم باعها بدينارين، ثم اشترى شاة بدينار، وجاء بالشاة والدينار إلى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فأخبره بذلك. فقال - صلى الله عليه وسلم - بارك الله في صفقتك، أما الشاة فضح بها وأما الدينار فتصدق به. فقد جوز رسول الله - صلى الله عليه وسلم - بيعه بعد ما اشتراها للأضحية.

وإن كانت الثانية شرا من الأولى، وقد كان أوجب الأولى فتصدق بالفضل فيما بين القيمتين، أما جواز الثانية عن الأضحية فلاستجماع شرائط الجواز، وأما التصدق فإنه لما أوجب الأولى فقد جعل ذلك القدر من ماله لله تعالى فلا يكون له أن يستفضل شيئا منه لنفسه فيتصدق بفضل القيمة كما أمر رسول الله - صلى الله عليه وسلم - حكيم بن حزام - رضي الله عنه - بالتصدق بالدينار.

ومن أصحابنا - رحمهم الله - من قال هذا إذا كان فقيرا، أما إذا كان غنيا ممن يجب عليه الأضحية فليس عليه أن يتصدق بفضل القيمة؛ لأن في حق الغني الوجوب عليه بإيجاب الشرع، فلا يتعين بتعيينه في هذا المحل، ألا ترى أنها لو هلكت بقيت الأضحية عليه. فإذا كان ما يضحي به محلا صالحا لم يلزمه شيء آخر، وأما الفقير فليس عليه أضحية شرعا، وإنما لزمه بالتزامه في هذا المحل بعينه، ولهذا لو هلكت لم يلزمه شيء آخر. فإذا استفضل لنفسه شيئا مما التزمه كان عليه أن يتصدق به.

قال الشيخ الإمام والأصح عندي أن الجواب فيهما سواء؛ لأن الأضحية، وإن كانت واجبة على الغني في ذمته فهو متمكن من تعيين الواجب في محل فيتعين بتعيينه في هذا المحل من حيث قدر المالية؛ لأنه تعيين مقيد، وإن كان لا يتعين من حيث فراغ الذمة. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳ھ): ۱۲/ ۱۳، كتاب الذبائح، باب الأضحية، أول وقت الأضحية، ط: دار المعرفة - بيروت)

بھیجے، پھر اِس شخص کو قربانی کا جانور نو سو روپئے میں مل گیا، اور تین سو روپئے بچ گئے، اب اِس بچی ہوئی رقم کے ذریعہ یہ شخص عام گزرگاہ پر ٹیوب لائٹ لگوانا چاہتا ہے، تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

قربانی کے لیے جتنی رقم دی گئی تھی، اُس پوری رقم کا جانور خریدنا چاہیے تھا، ہاں، اگر رقم بھیجنے والے نے اُس رقم میں جانور کو پالنے کا خرچ بھی شامل کیا ہو، تو کل رقم میں سے پالنے کے خرچ کی مقدار علاحدہ کر کے بقیہ رقم سے جانور خریدنا چاہیے، مذکورہ صورت میں قربانی کے بعد جو تین سو روپئے بچ گئے ہیں، اُس کا استعمال رقم بھیجنے والے کے منشا کے مطابق کرنا ضروری ہے، اگر وہ واپس مانگے، تو واپس کرنا ضروری ہے، البتہ اگر رقم بھیجنے والے نے اختیار دیا ہو، تو اُس رقم کو رفاہِ عام میں استعمال کر سکتے ہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] بکروں کے ریوڑ میں دوسرے کا بکرا آ گیا اور مالک کا پتہ نہیں ہے، تو؟

۱۸۹۰-سوال: محترم حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہمارے گاؤں میں عید الاضحیٰ کے موقع پر اطراف وجوانب سے بکرے لائے جاتے ہیں، اس مرتبہ یہ واقعہ ہوا کہ بکروں کے جتھے میں ایک ایسا بکرا بھی راستہ میں ساتھ لگ گیا، جو ہم نے خریدا نہیں تھا، اب

(۱) اگر پوری رقم جانور خریدنے کے لیے دی گئی تھی، اور مؤکل کا منشا بھی یہی تھا کہ مکمل بارہ سو روپیے کے جانور لیے جائیں، اور وکیل نے اس میں سے تین سو روپیے بچا لیے، تو اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے، لیکن مؤکل نے اندازے سے ایک رقم بھیجی ہو، جیسا کہ یہاں علاقہ گجرات میں رواج ہے، پھر مناسب جانور لے لیا ہو اور اس کی قربانی کی ہو، تو جائز ہے، بقیہ رقم کی اطلاع دے دے اور مؤکل کے حسب منشاء اس کا استعمال کرے، اگر وہ وکیل کی رائے پر چھوڑ دے کہ آپ جہاں چاہیں، بچی ہوئی رقم کا استعمال کریں، تو پھر اس سے رفاہ عام کی خاطر ٹیوب لائٹ لگانا جائز ہوگا:

عن حكيم بن حزام رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أعطاه دينارا يشتري له به أضحية، فاشتراها فأتاه رجل فأربحه فباعه، فأتى النبي صلى الله عليه وسلم بدينار وأضحية، فقال: يا رسول الله، اشتريت لك أضحية ثم بعت وربحت دينارا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: بارك الله لك في تجارتك، وفي صفقتك، فضحى بالشاة، وتصدق بالدينار. [حلية الأولياء وطبقات الأصفياء - أبو نعيم أحمد بن عبد الله بن أحمد بن إسحاق بن موسى بن مهران الأصبهاني (م: ۴۳۰ھ): ۵/۶۷، حبيب بن أبي ثابت قال الشيخ رحمه الله تعالى: ومنهم المتعبد المنفاق...، ط: السعادة - بجوار محافظة مصر]

مزید تفصیل کے لیے سوال سابق (بہ عنوان: قربانی کا جانور کم عمر کا ثابت ہوا پھر دوسرا جانور کم قیمت میں خریدا تو؟) کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

معلوم نہیں اس بکرے کا مالک کون ہے؟ اخبار وغیرہ میں بھی ہم نے اس کا اشتہار دیا، مگر مالک کا کوئی سراغ نہیں لگا، اب اس بکرے کے متعلق کیا حکم ہے؟ کیا اس کو بیچ کر روپے غریبوں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں؟ یا وہ روپے کسی امین شخص کے پاس امانت رکھوائے جائیں اور مالک کا پتہ لگنے پر اسے دیے دیا جائے؛ کیوں کہ بکرے کو ایسے ہی باقی رکھنے میں اس کے گھاس چارہ پر خرچ لگتا ہے، نیز اس کی حفاظت میں بھی کئی طرح کی دشواریاں پیش آتی ہیں، اسی طرح اگر اس کو ذبح کر کے غرباء و مساکین کی دعوت کی جائے، تو یہ درست ہے یا نہیں؟ نیز اس بکرے کو شادی وغیرہ کی دعوت کے لیے یا قربانی کے لیے کوئی خریدنا چاہے، تو خرید سکتا ہے یا نہیں؟ غرض شرعاً اس کے متعلق جو بھی احکامات ہوں، مفصل بیان فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شریعت میں ایسے جانور کو "لقطہ" کہا جاتا ہے، صورت مسئولہ میں جس شخص نے بھی مذکورہ بکرے کی حفاظت کی ہے اور اس کے حکم کے موافق اخبار وغیرہ میں اشتہار دے کر اس کے مالک کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے، اس نے نیک اور ثواب کا کام کیا ہے اور وہ گویا اطلاع کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوگیا ہے، اب آگے حکم یہ ہے کہ اگر وہ شخص (جس کے پاس وہ بکرا ہے) غریب و محتاج ہے، تو اس بکرے کو بیچ کر خود اس کی قیمت استعمال کرسکتا ہے، یہ اس کے لیے جائز ہے۔

اور اگر مال دار ہے، تو بکرا بیچنے کے بعد ابھی مزید (احتیاطاً) تین چار مہینے تک مالک کا انتظار کرے، اگر مالک آجائے، تو خرچ کی رقم منہا کر کے اس کو وہ روپے دے دے، اور اگر اب بھی مالک نہ آئے، تو وہ رقم کسی غریب کو صدقہ کردے، ذمہ بری ہوجائے گا، لیکن صدقہ کے بعد مالک آگیا، تو اس [مالک] کو اختیار ہوگا کہ وہ اس صدقہ پر راضی ہوجائے اور صدقہ کرنے والا کو بری کردے یا صدقہ کرنے والے سے بکرے کی قیمت وصول کرے؛ کیوں کہ اگر مالک صدقہ پر راضی نہیں ہوتا ہے اور بکرے کی قیمت کا مطالبہ کرتا ہے، تو صدقہ کرنے والا اس کا ضامن ہوتا ہے، اور اس کے ذمہ قیمت ادا کرنا ضروری ہے، لیکن پوری قیمت نہیں؛ بل کہ اپنا خرچ منہا کر کے بقیہ رقم اس کو دے گا۔[1]

---

(۱) (هي) -اللقطة-: اسم وضع للمال الملتقط، عيني. وشرعا مال يوجد ضائعا، ابن كمال. وفي التتارخانية عن المضمرات: مال يوجد ولا يعرف مالكه، وليس بمباح كمال الحربي. وفي المحيط (رفع شيء ضائع للحفظ على غير لا للتمليك)... (ندب رفعها لصاحبها) إن أمن على نفسه تعريفها، وإلا فالترك أولى. وفي البدائع وإن أخذها لنفسه حرم؛ لأنها كالغصب (ووجب) أي فرض فتح وغيره (عند خوف ضياعها) كما مر؛ لأن لمال المسلم حرمة=

جب اس بکرے کو بیچا جائے اور کوئی اسے دعوت کے لیے یا قربانی کے لیے خریدنا چاہے، تو شرعاً اس کی اجازت ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، مگر اس کی قیمت کے متعلق وہی حکم ہوگا، جو اوپر بیان ہوا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] راستے میں ملے ہوئے جانور کی قربانی

۱۸۹۱- سوال: ہمارے گاؤں ولن کے قریب ہائی وے نمبر ۸ سے ایک شخص کو دنبہ کا ایک بچہ ملا، جس وقت ملا، اس وقت اس کے پاؤں میں چوٹ کے آثار تھے، جس کی وجہ سے لنگڑا کر چل رہا تھا، اب وہ اچھا ہوگیا ہے۔ اس کی معذوری کو دیکھ کر ایسا خیال ہوتا تھا کہ شاید اس کے مالک نے ہی اس کو چھوڑ دیا ہوگا، اب وہ شخص جس نے اس کی دیکھ ریکھ کی ہے، اس کی قربانی کرنا چاہتا ہے، تو کیا اس کی قربانی درست ہوگی؟

الجواب حامداومصلیا:

مذکورہ طریقہ سے ملی ہوئی شئے شریعت کی اصطلاح میں ''لقطہ'' کہلاتی ہے، ایک مدت تک اس کا اعلان کیا جائے، اگر اس مدت کے اندر اس کا مالک آجائے اور ثابت کردے کہ یہ مال میرا ہے، تو خرچ وصول کر کے اصلِ شئے اس کو سپرد کرنا ضروری ہے اور اگر مالک نہ آئے، تو جس کو جانور ملا ہے، اگر وہ مستحق زکاۃ

=كما لنفسه، فلو تركها حتى ضاعت أثم، ... (فإن أشهد عليه) بأنه أخذه ليرده على ربه ويكفيه أن يقول من سمعتموه ينشد لقطة فدلوه علي (وعرف) أي نادى عليها حيث وجدها، وفي الجامع (إلى أن علم أن صاحبها لا يطلبها أو أنها تفسد إن بقيت كالأطعمة) والثمار (كانت أمانة) لم تضمن بلا تعد فلو لم يشهد مع التمكن منه أو لم يعرفها ضمن إن أنكر ربها أخذه للرد وقبل الثاني قوله بيمينه وبه نأخذ حاوي، وأقره المصنف وغيره (ولو من الحرم أو قليلة أو كثيرة) فلا فرق بين مكان ومكان ولقطة ولقطة (فينتفع) الرافع (بها لو فقيرا وإلا تصدق بها على فقير)[الدر المختار]ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله: فينتفع الرافع) أي من رفعها من الأرض: أي التقطها وأتى بالفاء، فدل على أنه إنما ينتفع بها بعد الإشهاد والتعريف إلى أن غلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها، والمراد جواز الانتفاع بها والتصدق، وله إمساكها لصاحبها. وفي الخلاصة له بيعها أيضا وإمساك ثمنها ثم إذا جاء ربها ليس له نقض البيع لو بأمر القاضي، وإلا فلو قائمة له إبطاله، وإن هلكت، فإن شاء ضمن البائع وعند ذلك ينفذ بيعه في ظاهر الرواية وله دفعها للقاضي فيتصدق بها أو يقرضها من مليء أو يدفعها مضاربة والظاهر أن له البيع أيضا. وفي الحاوي القدسي الدفع إلى القاضي أجود ليفعل الأصلح. وفي المجتبى: التصدق بها في زماننا أولى، وينبغي التفصيل بين من يغلب على الظن ورعه وعدمه نهر ملخصا. (رد المحتار على الدر المختار: ۲۷۹/۴، كتاب اللقطة، ط: دار الفكر-بيروت)

ہے، تو وہ خود اس کو بیچ کر اس کی قیمت استعمال کر سکتا ہے۔ اور اگر وہ صاحب ثروت ہے، تو ایک مدت کے بعد [جس میں یقین ہو جائے کہ اب مالک اس کو تلاش نہیں کر رہا ہوگا] کسی محتاج کو بہ طور صدقہ اس کا مالک بنا دے؛ لیکن اگر مالک آ جائے تو گواہ و ثبوت کے بعد لینے والے کو پوری تفصیل سنائی جائے اور مالک اس کے پاس سے وہ جانور لے لے اور لینے والے پر کسی قسم کا ضمان بھی واجب نہیں ہوگا۔ اگر وہ جانور اب موجود نہیں ہے، اور مالک کہتا ہے کہ مجھے اپنا جانور یا اس کی قیمت چاہیے، تو اس شخص کے لیے بازاری قیمت کے اعتبار سے قیمت ادا کرنا ضروری ہے، جس نے اسے بہ غرض حفاظت اٹھایا تھا، البتہ اسے صدقہ کا ثواب مل جائے گا۔[1]

نوٹ: اگر اس جانور کو بہ غرض حفاظت اٹھانے والا اس کی قربانی کرنا چاہے، تو جائز ہے، بہ شرطے کہ اس کی بازاری قیمت کا صدقہ کر دے، فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

[۲۱] جانور خرید کر قربانی کے دن تک نگرانی کی ذمہ داری بائع کے حوالے کرنا

۱۸۹۲- سوال: ایک شخص نے ایام قربانی سے چند دنوں قبل قربانی کا جانور ایک سو پچانوے (۱۹۵) روپے میں اس شرط کے ساتھ خریدا کہ عید کے دن یا اس کی صبح تک بائع اس جانور کو اپنے پاس ہی رکھے، اور اس کے چارے پانی کا انتظام بھی بائع اپنے پاس سے کرتا رہے، تو کیا ایسے شرط کے ساتھ خریدے ہوئے جانور کی قربانی درست ہے؟

---

(۱) وإذا رفع اللقطة يعرفها فيقول: التقطت لقطة، أو وجدت ضالة، أو عندي شيء فمن سمعتموه يطلب دلوه علي، كذا في فتاوى قاضي خان. ويعرف الملتقط اللقطة في الأسواق والشوارع مدة يغلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها بعد ذلك هو الصحيح، كذا في مجمع البحرين، ولقطة الحل والحرم سواء، كذا في خزانة المفتين، ثم بعد تعريف المدة المذكورة الملتقط مخير بين أن يحفظها حسبة وبين أن يتصدق بها فإن جاء صاحبها فأمضى الصدقة يكون له ثوابها وإن لم يمضها ضمن الملتقط أو المسكين إن شاء لو هلكت في يده فإن ضمن الملتقط لا يرجع على الفقير وإن ضمن الفقير لا يرجع على الملتقط وإن كانت اللقطة في يد الملتقط أو المسكين قائمة أخذها منه، كذا في شرح مجمع البحرين. (الفتاوى الهندية: ۲/ ۲۹۰، كتاب اللقطة، ط: دار الفكر-بيروت)

مزید تفصیل و تخریج کے لیے سوال سابق کی جانب رجوع کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بائع یا مشتری کا عقد بیع کے وقت کوئی ایسی شرط لگانا، جس میں متعاقدین میں سے کسی کا فائدہ ہو، اور وہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو، جائز نہیں، ایسی شرط شرطِ فاسد ہے۔ (الجوہرۃ النیرۃ: ۱/۲۰۵)[۱]

ایسی شرط سے بیع فاسد ہوجاتی ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ خریدار اس خرید وفروخت کے معاملے کو ختم کردے۔[۲] پھر جانور کے مالک کی رضامندی سے ازسرنو معاملہ کرکے ایک سو اسی (۱۸۰) روپے میں [یا جو رقم دونوں کی رضامندی سے طے ہوجائے] جانور خریدے۔ اس کے بعد الگ سے دوسرا معاملہ کرے، کہ قربانی کے جتنے دن باقی ہوں، اسے شمار کرکے اس کی اجرت طے کردے اور بائع کے پاس جانور کو رہنے دے، اس طرح بیع اور قربانی درست ہوجائے گی۔[۳]

---

[۱] قوله: (ومن اشترى ثوبا على أن يقطعه البائع ويخيطه قميصا، أو قباء، أو نعلا على أن يحذوها، أو يشركها فالبيع فاسد) معنى يحذوها يقطعها من الجلد ويعملها؛ لأن هذا شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحدهما. (الجوهرة النيرة-أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبِيدِيّ اليمني الحنفي (م: ۸۰۰هـ): ۱/۲۰۴، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، ط: المطبعة الخيرية)

(ولو) كان البيع (بشرط لا يقتضيه العقد وفيه نفع لأحد المتعاقدين) أي البائع والمشتري (أو لمبيع يستحق النفع بأن يكون آدميا (فهو) أي هذا البيع (فاسد) لما فيه من زيادة عرية عن العوض فيكون ربا وكل عقد شرط فيه الربا يكون فاسدا. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده, يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸هـ): ۲/۶۳، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، بيع الملامسة والمنابذة وإلقاء الحجر، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۲) ثم إن الملك وإن كان يثبت في البيع الفاسد عند اتصال القبض به عندنا إلا أن هذا الملك يستحق النقض إعداماً للفساد، ولأن إعدام الفساد واجب حقاً للشرع. (المحيط البرهاني: ۶/۴۲۱، كتاب البيع، الفصل الثامن: في بيان أحكام الشراء الفاسد والتصرف في المملوك بالعقد الفاسد، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

وفي الزيادات: إذا قبض المشتري المبيع في البيع الفاسد من غير إذن البائع ونهيه فإن قبضه في المجلس، يصح القبض استحسانا، ويثبت الملك فيه للمشتري، ... وإذا أذن له بالقبض فقبض في المجلس أو بعد الافتراق عن المجلس صح قبضه ويثبت الملك قياسا واستحسانا، إلا أن هذا الملك يستحق النقض، ويكره للمشتري أن يتصرف فيما اشترى شراء فاسدا بتمليك، أو انتفاع؛ لكن مع هذا لو تصرف فيه تصرفا نفذ تصرفه. (الفتاوى الهندية: ۳/۱۴۷، كتاب البيوع، الباب الحادي عشر في أحكام البيع الغير جائز، ط: دار الفكر)

(۳) ولو اشتراه ثانيا أو عاد إليه بسبب مبتدإ، لا يعود الفسخ؛ لأن الملك اختلف لاختلاف السبب فكان اختلاف الملكين بمنزلة اختلاف العقدين. (بدائع الصنائع: ۵/۳۰۱، كتاب البيوع، خيار الرؤية، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

اگر پہلے والا معاملہ ختم کیے بغیر قربانی کردی جائے، تو گرچہ قربانی ادا ہوجائے گی؛ لیکن پہلی قیمت - جسے شریعت کی اصطلاح میں ثمن کہتے ہیں- بائع کو رد کرنی پڑے گی، اور- امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق- جس دن قربانی کی ہے، اس دن کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔ (مجمع الانہر: ۲/۶۶)[۱]

اس لیے اس طرح کی شرط کے ساتھ خریدنے والوں کے لیے لازم ہے کہ جلد ہی معاملہ (بیع) ختم کرلے اور مالک کی اجازت سے از سرنو مذکورہ تفصیل کے مطابق دوسرا معاملہ کرلے، تاکہ قربانی میں کسی قسم کا خلل نہ ہو۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] ایک آدمی کی طرف سے پوری گائے کی قربانی

۱۸۹۳- سوال: ایک آدمی اپنی قربانی کرنا چاہتا ہے، وہ ہر سال اپنی قربانی کیا کرتا ہے، اس سال وہ پوری گائے کی قربانی کرنا چاہتا ہے اور پوری گائے کے حصے وہ اپنے ہی لیے رکھنا چاہتا ہے، تو کیا اس کو پورے ساتوں حصے کا ثواب ملے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب ایک شخص نے ایک گائے کی قربانی کی، تو پوری گائے اس کی واجب قربانی کی طرف سے ادا ہوجائے گی۔ (عالمگیری: ۶/۲۰۱)[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۳] (ولزمه) أي المشتري ... (لهلاكه) أي وقت هلاك المبيع في يد المشتري (مثله) أي المبيع (حقيقة) أي صورة ومعنى في ذوات الأمثال كالكيلي والوزني (أو) مثله (معنى كالقيمة في القيمي) كالحيوان والعرض وفيه إشارة إلى أن المبيع لو كان موجودا رد بعينه، وإلى أن العبرة للقيمة يوم القبض، وإلى أنه ملكه بقيمته ولو ازدادت قيمته في يده فأتلفه لم يتغير كالغصب. وعند محمد يوم الاستهلاك لأنه بالإتلاف يتقرر عليه قيمته فتعتبر قيمته.

(بدائع الصنائع: ۲/۶۶، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، فصل في قبض المشتري المبيع بيعا باطلا بإذن بائعه، ط: دار إحياء التراث العربي)

وفي نوادر هشام: قال: سألت محمداً عن رجل اشترى من آخر غلاماً شراء فاسداً وقبضه، ثم باعه واستهلكه، قال: أخبرني أن أبا حنيفة وأبا يوسف رحمهما الله قال: عليه قيمته يوم قبض، وقال محمد فيما أظن: قيمته يوم استهلكه. (المحيط البرهاني: ۶/۴۲۱، كتاب البيع، الفصل الثامن: في بيان أحكام الشراء الفاسد والتصرف في المملوك بالعقد الفاسد، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

[۱] قال الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل البدنة أفضل؛ لأنها أكثر لحما من الشاة وما قالوا: إن البدنة يكون بعضها نفلا فليس كذلك بل إذا نحرت عن واحد كان كلها فرضا، وشبهه بالقراءة في الصلاة لو اقتصر على ما تجوز به الصلاة جاز، ولو زاد عليه يكون الكل فرضا. (الفتاوى الهندية: ۵/۲۹۹، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب)

[۲۳] سات بکروں کے پیسوں سے ایک گائے خرید کر قربانی کرنا

۱۸۹۴- سوال: ایک جگہ سے سات بکروں کی قربانی کے پیسے آئے ہیں؛ لیکن اس رقم سے سات بکرے خریدنا، ممکن نہیں ہے، اب زیادہ دن بھی نہیں بچے ہیں کہ قربانی کروانے والے سے پوچھ سکیں، تو ایسی صورت میں ایک گائے خرید کر اس کی قربانی کر دیں، تو جائز ہوگا یا نہیں ؟ ایک گائے خریدنے کے بعد بھی رقم اتنی بچ جائے گی کہ اس سے ایک دوسری گائے خریدی جا سکے، تو دوسری گائے خرید کر اس کی انہی لوگوں کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں؛ جب کہ پہلی گائے کی قربانی تو واجب ہوگی اور دوسری ان کی طرف سے نفل، یا ایسا کیا جائے کہ ایک گائے تین کی جانب سے اور ایک گائے چار کی جانب سے کی جائے، ایسا کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب انہوں نے بکرے کی قربانی کے لیے رقم دی ہے، تو آپ بکرے کی قربانی کے لیے وکیل بنائے گئے ہیں اور وکیل کو اپنے مؤکل کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔[1] اگر بھیجی گئی رقم سے بکرا خریدنا ممکن نہ ہو، تو آپ اپنے مؤکل کو اطلاع کریں، اطلاع کرنے میں اگر قربانی کے ایام گزر جائیں تو بعد میں بکرا خرید کر اس کا صدقہ کر دیا جائے، یا اس کی قیمت کا صدقہ کر دیا جائے، ذمہ داری ادا ہو جائے گی۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۴] مؤکل کے لیے قربانی کے جانور کی تعیین اور پیشگی رقم بھیجنا

۱۸۹۵- سوال: ایک آدمی نے کسی کو وکیل بنا کر یہ کہا کہ آپ میری طرف سے قربانی کر دیں

---

(۱) وإن وكل إنسانا بأن يشتري له ضأنا فاشترى معزا أو كان على العكس لا يلزم الآمر، كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۳۰۶/۵، كتاب الأضحية، الباب التاسع في المتفرقات، ط: دار الفكر - بيروت ☆ البحر الرائق: ۳۳۸/۸، كتاب الأضحية، ط: دار الكتاب - ديوبند)

(۲) ومنها أنها تقضى إذا فاتت عن وقتها، ثم قضاؤها قد يكون بالتصدق بعين الشاة حية، وقد يكون بالتصدق بقيمة الشاة، فإن كان قد أوجب التضحية على نفسه بشاة بعينها فلم يضحها حتى مضت أيام النحر فيتصدق بعينها حية سواء كان موسرا أو معسرا، وكذا إذا اشترى شاة ليضحي بها فلم يضح حتى مضى الوقت. (الفتاوى الهندية: ۲۹۴/۵، كتاب الأضحية، الباب الأول في تفسير الأضحية وركنها وصفتها وشرائطها وحكمها، ط: دار الفكر - بيروت ☆ المحيط البرهاني: ۹۱/۶، كتاب الأضحية، الفصل الرابع فيما يتعلق بالمكان والزمان، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

اور کہنے والے نے نہ کوئی جانور کی تعیین کی اور نہ ہی اس کی قیمت کی، آج کل لوگ اپنی قربانی کے لیے اپنے رشتے داروں کو یا اپنے دوست واحباب اور متعلقین کو کہہ دیتے ہیں کہ میری جانب سے ایک قربانی کر دینا؛ لیکن وہ نہ تو جانور کی تعیین کرتے ہیں اور نہ پہلے کوئی رقم بھیجتے ہیں؛ بل کہ قربانی کے بعد وہ رقم بھیجتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا قربانی صحیح ہونے کے لیے قربانی کے جانور کی تعیین کرنا اور پہلے سے رقم بھیجنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

''کس جانور کی قربانی کے لیے وکیل بنایا گیا ہے'' اس کی تعیین ضروری ہے؛ یعنی بکرے کی قربانی ہوگی یا گائے وغیرہ کی،[1] قیمت کی تعیین پہلے سے ضروری نہیں ہے؛ البتہ اگر مقدار کی تعیین ہوگی، تو اس سے زیادہ قیمت والا جانور خریدنا جائز نہیں ہوگا، اگر کسی نے ایسا کیا، تو مؤکل کی قربانی ادا نہیں ہوگی۔[2]

مؤکل کی قربانی کے صحیح ہونے کے لیے رقم کا پیشگی دینا ضروری نہیں ہے۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) قال - رحمه الله - (وبشراء ثوب أو دابة لا وإن سمى ثمنا) يعني لو وكله بشراء دابة أو ثوب لا يصح التوكيل وإن بين ثمنه؛ لأن هذه جهالة في الجنس فلا يتمكن الوكيل من الامتثال لتفاحش الجهالة؛ لأن ما من نوع يشتريه الوكيل من أنواع ذلك الجنس إلا ويمكن الموكل أن يقول: إني عنيت خلافه. ــــــــ والأمر بما لا يمكن الامتثال به باطل فتخلص لنا من جميع ما ذكرنا أن الجهالة إذا كانت في الجنس لا تجوز الوكالة به مطلقا، وإن كانت في النوع تجوز مطلقا وإن كانت ما بينهما بأن كانت أنواعا، فإن ذكر الثمن أو النوع جازت والتحق بالثاني، وإن لم يبين التحق بالأول فلم تجز. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳ھ): ۲۵۹/۴، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة)

وبشراء ثوب أو دابة لا يصح وإن سمى ثمنا، وهذا كله إذا لم يكن فيه دلالة على العموم، فإن قال: ابتع لي ما رأيت جازت الوكالة؛ لأنه فوض الأمر إلى رأيه. كذا في التبيين، وكذا لو قال: اشتر لي بألف ثيابا أو دواب أو أشياء أو ما شئت أو ما رأيت أو أدنى شيء حضرك أو ما يوجد أو ما يتفق صح، وكذا لو قال: اشتر لي ولم يزد عليه بألف أو بع أو اجعل ألفا من مالك بضاعة، لأنه تفويض كذا في الكافي وكذا إذا قال: أي ثوب شئت أو أي دابة شئت أو ما يسر لك من الثياب والدواب صح هكذا في البدائع. (الفتاوى الهندية - لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ۵۷۳/۳، كتاب الوكالة، الباب الثاني في التوكيل بالشراء، ط: دار الفكر)

(۲) فإن سمى له ثمنا فزاد على ذلك الثمن لم يلزم الآمر. (حاشية الشلبي مع تبيين الحقائق: ۲۵۸/۴، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة)

(۳) وكذا لو قال: اشتر لي بألف أو بع جازت الوكالة ويصير مستقرضا للألف منه ويصير البائع قابضا للآمر أولا بحكم القرض ثم يصير قابضا لنفسه. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳ھ): ۲۵۹/۴، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة)

[۲۵] دوسرے کی جانب سے وکیل بن کر قربانی کرنا

۱۸۹۶- سوال: لندن سے یعقوب نے اپنے بھائی کو خط لکھا کہ ایک بڑا جانور خرید لے، پھر سات حصے کے نام لکھوائے، اسی کے مطابق یعقوب کے بھائی نے قربانی کی، یعقوب نے ابھی پیسے نہیں بھیجے ہیں، تو قربانی ہوئی یا نہیں؟ اور صرف یعقوب نیت کر لے، اس کا بھائی نیت نہ کرے، تو بھی قربانی درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداو مصلیا:

یعقوب نے دوسرے ملک سے اپنے بھائی کو خط لکھ کر قربانی کرنے کا وکیل بنایا کہ آپ بڑا جانور خرید کر قربانی کر دیں، رقم عنقریب مل جائے گی، وکیل [بھائی] نے جانور خرید کر یعقوب کی جانب سے قربانی کر دی، تو قربانی ہو جائے گی۔[1] وکیل کو نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ان کو تو یعقوب کی جانب سے وکیل بن کر قربانی کرنا ہے، لہٰذا قربانی درست ہوگی، اور ایسا سمجھا جائے گا کہ وکیل نے موکل کو قرضہ دے دے کر اس پیسے سے اس کے لیے جانور خریدا اور پھر اس کی جانب سے قربان کر دیا، اس میں عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۶] باہر سے قربانی کرنے کا خط آیا؛ لیکن نہ جانور کی تعیین ہے اور نہ رقم کی

۱۸۹۷- سوال: بیرون ملک سے میرے نام میرے ایک رشتے دار کا ایک خط آیا کہ میری جانب سے ایک قربانی کر دینا؛ لیکن اس میں نہ تو رقم کی وضاحت ہے اور نہ ہی اس بات کی صراحت ہے کہ کون سے جانور کی قربانی کرنی ہے، تو اب ہم کسی بھی جانور کی قربانی کریں گے کیا ان کی طرف سے قربانی ادا ہو جائے

---

(۱) ومنها أنه تجري فيها النيابة فيجوز للإنسان أن يضحي بنفسه أو بغيره بإذنه، لأنها قربة تتعلق بالمال فتجري فيها النيابة سواء كان المأذون مسلما أو كتابيا. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۲۹۳، كتاب الأضحية، الباب الأول في تفسير الأضحية وركنها وصفتها وشرائطها وحكمها، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) وكذا لو قال: اشتر لي بألف أو بع جازت الوكالة ويصير مستقرضا للألف منه ويصير البائع قابضا للآمر أولا بحكم القرض ثم يصير قابضا لنفسه. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق - فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳ھ): ۴/ ۲۵۹، كتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة)

گی یا نہیں؟ اور رقم بھیجنے کی بھی کوئی صراحت خط میں نہیں کی ہے، اس کے باوجود ہم اس کی جانب سے قربانی کردیں تو کیا قربانی ادا ہوگی یا نہیں؟ اور بعد میں ہمیں ان کے پاس سے رقم منگوانے کا کوئی حق ہے یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصلیا:

جانور کی تعیین ضروری ہے، یعنی بکرے کی قربانی یا گائے وغیرہ کی۔[1] جب انہوں نے آپ کو اپنی قربانی کا وکیل بنادیا اور آپ ان کی جانب سے قربانی کریں گے، تو ان کی قربانی ادا ہوجائے گی اور بعد میں آپ کو ان سے قربانی کی رقم کے مطالبے کا حق ہوگا۔[2]

ہاں! اگر انہوں نے آپ کو قربانی کا وکیل نہیں بنایا تھا اور آپ نے ان کی جانب سے قربانی کردی تو نہ ان کی قربانی صحیح ہوگی اور نہ آپ ان سے رقم وصول کرنے کا حق رکھتے ہیں۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۷] گھر کے پلے ہوئے جانور کی قربانی، جب کہ اس میں کسی کا حصہ نہ ہو

۱۸۹۸- سوال: ایک بکرا ہے، جس کی دیکھ ریکھ گھر کے لوگوں نے کی ہے، نیز اس کے بچے کی بھی دیکھ بھال کی ہے اور اس میں کسی اور کا کوئی حصہ نہیں ہے، تو کیا اس کی قربانی کرسکتے ہیں؟

الجواب حامدا ومصلیا:

گھر والوں میں سے جو بھی اس جانور کا مالک ہوگا، اس کی طرف سے قربانی صحیح ہوگی، دوسروں کی طرف سے صحیح نہیں ہوگی، الا یہ کہ جانور کا مالک اس [دوسرے] کو بہ خوشی مالک بنادے۔[4] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ''مؤکل کے لیے قربانی کے جانور کی تعیین اور پیشگی رقم بھیجنا'' کا حاشیہ نمبر (۱) ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) (قوله: فالأفضل أن يستعين بغيره إلخ)، ولأنها قربة مالية والنيابة في الماليات جائزة كما في الزكاة. اهـ. غاية. (حاشية الشلبي مع تبيين الحقائق: ۹/۶، كتاب الأضحية، يذبح المضحي بيده، ط: المطبعة الكبرى الأميرية- بولاق، القاهرة)

وروي عنهما أيضا أن الرجل إذا كان في مصر وأهله في مصر آخر فكتب إليهم ليضحوا عنه، فإنه يعتبر مكان التضحية. (الفتاوى الهندية: ۲۹۶/۵، كتاب الأضحية، الباب الرابع فيما يتعلق بالمكان والزمان، ط: دار الفكر- بيروت)

(۳) ذكر في فتاوى أبي الليث- رحمه الله تعالى- إذا ضحى بشاة نفسه عن غيره بأمر ذلك الغير أو بغير أمره لا تجوز؛ لأنه لا يمكن تجويز التضحية عن الغير إلا بإثبات الملك لذلك الغير في الشاة، ولن يثبت الملك له في الشاة إلا بالقبض، ولم يوجد قبض الآمر هاهنا لا بنفسه ولا بنائبه، كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۳۰۲/۵، كتاب الأضحية، الباب السابع في التضحية عن الغير وفي التضحية بشاة الغير عن نفسه، ط: دار الفكر- بيروت)

(۴) والثاني ملك المحل، وهو أن يكون المضحى ملك من عليه الأضحية، فإن لم يكن لا تجوز؛ لأن التضحية قربة ولا قربة في الذبح بملك الغير بغير إذنه. (بدائع الصنائع: ۷۶/۵، كتاب التضحية، فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

[۲۸] قربانی کے جانور کے چارہ کے برتن کا صدقہ

۱۸۹۹- سوال: قربانی کے جانور کو جس برتن میں ہم گھاس پانی دیا کرتے تھے، اس کو بھی صدقہ کرنے کے متعلق کتابوں میں پڑھا ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی کے جانور کی رسی، اسی طرح گرمی سردی سے بچاؤ کے لیے اس کے جسم پر اوڑھایا جانے والا کپڑا یا ٹاٹ وغیرہ، اسی طرح اس کے گلے میں چمڑے یا پلاسٹک کی باندھی جانے والی پٹی، اس کے منہ پر پہنائی جانے والی ناتھ اور ناک کی لگام وغیرہ سب کو صدقہ کر دینا چاہیے۔ (شامی: ۵/۲۰۹)[۱]

برتن کو صدقہ کرنے کے استحباب کے متعلق میری نظر سے کوئی جزئیہ نہیں گزرا ہے، آپ کتاب اور صفحہ کا حوالہ مجھے بھیج دیں، غور کر کے بتاؤں گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۹] گائے کی قربانی پر پابندی لگی ہو تو کیا حکم ہے؟

۱۹۰۰- سوال: اگر کوئی حکومت قانون بنا کر گائے کی قربانی بند کرا دے تو کیا یہ اسلام میں مداخلت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گائے کو ایک جماعت مقدس جانور سمجھ کر اس کے اجزاء کو موجب برکت سمجھتی ہے؛ جب کہ اسلام میں ماکول اللحم جانور سب برابر ہے؛ لہٰذا جس ملک میں ہم رہتے ہیں، گائے کے ذبیحہ کو علماء کرام نے شعار اسلام قرار دیا ہے، جیسا کہ مجموعۂ فتاوی عبدالحی صفحہ ۳۰۷، کتاب الاضحیہ والعقیقہ کے تحت مذکور ہے۔[۲] اور

---

[۱] (قوله ويتصدق بجلدها) وكذا بجلالها وقلائدها، فإنه يستحب إذا أوجب بقرة أن يجللها ويقلدها، وإذا ذبحها تصدق بذلك كما في التتارخانية. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/۳۲۸، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر)

ويستحب أن يربط الأضحية قبل أيام النحر بأيام، وأن يقلدها، ويجللها، وأن يسوقها إلى المنسك سوقا جميلا لا عنيفا، وأن لا يجر برجلها إلى المذبح، كذا في البدائع. وإذا ذبحها تصدق بجلالها وقلائدها، كذا في السراجية.

(الفتاوى الهندية: ۵/۳۰۰، كتاب الأضحية، الباب السادس في بيان ما يستحب في الأضحية والانتفاع بها، ط: دار الفكر)

(۲) آٹھ سوال پر مشتمل ایک استفتاء مجموعۃ الفتاوی میں موجود ہے، جس کا سوال نمبر ۶ مسئلہ بالا سے متعلق ہے، آپ سوال وجواب ملاحظہ فرمائیں:=

شعار اسلام کے خلاف کسی حکومت کا قانون بنانا' مداخلت فی الدین ہے؛ لہٰذا حتی الامکان مسلمان قانونی چارہ جوئی کرتے ہوئے اس طرح کا زہریلا قانون بننے سے روکنے کی کوشش کرے، اور اگر کسی جگہ قانون بن جائے، تو وہاں اس کو ختم کرنے کی سعی کرے، یہ مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے؛ لیکن مسلمان گائے کی قربانی کر کے فتنہ وفساد یا مالی نقصانات سے حتی الامکان پرہیز کرے اور جہاں بہ سہولت گائے ذبح کی جاسکتی ہو، وہاں گائے ذبح کرنے سے اجتناب نہ کرے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۰] انجکشن کے ذریعہ سوّر کے مادۂ منویہ سے پیدا شدہ گائے کے گوشت، دودھ اور اس کی قربانی کا حکم

۱۹۰۱- سوال: انجکشن کے ذریعہ کسی سوّر کے مادۂ منویہ کو گائے کے رحم میں پہنچایا جاتا ہے، پھر اُس سے بچھڑے یا گائے کا تولّد ہوتا ہے، تو ایسے بچھڑے یا گائے کے گوشت اور دودھ کا حکمِ شرعی کیا ہے؟ نیز ایسے جانور کی قربانی درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

= سوال ششم: اگر قربانی بقر نکند آیا فتورے بدین اسلام راہ می باید یا نہ، قربانی گاؤ یا استعمال لحمش از ارکان دین است و فرض و واجب یا چہ؟ ــــــــ جواب: بہ قربانی کردن گاؤ باعث فتورے نیست، لیکن بخیال عظمتش و عدم جوازش و حلتش اگر ترک قربانی آں خواہد کرد، البتہ در اسلام ...... فتورے خواہد شد۔ (مجموعۃ الفتاوی مع خلاصۃ الفتاویٰ-عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی (م: ۱۳۰۴ھ): ۴/۳۱۱، کتاب الاضحیہ، ط: اشرفیہ-دیوبند)

(۲) حضرت مفتی کفایت اللہ علیہ الرحمۃ ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں:

قربانی ایک بڑا اسلامی عمل ہے، اگر آج گائے کی قربانی بند کر دی جائے، تو بہت سے غریب مسلمان ایسے بھی ہیں، جو بالکل قربانی ہی نہ کرسکیں گے؛ کیوں کہ گائے کا ساتواں حصہ دو ڈیڑھ روپے میں حاصل ہوسکتا ہے، بخلاف بکرے بھیڑ کے، کہ اس میں چار پانچ روپے صرف کرنے پڑتے ہیں، پھر ان کے اس امر شرعی کو ادا نہ کرسکنے کا عذاب کس کی گردن پر ہوگا اس میں شک نہیں کہ بالخصوص گائے کی قربانی کرنا کوئی فرض واجب نہیں ہے؛ لیکن اس موقع پر جب کہ ہندو تعصباً گائے کی قربانی سے مانع ہوں، ان کے اس کہنے کو نہ ماننا اور گائے کی قربانی کرتے رہنا واجب ہے، نہ اس وجہ سے کہ گائے کی قربانی واجب ہے؛ بل کہ اس وجہ سے کہ ہندوؤں کے کہنے سے کسی مباح شرعی کو چھوڑ دینا ناجائز ہے، جب کہ اس کے ترک میں ہتک اسلام بھی ہوتی ہو، جو لوگ کہ ہندوؤں کے ساتھ ان کے اس قسم کے مشورے میں شریک ہوں، وہ گناہ گار ہوں گے ان لوگوں کو توبہ کرنا چاہیے اور اپنے اس خیال سے باز آنا چاہیے، ان لوگوں کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی، کسی جگہ اور خصوصاً مکہ معظمہ میں اس قسم کے قانون جاری ہونے کا ہمیں علم نہیں ہوا اور اگر جاری بھی ہوا ہے، تاہم خلاف شرع ہونے کی وجہ سے ناقابل حجت ہے۔ واللہ اعلم۔ (کفایت المفتی: ۸/۱۸۸-۱۸۹، کتاب الاضحیۃ والذبیحۃ، مسلمانوں کا ہندوؤں کے ساتھ ملکر گائے کی قربانی رکوانا صحیح نہیں، ط: زکریا-دیوبند)

الجواب حامداومصلیا:

ایسی گائے اور بچھڑے کا گوشت اور دودھ استعمال کرنا جائز ہے، اُس کی قربانی بھی جائز ہے، کسی بھی جانور کے حرام یا حلال ہونے میں مادہ کا اعتبار ہوتا ہے، اگر مادہ حلال ہے تو اُس سے پیدا ہونے والا بچہ بھی حلال ہے، فقہاءِ کرام نے لکھا ہے کہ اگر کسی وحشی بھیڑیے نے بکری کے ساتھ جفتی کی، جس کے نتیجے میں بکری کو بچہ پیدا ہوا، تو اُس کی قربانی جائز ہے، اِسی طرح اگر کتے نے بکری کے ساتھ جفتی کی اور اُس سے بچہ پیدا ہوا اور بچہ کا سر کتے جیسا ہے؛ لیکن وہ گھاس اور چارہ کھاتا ہے، تو اُس کے سر کے علاوہ دیگر حصوں کا گوشت کھانا جائز ہے، لیکن اُس کی قربانی درست نہیں ہے، اِس لیے کہ قربانی میں ایسا جانور ہونا ضروری ہے جس کا کھایا جانے والا ہر عضو صحیح سالم ہو اور اُس میں کوئی عیب نہ ہو۔ (۱)

سوال میں ذکر کردہ گائے اور بچھڑا شکل وصورت میں مکمل گائے جیسے ہی معلوم ہوتے ہیں، البتہ صرف آواز میں فرق ہوتا ہے، لہٰذا اُن کے گوشت اور دودھ کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۱] جانور کو ذبح کرنے کے بعد، جلد ٹھنڈا کرنے کے لیے سینہ میں چھری چلانا

۱۹۰۲-سوال: جانور کو ذبح کرنے کے بعد اُسے جلد ٹھنڈا کرنے کے لیے بہت سے لوگ سینہ کی

---

(۱) وفي المتولد منهما تعتبر الأم، وكذا في حق الحل تعتبر الأم. (تبيين الحقائق) ــــ قال الشلبي: (قوله: وفي المتولد منهما تعتبر الأم) قال الأتقاني قال في خلاصة الفتاوى، ولو نزا كلب على شاة فولدت قال عامة المشايخ: لا يجوز، وقال الإمام الخيزاخزي: إن كان يشبه الأم يجوز، ولو نزا شاة على ظبي قال الإمام الخيزاخزي: إن كان يشبه الأب يجوز، ولو نزا ظبي على شاة، قال عامة المشايخ: يجوز، وقال الإمام الخيزاخزي: العبرة للمشابهة كذا في الخلاصة. اهـ. وكتب ما نصه فإن كانت أهلية يجوز، وإلا فلا حتى لو أن بقرة أهلية نزا عليها ثور وحش فولدت ولدا فإنه يجوز أن يضحي به، وإن كانت البقرة وحشية والثور أهليا لم يجز؛ لأن الأصل في المتولد الأم؛ لأنه ينفصل عن الأم، وهو حيوان متقوم تتعلق به الأحكام، وليس ينفصل من الأب إلا ماء مهينا لا خطر له، ولا يتعلق به حكم، وقيل إذا نزا ظبي على شاة أهلية فأولدت شاة يجوز التضحية بها، وإن ولدت ظبيا لا يجوز، وقيل إن ولدت الرمكة من حمار وحش حمارا لا يؤكل، وإن ولدت فرسا فحكمه حكم الفرس. اهـ بدائع. (حاشية الشلبي مع تبيين الحقائق: ۷/۶، كتاب الأضحية، مما تكون الأضحية، ط: المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة ★ الفتاوى الهندية: ۲۹۷/۵، كتاب الأضحية، الباب الخامس، ط: دار الفكر - بيروت)

جانب سے کچھ کھال اُتار کر [سینہ میں] چھری چلاتے ہیں، جس سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے اور وہ حرکت میں آجاتا ہے، تو ذبح کرنے کے بعد اِس طرح کرنا کہ جس سے جانور کو تکلیف ہوتی ہو جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس سے قربانی پر کوئی فرق پڑے گا؟

الجواب حامداً ومصلیا:

جانور کو ذبح کرنے کے بعد کوئی ایسا عمل نہ کرنا چاہیے، جس سے اُس کو مزید تکلیف ہوتی ہو، ذبح کرنے کے بعد روح قبض ہونے سے پہلے جس طرح بدن کے دیگر حصوں سے کھال اُتارنا مکروہ ہے، اِسی طرح روح قبض ہونے سے پہلے سینہ کی جانب سے بھی کھال نکالنا مکروہ ہے، لیکن اگر ایسا کیا گیا، تو جانور کی حلت یا قربانی کی ادائیگی میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوگا۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۲] جس جانور سے فائدہ حاصل کیا گیا ہو، اس کی قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۱۹۰۳- سوال: محترم مفتی صاحب! آپ کا بھیجا ہوا ہدیہ مل گیا، جزاکم اللہ تعالیٰ، آپ کی دعا سے گھر میں سب کی طبیعت اچھی ہے، اور سب سلام کہہ رہے ہیں!

آپ سے ایک سوال پوچھنا ہے، یہاں ایک آدمی کے پاس گائے ہے، اور اس سے دو تین مرتبہ ولادت کے بعد کا دودھ دوہا ہے، اب وہ اس جانور کی قربانی کرنا چاہتا ہے، تو فائدہ اٹھائی ہوئی گائے کی قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

قربانی کے جواز کی شرائط اگر گائے میں موجود ہیں، آنکھ، کان، زبان وغیرہ اعضاء اس کے صحیح سالم ہیں، اس میں کوئی عیب نہیں ہے، تو اس گائے کی قربانی کرنا بلا کراہت جائز ہے، پہلے اگر دودھ نکالا ہے، تو اس سے قربانی میں کوئی حرج نہ ہوگا۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ويكره له بعد الذبح قبل أن تبرد أن ينخعها أيضا وهو أن ينحرها حتى يبلغ النخاع وأن يسلخها قبل أن تبرد؛ لأن فيه زيادة إيلام لا حاجة إليها، فإن نخع أو سلخ قبل أن تبرد فلا بأس بأكلها لوجود الذبح بشرائطه. (بدائع الصنائع: ۶۰/۵، كتاب الذبائح والصيود، قبيل: فصل في بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۲۸۷/۵، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركن الذبح وشرائطه وحكمه وأنواعه، ط: دار الفكر)

(۲) (وأما صفته): فهو أن يكون سليما من العيوب الفاحشة، كذا في البدائع. (الفتاوى الهندية: ۲۹۷/۵، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب، ط: دار الفكر)

[۳۳]۱-اگر قربانی کا جانور حاملہ نکلے تو؟

[۳۴]۲-قربانی میں عقیقہ کا حصہ رکھ سکتے ہیں؟

۱۹۰۴-سوال: ایک آدمی نے قربانی کے لیے گائے رکھی، اس کو معلوم نہیں تھا کہ گائے حاملہ ہے، جب قربانی کی تو اس کو ذبح کرنے پر اس میں سے مردہ بچہ نکلا، تو اس نے گائے کی قربانی کے بعد مردہ بچے کی بھی قربانی کی تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۲) قربانی کے جانور میں عقیقہ کا حصہ رکھا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصليا:

گائے، بکری، اونٹنی اور بھینس وغیرہ کو ذبح کرنے پر اس میں سے اگر مردہ بچہ نکلے، تو امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق اس کا کھانا حرام ہے، اگر زندہ نکلے، تو اس کو ذبح کر کے کھانا جائز ہے؛ اس لیے مذکورہ مردہ بچے کو ذبح کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، اس بچے کا کھانا حرام ہے، البتہ گائے کی قربانی صحیح ہو جائے گی، کیوں کہ قربانی کرنے والے کو اس کا گابھن (حاملہ) ہونا معلوم ہی نہ تھا۔ (مجمع الانہر: ۲/ ۵۱۲)[1]

---

[1] (ولا يحل الجنين بذكوة أمه أشعر أو لا) حتى لو نحر ناقة أو ذبح بقرة أو شاة فخرج من بطنها جنين ميت لم تؤكل عند الإمام وزفر وحسن بن زياد؛ لأنه مستقل في حياته فيشترط فيه ذكوة استقلالية (وقالا يحل إن تم خلقه) لقوله-عليه الصلاة والسلام- ذكاة الجنين ذكاة أمه، وبه قالت الأئمة الثلاثة. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م:١٠٧٨هـ):٢/ ٥١٢، كتاب الذبائح، قبيل: فصل فيما يحل أكله وما لا يحل، ط: دار إحياء التراث العربي)

قال: "ومن نحر ناقة أو ذبح بقرة فوجد في بطنها جنينا ميتا لم يؤكل أشعر أو لم يشعر" وهذا عند أبي حنيفة. (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م:٥٩٣هـ): ٤/ ٣٥١، كتاب الذبائح، قبيل: فصل: فيما يحل أكله وما لا يحل، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي-بيروت)

نوٹ: اگر کسی جانور کا گابھن ہونا پہلے سے معلوم ہو، تو اس کی قربانی مکروہ ہوگی:

شاة أو بقرة أشرفت على الولادة قالوا يكره ذبحها؛ لأن فيه تضييع الولد، وهذا قول أبي حنيفة- رحمه الله تعالى - لأن عنده الجنين لا يتذكى بذكاة الأم، كذا في فتاوى قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ٥/ ٢٨٧، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركن الذبح وشرائطه وحكمه وأنواعه، ط: دار الفكر)

(۲) قربانی کے جانور میں ۱-۲-۳، جتنے حصے عقیقہ کے رکھنا چاہیں، رکھ سکتے ہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیمات غفرلہ

[۳۵] قربانی کا جانور بدلنا

۱۹۰۵- سوال: میں نے قربانی کے لیے ایک گائے خریدی، عید سے چار دن پہلے مجھے خیال آیا کہ اس گائے سے فتنہ اور جھگڑا ہوگا؛ اس لیے کہ ہمارے علاقہ میں گائے کی قربانی ہی نہیں کی جاتی اور اگر کی جاتی ہے تو بہت چھپ چھپا کر ذبح کرنا ہوتا ہے، تو میں نے اس کے بدلے میں بھینسا کی قربانی کی، تو قربانی ادا ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

مالدار آدمی قربانی کا جانور خریدنے کے بعد بھی بدل سکتا ہے؛ اس لیے مذکورہ صورت میں قربانی صحیح ہوگی؛ لیکن گائے کے بیچنے کے بعد اتنی رقم آئی کہ بھینسا خریدا جا سکے یا کم آئی تو کوئی حرج نہیں، ہاں اگر بھینسے کی قیمت سے زیادہ آئی، تو اس [زیادتی] کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۶] قربانی کے لیے متعین جانور کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرنا

۱۹۰۶- سوال: عمر نے قربانی کے لیے ایک بڑا جانور خرید کر زید کو دیا، تاکہ وہ قربانی کر کے

(۱) وشمل ما لو كانت القربة واجبة على الكل أو البعض، اتفقت جهاتها أو لا: كأضحية وإحصار وجزاء صيد وحلق ومتعة وقران...؛ لأن المقصود من الكل القربة، وكذا لو أراد بعضهم العقيقة عن ولد قد ولد له من قبل؛ لأن ذلك جهة التقرب بالشكر على نعمة الولد، ذكره محمد. (ردالمحتار على الدر المختار: ۶/ ۳۲۶، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) رجل اشترى شاة للأضحية وأوجبها بلسانه، ثم اشترى أخرى جاز له بيع الأولى في قول أبي حنيفة ومحمد - رحمهما الله تعالى -، وإن كانت الثانية شرا من الأولى، وذبح الثانية، فإنه يتصدق بفضل ما بين القيمتين؛ لأنه لما أوجب الأولى بلسانه فقد جعل مقدار مالية الأولى لله تعالى، فلا يكون له أن يستفضل لنفسه شيئا، ولهذا يلزمه التصدق بالفضل قال بعض مشايخنا: هذا إذا كان الرجل فقيرا، فإن كان غنيا فليس عليه أن يتصدق بفضل القيمة، قال الإمام شمس الأئمة السرخسي: الصحيح أن الجواب فيهما على السواء، يلزمه التصدق بالفضل غنيا كان أو فقيرا؛ لأن الأضحية وإن كانت واجبة على الغني في الذمة، فإنما يتعين المحل بتعيينه، فتعين هذا المحل بقدر المالية؛ لأن التعيين يفيد في ذلك. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۲۹۴، كتاب الأضحية، الباب الثاني في وجوب الأضحية بالنذر وما هو في معناه، ط: دار الفكر)

گاؤں والوں میں تقسیم کردے، اب ہوا یوں کہ کچھ دنوں بعد [عید قرباں کے بعد] عمر کا زید کے گاؤں جانا ہوا، تو اس نے زید کو دیا ہوا اپنا قربانی کا جانور زید کے آنگن میں بندھا ہوا دیکھا، اسے حیرت ہوئی، اس نے پوچھا کہ یہ جانور ابھی تک یہاں کیوں ہے؟ تو زید نے جواب دیا کہ آپ کا جانور میرے لڑکے کو پسند آگیا، تو ہم نے یہ جانور رکھ لیا اور اس کی جگہ دوسرے جانور کی قربانی کر دی، تو کیا اس طرح کی گئی قربانی درست ہے؟ اور صاحب قربانی (عمر) سے قربانی کا ذمہ ساقط ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی درست نہیں ہوئی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) کیوں کہ زید کو، مؤکل [عمر] نے اپنے جانور کی قربانی کرنے کا وکیل بنایا تھا، اور اس نے مؤکل کے جانور کے علاوہ، دوسرے جانور کی قربانی کی، جب کہ اس کی اجازت اس نے مؤکل سے حاصل نہیں، تو یہ ایسا ہی ہوگیا، گویا کہ وکیل نے مؤکل کی جانب سے بلا اجازت کسی جانور کی قربانی کی، اور مسئلہ ہے کہ صاحب قربانی کی اجازت کے بغیر کوئی قربانی کرے، تو ادا نہیں ہوگی:

ذكر في فتاوى أبي الليث - رحمه الله تعالى - إذا ضحى بشاة نفسه عن غيره بأمر ذلك الغير أو بغير أمره لا تجوز؛ لأنه لا يمكن تجويز التضحية عن الغير إلا بإثبات الملك لذلك الغير في الشاة، ولن يثبت الملك له في الشاة إلا بالقبض، ولم يوجد قبض الآمر ههنا لا بنفسه ولا بنائبه، كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۳۰۲/۵، كتاب الأضحية، الباب السابع في التضحية عن الغير وفي التضحية بشاة الغير عن نفسه، ط: دار الفكر - بيروت)

عن جابر -رضي الله عنه-، قال: قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم-: لاتذبحوا إلا مسنة، إلا أن يعسر عليكم، فتذبحوا جذعة من الضأن.

(الصحيح لمسلم: ۲/ ۱۵۵، رقم الحديث: ۱۳-(۱۹۶۳)، كتاب الأضاحي، باب سن الأضحية، ط: ديوبند)

باب سن الأضحية

[قربانی کے جانور کی عمر کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب سن الأضحية

[قربانی کے جانور کی عمر کا بیان]

[۱] قربانی کے جانور کی عمر اور علامتی دانت

۱۹۰۷- سوال: ایک غیر مسلم کے پاس سے ہم نے قربانی کا بکرا خریدا، گھر لانے کے بعد کچھ لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ یہ بکرا سال بھر کا نہیں ہے؛ کیوں کہ اس کے علامتی دانت نہیں نکلے ہیں؛ جب کہ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ بہت سے بکروں کے یہ دانت سوا سال کے بعد بھی نکلتے ہیں، اور جس غیر مسلم مالک سے ہم نے یہ بکرا خریدا ہے، اس نے ہمیں سال سے اوپر کا بتلایا ہے اور دیکھنے میں بھی جسامت کے اعتبار سے یہ بکرا سال بھر کا معلوم ہوتا ہے، تو اس سلسلہ میں شرعاً کیا حکم ہے؟ اس بکرے کی قربانی جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قربانی کے جانور کے متعلق حدیث شریف میں دو لفظ آئے ہیں: "ثني"[1] جس کا معنی ہے: 'دانت

(۱) عن عاصم بن كليب، عن أبيه قال: كنا في سفر فحضر الأضحى، فجعل الرجل منا يشتري المسنة بالجذعتين والثلاثة، فقال لنا رجل، من مزينة: كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر، فحضر هذا اليوم، فجعل الرجل يطلب المسنة بالجذعتين والثلاثة، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الجذع يوفي مما يوفي منه الثني".
(المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي - أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳ھ): ۷/۲۱۹، رقم الحديث: ۴۳۸۳، كتاب الضحايا، المسنة والجذعة، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب) =

والا ہونا' کیوں کہ جانور کے نیچے کے دانت دیکھے جاتے ہیں، اور دوسرا لفظ ہے: ''مسنۃ''[۲] جس کا معنی دانت والا اور عمر والا دونوں ہوتا ہے۔

لہٰذا بکرا ایک سال کا، گائے، بھینس ۲ ر سال کی اور اونٹ کم از کم ۴ ر سال کا اور ایک روایت کے مطابق ۵ ر سال کا ہونا ضروری ہے؛ لیکن دنبہ ۷-۸ مہینہ کا ہو، اور سال بھر کا معلوم ہوتا ہو، تو اس کی قربانی جائز ہے، باقی جانوروں میں ایک دن بھی کم ہو، تو قربانی جائز نہیں، مذکور عمر کا مکمل ہونا ضروری ہے اور اس سے

(و) الثنية: (الناقة الطاعنة في السادسة.ـــــ (والبعير ثني) . . . . (و) الثنية: (الفرس الداخلة في الرابعة، والشاة في الثالثة، كالبقرة) .ــــــ وفي الصحاح: الثني الذي يلقي} ثنيته، ويكون ذلك في الظلف والحافر في السنة الثالثة، وفي الخف في السنة السادسة.ـــــــ وفي المحكم: الثني من الإبل الذي يلقي ثنيته وذلك في السادسة، ومن الغنم الداخل في السنة الثانية تيسا كان أو كبشا.ـــــــ وفي التهذيب: البعير إذا استكمل الخامسة وطعن في السادسة فهو {ثني، وهو أدنى مايجوز من سن الإبل في الأضاحي، وكذلك من البقر والمعزى، فأما الضأن فيجوز منها الجذع في الأضاحي، وإنما سمي البعير} ثنيا لأنه ألقى ثنيته.ـــــــ قال ابن الأعرابي: ليس قبل الثني اسم يسمى ولا بعد البازل اسم يسمى.ـــــــ وقيل: كل ما سقطت ثنيته من غير الإنسان ثني، والظبي ثني بعد الإجذاع.ـــــــ وقال ابن الأثير: الثنية من الغنم ما دخل في الثالثة، ومن البقر كذلك، ومن الإبل في السادسة، والذكر ثني، وعلى مذهب أحمد ما دخل من المعز في الثانية، ومن البقر في الثالثة. "ــــــ وقال ابن الأعرابي: في الفرس إذا استتم الثالثة ودخل في الرابعة ثني. (تاج العروس من جواهر القاموس- محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني، أبو الفيض، الملقب بمرتضى، الزَّبيدي (م: ۱۲۰۵هـ): ۳۷/ ۲۹۷، (فصل الثاء) المثلثة مع الواو والياء، ثني، ت: مجموعة من المحققين، ط: دار الهداية☆لسان العرب- محمد بن مكرم بن على، أبو الفضل، جمال الدين ابن منظور الأنصاري الرويفعى الإفريقى (م: ۷۱۱هـ): ۱۴/ ۱۲۳، فصل الثاء المثلثة، ط: دار صادر- بيروت)

(۲) عن جابر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تذبحوا إلا مسنة، إلا أن يعسر عليكم، فتذبحوا جذعة من الضأن. (الصحيح لمسلم: ۲/ ۱۵۵، رقم الحديث: ۱۳- (۱۹۶۳)، كتاب الأضاحي، باب سن الأضحية، ط: ديوبند)

والبقرة والشاة يقع عليهما اسم {المسن، إذا أثنيا، فإذا سقطت ثنيتهما بعد طلوعها فقد أسنت، وليس معنى} إسنانها كبرها كالرجل، ولكن معناه طلوع ثنيتها، وتثني البقرة في السنة الثالثة، وكذلك المعزى تثني في الثالثة، ثم تكون رباعية في الثالثة، ثم سدسا في الخامسة، ثم سالغا في السادسة، وكذلك البقر في جميع ذلك.

وقال الأزهري: وأدنى الأسنان: الإثناء، وهو أن تنبت ثنيتاها، وأقصاها في الإبل: البزول، وفي البقر والغنم السلوغ. (تاج العروس من جواهر القاموس- محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني، أبو الفيض، الملقّب بمرتضى، الزَّبيدي (م: ۱۲۰۵هـ): ۳۵/ ۲۳۴، سنن، ت: مجموعة من المحققين، ط: دار الهداية☆المصباح المنير في غريب الشرح الكبير- أحمد بن محمد بن علي الفيومي ثم الحموي، أبو العباس (م: نحو ۷۷۰هـ): ۱/ ۲۹۱، مادة: س ن ي، ط: المكتبة العلمية- بيروت)

زیادہ عمر ہو، تو بہتر ہے۔ (بدائع الصنائع: ۷۱/۵☆شامی: ۲۸۱/۵)[۳]

البتہ قدرت خداوندی یہ ہے کہ بعض جانوروں کی عمر پوری ہو جانے کے باوجود بھی دانت نہیں نکلتے ہیں، پس عمر کی تعیین میں دانت کا ہونا ضروری نہیں، اگر آپ کو جانور کی عمر کے متعلق علم ویقین ہو یا کوئی دین دار مسلمان اس کے متعلق خبر دے، تو بنا دانت والے جانور کی بھی قربانی جائز ہے۔[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیمات غفرلہ

---

[۳](وأما) معاني هذه الأسماء فقد ذكر القدوري - رحمه الله - أن الفقهاء قالوا: الجذع من الغنم ابن ستة أشهر والثني منه ابن سنة، والجذع من البقر ابن سنة والثني ابن سنتين، والجذع من الإبل ابن أربع سنين والثني منها ابن خمس، وذكر القاضي في شرحه مختصر الطحاوي في الثني من الإبل ما تم له أربع سنين وطعن في الخامسة، وذكر الزعفراني في الأضاحي: الجذع ابن ثمانية أشهر أو تسعة أشهر، والثني من الشاة والمعز ما تم له حول وطعن في السنة الثانية، ومن البقر ما تم له حولان وطعن في السنة الثالثة، ومن الإبل ما تم له خمس سنين وطعن في السنة السادسة، وتقدير هذه الأسنان بما قلنا لمنع النقصان لا لمنع الزيادة؛ حتى لو ضحى بأقل من ذلك سنا لا يجوز ولو ضحى بأكثر من ذلك سنا يجوز ويكون أفضل. (بدائع الصنائع: ۷۰/۵، كتاب التضحية، فصل في محل إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية-بيروت☆رد المحتار على الدر المختار: ۳۲۲/۶، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر-بيروت)

(۴)قال: "ويقبل في المعاملات قول الفاسق، ولا يقبل في الديانات إلا قول العدل". ووجه الفرق أن المعاملات يكثر وجودها فيما بين أجناس الناس، فلو شرطنا شرطا زائدا يؤدي إلى الحرج فيقبل قول الواحد فيها عدلا كان أو فاسقا كافرا أو مسلما عبدا أو حرا ذكرا أو أنثى دفعا للحرج. أما الديانات فلا يكثر وقوعها حسب وقوع المعاملات فجاز أن يشترط فيها زيادة شرط، فلا يقبل فيها إلا قول المسلم العدل؛ لأن الفاسق متهم والكافر لا يلتزم الحكم فليس له أن يلزم المسلم، بخلاف المعاملات؛ لأن الكافر لا يمكنه المقام في ديارنا إلا بالمعاملة. ولا يتهيأ له المعاملة إلا بعد قبول قوله فيها فكان فيه ضرورة، ولا يقبل فيها قول المستور في ظاهر الرواية. وعن أبي حنيفة أنه يقبل قوله فيها جريا على مذهبه أنه يجوز القضاء به، وفي ظاهر الرواية هو والفاسق فيه سواء حتى يعتبر فيهما أكبر الرأي.______قال: "ويقبل فيها قول العبد والحر والأمة إذا كانوا عدولا"؛ لأن عند العدالة الصدق راجح والقبول لرجحانه. فمن المعاملات ما ذكرناه، ومنها التوكيل. ومن الديانات الإخبار بنجاسة الماء حتى إذا أخبره مسلم مرضي لم يتوضأ به ويتيمم. (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۳۶۴/۴-۳۶۵، كتاب الكراهية، فصل: في الأكل والشرب، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي-بيروت☆المحيط البرهاني في الفقه النعماني-أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م: ۶۱۶هـ): ۲۹۳/۵، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل الأول في العمل بخبر الواحد، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

[۲] بغیر دانت والے جانور کی قربانی

۱۹۰۸- سوال: ایک جانور ایسا ہے، جس کی عمر تقریباً ڈھائی سال ہے، لیکن اسے دانت نہیں ہیں، کیا اس کی قربانی جائز ہے؟

نوٹ: بہشتی ثمر کے دوسرے حصے میں یہ مسئلہ ہے کہ جس جانور کے دانت نہ ہوں، اس کی قربانی جائز نہیں ہے اور اگر دانت تو نکلے ہوں؛ لیکن بعد میں گر گئے ہوں، اور جتنے گرے ہوں، اس سے زائد باقی ہوں، تو جائز ہے، ورنہ جائز نہیں ہے۔[۱] سوال یہ ہے کہ کیا اس مسئلے سے استدلال درست ہے، یا یہ مسئلہ بڑی عمر کے جانوروں کے لیے ہے؟ جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیا:

دانتوں کے ذریعے جانوروں کے عمر کی پہچان ہوتی ہے، دو دانت والا بکرا، بکری یا مینڈھا ایک سال سے کم کا، اسی طرح گائے وبھینس دو سال سے کم کی نہیں ہوتی۔ ہاں ایسا ہوسکتا ہے کہ بکرا بکری سال بھر کا ہوجائے یا گائے وبھینس دو سال کی ہوجائے اور اسے دانت نہ نکلے ہوں۔

چوں کہ قربانی درست ہونے کے لیے جانوروں کے مقررہ عمر کا پورا ہونا ضروری ہے، اس لیے دانتوں کو عمر مکمل ہونے کے لیے بہ طور علامت قرار دیا گیا ہے، اگر کسی جانور کے بارے میں متعینہ عمر کے پورا ہونے کا یقینی علم ہو، اور اس کے دانت نہ نکلے ہوں، تو اس کی قربانی میں کوئی حرج نہیں ہے۔[۲]

(۱) جس جانور کے بالکل دانت نہ ہوں، اس کی قربانی درست نہیں اور اگر کچھ دانت گر گئے؛ لیکن جتنے گرے ہیں، اس سے زیادہ باقی ہیں، تو اس کی قربانی درست ہے۔ (بہشتی ثمر-مولانا عیسیٰ صاحب: ۲/۴۹، ط: امدادیہ-دیوبند)

(۲) اس سلسلے میں ایک تفصیلی سوال اور جواب ''کفایت المفتی'' میں منقول ہے، ملاحظہ فرمائیں:

(سوال) قربانی کے جانوروں کی عمر، جن کا ادنیٰ درجہ دو دانت والا ہے، ان سے شمار ہوگی یا کہ سالوں سے، اگر سالوں سے شمار کی جائے تو سوالات مندرجہ ذیل کا کیا جواب ہوگا۔

(۱) کسی صحیح حدیث میں جانوروں کی عمر سنین سے بیان نہیں کی گئی ہے؛ بل کہ احادیث میں لفظ ثنایا' مسنہ وارد ہے، ثنایا کے معنی باتفاق لغت ''دو دانت'' کے ہیں؛ کیوں کہ قربانی کے جانوروں کے نچلے دانت شمار کیے جاتے ہیں اور مسنہ ماخوذ از سن ہے اور کتب لغت میں اس کے دو معنی مذکور ہیں، دانت اور سال؛ لیکن حدیث: لاتذبحوا الا مسنة (صحیح مسلم شریف، کتاب الاضاحی، باب من الاضحیة: ۲/۱۵۵، ط: قدیمی) دانت والا معنی متعین ہیں؛ کیوں کہ حدیث مسلم شریف میں ضحوا بالثنایا. (صحیح مسلم شریف، کتاب الاضاحی، باب من الاضحیة، ۲/۱۵۵، ط: قدیمی) موجود ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ تم دو دانت والے جانور کی قربانی کرو اور قربانی کے جانور کی یہ عمر کم=

=ازکم ہے اگر اس سے زائد ہو تو افضل ہے۔

دوسری دلیل اشعة اللمعات باب الاضحیہ میں شاہ صاحب تحت حدیث لاتذبحوا الامسنة وجہ تسمیہ مسنہ آنست کہ وی می انداز دو دندان پیش را کہ آں را ثنایا گویند دریں عمر" عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ فقہائے کرام نے جو عمر قربانی کے جانوروں کی بیان کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جانور اس عمر میں دو دانت والے ہو جاتے ہیں، مثلاً گائے کی عمر فقہائے کرام بیان فرماتے ہیں کہ تیسرے سال میں اس کا پاؤں ہو، تو جب گائے کا پاؤں تیسرے سال میں ہوگا، تو اس میں دو دانت والی ہو جاتی ہے، کوئی چند دن پہلے اور کوئی چند دن پیچھے؛ کیوں کہ خلقت خدا کے اوپر کسی کو احاطہ نہیں ہے۔ علاوہ ازیں عبارت مذکورہ سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ مسنہ کے مصداق وہ جانور ہیں، جنہوں نے دو دانت اگلے ڈال دیئے ہوں، تو جس جانور نے دو دانت ڈال دیئے ہوں، جب وہ ثنایا کا مصداق نہیں ہوتا، تو اس کی قربانی بھی جائز نہیں؛ کیوں کہ قربانی کے لیے کم ازکم ثنایا ضرور چاہیے: **كما قال النبي صلى الله عليه وسلم: ضحوا بالثنايا. رواه مسلم.** (اشعة اللمعات، باب الاضحیہ، ۱/۶۰۸، ط: وکٹوریہ، سکھر)

(۲) قربانی کے جانور کا ثنایا ہونا، یہ فقہائے کرام کے خلاف بھی نہیں، کیوں کہ مثلاً گائے تیسرے سال میں دو دانتی ہو جاتی ہے، خواہ جس دن ہو، اگر خلاف ہے تو کس دلیل سے ہے؟

(۳) اگر دو گائیں ایک شخص کے پاس موجود ہیں، قد و جسم کے لحاظ سے برابر ہیں، ایک دو دانتی ہے اور دوسری کے بھی دو سال مکمل گزر گئے، لیکن ابھی تک دو دانتی نہیں ہوئی، اب خریدنے والے کو دونوں کی عمر کا صحیح علم نہیں ہے، وہ کون سی گائے قربانی کے لیے خرید سکتا ہے اگر دونوں خرید سکتا ہے تو کس دلیل سے؟

(۴) جب احادیث صحیحہ سے ثابت ہو گیا کہ قربانی کے لی جانور کا دو دانت والا ہونا ضروری ہے تو اب اگر فقہائے کرام کی عبارت کا مصداق یہ لیا جائے کہ اگر مثلاً گائے پر دو سال گزر گئے ہیں، خواہ وہ دانت نہ ڈالے اس کی قربانی جائز ہے، تو یہ خلاف حدیث ہوگا اگر نہیں تو کس دلیل سے؟

(۵) کیا ثنایا ثنی کی جمع ہے؟ اگر جمع ہے تو اس کا معنی لغوی ثنایا کے معنی لغوی کے خلاف ہے۔

(۶) سن اپنے معنی دانت اور سال میں مشترک ہے یا حقیقت مجاز؟

(۷) کسی حدیث صحیح یا قول فقیہ مفتی بہ سے ثابت کریں کہ قربانی کے لیے اگر جانور ثنایا نہ ہو، تب بھی اس کی قربانی جائز ہے بغیر جذع من الضان کے۔ [المستفتی نمبر ۲۸۱۰ حکیم مولوی محمد شریف ضلع گوجرانوالہ ۸ ذیقعدہ ۱۳۷۱ھ ۳۱ جولائی ۱۹۵۲ء]

(جواب) قربانی کے لیے جانوروں کی عمریں متعین ہیں، بکری بکرا ایک سال کا ہو، اور گائے دو سال کی۔ چوں کہ اکثری حالات میں جانوروں کی صحیح عمر معلوم نہیں ہوتی؛ اس لیے ان کے دانتوں کو عمر معلوم کرنے کا اور اس پر عمل کرنے کا احتیاطاً حکم دیا گیا ہے۔ دانتوں کی علامت ایسی ہے کہ اس میں کم عمر کا جانور نہیں آسکتا، ہاں زیادہ عمر کا جانور آجائے تو ممکن ہے، اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ پس اگر کسی شخص کے گھر بکرا ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کو پیدا ہوا اور اسی کے گھر پرورش پاتا رہا، تو آئندہ ذی الحجہ کی دس تاریخ کو وہ ایک سال نو دن کا ہوگا، اب اگر اس کے پکے دانت نہ نکلے ہوں، تب بھی وہ اس کی قربانی کرسکتا ہے؛ کیوں کہ اس کی عمر یقیناً=

چوں کہ آپ کا جانور ڈھائی سال کا ہے، اس لیے اس کی قربانی کے جواز میں شبہ نہ کریں۔

بغیر دانت کے جانور کے متعلق (عالمگیری جلد ۵ صفحہ ۱۱۴، بدائع الصنائع جلد ۵ صفحہ ۷۵) میں لکھا ہے کہ جانور کے دانت نہ ہو؛ لیکن وہ چارہ چرتا ہو، تو اس کی قربانی جائز ہے، عالمگیری میں اس کو اصح کہا گیا ہے۔(۳)

رہ گئی بات بہشتی ثمر کی، تو اس مسئلے کے دو جزء ہیں، پہلے جزء میں یہ بات کہی گئی ہے کہ اگر کسی جانور کے دانت نہ نکلے ہوں، تو اس کی قربانی درست نہیں ہے، کیوں کہ شریعت کی طرف سے متعینہ عمر کی تکمیل نہیں ہوئی ہے۔ اور دوسرے جزء میں یہ بات کہی گئی ہے کہ اگر کسی جانور کے دانت تو نکلے ہوں، لیکن درازیٔ عمر کی وجہ سے گر گئے ہوں، تو دیکھا جائے کہ گرنے والے دانت کم ہیں یا زیادہ، اگر کم ہیں، تو اس کی قربانی درست ہوگی، ورنہ نہیں۔ یہ مسئلہ عالم گیری میں ذکر کیے گئے اصح قول کے برخلاف ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

= ایک سال کی پوری ہو کر آٹھ نوروز زائد کی ہو چکی ہے؛ لیکن وہ یہ حکم نہیں دے سکتا کہ بے دانت کا ہر بکرا قربانی کیا جاسکتا ہے، خواہ اس کی عمر کا یکسالہ ہونے کا یقین ہو یا نہ ہو، بس میرے خیال میں یہ بات صحیح ہے مسنّہ کے معنی دانت والے اور سال بھر والے دونوں ہو سکتے ہیں۔ لیکن سال بھر کا ہونا کسی بکرے کا جس کی تاریخ پیدائش معلوم نہ ہو یا مشتبہ ہو بغیر دو دانتوں کے معلوم نہیں ہوسکتا، اس لیے عام حکم یہی دینا مناسب تھا اور وہی دیا گیا۔ واللہ اعلم محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ دہلی۔ (کفایت المفتی-مفتی کفایت اللہ (م:۱۳۷۲ھ): ۲۱۶/۸-۲۱۷، کتاب الاضحیۃ والذبیحۃ، فصل دہم: قربانی کے جانوروں کی عمر، ط: زکریا-دیوبند)

عن جابر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تذبحوا إلا مسنة، إلا أن يعسر عليكم، فتذبحوا جذعة من الضأن. (الصحيح لمسلم: ۱۵۵/۲، رقم الحديث: ۱۳-(۱۹۶۳)، كتاب الأضاحي، باب سن الأضحية، ط: ديوبند)

والبقرة والشاة يقع عليهما اسم {المسن، إذا أثنيا، فإذا سقطت ثنيتهما بعد طلوعها فقد أسنت، وليس معنى} إسنانها كبرها كالرجل، ولكن معناه طلوع ثنيتها، وتثني البقرة في السنة الثالثة، وكذلك المعزى تثني في الثالثة، ثم تكون رباعية في الثالثة، ثم سدسا في الخامسة، ثم سالغا في السادسة، وكذلك البقر في جميع ذلك.

وقال الأزهري: وأدنى الأسنان: الإثناء، وهو أن تنبت ثنيتاها، وأقصاها في الإبل: البزول، وفي البقر والغنم السلوغ. (تاج العروس من جواهر القاموس- محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني، أبو الفيض، الملقّب بمرتضى، الزَّبيدي (م:۱۲۰۵هـ): ۲۳۴/۳۵، سنن، ت: مجموعة من المحققين، ط: دار الهداية☆المصباح المنير في غريب الشرح الكبير-أحمد بن محمد بن علي الفيومي ثم الحموي، أبو العباس (م: نحو ۷۷۰هـ): ۲۹۱/۱، مادة: س ن ي، ط: المكتبة العلمية-بيروت)

(۳) وأما الهتماء- وهي التي لا أسنان لها- فإن كانت ترعى وتعتلف جازت وإلا فلا، كذا في البدائع. وهو الصحيح، كذا في محيط السرخسي. (الفتاوى الهندية: ۲۹۸/۵، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب)

[۳] جس گائے کے دو دانت گر گئے ہوں، اس کی قربانی کا حکم

۱۹۰۹-سوال: گائے کی قربانی کرنی ہو، تو اُس کے کتنے دانت ہونے ضروری ہیں؟ کچھ دانت گر گئے ہوں تو اُس کا کیا حکم ہے؟ ہم نے قربانی کے لیے ایک گائے خریدی ہے، جس کے چھ دانت ہیں، دو گر گئے ہیں، ایسی گائے کی قربانی کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

قربانی کی صحت کے لیے جانور کی عمر کو دیکھا جاتا ہے، نہ کہ اس کے دانت کو، دانت تو عمر کے لیے صرف علامت ہے، اونٹ پانچ سال کا ہو، گائے، بھینسا دو سالہ اور بکرا یا بکری ایک سال کے ہونے ضروری ہیں، اِس سے کم عمر والے جانور کی قربانی کرنا صحیح نہیں ہے۔[1]

---

(١) عن جابر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تذبحوا إلا مسنة، إلا أن يعسر عليكم، فتذبحوا جذعة من الضأن. (الصحيح لمسلم: ١٥٥/٢، رقم الحديث: ١٣-(١٩٦٣)، كتاب الأضاحي، باب سن الأضحية، ط: ديوبند)

والبقرة والشاة يقع عليهما اسم {المسن، إذا أثنيا، فإذا سقطت ثنيتهما بعد طلوعها فقد أسنت، وليس معنى} إسنانها كبرها كالرجل، ولكن معناه طلوع ثنيتها، وتثني البقرة في السنة الثالثة، وكذلك المعزى تثني في الثالثة، ثم تكون رباعية في الثالثة، ثم سدسا في الخامسة، ثم سالغا في السادسة، وكذلك البقر في جميع ذلك.

وقال الأزهري: وأدنى الأسنان: الإثناء، وهو أن تنبت ثنيتاها، وأقصاها في الإبل: البزول، وفي البقر والغنم السلوغ. (تاج العروس من جواهر القاموس- محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني، أبو الفيض، الملقّب بمرتضى، الزَّبيدي (م: ١٢٠٥هـ): ٢٣٢/٣٥، سنن، ت: مجموعة من المحققين، ط: دار الهداية☆المصباح المنير في غريب الشرح الكبير-أحمد بن محمد بن علي الفيومي ثم الحموي، أبو العباس (م: نحو ٧٧٠هـ): ٢٩١/١، مادة: س ن ي، ط: المكتبة العلمية-بيروت)

(وأما) معاني هذه الأسماء فقد ذكر القدوري - رحمه الله - أن الفقهاء قالوا: الجذع من الغنم ابن ستة أشهر والثني منه ابن سنة، والجذع من البقر ابن سنة والثني ابن سنتين، والجذع من الإبل ابن أربع سنين والثني منها ابن خمس، وذكر القاضي في شرحه مختصر الطحاوي في الثني من الإبل ما تم له أربع سنين وطعن في الخامسة، وذكر الزعفراني في الأضاحي: الجذع ابن ثمانية أشهر أو تسعة أشهر، والثني من الشاة والمعز ما تم له حول وطعن في السنة الثانية، ومن البقر ما تم له حولان وطعن في السنة الثالثة، ومن الإبل ما تم له خمس سنين وطعن في السنة السادسة، وتقدير هذه الأسنان بما قلنا لمنع النقصان لا لمنع الزيادة، حتى لو ضحى بأقل من ذلك سنا لا يجوز ولو ضحى بأكثر من ذلك سنا يجوز ويكون أفضل. (بدائع الصنائع: ٧٠/٥، كتاب التضحية، فصل في محل إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية-بيروت☆تكملة رد المحتار على الدر المختار: ٣٢٢/٦، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر-بيروت)

دانتوں سے عمر کا صحیح اندازہ نہیں کیا جاسکتا، لیکن دانت گر گئے ہوں اور اکثر دانت موجود ہوں، جن سے جانور پیٹ بھر کر چر سکتا ہو، اور دانت گر جانے کی وجہ سے اُسے گھاس چرنے اور کھانے میں خلل واقع نہیں ہوتا ہے، تو ایسے جانور کی قربانی جائز ہے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] گزشتہ بقرعید میں پیدا ہونے والے بکرے کی امسال قربانی کرنا

۱۹۱۰- سوال: محترم حضرت مفتی صاحب! اس سوال کا جواب عنایت فرمائیں کہ: سال گزشتہ بقرعید میں یعنی ۱۰-۱۱ ذی الحجہ میں پیدا ہونے والے بکرے کی اس سال بقرعید میں قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

احتیاط بہتر ہے، حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہؒ کا فتویٰ یہ تھا کہ دس ذی الحجہ میں بکرے کی پیدائش سے (اگلے سال دس ذی الحجہ تک) سال پورا نہیں ہوتا ہے؛ لہٰذا اس کی قربانی جائز نہیں۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) وأما الهتماء- وهي التي لا أسنان لها- فإن كانت ترعى وتعتلف جازت وإلا فلا، كذا في البدائع. وهو الصحيح، كذا في محيط السرخسي. (الفتاوى الهندية: ۲۹۸/۵، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب)

(۱) اصل یہ ہے کہ اگر بکرا مکمل ایک سال کا ہو جائے اور دوسرے سال میں داخل ہو جائے، اس طور پر کہ ۱۰/ذی الحجہ کو پیدا ہوا، تو آئندہ سال ۱۱/ذی الحجہ کو اس کی قربانی بلاشبہ درست ہوگی:

والثني من الشاة والمعز ما تم له حول وطعن في السنة الثانية، ومن البقر ما تم له حولان وطعن في السنة الثالثة، ومن الإبل ما تم له خمس سنين وطعن في السنة السادسة، وتقدير هذه الأسنان بما قلنا لمنع النقصان لا لمنع الزيادة، حتى لو ضحى بأقل من ذلك سنا لا يجوز ولو ضحى بأكثر من ذلك سنا يجوز ويكون أفضل. (بدائع الصنائع: ۷۰/۵، كتاب التضحية، فصل في محل إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۲۹۷/۵، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب، ط: دار الفكر - بيروت)

البتہ احتیاطاً علماء کرام نے لکھا ہے کہ ایسے بکرے کو چھوڑ کر دوسرا بکرا تجویز کر لیا جائے، تو بہتر ہے، حضرت مفتی صاحبؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، اور حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہؒ کے فتویٰ کا حوالہ دیا ہے، مفتی گجرات حضرت مولانا سید عبدالرحیم لاج پوریؒ نے بھی یہی بات لکھی ہے، ملاحظہ ہو فتاویٰ رحیمیہ کا ایک سوال وجواب:

سوال: جو بکرا گزشتہ سال عید کے روز پیدا ہوا ہو، اس سال اس کی قربانی کر سکتے ہیں؟

الجواب: اس بکرے کی قربانی امسال عید کے دوسرے دن کر سکتے ہیں، قربانی ادا ہو جائے گی، اگر احتیاطاً اس کو چھوڑ کر دوسرا بکرا تجویز کر لیا جائے، تو بہتر ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۵۱/۱۰، کتاب الاضحیۃ، عید کے دن سال پورا ہو رہا ہے، کیا اس کی قربانی کی جاسکتی ہے، ط: دارالاشاعت-کراچی)

[٥] قربانی کے دنوں میں پیدا شدہ جانور کی اگلے سال قربانی جائز ہے یا نہیں؟

١٩١١- سوال: بعد سلام گذارش یہ ہے کہ چھوٹے جانور مثلاً: بکرا، بکری، مینڈھا، دنبہ وغیرہ عید الاضحیٰ کے دنوں میں ١٠-١١-١٢ تاریخ کو پیدا ہوئے ہوں، اسی طریقے سے بڑا جانور ان دنوں میں پیدا ہوا ہو، اور دونوں قسم کے جانور عید کی نماز سے پہلے پیدا ہوئے ہوں، تو اگلے سال وہ ١٠ تاریخ کو پیدا ہونے والا جانور ١١ اور ١٢ تاریخ کو ایک یا دو سال کا کہلائے گا یا نہیں؟ اور اس کی قربانی درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

چاند کے اعتبار سے سال کے کل تین سو چوّن (٣٥٤) دن، آٹھ (٨) گھنٹے، اور اکتالیس (٤١) منٹ ہوتے ہیں۔

سورج کے اعتبار سے گیارہ دن زیادہ ہوتے ہیں، یا گیارہ (١١) دن، پانچ (٥) گھنٹے اور پچپن (٥٥) منٹ زیادہ ہوتے ہیں۔[1] اس اعتبار سے جب ١٠-١١-١٢ ذوالحجہ میں پیدا ہوا، اور ہر مہینہ کو ٣٠/٣٠ دن کا شمار کیا جائے، تو سال پورا نہ ہوگا؛ اس لیے ایسے جانور کی قربانی نہیں کرنی چاہیے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیمات غفرلہ

[٦] ایک سال میں ایک دن کم عمر والے بکرے کی قربانی

١٩١٢- سوال: میرے دوست کے یہاں ایک بکرا ہے، جو ذی الحجہ کی چودھویں تاریخ کو پیدا

---

(١) السنة تتنوع إلى سنة شمسية: وهي التي تعتمد في بدايتها ونهايتها على حركة الشمس، قال زكريا الأنصاري: وعدد أيامها ثلاث مائة وخمسة وستون يوما، وربع يوم إلا جزءا من ثلاث مائة جزء من يوم، وإلى سنة قمرية: وهي التي تعتمد على ظهور الهلال واختفائه في بداية الشهر ونهايته.

قال زكريا الأنصاري: وعدد أيامها كما قال صاحب المهذب وغيره: ثلاث مائة وأربعة وخمسون يوما وخمس يوم وسدسه. فالسنة الشمسية تتفق مع السنة القمرية في عدد الشهور وتختلف معها في عدد الأيام فتزيد أيامها على أيام السنة القمرية بأحد عشر يوما وجزء من واحد وعشرين جزءا من اليوم. (الموسوعة الفقهية الكويتية: ٢٥/٢٦٠، مادة: سنة، أنواع السنة، ط: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية - الكويت)

(٢) سوال سابق (بہ عنوان: گزشتہ بقرعید میں پیدا ہونے والے بکرے کی امسال قربانی کرنا) کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

ہوا تھا، یعنی عید ختم ہونے کے ایک دن بعد، سوال یہ ہے کہ کیا اس [رواں] سال اس کی قربانی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر عید کے تیسرے دن بھی قربانی کریں، تب بھی سال ختم ہونے میں ایک دن باقی رہ جاتا ہے، دیکھنے میں جانور ایک سال کا لگتا ہے۔

الجواب حامداًومصلیا:

بکرا یا بکری کی قربانی کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ اس کی عمر مکمل ایک سال ہو، آپ کی تحریر کے مطابق چودہ ذی الحجہ کو بکرا پیدا ہوا ہے، لہٰذا اس کی عمر ایک سال پوری نہیں ہوئی؛ اس لیے اس بکرے کی اس سال قربانی صحیح نہیں ہوگی۔ (بدائع، عالم گیری)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱] والثني من الشاة والمعز ما تم له حول وطعن في السنة الثانية، ومن البقر ما تم له حولان وطعن في السنة الثالثة، ومن الإبل ما تم له خمس سنين وطعن في السنة السادسة، وتقدير هذه الأسنان بما قلنا لمنع النقصان لا لمنع الزيادة؛ حتى لو ضحى بأقل من ذلك سنا لا يجوز ولو ضحى بأكثر من ذلك سنا يجوز ويكون أفضل. (بدائع الصنائع: ۵/۷۰، كتاب التضحية، فصل في محل إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية - بيروت☆ الفتاوى الهندية: ۵/۲۹۷، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب، ط: دار الفكر - بيروت)

جندب بن سفيان البجلي، قال: شهدت النبي -صلى الله عليه وسلم- يوم النحر، فقال: من ذبح قبل أن يصلي فليعد مكانها أخرى، ومن لم يذبح فليذبح.

(صحيح البخاري:۲/ ۸۳۴، رقم الحديث:۵۵۶۲، كتاب الأضاحي، باب من ذبح قبل الصلاة أعاد، ط:ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۲/ ۱۵۳، رقم الحديث:۲-(۱۹۶۰)، كتاب الأضاحي، باب وقتها، ط:ديوبند)

باب أيام الأضحية ومكانها ووقتها وقضائها

[قربانی: ایام، مکان، وقت اور قضاء کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب أيام الأضحية ومكانها ووقتها وقضائها

[قربانی: ایام، مکان، وقت اور قضاء کا بیان]

[أ] قربانی کے ایام

۱۹۱۳- سوال: بقرعید کے کتنے دن ہیں؟ تین دن یا ساڑھے تین دن؟

الجواب حامداومصلیا:

قربانی کے تین دن ہیں؛ دسویں، گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ۔

۱۲/ویں ذی الحجہ کو غروب شمس سے پہلے قربانی کر سکتے ہیں، اس کے بعد قربانی کرنا درست نہیں ہے، اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قربانی کے ساڑھے تین دن نہیں ہیں، تین دن [بارہویں] کے بعد قربانی کی، تو ادا نہیں ہوگی۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وقت الأضحية ثلاثة أيام: العاشر، والحادي عشر، والثاني عشر، أولها أفضلها وآخرها أدونها، ويجوز في نهارها وليلها، بعد طلوع الفجر من يوم النحر إلى غروب الشمس من اليوم الثاني عشر، إلا أنه يكره الذبح في الليل.

(الفتاوى الهندية: ۵/ ۲۹۵، كتاب الأضحية، الباب الثالث في وقت الأضحية، ط: دار الفكر)

[٢] قربانی کا آخری دن ختم ہونے سے پانچ یا دس منٹ پہلے جانور ذبح کرنا

١٩١٤- سوال: بقرعید کے موقع پر قربانی کا آخری دن ختم ہونے سے پانچ یا دس منٹ پہلے قربانی کے جانور کو ذبح کیا جائے اور پھر گوشت تقسیم کیا جائے، تو قربانی صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

قربانی ادا ہو جائے گی، بس قربانی کا وقت ہونا ضروری ہے۔ (١) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[٣] ١- سعودیہ میں رہنے والے شخص کا یہاں انڈیا میں قربانی کرنا
[٤] ٢- نابالغ کی قربانی کا حکم

١٩١٥- سوال: ایک شخص سعودی عرب میں رہتا ہے اس نے حج فرض ادا کر لیا ہے اور دوسری دفعہ حج میں جانا چاہتا ہے، اور اس نے اپنی عیدالاضحیٰ کی واجب قربانی یہاں انڈیا میں رکھی ہے تو کیا مکہ میں بھی اس کو واجب قربانی ادا کرنی ہوگی؟

نیز وہ شخص اپنی فیملی کے ساتھ حج میں جا رہا ہے، اس کے ساتھ ایک چھوٹی چھ سال کی بچی بھی ہے، بیوی اور اس بچی کی واجب قربانی بھی یہاں انڈیا میں رکھی گئی ہے، تو مکہ میں ان کی قربانی کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

عیدالاضحیٰ کی واجب قربانی ادا کرنے کے لیے کوئی جگہ متعین نہیں ہے، انگلینڈ، کناڈا اور امریکہ میں رہنے والا شخص یہاں انڈیا میں قربانی کر سکتا ہے، لہٰذا سعودیہ میں رہنے والے کا انڈیا میں قربانی کرنا جائز ہے۔ (٢)

---

(١) وقت الأضحية ثلاثة أيام: العاشر، والحادي عشر، والثاني عشر، أولها أفضلها وآخرها أدونها، ويجوز في نهارها وليلها، بعد طلوع الفجر من يوم النحر إلى غروب الشمس من اليوم الثاني عشر، إلا أنه يكره الذبح في الليل. (الفتاوى الهندية: ٥/ ٢٩٥، كتاب الأضحية، الباب الثالث في وقت الأضحية، ط: دار الفكر)

(٢) وروي عنهما أيضا أن الرجل إذا كان في مصر، وأهله في مصر آخر، فكتب إليهم ليضحوا عنه، فإنه يعتبر مكان التضحية، فينبغي أن يضحوا عنه بعد فراغ الإمام من صلاته في المصر الذي يضحى عنه فيه. (الفتاوى الهندية: ٥/ ٢٩٦، كتاب الأضحية، الباب الرابع فيما يتعلق بالمكان والزمان، ط: دار الفكر- بيروت * المحيط البرهاني: ٦/ ٩١، كتاب الأضحية، الفصل الرابع، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(اور یہ قربانی اسے کافی ہوگی، الگ سے دوسری کرنے کی ضرورت نہیں)

اور عورت کی قربانی بھی -جیسا کہ اوپر ذکر ہوا- یہاں انڈیا میں ادا ہو جائے گی۔

البتہ چھ سال کی بچی کی قربانی میں یہ تفصیل ہے کہ اگر خود اس بچی کے مال سے قربانی کی گئی ہے، تو سارا گوشت صدقہ کرنا ضروری ہے، اور اگر باپ نے اپنے مال سے کی ہے، تو اس میں صدقہ ضروری نہیں۔ (١)

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] حاجی کی قربانی: چند اہم مسائل

١٩١٦- سوال: ہمارے گاؤں ''کوساڑی'' سے ایک صاحب حج کے لیے گئے ہیں، ان کی

---

(١) واضح رہے کہ اولاد صغار پر قربانی کے وجوب وعدم وجوب کے سلسلے میں کتبِ فقہ وفتاویٰ کی تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ پر قربانی واجب نہیں ہے، اور ولی کی طرف سے ان کے مال سے قربانی کرنا جائز نہیں ہے، چناں چہ علامہ محمد بن حسین طوری حنفی (م: ١١٢٨ھ، تقریباً) متعدد اقوال ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: **وفي الكافي: الأصح أنه لا يجب ذلك وليس للأب أن يفعله من مال الصغير.** (تكملة البحر الرائق: ٨/١٩٨، أول كتاب الأضحية، ط: دار الكتاب الإسلامي☆ تبيين الحقائق-فخر الدين الزيلعي (م: ٧٤٣هـ): ٦/٣، كتاب الأضحية، ط: المطبعة الكبرى الأميرية)

صاحب فتاویٰ حضرت مفتی احمد بیمات نے بھی لکھا ہے کہ قربانی اپنی طرف سے واجب ہے، چھوٹے بچوں کی طرف سے واجب نہیں ہے۔ (قربانی: فضائل ومسائل-مفتی احمد بیمات (م: ٢٠٠٤ء)، ص: ٩٩، ط: حافظ اسجد بیمات، مدنی دار التربیت، کرمالی)

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی (م: ١٤١٧ھ) فرماتے ہیں کہ ظاہر الروایۃ میں اولاد صغیر کی طرف سے قربانی واجب نہیں ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ١٧/٣١٤، ط: دار المعارف- دیوبند)

عصر حاضر کے مشہور فقیہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: البتہ اگر ولی ایسے نابالغ بچوں کی طرف سے اپنے مال سے قربانی کر دے، تو بہتر اور قرین احتیاط ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ٤/٣٢، ط: زمزم پبلیشرز-کراچی)

گجرات کے مشہور فقیہ حضرت مفتی سید عبد الرحیم لاج پوری (م: ١٤٢٢ھ) نے نابالغ لڑکوں کی طرف سے قربانی کرنے کو مستحب لکھا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ١٠/٣٠، دار الاشاعت- کراچی)

چوں کہ اس باب میں اکابر احناف سے روایات مختلف ہیں؛ اس لیے معتدل اور احتیاط پر مبنی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی ولی نابالغ کے مال سے اس کی طرف سے قربانی کر دے، تو ولی کے لیے اس میں سے کھانا جائز نہیں ہے اور نہ ہی صدقہ کرنا جائز ہے، خود نابالغ جتنا چاہے کھائے، بقیہ گوشت کے عوض کپڑا وغیرہ جیسی کوئی چیز نابالغ کے لیے لی جاسکتی ہے: **قال القدوري في شرحه: والصحيح أن يقال بأنه يضحي عنه، ويأكل الصبي منه ما يمكنه، ويباع بالباقي ما ينتفع بعينه.** (المحيط البرهاني-برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مازة البخاري (م: ٦١٦هـ): ٦/٨٦، كتاب الأضحية، الفصل الأول، دار الكتب العلمية-بيروت)

عیدالاضحیٰ کی قربانی یہیں گاؤں میں ان کے رشتہ دار کرلیں، تو ان حاجی صاحب کی قربانی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور اس طرح کرنے سے ان کا حج ادا ہوگا یا نہیں؟ مفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ان حاجی صاحب نے اپنے رشتہ داروں کو اس کی اجازت دی ہے، تو قربانی ادا ہوجائے گی اور حج میں کوئی نقصان نہ آئے گا۔ [1] مگر اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل مسائل سمجھنا ضروری ہے:

۱- قربانی ایک عبادت ہے؛ لہٰذا اس میں نیت ضروری ہے۔ [۲]

۲- واجب قربانی جس کے ذمہ ہے، اس کی اجازت کے بغیر، اس کی جانب سے کوئی دوسرا قربانی کرے، تو واجب ادا نہ ہوگا۔ [۳]

۳- بڑے جانور میں واجب قربانی دوسرے کی طرف سے بلا اجازت کی جائے گی، تو سب شرکاء کی قربانی باطل ہوگی، اور سب کو ازسرنو قربانی کرنی ہوگی۔ [۴]

۴- قربانی کے ایام میں ۹/ ذی الحجہ سے پہلے مکہ مکرمہ میں ۱۵/ دن ٹھہرنے کی نیت ہو، تو مقیم بن

---

(۱) (ومنها) أنه تجزئ فيها النيابة، فيجوز للإنسان أن يضحي بنفسه، وبغيره بإذنه؛ لأنها قربة تتعلق بالمال، فتجزئ فيها النيابة، كأداء الزكاة وصدقة الفطر، ولأن كل أحد لا يقدر على مباشرة الذبح بنفسه خصوصا النساء، فلو لم تجز الاستنابة لأدى إلى الحرج. (بدائع الصنائع: ۶۷/۵، كتاب التضحية، فصل في أنواع كيفية الوجوب، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۲) أما الذي يرجع إلى من عليه التضحية فمنها: نية الأضحية لا تجزي الأضحية بدونها؛ لأن الذبح قد يكون للحم وقد يكون للقربة والفعل لا يقع قربة بدون النية. (بدائع الصنائع: ۷۱/۵، كتاب التضحية، فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

[۳] (ومنها) إذن صاحب الأضحية بالذبح إما نصا أو دلالة إذا كان الذابح غيره، فإن لم يوجد لا يجوز؛ لأن الأصل فيما يعمله الإنسان أن يقع للعامل، وإنما يقع لغيره بإذنه وأمره، فإذا لم يوجد لا يقع له. (بدائع الصنائع: ۷۳/۵، كتاب التضحية، فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۴) وإن فعل بغير أمرهم أو بغير أمر بعضهم لا يجوز، لا عنه ولا عنهم في قولهم جميعا؛ لأن نصيب من لم يأمر صار لحما فكان الكل لحما. (فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ۳۵۰/۳، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا و ما لا يجوز، ط: زكريا-ديوبند)

جانے کی وجہ سے اس پر قربانی واجب ہوگی، ورنہ اس پر قربانی واجب نہیں ہوگی۔[٥]

٥-اور مذکورہ قربانی کا مکہ مکرمہ ہی میں کرنا ضروری نہیں ہے۔(کہیں بھی کی جاسکتی ہے)[٦]

٦-اگر اپنے وطن میں کسی کو کہے اور وہ قربانی کردے، تو قربانی ادا ہوجائے گی اور حج میں کوئی نقصان نہ آئے گا۔[٧]

٧-لیکن قارن اور متمتع پر جو قربانی واجب ہے (یعنی حج کی قربانی) وہ حرم میں ہی کرنا ضروری ہے۔[٨] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[٦] حاجی دورانِ حج اپنے ملک میں قربانی کرائے یا مکہ میں قربانی کرے؟

١٩١٧-سوال: ایک شخص عرب ملک میں ملازمت کرتا ہے، اِس سال اُس کے مالک نے حج کی اِجازت دی ہے، لیکن حاجیوں کو قربانی کے لیے جو جانور ملتا ہے، وہ انتہائی گراں قیمت میں ملتا ہے، تو حاجی اپنے ملک میں قربانی کرا سکتا ہے، یا وہیں قربانی کرنا ضروری ہے؟

الجواب حامدا ومصليا:

حاجی حج کے دِنوں میں مقیم ہو، اس طور پر کہ حج سے قبل مکہ مکرمہ میں ١٥/ دِن رہنے کا ارادہ ہو، یا

(٥) وأما بيان ما يصير المسافر به مقيما: فالمسافر يصير مقيما بوجود الإقامة، والإقامة تثبت بأربعة أشياء: أحدها: صريح نية الإقامة، وهو أن ينوي الإقامة خمسة عشر يوما في مكان واحد صالح للإقامة فلا بد من أربعة أشياء: نية الإقامة، ونية مدة الإقامة، واتحاد المكان، وصلاحيته للإقامة. (بدائع الصنائع: ١/٩٧، كتاب الصلاة، فصل بيان ما يصير المسافر به مقيما، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(٦-٧) وروي عنهما أيضا أن الرجل إذا كان في مصر، وأهله في مصر آخر، فكتب إليهم ليضحوا عنه، فإنه يعتبر مكان التضحية، فينبغي أن يضحوا عنه بعد فراغ الإمام من صلاته في المصر الذي يضحى عنه فيه. (الفتاوى الهندية: ٥/٢٩٦، كتاب الأضحية، الباب الرابع فيما يتعلق بالمكان والزمان، ط: دار الفكر-بيروت☆المحيط البرهاني: ٦/٩١، كتاب الأضحية، الفصل الرابع، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

[٨] (وخص ذبح هدي المتعة والقران بأيام النحر دون غيرهما) أي يجوز ذبح بقية الهدايا في أي وقت شاء... (و) خص (الكل بالحرم)... (ويجوز أن يتصدق به) أي الهدي (على فقير الحرم وغيره) من الفقراء المستحقين. وقال الشافعي يختص به. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ١٠٧٨هـ): ١/٣٠٠، كتاب الحج، باب الهدي، ط: دار إحياء التراث العربي)

۱۵ / دِن ہو گئے ہوں، تو ان پر صاحب نصاب ہونے کی وجہ قربانی واجب ہوگی، اور یہ قربانی وطن میں بھی کی جا سکتی ہے، لیکن ۱۵ / دِن مکہ میں نہ رہے اور نہ ۱۵ / دِن رہنے کا اِرادہ ہو، تو مسافر ہونے کی وجہ سے قربانی واجب نہ ہوگی، [۱] البتہ تمتع اور قران کے احرام کی وجہ سے جو قربانی واجب ہوگی، اُس کو منیٰ میں کرنا ضروری ہے، اُس کو وطن میں کرنا جائز نہیں ہے۔ [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] چھوٹے گاؤں میں، جہاں عید کی نماز ہوتی ہو، نماز سے پہلے قربانی کرنا

۱۹۱۸- سوال: محترم حضرت مفتی صاحب! ہمارے گاؤں ''مہوتج'' میں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی ہے؛ لیکن عیدین کی نماز ہوتی ہے اور لوگ باقاعدہ یہ نماز پڑھنے کے لیے آتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر بہت سے لوگ صبح صادق کے بعد اور عید کی نماز پڑھنے سے پہلے جانور ذبح کر لیتے ہیں، تو ان کی یہ قربانی - جب کہ گاؤں میں عید کی نماز ہوتی ہے- نماز سے پہلے درست ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ جواب دے کر ممنون فرمائیں گے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

چھوٹے گاؤں میں عید کی نماز واجب نہیں، اسی طرح جمعہ بھی جائز نہیں، [۳] ایسے گاؤں میں صبح صادق کے بعد قربانی جائز ہے، جو لوگ گاؤں میں عید کی نماز نہیں پڑھتے ہیں، وہ صبح صادق کے بعد قربانی کر سکتے ہیں، اور جو لوگ عید کی نماز سے پہلے قربانی کرتے ہیں اور عید کی نماز بھی گاؤں میں پڑھتے ہیں، حالاں کہ وہاں عید کی نماز واجب نہیں، تو وہ جان بوجھ کر گناہ کا کام کرتے ہیں؛ کیوں کہ وہ حقیقۃً نفل نماز ہوگی

---

(۱) سوال سابق کا حاشیہ نمبر ۵ ملاحظہ کریں۔

(۲) سوال سابق کا حاشیہ نمبر ۸ ملاحظہ کریں۔

[۳] (ويشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول: (المصر، وهو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها) وعليه فتوى أكثر الفقهاء، مجتبى؛ لظهور التواني في الأحكام. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله وعليه فتوى أكثر الفقهاء إلخ) وقال أبو شجاع: هذا أحسن ما قيل فيه. وفي الولوالجية، وهو صحيح، بحر، وعليه مشى في الوقاية ومتن المختار وشرحه وقدمه في متن الدرر على القول الآخر وظاهره ترجيحه وأيده صدر الشريعة بقوله لظهور التواني في أحكام الشرع سيما في إقامة الحدود في الأمصار. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۳۷، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر- بيروت)

اور جماعت کے ساتھ نفل پڑھنا مکروہ ہے؛ لیکن وہ جائز سمجھ کر نماز پڑھتے ہیں؛ اس لیے ایسے لوگوں کی نماز سے پہلے کی گئی قربانی جائز نہ ہوگی۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] کوئی شہری اپنی قربانی کا جانور دیہات بھیج دے تو اس کے لیے وہاں حاضری ضروری نہیں

۱۹۱۹- سوال: جن دیہاتوں میں عید کی نماز نہیں ہوتی، وہاں شہری آدمی عید کے دن صبح صادق کے بعد قربانی کے لیے اپنا جانور بھیج دے، تو کیا قربانی کرنے والے کا قربانی کی جگہ (دیہات) میں حاضر رہنا ضروری ہے؟ اور شہری آدمی اس طرح کی قربانی کرے، تو جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداو مصلیا:

قربانی کرنے والے کا وہاں حاضر رہنا ضروری نہیں، وہ شہر میں ہو اور اس کی قربانی مذکور صورت کے مطابق دیہات میں کی جائے تو جائز ہے۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) جندب بن سفيان البجلي، قال: شهدت النبي صلى الله عليه وسلم يوم النحر، فقال: من ذبح قبل أن يصلي فليعد مكانها أخرى، ومن لم يذبح فليذبح. (صحيح البخاري: ۲/ ۸۳۴، رقم الحديث: ۵۵۶۲، كتاب الأضاحي، باب من ذبح قبل الصلاة أعاد، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۲/ ۱۵۳، رقم الحديث: ۲-(۱۹۶۰)، كتاب الأضاحي، باب وقتها، ط: ديوبند)

قال: "ووقت الأضحية يدخل بطلوع الفجر من يوم النحر، إلا أنه لا يجوز لأهل الأمصار الذبح حتى يصلي الإمام العيد، فأما أهل السواد فيذبحون بعد الفجر". والأصل فيه قوله عليه الصلاة والسلام: "من ذبح شاة قبل الصلاة فليعد ذبيحته، ومن ذبح بعد الصلاة فقد تم نسكه وأصاب سنة المسلمين". وقال عليه الصلاة والسلام: "إن أول نسكنا في هذا اليوم الصلاة ثم الأضحية" غير أن هذا الشرط في حق من عليه الصلاة، وهو المصري دون أهل السواد؛ لأن التأخير لاحتمال التشاغل به عن الصلاة، ولا معنى للتأخير في حق القروي ولا صلاة عليه. (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۴/ ۳۵۷، كتاب الأضحية، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي- بيروت)

(۲) والمعتبر مكان الأضحية لا مكان من عليه، فحيلة مصري أراد التعجيل أن يخرجها لخارج المصر، فيضحي بها إذا طلع الفجر مجتبى. (الدر المختار) ـــــــــ وفي الشامية: (قوله والمعتبر مكان الأضحية إلخ) فلو كانت في السواد والمضحي في المصر جازت قبل الصلاة، وفي العكس لم تجز قهستاني (قوله أن يخرجها) أي يأمر بإخراجها (قوله لخارج المصر) أي إلى ما يباح فيه القصر قهستاني وزيلعي. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۳۱۹، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر- بيروت)

فإن كان هو في المصر والشاة في الرستاق أو في موضع لا يصلى فيه وقد كان أمر أن يضحوا عنه فضحوا بها بعد=

[۹] جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی ہے، وہاں فجر سے پہلے قربانی کرنا

۱۹۲۰-سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

جن گاؤں میں جمعہ اور عیدین کی نماز نہیں ہوتی ہے، وہاں عید الاضحیٰ میں قربانی کرنا صبح صادق کے بعد کب جائز ہے؟ کیا فجر کی نماز سے پہلے بھی کر سکتے ہیں یا فجر کے بعد کرنا ضروری ہوگا؟ اسی طرح جس چھوٹے گاؤں میں عیدین کی نماز ہوتی ہو، جیسے ہمارے ورٹھی گاؤں میں جمعہ اور عیدین؛ دونوں نمازیں ہوتی ہیں اور دو چار افراد کے سوا سب عید کی نماز پڑھتے ہیں، تو اس گاؤں میں عید کی نماز سے پہلے قربانی جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

چھوٹے گاؤں میں جمعہ کی نماز جائز نہیں اور عید کی نماز واجب نہیں، پس اگر وہاں کے لوگ عید کی نماز نہ پڑھتے ہوں یا پڑھتے ہوں؛ لیکن کچھ لوگ نہ پڑھتے ہوں، تو جو عید کی نماز نہیں پڑھتے ہیں، ان کے لیے صبح صادق کے بعد قربانی کرنا جائز ہے۔[1]

=طلوع الفجر قبل صلاة العيد فإنها تجزيه، وعلى عكسه لو كان هو في الرستاق والشاة في المصر وقد أمر من يضحي عنه فضحوا بها قبل صلاة العيد فإنها لا تجزيه وإنما يعتبر في هذا مكان الشاة لا مكان من عليه، هكذا ذكر محمد -عليه الرحمة- في النوادر وقال: إنما أنظر إلى محل الذبح ولا أنظر إلى موضع المذبوح عنه، وهكذا روى الحسن عن أبي يوسف -رحمه الله-: يعتبر المكان الذي يكون فيه الذبح ولا يعتبر المكان الذي يكون فيه المذبوح عنه، وإنما كان كذلك؛ لأن الذبح هو القربة فيعتبر مكان فعلها لا مكان المفعول عنه. (بدائع الصنائع: ٧٤/٥، كتاب التضحية، فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية)

والمعتبر في ذلك مكان الأضحية حتى لو كانت في السواد، والمضحي في المصر يجوز كما انشق الفجر، وفي العكس لا يجوز إلا بعد الصلاة وحيلة المصري إذا أراد التعجيل أن يبعث بها إلى خارج المصر في موضع للمسافر أن يقصر فيضحي فيه كما طلع الفجر ؛لأن وقتها من طلوع الفجر. (تكملة البحر الرائق: ٢٠٠/٨، كتاب الأضحية، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(١) قال -رحمه الله-: (ولا يذبح مصري قبل الصلاة وذبح غيره) يعني لا يجوز لأهل المصر أن يذبحوا الأضحية قبل أن يصلوا صلاة العيد، ويجوز لأهل القرى والبادية أن يذبحوا بعد صلاة الفجر قبل أن يصلي الإمام صلاة العيد، والأصل في ذلك قوله -صلى الله عليه وسلم-: من ذبح قبل صلاة الإمام فليعد ذبيحته، ومن ذبح بعد صلاة الإمام فقد=

البتہ علماء نے لکھا ہے کہ رات میں قربانی کرنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ اندھیرے میں ممکن ہے کہ کوئی رگ کاٹنے میں رہ جائے؛ لہٰذا چھوٹے گاؤں میں اگر لوگ عید کی نماز نہ پڑھتے ہوں، تو (وہ صبح صادق کے فوراً بعد قربانی نہ کریں) فجر کی نماز کے بعد قربانی کرنا بہتر ہے، تاکہ روشنی میں جانور اچھی طرح ذبح ہوسکے اور رگوں کے کٹنے کے متعلق کوئی شبہ نہ رہے اور جو لوگ عید کی نماز پڑھتے ہیں، ان کو چاہیے کہ وہ عید کی نماز کے بعد ہی قربانی کریں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] جن دیہاتوں میں جمعہ نہیں ہوتی، وہاں قربانی نمازِ فجر سے پہلے کی جائے یا بعد میں؟

۱۹۲۱- سوال: ہمارے گاؤں میں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی ہے، عید کی نماز کے لیے ہم موسالی جاتے ہیں، تو ہم اپنے گاؤں میں قربانی کب کریں؟ صبح صادق کے بعد یا فجر کی نماز کے بعد؟

الجواب حامداو مصلیا:

جن چھوٹے گاؤں میں جمعہ و عید کی نماز صحیح نہیں ہوتی ہے، وہاں دسویں ذی الحجہ کے دن صبح صادق کے بعد قربانی جائز ہے۔

لیکن اندھیرے میں قربانی کرنا مکروہ ہے؛ اس لیے فجر کی نماز با جماعت ادا کر لینے کے بعد قربانی کرنا بہتر ہے، تاکہ قربانی کرنے میں فجر کی نماز با جماعت چھوٹ نہ جائے اور روشنی بھی ہو جائے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=تم نسكه وأصاب سنة المسلمين. قال صاحب النهاية: هذا يشير إلى ما ذكر في المبسوط، حيث قال: لا يجزيه لعدم الشرط، لا لعدم الوقت، وقال - عليه الصلاة والسلام -: أول نسكنا في هذا اليوم الصلاة، ثم الأضحية، وهذا ظاهر في حق من عليه الصلاة فبقي غيره على الأصل فيذبح بعد طلوع الفجر. (تكملة البحر الرائق: ۱۹۹/۸، كتاب الأضحية، ط: دار الكتاب الإسلامي☆تكملة رد المحتار على الدر المختار: ۳۱۸/۶، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) ويجوز الذبح في لياليها إلا أنه يكره لاحتمال الغلط في الظلمة. (تكملة البحر الرائق: ۲۰۰/۸، كتاب الأضحية، قبيل بيان: الأضحية بالجماء، ط: دار الكتاب الإسلامي☆الهداية في شرح بداية المبتدي - المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۳۵۷/۴، كتاب الأضحية، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت)

ويكره التضحية و الذبح في الليالي. (فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ۳۴۵/۳، كتاب الأضحية، فصل في صفة الأضحية و وقت وجوبها و من تجب عليه، ط: زكريا - ديوبند)

(۲) سوال سابق کے حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

[۱۱] ایک محلے کی مسجد میں عید کی نماز کے بعد دوسرے محلے والوں کا قربانی کرنا

۱۹۲۲-سوال: شہر میں بہت سی مساجد ہوتی ہیں، بارش کے موسم میں ان میں عید کی نماز ہوتی ہے، کسی ایک محلے کی مسجد میں اگر صبح جلدی نماز ہوگئی، تو دوسرے محلے میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے اپنی قربانی کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ یا پھر ان کو اپنے محلے کی مسجد میں نماز ادا کر کے ہی قربانی کرنا ضروری ہوگا؟

الجواب حامداًو مصلیا:

جس کسی نے نمازِ عید ادا کرلی، تو اس کی قربانی صحیح ہوجائے گی، خواہ اس نے اپنے محلے کی مسجد میں نماز ادا کی ہو، یا کسی دوسرے محلے کی مسجد میں، اسی طرح سے جس محلے کی مسجد میں نماز ہوگئی ہے اور اس محلے کے کسی آدمی نے نماز نہیں پڑھی ہے، تو اس کی بھی قربانی صحیح ہوجائے گی۔

لیکن جس محلے میں نماز بالکل نہیں ہوئی ہے اور اس محلے والوں نے کسی دوسری مسجد میں بھی نماز نہیں پڑھی ہے، تو ان کی قربانی صحیح نہیں ہوگی۔ (عالم گیری: ۶/ ۱۹۸)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] إذا استخلف الإمام من يصلي بالضعفة في المسجد الجامع، وخرج بنفسه إلى الجبانة مع الأقوياء، فضحى رجل بعد ما انصرف أهل المسجد قبل أن يصلي أهل الجبانة، القياس أن لا تجوز، وفي الاستحسان تجوز إن ضحى بعد ما فرغ أهل الجبانة قبل أهل المسجد، قيل في هذه الصورة: يجوز قياسا واستحسانا، وقيل: القياس والاستحسان فيهما واحد، قال شمس الأئمة الحلواني - رحمه الله تعالى -: هذا إذا ضحى رجل من الفريق الذي صلى، فأما إذا ضحى رجل من الفريق الذي لم يصل فلم تجز أضحيته قياسا واستحسانا، وفي الأضاحي للزعفراني إذا ضحى رجل من الناحية التي صلى فيها أو من الناحية الأخرى جاز كذا في المحيط. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۲۹۵، كتاب الأضحية، الباب الثالث في وقت الأضحية، ط: دار الفكر - بيروت)

نوٹ: متعدد کتب فتاویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی قربانی بھی درست ہوجائے گی، جن کے محلے میں ابھی نماز نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی وہ کسی دوسرے محلے میں جا کر نماز سے فارغ ہوئے ہیں، فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ رقم فرماتے ہیں:

شہر میں کسی ایک جگہ بھی نماز عید ہوچکی ہو، تو قربانی درست ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۷/ ۴۵۵، باب فی ایام الاضحیہ ووقتھا وقضائھا، ط: دار المعارف - دیوبند)

مفتی گجرات حضرت مفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ رقم ایک سوال کے جواب میں رقم فرماتے ہیں:

شہر کی کسی مسجد میں معتبر لوگوں نے نماز عید ادا کی ہے، تو دوسرے لوگوں کی قربانی بھی ادا ہوجائے گی، مگر احتیاط اس میں ہے کہ عید گاہ کی نماز کے بعد قربانی کرے۔ (فتاوی رحیمیہ: ۱۰/ ۳۹، کتاب الاضحیہ، شہر کی کسی مسجد میں عید کی نماز ہوجانے کے بعد قربانی کرنا، ط: دار الاشاعت - کراچی)=

[۱۲] کیا وہ شخص زوال کے بعد قربانی کرے، جس کی نمازِ عید الاضحیٰ فوت ہوگئی؟

۱۹۲۳- سوال: ایک معتبر عالم کا قول ہے کہ جس شخص نے عید الاضحیٰ کی نماز نہ پڑھی ہو یا اس کی عید الاضحیٰ کی نماز چھوٹ گئی ہو، تو ایسا آدمی اس دن زوال (عید کی نماز کا وقت ختم ہونے) کے بعد قربانی کرے۔

اسی طرح اگر قصاب (قصائی) نے بھی عید کی نماز نہیں پڑھی، تو وہ کسی دوسرے کی قربانی کے جانور کے گلے پر چھری نہیں پھیر سکتا، دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا یہ دونوں باتیں از روئے شرع درست ہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

سوال میں مذکور دونوں مسئلے غلط ہیں، جس جگہ عید الاضحیٰ کی نماز ہوتی ہو، وہاں عید کی نماز کے بعد قربانی جائز ہے۔ اگر مالک (صاحب قربانی) یا قصائی نے نماز نہ پڑھی ہو، تو وہ گنا ہگار ہوں گے؛ لیکن ان کی قربانی ہو جائے گی۔ اور قصائی کا ذبح کرنا بھی جائز ہے، خواہ اس نے نماز نہ پڑھی ہو۔[1] اور عالم کا آپ نے جو قول

= سوال: ایک گھر میں چند آدمیوں کی جانب سے قربانی ہوتی ہے، آیا ایک شخص نماز عید پڑھ کے سب کی جانب سے قربانی کر سکتا ہے، اور اگر نماز کسی نے بھی نہیں پڑھی، مگر شہر کی کسی مسجد میں عید کی نماز ہوگئی ہو، اس صورت میں بغیر نماز پڑھے قربانی کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: في الدر المختار: وأول وقتها إلى قوله بعد سبق صلاة عيد و لو قبل الخطبة، لكن بعدها أحب. في رد المحتار: ولو ضحى بعد ما صلى أهل المسجد ولم يصل أهل الجبانة اجزأه استحسانا؛ لأنها صلاة معتبرة حتى لو اكتفوا بها اجزأتهم، و كذا عكسه. [ج:۵، ص:۳۱۰]

اس سے ثابت ہوا کہ خود مضحی کا نماز عید سے فارغ ہونا شرط نہیں ہے جواز اضحیہ کی، بل کہ مسجد یا عید گاہ میں نماز ہو چکنا کافی ہے؛ اس لیے سوال کی دونوں صورتوں میں قربانی جائز ہوگئی۔ (امداد الفتاویٰ: ۳/ ۵۹۷، کتاب الذبائح والاضحیۃ وغیرہ، کافی بودن نماز عید اضحیٰ درجائے برائے حلت قربانی، ط: زکریا-دیوبند)

ایک سوال کے جواب میں استاذ محترم، فقیہ عصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ رقم طراز ہیں:

یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر قربانی کرنے والا شخص نماز ادا کرنے کے بعد ہی قربانی کرے، بل کہ جس شہر یا قصبے میں قربانی کی جارہی ہے، اگر اس میں کسی بھی ایک جگہ بقر عید کی نماز ادا کی جا چکی ہے، تو گو ابھی دوسری مسجدوں میں نماز نہیں ہوئی ہو، پھر بھی قربانی کی جا سکتی ہے، اور پہلی نماز کے بعد کچھ ایسے لوگوں کے جانور کی قربانی کردی گئی، جو خود ابھی نماز سے فارغ نہیں ہوئے ہیں، تب بھی قربانی صحیح ہو جائے گی، محیط برہانی میں ہے:

إذا ضحى رجل من الناحية التي صلى فيها أو من الناحية الأخرى جاز. (المحيط البرهاني: ۸/ ۴۶۲، وقت الأضحية)

(کتاب الفتاویٰ: ۹/ ۳۱-۳۲، قربانی وعقیقہ سے متعلق مسائل، نماز سے پہلے قربانی، ط: نعیمیہ-دیوبند)

(۱) سوال سابق کے حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

بیان کیا ہے، وہ دراصل اس طرح ہوگا کہ اگر پوری بستی نے عید کی نماز نہ پڑھی ہو، تو اب زوال تک قربانی نہیں ہوسکتی۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] چھوٹے گاؤں میں عیدین کی نماز اور قربانی کا حکم

۱۹۲۴- سوال: (۱) چھوٹے گاؤں میں عیدین کی نماز جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کیا عید الاضحیٰ کی نماز سے قبل اور فجر کی نماز کے بعد قربانی جائز ہے یا نہیں؟

(۳) میت کو غسل دینے والا، غسل کے وقت خود کلی واستنشاق کرلے، تو کیا مردہ کے غسل کی طرف سے کفایت کر جائے گا اور اس کی نماز جنازہ پڑھنا درست ہوگا؟

الجواب حامداومصلیا:

(۱) چھوٹے گاؤں میں جمعہ وعید کی نماز درست نہیں ہے۔ [۲]

(۲) چھوٹے گاؤں میں قربانی ۱۰ / ذی الحجہ کی صبح صادق سے کرسکتے ہیں، البتہ غلس کے بجائے اسفار میں کرے، تو افضل ہے۔ [۳]

---

(۱) إذا ترك الصلاة يوم النحر بعذر أو بغير عذر لا تجوز الأضحية حتى تزول الشمس وتجوز الأضحية في الغد وبعد الغد قبل الصلاة، لأنه فات وقت الصلاة بزوال الشمس في اليوم الأول والصلاة في الغد تقع قضاء، كذا في محيط السرخسي. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۲۹۵، كتاب الأضحية، الباب الثالث في وقت الأضحية، ط: دار الفكر)

[۲] (ويشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول: (المصر وهو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها) وعليه فتوى أكثر الفقهاء، مجتبى؛ لظهور التواني في الأحكام. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۱۳۷، كتاب الصلاة، باب الجمعة، ط: دار الفكر - بيروت)

وفي القنية: صلاة العيد في القرى تكره تحريما أي لأنه اشتغال بما لا يصح لأن المصر شرط الصحة. (المصدر السابق: ۲/ ۱۶۷، كتاب الصلاة، باب العيدين)

[۳] (وأول وقتها) (بعد الصلاة إن ذبح في مصر) . . . (وبعد طلوع فجر يوم النحر إن ذبح في غيره) وآخره قبيل غروب يوم الثالث. . . والمعتبر مكان الأضحية لا مكان من عليه. (الدر المختار) ـــــــ وفي الشامية: (قوله إن ذبح في غيره) أي غير المصر شامل لأهل البوادي، وقد قال قاضي خان: فأما أهل السواد والقرى والرباطات عندنا يجوز لهم التضحية بعد طلوع الفجر. . . (قوله والمعتبر مكان الأضحية إلخ) فلو كانت في السواد والمضحي في المصر جازت قبل الصلاة، وفي العكس لم تجز قهستاني. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۳۱۸، كتاب الأضحية) =

(۳) غسل کروانے والے کا خود مضمضہ واستنشاق کرنا، میت کے مضمضہ واستنشاق کی طرف سے کفایت نہیں کرے گا، ویسے میت کے لیے مضمضہ واستنشاق بھی ضروری نہیں ہے، صرف روئی یا باریک کپڑا پانی میں بھگو کر میت کے دانت، منہ اور ناک میں پھیر دے، اور اگر ایسا نہیں کیا، تو بھی غسل ہو جائے گا اور نماز میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ میت کو غسل دینے والے کا غسل دینے کے بعد غسل کر لینا مستحب ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] ایامِ قربانی کے ختم ہونے پر قربانی کے جانور کا کیا کیا جائے؟

۱۹۲۵- سوال: قربانی کے لیے خریدی ہوئی گائے کی غیروں سے لڑائی جھگڑے کی وجہ سے، قربانی کے دنوں میں، قربانی نہ ہو سکی، تو اب اس جانور کو کیا کریں؟ اگر اس کو ذبح کریں، تو اس کا گوشت سب لوگ کھا سکتے ہیں یا صرف صدقات وزکوٰۃ کے حق داروں کو کھلایا جائے؟ اس صورت میں قربانی کا ثواب

= قال - رحمه الله -: (ولا يذبح مصري قبل الصلاة وذبح غيره) يعني لا يجوز لأهل المصر أن يذبحوا الأضحية قبل أن يصلوا صلاة العيد، ويجوز لأهل القرى والبادية أن يذبحوا بعد صلاة الفجر قبل أن يصلي الإمام صلاة العيد، والأصل في ذلك قوله: - صلى الله عليه وسلم - من ذبح قبل صلاة الإمام فليعد ذبيحته، ومن ذبح بعد صلاة الإمام فقد تم نسكه وأصاب سنة المسلمين، قال صاحب النهاية: هذا يشير إلى ما ذكر في المبسوط حيث قال: لا يجزيه لعدم الشرط لا لعدم الوقت، وقال - عليه الصلاة والسلام -: أول نسكنا في هذا اليوم الصلاة، ثم الأضحية، وهذا ظاهر في حق من عليه الصلاة فبقي غيره على الأصل فيذبح بعد طلوع الفجر. (تكملة البحر الرائق: ۱۹۹/۸، كتاب الأضحية، ط: دار الكتاب الإسلامي)

ويجوز في نهارها وليلها بعد طلوع الفجر من يوم النحر إلى غروب الشمس من اليوم الثاني عشر، إلا أنه يكره الذبح في الليل، . . . والوقت المستحب للتضحية في حق أهل السواد بعد طلوع الشمس، وفي حق أهل المصر بعد الخطبة، كذا في الظهيرية. (الفتاوى الهندية: ۲۹۵/۵، كتاب الأضحية، الباب الثالث في وقت الأضحية، ط: دار الفكر)

[۱] (قوله ولا يمضمضوه ولا ينشقوه) لأنهما لا يتأتيان من الميت لأن المضمضة أن يدير الماء في فيه ثم يمجه والاستنشاق أن يجذب الماء بنفسه إلى خياشيمه ثم يرسله وقال بعضهم يجعل الغاسل على أصبعه خرقة رقيقة ويدخل أصبعه في فم الميت ويمسح بها أسنانه ولهاته وشفتيه، قال الحلواني: وعليه عمل الناس اليوم. (الجوهرة النيرة- أبو بكر بن علي بن محمد الحدادي العبادي الزَّبِيدِيّ اليمني الحنفي (م: ۸۰۰هـ): ۱۰۳/۱، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ط: المطبعة الخيرية)

ويندب الاغتسال . . . عند الفراغ من حجامة وغسل ميت. (مراقي الفلاح، ص: ۴۶، ط: دار الكتب العلمية)

حاصل ہوگا یا نہیں؟ اگر ذبح نہ کریں تو اس جانور کو آئندہ سال تک رکھ سکتے ہیں یا اس کو بیچ دیں؟ نیز قربانی اور عقیقہ دونوں کی نیت کی ہو تو کیا کیا جائے؟ جانور بیچنے کی صورت میں پیسے غریبوں کو دے دیے جائیں یا خود رکھ لیں، شرعی مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے۔

الجواب حامداً ومصلیا:

ایامِ قربانی ختم ہوجانے پر پورے زندہ جانور کو غریبوں میں صدقہ کردے، یا جتنی قیمت میں جانور کو خریدا ہے، اتنی قیمت غریبوں میں صدقہ کردے، قربانی کی ذمہ داری ادا ہوجائے گی۔ (شامی: ۲۸۲/۵، بدائع الصنائع: ۹۸/۵)[۱]

اگر جانور کو ذبح کرے تو گوشت غریبوں کو صدقہ کرنا ضروری ہے، مال داروں کو دینا جائز نہیں ہے، لیکن اس صورت میں جانور کی قیمت میں ذبح کرنے سے جو قیمت کم ہوگی، اس کا صدقہ کرنا بھی ضروری ہے، مثلاً: جانور کی قیمت سات سو (۷۰۰) روپئے ہیں، اور گوشت اور منڈی پایا وغیرہ کی بازاری قیمت چھ سو (۶۰۰) روپئے ہوئی، تو سو (۱۰۰) روپئے کا صدقہ کرنا ضروری ہے؛ اس لیے بہتر یہ ہے کہ زندہ جانور غریبوں کو صدقہ کردے، یا جو قیمتِ خرید ہے، اسے صدقہ کردے، عقیقہ اس صورت میں ادا نہ ہوگا۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱-۲] ثم قضاؤها قد يكون بالتصدق بعين الشاة حية وقد يكون بالتصدق بقيمة الشاة؛ فإن كان أوجب التضحية على نفسه بشاة بعينها فلم يضحها حتى مضت أيام النحر يتصدق بعينها حية؛ لأن الأصل في الأموال التقرب بالتصدق بها لا بالإتلاف وهو الإراقة إلا أنه نقل إلى الإراقة مقيدا في وقت مخصوص حتى يحل تناول لحمه للمالك والأجنبي والغني والفقير؛ لكون الناس أضياف الله - عز شأنه - في هذا الوقت، فإذا مضى الوقت عاد الحكم إلى الأصل، وهو التصدق بعين الشاة سواء كان موسرا أو معسر الما قلنا.

وكذلك المعسر إذا اشترى شاة ليضحي بها فلم يضح حتى مضى الوقت؛ لأن الشراء للأضحية من الفقير كالنذر بالتضحية وأما الموسر إذا اشترى شاة للأضحية فكذلك الجواب، ومن المشايخ من قال هذا الجواب في المعسر؛ لأن الشاة المشتراة للأضحية من المعسر تتعين للأضحية، فأما من الموسر فلا تتعين بدليل أنه يجوز له التضحية بشاة أخرى في الوقت مع بقاء الأولى وتسقط عنه الأضحية، والصحيح أنها تتعين من الموسر أيضا بلا خلاف بين أصحابنا، فإن محمدا - رحمه الله - ذكر عقيب جواب المسألة، وهذا قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله وقولنا. . . . ـــــــــ وإن كان لم يوجب على نفسه ولا اشترى وهو موسر حتى مضت أيام النحر تصدق بقيمة شاة تجوز في الأضحية؛ لأنه إذا لم يوجب ولم يشتر لم يتعين شيء للأضحية وإنما الواجب عليه إراقة دم شاة فإذا مضى الوقت قبل أن يذبح - ولا سبيل إلى التقرب بالإراقة بعد خروج الوقت لما قلنا - انتقل =

[۱۵] ایامِ نحر کے ختم ہونے کے بعد قربانی کے جانور کی قیمت کا کیا حکم ہے؟

۱۹۲۶- سوال: ہمیں ایک رشتہ دار کی جانب سے ڈرافٹ کے ساتھ ایک خط ملا، جس میں لکھا گیا ہے کہ ایک بڑا جانور خرید کر چھ حصے ہماری جانب سے اور ایک حصہ میں نبیٔ اکرم ﷺ کی نیت کے ساتھ قربانی کرلیں، یہ خط ہمیں اُس وقت ملا جب کہ قربانی کے ایام ختم ہو چکے ہیں، اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اِس مسئلہ میں شرعی رہنمائی فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً

قربانی کی عبادت میں اصل چیز إراقة الدم یعنی خون بہانا ہے، لیکن اگر کسی وجہ سے قربانی کے ایام میں کوئی شخص قربانی ادا نہیں کرسکا، حالاں کہ قربانی کا جانور خرید لیا تھا، تو اب اُس کا حکم یہ ہے کہ وہ قربانی کا جانور زندہ ہونے کی حالت میں کسی غریب کو صدقہ کردے، اور اگر جانور بھی نہیں خرید سکا تھا کہ قربانی کے ایام ختم ہو گئے، تو اِس صورت میں قربانی کے جانور کی قیمت کا صدقہ کردینے سے واجب قربانی سے سبک دوش ہو جائے گا، سوال میں مذکورہ صورت میں چوں کہ قیمت دیر سے وصول ہوئی؛ اِس لیے قربانی ادا نہیں ہوسکی، اور خط لکھنے والے نے بڑے جانور کی صراحت کی ہے؛ لہٰذا ایک بڑے جانور کی قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے، اور صدقہ کیے جانے سے وہ واجب قربانی سے سبک دوش ہوجائیں گے۔ (درمختار، ردالمحتار: ۳۲۱/۶)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=الواجب من الإراقة والعين أيضا لعدم التعيين إلى القيمة وهو قيمة شاة يجوز ذبحها في الأضحية . . . ـــــــ ولو وجب عليه التصدق بعين الشاة فلم يتصدق ولكن ذبحها يتصدق بلحمها ويجزيه ذلك إن لم ينقصها الذبح وإن نقصها يتصدق باللحم وقيمة النقصان، ولا يحل له أن يأكل منها وإن أكل منها شيئا غرم قيمته ويتصدق بها. (بدائع الصنائع: ۶۸/۵، كتاب التضحية، فصل في أنواع كيفية الوجوب، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۳۲۱/۶، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر)

[۱] (ولو) (تركت التضحية ومضت أيامها) (تصدق بها حية ناذر) فاعل تصدق (لمعينة). [الدر المختار]

وفي الشامية: (قوله ومضت أيامها إلخ) قيد به لما في النهاية: إذا وجبت بإيجابه صريحا أو بالشراء لها، فإن تصدق بعينها في أيامها فعليه مثلها مكانها؛ لأن الواجب عليه الإراقة وإنما ينتقل إلى الصدقة إذا وقع اليأس عن التضحية بمضي أيامها، وإن لم يشتر مثلها حتى مضت أيامها تصدق بقيمتها؛ لأن الإراقة إنما عرفت قربة في زمان مخصوص ولا تجزيه الصدقة الأولى عما يلزمه بعد لأنها قبل سبب الوجوب اهـ.(رد المحتار على الدر المختار: ۳۲۰/۶، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر)

[۱۶] ایام نحر میں قربانی ادا نہیں ہوسکی، تو کیا حکم ہے؟

۱۹۲۷- سوال: ایام نحر کے دوران ایک شخص پر اُس کے رشتہ دار کا انگلینڈ سے فون آیا کہ وہ اُس کے نام پر قربانی کا جانور خرید کر ذبح کرے، لیکن جانور نہیں مل سکا، اِس وجہ سے قربانی ادا نہیں ہوسکی، تو اب کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

فون کرنے والے شخص پر قربانی واجب تھی، اور ادا نہیں ہوسکی، تو قربانی کے جانور کی قیمت کا غرباء کے درمیان صدقہ کرنا ضروری ہے، اگر جانور خرید چکے ہیں، تو زندہ جانور صدقہ کردیں۔ (درِمختار مع شامی: ۳۲۱/۶)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] اسلامک ایسوسی ایشن کی طرف سے قربانی کا گوشت غرباء تک پہچانا

۱۹۲۸- سوال: مکہ مکرمہ میں اسلامک ایسوسی ایشن (Association) نے قربانی کا گوشت پیک کرکے دنیا کے ہر ایک ملک کے غرباء وفقراء تک پہنچانے کا انتظام کیا ہے؛ لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی قربانی کے پیسے اس اکیڈمی کو دے دے اور ارکان حج ادا کرکے حلق کروالے، تو کیا اس کی قربانی اور حلق کرانا درست ہوگا؟ اس انجمن نے تین لاکھ جانور خرید کر ان کی قربانی کا انتظام کیا ہے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قربانی خود کرنی چاہیے؛ کیوں کہ اسلامک ایسوسی ایشن والے قربانی کب کرتے ہیں، اس کا ہمیں حتمی علم نہیں ہوتا۔

الجواب حامداومصلیا:

حج کی قربانی کے لیے آپ کا کسی کو وکیل بنانا جائز ہے، حکومت کے انتظام کے مطابق وکیل بنانا جائز ہے؛[۲] لیکن آپ کو قربانی کے مقررہ وقت میں ادائیگی کے حوالے سے شک ہو، تو خود قربانی کریں، آپ جس کو

---

[۱] سوال سابق کا حاشیہ ملاحظہ کریں۔

[۲] (ومنها) أنه تجزئ فيها النيابة، فيجوز للإنسان أن يضحي بنفسه، وبغيره بإذنه؛ لأنها قربة تتعلق بالمال، فتجزئ فيها النيابة، كأداء الزكاة وصدقة الفطر، ولأن كل أحد لا يقدر على مباشرة الذبح بنفسه خصوصا النساء، فلو لم تجز الاستنابة، لأدى إلى الحرج. (بدائع الصنائع: ۶۷/۵، كتاب التضحية، فصل في أنواع كيفية الوجوب، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

وکیل بنا رہے ہیں، اس سے حلال ہونے اور قربانی کرنے کا وقت متعین کرلیں؛ کیوں کہ احناف کے نزدیک حلق کروانے کا حکم قربانی کے بعد ہے؛ اگر قربانی سے پہلے حلق کروایا، تو دم واجب ہوگا؛ اسی لیے سہولت و آسانی اور احتیاط اسی میں ہے کہ حاجی بہ ذات خود قربانی کرے۔ گزشتہ سال ریاض سے میرے بھتیجے ایوب آدم بیمات نے لکھا تھا کہ انہوں نے ایسوسی ایشن والے کو قربانی کا چیک [ٹوکن] دیا تھا، بعد میں وہ واپس آگیا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی قربانی نہیں ہوئی؛ اب وہ بیچارہ پریشان ہے؛ اس لیے بہتر یہی ہے کہ بہ ذات خود قربانی کرے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۸] قربانی کا جانور خریدنے کے بعد گم ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

۱۹۲۹- سوال: ایک شخص صاحب نصاب ہے، اس پر قربانی واجب ہے، اُس نے قربانی کا جانور خریدا، پھر یہ جانور گم ہو گیا اور قربانی کے ایام گزر جانے کے باوجود نہ مل سکا، تو کیا یہ شخص قربانی سے سبک دوش ہو جائے گا؟ یا دوسرا جانور خرید کر اُس کی قربانی ادا کرنا ضروری ہے؟ اُس کے برخلاف ایک غریب آدمی کا قربانی کی نیت سے خریدا ہوا جانور گم ہو جائے، تو اُس کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص پر قربانی واجب ہو اور اُس کا خریدا ہوا جانور گم ہو جائے، تو اُس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسرا جانور خرید کر قربانی ادا کرے، اگر قربانی کے ایام ختم ہو گئے ہوں، تو اُسے چاہیے کہ وہ جانور کی قیمت کا صدقہ کرے، اور اگر کسی شخص پر قربانی واجب نہیں تھی، اور اُس کا خریدا ہوا جانور گم ہو گیا، تو دوسرا خریدنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔ (درمختار مع شامی: ۳۲۵/۶)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] ایام قربانی گذر جانے کے بعد قربانی کی رقم آئے تو؟

۱۹۳۰- سوال: میرے پاس بیرون ملک سے ایام قربانی گزر جانے کے بعد قربانی کی رقم

---

[۱] (ولو) (اشتراها سليمة ثم تعيبت بعيب مانع) كما مر (فعليه إقامة غيرها مقامها إن) كان (غنيا، وإن) كان (فقيرا أجزأه ذلك) وكذا لو كانت معيبة وقت الشراء لعدم وجوبها عليه بخلاف الغني، ولا يضر تعيبها من اضطرابها عند الذبح وكذا لو ماتت فعلى الغني غيرها لا الفقير ولو ضلت أو سرقت فشرى أخرى فظهرت فعلى الغني إحداهما وعلى الفقير كلاهما، شمني.. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۲۵/۶-۳۲۶، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر)

آئی، تو مجھے کیا کرنا ہوگا؟ اور اس رقم کو کس کام میں استعمال کرنا چاہیے؟

الجواب حامداو مصلیا:

جس پر قربانی واجب ہو اور قربانی کے دنوں میں وہ قربانی نہ کر سکے، اور قربانی کا جانور بھی نہ خریدا ہو، تو ایک قربانی کے قابل بکرا جتنی قیمت میں آسکتا ہو، اتنی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے؛ لہٰذا رقم بھیجنے والے سے دریافت کر لیجیے اور جتنی واجب قربانی کا آرڈر و حکم تھا، اتنے بکروں کی قیمت صدقہ کر دیجیے، ان کی ذمہ داری ادا ہو جائے گی، اگر رقم کم پڑتی ہو، تو رقم بھیجنے والے کو اولا اطلاع دے دیجیے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] ایام قربانی میں، قربانی نہیں ہو سکی، تو ایک بکرے کی قیمت صدقہ کرنا ضروری ہے

۱۹۳۱- سوال: میری بیوی کینیڈا میں تھی، اس نے قربانی کرنے کے متعلق کہا تھا؛ لیکن قربانی نہیں ہو سکی، اس سلسلے میں کیا کیا جائے؟

الجواب حامداو مصلیا:

واجب قربانی نہ ہو سکی، تو جس قدر قربانی نہیں ہوئی ہے، اتنے بکرے کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، اگر صرف آپ کی اہلیہ ہی کی قربانی تھی، تو ایک بکرے کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وإن كان من لم يضح غنيا ولم يوجب على نفسه شاة بعينها تصدق بقيمة شاة اشترى أو لم يشتري، كذا في العتابية. (الفتاوى الهندية: ۲۹۶/۵، كتاب الأضحية، الباب الرابع فيما يتعلق بالمكان والزمان، ط: دار الفكر)

"ولو لم يضح حتى مضت أيام النحر إن كان أوجب على نفسه أو كان فقيرا وقد اشترى الأضحية تصدق بها حية وإن كان غنيا تصدق بقيمة شاة اشترى أو لم يشتر" لأنها واجبة على الغني. (الهداية في شرح بداية المبتدي- علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۳۵۸/۴، كتاب الأضحية، على من تجب الأضحية، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت☆ البحر الرائق: ۲۰۰/۸، كتاب الأضحية، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۳۲۱/۶، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) سوال سابق کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

عن سلمة بن الأكوع، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: من ضحى منكم فلا يصبحن بعد ثالثة وبقي في بيته منه شيء، فلما كان العام المقبل، قالوا: يا رسول الله، نفعل كما فعلنا عام الماضي؟ قال: كلوا وأطعموا وادخروا، فإن ذلك العام كان بالناس جهد، فأردت أن تعينوا فيها. (صحيح البخاري: ۸۳۵/۲، رقم الحديث: ۵۵۶۹، كتاب الأضاحي، باب ما يؤكل من لحوم الأضاحي وما يتزود منها، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۱۵۹/۲، رقم الحديث: ۳۴-(۱۹۷۴)، كتاب الأضاحي، باب بيان ما كان من النهي عن أكل لحوم الأضاحي بعد ثلاث في أول الإسلام، وبيان نسخه وإباحته إلى متى شاء، ط: ديوبند)

باب لحوم الأضاحي

[قربانی کے گوشت کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب لحوم الأضاحي

[قربانی کے گوشت کا بیان]

[۱] قربانی کے گوشت کو حصے داروں کے درمیان کمی بیشی کے ساتھ تقسیم کرنا

۱۹۳۲- سوال: قربانی میں حصوں کو کمی بیشی کے ساتھ تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

قربانی کے گوشت کو کمی بیشی کے ساتھ تقسیم کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ کمی بیشی کے ساتھ تقسیم کی صورت میں جو زیادتی دوسرے کے پاس ہوگی، وہ سود کے حکم میں ہوگی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ويقسم اللحم وزنا لا جزافا إلا إذا ضم معه الأكارع أو الجلد) صرفا للجنس لخلاف جنسه. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله لا جزافا) لأن القسمة فيها معنى المبادلة، ولو حلل بعضهم بعضا قال في البدائع: أما عدم جواز القسمة مجازفة فلأن فيها معنى التمليك واللحم من أموال الربا فلا يجوز تمليكه مجازفة. ـــــــ وأما عدم جواز التحليل؛ فلأن الربا لا يحتمل الحل بالتحليل، ولأنه في معنى الهبة وهبة المشاع فيما يحتمل القسمة لا تصح اهـ، . . . (قوله إلا إذا ضم معه إلخ) بأن يكون مع أحدهما بعض اللحم مع الأكارع ومع الآخر البعض مع البعض مع الجلد، عناية. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۳۱۷-۳۱۸، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر- بيروت)

[۲] قربانی کے گوشت کی تقسیم

گذشتہ سے پیوستہ

۱۹۳۳- سوال: قربانی کے بڑے جانور کے سات حصے ہوسکتے ہیں، اس اعتبار سے الگ الگ آدمیوں نے قربانی کا بڑا جانور خرید لیا، تو کیا ہر ایک کا حصہ وزن کر کے الگ کرنا ضروری ہے؟ اسی طرح تقسیم کے وقت گردہ، کلیجی، تلی، سری وغیرہ ہر ہر عضو کے سات سات حصے کرنا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

ہر عضو کے حصے کرنا ضروری نہیں، وزن کر کے برابر برابر تقسیم کرنا واجب ہے اور اگر تمام شرکاء کلیجی وغیرہ میں حصہ مانگتے ہوں، تو تمام کو حصہ دینا ضروری ہے، وزن میں کمی بیشی درست نہیں، ہاں اگر کوئی سری کوئی پایا اور کوئی چمڑا لے جائے، تو کمی بیشی جائز ہے۔ (درمختار)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] قربانی کے گوشت کو سُکھانا

۱۹۳۴- سوال: قربانی کے گوشت کو سکھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

مستحب ہے کہ قربانی کرنے والا گوشت کے تین حصے کرے، ایک حصہ اپنے گھر والوں کے لیے رکھے، ایک حصہ دوست واحباب اور اعزہ واقارب کو دے اور ایک حصہ غرباء میں تقسیم کرے، اگر کسی کی فیملی بڑی ہو اور ضرورت کی وجہ سے پورا گوشت خود رکھ لے، تو یہ بھی جائز ہے، اسی طرح ایک تہائی حصہ میں سے کچھ سکھائے یا پورا گوشت سکھائے، سب جائز ہے۔ (مجمع الانہر)[۲]

---

[۱] سوال سابق کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

[۲] عن سلمة بن الأكوع، قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: من ضحى منكم فلا يصبحن بعد ثالثة وبقي في بيته منه شيء، فلما كان العام المقبل، قالوا: يا رسول الله، نفعل كما فعلنا عام الماضي؟ قال: كلوا وأطعموا وادخروا، فإن ذلك العام كان بالناس جهد، فأردت أن تعينوا فيها. (صحيح البخاري: ۸۳۵/۲، رقم الحديث: ۵۵۶۹، كتاب الأضاحي، باب مايؤكل من لحوم الأضاحي ومايتزود منها، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۱۵۹/۲، رقم الحديث: ۳۴-(۱۹۷۴)، كتاب الأضاحي، باب بيان ما كان من النهي عن أكل لحوم الأضاحي بعد ثلاث في أول الإسلام، وبيان نسخه وإباحته إلى متى شاء، ط: ديوبند)

عن عبد الله بن بريدة، عن أبيه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: نهيتكم عن زيارة القبور، فزوروها، =

یہ حکم واجب قربانی کا ہے، اگر کسی نے منت مان کر اپنے اوپر قربانی واجب کی ہو، تو اُس کے پورے گوشت کو صدقہ کرنا ضروری ہے، اس میں سے مال داروں کو دینا جائز نہیں ہے۔ (١) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[٣] قربانی کا گوشت زیادہ مقدار میں جمع ہو جائے تو کیا کرے؟

١٩٣٥- سوال: قربانی کا گوشت زیادہ مقدار میں جمع ہو جائے، تو کیا کیا جائے؟

الجواب حامدا ومصليا:

اُس کی قدر کرتے ہوئے اُسے سکھا کر خود استعمال کریں، یا قریب کی مسلم آبادی کے غریب لوگوں کے ہاں بھیج دیں، کہ ہر مسلمان اُس دِن اللہ تعالیٰ کی دعوت میں شریک بن سکے۔ (٢) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=ونهيتكم عن لحوم الأضاحي فوق ثلاث، فأمسكوا ما بدا لكم، ونهيتكم عن النبيذ إلا في سقاء، فاشربوا في الأسقية كلها، ولا تشربوا مسكرا. (الصحيح لمسلم:١٥٩/٢، رقم الحديث:٣٧-(١٩٧٧)، كتاب الأضاحي، باب بيان ما كان من النهي عن أكل لحوم الأضاحي بعد ثلاث في أول الإسلام، وبيان نسخه وإباحته إلى متى شاء، ط: ديوبند)

عن جابر، عن النبي صلى الله عليه وسلم، أنه نهى عن أكل لحوم الضحايا بعد ثلاث، ثم قال بعد: كلوا، وتزودوا، وادخروا. (الصحيح لمسلم:١٥٨/٢، رقم الحديث:٢٩-(١٩٧٢)، كتاب الأضاحي، باب بيان ما كان من النهي عن أكل لحوم الأضاحي بعد ثلاث في أول الإسلام، وبيان نسخه وإباحته إلى متى شاء، ط: ديوبند)

(ويأكل من لحم أضحيته ويطعم من شاء من غني وفقير) لما روي أنه - عليه الصلاة والسلام - نهى عن أكل لحوم الضحايا بعد ثلاث، ثم قال كلوا وتزودوا وادخروا. والنصوص كثيرة، وعليه إجماع الأمة، (وندب أن لا تنقص الصدقة عن الثلث)؛ لأن الجهات ثلاث: الأكل، والإدخال، والتصدق ... (وتركه) أي وندب ترك التصدق (لذي عيال توسعة عليهم) أي على العيال. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م:١٠٧٨هـ): ٥٢١/٢، كتاب الأضحية، ط: دار إحياء التراث العربي)

(١) قال - رحمه الله -: (وندب أن لا ينقص الصدقة من الثلث) لأن الجهات ثلاثة: الإطعام والأكل والادخار لما روينا ولقوله تعالى {وأطعموا القانع والمعتر} [الحج:٣٦] أي السائل والمتعرض للسؤال، فانقسم عليه أثلاثا وهذا في الأضحية الواجبة والسنة سواء، ... وإذا لم تكن واجبة، وإنما وجبت بالنذر فليس لصاحبها أن يأكل منها شيئا ولا أن يطعم غيره من الأغنياء، سواء كان الناذر غنيا، أو فقيرا لأن سبيلها التصدق وليس للمتصدق أن يأكل من صدقته ولا أن يطعم الأغنياء. (تكملة البحر الرائق - محمد بن حسين بن علي الطوري الحنفي القادري (م: بعد ١١٣٨هـ): ٢٠٣/٨، كتاب الأضحية، الأكل من لحم الأضحية، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(٢) ويستحب أن يأكل من أضحيته ويطعم منها غيره، والأفضل أن يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضيافة لأقاربه وأصدقائه، ويدخر الثلث، ويطعم الغني والفقير جميعا، كذا في البدائع. ويهب منها ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي، كذا في الغياثية. ولو تصدق بالكل جاز، ولو حبس الكل لنفسه جاز. (الفتاوى الهندية: ٣٠٠/٥، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب، ط: دار الفكر - بيروت)

[۵] قربانی کا گوشت دوسرے گاؤں بھیجنا

۱۹۳۶-سوال: قربانی کا گوشت دوسرے گاؤں بھیجنا کیسا ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

دوسرے گاؤں میں [جہاں گوشت بھیجنے کا ارادہ ہو] رشتہ داری ہو، یا غربت ہو، تو وہاں گوشت بھیجنا بڑے ثواب کا کام ہے؛ اِس لیے کہ قربانی کا ایک تہائی حصہ رشتہ داروں کو اور ایک تہائی غرباء کو دینا مستحب ہے، اگر دوسرے گاؤں میں ضرورت نہ ہو، رشتہ داروں کے ہاں خود قربانی ہے، اور اپنے گاؤں میں غرباء زیادہ ہیں اور اُن کو گوشت کی ضرورت ہے، تو گاؤں ہی میں دینا کارِ ثواب ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[٦] قربانی کا گوشت بیچنا

۱۹۳۷-سوال: قربانی کا گوشت بیچنا کیسا ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

قربانی کرنے والے کے لیے گوشت کو ایسی چیز کے بدلہ میں بیچنا، جو باقی رہنے والی ہو اور باقی رہتے ہوئے اس سے فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہو، جائز ہے۔

اگر روپیہ و پیسہ کے عوض فروخت کرے، تو اُس رقم کا صدقہ کرنا واجب ہے؛ اِس لیے بیچنا درست ہے، البتہ اس سے حاصل ہونے والی رقم کا کسی فقیر پر صدقہ کرنا ضروری ہے۔ (درمختار: ۵/ ۲۰۰، مجمع الانہر: ۲/ ۵۲۱)[۲]

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) والأفضل أن يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضيافة لأقربائه وأصدقائه ويدخر الثلث. (رد المحتار على الدر المختار: ٦/ ٣٢٨، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر☆ حاشية الشرنبلالي مع درر الحكام شرح غرر الأحكام: ١/ ٢٧١، كتاب الأضحية، مايصح للأضحية، ط: دار إحياء الكتب العربية★الفتاوى الهندية: ٥/ ٣٠٠، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب، ط: دار الفكر)

[۲] (ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال وجراب) وقربة وسفرة ودلو (أو يبدله بما ينتفع به باقيا) كما مر (لا بمستهلك كخل ولحم ونحوه) كدراهم (فإن) (بيع اللحم أو الجلد به) أي بمستهلك (أو بدراهم) (تصدق بثمنه) ومفاده صحة البيع مع الكراهة، وعن الثاني باطل؛ لأنه كالوقف، مجتبى. (الدر المختار مع رد المحتار: ٦/ ٣٢٨، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر)　=

[۷] قربانی کے جانور کی ہڈیاں بیچنا

۱۹۳۸- سوال: عموماً ہمارے یہاں قربانی کی ہڈیوں کو دفن کر دیا جاتا ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا کسی انجمن یا کمیٹی والوں کے لیے جائز ہے کہ ان ہڈیوں کو بیچ کر پیسے حاصل کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیچ سکتے ہیں، اور انجمن اور کمیٹی والے کو چاہیے کہ ان پیسوں کو غرباء ومساکین پر خرچ کریں۔(۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیات غفرلہ

= (ويتصدق بجلدها) لكونه جزءا منها (أو يعمله آلة كجراب أو خف أو فرو) لأن الانتفاع به ليس بحرام (أو يشتري به) أي بالجلد (ما ينتفع به مع بقائه) أي بقاء ما ينتفع به استحسانا (كغربال ونحوه) ؛ لأن للبدل حكم المبدل (لا ما يستهلك) أي لا يشتري به ما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاك (كخل وشبهه) ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه وعياله، والمعنى أنه لا يتصرف على قصد التمول، واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح؛ حتى لا يبيعه بما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاك (فإن بدل اللحم أو الجلد به) أي بما ينتفع بالاستهلاك جاز و (يتصدق به) لانتقال القربة إلى البدل. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر-عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م:۱۰۷۸هـ): ۵۲۱/۲، كتاب الأضحية، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۱) ولو باع ذلك أو باع لحمها فإنه يجوز بيعه ولا ينقض البيع في جواب ظاهر الرواية لكن يتصدق بالثمن. (تحفة الفقهاء- محمد بن أحمد بن أبي أحمد، أبو بكر علاء الدين السمرقندي (م: نحو ۵۴۰هـ): ۸۸/۳، كتاب الأضحية، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

ولا يحل بيع شحمها وأطرافها ورأسها وصوفها ووبرها وشعرها ولبنها الذي يحلبه منها بعد ذبحها بشيء، لا يمكن الانتفاع به إلا باستهلاك عينه من الدراهم والدنانير والمأكولات والمشروبات، ولا أن يعطي أجر الجزار والذابح منها، فإن باع شيئا من ذلك بما ذكرنا نفذ عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى، وعند أبي يوسف - رحمه الله تعالى - لا ينفذ، ويتصدق بثمنه، كذا في البدائع. (الفتاوى الهندية: ۳۰۱/۵، كتاب الأضحية، الباب السادس في بيان ما يستحب في الأضحية والانتفاع بها، ط: دار الفكر-بيروت)

فإن باعه بشيء من النقود يتصدق به، لأن وقت القربة قد فات فيتصدق به، كذا رواه محمد. (الاختيار لتعليل المختار-عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ۶۸۳هـ): ۲۰/۵، كتاب الأضحية، ت: الشيخ محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي-القاهرة)

[۸] قربانی کا گوشت کافر کو دینا

۱۹۳۹- سوال: قربانی کا گوشت کافر کو دیا جاسکتا ہے؟ قربانی کا گوشت کس حکم میں ہے؟ یعنی زکوۃ، نفلی صدقہ یا کسی اور حکم میں؟ حوالہ کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی کا گوشت کافر و یہودی کو دینا جائز ہے قربانی واجب ہے، گوشت کا تقسیم کرنا واجب نہیں، پس قربانی کا گوشت زکوۃ کے حکم میں نہیں ہے، بل کہ نفلی صدقہ کے حکم میں ہے؛ لہٰذا کافر کو بھی دینا جائز ہے۔[1] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] قربانی کا گوشت اور غیر مسلم

۱۹۴۰- سوال: قربانی کا گوشت کسی غیر مسلم کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً: ایک شخص ہمارے یہاں پہرے داری کا کام انجام دیتا ہے، اس کو قربانی کا گوشت دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دینا جائز ہے،[2] مگر معاوضہ خدمت کے طور پر نہ دیا جائے،[3] البتہ وہ قربانی، جس کا گوشت واجب التصدق ہے، اس کا گوشت غیر مسلم کو نہ دیا جائے۔[4] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ويهب منها ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي، كذا في الغياثية. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۰۰، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب، ط: دار الفكر - بيروت)

ومباح له أن يطعم منها الغني والكافر، وأن يهدي منها إن شاء. (إعلاء السنن: ۱۷/ ۲۶۰، باب التصدق بلحوم الأضاحي، ط: إدارة القران، كراتشي)

(۲) سوال سابق کا حاشیہ نمبر (۱) ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) قال - رحمه الله -: (ولا يعطي أجرة الجزار منها شيئا) والنهي عنه نهي عن البيع لأنه في معنى البيع؛ لأنه يأخذه بمقابلة عمله فصار معاوضة كالبيع. (البحر الرائق: ۸/ ۲۰۳، كتاب الأضحية، أجرة الجزار هل تأخذ من الأضحية، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۴) إن وجبت بالنذر فليس لصاحبها أن يأكل منها شيئا، ولا أن يطعم غيره من الأغنياء سواء كان الناذر غنيا أو فقيرا؛ لأن سبيلها التصدق، وليس للمتصدق أن يأكل صدقته، ولا أن يطعم الأغنياء، كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۰۰، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب، ط: دار الفكر - بيروت) =

[۱۰] قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دینا

۱۹۴۱- سوال: قربانی کا گوشت غیر مسلم کو دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

غیر مسلم ذمی کو دینا جائز ہے، حربی کو دینا جائز نہیں ہے؛ اِس لیے ہندوستان کے غیر مسلم کو دینا جائز نہیں ہے، یہ حکم قربانی کرنے والے کا ہے، لیکن جس شخص کے پاس دوسرے کی جانب سے گوشت آیا ہو وہ اگر غیر مسلم کو دے تو جائز ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= (ولا) تدفع (إلى ذمي) لحديث معاذ (وجاز) دفع (غيرها وغير العشر) والخراج (إليه) أي الذمي ولو واجبا كنذر وكفارة وفطرة خلافا للثاني وبقوله يفتي حاوي القدسي. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله: خلافا للثاني) حيث قال إن دفع سائر الصدقات الواجبة إليه لا يجوز اعتبارا بالزكاة، وصرح في الهداية وغيرها بأن هذه رواية عن الثاني، وظاهره أن قوله المشهور كقولهما (قوله: وبقوله يفتي) الذي في حاشية الخير الرملي عن الحاوي وبقوله نأخذ. ـــــ قلت: لكن كلام الهداية وغيرها يفيد ترجيح قولهما وعليه المتون. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۵۲، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، ط: دار الفكر-بيروت)

(۱) حضرت مفتی صاحب نے اس سے پہلے ذکر کیے گئے اپنے فتویٰ میں مطلقاً غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دیے جانے کی بات لکھی ہے، "ذمی کافر" یا حربی کافر کا کوئی فرق بیان نہیں کیا ہے، جب کہ اس فتویٰ میں فرق کیا ہے، اور دونوں کا حکم علاحدہ بیان کیا ہے، حالاں کہ اکابر دیوبند کے فتاویٰ سابق میں ذکر کیے گئے فتویٰ کے موافق ہے کہ کافر کو قربانی کا گوشت دینا جائز ہے، ذیل کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں:

سوال: قربانی اور عقیقہ کا گوشت غیر مسلموں کو دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا: جس قربانی کا گوشت صدقہ کرنا واجب ہے، جیسے نذر، اس کا گوشت غیر مسلم کو نہ دیا جائے، اور عام قربانی کا گوشت اور عقیقے کا گوشت غیر مسلم حربی کو بھی دینا درست ہے۔ فقط، واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم، دیوبند

(فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/۴۳۵، سوال نمبر: ۸۴۸۸، قربانی اور عقیقہ کا گوشت غیر مسلم کو دینا، ط: دار المعارف-دیوبند)

اس فتویٰ میں باضابطہ "حربی کافر" کی صراحت اور استاذ محترم حضرت مفتی نظام الدین اعظمیؒ کی تائید موجود ہے۔

استاذ محترم حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم رقم طراز ہیں:

جواب: غیر مسلموں کو قربانی کا گوشت دینا جائز اور درست ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ موجودہ حالات میں اس طرح کا سلوک کرنا مستحب اور مستحسن ہے، اس سے اجنبیت کم ہوگی، اُنس بڑھے گا، اور ان کو احساس ہوگا کہ مسلمان مذہبی طور پر اتنے فراخ دل اور سیر چشم ہیں کہ اپنی خوشیوں میں غیر مسلم بھائیوں کو بھی شریک کرتے ہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴/۱۵۰، کتاب الاضحیہ، قربانی کا گوشت اور چرم غیر مسلموں کو دینا، ط: نعیمیہ-دیوبند)

[۱۱] قربانی کے جانور کی اوجھڑی شرکاء کی اجازت سے کافر کو دینا

۱۹۴۲- سوال: (۱) قربانی کے جانور میں چار پانچ آدمی شریک ہوں، اوراس کی اوجھڑی کسی آدی باسی شخص (جو کافر ہوتا ہے) کو دینے کے سلسلے میں سب متفق ہوں، تو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) اگر کوئی شریک اس وقت موجود نہ ہو اور اس کا وکیل اس کی طرف سے اجازت دے دے، تو یہ معتبر ہے یا نہیں؟ شریعت کا حکم بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

(۱) جائز ہے۔[۱]

(۲) اصیل اجازت دے یا [اصیل کی مرضی سے] وکیل اجازت دے، دونوں صورتیں جائز ہیں۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۲] قربانی کا گوشت کافر کو شہرت کے لیے دینا

۱۹۴۳- سوال: قربانی کا گوشت محض اپنی شہرت کے لیے کسی کافر کو دینا کیسا ہے؟ محتاج اور غریب کو برائے نام دے کر باقی پورا گوشت کسی کافر سیٹھ کو دے دینا کیسا ہے؟

---

[۱] (وصح) (اشتراك ستة في بدنة شريت لأضحية... استحسانا وذا) أي الاشتراك (قبل الشراء أحب، ويقسم اللحم وزنا لا جزافا إلا إذا ضم معه الأكارع أو الجلد). (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله ويقسم اللحم) انظر هل هذه القسمة متعينة أو لا، حتى لو اشترى لنفسه ولزوجته وأولاده الكبار بدنة ولم يقسموها تجزيهم أو لا، والظاهر أنها لا تشترط لأن المقصود منها الإراقة وقد حصلت. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۱۷/۶، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر بيروت)

ومباح له أن يطعم منها الغني والكافر، وأن يهدي منها إن شاء. (إعلاء السنن: ۲۶۰/۱۷، باب التصدق بلحوم الأضاحي، ط: إدارة القران، كراتشي)

(۲) ويجوز [التوكيل] بالنكاح والخلع والصلح عن دم العمد والكتابة والإعتاق على مال والصلح على إنكار، لأنه يملك هذه التصرفات بنفسه فيملك تفويضها إلى غيره، وتجوز الهبة والصدقة والإعارة والإيداع والرهن والاستعارة والاستيهاب والارتهان. (بدائع الصنائع: ۲۳/۶، كتاب الوكالة، فصل في شرائط الوكالة، ط: دار الكتب العلمية)

الجواب حامدا ومصلیا:

قربانی کا گوشت نام ونمود اور اپنی شہرت کے لیے کسی کو بھی دیا جائے، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر، حرام ہے، البتہ نام ونمود مقصود نہ ہو، تو غیر مسلم اور کافر؛ دونوں کو دینا جائز ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کیے جائیں: ایک حصہ اپنے بال بچوں کے لیے، ایک حصہ دوست واحباب اور اپنے متعلقین کے لیے اور ایک حصہ مسلم غرباء کے لیے۔ مسلم غرباء کو چھوڑ کر غیر مسلموں کو زیادہ گوشت دینا بہتر نہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] نکاح یا رخصتی کی دعوت میں عقیقہ کرنا

۱۹۴۴- سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ:

---

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۖ لَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (۲-البقرۃ:۲۶۴)

[عن أبي هريرة قال:] سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "إن أول الناس يقضى يوم القيامة عليه رجل استشهد، فأتي به فعرفه نعمه فعرفها، قال: فما عملت فيها؟ قال: قاتلت فيك حتى استشهدت، قال: كذبت، ولكنك قاتلت لأن يقال: جريء، فقد قيل، ثم أمر به فسحب على وجهه حتى ألقي في النار، ورجل تعلم العلم، وعلمه وقرأ القرآن، فأتي به فعرفه نعمه فعرفها، قال: فما عملت فيها؟ قال: تعلمت العلم، وعلمته وقرأت فيك القرآن، قال: كذبت، ولكنك تعلمت العلم ليقال: عالم، وقرأت القرآن ليقال: هو قارئ، فقد قيل، ثم أمر به فسحب على وجهه حتى ألقي في النار، ورجل وسع الله عليه، وأعطاه من أصناف المال كله، فأتي به فعرفه نعمه فعرفها، قال: فما عملت فيها؟ قال: ما تركت من سبيل تحب أن ينفق فيها إلا أنفقت فيها لك، قال: كذبت، ولكنك فعلت ليقال: هو جواد، فقد قيل، ثم أمر به فسحب على وجهه، ثم ألقي في النار". (الصحيح لمسلم:۲/۱۴۰، رقم الحديث: ۱۵۲-(۱۹۰۵)، كتاب الإمارة، باب من قاتل للرياء والسمعة استحق النار، ط: ديوبند)

ويستحب أن يأكل من أضحيته ويطعم منها غيره، والأفضل أن يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضيافة لأقاربه وأصدقائه، ويدخر الثلث، ويطعم الغني والفقير جميعا، كذا في البدائع. ويهب منها ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي، كذا في الغياثية. (الفتاوى الهندية:۵/۳۰۰، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب، ط: دار الفكر-بيروت)

وللمضحي أن يهب كل ذلك أو يتصدق به أو يهديه لغني أو فقير مسلم أو كافر. (إعلاء السنن:۱۷/۲۵۸، كتاب الأضاحي، بيع جلد الأضحية، ط: إدارة القران، كراتشي)

ایک شخص کے یہاں نکاح یا رخصتی کا موقع تھا، جس میں اس نے مختلف لوگوں کو دعوت دے رکھی تھی، اس موقع سے آنے والے مہمانوں کو کھلانے کے لیے عقیقہ کا جانور ذبح کیا، اور اس کا گوشت کھلا دیا، یہاں رواج کے موافق آنے والے دعوت کے بعد کچھ رقم یا برتن وغیرہ لازمی طور پر دیتے ہیں، گویا یہ دعوت اور کھانے کا عوض ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جو شخص نہیں آتا، وہ کچھ نہیں دیتا، تو اس طرح عقیقہ کا گوشت نکاح یا رخصتی کے موقع پر دعوت میں کھلانا کیسا ہے؟ عقیقہ درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عقیقہ کا گوشت خود بھی کھا سکتے ہیں اور دوسروں کو بھی کھلا سکتے ہیں، البتہ اس کو بیچنے کی اجازت نہیں ہے۔ (۱)

مذکورہ رواج کی وجہ سے عقیقہ کا گوشت شادی یا رخصتی کے موقع پر دعوت میں کھلانا جائز نہیں ہے۔ اس رسم ورواج کو لوگ قرض کی طرح سمجھتے ہیں؛ بل کہ جس کے گھر دعوت دیتے ہیں، اس کے مراسم وحالات دیکھ کر دعوت دیتے ہیں، یعنی یہ بھی دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے موقع پر دعوت کرے گا یا نہیں، نیز اس موقع سے کچھ گفٹ دے گا یا نہیں، اس طرح کی دعوت کو قرض سمجھا جاتا ہے، لہٰذا اس ''قرض وصولی'' کی دعوت میں عقیقہ کا گوشت کھلانا جائز نہیں۔ (۲)

اس کے باوجود اگر کسی نے ایسے موقع پر عقیقہ کا گوشت کھلا دیا، تو اتنے گوشت کی قیمت غرباء پر صدقہ کرنا ضروری ہے، مثلاً اگر ایک من گوشت اس دعوت میں کھلایا ہے، تو ایک من گوشت کی قیمت غرباء ومساکین پر صدقہ کرنا ضروری ہے، صدقہ کرنے سے عقیقہ صحیح ہو جائے گا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) و بالجملة هي كالأضحية في أكثر الأحكام عندهم. (إعلاء السنن - ظفر أحمد العثماني (م: ۱۳۹۴ھ): ۱۱۷/۱۷، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، ط: إدارة القران - كراتشي)

حضرت مولانا ومفتی سید عبد الرحیم لاج پوری رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں:

عقیقے کا گوشت بلا کسی عوض مفت کھلانا چاہیے، شادی کی تقریب میں چوں کہ کھانا کھلانا چڑھاوا (دیوار) لیا جاتا ہے، اس لیے عوض اور بدلہ کا شبہ ہوتا ہے؛ لہٰذا بچنا چاہیے، ہاں ناشتہ وغیرہ کی دعوت میں -جس میں چڑھاوا لینے کا دستور نہیں ہے- کھلانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، شادی کی دعوت میں عقیقے کا گوشت کھلانے کا رواج یعنی دستور ہو جانے میں ایک خرابی یہ بھی ہے کی استحباب کی رعایت نہ ہوگی، مستحب یہ ہے کہ ساتویں روز عقیقہ ہو، اور تیسرا حصہ غرباء کو دیا جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۰/ ۶۱-۶۲، باب العقیقہ، شادی کی دعوت میں عقیقے کا گوشت استعمال کرنا، ط: دار الاشاعت - کراچی ☆ فتاویٰ دینیہ - مفتی اسماعیل کچھولوی دامت برکاتہم: ۴/ ۲۴۴، شادی میں عقیقہ کی دعوت، ط: جامعہ حسینیہ - راندیر، سورت، گجرات)

(۲) وفي الدر المنتقى عن الظهيرية: وعمل الجلد جرابا وأجره لم يجز وعليه التصدق بالأجرة. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۲۹/۶، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر - بيروت)

[۱۴] شادی کی دعوت میں عقیقہ کرنا

۱۹۴۵- سوال: ہمارے یہاں بلیشور میں قاسم بھائی نے اپنے لڑکے کی شادی کی دعوت میں عقیقہ کی نیت سے ایک گائے ذبح کی اور اس میں نہ کوئی حصہ الگ کیا اور نہ اس کا گوشت غریبوں میں تقسیم کیا؛ بل کہ پوری گائے عقیقہ میں ذبح کی اور اس کا گوشت بھی مہمانوں کو کھلا دیا، نیز دعوت میں آنے والے مہمانوں سے رسماً جو ہدیہ تحفہ لیا جاتا ہے، اسے بھی وصول کیا، تو ایسی صورت میں مذکور عقیقہ صحیح ہوا یا نہیں؟ جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عقیقہ کا مطلب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد عنایت کی ہے، اس کی شکر میں، اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بکرا، بکری وغیرہ ذبح کرے، یا بڑے جانور میں حصہ رکھے، اور گوشت رشتہ داروں اور غریبوں میں تقسیم کردے، خود بھی استعمال کرے۔[1]

رہی بات شادی کے موقع پر مہمانوں کو عقیقہ کا گوشت کھلانے کی، تو اس میں تفصیل ہے کہ اگر عقیقہ کرنے والا آنے والے مہمانوں سے رسمی ہدیہ وتحفہ نہیں لیتا ہے، تو جائز ہے اور عقیقہ ادا ہو جائے گا، لیکن اگر دعوت میں آنے والوں سے ہدیہ وتحفہ وصول کرتا ہے، تو اس کا مطلب (عرفاً یہ ہے کہ) اس نے جو کچھ اپنے رشتہ دار اور متعلقین کی شادیوں میں ہدیہ دیا تھا، اس کا قرض وصول کر رہا ہے اور اسی مقصد سے گویا اس نے یہ کھانے پینے کی دعوت کی ہے؛ لہٰذا اس کا عقیقہ ادا نہ ہوگا، الا یہ کہ جس قدر عقیقے کا گوشت دعوت میں کھلایا ہے، اس کی قیمت غرباء میں تقسیم کردے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) العقيقة تطوع إن شاء فعلها، وإن شاء لم يفعل، وهي أن يذبح شاة إذا أتى على الولد سبعة أيام، وعند الشافعي سنة، ثم إذا أراد أن يعق عن الولد، فإنه يذبح عن الغلام شاتين وعن الجارية شاة؛ لأنه إنما شرع للسرور بالمولود، وهو بالغلام أكثر، ولو ذبح عن الغلام شاة، وعن الجارية شاة جاز؛ لأن النبي - صلى الله عليه وسلم - عق عن الحسن والحسين كبشا كبشا، ولا يكون فيه دون الجذع من الضأن والثني من المعز ولا يكون فيه إلا السليمة من العيوب؛ لأنه إراقة دم شرعا كالأضحية ولو قدم يوم الذبح قبل يوم السابع أو أخره عنه جاز إلا أن يوم السابع أفضل والمستحب أن يفصل لحمها ولا يكسر عظمها تفاؤلا بسلامة أعضاء الولد ويأكل ويطعم ويتصدق. اهـ. (العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية-ابن عابدين، الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲ھ): ۲/ ۲۱۲، كتاب الذبائح، العقيقة، ط: دار المعرفة)

(۲) علقمة بن وقاص الليثي، يقول: سمعت عمر بن الخطاب رضي الله عنه على المنبر قال: سمعت رسول الله صلى=

[١۵] شادی کی دعوت اور عقیقہ

١٩٣٦- سوال: ایک شخص کی عقیقہ کی گائے ہے، اس نے اپنے دوست سے کہا، تو میرے عقیقہ کی اس گائے کو اپنی شادی کی دعوت میں لوگوں کو کھلانے کے لیے ذبح کر دینا، تو کیا شادی کی دعوت میں عقیقہ کر سکتے ہیں؟ اور اس موقع پر دعوت میں آنے والوں کی طرف سے رسماً جو کچھ دیا جاتا ہے، اس کو لینے سے عقیقہ میں کوئی نقصان تو نہ آئے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں عقیقہ اس وقت تک ادا نہ ہوگا، جب تک دعوت کھانے والوں کی طرف سے رسماً دی ہوئی چیزوں کا صدقہ نہ کر دیا جائے؛ کیوں کہ اس صورت میں عقیقہ کے گوشت کو بیچنا یا "قرض وصولی" میں دعوت کھلانا لازم آتا ہے، جو جائز نہیں۔[1] اگر ان رسمی ہدایا کو قبول نہ کریں یا منع کرنے کے باوجود رشتہ داروں یا متعلقین نے زبردستی دیا تو عقیقہ ادا ہو جائے گا۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[١٦] عقیقے کا گوشت شادی میں مہمانوں کو کھلانا اور ہدیہ لینا

١٩٣٧- سوال: ایک آدمی اپنے لڑکے کا عقیقہ کر کے اس کا گوشت اپنی لڑکی کی شادی میں

= الله عليه وسلم يقول: إنما الأعمال بالنيات، وإنما لكل امرئ ما نوى، فمن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها، أو إلى امرأة ينكحها، فهجرته إلى ما هاجر إليه. (صحيح البخاري: ١/٢، رقم الحديث: ١، كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم؟، ط: ديوبند☆الصحيح لمسلم: ٢/١٤٠-١٤١، رقم الحديث: ١۵۵-(١٩٠٧)، كتاب الإمارة، باب قوله صلى الله عليه وسلم: إنما الأعمال بالنية، وأنه يدخل فيه الغزو وغيره من الأعمال، ط: ديوبند)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیں سوال سابق بعنوان "نکاح یا رخصتی کی دعوت میں عقیقہ کرنا"۔

[١] (ولا يعطي أجر الجزار منها) لأنه كبيع. (الدر المختار) ـــــــ (قوله لأنه كبيع) لأن كلا منهما معاوضة، لأنه إنما يعطي الجزار بمقابلة جزره، والبيع مكروه، فكذا ما في معناه، كفاية. (رد المحتار على الدر المختار: ٦/٣٢٨-٣٢٩، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر)

مزید تفصیل وتخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیں سوال سابق کے حواشی۔

(٢) القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها. (الاشباه والنظائر - زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (م: ٩٧٠هـ)، ص: ٢٣، القاعدة الثانية، ت: الشيخ زكريا عميرات، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

مہمانوں کو کھلا سکتا ہے یا نہیں؟ نیز اس دعوت میں شرکت کرنے والے مہمانوں سے رسم ورواج کے مطابق پیسے لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ اور لڑکی کو بھی اپنے رشتے دار اور دوست احباب کی جانب سے ملنے والا ہدیے اور تحائف لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عقیقہ کر کے اس کا گوشت شادی کی دعوت میں کھلانا جائز ہے،[1] بشرطیکہ رسم ورواج کے مطابق کاپی لے کر کوئی پیسے وصول کرنے کے لیے علی الاعلان نہ بیٹھا ہو، اگر علی الاعلان کاپی لے کر کسی کو بٹھایا گیا ہے اور وہ آنے والے مہمانوں کی طرف سے ملنے والے پیسوں کو وصول کرتا ہے، تو یہ عمل گوشت بیچنے کے مترادف ہے؛ لہٰذا اس سے عقیقہ ادا نہیں ہوگا، نیز سات طرح کی دعوتیں سنت ہیں، ان میں ایک دعوت شادی بیاہ اور خوشی کے موقع کی دعوت بھی ہے، اس میں مہمانوں اور دوست احباب کو کھلانا سنت ہے؛ لہٰذا کاپی لے کر کسی کو پیسے وصول کرنے کے لیے مستقل طور پر بٹھانا درحقیقت دعوت کے کھانے کا معاوضہ لینے کے برابر ہے؛ لہٰذا پیسے وصول کرنا بہتر نہیں ہے؛ ہاں! کاپی کا کوئی خاص اہتمام کیے بغیر اگر آنے والے مہمان اپنی خوشی سے لڑکی کو یا اس کے باپ کو بہ طور امداد دیں، تو لینا جائز ہے، کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۷] ۱-قربانی کے دِنوں میں عقیقہ درست ہے یا نہیں؟
[۱۸] ۲-عقیقہ کے لیے بڑا جانور ضروری ہے یا بکرا کافی ہے؟
[۱۹] ۳-عقیقہ کے جانور کا گوشت شادی میں کھلایا گیا تو عقیقہ صحیح ہوگا؟

۱۹۴۸-سوال: قربانی کے تین دِنوں میں عقیقہ کرنا درست ہے یا نہیں؟
عقیقہ کا جانور کیسا ہونا چاہیے؟ بڑا یا چھوٹا؟ بکرے کے ذریعہ عقیقہ کیا جائے تو درست ہے یا نہیں؟
شادی میں عقیقہ کے جانور کا گوشت کھلایا جائے تو عقیقہ درست ہوگا یا نہیں؟ جب کہ شادی کی تقریب

---

(۱) بل العقيقة شرعت عند سرور حادث و تجدد نعمة فأشبهت الذبيحة في الوليمة ولا نزاع في جوازها ولا استحبابها. (إعلاء السنن-ظفر أحمد العثماني (م: ۱۳۹۴ھ): ۱۷/ ۱۲۲، كتاب الذبائح، باب العقيقة، ط: إدارة القران- كراتشي)

(۲) تفصیل کے لیے سابقہ سوالات کے جوابات وحواشی ملاحظہ فرمائیں۔

میں ہمارے یہاں دعوت میں تشریف لانے والے مہمانوں سے پیسے بھی وصول کیے جاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیا:

قربانی کے تینوں دِنوں کے درمیان عقیقہ جائز ہے۔[1]

عقیقہ میں بڑا جانور بھی جائز ہے، اُس میں عقیقہ کے حصوں کے علاوہ دیگر حصے قربانی کے بھی کیے جاسکتے ہیں۔[2]

شادی میں دعوتِ ولیمہ میں عقیقہ کا گوشت کھلانا جائز ہے، اگرچہ اُس پر پیسے وصول کیے جاتے ہوں۔ (ردالمحتار: ۳۳۶/۶)[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ووقتها بعد تمام الولادة إلى البلوغ، فلا يجزئ قبلها، وذبحها في اليوم السابع يسن، والأولى فعلها صدر النهار عند طلوع الشمس بعد وقت الكراهة للتبرك بالبكور... ويسن أن يعق عن نفسه من بلغ ولم يعق عنه. (العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية-ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲ھ): ۲/ ۲۱۳، كتاب الذبائح، العقيقة، ط: دار المعرفة)

[۲-۳] يستحب لمن ولد له ولد أن يسميه يوم أسبوعه ويحلق رأسه ويتصدق عند الأئمة الثلاثة بزنة شعره فضة أو ذهبا ثم يعق عند الحلق عقيقة إباحة على ما في الجامع المحبوبي، أو تطوعا على ما في شرح الطحاوي، وهي شاة تصلح للأضحية، تذبح للذكر والأنثى، سواء فرق لحمها نيئا أو طبخه بحموضة أو بدونها مع كسر عظمها أو لا واتخاذ دعوة أو لا، وبه قال مالك. وسنها الشافعي وأحمد سنة مؤكدة شاتان عن الغلام وشاة عن الجارية، غرر الأفكار ملخصا، والله تعالى أعلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۳۶/۶، كتاب الأضحية، خاتمة: يستحب لمن ولد له ولد، قبيل: كتاب الحظر والإباحة، ط: دار الفكر-بيروت)

(ولا يباع من لحمها شيء ولا جلدها) قال الباجي: لأنه بعد الذبح لا يبقى فيها من معنى الملك أكثر من الانتفاع بها، والتصدق، فأما أن يجوز له بعد أن نسك بها أن يبيع شيئا منها فلا، انتهى. (أوجز المسالك: ۱۰/ ۱۹۶، كتاب العقيقة، باب العمل في العقيقة، تحت رقم: ۷/ ۱۰۵۰، ط: دار القلم-دمشق)

اس فتویٰ میں حضرت مفتی صاحبؒ نے لکھا ہے کہ ولیمہ کی دعوت میں عقیقہ کا گوشت کھلایا جاسکتا ہے، خواہ اس موقع سے پیسے وصول کیے جاتے ہوں۔ حضرت مفتی صاحب کا یہ فتویٰ ان کے دیگر فتاویٰ سے مختلف ہے، اصل بات یہ ہے کہ ولیمہ کی دعوت میں اگر عقیقہ کا گوشت کھلایا جائے، تو نفس عقیقہ کی ادائیگی میں شبہ نہیں ہے، البتہ دعوت میں شرکت کرنے والے حضرات چوں کہ رسم کی بنیاد پر پیسے دیتے ہیں، تو ایسا لگتا ہے کہ شاید دعوت اس کا بدل ہے، گویا گوشت کے بیچنے کا شبہ ہوتا ہے، اس وجہ سے مفتی صاحبؒ نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ جتنا گوشت ولیمہ میں کھلایا گیا، اس کے بہ قدر رقم کا صدقہ کردے، تو عقیقہ میں نقص نہیں رہے گا۔ دیکھیے اس سلسلے کے تمام سوالات وجوابات: بہ عنوان: [نکاح یا رخصتی کی دعوت میں عقیقہ کرنا ☆ شادی کی دعوت میں عقیقہ کرنا ☆ شادی کی دعوت اور عقیقہ ☆ عقیقے کا گوشت شادی میں مہمانوں کو کھلانا اور ہدیہ لینا] [مجتبیٰ حسن قاسمی]

[۲۰] عقیقہ کا گوشت تبلیغی اجتماع میں پیسے لے کر کھلانا

۱۹۴۹- سوال: بعض علاقے میں عقیقہ کا گوشت تبلیغی اجتماع میں کھلایا جاتا ہے اور اس کھانے پر ٹکٹ لگتا ہے، بغیر ٹکٹ کے وہ کھانا کوئی نہیں کھا سکتا اور یہ تاویل کی جاتی ہے کہ پیسے تو مرچ مصالحے وغیرہ کے لیے جاتے ہیں، تو کیا یہ بحکم شرع درست ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

عقیقہ کا گوشت تبلیغی اجتماع کے لیے بنایا جائے، تو گوشت یا اس کے ساتھ ملائے گئے مصالحے کی قیمت نہیں لی جاسکتی؛ کیوں کہ مصالحہ، غیر مبیع کے ساتھ مخلوط ہے اور مجہول بھی، البتہ اگر روٹی یا چائے ناشتہ وغیرہ کی قیمت اس کے برابر لی جائے، تو جائز ہے۔ (بحر و شامی)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۱] عقیقہ کا گوشت تبلیغی اجتماع میں کھلانا ہو تو کیا کیا جائے؟

۱۹۵۰- سوال: ہمارے علاقے میں تبلیغی اجتماع منعقد ہونے والا ہے، جس میں شرکت کرنے والوں کے لیے کھانے کے پاس (ٹکٹ) کی قیمت تین روپیے رکھی گئی ہے، اجتماع کے خرچ کو بہت سے لوگ مشترکہ طور پر اپنے ذمہ لیتے ہیں، مثلاً بعض حضرات کی جانب سے چاول کا انتظام ہوتا ہے، بعض کی جانب سے روٹی وغیرہ کا، بعض نقد ادا کر کے امداد کرتے ہیں، تو اگر کوئی شخص اجتماع کے کھانے میں عقیقہ کا گوشت دے، تو اس کو پکا کر کھلانا کیسا ہے؟ جب کہ پاس (ٹکٹ) کے تین روپئے ہر ایک سے وصول کیے جائیں گے۔

---

[۱] واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح، فلا يبيعه بما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاك، ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز؛ لأنه قربة كالتصدق بالجلد واللحم، وقوله: -عليه الصلاة والسلام- من باع جلد أضحيته فلا أضحية له، يفيد كراهية البيع، وأما البيع فجائز لوجود الملك والقدرة على التسليم. (تكملة البحر الرائق شرح كنز الدقائق-محمد بن حسين، الطوري الحنفي القادري (م: بعد۱۱۳۸ھ): ۸/ ۲۰۳، كتاب الأضحية، الأكل من لحم الأضحية، ط: دار الكتاب الإسلامي
☆ ردالمحتار على الدر المختار: ۶/ ۳۲۸، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر)

(ولا يباع من لحمها شيء ولا جلدها) قال الباجي: لأنه بعد الذبح لا يبقى فيها من معنى الملك أكثر من الانتفاع بها، والتصدق، فأما أن يجوز له بعد أن نسك بها أن يبيع شيئا منها فلا، انتهى. (أوجز المسالك: ۱۰/ ۱۹۶، كتاب العقيقة، باب العمل في العقيقة، تحت رقم: ۱۰۵۰/ ۷، ط: دار القلم- دمشق)

الجواب حامداومصلیا:

عقیقہ کا گوشت دینے والے شخص کو چاہیے کہ اولاً وہ کسی کو گوشت کا مالک بنا دے، اس کے بعد یہ صورت ہوسکتی ہے کہ مالک بننے والا شخص اجتماع کے منتظمین و ذمہ داروں کو یہ گوشت بطورِ ہدیہ دے دے، اس صورت میں ٹکٹ کے ساتھ کھلانا بھی جائز ہے، اور تملیک فی سبیل اللہ ہونے کی وجہ سے عقیقہ بھی ادا ہوجائے گا۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] تبلیغی اجتماع میں عقیقہ کا گوشت کھلانا

۱۹۵۱- سوال: ہمارے یہاں ایک آدمی اپنے لڑکے کا عقیقہ کرنا چاہتا ہے، حسن اتفاق کہ گاؤں میں تبلیغی اجتماع ہونا ہے، وہ چاہتا ہے کہ عقیقہ کا دو بکرا لے لے یا بڑے جانور میں دو حصہ لے لے، اور اس کا گوشت تبلیغی اجتماع میں شریک لوگوں کو کھلا دے، تو کیا اس طرح عقیقہ کا گوشت کھلانے سے عقیقہ ہوجائے گا؟

سوال کی وجہ یہ ہے کہ اجتماع میں آنے والوں سے کھانا کے لیے پاس ٹکٹ کے طور پر روپیہ دو روپیہ وصول کیے جاتے ہیں، تو کیا اس طرح کھلانے کی صورت میں عقیقہ ہوجائے گا؟ اگر نہیں، تو اس کو جائز بنانے کا کیا حیلہ ہے؟ بیان فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیا:

بڑے جانور میں دو حصے عقیقے کے رکھنا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ پورا جانور قربانی کا ہو یا ولیمہ کا ہو یا عقیقہ کا ہو، اگر دو حصے عقیقے کے ہوں اور باقی ۵ حصے بیچنے کے لیے، تو ایسی صورت میں عقیقہ ادا نہیں ہوگا۔ (۲)

---

(۱) وللغني أن يشتري الصدقة الواجبة من الفقير ويأكلها، وكذا لو وهبها له، لما علم أن تبدل الملك كتبدل العين فلو أباحها له، ولم يملكها منه، ذكر أبو المعين النسفي أنه لا يحل تناوله للغني. (البحر الرائق: ۲/ ۲۶۴، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۲) لا يشارك المضحي فيما يحتمل الشركة من لا يريد القربة رأسا، فإن شارك لم يجز عن الأضحية، وكذا هذا في سائر القرب إذا شارك المتقرب من لا يريد القربة لم تجز عن القربة، ولو أرادوا القربة - الأضحية أو غيرها من القرب - أجزأهم سواء كانت القربة واجبة أو تطوعا أو وجب على البعض دون البعض، وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت، بأن أراد بعضهم الأضحية، وبعضهم جزاء الصيد، وبعضهم هدي الإحصار، وبعضهم كفارة عن شيء أصابه في إحرامه، وبعضهم هدي التطوع، وبعضهم دم المتعة أو القران، وهذا قول أصحابنا الثلاثة رحمهم الله =

تبلیغی اجتماع میں عقیقہ کا گوشت کھلانے کا جائز طریقہ یہ ہے کہ عقیقہ کا جانور ذبح کر کے گوشت کا مالک کسی کو بنا دے، مالک بننے کے بعد وہ آدمی منتظم کو ہدیہ دے دے، اس صورت میں گوشت کے اوپر رقم لینا جائز ہے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ عقیقہ کرنے والا اور منتظم مصالحہ، تیل، مرچ، لکڑے کے پیسے دے کر گوشت پکائے، اب ٹکٹ صرف چاول روٹی نان کی لے اور ترکاری [گوشت] فی سبیل اللہ (ہدیہ) دے دے، پھر اس میں یہ اعلان کر دیا جائے کہ گوشت فلاں وقت میں مفت کھلایا جائے گا، قیمت فقط چاول یا روٹی کی رکھے، چاول کی اصل قیمت دیڑھ یا دو روپیہ اصل کے برابر رکھے، اور ترکاری [گوشت] کی رقم نہ لی جائے، تو عقیقہ ادا ہو جائے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] عقیقہ کے جانور کا گوشت شادی میں کھلانا

۱۹۵۲- سوال: میرے یہاں میری دختر کی شادی ہے، معاشرے کے رسم ورواج کے مطابق دوست واحباب اور رشتہ داروں کے لیے خورونوش کا انتظام کیا ہے، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ میرے بعض بچوں کا عقیقہ باقی ہے، تو کیا میں عقیقہ کے جانور کا گوشت شادی میں کھلا سکتا ہوں؟ واضح رہے کہ عام دستور کے مطابق شادی میں بہوار (لین دین) کے لیے ایک ٹیبل رکھا جاتا ہے، تو کیا بہوار کی رقم لینے سے از روئے شرع میرے عقیقہ میں کوئی قباحت پیدا ہوگی یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

میں ایک کنکر سے دو پرندے کا شکار کرنا چاہتا ہوں؛ لہٰذا وضاحت کے ساتھ جواب لکھیں۔ آپ بھی وُہرا قوم کے ایک فرد ہونے کی وجہ سے وُہرا سماج کے رسم ورواج سے بہ خوبی واقف ہوں گے؛ اس لیے آپ سے اس طرح کا فتویٰ پوچھ رہا ہوں۔

الجواب حامداومصلیا:

عقیقہ کے متعلق فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد ساتویں دن جانور ذبح کر کے

=تعالى، وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له من قبل، كذا ذكر محمد - رحمه الله تعالى - في نوادر الضحايا، ولم يذكر ما إذا أراد أحدهم الوليمة ،وهي ضيافة التزويج، وينبغي أن يجوز. (الفتاوى الهندية: ٥/ ٣٠٤، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، ط: دار الفكر - بيروت)

مزید تفصیل وتنقیح کے لیے ''عقیقہ کا گوشت تبلیغی اجتماع میں پیسے لے کر کھلانا'' کا جواب، حاشیہ کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

ضیافت ومہمانی کرنا سنت ہے۔(عالمگیری:۵/۱۳۶)[1]

ضیافت ومہمانی کا مطلب ہوتا ہے دوست واحباب اور رشتہ داروں کو بلا کر بغیر معاوضہ لیے کھانا کھلانا۔ اور شادی میں بہوار یعنی معاوضہ لیا جاتا ہے، آپ کی تحریر کے مطابق ٹیبل رکھ کر ایک لکھنے والے کو بٹھایا جاتا ہے، معلوم ہوا کہ بہوار کھانے کا عوض اور بدلہ ہے۔ یا بہوار قرض ہے، جو رشتہ داروں کی اولاد کی شادی میں ہدیہ اور تحفہ کے نام سے دیا تھا اور اب اسے وصول کرنے کے لیے دعوت کی گئی ہے؛ لہٰذا عقیقہ ادا نہیں ہوگا۔ ہاں اگر بہوار کی وصولی کے لیے نوٹ بک یا ٹیبل نہ رکھا جائے، کوئی اپنی خوشی سے یوں ہی دے دے، تو ایسی دعوت میں عقیقہ کا گوشت کھلانے سے عقیقہ میں کوئی نقص پیدا نہ ہوگا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[1] العقيقة عن الغلام وعن الجارية وهي ذبح شاة في سابع الولادة وضيافة الناس. (الفتاوى الهندية:۵/ ۳۶۲، كتاب الكراهية، الباب الثاني والعشرون في تسمية الأولاد وكناهم والعقيقة، ط: دار الفكر-بيروت)

مزید تفصیل کے لیے سابقہ سوالات کی جانب رجوع فرمائیں۔

ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال وجراب، ولا بأس بأن يشتري به ما ينتفع بعينه مع بقائه استحسانا...، ولا يشتري به ما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاك نحو اللحم والطعام، ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه وعياله، واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح؛ حتى لا يبيعه بما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاك. ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز؛ لأنه قربة كالتصدق، كذا في التبيين. وهكذا في الهداية والكافي. (الفتاوى الهندية: ۳۰۱/۵، كتاب الأضحية، الباب السادس في بيان ما يستحب في الأضحية والانتفاع بها، ط: دار الفكر-بيروت)

باب في مصرف جلد الأضحية

[قربانی کی کھال کا مصرف]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب في مصرف جلد الأضحية
[قربانی کی کھال کا مصرف]

[۱] قربانی کے چمڑے کی رقم کا حکم

۱۹۵۳- سوال: ہمارے گاؤں میں قربانی کے چمڑے بیچ کر جو قیمت موصول ہوئی ہے، اس سے کرسیاں وغیرہ خریدنے کا ارادہ ہے، تاکہ شادی وغیرہ کے موقع سے لوگ نیچے بیٹھنے کے بجائے کرسی پر بیٹھیں؛ اسی طرح پانی کے دو بڑے ٹب خریدنے کا بھی ارادہ ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا قربانی کی رقم سے ان دونوں چیزوں کا خریدنا ہمارے لیے جائز ہے؟

یہ بھی واضح فرمائیں کہ قربانی کے چمڑے کی رقم کہاں استعمال کی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداو مصلیا:

قربانی کرنے والا قربانی کے جانور کا چمڑا خود استعمال کرنا چاہے، تو کرسکتا ہے؛ لیکن اگر اس کو بیچ دیا، تو اس سے حاصل ہونے والی رقم کا حکم زکوۃ کی طرح ہے کہ جس طرح زکوۃ کی رقم غریب کو دے کر اس کو مالک بنانے سے زکوۃ ادا ہو جاتی ہے، اسی طرح مذکورہ رقم کسی غریب، یتیم، بیوہ، یا طالب علم کو دینے یا کتابیں

خرید کردینے یا ان کی فیس ادا کرنے سے ذمہ داری سے سبک دوش ہوجائیں گے۔

اس رقم سے گاؤں کے لیے برتن اور کرسیاں خرید نا جائز نہیں ہے۔[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] چرم قربانی کی رقم کا مصرف وہی ہے، جو زکوٰۃ کا ہے

۱۹۵۴-سوال: میرے پاس قربانی کے چمڑے کی کچھ رقم ہے، اگر میں اس رقم سے کپڑے وغیرہ خرید کر غریبوں میں تقسیم کردوں، تو صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس رقم کا صحیح مصرف کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چرم قربانی کو بیچنے سے جو رقم حاصل ہوتی ہے، وہ واجب التصدق ہے اور اس کا مصرف وہی ہے، جو زکوٰۃ کا ہے۔[۲] صورت مسئولہ میں کپڑے وغیرہ خرید کر غرباء کو دینا جائز ہے، اس سے آپ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوجائیں گے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ويتصدق بثمنه؛ لأن القربة ذهبت عنه فيتصدق به ولأنه استفاده بسبب محظور وهو البيع فلا يخلو عن خبث فكان سبيله التصدق وله أن ينتفع بجلد أضحيته في بيته بأن يجعله سقاء أو فروا أو غير ذلك؛ لما روي عن سيدتنا عائشة - رضي الله عنها - أنها اتخذت من جلد أضحيتها سقاء ولأنه يجوز الانتفاع بلحمها فكذا بجلدها. (بدائع الصنائع: ۸۱/۵، كتاب التضحية، فصل في بيان ما يستحب قبل التضحية وبعدها وما يكره، قبيل: كتاب النذر، ط: دار الكتب العلمية)

(۲) ولا بأس ببيعه بالدراهم ليتصدق بها، وليس له أن يبيعها بالدراهم لينفقه على نفسه، ولو فعل ذلك تصدق بثمنها. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني-أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:۶۱۶هـ): ۹۵/۶، كتاب الأضحية، الفصل السادس الانتفاع بالأضحية، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه، وعياله، والمعنى فيه أنه لا يتصرف على قصد التمول. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق-عثمان بن علي بن محجن البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م:۷۴۳هـ): ۸/۶، كتاب الأضحية، كيفية التصرف في لحم الأضحية، ط: المطبعة الكبرى الأميرية- بولاق، القاهرة ٭ العناية شرح الهداية-محمد بن محمد بن محمود، أكمل الدين، الرومي البابرتي (م:۷۸۶هـ): ۵۱۸/۹، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر ☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر- عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ'داماد أفندي' (م:۱۰۷۸هـ): ۵۲۱/۲، كتاب الأضحية، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۳) ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز لأنه قربة كالتصدق بالجلد واللحم. (تكملة البحر الرائق: ۲۰۳/۸، كتاب الأضحية، قبيل: أجرة الجزار هل تأخذ من الأضحية، ط: دار الكتاب الإسلامي)

[۳] چرم قربانی کی رقم طلبہ کو دینا بہتر ہے یا یتیم و بیوہ کو؟

۱۹۵۵- سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کے چمڑے کی رقم غریب طلبہ کے اسکالرشپ میں دینا بہتر ہے، یا گاؤں کے غریب و یتیم اور بیوہ کو؟ جواب دے کر مہربانی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

قربانی کے چمڑے کو بیچنے کے بعد اس رقم کا حکم زکوۃ کا ہو جاتا ہے، اور زکوۃ کی رقم کہاں خرچ کرنا بہتر ہے، اس کے متعلق عالمگیری میں لکھا ہے کہ فقیر عالم کو دینا جاہل فقیر کو دینے سے بہتر ہے۔ (عالمگیری: ۱/۱۵۰)[1]

فقہ کی کتابوں کے مطالعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عام مسئلہ تو یہی ہے کہ زکوۃ کی رقم دوسرے شہروں کے فقیروں کو دینا مکروہ ہے، البتہ اگر دوسرے شہر میں- جہاں مزکی (زکات دینے والا) زکات دینا چاہتا ہے- دین دار مسلمان ہیں، اور ان کو دینے سے دین کا مفاد وابستہ ہے، یا کوئی مصلحت متقاضی ہے، تو اس صورت میں ایک شہر کی زکات کو دوسرے شہر منتقل کرنے میں کوئی کراہت نہیں۔[۲] لہٰذا صورت مسئولہ میں وہ رقم طلبہ کے اسکالرشپ میں دینا اور ان کے کپڑے اور دوا علاج کے لیے دینا بہتر ہے۔

لیکن اگر آپ کی تنظیم کی طرف سے مصارف معین ہوں، تو آپ چمڑے دینے والے کی طرف سے وکیل ہے؛ لہٰذا اس صورت میں تنظیم کے اصول کے خلاف کرنا جائز نہ ہوگا، اصول و دفعات کے موافق اس رقم کو تقسیم کرنا ضروری ہے؛ کیوں کہ آپ کی تنظیم کو اس کے منشورات کی وجہ سے تعاون حاصل ہوتا ہے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] التصدق على الفقير العالم أفضل من التصدق على الجاهل كذا في الزاهدي. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۸۷، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) ويكره نقل الزكاة من بلد إلى بلد إلا أن ينقلها الإنسان إلى قرابته أو إلى قوم هم أحوج إليها من أهل بلده، ولو نقل إلى غيرهم أجزأه، وإن كان مكروها. (الفتاوى الهندية: ۱/۱۹۰، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر-بيروت ☆الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۳۵۳، كتاب الزكاة، قبل: فروع في مصرف الزكاة، ط: دار الفكر ☆الهداية في شرح بداية المبتدي: ۱/۱۱۲، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي-بيروت)

(۳) عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الصلح جائز بين المسلمين. زاد أحمد: إلا صلحا أحل حراما، أو حرم حلالا. وزاد سليمان بن داود: وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المسلمون على شروطهم. (سنن أبي داود: ۲/۵۰۵-۵۰۶، رقم الحديث: ۳۵۹۴، كتاب القضاء، باب في الصلح، ط: ديوبند) =

[۴] چرم قربانی کی قیمت کا سوسائٹی کی تعمیر ومرمت میں استعمال

۱۹۵۶-سوال: ہمارے یہاں ایک مسلم سوسائٹی ہے، یہ سوسائٹی ہر عید الاضحیٰ کے موقع پر یہ اعلان کرتی ہے کہ ''تمام لوگوں سے درخواست ہے کہ چرم قربانی یہاں سوسائٹی ہی میں جمع کریں''، اس کے بعد سوسائٹی ان چمڑوں کو بیچ کر اس سے حاصل شدہ رقم سے کرسیاں وغیرہ خریدتی ہے اور ان کرسیوں کو خوشی وغمی کے موقع پر غریب ومال دار سبھی کو کرایہ کے طور پر دیتی ہے اور اس کرایہ کی آمدنی جمع کر کے سوسائٹی کی تعمیر ومرمت وغیرہ میں استعمال کرتی ہے، تو آپ والا سے سوال یہ ہے کہ اس طرح کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلياً:

جب چمڑے کو سوسائٹی کے کارکنان نے بیچ دیا، تو وہ رقم زکوٰۃ کے حکم میں ہوگئی، جس کا صدقہ کرنا واجب ہے، یعنی یہ رقم کسی غریب ومسکین کو مالکانہ حیثیت سے دینا ضروری ہے، اور جب تک غریب کو اس کا مالک نہیں بنایا جائے گا، ذمہ داری ادا نہ ہوگی، لہٰذا اہل سوسائٹی کا اس رقم سے کرسیاں وغیرہ خرید کر کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے، اس میں تملیک نہیں پائی جاتی ہے۔[1]

= المال الذي قبضه الوكيل بالبيع والشراء وإيفاء الدين واستيفائه وقبض العين من جهة الوكالة في حكم الوديعة في يده فإذا تلف بلا تعد ولا تقصير لا يلزم الضمان. والمال الذي في يد الرسول من جهة الرسالة أيضا في حكم الوديعة. (مجلة الأحكام العدلية- لجنة مكونة من عدة علماء وفقهاء في الخلافة العثمانية،ص: ۲۸۴-۲۸۵،المادة: ۱۴۶۳، الباب الثالث: في بيان أحكام الوكالة،الفصل الأول: في بيان أحكام الوكالة العمومية،ت: نجيب هواويني،ط: نور محمد، کارخانہ تجارتِ کتب،آرام باغ، کراتشي)

(۱) ولا بأس ببيعه بالدراهم ليتصدق بها، وليس له أن يبيعها بالدراهم لينفقه على نفسه، ولو فعل ذلك تصدق بثمنها. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني-أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد ،ا بن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:۶۱۶هـ): ۹۵/۶،كتاب الأضحية،الفصل السادس الانتفاع بالأضحية،ت:عبدالكريم سامي الجندي،ط:دار الكتب العلمية-بيروت)

ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه، وعياله، والمعنى فيه أنه لا يتصرف على قصد التمول. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق-عثمان بن علي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م: ۷۴۳هـ): ۸/۶، كتاب الأضحية، كيفية التصرف في لحم الأضحية، ط: المطبعة الكبرى الأميرية- بولاق، القاهرة☆العناية شرح الهداية-محمد بن محمد بن محمود، أكمل الدين، الرومي البابرتي (م:۷۸۶هـ): ۵۱۸/۹، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر☆مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر- عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ'داماد أفندي' (م:۱۰۷۸هـ): ۵۲۱/۲، كتاب الأضحية، ط: دار إحياء التراث العربي)

ہاں یہ کر سکتے ہیں کہ کسی غریب کو ان کرسیوں کا مالک بنا دیں، پھر وہ غریب اپنی خوشی سے سوسائٹی کو ہدیہ کر دے، کہ یہ صورت جائز ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] چرم قربانی مزدوری میں دینا

۱۹۵۷- سوال: ایک شخص نے بکرے کی قربانی کی، بکرے کو ذبح کرنے کے لیے اس نے اپنے چچا زاد بھائی کو مزدوری پر طے کیا، مزدوری آس پاس کے گاؤں میں بیس، بائیس روپیہ چلتی ہے، مگر اس نے مزدوری صرف پانچ روپیہ دی اور ساتھ میں بکرے کا چمڑا دے دیا، جب اس کو کہا گیا تو اس نے کہا میں نے ساتھ میں للہ چمڑا بھی دیا ہے؛ اس لیے اتنی مزدوری کافی ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ لینے والا شخص غریب نہیں ہے، بلکہ خود اس پر زکوۃ، فطرہ اور قربانی واجب ہے، تو اب اس نے جو چمڑا لے لیا ہے، اس کا کیا کرے، اس کو بیچ کر پیسے استعمال کر سکتا ہے؟ اور اس دینے والے شخص کی قربانی ادا ہوگی یا نہیں؟ تفصیل سے جواب عطا فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مزدوری میں چمڑا دینا جائز نہیں، اگر دے گا، تو اس کی قیمت کے بقدر رقم صدقہ کرنا اس پر لازم ہوگا، ورنہ اس کی قربانی اتنی ناقص رہے گی،[2] البتہ مزدور خود راضی خوشی سے اپنی مزدوری پانچ، چھ روپیہ لے لے، تو جائز ہے، اس کو یہ حق ہے کہ کسی سے سو روپیہ مزدوری طے کرے، تو کسی سے پچاس روپیہ، اور کسی سے پچیس

---

(۱) وقدمنا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء، وهل له أن يخالف أمره؟ لم أره، والظاهر نعم. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله: أن الحيلة) أي في الدفع إلى هذه الأشياء مع صحة الزكاة. (قوله ثم يأمره إلخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب بحر وفي التعبير بثم إشارة إلى أنه لو أمره أو لا لا يجزئ؛ لأنه يكون وكيلا عنه في ذلك وفيه نظر؛ لأن المعتبر نية الدافع ولذا جازت وإن سماها قرضا أو هبة في الأصح كما قدمناه فافهم. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۴۵/۳، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، ط: دار الفكر)

(۲) (ولا يعطى أجر الجزار منها) لأنه كبيع، واستفيدت من قوله - عليه الصلاة والسلام - "من باع جلد أضحيته فلا أضحية له" هداية.... فإن فعل تصدق بالأجرة حاوي الفتاوى لأنه التزم إقامة القربة بجميع أجزائها. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله لأنه كبيع) لأن كلا منهما معاوضة لأنه إنما يعطى الجزار بمقابلة جزره والبيع مكروه فكذا ما في معناه، كفاية.... وقوله فإن فعل تصدق بالأجرة: أي فيما لو آجرها. (تكملة رد المحتار على الدر المختار: ۳۲۹/۶، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر - بيروت)

روپیہ، (۱) پس اس اعتبار سے قربانی صحیح ہو جائے گی۔

چمڑا مالدار اور غریب ہر ایک کو دے سکتے ہیں، گوشت کا بھی یہی حکم ہے۔ (۲) البتہ چمڑا اور گوشت کو مزدوری میں دینا جائز نہیں، اسی طرح اگر چمڑا بیچ دیا، تو اب اس کی قیمت صرف فقیر کو دینا ہوگا، مالدار کو دینا جائز نہیں، (۳) البتہ اگر مالدار کو نفس چمڑا دیا ہو، تو وہ [مال دار] اس [کھال] کو بیچ کر رقم اپنے استعمال میں لاسکتا ہے۔ (۴) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) والأصل فيه: أن ما يصلح أن يكون ثمناً في البياعات يصلح أن يكون أجرة في الإجارات، وما لا يصلح أن يكون ثمناً في البياعات لا يصلح أجرة في الإجارات إلا المنفعة، فإنها تصلح أجرة إذا اختلف الجنس ولا تصلح ثمناً، وإنما اعتبرنا الإجارة بالبيع؛ لأن الإجارة بيع كسائر البياعات، إلا أن سائر البياعات ترد على العين، والإجارة ترد على المنفعة. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني- أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:۶۱۶ھ): ۳۹۸/۷، كتاب الإجارات، قبيل: الفصل الثاني: في بيان أنه متى يجب الأجر، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية)

(۲) ...فثبت بمجموع الكتاب العزيز والسنة أن المستحب ما قلنا ولأنه يوم ضيافة الله - عز وجل - بلحوم القرابين فيندب إشراك الكل فيها، ويطعم الفقير والغني جميعا لكون الكل أضياف الله تعالى - عز شأنه - في هذه الأيام وله أن يهبه منهما جميعا، ولو تصدق بالكل جاز، ولو حبس الكل لنفسه جاز؛ لأن القربة في الإراقة. (بدائع الصنائع: ۸۱/۵، كتاب التضحية، قبيل: كتاب النذر، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆ تكملة البحر الرائق: ۲۰۳/۸، كتاب الأضحية، الأكل من لحم الأضحية، ط: دار الكتاب الإسلامي)

واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ'داماد أفندي' (م:۱۰۷۸ھ): ۵۲۱/۲، كتاب الأضحية، ط: دار إحياء التراث العربي☆ تكملة البحر الرائق: ۲۰۳/۸، كتاب الأضحية، قبيل: أجرة الجزار هل تأخذ من الأضحية، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۳) ولا بأس ببيعه بالدراهم ليتصدق بها، وليس له أن يبيعها بالدراهم لينفقه على نفسه، ولو فعل ذلك تصدق بثمنها. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني-أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد، ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:۶۱۶ھ): ۹۵/۶، كتاب الأضحية، الفصل السادس الانتفاع بالأضحية، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه، وعياله، والمعنى فيه أنه لا يتصرف على قصد التمول. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق-عثمان بن علي البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي (م:۷۴۳ھ): ۸/۶، كتاب الأضحية، كيفية التصرف في لحم الأضحية، ط: المطبعة الكبرى الأميرية- بولاق، القاهرة☆ العناية شرح الهداية-محمد بن محمد بن محمود، أكمل الدين، الرومي البابرتي (م:۷۸۶ھ): ۵۱۸/۹، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر☆ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر- عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بـ'داماد أفندي' (م:۱۰۷۸ھ): ۵۲۱/۲، كتاب الأضحية، ط: دار إحياء التراث العربي)

(۴) وله أن يهبه منهما جميعا، ولو تصدق بالكل جاز ولو حبس الكل لنفسه جاز؛ لأن القربة في الإراقة. (بدائع الصنائع: ۸۱/۵، كتاب التضحية، قبيل: كتاب النذر، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆ تكملة البحر الرائق: ۲۰۳/۸، كتاب الأضحية، الأكل من لحم الأضحية، ط: دار الكتاب الإسلامي)

=

[٦] میت کے کفن دفن میں چرم قربانی کی رقم کا استعمال

١٩٥٨- سوال: قربانی کے چمڑے یہاں انجمن میں دیے جاتے ہیں، انجمن کی جانب سے مردوں کے کفن دفن کا انتظام کیا جاتا ہے، انجمن کے ذمے داران ان چمڑوں کو بیچ کر حاصل ہونے والی رقم کا کفن دفن میں استعمال کرتے ہیں، ایک حافظ صاحب کا کہنا ہے کہ چمڑوں کی رقم کا اس انجمن میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ میت مالک نہیں بن سکتی، اور اس میں مالک بنانا ضروری ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

حافظ صاحب کا کہنا صحیح ہے، چرم قربانی کو بیچ کر جو رقم حاصل ہوگی، اس کا حکم زکوۃ کی طرح ہے، اور اس میں مالک بنانا ضروری ہے، لہٰذا کفن دفن میں اس رقم کا استعمال جائز نہ ہوگا، منتظمین گنہگار ہوں گے۔[1]

البتہ غریبوں کے کفن دفن کے لیے انجمن کے ذمے داران، مرحومین کے غریب رشتہ دار کو اس [رقم] کا مالک بنادیں اور وہ رشتہ دار اپنی رضامندی سے اس میت کے کفن میں وہ رقم استعمال کریں، تو جائز ہے، اسی طرح قبر کھودنے کی مزدوری میں بھی ایسا کیا جاسکتا ہے، یعنی مرحوم کے کسی غریب رشتہ دار کو اس کا مالک بنایا جائے اور وہ قبر کھودنے والے کو اپنی طرف سے اس کی مزدوری ادا کردے، اس طرح کرنے سے منتظمین کی ذمہ داری ادا ہوجائے گی۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

= لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (رد المحتار على الدر المختار - ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (م: ١٢٥٢هـ): ٥٠٢/٤، أول كتاب البيوع، وانظر: ٥١/٥، باب البيع الفاسد، مطلب: تعريف المال، ط: دار الفكر - بيروت)

والحاصل أن القياس في جنس هذه المسائل أن يفعل المالك ما بدأ له مطلقا؛ لأنه متصرف في خالص ملكه. (المصدر السابق: ٤٤٨/٥، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مسائل متفرقة، مطلب: اقتسموا دارا وأراد كل منهم فتح باب لهم ذلك ☆ فتح القدير: ٣٢٦/٧، كتاب أدب القاضي، باب التحكيم، مسائل شتى من كتاب القضاء، ط: دار الفكر - بيروت)

(١) ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال وجراب، ولا بأس بأن يشتري به ما ينتفع بعينه مع بقائه استحسانا . . .، ولا يشتري به ما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاك نحو اللحم والطعام، ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه وعياله، واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح؛ حتى لا يبيعه بما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاك. ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز؛ لأنه قربة كالتصدق، كذا في التبيين. وهكذا في الهداية والكافي. (الفتاوى الهندية: ٣٠١/٥، كتاب الأضحية، الباب السادس في بيان ما يستحب في الأضحية والانتفاع بها، ط: دار الفكر - بيروت)

(٢) وقدمنا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء، وهل له أن يخالف أمره؟ لم أره، والظاهر =

[٧] چرم قربانی کی رقم مسجد میں استعمال کرنا

١٩٥٩- سوال: ایک جماعت نے قربانی کے چمڑے کی رقم جمع کی ہے، ان کے یہاں مسجد پر کچھ قرض ہے اور متولی حضرات مسجد کا خرچ پورا نہیں کر سکتے ہیں، تو مسجد کے کام کے لیے جمع شدہ چمڑے کی رقم دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً

قربانی کا چمڑا قربانی کرنے والے کے لیے استعمال کرنا جائز ہے، البتہ بیچنے کے بعد اس کی رقم زکوٰۃ کے حکم میں ہوجاتی ہے؛ اس لیے غریبوں کو مالک بنانا ضروری ہے؛[1] لہٰذا وہ رقم بلا واسطہ (ڈائریکٹ) مسجد میں دینا جائز نہیں ہے، کسی غریب کو مالک بنادے پھر وہ مسجد میں دے سکتا ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[٨] قربانی کا چمڑا مسجد، مدرسہ یا مدرس کی تنخواہ میں دینا

١٩٦٠- سوال: قربانی کے چمڑے مسجد و مدرسہ میں دینا جائز ہے؟ نیز بتائیں کہ مدرسہ کے

=نعم. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله: أن الحيلة) أي في الدفع إلى هذه الأشياء مع صحة الزكاة. (قوله ثم يأمره إلخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب بحر وفي التعبير بثم إشارة إلى أنه لو أمره أولا لا يجزئ؛ لأنه يكون وكيلا عنه في ذلك وفيه نظر، لأن المعتبر نية الدافع ولذا جازت وإن سماها قرضا أو هبة في الأصح كما قدمناه فافهم. (رد المحتار على الدر المختار: ٣/٣٤٥، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، ط: دار الفكر)

(١) ولا بأس ببيعه بالدراهم ليتصدق بها، وليس له أن يبيعها بالدراهم لينفقه على نفسه، ولو فعل ذلك تصدق بثمنها. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني-أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:٦١٦هـ): ٦/٩٥، كتاب الأضحية، الفصل السادس الانتفاع بالأضحية، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(٢) ولا ينبغي له أن يصرف ذلك العشر إلى عمارة الرباط وإنما يصرف إلى الفقراء لا غير ولو صرف إلى المحتاجين ثم إنهم أنفقوا في عمارة الرباط جاز ويكون ذلك حسنا. (البحر الرائق: ٥/٢٧٥، قبيل: كتاب البيع، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ مجمع الضمانات-أبو محمد غانم بن محمد البغدادي الحنفي (م:١٠٣٠هـ)، ٣٢٥، باب في الوقف، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الفتاوى الهندية: ٢/٤٧٢، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات والحياض، ط: دار الفكر-بيروت ☆ فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ٣/٣١٥، ط: زكريا-ديوبند)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیں ''چرم قربانی کی قیمت کا سوسائٹی کی تعمیر و مرمت میں استعمال'' کا حاشیہ نمبر ٢۔

مدرسین کی تنخواہوں میں اس کی رقم کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ سال گذشتہ کی قربانی کے جانوروں کی رقم ابھی جمع ہے، اس رقم کے ذریعہ مسجد کے لیے پانی کی موٹر خرید سکتے ہیں یا نہیں؟ مسجد کے مؤذن یا کسی اور غریب کو یہ چمڑے دینا بہتر ہے یا مسجد و مدرسہ میں؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

قربانی کے چمڑے کو اگر فروخت کر دیا جائے، تو اس سے حاصل شدہ رقم کا ان لوگوں کو مالک بنانا ضروری ہے، جو زکوۃ کے مستحق ہیں؛ اس لیے مسجد و مدرسہ، امام ومؤذن اور مدرس کی تنخواہ میں دینا جائز نہیں ہے، دینے والے متولیان گنہ گار ہوں گے، چمڑا خود استعمال کرنا بھی جائز ہے اور غرباء کو دینا بھی جائز ہے؛ نیز اس کو بیچ کر کسی غریب کو قرآن مجید اور دینی کتابیں خرید کر دینا بھی جائز ہے۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۹] چرم قربانی اور اس سے حاصل ہونے والی رقم کا شرعی حکم

۱۹۶۱- سوال: کوئی قربانی کے جانور کا چمڑا مسجد و مدرسہ میں دے اور متولی صاحب اس کو بیچ کر حاصل ہونے والی رقم کو مسجد کے کاموں میں استعمال کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر مسجد کے کاموں میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، تو پھر حاصل ہونے والی رقم کو کہاں خرچ کرنا چاہیے؟ کیا کفن دفن میں استعمال کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

چرم قربانی کو بیچ کر اس کی قیمت مسجد میں استعمال کرنا جائز نہیں، چرم کو بیچنے کے بعد اس سے حاصل

---

(۱) ولا بأس ببيعه بالدراهم ليتصدق بها، وليس له أن يبيعها بالدراهم لينفقه على نفسه، ولو فعل ذلك تصدق بثمنها. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني-أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد ،ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:٦١٦هـ): ٦/ ٩٥، كتاب الأضحية، الفصل السادس الانتفاع بالأضحية، ت:عبدالكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(والصدقة كالهبة) بجامع التبرع، وحينئذ (لا تصح غير مقبوضة). [الدر المختار مع رد المحتار: ٥/ ٧٠٩، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة، فصل في مسائل متفرقة، ط: دار الفكر]

(قوله: أي مصرف الزكاة والعشر)... وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة كما في القهستاني. (رد المحتار على الدر المختار: ٢/ ٣٩٩، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

ولو نوى الزكاة بما يدفع المعلم إلى الخليفة، ولم يستأجره إن كان الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان أيضا أجزأه، وإلا فلا، وكذا ما يدفعه إلى الخدم من الرجال والنساء في الأعياد وغيرها بنية الزكاة كذا في معراج الدراية. (الفتاوى الهندية: ١/ ١٩٠، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر-بيروت)

ہونے والی رقم کا حکم زکوۃ کی رقم کی طرح ہے، کسی غریب اور فقیر کو اس کا مالک بنانا ضروری ہے، متولیان اور ٹرسٹیان وکیل ہیں، ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگ اس رقم کو ایسے کاموں میں لگائیں، جس سے ان کی ذمہ داری ادا ہو جائے، غریب طلبہ کو کتابیں اور قرآن مجید وغیرہ خرید کر، مالک بنا دینے سے ذمہ داری ادا ہو جائے گی۔[1]

اس رقم کو کفن دفن کے لیے بھی استعمال کرنا جائز نہیں، ہاں! ایسا کیا جا سکتا ہے کہ یہ رقم کسی غریب کو دے دی جائے اور اسے تلقین و ترغیب دی جائے کہ اس کو فلاں کے کفن دفن کے لیے دے دو، تمہیں بے انتہا ثواب ملے گا۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[١٠] قربانی کی کھال کی رقم کا صدقہ کب کرے؟

١٩٦٢- سوال: چرم قربانی کو بیچ کر قربانی کے دنوں میں آئی ہوئی رقم ہی کا صدقہ کرنا ضروری ہے یا بعد میں بھی صدقہ کیا گیا تو جائز ہے؟

الجواب حامداو مصليا:

چمڑا بیچ کر اس کی قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے؛ البتہ قربانی کے دنوں ہی میں اس کا صدقہ کرنا ضروری نہیں ہے، جب بھی صدقہ کرے گا، واجب ذمہ سے ادا ہو جائے گا؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ جلد از جلد اس کا صدقہ کر دیا جائے۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(١) ولا بأس ببيعه بالدراهم ليتصدق بها، وليس له أن يبيعها بالدراهم لينفقه على نفسه، ولو فعل ذلك تصدق بثمنها. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني-أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد ،ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:٦١٦هـ): ٦/ ٩٥، كتاب الأضحية، الفصل السادس الانتفاع بالأضحية، ت: عبدالكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(قوله: أي مصرف الزكاة والعشر)... وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة كمافي القهستاني. (ردالمحتار على الدر المختار: ٢/ ٣٩٩، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

(٢) قدتقدم تخريجه عن: ردالمحتار على الدر المختار: ٣/ ٣٤٥، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، ط: دار الفكر.

(٣) ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز؛ لأنه قربة كالتصدق بالجلد واللحم. (تكملة البحر الرائق: ٨/ ٢٠٣، كتاب الأضحية، قبيل: أجرة الجزار هل تأخذ من الأضحية، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الفتاوى الهندية: ٥/ ٣٠١، كتاب الأضحية، الباب السادس في بيان مايستحب في الأضحية والانتفاع بها، ط: داالفكر)

(٣) ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز؛ لأنه قربة كالتصدق بالجلد واللحم. (تكملة البحر الرائق: ٨/ ٢٠٣، كتاب الأضحية، قبيل: أجرة الجزار هل تأخذ من الأضحية، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ الفتاوى الهندية: ٥/ ٣٠١، كتاب الأضحية، الباب السادس في بيان مايستحب في الأضحية والانتفاع بها، ط: داالفكر)

[١١] قربانی کے چمڑے کی رقم مصارف زکوۃ کے علاوہ میں استعمال کرنا

١٩٦٣- سوال: قربانی کے چمڑے کی قیمت قبرستان کی چہار دیواری بنانے میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامدا ومصلیا:

قربانی کے جانور کے چمڑے کا استعمال، قربانی کرنے والا خود کر سکتا ہے، مال دار یا محتاج جس کو بھی دے جائز ہے، البتہ اس کو بیچ دے، تو حاصل ہونے والی رقم کا حکم زکوۃ کے پیسوں کا ہے؛ اس لیے اس کو بیچنے سے جو رقم حاصل ہوگی، اس کو مصرف زکوۃ میں خرچ کرنا ضروری ہے، قبرستان کی چہار دیواری، مسجد، مدرسہ میں استعمال جائز نہیں ہے۔(١) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[١٢] زکوۃ اور قربانی کے چمڑوں کی رقم مدرسین کی تنخواہ میں دینا

١٩٦٤- سوال: (١) ہمارے گاؤں کے مدرسہ میں مدرس حضرات کی تنخواہ کے لیے زکوۃ کے پیسے استعمال کرنے پڑتے ہیں، تو کیا اب ہم قربانی کے چمڑے کے پیسوں کو تنخواہ میں استعمال کر سکتے ہیں؟

(٢) قربانی کے چمڑے کے پیسوں سے مدرسہ کے گدے بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

---

(١) ويجوز الانتفاع بجلد الأضحية، وهدي المتعة والتطوع بأن يتخذها فروا أو بساطاً، ... وله أن يشتري به متاع البيت كالغربال، والمنخل، والفرو، والكساء، والخف، وكذلك له أن يشتري به ثوبا يلبسه، ولا يشتري به الخل، وكذلك لا يشتري به اللحم، ولا بأس ببيعه بالدراهم ليتصدق بها، وليس له أن يبيعها بالدراهم لينفقه على نفسه، ولو فعل ذلك تصدق بثمنها. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني-أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد ،ابن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:٦١٦هـ): ٩٥/٦، كتاب الأضحية، الفصل السادس الانتفاع بالأضحية، ت:عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆تبيين الحقائق: ٨/٦، كتاب الأضحية، ط: المطبعة الكبرى الأميرية-بولاق، القاهرة☆مجمع الأنهر: ١٧٤/٤، كتاب الأضحية، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(قوله: أي مصرف الزكاة والعشر)... وهو مصرف أيضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة كما في القهستاني. (رد المحتار على الدر المختار: ٣٣٩/٢، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، ط: دار الفكر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) قربانی کے چمڑے کا مالک خود چمڑا بیچے یا کسی انجمن کو دے پھر وہ بیچ دے، بہر صورت اس کے پیسوں کا حکم زکوۃ کے پیسوں کی طرح ہے، مذکور رقم سے مدرس کی تنخواہ ادا کرنا جائز نہیں ہے؛ لہٰذا گاؤں کے لوگ، گاؤں کی زکوۃ لے کر تنخواہ دیتے ہیں، یہ جائز نہیں ہے۔[1]

(۲) قربانی کی رقم سے گدے بنا کر مسجد و مدرسہ میں دینا جائز نہیں ہے، مذکورہ رقم سے غرباء کو کپڑے، کتابیں، تعلیمی اخراجات اور اسکول فیس میں دینا جائز ہے۔ایسا بھی کیا جا سکتا ہے کہ گاؤں کے پڑھنے والے تمام طالب علم اور طالبات کے لیے ماہانہ فیس مقرر کردی جائے اور غرباء کے لڑکوں کو زکوۃ یا چمڑے کی رقم دے دی جائے، آپ ذمہ داری سے بری ہوجائیں گے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] چرمِ قربانی کی رقم سے مسجد کے بیت الخلاء اور غسل خانہ میں پتھر لگانا

۱۹۶۵-سوال: ہمارے یہاں مسجد کے ایک کمرہ میں جہاں بیت الخلاء اور غسل خانہ ہے، اُس کے آدھے حصے میں پتھر (ٹائلس) نہیں ہے، ہم گاؤں والوں نے اُس کے لیے قربانی کی کھال جمع کی ہے، اُس رقم سے مذکورہ جگہ میں پتھر لگائیں گے، تو اُس رقم کو مذکورہ کام میں استعمال کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی کی کھال بیچنے کے بعد حاصل ہونے والی رقم کا حکم زکوۃ، صدقۂ فطر اور صدقۂ واجبہ جیسا

---

(۱) ولو نوى الزكاة بما يدفع المعلم إلى الخليفة، ولم يستأجره إن كان الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان أيضا أجزأه، وإلا فلا، وكذا ما يدفعه إلى الخدم من الرجال والنساء في الأعياد وغيرها بنية الزكاة كذا في معراج الدراية.
(الفتاوى الهندية: ١/ ١٩٠، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفكر - بيروت)

(۲) فلو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله.
(الهداية: ٤/ ٣٦٠، كتاب الأضحية، على من تجب الأضحية، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت)

وقدمنا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء، وهل له أن يخالف أمره؟ لم أره، والظاهر نعم. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله: أن الحيلة) أي في الدفع إلى هذه الأشياء مع صحة الزكاة. (قوله ثم يأمره إلخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب بحر وفي التعبير بثم إشارة إلى أنه لو أمره أولا لا يجزئ؛ لأنه يكون وكيلا عنه في ذلك وفيه نظر؛ لأن المعتبر نية الدافع ولذا جازت وإن سماها قرضا أو هبة في الأصح كما قدمناه فافهم. (رد المحتار على الدر المختار: ٣/ ٣٤٥، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، ط: دار الفكر)

ہوجاتا ہے، کہ کسی غریب کو اُس کی قیمت کا مالک بنانا ضروری ہے؛ اس لیے اس رقم سے مسجد کے بیت الخلاء یا غسل خانہ میں ٹائلس (پتھر) لگوانا درست نہیں۔[1]

اِس کام کے لیے جائز طریقہ یہ ہے کہ کوئی غریب شخص کسی مالدار کے پاس سے کچھ رقم قرض لے کر اسے پتھر لگانے کے لیے متولی کو للہ دے دے، پھر متولی مذکورہ کھال کی قیمت کا اِس قرض دار غریب کو مالک بنادے، وہ غریب آدمی اِس رقم کے ذریعہ اپنا قرض ادا کردے، تو اِس سے غریب کو پتھر بٹھانے کا ثواب مل جائے گا اور اُس کا قرض بھی ادا ہوجائے گا۔[2] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۴] قربانی کی کھال کا مصرف

۱۹۶۶- سوال: ہمارے یہاں پہلے قربانی کی کھال لوگ خود فروخت کرتے تھے، اور اس سے حاصل ہونے والی رقم جسے دینا چاہتے، دے دیتے تھے، بعد میں مشورہ کرکے تمام کھالوں کو یکجا کرکے اس کی نیلامی کرنے لگے، جس سے رقم زیادہ حاصل ہونے لگی اور اِس رقم کو غریبوں میں تقسیم کرنے لگے، پھر لوگوں نے طے کیا کہ رقم کو ایسی جگہ استعمال کیا جائے، جس سے دائمی ثواب حاصل ہو اور وہ صدقۂ جاریہ بنے، کچھ لوگوں نے کہا کہ کسی دارالعلوم میں رقم دی جائے، یا اُس سے کوئی دینی و تبلیغی لٹریچر چھپوایا جائے اور دین کی اِشاعت کی جائے، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اُس سے غریب اور بیوہ عورتوں کی مدد کی جائے، یا اسکول میں پڑھنے والے غریب بچوں کو اُس کے ذریعہ اسکالرشپ دی جائے، اِن تمام صورتوں میں شرعاً سب سے اولیٰ کیا ہے؟ یہ رقم باہر کسی مدرسہ یا دارالعلوم میں دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ کس جگہ دینے سے زیادہ ثواب حاصل ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

چرمِ قربانی کو قربانی کرنے والا خود اپنے استعمال میں لینا چاہے، تو بھی جائز ہے، لیکن جب اُسے بیچ دیا جائے، تو اُس کا حکم زکوۃ کی رقم جیسا ہے، اِس لیے زکوۃ کے جو حقدار ہیں، اُن کو اُس رقم کا مالک بنانا ضروری ہے، زیادہ ثواب کے لیے گاؤں کے غریب بچے، جو دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اُن کے لیے کپڑے اور ضروری چیزیں خرید کر اُنہیں مالک بنائیے، کہ وہ عالم ہوکر دین کی خدمت کرسکیں، اُس سے فیض

(۱-۲) سوال سابق کا حاشیہ نمبر ۲ ملاحظہ فرمائیں۔

جاری رہے گا، اِسی طرح گاؤں کے اسکولی طلبہ پر خرچ کریں، یا دینی کتابیں خرید کر غریبوں کو اُس کا مالک بنادیں، ذمہ داری ختم ہوجائے گی۔ مسجد اور لٹریچر کی طباعت میں اس رقم کا شرعی حیلہ کے بغیر استعمال درست نہیں ہے۔(۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] قربانی کی کھال مسجد یا مدرسہ میں دینا

۱۹۶۷- سوال: قربانی کھال کا مصرف کیا ہے؟ مسجد میں اُس کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ دینی مدارس میں اُسے دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بالتفصیل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیا:

قربانی کے جانور کی کھال کو مالک خود استعمال کرسکتا ہے، یا جسے چاہے مالک بنا سکتا ہے، مگر کھال کو فروخت کرنے کے بعد وصول شدہ قیمت کا حکم زکوۃ کا ہے، کہ اُس کو مصارفِ زکوۃ ہی میں ادا کرسکتا ہے، لہٰذا فروخت کرنے کے بعد مدارس میں طلبہ پر خرچ کر سکتے ہیں، اُس سے وصول شدہ قیمت کو مساجد میں خرچ نہیں کرسکتے۔(۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] بستی کی بنائی ہوئی تنظیم کا لوگوں کی ناگواری کے باوجود چرمِ قربانی وصول کرنا

۱۹۶۸- سوال: ہمارے گاؤں میں اہلِ سنت والجماعت کی جانب سے ایک تنظیم بنائی گئی ہے، اُس نے یہ اعلان جاری کیا ہے کہ گاؤں کے سارے لوگ تمام چرمِ قربانی ایک متعین شخص کو مالک بنا کر گاؤں کی اِس تنظیم کو دیں گے، اگر قربانی کے جانور کا مالک اِس پر راضی نہ ہو اور اُسے صرف اِس قانون کی وجہ سے مجبوراً اپنا چرمِ قربانی دینا پڑے، تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

شریعت مطہرہ کے احکام کی پابندی تمام مسلمانوں پر یکساں طور پر لازم ہے، خواہ کوئی فردِ واحد ہو یا تنظیم ہو، کوئی بھی شریعت کے خلاف خودساختہ قانون پر عمل نہیں کرسکتا، لہٰذا بہ حکمِ شریعت ہر مسلمان کے لیے

(۱) متعدد مرتبہ اس کی تخریج گذر چکی ہے۔
(۲) تفصیل وتخریج گذر چکی ہے۔

گنجائش ہے کہ اگر چاہے تو قربانی کے جانور کا چمڑہ خود استعمال کرے یا کسی غریب کو دے یا بیچ کر اُس کی قیمت کسی محتاج کو دے۔[1] تینوں صورتیں جائز ہیں، لہٰذا مذکور تنظیم کی جانب سے جبراً چمڑہ وصول کرنا جائز نہیں ہے، اگر گاؤں کے لوگ بہ برضاء ورغبت چرمِ قربانی تنظیم کو دیں تو تنظیم کے لیے اُس کا انتظام کرنا جائز ہے، لیکن کسی کی ناگواری کے باوجود اُس سے لینا حرام ہے، بعض جگہوں پر یہاں تک سنا گیا ہے کہ نہ دینے والے پر مالی جرمانہ عائد کیا جاتا ہے، یہ بالکل حرام ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[١٧] قربانی کی کھال کی رقم کا حیلہ کر کے اُس سے اُستاذ کی تنخواہ دینا

١٩٦٩-سوال: ہمارے گاؤں میں عیدالاضحیٰ کے موقع پر جانوروں کی قربانی ہوتی ہے، اُس کی کھالوں کو گاؤں والے بطورِ صدقہ گاؤں کی کمیٹی کو دے دیتے ہیں، کمیٹی والے اُسے فروخت کر کے اُس کی رقم چھ سال سے غریب اور ضرورت مند لوگوں کو دیتے تھے، لیکن اِس وقت اُن پیسوں کا حیلہ کر کے گاؤں کے مدرسہ کے ایک اُستاذ کی تنخواہ میں اُسے دیا جاتا ہے، کیا اِس طرح کا حیلہ کرنے سے محتاج اور ضرورت مند لوگوں کا حق ضائع نہیں ہوتا؟ اگر حق ضائع ہوتا ہے تو حیلہ کر کے اُسے اُستاذ کی تنخواہ کے طور پر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حیلہ کر کے مدرسہ کے اُستاذ کی تنخواہ میں استعمال کرنے سے ٹرسٹیوں کی ذمہ داری ادا ہو جائے گی،

---

(١) ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال و جراب، ولا بأس بأن يشتري به ما ينتفع بعينه مع بقائه استحسانا . . .، ولا يشتري به ما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاك نحو اللحم والطعام، ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه وعياله، واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح؛ حتى لا يبيعه بما لا ينتفع به إلا بعد الاستهلاك. ولو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز؛ لأنه قربة كالتصدق، كذا في التبيين. وهكذا في الهداية والكافي. (الفتاوى الهندية: ٣٠١/٥، كتاب الأضحية، الباب السادس في بيان ما يستحب في الأضحية والانتفاع بها، ط: دار الفكر - بيروت)

(٢) لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (رد المحتار على الدر المختار - ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (م: ١٢٥٢هـ): ٥٠٢/٤، أول كتاب البيوع، و انظر: ٥١/٥، باب البيع الفاسد، مطلب: تعريف المال، ط: دار الفكر - بيروت)

والحاصل أن القياس في جنس هذه المسائل أن يفعل المالك ما بدا له مطلقا؛ لأنه متصرف في خالص ملكه. (المصدر السابق: ٤٤٨/٥، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مسائل متفرقة، مطلب: اقتسموا دارا و أراد كل منهم فتح باب لهم ذلك ☆ فتح القدير: ٣٢٦/٧، كتاب أدب القاضي، باب التحكيم، مسائل شتى من كتاب القضاء، ط: دار الفكر)

اور کھال دینے والے کی قربانی بھی صحیح ہوجائے گی، لیکن کھال فروخت کرنے کے بعد اُس رقم کے صحیح حقدار یتیم، بیوہ اور غریب ہیں، اُن کو محروم رکھنا ٹھیک نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[١٨] قربانی کی کھال اُجرت میں دینا

١٩٧٠- سوال: قربانی کی کھال قصاب کو پسند آئی، تو وہ اُسے دے دی اور اُجرت نہیں دی، بعد میں قصاب نے کھال کو فروخت کر کے رقم اپنے استعمال میں لے لی، پھر قربانی کرنے والے نے اُس کھال کے بدلے میں رقم مسجد کے متولی کو دی، اِس طرح کے عمل سے قربانی صحیح ہوئی یا نہیں؟ اگر صحیح نہیں ہوئی تو اُس

---

(١) والدليل على جوازه [الحيلة] من الكتاب - قوله تعالى -: {وخذ بيدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث} هذا تعليم المخرج لأيوب - عليه السلام - عن يمينه التي حلف ليضربن زوجته مائة، ... وقال - تعالى -: {فلما جهزهم بجهازهم جعل السقاية في رحل أخيه} [يوسف: ٧٠] إلى قوله {ثم استخرجها من وعاء أخيه كذلك كدنا ليوسف} [يوسف: ٧٦] وذلك منه حيلة، وكان هذا حيلة لإمساك أخيه عنده حينئذ ليوقف إخوته على مقصوده. . . .

وأما السنة فما روي: أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال يوم الأحزاب لعروة بن مسعود في شأن بني قريظة فلعلنا أمرناهم بذلك، فلما قال له عمر - رضي الله عنه - في ذلك قال - عليه السلام -: الحرب خدعة، وكان ذلك منه اكتساب حيلة ومخرج من الإثم بتقييد الكلام بلعل ... وهذا تعليم الحيلة والآثار فيه كثيرة، من تأمل أحكام الشرع وجد المعاملات كلها . . . فالحاصل: أن ما يتخلص به الرجل من الحرام أو يتوصل به إلى الحلال من الحيل فهو حسن، وإنما يكره ذلك أن يحتال في حق لرجل حتى يبطله أو في باطل حتى يموهه أو في حق حتى يدخل فيه شبهة فما كان على هذا السبيل فهو مكروه، وما كان على السبيل الذي قلنا أولا فلا بأس به. (المبسوط - محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ٤٨٣هـ): ٣٠/٢١٠-٢١١، كتاب الحيل، ط: دار المعرفة - بيروت)

مذهب علمائنا - رحمهم الله تعالى - أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة، والأصل في جواز هذا النوع من الحيل قول الله تعالى {وخذ بيدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث} [ص: ٤٤] وهذا تعليم المخرج لأيوب النبي - عليه وعلى نبينا الصلاة والسلام - عن يمينه التي حلف ليضربن امرأته مائة عود وعامة المشايخ على أن حكمها ليس بمنسوخ وهو الصحيح من المذهب كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية - لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي: ٦/٣٩٠، كتاب الحيل، الفصل الأول في بيان جواز الحيل، ط: دار الفكر)

استاذِ گرامی، آفتاب فقہ، دار العلوم دیوبند کے عظیم مفتی، حضرت مفتی ظفیر الدین مفتاحی - رحمہ اللہ - اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:
"حیلہ" خواہ مخواہ کرنا مناسب نہیں ہے، اس لیے کہ زکوٰۃ کے مصارف متعین ہیں، حیلہ کے بعد جو اصل مستحق ہیں، وہ عملاً محروم رہ جاتے ہیں، اس لیے حیلہ کی صورت انتہائی مجبوری میں اختیار کرنی چاہیے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ٦/١٩٩، حاشیہ نمبر: ٢، مسائل مصارف زکاۃ، حیلہ کے ذریعے زکاۃ کی رقم تبلیغ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟ ط: زکریا - دیوبند)

[مجتبیٰ حسن قاسمی]

کے صحیح کرنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی کی کھال اُجرت میں دینا جائز نہیں ہے، اُجرت الگ سے دینا ضروری ہے، جب کھال اجرت میں دے دی، تو اس کے بہ قدر قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔(۱)

سوال میں مذکور ہے کہ بعد میں کھال کی رقم مسجد کے متولی کو دی، تو واضح رہے کہ اُس رقم کا استعمال مسجد میں جائز نہیں ہے، کھال بیچنے کے بعد اُس کی رقم کا حکم زکوٰۃ جیسا ہے، زکوٰۃ کے مستحق کسی غریب یا بیوہ کو اُس کا مالک بنانا ضروری ہے، اِس رقم کو مدرسہ کے غریب بچوں کی کتابیں، قرآنِ پاک وغیرہ خرید کر دینے سے بھی ذمہ داری پوری ہوجائے گی، یا غریبوں میں اُس رقم کو تقسیم کردے، ورنہ قربانی ناقص رہے گی۔(۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] قصاب کو بہ طورِ اُجرت قربانی کی کھال دینا

۱۹۷۱- سوال: گاؤں میں قربانی کی کھالیں فقیر کو دی جاتی ہیں، تو اُن کو مزدوری کے پیسے دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فقیر قصائی (جانور ذبح کرنے والے اور صفائی کرنے والے) کو کھال' اُجرت کے طور پر دینا جائز نہیں ہے۔ (مجمع الانہر: ۲/ ۵۲۲ ☆ شامی: ۵/ ۲۸۷)[۳]

اگر اُجرت میں کھال دے دی ہے، تو کھال کی قیمت کے بقدر رقم قربانی کرنے والے کے ذمہ صدقہ کرنا واجب ہے۔ (ہدایہ: ۴/ ۴۵۰)[۴] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱-۲) تفصیل وتخریج گذر چکی ہے۔

[۳] وفي التنوير ولا يعطى أجر الجزار منها. (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر -عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸هـ): ۲/ ۵۲۲، كتاب الأضحية، ط: دار إحياء التراث العربي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۳۲۸-۳۲۹، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الهداية: ۴/ ۳۶۱، كتاب الأضحية، ط: دار إحياء التراث العربي)

[۴] فلو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لا ينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه؛ لأن القربة انتقلت إلى بدله. (الهداية في شرح بداية المبتدي -علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۴/ ۳۶۰، كتاب الأضحية، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت)

[۲۰] اُجرت دینے کے بعد قصاب کو قربانی کی کھال دینا

۱۹۷۲- سوال: فقیر (جانور کو ذبح کرنے والا) کو اُس کی اُجرت دینے کے بعد کھال دینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

قصاب کو اُس کی اُجرت دینے کے بعد کھال دے دینا جائز ہے۔(۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۱] چرمِ قربانی کا صحیح مصرف کیا ہے؟

۱۹۷۳- سوال: ہر سال گاؤں میں تقریباً پندرہ، بیس قربانیاں ہوتی ہیں، قربانی کے جانوروں کی کھالوں کے لیے گاؤں میں یہ راوج ہے کہ ذبح کرنے والے شاہ [فقیر] کو وہ کھالیں مفت میں دے دی جاتی ہیں، اور الگ سے اُن کے ذبح کی اُجرت بھی دی جاتی ہے، حالاں کہ اُن کی مالی حالت کافی اچھی ہے، اُن کے پاس دو بھینس اور پانچ بیگھا زمین ہے، ایسی صورت میں اُن کھالوں کی رقم سے اچھی کتابیں خرید کر کتب خانہ کھولا جائے، جس سے لوگ عمدہ کتابیں پڑھ کر کچھ دینی علم حاصل کریں گے، یا مدرسہ کے بچوں کے لیے بیٹھنے کا اچھا انتظام نہیں ہے، سردی کے موسم میں بچے کانپتے ہیں، تو کھالوں کی رقم سے کتابیں یا مدرسہ کی ضروری اشیاء خریدی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ گاؤں کے لوگ مفت میں کھالیں دے دیتے ہیں، تو اُس کی وجہ سے قربانی میں کوئی حرج تو نہیں؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیا:

قربانی کے جانور کی کھال خود مالک استعمال کرے یا کسی کو بغیر قیمت لیے ہوئے صدقہ کردے، جائز ہے، اگر ذبح کرنے والے کو بغیر اُجرت کے دے دے، تو بھی جائز ہے۔(۲)

لیکن قربانی کرنے والا جب کھال کو بیچ دے تو آنے والی رقم کا حکم زکوۃ کے حکم میں ہے، زکوۃ کے حق داروں کو مالک بنانا ضروری ہے۔(۳)

---

(۱) قال: "ویأکل من لحم الأضحیة ویطعم الأغنیاء والفقراء ویدخر" ... قال: "ویتصدق بجلدها" ... واللحم بمنزلة الجلد في الصحیح. (الهدایة في شرح بدایة المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجلیل الفرغاني المرغیناني، أبو الحسن برهان الدین (م: ۵۹۳ھ): ۴/۳۶۰، کتاب الأضحیة، ت: طلال یوسف، ط: دار احیاء التراث العربي-بیروت)

(۲-۳) تفصیل وتخریج گذر چکی۔

مدرسہ کے لیے ایسی رقم کے ذریعہ کتابیں خریدنا جائز نہیں ہے، البتہ قربانی کرنے والے نے رقم کا مالک کسی غریب کو بنادیا اور غریب شخص خرید کر کتابیں مسجد و مدرسہ میں دے تو جائز ہے، اِسی طریقہ سے کھال کو فروخت کرکے اُس سے چٹائیاں خریدنا بھی جائز نہیں ہے، لیکن قرآنِ پاک یا کتابیں خرید کر ایسے غریب بچوں کو دی ہیں جو زکوٰۃ کے حق دار ہیں تو جائز ہے، کھال بیچنے کے بعد حاصل ہونے والی رقم کا حکم زکوٰۃ کا ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] قربانی کی کھال کی رقم سے قبرستان کی چہار دیواری بنانا

۱۹۷۴-سوال: میرے پاس قربانی کی کھال کی رقم ہے، جس کو میں نے غریب اور محتاج لوگوں کو دے کر حیلہ کیا ہے، اور اُن سے اِجازت لی ہے کہ میں اُس رقم کو جس کام میں استعمال کرنا چاہوں کروں، میرا اِرادہ اِس رقم سے یہ ہے کہ قبرستان کی چہار دیواری کروں، تا کہ کوئی جانور اُس میں داخل نہ ہو، تو کیا اِس رقم کو اُس کام میں استعمال کرسکتا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی کے چمڑے کو جب تک آدمی فروخت نہ کرے، قربانی کرنے والا مالک اُسے اپنے کام میں لاسکتا ہے، بیچنے کے بعد اُس رقم کا حکم زکوٰۃ کا ہے، غریب فقیر مسلمان کو اس کا مالک بنانا ضروری ہے، جب آپ نے غریب مسلمان کو قربانی کی کھال کا مالک بنادیا اور غریب مسلمان نے اُس رقم کو آپ کی تحریر کے مطابق قبرستان کی چہار دیواری کے لیے دے دیا، تو اُس کام میں اُس کا استعمال کرنا جائز ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) تفصیل وتخریج گذر چکی۔

(۲) ولا ينبغي له أن يصرف ذلك العشر إلى عمارة الرباط وإنما يصرف إلى الفقراء لا غير ولو صرف إلى المحتاجين ثم إنهم أنفقوا في عمارة الرباط جاز ويكون ذلك حسنا. (البحر الرائق: ۵/۲۷۵، قبيل: كتاب البيع، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆مجمع الضمانات -أبو محمد غانم بن محمد البغدادي الحنفي (م: ۱۰۳۰ھ)، ۳۲۵، باب في الوقف، ط: دار الكتاب الإسلامي☆ الفتاوى الهندية: ۲/۴۷۲، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات والحياض، ط: دار الفكر -بيروت☆ فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ۳/۳۱۵، ط: زكريا -ديوبند)

وقدمنا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء، وهل له أن يخالف أمره؟ لم أره، والظاهر =

[۲۳] چرمِ قربانی کی رقم سے قبرستان کے باڑے بنانا

۱۹۷۵- سوال: قربانی کا چمڑا بیچ کر حاصل ہونے والی رقم کا قبرستان کے چاروں طرف باڑ بنانے میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ مسئلہ مفصل اور مدلل باحوالہ بیان کر کے ممنون ومشکور فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیا:

قربانی کرنے والا، اپنی قربانی کا چمڑا خود استعمال کر سکتا ہے؛ البتہ چمڑے کو بیچنے کے بعد جو رقم آئے گی اس کا حکم زکوۃ جیسا ہے؛ اس لیے اس کو غریبوں کو مالک بنانا ضروری ہے، غریب کو مالک بنائے بغیر قبرستان کی باڑی [باؤنڈری] بنانے میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

اگر قبرستان کی باؤنڈری کے لیے رقم کا کسی طور پر انتظام نہ ہو سکے، تو اس رقم کو حیلۂ شرعی کے بعد اس مصرف میں استعمال کر سکتے ہیں، یعنی کسی غریب کو اس رقم کا مالک بنا دیں، پھر اسے ترغیب دیں کہ تم اپنی طرف سے قبرستان کی باؤنڈری کروادو، اللہ بڑا اجر دے گا، اس طرح حیلہ کر کے قبرستان کی چہار دیواری کی تعمیر ہو سکتی ہے۔[1]

آپ کے لیے اس قدر جواب کافی ہے، مفصل اور مدلل سمجھنے کے لیے مدرسہ میں داخلہ لے کر پڑھیں، یا مسئلہ سمجھنے کے لیے وقت نکال کر، سفر کر کے ایک دن آپ میرے مہمان بنیں؛ محض ایک کارڈ میں اس سے زیادہ تفصیلی جواب کی گنجائش نہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=نعم. (الدر المختار) ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله: أن الحيلة) أي في الدفع إلى هذه الأشياء مع صحة الزكاة. (قوله ثم يأمره إلخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب بحر وفي التعبير بثم إشارة إلى أنه لو أمره أولا لا يجزئ؛ لأنه يكون وكيلا عنه في ذلك وفيه نظر؛ لأن المعتبر نية الدافع ولذا جازت وإن سماها قرضا أو هبة في الأصح كما قدمناه فافهم. (رد المحتار على الدر المختار: ۳/۳۴۵، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر)

لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (رد المحتار على الدر المختار - ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲هـ): ۴/۵۰۲، أول كتاب البيوع، وانظر: ۵/۵۱، باب البيع الفاسد، مطلب: تعريف المال، ط: دار الفكر - بيروت)

والحاصل أن القياس في جنس هذه المسائل أن يفعل المالك ما بدا له مطلقا؛ لأنه متصرف في خالص ملكه. (المصدر السابق: ۵/۴۴۸، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مسائل متفرقة، مطلب: اقتسموا دارا وأراد كل منهم فتح باب لهم ذلك ☆ فتح القدير: ۷/۳۲۶، كتاب أدب القاضي، باب التحكيم، مسائل شتى من كتاب القضاء، ط: دار الفكر)

(۱) سوال سابق کے حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

[۲۴] قربانی کی کھال مدرسہ میں دینا

۱۹۷۶- سوال: ہمارے یہاں انجمن اسلام ہے، اس کی کوئی ذاتی آمدنی نہیں ہے، چندہ کے ذریعہ مدرسہ کو چلایا جاتا ہے، اسی طرح مسلمان غریب بچوں کے اسکول اور مکتب کی کتابیں اور مدرّسین کی تنخواہوں کے لیے ہر سال قربانی کی کھال وصول کی جاتی ہے اور اسے فروخت کر کے ضروریات کی تکمیل کی جاتی ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طریقے سے قربانی کی کھال مدرسہ میں دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

ضروری نوٹ: ہمارے یہاں اہلِ بدعت کے کچھ فتنہ پسند لوگ، اس مقصد سے کہ ''انجمنِ اسلام'' میں کھال نہ پہنچنے پائے، پرچہ چھپوا کر تقسیم کرتے ہیں، اور مکاتب کے مدرسہ کو توڑنے کی کوشش کرتے ہیں، یہاں جماعتی حضرات بہت کم ہیں، اور نہایت غریب ہیں، جن سے مکتب کا خرچ پورا نہیں کیا جاسکتا ہے، اس مجبوری کی وجہ سے کھال کی رقم استعمال کی جاتی ہے، میرا خیال ترغیب کے ایک پرچہ چھپوانے کا ہے، اس لیے ترتیب وار، حوالے کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں۔

مولانا اشرف راندیری صاحب سے میں نے ایک سوال کیا تھا کہ: ہم چندہ مکتب کے لیے کرتے ہیں، ہمارے یہاں اس طرح کی مجبوری ہے، تبلیغی جماعت کے لوگ بہت کم ہیں، اور جو ہیں وہ انتہائی غریب ہیں، مدرّسین کا خرچ پورا نہیں ہو پاتا، تو اس مجبوری کی وجہ سے زکوۃ لے سکتے ہیں یا نہیں؟ لوگ للہ رقم بہت کم دیتے ہیں۔

تو مولانا نے جواب دیا تھا کہ: اگر ایسی سخت مجبوری ہو، تو لے سکتے ہیں، تو میرا منشا یہ ہے کہ ایسی سخت مجبوری میں قربانی کی کھال لے لی جائیں، تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

قربانی کی کھال انجمن میں دینا، یا اس کو فروخت کر کے غریب بچوں کی کتابیں خریدنے یا دوسری ضروریات میں خرچ کرنا جائز ہے، کھال فروخت کرنے کے بعد حاصل شدہ رقم کا حکم ایسا ہی ہے جیسا کہ زکوۃ کی رقم کا ہے، غریبوں کو مالک بنانا ضروری ہے، ان کو مالک بنائے بغیر کسی کام میں لانا جائز نہیں۔ (١) مدرّسین

---

(١) (فإن) (بيع اللحم أو الجلد به) أي بمستهلك (أو بدراهم) (تصدق بثمنه) ومفاده صحة البيع مع الكراهة، وعن الثاني باطل؛ لأنه كالوقف، مجتبى. (الدر المختار مع رد المحتار: ٣٢٨/٦، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر ☆ الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ٥٩٣هـ): ٣٦٠/٤، كتاب الأضحية، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي-بيروت)

کی تنخواہوں میں مذکورہ رقم کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے، (۲) اور اس رقم سے خریدی گئی کتابوں کا بھی غریب و غرباء کو مالک بنانا ضروری ہے، اگر اس رقم سے کتاب اس مقصد سے لی گئی ہو کہ ایک سال کے لیے استعمال کرنے کو دی جائے، پھر اس کو واپس جمع کرالیا جائے، تو ارکانِ انجمن کی ذمہ داری ادا نہ ہوگی، کتاب کا مالک بنانا ضروری ہے، مالک بننے کے بعد وہ خود اپنی خوشی سے جمع کرادیتے ہیں، تو اہل انجمن کی ذمہ داری ادا ہو جائے گی۔ (۳)

مولانا اشرف راندیریؒ نے جو بات بتلائی ہے، اسے پوری تفصیل سے لکھا جائے، تو اس کا جواب دیا جائے گا۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] چرمِ قربانی کی رقم ایک سال سے زائد عرصہ تک روکے رکھنا

۱۹۷۷-سوال: محتاجوں اور ناداروں کے تعاون کے لیے قائم کردہ کوئی اِدارہ اگر چرمِ قربانی کی رقم جمع کر کے اُسے ایک سال سے زائد عرصہ تک روکے رکھے، تو قربانی کرنے والوں کی قربانی ادا ہوگی یا نہیں؟ اگر رفاہِ عام کے لیے اس رقم کا استعمال کرنا ضروری ہو، تو کیوں کر حیلہ کیا جائے؟

---

(۲) ولو نوی الزکاة بما یدفع المعلم إلی الخلیفة، ولم یستأجره إن کان الخلیفة بحال لو لم یدفعه یعلم الصبیان أیضا أجزأه، وإلا فلا، وکذا ما یدفعه إلی الخدم من الرجال والنساء في الأعیاد وغیرها بنیة الزکاة کذا في معراج الدرایة.
(الفتاوی الهندیة: ۱/۱۹۰، کتاب الزکاة، الباب السابع في المصارف، ط: دار الفکر-بیروت)

(۳) ولا ینبغي له أن یصرف ذلك العشر إلی عمارة الرباط وإنما یصرف إلی الفقراء لا غیر ولو صرف إلی المحتاجین ثم إنهم أنفقوا في عمارة الرباط جاز ویکون ذلك حسنا. (البحر الرائق: ۵/۲۷۵، قبیل: کتاب البیع، ط: دار الکتاب الإسلامي ☆مجمع الضمانات-أبو محمد غانم بن محمد البغدادي الحنفي (م: ۱۰۳۰ھ)، ۳۲۵، باب في الوقف، ط: دار الکتاب الإسلامي☆ الفتاوی الهندیة: ۲/۴۷۲، کتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات والحیاض، ط: دار الفکر-بیروت☆ فتاوی قاضي خان علی هامش الهندیة: ۳/۳۱۵، ط: زکریا-دیوبند)

لأن الملك ما من شأنه أن یتصرف فیه بوصف الاختصاص. (رد المحتار علی الدر المختار-ابن عابدین، محمد أمین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲ھ): ۴/۵۰۲، أول کتاب البیوع، وانظر: ۵/۵۱، باب البیع الفاسد، مطلب: تعریف المال، ط: دار الفکر-بیروت)

والحاصل أن القیاس في جنس هذه المسائل أن یفعل المالك ما بدأ له مطلقا، لأنه متصرف في خالص ملکه.
(المصدر السابق: ۵/۴۴۸، کتاب القضاء، باب کتاب القاضي إلی القاضي، مسائل متفرقة، مطلب: اقتسموا دارا وأراد کل منهم فتح باب لهم ذلك☆ فتح القدیر: ۷/۳۲۶، کتاب أدب القاضي، باب التحکیم، مسائل شتی من کتاب القضاء، ط: دار الفکر)

الجواب حامداً ومصلیا:

چرمِ قربانی کی رقم روکے رکھنے سے قربانی کی ادائیگی میں کوئی اثر نہیں پڑے گا؛ لیکن بلا وجہ اُس کی رقم کو روکے رکھنا جائز نہیں ہے کہ اس کا حکم زکاۃ جیسا ہے۔[1]

اگر رفاہ عام کے لیے اس رقم کو استعمال کرنا ناگزیر ہو، تو اُس کے لیے حیلہ کی وہی شکل اختیار کر سکتے ہیں، جو زکوۃ کی رقم کے لیے بیان کی گئی ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۶] چرمِ قربانی مدرسہ میں دینا اور مدرسہ سے ان کا حساب لینا

۱۹۷۸- سوال: چرمِ قربانی لوگ مدرسہ کی شوریٰ کے حوالے کر دیتے ہیں، وہ لوگ اُن کھالوں پر قبضہ کر کے اُنہیں بیچ کر اُن کی حاصل شدہ قیمت مدرسین کی تنخواہ اور مدرسہ کے دیگر اخراجات میں خرچ کرتے

(۱) (والافتراضها عمري) أي على التراخي وصححه الباقاني وغيره (وقيل فوري) أي واجب على الفور (وعليه الفتوى) كما في شرح الوهبانية (فيأثم بتأخيرها) بلا عذر. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۷۰-۲۷۱، كتاب الزكاة)

سوال: ہمارے یہاں ایک قومی ادارہ ہے، جو غریب، یتیم، بیواؤں کی امداد کے لیے قائم کیا گیا ہے اور وہ اپنی خدمات ماشاء اللہ انجام بھی دیتا ہے، اس کی نوعیت یہ ہے کہ ہر سال رمضان المبارک میں زکاۃ، فطرہ اور عید الاضحیٰ کے موقع پر چرم قربانی جمع کرتا ہے اور سال بھر ماہانہ یتیم، بیواؤں کو ایک مقدار مقرر دی جاتی ہے۔ فی الوقت ادارے کے پاس جمع شدہ کئی سال کی کچھ رقم موجود ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح رقم زکاۃ، فطرہ کی جمع کر کے رکھنا درست ہے یا سال بھر مکمل جتنی رقم جمع ہو، صرف کر دی جائے، حکم شریعت سے آگاہ فرمائیں۔

جواب: زکاۃ، فطرہ دینے والوں نے ادارے کے ذمہ داروں کو وکیل بنایا ہے، کہ ان کی زکاۃ وفطرہ کو صحیح جگہ پر صرف کر دیں، جب تک وہ صرف نہیں کریں گے، زکاۃ، فطرہ کی ادائیگی نہیں ہوگی، ذمہ بری نہیں ہوگا، واجب باقی رہے گا۔ ایسی رقم پر سال بھر گذر جانا اچھا نہیں ہے، اور واجب میں اتنی دیر نہ کی جائے، درمیان میں حوادث کا بھی احتمال رہتا ہے، گذشتہ رقم، جو کچھ باقی ہو، اس کو حسب ضرورت غرباء اور مستحق کو دے دے، فقط، واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/ ۵۱۵، کتاب الزکاۃ، باب اداء الزکاۃ، ادارے میں زکاۃ کی رقم سال بھر سے زیادہ پڑے رہنا، سوال نمبر: ۴۶۱۶، ط: دار المعارف - دیوبند)

(۲) إذا أراد أن يكفن ميتا عن زكاة ماله لا يجوز (والحيلة فيه أن يتصدق بها على فقير من أهل الميت)، ثم هو يكفن به الميت فيكون له ثواب الصدقة ولأهل الميت ثواب التكفين، وكذلك في جميع أبواب البر التي لا يقع بها التمليك كعمارة المساجد وبناء القناطر والرباطات لا يجوز صرف الزكاة إلى هذه الوجوه.

(والحيلة أن يتصدق بمقدار زكاته) على فقير، ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه فيكون للمتصدق ثواب الصدقة ولذلك الفقير ثواب بناء المسجد والقنطرة. (الفتاوى الهندية: ۶/ ۳۹۲، كتاب الحيل، الفصل الثالث في مسائل الزكاة، ط: دار الفكر)

ہیں، تو کیا پوری بستی یا چند لوگوں کی کھالیں اُن کو دینا جائز ہے؟ اُن کا اُن کھالوں کو بیچ کر حاصل ہونے والی رقم کا مدرسہ میں صرف کرنا جائز ہے؟ جب کہ اُس مدرسہ میں بہت سے اغنیاء کے بچے بھی تعلیم حاصل کرتے ہیں، کھال مدرسہ کے منتظمین کے حوالے کرنے کے بعد، کھال دینے والے بستی کے لوگ اُن سے اُن کھالوں کا حساب پوچھ سکتے ہیں یا نہیں؟ کھالوں کے حساب میں اطمینان نہ ہونے پر اُن سے لڑائی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

صاحبِ قربانی کے لیے خود کھال کا استعمال کرنا جائز ہے، تاہم اگر اس نے بیچ دی ہے، تو اُس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے۔[1] ضرورت کے وقت حیلۂ تملیک کے بعد مسجد و مدرسہ میں اُس کا صرف کرنا جائز ہے، اگر کھالیں مدرسہ میں دینی ہے، تو اُس کی صورت یہ ہے کہ چند آدمیوں کو کھالیں ہبہ کر دی جائیں، اور وہ لوگ اُنہیں بیچ کر قیمت مدرسہ میں دے دیں۔[2] کھالیں خواہ پوری بستی کی ہوں اور سینکڑوں کی تعداد میں ہوں؛ لیکن جب مالکین کی رضا سے دو تین آدمیوں کو ہبہ کی جائیں، تو جائز ہے۔[3]

دوسری صورت یہ ہے کہ مدرسہ کے بعض محتاج طلبہ کی جانب سے کچھ لوگ اُن کے وکیل بن کر کھالیں وصول کر لیں اور پھر اُنہیں بیچ کر قیمت مدرسہ میں دے دیں، بہرصورت مدرسہ میں کھال ہبہ یا صدقہ کرنے کے بعد کھال دینے والوں کو حساب و کتاب معلوم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، کیوں کہ موہوب لہٗ

---

(۱)(فإن) (بيع اللحم أو الجلد به) أي بمستهلك (أو بدراهم) (تصدق بثمنه) ومفاده صحة البيع مع الكراهة، وعن الثاني باطل؛ لأنه كالوقف، مجتبى.(الدر المختار مع رد المحتار:۶/۳۲۸، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر☆الهداية في شرح بداية المبتدي-علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م:۵۹۳هـ): ۴/۳۶۰، كتاب الأضحية، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي-بيروت)

(۲)ولا ينبغي له أن يصرف ذلك العشر إلى عمارة الرباط وإنما يصرف إلى الفقراء لا غير ولو صرف إلى المحتاجين ثم إنهم أنفقوا في عمارة الرباط جاز ويكون ذلك حسنا.(البحر الرائق:۵/۲۷۵، قبيل: كتاب البيع، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆مجمع الضمانات-أبو محمد غانم بن محمد البغدادي الحنفي (م:۱۰۳۰هـ)، ۳۲۵، باب في الوقف، ط: دار الكتاب الإسلامي☆ الفتاوى الهندية:۲/۴۷۲، كتاب الوقف، الباب الثاني عشر في الرباطات والمقابر والخانات والحياض، ط: دار الفكر-بيروت☆ فتاوى قاضي خان على هامش الهندية:۳/۳۱۵، ط: زكريا-ديوبند)

(۳)وله أن يهبه منهما جميعا، ولو تصدق بالكل جاز ولو حبس الكل لنفسه جاز؛ لأن القربة في الإراقة.(بدائع الصنائع:۵/۸۱، كتاب التضحية، قبيل: كتاب النذر، ط: دار الكتب العلمية-بيروت ☆ تكملة البحر الرائق:۸/۲۰۳، كتاب الأضحية، الأكل من لحم الأضحية، ط: دار الكتاب الإسلامي)

جب مالک بن گیا، تو وہ اُس میں تصرف کا مختار ہے۔[4] البتہ مدرسہ کے ذمہ داروں کو حساب و کتاب کا حق رہے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[٢٧] چرمِ قربانی کی قیمت کے ذریعہ کنٹرول کا اناج خرید کر مستحقین کو دینا

١٩٧٩-سوال: ہمارے گاؤں میں چرمِ قربانی کی قیمت کے ذریعہ اناج خرید کر مستحقین کو دیا جاتا ہے، اور یہ نظم اِس وجہ سے کیا گیا ہے کہ نقد دینے میں اُس کا غلط استعمال زیادہ ہوتا ہے؛ اِس اناج کی خریداری زیادہ مقدار میں بڑے پیمانہ پر ہوتی ہے، اِس لیے بازار کی عام قیمت کے مقابلہ میں کچھ کم قیمت میں ملتا ہے، لیکن اگر ہم اِسی اناج کو کنٹرول [راشن کی سرکاری دوکان] سے خریدیں تو اور بھی کم قیمت میں مل سکتا ہے؛ لیکن چوں کہ کنٹرول والے دوسرے راشن کارڈ والے مستحقین کی حق تلفی کر کے اناج سستے دام میں بیچتے ہیں؛ اِس لیے ہم آپ سے اِس کے متعلق رہنمائی طلب کرتے ہیں کہ کیا اِس صورت میں ہمارے لیے کنٹرول سے اناج خریدنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا:

اگر کنٹرول کے تاجر راشن کارڈ والے اصل مستحقین کو محروم کر کے بیچتے ہیں اور آپ کو اِس حق تلفی کا یقین ہے، تو اُن سے خریدنا جائز نہیں ہے، ہاں اگر کسی جگہ کے لوگ کنٹرول سے اناج نہیں خریدتے اور اِس وجہ سے وہاں اناج پڑا رہتا ہے؛ اِس لیے کنٹرول والے اُسے بیچ دیں، [گویا کسی کی حق تلفی نہ ہو] تو اُسے خریدنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(٤) لأن الملك ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص. (رد المحتار على الدر المختار - ابن عابدين (م: ١٢٥٢هـ): ٥٠٢/٤، أول كتاب البيوع، وانظر: ٥١/٥، باب البيع الفاسد، مطلب: تعريف المال، ط: دار الفكر - بيروت)

والحاصل أن القياس في جنس هذه المسائل أن يفعل المالك ما بدأ له مطلقا؛ لأنه متصرف في خالص ملكه. (المصدر السابق: ٤٤٨/٥، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مسائل متفرقة، مطلب: اقتسموا دارا و أراد كل منهم فتح باب لهم ذلك ☆ فتح القدير: ٣٢٦/٧، كتاب أدب القاضي، باب التحكيم، مسائل شتى من كتاب القضاء، ط: دار الفكر)

(١) راشن کارڈ، حکومت کی جانب سے غریب کو ملنے والا رعایتی ''حق'' ہے، جس کے ذریعے کارڈ ہولڈر کو راشن (شکر اور تیل وغیرہ) خریدنے کا اختیار رہتا ہے، اس کے حق کو متاثر کرنا، یک گونہ حق تلفی اور ظلم ہے؛ اس لیے اگر یقین ہو کہ کنٹرول (سرکاری راشن کی دکان) سے غلہ خریدنے میں راشن کارڈ ہولڈر کا حق متاثر ہوگا، تو کنٹرول کے تاجر سے غلہ خریدنا جائز نہیں ہوگا:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾. (٤-النساء: ٢٩)

عن جابر بن عبد الله -رضي الله عنه-، قال: شهدت مع رسول الله -صلى الله عليه وسلم- الأضحى بالمصلى، فلما قضى خطبته نزل من منبره وأتي بكبش فذبحه رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده، وقال: بسم الله، والله أكبر، هذا عني، وعمن لم يضح من أمتي. (سنن أبي داود: ١/٣٨٨، رقم الحديث: ٢٨١٠، كتاب الضحايا، باب في الشاة يضحى بها عن جماعة، ط: ديوبند)

باب الشركة في الضحايا

[قربانی میں شرکت کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب الشركة في الضحايا

[قربانی میں شرکت کا بیان]

[١] بکرے کی نیت کی، پھر بڑے جانور میں حصہ لے لیا تو؟

١٩٨٠- سوال: ایک شخص پر قربانی واجب ہے، اس نے بکرا خریدنے کا ارادہ کیا تھا، مگر اس سال بکرے کی زیادہ قیمت ہے، جس کی وجہ سے وہ بڑے جانور میں ایک حصہ لینا چاہتا ہے، تو یہ درست ہے یا نہیں؟ یا بکرے کی نیت کرنے کی وجہ سے بکرا ہی خریدنا ضروری ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بڑے جانور میں ایک حصہ لینے سے بھی قربانی ادا ہو جائے گی، کیوں کہ اصل میں ایک قربانی کرنا واجب ہے، خواہ بکرے کی کرے، یا بڑے جانور کی، یا بڑے جانور میں حصہ رکھے؛ سب جائز ہے؛ لہٰذا اگر بڑے جانور میں ایک حصہ قربانی کا رکھ لیا جائے، تو واجب ادا ہو جائے گا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(١) يجب أن يعلم أن الشاة لا تجزئ إلا عن واحد، وإن كانت عظيمة، والبقر والبعير يجزي عن سبعة إذا كانوا يريدون به وجه الله تعالى، والتقدير بالسبع يمنع الزيادة، ولا يمنع النقصان، كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ٥/ ٣٠٤، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، ط: دار الفكر - بيروت)

إن ذبح البقرة من سبعة بنية القربة بمنزلة ذبح شاة؛ لأن جواز ذبح البقرة من سبعة من حيث إن البقرة أقيمت =

[۲] بڑے جانور کی قربانی میں کسی شریک کا صدقہ کی نیت کرنا

۱۹۸۱- سوال: قربانی کے جانور میں سات مختلف حصے ہیں، کسی حصہ کا صدقہ کی نیت کرنا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستحب یہ ہے کہ قربانی کے جانور میں تمام شرکاء کی نیت قربانی کی ہو، لیکن اگر کوئی قربانی کے علاوہ دیگر قربت (عبادت) کی نیت کرتا ہے، تو اس کی بھی گنجائش ہے، جیسے: عقیقہ، دم تمتع، دم قران، دم احصار، یا نفل صدقہ کی کوئی نیت کرتا ہے تو یہ بھی درست ہے۔

بل کہ اگر شرکاء میں سے کوئی نکاح کے ولیمہ کی نیت کرتا ہے، کہ اس گوشت سے نکاح کی دعوت کھلاؤں گا، تو اس کی بھی گنجائش ہے؛ کیوں کہ یہ بھی عبادت کی نیت ہے، البتہ مطلق گوشت کھانے یا کھلانے کی نیت سے شرکت جائز نہیں، اگر کسی نے ایسا کیا، تو شرکاء میں سے کسی کی قربانی جائز نہ ہوگی۔ (عالم گیری☆بدائع الصنائع)[1]

=مقام سبع شياه، وإراقة دمها أقيمت مقام سبع إراقات. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني-أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:۶۱۶هـ):۶/۹۹، كتاب الأضحية، الفصل الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، ت: عبدالكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

محض ارادے کی وجہ سے اس پر بکرا قربان کرنا لازم نہیں ہے، حتی کہ اگر کسی مال دار نے بہ وقت شراء قربانی کی نیت کی ہو، تب بھی وہ جانور قربانی کے لیے متعین نہیں ہوتا ہے، ذیل کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وهل تتعين الأضحية بالنية؟ قالوا: إن كان فقيرا وقد اشتراها بنيتها تعينت (وفي حاشية الحموي: قوله: تعينت الخ، بشرط أن يتلفظ الفقير بلسانه، وأما إذا لم يتلفظ فلا تتعين. انتهى) فليس له بيعها، وإن كان غنيا لم تتعين، والصحيح (وفي حاشية الحموي: قوله: "والصحيح الخ" قيل لا يلزم إذا نوى أن يضحي ولم يتلفظ وقت الشراء لها لو كان المشتري غنيا لا تجب باتفاق الروايات، فله بيعها، وإن كان فقيرا ذكر في الشافي: أنها تتعين بالنية وعند الجمهور: لا، إلا أن قول بلسانه على أن أضحي بها) أنها تتعين مطلقا. (الأشباه والنظائر مع حاشية الحموي: ۱/۹۰، الأولى: لا ثواب إلا بالنية، ت: المفتي محمد يوسف التاؤلوي، ط: مكتبة فقيه الأمة-ديوبند)

[۱] لا يشارك المضحي فيما يحتمل الشركة من لا يريد القربة رأسا، فإن شارك لم يجز عن الأضحية، وكذا هذا في سائر القرب إذا شارك المتقرب من لا يريد القربة لم تجز عن القربة، ولو أرادوا القربة - الأضحية أو غيرها من القرب - أجزأهم سواء كانت القربة واجبة أو تطوعا، أو وجب على البعض دون البعض، وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت، بأن أراد بعضهم الأضحية، وبعضهم جزاء الصيد، وبعضهم هدي الإحصار، وبعضهم كفارة عن=

لہٰذا اگر آپ کی مراد صدقہ سے نفلی قربانی ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، بڑے جانور میں ایک حصہ نفلی قربانی کے لیے بھی رکھ سکتے ہیں۔ اور مالدار پر ایک حصہ یا ایک چھوٹا جانور قربان کرنا واجب ہے، لیکن اگر ایک سے زیادہ ۳-۴-۵-۶ بلکہ تنہا بڑا جانور قربان کرتا ہے، تو جائز ہے، بل کہ ثواب کا کام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ۱۰۰/اونٹوں کی قربانی کی تھی،(۲) پس قربانی کے ایام میں صدقۂ نافلہ نفل قربانی میں شامل ہوجائے گا، اور قربانی کے ایام میں قربانی ہی کی نیت سے ذبح کرنے میں زیادہ ثواب ہے۔(۳)

اور اگر صدقہ سے آپ کی مراد واجب صدقہ: منت وغیرہ ہے، تو نیت کیسے اور کس طرح کی ہے؟ اس کی تفصیل لکھیے، ان شاء اللہ جواب دیا جائے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] قربانی میں شریک کا بہ وقت ذبح اپنی حاضری کی شرط سے متعلق ایک تحقیقی مسئلہ

۱۹۸۲-سوال: مکرم ومحترم جناب مفتی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

=شيء أصابه في إحرامه، وبعضهم هدي التطوع، وبعضهم دم المتعة أو القران، وهذا قول أصحابنا الثلاثة- رحمهم الله تعالى-، وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له من قبل، كذا ذكر محمد- رحمه الله تعالى- في نوادر الضحايا، ولم يذكر ما إذا أراد أحدهم الوليمة وهي ضيافة التزويج وينبغي أن يجوز. (الفتاوى الهندية: ۵/۳۰۴، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، ط: دار الفكر- بيروت☆بدائع الصنائع: ۵/۷۱، كتاب التضحية، فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۲) ... مجاهدا، يقول: حدثني ابن أبي ليلى، أن عليا رضي الله عنه حدثه قال: أهدى النبي صلى الله عليه وسلم مائة بدنة، فأمرني بلحومها، فقسمتها ثم أمرني بجلالها فقسمتها، ثم بجلودها فقسمتها. (صحيح البخاري: ۱/۲۳۲، رقم الحديث: ۱۷۱۸، كتاب الحج، باب: يتصدق بجلال البدن، ط: ديوبند)

(۳) عن عائشة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ما عمل آدمي من عمل يوم النحر أحب إلى الله من إهراق الدم، إنه ليأتي يوم القيامة بقرونها وأشعارها وأظلافها، وأن الدم ليقع من الله بمكان قبل أن يقع من الأرض، فطيبوا بها نفسا. (سنن الترمذي: ۱/۲۷۵، رقم الحديث: ۱۴۹۳، أبواب الأضاحي، باب ما جاء في فضل الأضحية، ط: ديوبند☆ سنن ابن ماجه: ۱/۲۲۶، رقم الحديث: ۳۱۲۶، كتاب الأضاحي، باب ثواب الأضحية، ط: ديوبند)

قال (والأضحية أحب إلي من التصدق بمثل ثمنها) والمراد في أيام النحر؛ لأن الواجب التقرب بإراقة الدم، ولا يحصل ذلك بالتصدق بالقيمة. (المبسوط- محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (م: ۴۸۳هـ): ۱۲/۱۳، كتاب الذبائح، باب الأضحية، أول وقت الأضحية، ط: دار المعرفة- بيروت)

درخواست ہے کہ ایک مسئلہ درپیش ہے، جس کی طرف توجہ منعطف فرما کر نقلاً یا عقلاً (قیاساً) تحقیق فرمادیں:

واقعہ: قربانی کے شرکاء میں سے ایک شریک نے کہا تھا کہ میری غیبوبت میں جانور ذبح نہ کیا جائے، جب ذبح کریں، تو مجھے بلا کر میری حاضری میں ذبح کریں، چناں چہ دسویں ذی الحجہ کو ذبح کے لیے اسے بلایا گیا، تو وہ گھر میں نہیں تھا، شرکاء نے توقف کر کے گیارہویں ذی الحجہ کو ذبح کرنا چاہا، تو پھر اس کو بلایا، معلوم ہوا کہ وہ گاؤں سے باہر کہیں گیا ہوا ہے، بالآخر شرکاء نے جانور ذبح کر ڈالا، بعد ازیں بارہویں ذی الحجہ کو شام کے وقت وہ آ گیا۔

فقہ میں جزئیات کا احاطہ مشکل بل کہ مستبعد ہے، تاہم فقہائے امت نے حتی الوسع کثیر تعداد میں جزئیات محتملہ بڑی حد تک محنت کر کے قلم بند کیے ہیں، مگر چوں کہ واقعہ مذکورہ کی نوعیت ایک ایسی عجیب وغریب ہے کہ شاید ہی کتب فقہ میں مذکور ہو۔

اصول وقیاس: از روئے قیاس اگر چہ شرکاء میں سے کسی ایک کے سکوت اور غیبوبت کو دلالۃً اجازت پر محمول کیا جا سکتا تھا، مگر چوں کہ اس غائب شریک کی جانب سے پہلے ہی سے صراحۃً ممانعت ہے، لہٰذا اس کی طرف سے بلا اجازت ذبح کیے گئے جانور کی قربانی صحیح نہیں ہونی چاہیے، اور جب ایک شریک کی قربانی صحیح نہیں ہوئی، تو کسی کی بھی قربانی صحیح نہیں ہونی چاہیے۔

ضمان: قربانی کے درست نہ ہونے کی صورت میں اب تصدق بالقیمت واجب ہو، تو بہ ظاہر کہا جا سکتا ہے کہ اس شریک کی وجہ سے دوسروں کی قربانی درست نہیں ہوئی ہے، اس لیے وہ دوسروں کو ضمان ادا کرے، مگر شرکاء نے چوں کہ عجلت کی اور ایام نحر کے اختتام تک توقف اور انتظار نہ کیا؛ اس لیے ضمان عائد نہ ہونا چاہیے، البتہ پورے توقف کے بعد بھی وہ شخص حاضر نہ ہوتا، تب ضمان عائد ہو سکتا ہے۔ اسی طرح بالعکس شرکاء نے عدم توقف تام [عجلت] سے کام لیا؛ اس لیے ذبیحہ بے کار رہا، تو شرکاء، اس شخص کو ضمان ادا کریں گے یا نہیں؟

پس ذیل میں کچھ نظریہ کی طرف توجہ مبذول کر کے استصواب مطلوب ہے: ۱- ذبیحہ بے کار رہا، ۲- شرکاء اس شخص کو ضمان ادا کریں، ۳- تصدق بالقیمت واجب ہو، امید ہے غور وفکر کر کے تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صورت مسئولہ میں اضحیہ کو قربانی کی نیت سے خریدا گیا، یا خریدنے کے بعد زبان سے نیت کی گئی، ان دونوں صورتوں میں مذکورہ جانور، قربانی کا شمار ہوگا اور تمام شرکاء کی قربانی ہو جائے گی۔

(۱)وعن محمد - رحمه الله تعالى - في المنتقى: إذا اشترى شاة ليضحي بها وأضمر نية التضحية عند الشراء تصير أضحية كما نوى.(عالم گیری:۱۱۲/۵)[۱]

فأما إذا اشترى شاة، ثم أوجبها أضحية بلسانه - وهو الوجه الثالث - تصير أضحية في قولهم، كذا في فتاوى قاضي خان.(عالم گیری:۱۱۳/۵)[۲]

(۲)ولو ذبح أضحية غيره عن المالك بغير أمره صريحا يقع عن المالك، ولا ضمان على الذابح استحسانا.(عالم گیری:۱۱۵/۵)[۳]

معلوم ہوا کہ شریک نے شرکاء سے مشورہ کر کے کسی جانور میں کوئی متعین حصہ خریدا، تو وہ حصہ قربانی کے لیے متعین ہو گیا، جہاں تک بات ہے اضحیۂ غیر کو اس کی اجازت کے بغیر ذبح کرنے کی، تو واضح رہے کہ جزئیہ ثانی [غیر کی قربانی، مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کی، تو استحسانا ضمان لازم نہیں آئے گا] کی روشنی میں استحساناً ذابح پر کوئی ضمان نہیں آئے گا؛ اس لیے کہ اضحیہ کو تو ذبح کرنا ہی تھا، ذابح نے مالک کی اعانت کی کہ اس کے اضحیہ کو ذبح کر دیا؛ لہٰذا ضمان ذابح پر لازم نہیں آئے گا۔(۴)

---

[۱] الفتاوى الهندية- لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي:۲۹۴/۵، كتاب الأضحية، الباب الثاني في وجوب الأضحية بالنذر وما هو في معناه، ط: دار الفكر.

[۲] المصدر السابق.

[۳] الفتاوى الهندية- لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي:۳۰۲/۵، كتاب الأضحية، الباب السابع في التضحية عن الغير وفي التضحية بشاة الغير عن نفسه، ط: دار الفكر.

(۴)قلت: وفي أوائل القاعدة الأولى من الأشباه: لو شراها بنية الأضحية فذبحها غيره بلا إذنه، فإن أخذها مذبوحة ولم يضمنه أجزأته، وإن ضمنه لا تجزئه، وهذا إذا ذبحها عن نفسه. أما إذا ذبحها عن مالكها فلا ضمان عليه اهـ فراجعه.(الدر المختار)ـــــــ قال ابن عابدين:(قوله أما إذا ذبحها إلخ) قال في الشرنبلالية عن منية المفتي: وإذا ذبح أضحية الغير ناويا مالكها بغير أمره جاز ولا ضمان عليه اهـ وهذا استحسان لوجود الإذن دلالة كما في البدائع.... أي للاكتفاء بالنية عند الشراء فتعينت لها... واستفيد منه أنه لو كانت غير معينة لا تجزي وضمن. قال في الخانية: اشترى خمس شياه في أيام الأضحية، وأراد أن يضحي بواحدة منها، إلا أنه لم يعينها فذبح=

قیاس کا تقاضہ ہے کہ ذابح کو ضمان ادا کرنا چاہیے، مگر استحسان کو ترجیح دی گئی ہے؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر چہ شریک حاضر نہیں، مگر جب شرکاء نے مذکورہ شریک کو حصہ دار بنا کر اضحیہ میں سہیم (شریک) بنالیا اور شریک صاحب حصہ بن گیا، اور شرکت خود شرکاء کے لیے اجازت ہے، اور فقہ کا جزئیہ نمبر ۲ ملا، کہ مالک کی صراحتاً اجازت کے بغیر اضحیہ کو کسی فضولی نے ذبح کر دیا، تو اصل مالک کی طرف سے قربانی صحیح ہوگئی؛ لہٰذا ضمان کا مسئلہ لازم نہیں آئے گا۔

اور آپ نے جس پر قیاس کیا ہے، وہ مضحی (قربانی کرنے والے) کی اجازت کے بغیر، اس کی واجب قربانی، کرنے کے متعلق ہے، جہاں نہ نیت ہے اور نہ ہی قربانی کا جانور متعین ہے، جب کہ صورت مسئولہ میں اضحیہ متعین ہے، نیت اضحیہ موجود ہے، فقط وقت کی اجازت مطلوب ہے، شرکاء نے وقت کی اجازت کی رعایت شریک سے حاصل نہیں کی ہے، مگر قربانی کی نیت بوجہ اشتراء کے موجود ہے؛ لہٰذا مالک کی طرف سے قربانی صحیح ہو جائے گی اور کسی پر ضمان لازم نہیں آئے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] بڑے جانور میں بعض حصے قربانی کے اور بعض حصے عقیقے کے

۱۹۸۳- سوال: ہم نے قربانی کے لیے بڑا جانور خریدا ہے، جس میں سات حصے ہوتے ہیں، اس میں پانچ حصے قربانی کے ہیں اور دو حصے عقیقے کے، تو قربانی اور عقیقہ دونوں صحیح ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قربانی کے جانور میں عقیقہ کا حصہ رکھنا جائز ہے، جب کہ مقصد محض رضائے الٰہی ہو۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

=رجل واحدة منها يوم الأضحى بنية صاحبها بلا أمره ضمن اهـ. (تكملة رد المحتار على الدر المختار: ۳۳۰/۶، كتاب الأضحية، قبيل: فروع: لون أضحيته - عليه الصلاة والسلام - سوداء، ط: دار الفكر - بيروت ☆درر الحكام شرح غرر الأحكام- محمد بن فرامرز بن علي الشهير بملا - أو منلا أو المولى - خسرو (م: ۸۸۵هـ): ۲۷۱/۱، كتاب الأضحية، ما يصح للأضحية، ط: دار إحياء الكتب العربية ☆مجمع الضمانات-أبو محمد غانم بن محمد البغدادي الحنفي (م: ۱۰۳۰هـ) ص: ۹، باب مسائل الأضحية، ط: دار الكتاب الإسلامي)

(۱) لا يشارك المضحي فيما يحتمل الشركة من لا يريد القربة رأسا، فإن شارك لم يجز عن الأضحية، ... ولو أرادوا القربة - الأضحية أو غيرها من القرب - أجزأهم سواء كانت القربة واجبة، أو تطوعا، أو وجب على البعض =

[۵] بڑے جانور میں کچھ حصے قربانی اور کچھ حصے عقیقے کے رکھنا

۱۹۸۴- سوال: قربانی کے بڑے جانور، مثلاً: گائے، بھینس، اونٹ اور کٹڑا وغیرہ، جس میں سات حصے ہوتے ہیں، ان میں اگر پانچ حصے قربانی کے اور دو حصے عقیقے کے رکھے جائیں، اور عقیقے کے گوشت کو بھی تقسیم کر دیا جائے، تو قربانی اور عقیقہ صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیا:

صورت مسئولہ میں بڑے جانور (جن کے سات حصے ہوسکتے ہیں) ان میں قربانی اور عقیقے دونوں کے حصے رکھنا جائز ہے، کچھ حصے قربانی کے اور کچھ حصے عقیقے کے، البتہ لازم ہے کہ کل ملا کر سات حصوں سے زیادہ نہ ہوں۔[1] قربانی یا عقیقہ کی صحت اس کے گوشت کی تقسیم پر موقوف نہیں ہے، اگر کسی نے بالکل ہی گوشت تقسیم نہیں کیا اور اپنے گھر والوں کے لیے رکھ لیا، تو کوئی گناہ نہ ہوگا۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] قربانی کے جانور میں دو حصے عقیقہ کے رکھنا

۱۹۸۵- سوال: قربانی کے لیے ایک بڑا جانور ہے، اُس میں پانچ حصے قربانی کے ہیں اور دو حصے عقیقہ کے طور پر ہیں، پورے گوشت کو تقسیم کرنے کا ارادہ ہے، تو ایسی صورت میں عقیقہ اور قربانی ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

اونٹ، بھینس اور گائے جیسے بڑے جانوروں میں قربانی اور عقیقہ کے حصے رکھنا جائز ہے، ۳/ یا ۴/

=دون البعض، وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت، بأن أراد بعضهم الأضحية، وبعضهم جزاء الصيد، وبعضهم هدي الإحصار، وبعضهم كفارة عن شيء أصابه في إحرامه، وبعضهم هدي التطوع، وبعضهم دم المتعة أو القران، وهذا قول أصحابنا الثلاثة رحمهم الله تعالى، وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له من قبل، كذا ذكر محمد - رحمه الله تعالى - في نوادر الضحايا. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۰۴، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، ط: دار الفكر - بيروت☆رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۳۲۶، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر - بيروت)

(۱) سوال سابق کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) ولو تصدق بالكل جاز، ولو حبس الكل لنفسه جاز، وله أن يدخر الكل لنفسه فوق ثلاثة أيام إلا أن إطعامها والتصدق بها أفضل إلا أن يكون الرجل ذا عيال وغير موسع الحال؛ فإن الأفضل له حينئذ أن يدعه لعياله ويوسع عليهم به، كذا في البدائع. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۰۰، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب، ط: دار الفكر)

حصے قربانی کے ہوں، اور دوسرے حصے عقیقہ کے ہوں، تو جائز ہے، بس شرط یہ ہے کہ کوئی حصہ ساتویں حصے سے کم نہ ہو۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] ایک قربانی کا ثواب ایک سے زائد لوگوں کو پہنچانا

۱۹۸۶- سوال: تین مسئلے دریافت کرنے ہیں:

(۱) ایک شخص نے ایک بکرے کی قربانی یا ایک بڑے جانور میں ایک حصہ رکھا اور اس کا ثواب اس نے ایک سے زائد لوگوں پہنچایا، تو کیا قربانی صحیح ہوگی یا نہیں؟

(۲) ایک سے زائد آدمیوں نے مل کر تھوڑے پیسے جمع کیے، اس کا ایک بکرا خریدا یا ایک بڑے جانور کے سات حصوں میں سے ایک حصہ خریدا اور اس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے قربانی کی، تو یہ صورت صحیح ہوگی یا نہیں؟

(۳) ایک سے زائد لوگوں نے کچھ رقم جمع کی اور اس کا ایک بکرا یا ایک بڑے جانور کا ایک حصہ خریدا اور اس کی ایک سے زائد لوگوں کی طرف سے قربانی کی، یا ایک سے زائد لوگوں کے لیے ایصال ثواب کیا، تو قربانی صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامدا ومصليا:

پہلی صورت میں قربانی درست ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں ایک ہی آدمی اپنی جانب سے قربانی کر کے ایک سے زائد لوگوں کو اس کا ثواب پہنچا رہا ہے، جس طرح حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دنبہ اپنی جانب سے قربان کر کے اس کا ثواب اپنی پوری امت کو پہنچایا تھا۔[2]

---

(۱) سابقہ سوالات کے حوشی ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) عن جابر بن عبد الله، قال: شهدت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الأضحى بالمصلى، فلما قضى خطبته نزل من منبره وأتي بكبش فذبحه رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده، وقال: بسم الله، والله أكبر، هذا عني، وعمن لم يضح من أمتي. (سنن أبي داود: ۱/ ۳۸۸، رقم الحديث: ۲۸۱۰، كتاب الضحايا، باب في الشاة يضحى بها عن جماعة، ط: ديوبند)

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے اس حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے لکھا ہے:

و بالجملة فأبو حنيفة و من وافقه إنما يقولون بعدم وقوع شاة عن إثنتين فصاعدا، و لا يقولون بعدم جواز هبة ثوابها لأكثر من واحد. (إعلاء السنن: ۱۷/ ۲۱۴، كتاب الأضاحي، باب التضحية بالشاة و تشريك الغير في الثواب و إيثاره له به، ط: إدارة القران، كراتشي)

دوسری صورت بھی جائز ہے؛ کیوں کہ اس میں ایک سے زائد افراد مل کر، ایک آدمی کی جانب سے قربانی کر رہے ہیں۔

تیسری صورت میں قربانی جائز نہیں ہوگی؛ کیوں کہ اس میں متعدد افراد کی قربانی ایک حصے کی جا رہی ہے، حالاں کہ ایک حصے میں صرف ایک آدمی کی ہی قربانی ہو سکتی ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] جانور ذبح کرتے وقت ہر حصہ دار کے نام کے لینے کا حکم

۱۹۸۷- سوال: قربانی کا ایک بڑا جانور ہے، جس کے حصے دار متعین ہیں، اور وہ سب باہر (بیرون ملک) رہتے ہیں، تو اس [جانور] کی قربانی کرتے وقت ہر حصہ دار کا نام لینا ضروری ہے یا نہیں؟ نیز قربانی کرتے وقت، دعاء پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر دعاء زبانی یاد نہ ہو، تو ذبح کرتے وقت کیا پڑھنا چاہیے؟

الجواب حامداو مصليا:

بہتر یہ ہے کہ قربانی کرنے والا اپنے ہاتھ سے قربانی کے جانور کو ذبح کرے، اگر یہ ممکن نہ ہو، تو قربانی کے وقت خود موجود رہے اور دعا پڑھے۔[2]

---

(۱) قلت: التضحية عن الغير تحتمل وجهين: أحدهما أن يكون المضحي هو الغير ويكون المباشر نائبا عنه، ومثل هذه التضحية لا يجوز بشاة واحدة عن أكثر من واحد عند أبي حنيفة وأصحابه، لما دل الدليل على أن الشاة الواحدة لا تجزيء إلا عن واحد.

والثاني أن يكون المضحي هو المباشر ويشرك غيره في الثواب أو يهديه له، ومثل هذه التضحية لا يمنعه أبو حنيفة وأصحابه لا لواحد، ولا لأكثر. (إعلاء السنن: ۱۷/۲۱۱-۲۱۲، كتاب الأضاحي، باب التضحية بالشاة وتشريك الغير في الثواب وإيثاره له به، ط: إدارة القران، كراتشي)

(۲) عن أبي قلابة، عن أنس، -وذكر الحديث-، قال: "ونحر النبي صلى الله عليه وسلم بيده سبع بدن قياما، وضحى بالمدينة كبشين أملحين أقرنين" مختصرا. (صحيح البخاري: ۱/۲۳۱، رقم الحديث: ۱۷۱۲، كتاب الحج، باب من نحر هديه بيده، ط: ديوبند)

فالأفضل أن يذبح بنفسه إن قدر عليه لأنه قربة فمباشرتها بنفسه أفضل من توليتها غيره كسائر القربات... ويستحب أن يحضر الذبح لما روي عن سيدنا علي - رضي الله عنه - أن النبي - عليه الصلاة والسلام - قال لسيدتنا فاطمة - رضي الله عنها - يا فاطمة بنت محمد قومي فاشهدي ضحيتك؛ فإنه يغفر لك بأول قطرة تقطر من دمها مغفرة لكل ذنب أما إنه يجاء بدمها ولحمها فيوضع في ميزانك وسبعون ضعفا، فقال أبو سعيد الخدري - رضي الله عنه - يا=

صورت مسئولہ میں ہر حصے دار کا نام لینا ضروری نہیں ہے؛ مطلق ذبح سے سب کی قربانی درست ہوجائے گی۔[٢]

ذبح کرنے والے کا ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے، یاد ہونے کے باوجود قصداً بسم اللہ ترک کردے، تو ذبیحہ حرام ہوگا، بھول سے چھوٹ جائے، تو ذبیحہ حلال ہے۔[٣]

قربانی کی دعاء کا پڑھنا ضروری نہیں ہے، پڑھ لے، تو بہتر ہے۔[٤] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[٩] بڑے جانور میں کسی شریک کا حصہ ساتویں حصے سے کم ہو تو قربانی جائز نہیں

١٩٨٨- سوال: میرے بیٹے نے پردیس سے قربانی کرنے کے لیے تین بڑے جانور کے پیسے بھیجے ہیں، شرعی اعتبار سے ایک جانور کے سات حصے ہوتے ہیں، اس میں ایک حصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رکھا جاتا ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ تینوں جانوروں میں صرف ایک حصہ رکھنا کافی ہوگا یا پھر ہر جانور میں الگ الگ، ایک ایک حصہ رکھنا پڑے گا؟ بینوا، توجروا۔

=نبي الله هذا لآل محمد خاصة فإنهم أصل لما خصوا به من الخير أم لآل محمد وللمسلمين عامة فقال: هذا لآل محمد خاصة وللمسلمين عامة.

وفي حديث عمران بن حصين - رضي الله عنه - قال: قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم -: يا فاطمة قومي فاشهدي أضحيتك، فإنه يغفر لك بأول قطرة تقطر من دمها كل ذنب عملتيه، وقولي إن صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين لا شريك له. (بدائع الصنائع: ٥/٧٩، كتاب التضحية، فصل في بيان مايستحب قبل التضحية وبعدها ومايكره، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(٢) ذبح المشتراة لها بلا نية الأضحية جازت اكتفاء بالنية عند الشراء، كذا في الوجيز للكردري. (الفتاوى الهندية: ٥/٢٩٤، كتاب الأضحية، الباب الثاني في وجوب الأضحية بالنذر وماهو في معناه، ط: دار الفكر)

(٣) (ومنها) التسمية حالة الذكر عندنا. (بدائع الصنائع: ٥/٤٦، كتاب الذبائح والصيود، فصل في بيان شرط حل الأكل في الحيوان المأكول، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

ولا تحل ذبيحة تارك التسمية عمدا، وإن تركها ناسيا تحل. (الفتاوى الهندية: ٥/٢٨٨، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركن الذبح وشرائطه وحكمه وأنواعه، ط: دار الفكر)

(٤) ويستحب أن يكون الذابح حال الذبح متوجها إلى القبلة... وأن يدعو، فيقول: اللهم منك ولك صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين لا شريك له وبذلك أمرت وأنا من المسلمين. (بدائع الصنائع: ٥/٧٩، كتاب التضحية، فصل في بيان مايستحب قبل التضحية وبعدها ومايكره، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر جانور میں ایک حصہ رکھنے کا اگر مطلب یہ ہو کہ جانور کے سات شرکاء میں سے، ہر آدمی کا حصہ کم کر دیا جائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتواں حصہ رکھا جائے، گویا ایک جانور میں کل آٹھ شریک ہو جائیں، اس طرح قربانی درست نہیں ہے، کیوں کہ کسی بھی شریک کا حصہ، ساتویں حصہ سے کم نہیں ہونا چاہیے۔ مذکورہ صورت میں تمام شرکاء کے حصے کم ہو گئے۔ (١)

ہاں اگر یہ مطلب ہو کہ تین جانوروں میں سے کسی ایک جانور میں پورا ساتواں حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رکھا جائے، اور دیگر چھ یا پانچ شرکاء میں سے کسی کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہ ہو، تو یہ جائز ہے۔ (٢)

تینوں جانور میں سے ہر ایک میں یا کسی ایک میں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حصہ رکھنا لازم وضروری نہیں ہے، یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ بڑے جانور کی قربانی اسی وقت درست ہوگی، جب کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اس میں حصہ رکھا جائے، تو اس کی کوئی اصل نہیں ہے، البتہ ایک صاحب ایمان کے لیے بہتر ہے کہ استطاعت ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی قربانی کرے، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے قربانی کیا کرتے تھے۔ (٣) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(١) وإذا كان الشركاء في البدنة أو البقرة ثمانية لم يجزهم؛ لأن نصيب أحدهم أقل من السبع، وكذلك إذا كان الشركاء أقل من الثمانية إلا أن نصيب أحدهم أقل من السبع، بأن مات الرجل وترك امرأة وابنا وبقرة فضحى بها يوم العيد لم يجز؛ لأن نصيب المرأة أقل من السبع فلم يجز في نصيبها ولم يجز في نصيب الابن أيضا، كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ٥/٣٠٥، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، ط: دار الفكر-بيروت)

(٢) يجب أن يعلم أن الشاة لا تجزئ إلا عن واحد، وإن كانت عظيمة، والبقر والبعير يجزي عن سبعة إذا كانوا يريدون به وجه الله تعالى، والتقدير بالسبع يمنع الزيادة، ولا يمنع النقصان، كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية: ٥/٣٠٤، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، ط: دار الفكر-بيروت)

(٣) عن حنش، قال: رأيت عليا يضحي بكبشين فقلت له: ما هذا؟ فقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم أوصاني أن أضحي عنه فأنا أضحي عنه. (سنن أبي داود: ١/٣٨٥، رقم الحديث: ٢٧٩٠، كتاب الضحايا، باب الأضحية عن الميت، ط: ديوبند)

ولما ثبت أنه-صلى الله تعالى عليه وسلم-أوصى عليا-رضي الله تعالى عنه-بأن يضحي عنه، وذلك دليل حبه-صلى الله تعالى عليه وسلم-التضحية عنه-صلى الله تعالى عليه وسلم-، فينبغي لمن وجد سعة أن يضحي عن حبيبه ونبيه-صلى الله تعالى عليه وسلم-كل عام ولو بشاة أو بسبع بقرة. (إعلاء السنن: ١٧/٢٧٢، كتاب الأضاحي، باب التضحية عن الميت، ط: إدارة القرآن-كراتشي)

=

[۱۰] قربانی کے ایک مسئلہ کا صحیح مطلب

۱۹۸۹- سوال: درج ذیل مسئلہ کا صحیح مطلب سمجھائیں، اور درج ذیل مطالب میں سے کون سا مطلب صحیح ہے اور کون سا غلط، اس کی تعیین فرمائیں:

مسئلہ یہ ہے کہ: گائے بھینس اور اونٹ میں سات آدمی شریک ہو کر قربانی کریں، تو درست ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ کسی کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہ ہو، اگر کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم ہوگا، تو قربانی درست نہ ہوگی، نہ اس کی، جس کا حصہ مکمل [کم از ساتواں حصہ] ہے، اور نہ اس کی، جس کا حصہ ساتویں حصے سے کم ہے، اس مسئلے میں جو یہ بات ہے کہ کسی کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہ ہو، اس کا کیا مطلب ہے؟

(۱) زید کا کہنا ہے کہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ ساتویں حصہ سے کسی کا حصہ کم نہ ہو، یعنی سب کے پیسے برابر ہونے چاہئیں، مثلاً قربانی کا جانور ۷۰۰۰ روپیہ کا ہے، تو ہر ایک کے حصہ میں ۱۰۰۰ روپیہ آنے چاہئیں، اس مقدار سے کم یا زیادہ کسی کے حصے میں ہوگا، تو کسی کی قربانی ادا نہ ہوگی۔

(۲) عمرو کا کہنا یہ ہے کہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ ساتویں حصہ سے کسی کا حصہ کم نہ ہو، مثلاً ۳۵ کلو کا جانور ہو، تو ہر ایک کے حصہ میں ۵ کلو گوشت جانا چاہیے، ورنہ کسی کی بھی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

(۳) بکر کا کہنا ہے کہ ساتویں حصہ سے کسی کا حصہ کم نہ ہو، مثلاً ایک جانور میں ۸ افراد شریک ہیں، اس طور پر کہ ساتویں اور آٹھویں آدمی کا آدھا آدھا حصہ ہے، تو ان دونوں آدمیوں کا حصہ ساتویں حصے سے کم ہوا، یا مثلاً ایک جانور آٹھ آدمیوں کے درمیان برابر مشترک ہے، تو سب کے حصے ساتویں حصہ سے کم ہوئے؛ لہٰذا کسی کی بھی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

(۴) خالد کی رائے [جو در حقیقت محاکمہ ہے] یہ ہے کہ زید [پہلے مطلب کا قائل] کا کہنا غلط ہے؛ کیوں کہ مذکورہ مسئلہ میں مصنف نے پیسہ میں کمی بیشی کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے، اس مسئلہ اور بیان کردہ مسئلہ؛

= وختم ابن السراج عنه - صلى الله عليه وسلم - أكثر من عشرة آلاف ختمة، وضحى عنه مثل ذلك. اهـ....
قلت: وقول علمائنا له أن يجعل ثواب عمله لغيره يدخل فيه النبي - صلى الله عليه وسلم - فإنه أحق بذلك حيث أنقذنا من الضلالة، ففي ذلك نوع شكر وإسداء جميل له، والكامل قابل لزيادة الكمال. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۲۴۴، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب في إهداء ثواب القراءة للنبي صلى الله عليه وسلم، ط: دار الفكر)

دونوں میں کوئی تعلق نہیں ہے، دونوں مسئلے بالکل الگ الگ ہیں، اسی طرح عمرو کا بیان کیا ہوا مطلب بھی غلط ہے؛ کیوں کہ گوشت کے برابر حصہ کرنے کے بارے میں بھی کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے۔

تو اب مسئلہ کا صحیح مطلب یہ ہے کہ ساتوں آدمیوں کے حصے پورے اور مکمل ہونے چاہئیں، اس سے کم حصے نہ ہونے چاہئیں؛ لہٰذا ساتویں حصہ سے کسی کا بھی حصہ کم ہوگا، تو کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی، اس مطلب کے مطابق (۳) بکر کا کہنا کچھ صحیح ہے؛ لیکن اس میں آٹھ حصے فرض کرنے پڑتے ہیں اور مسئلہ میں سات کی شرکت کے متعلق گفتگو ہے اور آٹھ کی شرکت کا مسئلہ آگے بیان کیا گیا ہے؛ لہٰذا سب سے زیادہ صحیح مطلب وہی ہے، جس کو صاحب عنایہ نے پیش کیا ہے کہ میت نے ایک لڑکا اور بیوی کو چھوڑا اور ترکہ میں ایک گائے ہے، اب یہ دونوں وارث گائے کی قربانی کریں، تو کسی کی قربانی درست نہیں ہوگی؛ کیوں کہ بیوی کا آٹھواں حصہ یعنی ساتویں حصہ سے کم ہے۔

اب خالد پر زید، عمرو اور بکر اعتراض کرتے ہیں کہ خالد کا مطلب بالکل غلط ہے، وجہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ میراث کے متعلق ہے، اس کو قربانی کے مسئلہ کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟ تو خالد نے جواب دیا کہ میں اپنا مسئلہ بیان نہیں کرتا، بل کہ صاحب عنایہ نے اس مثال کو پیش کیا ہے اور وہ بھی قربانی کی ہی ہے۔

انتہائی ادب کے ساتھ درخواست ہے کہ ان چار آدمیوں میں سے کس کا مطلب صحیح اور درست ہے اس کی دلائل کے ساتھ وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

نمبر ۳/ اور ۴/ کے قائلین کا بیان کردہ مطلب درست ہے، فقہاء کرام نے صراحۃً لکھا ہے کہ بڑے جانور جیسا کہ گائے بھینس اور اونٹ میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، کسی ایک کا بھی ساتویں حصہ سے کم ہو گا تو کسی کی بھی قربانی درست نہیں ہوگی، مذکور قاعدے کے مطابق نمبر (۳) میں جو مثال دی ہے وہ صحیح ہے، نمبر (۴) میں جو مثال پیش کی ہے، اس کو خلاصۃ الفتاوی حصہ ۴ صفحہ ۳۱۵ پر بیان کیا گیا ہے؛ لہٰذا دونوں مطلب صحیح ہے۔ نمبر ۴ کے مسئلہ کو میراث کے مسئلہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، شوہر کی موت کی وجہ سے عورت گائے کے آٹھویں حصہ کی مالک ہے اس وجہ سے قربانی صحیح نہیں ہوگی۔

نمبر ۳/ کے مطابق ساتواں اور آٹھواں فریق، ساتویں حصہ سے کم کا مالک ہے، اس وجہ سے قربانی

درست نہ ہوگی، مذکورہ مسئلہ کو خلاصۃ الفتاوی، حصہ ۴، صفحہ ۳۱۵ پر[1] اور بدائع الصنائع حصہ ۵، صفحہ ۷۱ پر[2] قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے:

(۱) ساتویں حصہ سے کسی ایک کا بھی کم حصہ نہ ہونا چاہیے۔

(۲) ساتویں حصہ سے زائد ہو یعنی ۴، ۵، ۶ آدمی مل کر اونٹ کی قربانی کریں، تو جائز ہے۔

(۳) پانچ آدمی مل کر سات اونٹ کی قربانی کریں، تو جائز ہے۔

(۴) سات آدمی مل کر سات اونٹ کی قربانی کریں، تو جائز ہے۔

(۵) آٹھ آدمی مل کر ایک اونٹ کی قربانی کریں، تو جائز نہیں ہے۔

(۶) آٹھ آدمی مل کر سات گائے کی قربانی کریں، تو جائز نہیں ہے۔ اس پر صاحب بدائع الصنائع دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہر گائے میں ہر آدمی کا حصہ ساتویں حصے سے کم ہوگا؛ لہٰذا ایسی صورت میں کسی کی قربانی نہیں ہوگی۔

(۷) کچھ آدمیوں نے سات گائے مل کر خریدی۔ (ہر گائے میں دس شرکاء ہیں) تو بھی قربانی جائز

---

(۱) والتقدير بالسبع يمنع الزيادة، ولا يمنع النقصان؛ حتى لو كانت الشركاء في البدنة أو البقرة ثمانية لم يجزهم، ولو كانوا أقل من ثمانية إلا نصيب واحد منهم أقل من السبع لا يجوز أيضا، بيانه: مات الرجل و ترك إمرأة و ابنا و بقرة، فضحيا بها لا يجوز. (خلاصة الفتاوى- طاهر بن عبد الرشيد البخاري: ۳۱۵/۴، الفصل الرابع فيما يجوز الأضحية وفيما لا يجوز، ط: المكتبة الأشرفية- ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۳۰۵/۵، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، ط: دار الفكر)

[۲] ولا شك في جواز بدنة أو بقرة عن أقل من سبعة بأن اشترك اثنان أو ثلاثة أو أربعة أو خمسة أو ستة في بدنة أو بقرة؛ لأنه لما جاز السبع فالزيادة أولى، وسواء اتفقت الأنصباء في القدر أو اختلفت؛ بأن يكون لأحدهم النصف وللآخر الثلث ولآخر السدس بعد أن لا ينقص عن السبع ولو اشترك سبعة في خمس بقرات أو في أكثر فذبحوها أجزأهم؛ لأن لكل واحد منهم في كل بقرة سبعها، ولو ضحوا ببقرة واحدة أجزأهم فالأكثر أولى ولو اشترك ثمانية في سبع بقرات لم يجزهم؛ لأن كل بقرة بينهم على ثمانية أسهم فيكون لكل واحد منهم أنقص من السبع، وكذلك إذا كانوا عشرة أو أكثر فهو على هذا.

ولو اشترك ثمانية في ثمانية من البقر فضحوا بها لم تجزهم؛ لأن كل بقرة تكون بينهم على ثمانية أسهم، وكذلك إذا كان البقر أكثر لم تجزهم. (بدائع الصنائع: ۷۱/۵، كتاب التضحية، فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

نہیں ہے، کسی کی بھی قربانی ادا نہیں ہوگی۔

(۸) اسی طرح آٹھ آدمی آٹھ گائے خریدیں (ہر گائے میں آٹھ شرکاء) تو کسی کی بھی قربانی ادا نہ ہوگی؛ کیوں کہ ہر گائے میں ہر ایک کا حصہ ساتویں حصے سے کم ہوگا؛ لہٰذا درست نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع: جلد:۵، صفحہ ۷۱)[۲]

نمبر ایک (۱) کا کہنا بھی درست ہوسکتا ہے، اس طور پر کہ ۷۰۰۰ ر روپیہ کے جانور میں ۷ ر شرکاء ہیں، اور کسی کا بھی ۱۰۰۰ ر روپیہ سے کم کا حصہ نہیں ہے، تو گویا ایک جانور میں سات شریک ہوئے، اور کسی کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہیں ہوا، تو قربانی درست ہوگی، لیکن یہ قاعدہ بعض صورتوں میں ٹوٹ سکتا ہے، مثلاً ۵۰۰ روپیہ میں دوسرے آدمیوں کو بھی شریک کرنے کی نیت سے زید نے ایک جانور خریدا، چھ آدمیوں کے پاس سے ۱۰۰، ۱۰۰ روپیہ وصول کیے، ساتواں شریک زید کا استاذ ہے۔ ان کے پاس سے ۱۰۰ سے کم رقم وصول کی یا ۱۰۰ روپیہ طے کر کے ۷۵ روپیہ وصول کئے اور ۲۵ روپیہ امداد کے طور پر نہیں لیے، تو ۷۵ روپیہ لینے کے باجود قربانی درست ہے، رقم کا برابر ہونا ضروری نہیں ہے، ساتواں حصہ ہونا ضروری ہے، ساتویں حصہ سے زائد رقم ہو، تو جائز ہے، مثلاً پانچ آدمی مل کر قربانی کریں، تو درست ہے۔

بہر حال نمبر (۱) کا مطلب درست نہیں ہے نمبر دو پر عمرو کا کہنا بالکل صحیح نہیں ہے، اس کا تعلق شریک کے مابین گوشت کی تقسیم سے ہے، کہ اندازے سے گوشت تقسیم کرنا درست نہیں ہے، اگر تقسیم کریں گے، تو قربانی تو درست ہو جائے گی، لیکن اٹکل سے گوشت تقسیم کرنا درست نہیں ہے۔ (خلاصۃ الفتاوی جلد ۵ صفحہ ۳۱۵)

شامی، عالمگیری، وغیرہ کتابوں میں لکھا ہے کہ شرکاء کا اٹکل (اندازہ) سے گوشت کی تقسیم کرنا درست نہیں ہے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۳) ويقسم اللحم وزنا لا جزافا إلا إذا ضم معه الأكارع أو الجلد) صرفا للجنس لخلاف جنسه. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله لا جزافا) لأن القسمة فيها معنى المبادلة، ولو حلل بعضهم بعضا قال في البدائع: أما عدم جواز القسمة مجازفة فلأن فيها معنى التمليك واللحم من أموال الربا فلا يجوز تمليكه مجازفة. ـــــــ وأما عدم جواز التحليل؛ فلأن الربا لا يحتمل الحل بالتحليل، ولأنه في معنى الهبة وهبة المشاع فيما يحتمل القسمة لا تصح اهـ... (قوله إلا إذا ضم معه إلخ) بأن يكون مع أحدهما بعض اللحم مع الأكارع ومع الآخر البعض مع البعض مع الجلد عناية. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۳۱۷-۳۱۸، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر - بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۰۶، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، ط: دار الفكر)

عن جابر بن عبد الله - رضي الله عنه -، قال: شهدت مع رسول الله - صلى الله عليه وسلم - الأضحى بالمصلى، فلما قضى خطبته نزل من منبره، وأتي بكبش فذبحه رسول الله - صلى الله عليه وسلم - بيده، وقال: بسم الله، والله أكبر، هذا عني، وعمن لم يضح من أمتي. (سنن أبي داود: ٣٨٨/٢، رقم الحديث: ٢٨١٠، كتاب الضحايا، باب في الشاة يضحى بها عن جماعة، ط: ديوبند ☆ سنن الترمذي: ٢٧٨/١، رقم الحديث: ١٥٢١، أبواب الأضاحي، باب بلا عنوان، قبل باب من العقيقة، ط: ديوبند)

باب الأضحية عن الغير

[دوسرے کی جانب سے قربانی]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب الأضحية عن الغير

[دوسرے کی جانب سے قربانی]

[۱] مرحومین کے نام کی قربانی کرنا اور اپنی قربانی نہ کرنا

۱۹۹۰- سوال: میں الحمدللہ صاحب نصاب ہوں، اپنی طرف سے قربانی نہ کر کے اپنے مرحومین کی طرف سے قربانی کرتا ہوں، سوال یہ ہے کہ میں مرحومین کی طرف سے قربانی کرنے کے باوجود مجھے اپنی جانب سے بھی قربانی کرنی ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قربانی صاحب مال پر واجب ہے، چوں کہ آپ صاحب نصاب ہیں، اس لیے آپ پر اپنی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے، مرحومین کی طرف سے قربانی کرنے کی وجہ سے آپ کی واجب قربانی ادا نہیں ہوگی، آپ کو اپنی قربانی اپنی نیت سے ادا کرنی پڑے گی۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

(۱) تجب عن نفسه؛ لأنه اصل في الوجوب عليه. على مابيناه. (الهداية: ۴/۴۴۴، كتاب الأضحية، ط: مكتبه رحمانيه لاهور ☆البحر الرائق: ۸/۳۱۹، كتاب الأضحية، ط: دار الكتاب - ديوبند)

[۲] حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے اور میت کی جانب سے قربانی کرنا

۱۹۹۱- سوال: کیا حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے اور میت کی جانب سے قربانی کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا: میت کی جانب سے قربانی ادا نہیں ہوگی، جیسا کہ المجموع میں ہے:

لو ضحى عن غيره بغير إذنه لم يقع عنه (وأما) التضحية عن الميت فقد أطلق أبو الحسن العبادي جوازها لأنها ضرب من الصدقة والصدقة تصح عن الميت وتنفعه وتصل إليه بالإجماع.

وقال صاحب العدة والبغوي لا تصح التضحية عن الميت إلا أن يوصي بها وبه قطع الرافعي في المجرد والله أعلم. (۸/۲۲۲)[۱]

فتح الوھاب میں مذکور ہے:

"ولا تضحية لأحد عن آخر بغير إذنه ولو "كان" "ميتا" كسائر العبادات بخلاف ما إذا أذن له كالزكاة وصورته في الميت أن يوصي بها. (۲/۱۸۹)[۲]

اور مصباح [منہاج] الطالبین وعمدۃ المفتین میں بھی ہے:

ولا تضحية عن الغير بغير إذنه ولا عن ميت إن لم يوص بها. (۱۳۱)[۳]

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے بھی قربانی نہیں کر سکتے، کوتاہ علم کی رائے کے مطابق کتبِ شافعیہ میں اِس بارے میں کوئی صراحت منقول نہیں ہے، مگر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے قربانی ادا ہو جاتی ہے، اور اُن لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ حضرات انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، لیکن کوتاہ علم کی رائے یہ ہے کہ حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم السلام اگرچہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں، لیکن غیر کی جانب

---

[۱] المجموع شرح المهذب - أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م:۶۷۶ھ):۸/۴۰۶، باب الأضحية، ط: دار الفكر.

[۲] فتح الوهاب بشرح منهج الطلاب - زكريا بن محمد بن أحمد بن زكريا الأنصاري، زين الدين أبو يحيى السنيكي (م:۹۲۶ھ): ۲/ ۲۳۳، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر للطباعة والنشر.

[۳] منهاج الطالبين وعمدة المفتين في الفقه - أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م:۶۷۶ھ)، ص: ۳۲۱، كتاب الأضحية، ت: عوض قاسم أحمد عوض، ط: دار الفكر.

سے قربانی کے صحیح ہونے کے لیے اُس کی اِجازت ضروری ہے، جیسا کہ کتبِ شافعیہ میں "بغير إذنه" کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، تو ظاہری بات ہے کہ اِجازت کا تعلق تو زندہ لوگوں کے ساتھ ہے، اور انبیاءِ کرام علیہم السلام زندہ تو ہیں، لیکن اُن کی اِجازت معلوم کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، تو پھر اُن کی جانب سے قربانی کیسے درست ہوگی؟

البتہ کوتاہ علم کی رائے کے مطابق حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بالخصوص قربانی ادا ہوجائے گی، اور دلیل اُس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل ہے، کتاب الحاوی للفتاویٰ میں یہ عبارت منقول ہے:

الجواب: قال الإمام أحمد في مسنده: ثنا أسود بن عامر قال: ثنا شريك عن أبي الحسناء، عن أبي الحكم، عن حنش، عن علي بن أبي طالب - رضي الله عنه - قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أضحي عنه، فأنا أضحي عنه أبدا، وقال ابن أبي الدنيا في كتاب الأضاحي: حدثنا أبو بكر بن أبي شيبة، ثنا شريك عن أبي الحسناء، عن الحكم، عن حنش، عن علي قال: أمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أضحي عنه بكبش، فأنا أحب أن أفعله، وقال أبو داود في سننه: ثنا عثمان بن أبي شيبة، ثنا شريك عن أبي الحسناء، عن الحكم، عن حنش قال: رأيت عليا يضحي بكبشين، فقلت له: ما هذا؟ فقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم أوصاني أن أضحي عنه، فأنا أضحي عنه.

وقال الترمذي في جامعه، وابن أبي الدنيا معا، ثنا محمد بن عبيد المحاربي الكوفي، ثنا شريك عن أبي الحسناء، عن الحكم، عن حنش، عن علي أنه كان يضحي بكبشين، أحدهما عن النبي صلى الله عليه وسلم، والآخر عن نفسه، فقيل له: فقال: أمرني به - يعني النبي صلى الله عليه وسلم - فلا أدعه أبدا.

قال الترمذي: هذا حديث غريب، لا نعرفه إلا من حديث شريك انتهى، وقد نص على هذه المسألة بخصوصها من المالكية القاضي أبو بكر بن العربي في الأحوذي، ومن أصحابنا الشافعية أبو الحسن العبادي، والقفال في فتاويه، وجزم القفال بأنه لا يجوز للمضحي أن يأكل منها شيئا، وكذا قال ابن العربي: وعلله بأن الذابح لم يتقرب بها عن نفسه، وإنما تقرب بها عن غيره، فلم يجز له أن يأكل من حق الغير شيئا، وكذا نقله الترمذي في جامعه عن ابن المبارك قال: فإن ضحى فلا يأكل منها شيئا، ويتصدق بها كلها، قال البلقيني في تصحيح المنهاج: حديث علي إن صح محمول على أنه

خصوصية للنبي صلى الله عليه وسلم. (۳۲۰/۱)[1]

مذکور جواب صحیح ہو تو دستخط فرمائیں، ورنہ آپ کے نزدیک جو حکم صحیح ہو، اُس کی جانب مدلل و مفصل رہنمائی فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیا:

احناف کے یہاں بہ نیتِ قربت قربانی جائز ہے، خواہ وصیت یا اذن ہو یا نہ ہو؛[2] اِس لیے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کی جانب سے ایک مستقل قربانی فرمائی ہے، حالاں کہ اُمت کے بہت سے افراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ ہی میں فوت ہو چکے تھے۔[3]

شوافع کے نزدیک بلا وصیت و اذن جائز نہیں ہے، حضرت علیؓ والی روایت کو شوافع وصیت پر محمول کرتے ہیں، اِس صورت میں جواز صرف حضرت علیؓ کے لیے مخصوص ہوگا، اور اگر اذنِ آمر پر محمول کریں، تو شوافع کے مسلک کے مطابق اذن کے ساتھ قربانی درست رہے گی۔[4] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۴] الحاوي للفتاوي-عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (م:۹۱۱ھ):۱/ ۲۹۲- ۲۹۳، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر للطباعة والنشر-بيروت.

اس جواب کا سوال یوں مذکور ہے:

مسألة: وردت من المغرب، فيما ذكره الشيخ أبو عبد الله البلالي في "مختصر الإحياء" حيث قال في كتاب الأضحية: وتتأكد الأضحية عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، وقد بحثنا عن هذا الفرع في كتب السادة المالكية، فما وجدنا ما يثلج الصدر، ويزيل اللبس، فكتبنا لكم فيه لتبينوا لنا أصله من السنة. (حوالہ سابق: ۱/ ۲۹۲)

(۲) وذكر في الأصل إذا اشترك سبعة في بدنة فمات أحدهم قبل الذبح فرضي ورثته أن يذبح عن الميت جاز استحسانا والقياس أن لا يجوز. . . . ———— (وجه) الاستحسان أن الموت لا يمنع التقرب عن الميت بدليل أنه يجوز أن يتصدق عنه ويحج عنه، وقد صح أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - ضحى بكبشين أحدهما عن نفسه والآخر عمن لا يذبح من أمته - وإن كان منهم من قد مات قبل أن يذبح - فدل أن الميت يجوز أن يتقرب عنه فإذا ذبح عنه صار نصيبه للقربة فلا يمنع جواز ذبح الباقين. (بدائع الصنائع: ۵/ ۷۲، كتاب التضحية، فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۳) عن جابر بن عبد الله، قال: شهدت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الأضحى بالمصلى، فلما قضى خطبته نزل من منبره وأتي بكبش فذبحه رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده، وقال: بسم الله، والله أكبر، هذا عني، وعمن لم يضح من أمتي. (سنن أبي داود: ۲/ ۳۸۸، رقم الحديث: ۲۸۱۰، كتاب الضحايا، باب في الشاة يضحى بها عن جماعة، ط: ديوبند ☆ سنن الترمذي: ۱/ ۲۷۸، رقم الحديث: ۱۵۲۱، أبواب الأضاحي، باب بلا عنوان، قبل باب من العقيقة، ط: ديوبند)

(۴) جیسا کہ سوال کی مستدل عبارت سے واضح ہے۔

[۳] مرحومین کی طرف سے قربانی

۱۹۹۲-سوال: مرحومین کی طرف سے یعنی مرحوم والد یا کسی رشتہ دار کی طرف سے قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرحوم کی طرف سے قربانی جائز ہے اور یہ نفل قربانی شمار ہوگی، مرحوم کو اس کا ثواب پہنچے گا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] ایک جانور میں متعدد مرحومین کی نیت کرنا

۱۹۹۳-سوال: ایک ہی جانور: بکرا، مینڈھا، یا بھینسا وغیرہ میں متعدد مرحومین کی طرف سے قربانی کی نیت درست ہے یا نہیں؟ اور اگر زندوں کی طرف سے ہو، تو ایک بکرے میں کتنوں کی گنجائش ہوسکتی ہے؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک مینڈھے اور بکرے کی قربانی سے ۱۵-۲۵-۵۰، افراد کو ثواب پہنچانا جائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قربانی کر کے تمام امت کو ثواب پہنچایا تھا؛ لہٰذا آپ اپنے تمام مرحوم رشتہ دار و متعلقین کو ایک قربانی کے ذریعہ ثواب پہنچا سکتے ہیں اور یہ نفلی قربانی ہوگی۔[2]

---

(۱) وإن تبرع بها عنه له الأكل لأنه يقع على ملك الذابح والثواب للميت. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/۳۳۵، كتاب الأضحية، فروع: لون أضحيته-عليه الصلاة والسلام-سوداء، ط: دار الفكر-بيروت)

(۲) عن عائشة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر بكبش أقرن يطأ في سواد، ويبرك في سواد، وينظر في سواد، فأتي به ليضحي به، فقال لها: يا عائشة، هلمي المدية، ثم قال: اشحذيها بحجر، ففعلت: ثم أخذها، وأخذ الكبش فأضجعه، ثم ذبحه، ثم قال: باسم الله، اللهم تقبل من محمد، وآل محمد، ومن أمة محمد، ثم ضحى به. (الصحيح لمسلم: ۲/۱۵۶، رقم الحديث: ۱۹-(۱۹۶۷)، كتاب الأضاحي، باب استحباب الضحية، وذبحها مباشرة بلا توكيل... الخ، ط: ديوبند)

عن جابر بن عبد الله، قال: شهدت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الأضحى بالمصلى، فلما قضى خطبته نزل من منبره وأتي بكبش فذبحه رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده، وقال: بسم الله، والله أكبر، هذا عني، وعمن لم يضح من أمتي. (سنن أبي داود: ۲/۳۸۸، رقم الحديث: ۲۸۱۰، كتاب الضحايا، باب في الشاة يضحى بها عن جماعة، ط: ديوبند) =

اور زندوں کی طرف سے ایک بکرے میں ایک ہی کی قربانی ادا ہوسکتی ہے، دو شریک ہوں گے، تو ایک کی بھی قربانی ادا نہ ہوگی۔ [۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] مرحومین کی طرف سے قربانی کرنا

۱۹۹۴- سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ذیل کے مسئلہ میں:

زید مال دار نہیں ہے؛ لیکن کمائی وغیرہ اچھی ہے، کسی بات کی کوئی خاص تکلیف نہیں ہے، زید نے عیدالاضحیٰ پر قربانی کا بکرا خریدا اور اس بکرے کو اپنے مرحوم والدین کے ثواب کے لیے ان کی طرف سے قربان کیا، تو کیا زید کے مرحوم والدین کو ثواب مل جائے گا اور ایسی قربانی صحیح ہے کہ نہیں؟ یا زید کو اپنے مرحوم والدین کے ثواب کے لیے دوسرا بکرا خریدنا پڑے گا، جب کہ زید صاحب نصاب نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زید نے قربانی کا جانور خریدا، اس میں تفصیل یہ ہوگی کہ اپنے لیے خریدا تھا یا والدین کے لیے؟ اگر والدین کے لیے خریدا تھا، تو جس کے لیے خریدا تھا اس کے لیے قربانی کردی، ان کو اس کا ثواب مل جائے گا۔ [۲]

= عن عائشة، أو عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا أراد أن يضحي، اشترى كبشين عظيمين، سمينين، أقرنين، أملحين موجوئين، فذبح أحدهما عن أمته، لمن شهد لله، بالتوحيد، وشهد له بالبلاغ، وذبح الآخر عن محمد، وعن آل محمد صلى الله عليه وسلم. (سنن ابن ماجه: ۱/ ۲۲۵-۲۲۶، رقم الحديث: ۳۱۲۲، كتاب الأضاحي، باب أضاحي رسول الله صلى الله عليه وسلم، ط: ديوبند)

(۱) وأما قدره فلا يجوز الشاة والمعز إلا عن واحد وإن كانت عظيمة سمينة تساوي شاتين مما يجوز أن يضحى بهما، لأن القياس في الإبل والبقر أن لا يجوز فيهما الاشتراك، لأن القربة في هذا الباب إراقة الدم وأنها لا تحتمل التجزئة، لأنها ذبح واحد وإنما عرفنا جواز ذلك بالخبر فبقي الأمر في الغنم على أصل القياس. (بدائع الصنائع: ۵/ ۷۰، كتاب التضحية، فصل في محل إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۵/ ۲۹۷، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب، ط: دار الفكر)

(۲) والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة، أو صوما، أو صدقة، أو قراءة قرآن، أو ذكرا، أو طوافا، أو حجا، أو عمرة، أو غير ذلك عند أصحابنا للكتاب والسنة، أما الكتاب فلقوله تعالى {وقل رب ارحمهما كما ربياني صغيرا} [الاسراء:24]، وإخباره تعالى عن ملائكته بقوله {ويستغفرون للذين آمنوا} [غافر:7] وساق عبارتهم بقوله تعالى {ربنا وسعت كل شيء رحمة وعلما فاغفر للذين تابوا واتبعوا سبيلك} [غافر:7] إلى قوله {وقهم السيئات} [غافر:9]، وأما السنة فأحاديث كثيرة منها ما في الصحيحين، حين ضحى بالكبشين فجعل أحدهما عن أمته، ... ومنها ما رواه أبو داود: =

لیکن اگر زید نے اپنے لیے خریدا تھا، حالاں کہ وہ صاحب نصاب نہیں ہے، تو قربانی کا جانور خریدنے سے اس پر قربانی واجب ہوگئی۔[۱] اور جب اس نے اپنی طرف سے قربانی نہیں کی، تو اپنے ذمہ سے سبک دوش ہونے لیے زید پر لازم ہے کہ جو جانور خریدا تھا، اس کی قیمت صدقہ کردے۔[۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] ایصال ثواب کے لیے نفل قربانی

۱۹۹۵- سوال: کیا نفل قربانی کرکے والدین ودیگر مرحومین کو ثواب پہنچا سکتے ہیں؟ سوال کا منشا یہ ہے کہ کیا ایک قربانی کرکے اس کا ثواب متعدد لوگوں کو پہنچایا جاسکتا ہے؟ بینوا، توجروا۔

=اقرءوا على موتاكم سورة يس، وحينئذ فتعين أن لا يكون قوله تعالى: {وأن ليس للإنسان إلا ما سعى} [النجم:39] على ظاهره، وفيه تأويلات أقربها ما اختاره المحقق ابن الهمام أنها مقيدة بما يهبه العامل يعني ليس للإنسان من سعي غيره نصيب إلا إذا وهبه له فحينئذ يكون له، وأما قوله - عليه السلام -: لا يصوم أحد عن أحد، ولا يصلي أحد عن أحد. فهو في حق الخروج عن العهدة لا في حق الثواب، فإن من صام، أو صلى، أو تصدق، وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز، ويصل ثوابها إليهم عند أهل السنة والجماعة كذا في البدائع، وبهذا علم أنه لا فرق بين أن يكون المجعول له ميتا أو حيا. (البحر الرائق:۳/ ۶۳، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆الهداية في شرح بداية المبتدي-المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ):۱/ ۷۸، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ت: طلال يوسف، ط: دار احياء التراث العربي - بيروت ☆الاختيار لتعليل المختار-ابن مودود الموصلي (م: ۶۸۳هـ): ۴/ ۱۷۹، كتاب الكراهية، فصل في الكلام، ت: محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة)

إذا ضحى رجل عن أبويه بغير أمرهما وتصدق به جاز، لأن اللحم ملكه، وإنما للميت ثواب الذبح والصدقة. (فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ۳/ ۳۵۲، كتاب الأضحية، قبيل: فصل في العيوب مايمنع الأضحية ومالا يمنع، ط: زكريا-ديوبند)

(۱) (قوله وإن فقير أجزأه ذلك) لأنها إنما تعينت بالشراء في حقه. (تكملة رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۳۲۵، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر)

وأما الذي يجب على الفقير دون الغني فالمشتري للأضحية إذا كان المشتري فقيرا بأن اشترى فقير شاة ينوي أن يضحي بها. (بدائع الصنائع: ۵/ ۶۲، كتاب التضحية، صفة التضحية، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۲) ومنها أنها تقضى إذا فاتت عن وقتها، ثم قضاؤها قد يكون بالتصدق بعين الشاة حية، وقد يكون بالتصدق بقيمة الشاة، فإن كان قد أوجب التضحية على نفسه بشاة بعينها فلم يضحها حتى مضت أيام النحر فيتصدق بعينها حية سواء كان موسرا أو معسرا، وكذا إذا اشترى شاة ليضحي بها فلم يضح حتى مضى الوقت. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۲۹۴، كتاب الأضحية، قبيل: الباب الثاني في وجوب الأضحية بالنذر وماهو في معناه، ط: دار الفكر)

الجواب حامداو مصلیا:

نفل قربانی جب میت کوثواب پہنچانے کے لیے کی جاتی ہے،تو قربانی کا مالک ہی،قربانی کرنے والا ہی شمار کیا جاتا ہے اور وہ قربانی مالک کی ہی شمار ہوتی ہے، ہاں جس کے لیے ثواب کی نیت کی ہے،اس کو ثواب مل جائے گا،یعنی ایک آدمی ایک بکرے کی قربانی کر کے اس کا ثواب متعدد افراد کو پہنچایا جاسکتا ہے، یہ بلاشبہ جائز ہے؛ لہٰذا نفل قربانی کر کے اس کا ثواب والدین کو پہنچاسکتے ہیں۔ (قاضی خاں: جلد ۳ صفحہ ۳۵۱)[1]

فقط،واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] والد کی طرف سے ان کی اجازت کے بغیر قربانی کرنا

۱۹۹۶- سوال: حضرت مفتی صاحب! تین اہم سوال خدمت میں پیش کر رہا ہوں، امید ہے کہ جواب سے نوازیں گے:

(۱) میں اپنے والد سے الگ رہتا ہوں، میرا ارادہ والدین کی طرف سے قربانی کرنے کا ہے؛ لیکن میرے والد انکار کر رہے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ میں اپنی قربانی خود ہی کروں گا،تو کیا میں ان کی طرف سے قربانی کرسکتا ہوں؟

(۲) میں نے اب تک اپنی قربانی ادا نہیں کی ہے،تو کیا والدین کی طرف سے قربانی کیے بغیر میں اپنی قربانی کرسکتا ہوں؟

(۳) میری لڑکی کا ایک بکرا ہے، میں اسے قربان کرسکتا ہوں؟

الجواب حامداو مصلیا:

(۱) آپ کے والد کے اوپر اگر قربانی واجب ہے، اور وہ اپنی طرف سے قربانی کرنے کی اجازت

---

[۱] إذا ضحى رجل عن أبويه بغير أمرهما و تصدق به جاز؛ لأن اللحم ملكه، وإنما للميت ثواب الذبح و الصدقة. (فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ۳/ ۳۵۲، كتاب الأضحية، قبيل: فصل في العيوب مايمنع الأضحية ومالايمنع، ط: زكريا-ديوبند)

وإن تبرع بها عنه له الأكل لأنه يقع على ملك الذابح و الثواب للميت. (رد المحتار على الدر المختار: ۶/ ۳۳۵، كتاب الأضحية، فروع: لون أضحيته-عليه الصلاة والسلام-سوداء، ط: دار الفكر-بيروت)

مزید تفصیلات کے لیے سوال سابق کا حاشیہ نمبر: ۱ (ترتیب میں حاشیہ نمبر: ۲) ملاحظہ فرمائیں۔

نہیں دے رہے ہیں، تو آپ کے لیے ان کی طرف سے قربانی کرنا درست نہیں ہوگا، ان کے انکار کے باوجود اگر آپ کسی بڑے جانور میں، دیگر شرکاء کے ساتھ، ان کی طرف سے بھی قربانی کی نیت کر لیتے ہیں، تو پھر کسی بھی شریک کی قربانی درست نہیں ہوگی۔ (۱)

وجہ یہ ہے کہ قربانی عبادت ہے، اور عبادت کے لیے نیت کا ہونا ضروری ہے، اس لیے قربانی وہ کرے، جس پر لازم ہے یا وہ کرے، جس کو وکیل بنایا گیا ہے، تاکہ اصیل کی نیت قربانی کا تحقق ہو سکے۔ (۲)

جب آپ کے والد- جن پر قربانی واجب ہے- اپنی قربانی سے آپ کو منع کر رہے ہیں، تو گویا آپ کے ذریعے کی گئی قربانی میں ان کی نیت نہیں پائی گئی، اس لیے قربانی کیوں کر درست ہوگی؟

یہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ زکاۃ، کہ مزکی یا تو خود ادا کرے، یا کسی کو وکیل بنائے، تب ہی زکاۃ ادا ہوگی، کیوں کہ زکاۃ ایسی عبادت ہے، جس میں نیت شرط ہے۔ (۳)

---

(۱) وإن فعل بغير أمرهم أو بغير أمر بعضهم لا تجوز عنه ولا عنهم في قولهم جميعا؛ لأن نصيب من لم يأمر صار لحما فصار الكل لحما. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۰۲، كتاب الأضحية، الباب السابع في التضحية عن الغير وفي التضحية بشاة الغير عن نفسه، ط: دار الفكر ☆ فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ۳/ ۳۵۰، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا وما لا يجوز، ط: زکریا بک ڈپو- دیوبند)

(۲) وأما الضحايا: فلا بد فيها من النية. (الاشباه والنظائر- ابن نجيم مصري (م: ۹۷۰ھ)، ص: ۸۹، الفن الأول في القواعد الكلية، القاعدة الأولى: لا ثواب إلا بالنية، ت: المفتي محمد يوسف التاؤلوي، ط: مكتبة فقيه الأمة- ديوبند)

(۳) (وشرط صحة أدائها نية مقارنة له) أي للأداء (ولو) كانت المقارنة (حكما) ... (أو مقارنة بعزل ما وجب) كله أو بعضه، ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۶۸-۲۷۰، كتاب الزكاة، ط: دار الفكر- بيروت)

فإذا نوى أن يؤدي الزكاة، ولم يعزل شيئا فجعل يتصدق شيئا فشيئا إلى آخر السنة، ولم تحضره النية لم يجز عن الزكاة كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۰، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسير الزكاة وصفتها وشرائطها، ط: دار الفكر)

والأصل اقترانها بالأداء كسائر العبادات إلا أن الدفع يتفرق فيحرج باستحضار النية عند كل دفع فاكتفى بوجودها حالة العزل دفعا للحرج. (البحر الرائق: ۲/ ۳۶۸، كتاب الزكاة، ط: زكريا- ديوبند)

إذا كان في وقت التصدق بحال لو سئل عما إذا تؤدي يمكنه أن يجيب من غير فكرة فذلك يكون نية منه. (الفتاوى الهندية: ۱/ ۱۷۰، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، ط: دار الفكر ☆ الفتاوى التارخانية: ۳/ ۱۹۶، كتاب الزكاة، الفصل السابع في أداء الزكاة، والنية فيه، ط: زكريا- ديوبند)

ہاں اگر آپ اپنے والدین کی طرف سے نفلی قربانی کرنا چاہتے ہیں، تو پھر اجازت کی ضرورت نہیں ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مینڈھا ذبح کیا اور اس کا ثواب پوری امت کو پہنچایا۔ آپ بھی قربانی کر کے اس کا ثواب اپنے والدین کو پہنچا سکتے ہیں۔ (۴)

(۲) اگر آپ صاحب نصاب ہیں، تو آپ پر اپنی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے، آپ اپنی قربانی ضرور کریں، آپ کی قربانی کی صحت کے لیے، آپ کا والد کی طرف سے قربانی کرنا ضروری نہیں ہے۔ (۵)

(۳) اگر آپ کی لڑکی چھوٹی (نابالغہ) ہے، تو اس صورت میں اس بکرے کی مناسب قیمت ادا کر کے آپ قربانی کر سکتے ہیں، قیمت ادا کیے بغیر قربانی کرنا درست نہیں ہوگا، اور لڑکی اگر بالغہ ہے، وہ بہ خوشی آپ کو بکرا قربانی کے لیے دے رہی ہے، تو آپ اس بکرے کی قربانی کر سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں، اگر وہ بہ خوشی اجازت نہ دے، تو پھر آپ کے لیے اس بکرے کی قربانی کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (۶) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۴) عن جابر بن عبد الله، قال: شهدت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم الأضحى بالمصلى، فلما قضى خطبته نزل من منبره و أتي بكبش فذبحه رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده، وقال: بسم الله، والله أكبر، هذا عني، وعمن لم يضح من أمتي. (سنن أبي داود: ٢/ ٣٨٨، رقم الحديث: ٢٨١٠، كتاب الضحايا، باب في الشاة يضحى بها عن جماعة، ط: ديوبند)

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے اس حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے لکھا ہے:

و بالجملة فأبو حنيفة و من وافقه إنما يقولون بعدم وقوع شاة عن إثنتين فصاعدا، و لا يقولون بعدم جواز هبة ثوابها لأكثر من واحد. (إعلاء السنن: ١٧/ ٢١٤، كتاب الأضاحي، باب التضحية بالشاة و تشريك الغير في الثواب و إشارة له به، ط: إدارة القران، كراتشي)

(۵) أما صفتها فهي واجبة في ظاهر الرواية على الرجل و المرأة المقيم في الأمصار دون المسافر. (فتاوى قاضي خان على هامش الهندية: ٣/ ٣٤٤، كتاب الأضحية، فصل في صفة الأضحية، ووقت وجوبها و من تجب عليها، ط: زكريا-ديوبند)

(وأما) (شرائط الوجوب): منها اليسار وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكاة. (الفتاوى الهندية: ٥/ ٢٩٢، كتاب الأضحية، الباب الأول في تفسير الأضحية وركنها وصفتها و شرائطها و حكمها، ط: دار الفكر)

(۶) و الثاني ملك المحل، وهو أن يكون المضحى ملك من عليه الأضحية، فإن لم يكن لا تجوز لأن التضحية قربة ولا قربة في الذبح بملك الغير بغير إذنه، وعلى هذا يخرج ما إذا اغتصب شاة إنسان فضحى بها عن نفسه أنه لا تجزيه لعدم الملك و لا عن صاحبها لعدم الإذن. (بدائع الصنائع: ٥/ ٧٦، كتاب التضحية، فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

[۸] استطاعت کے باوجود باپ کا، اپنے لڑکے کے پیسوں سے قربانی کرنا

۱۹۹۷- سوال: ایک لڑکا صاحب مال ہے، اس نے اپنے والد کو رقم بھیجی اور لکھا کہ اس سے قربانی کے لیے جانور خرید لیں اور ۴/ حصے ہماری فیملی کی طرف سے، ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے، ایک حصہ آپ اپنی طرف سے اور ایک حصہ میری والدہ کی طرف سے قربانی کر لیں، اس کی والدہ صاحب نصاب نہیں ہے، لیکن اس کے والد صاحب نصاب ہیں، تو سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں لڑکے کی اس رقم سے اس کے والد اور والدہ کی قربانی ادا ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکور صورت میں والدین کی قربانی ادا ہو جائے گی؛ کیوں کہ رقم بھیج کر ماں باپ کو اس کی اطلاع کر دی ہے، باپ پر اگر چہ قربانی واجب ہے؛ لیکن وہ جب لڑکے کی رقم بہ خوشی منظور کر کے قربانی کرے گا، تو اس کی قربانی ادا ہو جائے گی، اسی طرح ماں کی بھی قربانی ادا ہو جائے گی۔ (1) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) ولو وهب لرجل شاة فضحى بها الموهوب له أجزأته عن الأضحية لأنه ملكها بالهبة والقبض فصار كما لو ملكها بالشراء. (بدائع الصنائع: ۵/ ۷۷، كتاب التضحية، فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية- بيروت ☆ الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۰۳، كتاب الأضحية، الباب السابع في التضحية عن الغير وفي التضحية بشاة الغير عن نفسه، ط: دار الفكر- ديوبند)

لأن التضحية قربة ولا قربة في الذبح بملك الغير بغير إذنه، وعلى هذا يخرج ما إذا اغتصب شاة إنسان فضحى بها عن نفسه أنه لا تجزيه لعدم الملك ولا عن صاحبها لعدم الإذن. (بدائع الصنائع: ۵/ ۷۶، كتاب التضحية، فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(هي) لغة اسم لما يذبح أيام الأضحى،من تسمية الشيء باسم وقته.وشرعا(ذبح حيوان مخصوص بنية القربة في وقت مخصوص.
(الدر المختار مع رد المحتار:۶/ ۳۱۲، كتاب الأضحية،ط:دار الفكر)

متفرقات الأضحية

[قربانی کے متفرق مسائل]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

متفرقات الأضحية

[قربانی کے متفرق مسائل]

[۱] حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی اور چھری کے متعلق سوال

۱۹۹۸- سوال: اس وقت ایک اہم سوال کی تحقیق جاری ہے، جس کا مجھے کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملا ہے، بخاری شریف کے حوالے سے جواب دینے کی کوشش کیجیے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر چھری رکھی تھی، اس وقت کے قربانی کی تفصیل کسی بھی کتاب میں نہیں ملتی ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت کی چھری کے نیچے ایک دنبہ ملک مقرب کے ذریعہ بھیج دیا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس دنبے کو قربان کیا تھا، اس کے متعلق مکمل تفصیل بخاری شریف میں موجود ہے یا نہیں؟

اصل دنبہ چھری کے نیچے آ گیا ہو اور اسی دنبے کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کیا ہو، اس پر کوئی مضبوط دلیل کا ہونا ضروری ہے؛ کیوں کہ بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ چھری حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر چلی تھی، اس وقت اللہ رب العزت نے ان کی قربانی کو قبول کیا تھا، ان کی جگہ پر دنبہ ذبح نہیں ہوا تھا، یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

دوسری بات چھری کی ہے کہ وہ چھری کہاں گئی؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس چھری کو پھینک دیا اور وہ چھری سیدھی سمندر میں جا کر گری اور اس نے مچھلیوں کو ذبح کیا، اسی وجہ سے سمندر کی مردہ مچھلیوں کو کھانا جائز ہے، بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس چھری کو وہاں رکھے ہوئے ایک پتھر پر پھینکی تھی اور اس نے پتھر کے ٹکڑے کر دیے، تو کیا اس کے متعلق بخاری شریف میں کوئی تفصیل موجود ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مذکور تحریر کوئی اہم سوال نہیں ہے، اس کا تعلق نہ تو کسی عقیدے سے ہے اور نہ تو حلال وحرام سے، اس لیے یہ کوئی ضروری سوال نہیں ہے، بل کہ بیکار اور لایعنی سوال ہے۔

ہر بات کے ثبوت کے لیے بخاری شریف کا حوالہ ضروری نہیں ہے، اس کے علاوہ احادیث کی دوسری کتابوں سے بھی علم حاصل ہوتا ہے۔

آپ کی تحقیق اور چھان بین سے جو نتیجہ برآمد ہو، مجھے بھی اس سے مطلع کیجیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کام حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر چھری چلانا تھا، لیکن کیا گردن پر چھری پھیری گئی یا نہیں؟ اس کے متعلق حضرات مفسرین کے دو اقوال ہیں:

(۱) چھری حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر پھیری گئی تھی۔

(۲) چھری پھیرنے کا ارادہ کیا تھا کہ آواز آئی اے ابراہیم! تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: لبیک اللہ اکبر، جب فرشتے نے اس کو سنا تو کہا: اللہ اکبر، دنبے نے بھی کہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بھی کہا۔

پہلے قول کے مطابق چھری حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر چلی، مگر اس سے رگیں اور ان کی چمڑی نہیں کٹی، تو اس چھری کو وہیں چھوڑ دیا گیا، کوشش جاری تھی کہ ان کی جگہ پر ایک دنبہ لایا گیا اور اس کو ذبح کیا گیا۔ (روح المعانی: پارہ: ۲۳/ ۱۷۱، قرطبی: ۱۵/ ۱۰۳)[1]

---

[۱] وهل أمر عليه السلام الشفرة على حلقه أم لا قولان، ذهب إلى الثاني منهما كثير من الأجلة، وقد أخرج الإمام أحمد عن ابن عباس أنه عليه السلام لما أخذ الشفرة وأراد أن يذبحه نودي من خلفه أن يا إبراهيم قد صدقت الرؤيا، وأخرج هو وابن جرير وابن أبي حاتم والطبراني وابن مردويه والبيهقي في شعب الإيمان عنه أنه عالج قميصه ليخلعه=

=فنودي بذلك. ــــــ وأخرج ابن المنذر والحاكم وصححه من طريق مجاهد عنه أيضا فلما أدخل يده ليذبحه فلم يحمل المدية حتى نودي أن يا إبراهيم قد صدقت الرؤيا فأمسك يده. ــــــ وأخرج عبد بن حميد وغيره من مجاهد فلما أدخل يده ليذبحه نودي أن يا إبراهيم قد صدقت الرؤيا فأمسك يده ورفع رأسه فرأى الكبش ينحط إليه حتى وقع عليه فذبحه. ــــــ وفي رواية أخرى عنه أخرجها عبد بن حميد أيضا وابن المنذر أنه أمرّ السكين فانقلبت.

وإلى عدم الإمرار ذهبت اليهود أيضا لما في توراتهم مد إبراهيم يده فأخذ السكين فقال له ملاك الله من السماء قائلا: يا إبراهيم يا إبراهيم قال: لبيك قال: لا تمد يدك إلى الغلام ولا تصنع به شيئا، وذهب إلى الأول طائفة فمنهم من قال: إنه أمرها ولم تقطع مع عدم المانع؛ لأن القطع بخلق الله تعالى فيها أو عندها عادة، وقد لا يخلق سبحانه، ومنهم من قال: أنه أمرها ولم تقطع لمانع، ــــــ فقد أخرج سعيد بن منصور وابن المنذر عن عطاء بن يسار أنه عليه السلام قام إليه بالشفرة فبرك عليه فجعل الله تعالى ما بين لبته إلى منحره نحاسا لا تؤثر فيه الشفرة. ــــــ وأخرج ابن جرير وابن أبي حاتم عن السدي أنه عليه السلام جر السكين على حلقه فلم ينحر وضرب الله تعالى على حلقه صفيحة من نحاس. ــــــ وأخرج الخطيب في تالي التلخيص عن فضيل بن عياض قال: أضجعه ووضع الشفرة فقلبها جبريل عليه السلام. ــــــ وأخرج الحاكم بسند فيه الواقدي عن عطاء أنه نحر في حلقه فإذا هو قد نحر في نحاس فشحذ الشفرة مرتين أو ثلاثا بالحجر. ــــــ وضعف جميع ذلك. وقيل إنه عليه السلام ذبح لكن كان كلما قطع موضعا من الحلق أوصله الله تعالى، وزعموا ورود ذلك في بعض الأخبار ولا يكاد يصح. (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني- شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (م:١٢٧٠هـ): ١٢/ ٢١٥، ٣٧-سورة الصافات: ٩٩-١٣٢، ت: علي عبد الباري عطية، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

وقد اختلف الناس في وقوع هذا الأمر وهي: الثالثة- فقال أهل السنة: إن نفس الذبح لم يقع، وإنما وقع الأمر بالذبح قبل أن يقع الذبح، ولو وقع لم يتصور رفعه، فكان هذا من باب النسخ قبل الفعل؛ لأنه لو حصل الفراغ من امتثال الأمر بالذبح ما تحقق الفداء. وقوله تعالى: "قد صدقت الرؤيا": أي حققت ما نبهناك عليه، وفعلت ما أمكنك ثم امتنعت لما منعناك. هذا أصح ما قيل به في هذا الباب. وقالت طائفة: ليس هذا مما ينسخ بوجه؛ لأن معنى ذبحت الشيء قطعته. واستدل على هذا بقول مجاهد: قال إسحاق لإبراهيم لا تنظر إلي فترحمني، ولكن اجعل وجهي إلى الأرض، فأخذ إبراهيم السكين فأمرها على حلقه فانقلبت. فقال له ما لك؟ قال: انقلبت السكين. قال اطعني بها طعنا. وقال بعضهم: كان كلما قطع جزءا التأم. وقالت طائفة: وجد حلقه نحاسا أو مغشى بنحاس، وكان كلما أراد قطعا وجد منعا. وهذا كله جائز في القدرة الإلهية. لكنه يفتقر إلى نقل صحيح، فإنه أمر لا يدرك بالنظر وإنما طريقه الخبر. ولو كان قد جرى ذلك لبينه الله تعالى تعظيما لرتبة إسماعيل وإبراهيم صلوات الله عليهما، وكان أولى بالبيان من الفداء. (الجامع لأحكام القرآن = تفسير القرطبي- أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر، الأنصاري الخزرجي شمس الدين القرطبي (م: ٦٧١هـ): ١٥/ ١٠٢-١٠٣، سورة الصافات، ت: أحمد البردوني وإبراهيم أطفيش، ط: دار الكتب المصرية-القاهرة) =

قربانی کا یہ ہے کہ وقت آنے پر اپنی جان و مال اور بال بچوں کی قربانی بھی پیش کریں، یہ سوال کہ وہ چھری کیسی تھی؟ کتنے انچ کی تھی؟ وہ چھری کہاں گئی؟ چھری تانبے کی تھی یا پیتل کی؟ یہ سب سوالات بیکار اور لایعنی ہیں واقعے کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، ایسے بیجا سوالات سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے اور ضروری کاموں میں اپنا وقت لگانا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے وقت کی قدر و قیمت نصیب فرمائے اور دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، آمین۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] جس پر صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہو، اس کے لیے زکوۃ لینا جائز نہیں ہے

۱۹۹۹- سوال: جس شخص کے پاس نصاب کے بہ قدر مال نہیں ہے، یعنی نقد رقم، تجارت کا سامان، زیور، سونا، چاندی کچھ بھی نہیں ہے؛ لیکن ضرورت سے زائد گھر کے استعمال کا سامان ہے، جس کی قیمت نصاب کے برابر ہو جاتی ہے، میں نے سنا ہے کہ ایسے آدمی پر صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے، لیکن وہ زکوۃ نہیں لے سکتا، کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب حامداو مصليا:

یہ صحیح ہے کہ جس شخص پر صدقہ فطر اور قربانی واجب ہو، وہ کوئی بھی واجب صدقہ اور زکوۃ نہیں لے

= وفي الخبر: إن الذبيح قال لإبراهيم عليه السلام حين أراد ذبحه: يا أبت اشدد رباطي حتى لا أضطرب، واكفف ثيابك لئلا ينتضح عليها شيء من دمي فتراه أمي فتحزن، وأسرع مر السكين على حلقي ليكون الموت أهون علي واقذفني للوجه، لئلا تنظر إلى وجهي فترحمني، ولئلا أنظر إلى الشفرة فأجزع، وإذا أتيت إلى أمي فأقرئها مني السلام. فلما جر إبراهيم عليه السلام السكين ضرب الله عليه صفيحة من نحاس، فلم تعمل السكين شيئا، ثم ضرب به على جبينه وحز في قفاه فلم تعمل السكين شيئا، فذلك قوله تعالى: "وتله للجبين" كذلك قال ابن عباس: معناه كبه على وجهه فنودي "يا إبراهيم قد صدقت الرؤيا" فالتفت فإذا بكبش، ذكره المهدوي. وقد تقدمت الإشارة إلى عدم صحته، وأن المعنى لما اعتقد الوجوب وتهيأ للعمل، هذا بهيئة لا لذبح، وهذا بصورة المذبوح، أعطيا محلا للذبح فداء ولم يكن هناك مر سكين. (المصدر السابق: ۱۵/ ۱۰۴-۱۰۵)

(۲) وقال: {والذين هم عن اللغو معرضون} أي: عن الباطل، وهو يشمل: الشرك - كما قاله بعضهم - والمعاصي - كما قاله آخرون - وما لا فائدة فيه من الأقوال والأفعال، كما قال تعالى: {وإذا مروا باللغو مروا كراما} [الفرقان: 72]. قال قتادة: أتاهم والله من أمر الله ما وقذهم عن ذلك. (تفسير القرآن العظيم المعروف بتفسير ابن كثير - أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي (م: ۷۷۴هـ): ۵/ ۴۶۲، المؤمنون: ۳، ت: سامي بن محمد سلامة، ط: دار طيبة للنشر والتوزيع)

سکتا، اس کے لیے زکوۃ لینا ناجائز ہے۔[1]

ہاں اگر کوئی شخص ایسا ہو، جس کے پاس گھر کے استعمالی سامان کے علاوہ، نصاب کے بہ قدر مال نہیں ہے، گذر بسر کے لیے کوئی ذریعۂ آمدنی بھی نہیں ہے، تو وہ شخص حاجت مند ہے، اس پر صدقۂ فطر اور قربانی واجب نہیں ہے، اس کے لیے زکات لینا درست ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳] اللہ تعالیٰ کی جانب سے جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

۲۰۰۰- سوال: میری ایک شخص کے ساتھ اِس مسئلہ میں بحث ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قربانی ادا ہوسکتی ہے یا نہیں؟ تو اُس نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ایسی قربانی نہیں ہوسکتی، اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں ہے، اِس بارے میں حکمِ شرعی کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیا

قربانی کا اصل مقصد یہ ہے کہ بندہ اپنی شانِ عبدیت کے اظہار اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور

---

(۱) وأما الغني الذي يحرم به أخذ الصدقة وقبولها فهو الذي تجب به صدقة الفطر والأضحية وهو أن يملك من الأموال التي لا تجب فيها الزكاة ما يفضل عن حاجته وتبلغ قيمة الفاضل مائتي درهم من الثياب والفرش والدور والحوانيت والدواب والخدم زيادة على ما يحتاج إليه كل ذلك للابتذال والاستعمال لا للتجارة والإسامة، فإذا فضل من ذلك ما يبلغ قيمته مائتي درهم وجب عليه صدقة الفطر والأضحية وحرم عليه أخذ الصدقة. (بدائع الصنائع: ۲/۴۸، كتاب الزكاة، فصل الذي يرجع إلى المؤدى إليه، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۲) وذكر في الفتاوى فيمن له حوانيت ودور للغلة لكن غلتها لا تكفيه وعياله أنه فقير ويحل له أخذ الصدقة عند محمد، وعند أبي يوسف لا يحل وكذا لو له كرم لا تكفيه غلته، ولو عنده طعام للقوت يساوي مائتي درهم، فإن كان كفاية شهر يحل أو كفاية سنة، قيل لا تحل، وقيل يحل؛ لأنه يستحق الصرف إلى الكفاية فيلحق بالعدم، وقد ادخر -عليه الصلاة والسلام- لنسائه قوت سنة، ولو له كسوة الشتاء وهو لا يحتاج إليها في الصيف يحل ذكر هذه الجملة في الفتاوى. اهـ.ـــــــ وظاهر تعليله للقول الثاني في مسألة الطعام اعتماده.ـــــ وفي التتارخانية عن التهذيب أنه الصحيح وفيها عن الصغرى له دار يسكنها لكن تزيد على حاجته بأن لا يسكن الكل يحل له أخذ الصدقة في الصحيح وفيها سئل محمد عمن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاث آلاف ولا تكفي لنفقته ونفقة عياله سنة؟ يحل له أخذ الزكاة وإن كانت قيمتها تبلغ ألوفا وعليه الفتوى وعندهما لا يحل اهـ ملخصا. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۴۸، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، قبيل: مطلب في جهاز المرأة هل تصير به غنية، ط: دار الفكر)

رضاجوئی کے لیے اُس کے نام پر اپنی محبوب سے محبوب چیز قربان کردے، اِسی وجہ سے جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کیا جاتا ہے، کہ اُس کا مالک حقیقی وہی ہے، اور وہی تمام تر عظمتوں کا حامل ہے، لہٰذا اُس کے نام کے بغیر کوئی جانور حلال نہیں ہوسکتا، جب قربانی کی حقیقت میں شانِ عبدیت کا اظہار ہی بنیادی پہلو ہے تو قربانی ہمیشہ بندے ہی کی جانب سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کی جائے گی، اللہ تعالیٰ کی ذات جمیع مخلوقات اور کائنات سے بے نیاز ہے، اُس کو کسی کو خوش کرنے کی ضرورت نہیں، وہ ذات لایسئل عما یفعل ہے، یعنی اُس سے بڑھ کر کوئی نہیں جو اُس سے اُس کے فیصلوں کے بارے میں سوال کرنے والا ہو، لہٰذا اللہ تعالیٰ کو کسی کے سامنے قربانی پیش کرنی کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا قربانی ہمیشہ بندے کی جانب سے اللہ کے نام پر ہوگی، نہ کہ اللہ کی جانب سے اللہ کے نام پر۔ (درمختار)[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۴] رشتہ داروں کی حق تلفی کرنے والے کی قربانی ادا ہوگی یا نہیں؟

۲۰۰۱-سوال: ایک شخص نے اپنے بھائی اور چچا کی زمین اُن کو اطلاع کیے بغیر بیچ کر قیمت پر ناجائز قبضہ کرلیا، اور اپنے چچا کے ایک پاگل لڑکے کو صرف دو وقت کا کھانا دیتا ہے، نیز اِس شخص نے اپنے چچا

---

[۱] (هي) لغة اسم لما يذبح أيام الأضحى، من تسمية الشيء باسم وقته. وشرعا (ذبح حيوان مخصوص بنية القربة في وقت مخصوص. (الدر المختار مع رد المحتار: ۳۱۲/۶، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر)

وهو [الأضحية] بضم الهمزة وكسرها: اسم لما يذبح أيام النحر بنية القربة لله - تعالى -، وكذلك الضحية بفتح الضاد وكسرها، ويقال أيضا أضحاة، قال - عليه الصلاة والسلام -: على أهل كل بيت في كل عام أضحاة وعتيرة. فالأضحاة ما يذبح أيام النحر، والعتيرة شاة كانت تذبح للصنم في رجب نسخت وبقيت الأضحية، وهي من أضحى يضحي إذا دخل في الضحى؛ لأنها تذبح وقت الضحى، فسمي الواجب باسم وقته كصدقة الفطر والصلوات الخمس. (الاختيار لتعليل المختار - عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي البلدحي، مجد الدين أبو الفضل الحنفي (م: ۶۸۳ھ): ۱۶/۵، كتاب الأضحية، ت: محمود أبو دقيقة، ط: مطبعة الحلبي - القاهرة)

قربانی میں جو حصہ اللہ تعالیٰ کے نام کا یا اللہ کے واسطے رکھا جاتا ہے، تو وہ قربانی کرنے والے ہی کا حصہ شمار کیا جائے گا؛ اس لیے کہ جو قربانی اپنی طرف سے یا دوسرے کی طرف سے کی جاتی ہے، وہ اللہ کے لیے ہی ہوتی ہے، اس لیے ایسی نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ کو کسی کے ایصال ثواب کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، مخلوق کے لیے ایصال ثواب کی نیت کرسکتے ہیں، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ رکھا جائے، تو صحیح ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قربانی کا ثواب بھی ملے گا، واللہ اعلم۔ (فتاویٰ دینیہ-مفتی اسماعیل کچھولوی: ۴۰۰/۴-۴۰۱، کتاب الاضحیہ، مشترک قربانی، ط: جامعہ حسینیہ-راندیر)

زاد بھائی کی زمین بھی ناحق طور پر اپنے نام کرلی، اور خود ہی اُس میں ناجائز تصرف کررہا ہے، اب یہ شخص اِتنی حق تلفی کے بعد قربانی ادا کرے، تو اُس کی قربانی ادا ہوگی یا نہیں؟ اِس قربانی کے موقع پر اُس نے اپنے بھائی یا چچا کو بلایا تک نہیں، نیز بھائی اور چچا نے اُس قربانی کا گوشت بھی نہیں لیا، تو کیا قربانی کے گوشت کو قبول نہ کرنے میں کوئی گناہ ہے؟ جب تمام لوگ کسی شخص کے متعلق یہ بات جانتے ہوں کہ اُس نے دوسروں کے حقوق برباد کرکے اُن کی جائداد پر ناجائز قبضہ کررکھا ہے، تو اُس کی قربانی کا گوشت کھاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیا:

حرام مال سے قربانی ادا کرنا جائز نہیں ہے، حدیث پاک میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: اللہ تعالیٰ پاکیزہ چیز ہی قبول فرماتے ہیں۔ (بخاری، مسلم وترمذی شریف)[1]

جس شخص کے متعلق ہمیں یقین ہو کہ اُس نے اِتنی حق تلفی کی ہے کہ اُس کا اکثر مال حرام ہے، تو اُس کی دعوت میں شریک ہونا ممنوع ہے۔ (فتاویٰ عالم گیری: ۵/ ۳۴۳)[2]

قربانی اگر حلال مال سے کی گئی ہو، تو اُس کا گوشت قبول کرنا مسنون ہے، اور اُسے رد کرنا مکروہ ہے، ہاں، اگر حرام مال سے قربانی کی گئی ہے، تو اُس کے گوشت کو رد کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (عالم گیری: ۵/ ۳۴۲)[3]

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب، ولا يقبل الله إلا الطيب، وإن الله يتقبلها بيمينه، ثم يربيها لصاحبه، كما يربي أحدكم فلوه، حتى تكون مثل الجبل. (صحيح البخاري: ۱/ ۱۸۹، رقم الحديث: ۱۴۱۰، كتاب الزكاة، باب الصدقة من كسب طيب، ط: ديوبند☆ الصحيح لمسلم: ۱/ ۳۲۶، رقم الحديث: ۶۳ - (۱۰۱۴)، كتاب الزكاة، باب بيان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف، ط: ديوبند ☆سنن الترمذي: ۱/ ۱۴۴، رقم الحديث: ۶۶۱، أبواب الزكاة، باب ماجاء في فضل الصدقة، ط: ديوبند)

[۲] أهدى إلى رجل شيئا، أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لا يقبل الهدية، ولا يأكل الطعام إلا أن يخبره بأنه حلال ورثته أو استقرضته من رجل، كذا في الينابيع. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۴۲، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، ط: دار الفكر)

[۳] آكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالب ماله حرام لا يقبل، ولا يأكل ما لم يخبره أن ذلك المال أصله حلال ورثه أو استقرضه، وإن كان غالب ماله حلالا لا بأس بقبول هديته والأكل منها، كذا في الملتقط. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۴۳، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، ط: دار الفكر)

عن الحسن، عن سمرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الغلام مرتهن بعقيقته يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه.

(سنن الترمذي: ۱/۲۷۸، رقم الحديث: ۱۵۲۲، أبواب الأضاحي، باب بلاعنوان، من العقيقة، ط: ديوبند)

باب العقيقة

[عقیقہ کا بیان]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب العقیقة

[عقیقہ کا بیان]

[۱] عقیقہ کب کرے؟

۲۰۰۲- سوال: ساتویں روز اگر کوئی شخص عقیقہ نہ کر سکے اور بعد میں اپنی استطاعت کے مطابق کرے، تب بھی درست ہے، فتاوی دار العلوم جلد نمبر آٹھ میں میرے مطالعے میں یہ مسئلہ گزرا ہے کہ ساتویں روز عقیقہ کرنا مستحب ہے، پھر بعد میں جب کبھی کرے گا، مستحب ادا نہ ہوگا، کیا یہ بات صحیح ہے؟ اگر یہ بات اپنی جگہ پر صحیح ہے، تو پھر- جب کہ استحباب کی ادائیگی نہیں ہوگی- بعد میں عقیقہ کرنے کا کیا فائدہ ہوگا؟

الجواب حامداومصليا:

عقیقہ ساتویں روز مستحب ہے، اگر ساتویں روز عقیقہ نہ کر سکے، تو چودھویں روز، اگر چودھویں روز طاقت نہ ہو، تو اکیسویں روز ادا کرے؛ الغرض ساتویں روز ادا کرنے سے مستحب ادا ہوگا؛ البتہ ساتواں روز چھوٹ جانے کی صورت میں استحباب تو چھوٹے گا؛ لیکن نفس عقیقہ ادا ہو جائے گا۔[1]

(۱) عن ابن عباس قال: سبعة من السنة في الصبي يوم السابع: يسمى، ويختن، ويماط عنه الأذى، وتثقب أذنه، ويعق عنه، ويحلق رأسه، ويلطخ بدم عقيقته، ويتصدق بوزن شعره في رأسه ذهبا أو فضة. (المعجم الأوسط- سليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللخمي الشامي، أبو القاسم الطبراني (م:٣٦٠ھ): ١/١٧٦، رقم الحديث: ٥٥٨، باب الألف، من اسمه أحمد، ت: طارق بن عوض الله بن محمد، عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني، ط: دار الحرمين- القاهرة) =

نوٹ: اس مسئلے کی مزید وضاحت کے لیے میری کتاب ''اولاد کے حقوق ماں باپ پر'' مطالعہ کیجیے۔(۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲] اولاد کی پیدائش سے پہلے عقیقہ درست نہیں

۲۰۰۳- سوال: میرے دو لڑکے ہیں، ان کے عقیقہ کے لیے ایک بڑے جانور میں دو دو حصہ کر کے چار حصے کرنے کے بعد باقی تین حصے بچتے ہیں، ان میں آئندہ مستقبل میں پیدا ہونے والی اولاد کے عقیقہ کی نیت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس طرح پیشگی عقیقہ جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں لڑکوں کے عقیقہ کی نیت سے بڑا جانور گائے، بھینس وغیرہ ذبح کرنے سے دونوں کا عقیقہ ادا ہو جائے گا۔(۲) لیکن جو اولاد پیدا نہیں ہوئی ہیں، ان کی طرف سے پیشگی عقیقہ ادا نہ ہوگا۔(۳) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیمات غفرلہ

[۳] عقیقہ کا کوئی واجب وقت نہیں ہے

۲۰۰۴- سوال: بچہ کی پیدائش کے ۷/دن یا ۱۴/دن یا ۲۱/دن کے بعد عقیقہ کرنا مستحب ہے، اس کے بعد عقیقہ کرنے سے ثواب حاصل نہ ہوگا، یہ بات سننے میں آئی ہے، دریافت یہ کرنا ہے کہ یہ صحیح ہے یا غلط؟

= وفي الحديث المذكور أيضاً أنها إن لم تذبح في السابع ذبحت في الرابع عشر، وإلا ففي الحادي والعشرين، ثم هكذا في الأسابيع. (إعلاء السنن-ظفر أحمد العثماني(م: ۱۳۹۴ھ): ۱۷/۱۱۷، كتاب الذبائح، فائدة، بعد: باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، ط: إدارة القران- كراتشي)

(۱) بحمد اللہ یہ کتاب صاحب زادہ محترم جناب حافظ اسجد بیمات کے زیر اہتمام اردو زبان میں شائع ہو چکی ہے۔

(۲) ولو ذبح بدنة أو بقرة عن سبعة أولاد أو اشترك فيها جماعة جاز، سواء أرادوا كلهم العقيقة، أو أراد بعضهم العقيقة وبعضهم اللحم كما في الأضحية. (شرح المهذب: ۸/۲۹) ــــــ قلت: مذهبنا في الأضحية بطلانها بإرادة بعضهم اللحم، فليكن كذلك في العقيقة. (إعلاء السنن-ظفر أحمد العثماني(م: ۱۳۹۴ھ): ۱۷/۱۱۹، كتاب الذبائح، فائدة، بعد: باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، ط: إدارة القران- كراتشي)

(۳) فلو ذبحها بعد السابع أو قبله وبعد الولادة، أجزأه، وإن ذبحها قبل الولادة لم تجزه بلا خلاف؛ بل تكون شاة لحم. (المصدر السابق: ۱۷/۱۱۸)

الجواب حامداً ومصلیاً:

عقیقہ کرنا سنت ہے اور جب بھی عقیقہ کیا جائے گا، عقیقہ ادا ہو جائے گا۔ (۱) البتہ ساتویں دن عقیقہ کرنا اور نومولود کے سر کے بال منڈانا، نام رکھنا، اور ختنہ کرنا مستحب ہے۔ (۲) اگر عقیقہ کی استطاعت نہیں ہے، تو اس سے پہلے بھی بچہ کا نام رکھا جاسکتا ہے اور ساتویں دن محض بال منڈانے اور ختنہ کرنے سے بھی ایک حد تک سنت پر عمل ہو جائے گا۔ (۳)

ساتویں دن عقیقہ کرنا واجب نہیں ہے، (۴) مستحب ہے، پس جب بھی عقیقہ کیا جائے گا، ادا ہو جائے گا، البتہ استحبابی عمل کا خاص ثواب نہیں ملے گا۔ فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وفي الحديث المذكور أيضا أنها إن لم تذبح في السابع ذبحت في الرابع عشر، وإلا ففي الحادي والعشرين، ثم هكذا في الأسابيع. (إعلاء السنن-ظفر أحمد العثماني(م:۱۳۹۴ھ):۱۱۷/۱۷، كتاب الذبائح، فائدة، بعد: باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، ط:إدارة القران- كراتشي)

ووقتها بعد تمام الولادة إلى البلوغ، فلا يجزئ قبلها، وذبحها في اليوم السابع يسن، والأولى فعلها صدر النهار عند طلوع الشمس بعد وقت الكراهة للتبرك بالبكور... ويسن أن يعق عن نفسه من بلغ ولم يعق عنه. (العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية-ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (م:۱۲۵۲ھ):۲/۲۱۳، كتاب الذبائح، العقيقة، ط:دار المعرفة)

(۲) قلت: فيه حديث عن ابن عباس قال: سبعة من السنة في الصبي يوم السابع، يسمى، ويختن ويماط عنه الأذى، وتثقب أذنه، ويعق عنه، ويحلق رأسه، ويلطخ بدم عقيقة، ويتصدق بوزن شعره في رأسه ذهبا أو فضة. رواه الطبراني في الأوسط، ورجاله ثقات. مجمع الزوائد:۵۹/۴. (إعلاء السنن-ظفر أحمد العثماني(م:۱۳۹۴ھ):۱۱۹/۱۷، كتاب الذبائح، فائدة، بعد: باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، ط:إدارة القران- كراتشي)

(۳) قال المهلب: وتسمية المولود حين يولد وبعد ذلك بليلة وليلتين وما شاء إذا لم ينو الأب العقيقة عند يوم سابعه جائز وإن أراد أن ينسك عنه، فالسنة أن يؤخر تسميته إلى يوم النسك، وهو السابع. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري- بدر الدين العيني(م:۸۵۵ھ):۸۸/۲۱، كتاب العقيقة، باب: إماطة الأذى عن الصبي في العقيقة، ط: دار إحياء التراث العربي-بيروت)

(۴) ويفهم من رواية النسفي أيضا أن العقيقة غير واجبة. (عمدة القاري:۸۳/۲۱، كتاب العقيقة، باب: تسمية المولود غداة يولد لمن يعق عنه وتحنيكه)

يستحب لمن ولد له ولد أن يسميه يوم أسبوعه ويحلق رأسه ويتصدق عند الأئمة الثلاثة بزنة شعره فضة أو ذهبا ثم يعق عند الحلق عقيقة إباحة على ما في الجامع المحبوبي، أو تطوعا على ما في شرح الطحاوي، وهي شاة تصلح=

[۴] عقیقہ: مدت اور جانور کی تعداد

۲۰۰۵-سوال: اس وقت میری عمر تقریباً تیس سال ہے؛ لیکن اب تک میرا عقیقہ نہیں ہوا ہے، اب میں اپنا عقیقہ کرنا چاہتا ہوں، تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟

نیز عقیقے میں ایک بکرا کافی ہے یا دو بکرے ضروری ہیں؟ نیز ان بکروں کا گوشت شادی میں مہمانوں کو کھلایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

میری ولادت جمعہ کے دن ہوئی ہے، تو مجھے عقیقہ کب کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عقیقہ کرنا مستحب ہے، فرض یا واجب نہیں ہے۔ (۱) اس کا اصلی وقت پیدائش کے ساتویں دن ہے، اگر ساتویں دن عقیقہ نہیں کر سکے، تو چودہویں یا اکیسویں دن کر لے، اس کے بعد جب بھی عقیقہ کیا جائے، تو ساتویں دن کا لحاظ کر لینا بہتر ہے۔ (۲)

اگر آپ اپنا عقیقہ کرنا چاہتے ہیں، تو کر سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں، بل کہ کسی نہ کسی درجے میں

=للأضحية، تذبح للذكر والأنثى، سواء فرق لحمها نيئا أو طبخه بحموضة أو بدونها مع كسر عظمها أو لا واتخاذ دعوة أو لا، وبه قال مالك. وسنها الشافعي وأحمد سنة مؤكدة شاتان عن الغلام وشاة عن الجارية، غرر الأفكار ملخصا، والله تعالى أعلم. (رد المحتار على الدر المختار: ٦/٣٣٦، كتاب الأضحية، خاتمة: يستحب لمن ولد له ولد، قبيل: كتاب الحظر والإباحة، ط: دار الفكر-بيروت)

العقيقة تطوع إن شاء فعلها، وإن شاء لم يفعل وهي أن يذبح شاة إذا أتى على الولد سبعة أيام. (العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية-ابن عابدين، الدمشقي الحنفي (م: ١٢٥٢هـ): ٢/٢١٢، كتاب الذبائح، العقيقة، ط: دار المعرفة)

(١) ثم اتفق جمهور العلماء و عامة المسلمين على استحبابه، فأخذوا به و أفتوا بالاستحباب. (إعلاء السنن-ظفر أحمد العثماني (م: ١٣٩٤هـ): ١٧/١١٤، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، ط: إدارة القران-كراتشي)

(٢) ... أنها إن لم تذبح في السابع ذبحت في الرابع عشر، و إلا ففي الحادي و العشرين، ثم هكذا في الأسابيع. (إعلاء السنن-ظفر أحمد العثماني (م: ١٣٩٤هـ): ١٧/١١٧، كتاب الذبائح، فائدة، بعد: باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، ط: إدارة القران-كراتشي)

بعد ولادت ہفتم روز یا چہاردہم یا بست و یکم و بہمیں حساب، یا بعد ہفت ماہ یا ہفت سال عقیقہ باید کرد، والغرض رعایت عدد ہفت بہتر است۔ (مالا بد منہ، ص: ۱۷۴، ط: سب رنگ کتاب گھر-دہلی)

مطلوب ہے۔[۳]

ایک بکرے سے بھی عقیقہ درست ہو جائے گا؛ لیکن دو بکروں کا ہونا بہتر ہے۔[۴]

شادی کی دعوت میں عقیقہ کا گوشت کھلانا جائز ہے؛[۵] البتہ دعوت میں اگر شادی بیاہ کے رسم ورواج کے مطابق، آنے والے مہمانوں سے ہدیہ وتحفہ وصول کرنا مقصود ہو، اور اس کے لیے ٹیبل لگا کر کسی کو رقم وصول کرنے کے لیے بیٹھایا جائے، تو اس صورت میں عقیقہ ادا نہیں ہوگا۔[۶]

آپ کی ولادت جمعہ کو ہوئی ہے، ساتویں دن کا لحاظ کرتے ہوئے آپ کے لیے جمعرات کو عقیقہ کرنا بہتر ہے۔[۷] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۵] عقیقہ کا جانور کیسا ہونا چاہیے؟

۲۰۰۶-سوال: کیا عقیقہ کے جانور میں چھوٹے موٹے عیب ہوں، تو اس کو ذبح کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

---

(۳) عن محمد بن سيرين قال: لو أعلم أني لم يعق عني لعققت عن نفسي. (أوجز المسالك: ۱۰/۱۷۹، كتاب العقيقة، ط: دار القلم-دمشق)

وعن الحسن البصري إذا لم يعق عنك فعق عن نفسك وإن كنت رجلا. (إعلاء السنن: ۱۷/۱۲۱)

(۴) عن علي بن أبي طالب قال: عق رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الحسن بشاة، وقال: يا فاطمة، احلقي رأسه، وتصدقي بزنة شعره فضة، قال: فوزنته فكان وزنه درهما أو بعض درهم. (سنن الترمذي: ۱/۲۷۸، رقم الحديث: ۱۵۱۹، أبواب الأضاحي، باب العقيقة بشاة، ط: ديوبند)

في شرح السنة: اختلفوا في التسوية بين الغلام والجارية، ... وذهب قوم إلى التسوية بينهما عن كل واحد بشاة واحدة لهذا الحديث، وعن ابن عمر – رضي الله عنهما: كان يعق عن ولده بشاة الذكور والإناث، ومثله عروة بن الزبير، وهو قول مالك. وذهب جماعة إلى أنه يذبح عن الغلام بشاتين، وعن الجارية بشاة. قلت: ... وأما الغلام فيحتمل أن يكون أقل الندب في حقه عقيقة واحدة، وكماله ثنتان ... الخ. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح-علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري: ۷/۲۶۸۹، تحت رقم الحديث: ۴۱۵۴، كتاب الصيد والذبائح، باب العقيقة، ط: دار الفكر، بيروت)

(۵) ولو دعا إليها قوما جاز. (إعلاء السنن: ۱۷/۱۲۰)

(۶) والفعل لا يقع قربة بدون النية. (بدائع الصنائع: ۵/۷۱، كتاب التضحية، فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية)

(۷) تفصیل کے لیے دیکھیے: قاسمی بہشتی زیور، تیسرا حصہ، ص: ۴۳، ط: دار الکتاب – دیوبند۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جانور کی قربانی جائز ہے، وہی عقیقہ میں جائز ہے، پس عقیقہ کے جانور میں ان ہی اوصاف وعمر کا لحاظ کیا جائے گا، جن کا قربانی کے جانور میں کیا جاتا ہے: وهي شاة تصلح للأضحية. (شامی ۹: ۴۸۵)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۶] عقیقہ کے جانور کی عمر

۲۰۰۷- سوال: بعد التسلیم عرض این کہ ہمارے یہاں ایک آدمی دو سال پہلے ایک بھینس لایا، اس کے ساتھ چھ یا سات دن کا کٹرا [بھینس کا بچہ] تھا، بھینس عید الاضحیٰ سے سات دن قبل لائے تھے۔ گویا اس کٹرا کو دو سال ہو گئے ہیں، اب وہ شخص اپنے بچوں کے عقیقہ کا ارادہ رکھتا ہے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ اس کٹرے کو عقیقہ میں اِس سال عید سے قبل ذبح کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عقیقہ کے جانور کے لیے وہی عمر شرط ہے، جو قربانی کے لیے ہے، اور بھینس وکٹرے کی قربانی اس وقت ہو سکتی ہے، جب کہ وہ کم از کم دو سال کا ہو۔[۲]

سوال مذکور تفصیل کے مطابق اس کٹرے کی عمر اس وقت دو سال ہو چکی ہے، اس لیے بلا شک وشبہ اس کو عقیقہ میں ذبح کیا جا سکتا ہے۔[۳] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۷] عقیقے کے جانور کی عمر کتنی ہونی چاہیے؟

۲۰۰۸- سوال: عقیقہ کے لیے جانور کتنے سال کا ہونا چاہیے؟ اور بکرے کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) رد المحتار على الدر المختار: ۶/۳۳۶، كتاب الأضحية، خاتمة: يستحب لمن ولد له ولد، قبيل: كتاب الحظر والإباحة، ط: دار الفكر- بيروت.

لا يجزئ في العقيقة إلا ما يجزئ في الأضحية... ولا يجزئ فيه إلا السليم من العيوب. (إعلاء السنن- ظفر أحمد العثماني (م: ۱۳۹۴هـ): ۱۷/۱۱۷، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، ط: إدارة القران- كراتشي ☆ مالابدمنہ- قاضی ثناء اللہ عثانی (م: ۱۲۲۵ھ) ص: ۱۷۳، ط: امدادیہ- دیوبند)

(۲-۳) سوال سابق کے حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

الجواب حامداو مصلیا:

قربانی کے لیے جانور کی جتنی عمر ضروری ہے، وہی عمر عقیقے کے جانور کے لیے بھی ہے۔ (۱) واللہ اعلم بالصواب۔

[۸] ۱-عقیقہ میں لڑکے کی طرف سے ایک بکرا بھی کافی ہے

[۹] ۲-دوبکرے الگ الگ جگہوں پر اور الگ الگ دنوں میں بھی ذبح کرنا جائز ہے

۲۰۰۹-سوال: عقیقہ میں لڑکے کی طرف سے دوبکرے ذبح کرنا واجب ہے، تو دونوں بکرے ایک ہی جگہ ذبح کرنا ضروری ہے یا دونوں الگ الگ جگہوں (یعنی الگ الگ گاؤں یا شہر میں) یا الگ الگ دنوں میں بھی ذبح کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

لڑکے کے عقیقے میں دوبکرے ذبح کرنا واجب نہیں، مستحب ہے، ایک بکرا ذبح کرنے سے بھی (یک گونہ) سنت ادا ہو جائے گی۔ (۲)

---

(۱) و قال ابن رشد: أما سن هذا النسك و صفته، فسن الضحايا و صفتها و لا أعلم في هذا خلافا في المذهب و لا خارجا منه. (أوجز المسالك: ۱۰/۱۹۶، كتاب العقيقة، ط: دار القلم-دمشق)

(۲) حدیث پاک میں لڑکوں کی جانب دوبکرا ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جب کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت کے مطابق خود حضرت حسنؓ کا عقیقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکرے سے کیا ہے؛ البتہ مسند ابو یعلی الموصلی (۸/۱۷، حدیث نمبر: ۴۵۲۱، مسند عائشہؓ) کی روایت ہے کہ حضرت حسنؓ وحضرت حسینؓ دونوں کا عقیقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو بکرے سے کیا۔ الغرض روایات مختلف ہیں؛ اور حکم وجوبی نہیں ہے؛ اس لیے لڑکے کا عقیقہ ایک بکرا سے کرے یا دو سے، جائز ہے، البتہ بہتر دوبکرے کرنا ہے، ذیل میں دونوں قسم کی روایت ملاحظہ فرمائیں:

عن محمد بن علي بن الحسين، عن علي بن أبي طالب قال: عق رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الحسن بشاة، وقال: يا فاطمة، احلقي رأسه، وتصدقي بزنة شعره فضة، قال: فوزنته فكان وزنه درهما أو بعض درهم. (سنن الترمذي: ۱/۲۷۸، رقم الحديث: ۱۵۱۹، أبواب الأضاحي، باب العقيقة بشاة، ط: ديوبند☆الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار المعروف بـ مصنف ابن أبي شيبة-أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (م: ۲۳۵هـ): ۵/۱۱۳، رقم الحديث: ۲۴۲۳۴، كتاب العقيقة، في العقيقة من رآها، ت: كمال يوسف الحوت، ط: مكتبة الرشد-الرياض)

عن أم كرز، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: عن الغلام شاتان، وعن الجارية شاة لا يضركم ذكرانا كن أم=

دو بکرے الگ الگ جگہوں پر اور الگ الگ دنوں میں ذبح کرنا بھی جائز ہے، ایک ہی جگہ ذبح کرنا ضروری نہیں، اپنی مرضی کے موافق جہاں بھی ذبح کریں گے، سنت ادا ہو جائے گی۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۰] لڑکے کے عقیقے میں ایک بکرا اور ایک بکری کی قربانی کرنا

۲۰۱۰-سوال: لڑکے کے عقیقے میں ایک بکرا اور ایک بکری - جو گابھن نہ ہو - کا ذبح کرنا درست

=إناثا. (المجتبى من السنن = السنن الصغرى للنسائي - أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (م: ۳۰۳هـ): ۱۶۵/۷، رقم الحديث: ۴۲۱۸، كتاب العقيقة، كم يعق عن الجارية، ت: عبد الفتاح أبو غدة، ط: مكتب المطبوعات الإسلامية - حلب ☆سنن أبي داود: ۳۹۲/۲، رقم الحديث: ۲۸۳۵، كتاب الضحايا، باب في العقيقة، ط: ديوبند☆سنن الترمذي: ۲۷۸/۱، رقم الحديث: ۱۵۱۶، أبواب الأضاحي، باب الأذان في أذن المولود، ط: ديوبند)

(عن علي بن أبي طالب - رضي الله عنهم - قال: عق رسول الله - صلى الله عليه وسلم -): أي ذبح (عن الحسن بشاة)... في شرح السنة: اختلفوا في التسوية بين الغلام والجارية، وكان الحسن وقتادة لا يندبان على الجارية عقيقة، وذهب قوم إلى التسوية بينهما عن كل واحد بشاة واحدة لهذا الحديث، وعن ابن عمر - رضي الله عنهما: كان يعق عن ولده بشاة الذكور والإناث، ومثله عروة بن الزبير، وهو قول مالك. وذهب جماعة إلى أنه يذبح عن الغلام بشاتين، وعن الجارية بشاة. قلت: أما نفي العقيقة عن الجارية فغير مستفاد من الأحاديث، وأما الغلام فيحتمل أن يكون أقل الندب في حقه عقيقة واحدة، وكماله ثنتان، والحديث يحتمل أنه لبيان الجواز في الاكتفاء بالأقل، أو دلالة على أنه لا يلزم من ذبح الشاتين أن يكون في يوم السابع، فيمكن أنه ذبح عنه في يوم الولادة كبشا وفي السابع كبشا، وبه يحصل الجمع بين الروايات، أو عق النبي - صلى الله عليه وسلم - من عنده كبشا. وأمر عليا أو فاطمة بكبش آخر، فنسب إليه - صلى الله عليه وسلم - أنه عق كبشا على الحقيقة وكبشين مجازا، والله أعلم. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۲۶۸۹/۷، تحت رقم الحديث: ۴۱۵۴، كتاب الصيد والذبائح، باب العقيقة، ط: دار الفكر - بيروت)

ثم إذا أراد أن يعق عن الولد، فإنه يذبح عن الغلام شاتين وعن الجارية شاة؛ لأنه إنما شرع للسرور بالمولود وهو بالغلام أكثر ولو ذبح عن الغلام شاة وعن الجارية شاة جاز؛ لأن النبي - صلى الله عليه وسلم - عق عن الحسن والحسين كبشا كبشا. (العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية - ابن عابدين، الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲هـ): ۲۱۲/۲، كتاب الذبائح، العقيقة، ط: دار المعرفة)

(۱) فيمكن أنه ذبح عنه في يوم الولادة كبشا وفي السابع كبشا. (مرقاة المفاتيح: ۲۶۸۹/۷، تحت رقم الحديث: ۴۱۵۴، كتاب الصيد والذبائح، باب العقيقة، ط: دار الفكر - بيروت)

ہے یا نہیں؟ یعنی ایک بکری نے ایک ساتھ دو بچے دیے، جن میں سے ایک نر ہے اور ایک مادہ، دریافت یہ کرنا ہے کہ عقیقے میں ان دونوں میں سے ہر ایک کا ذبح کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

نر یا مادہ کی کوئی تعیین نہیں ہے، ہر ایک سے عقیقہ درست ہو جائے گا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۱] لڑکے کے عقیقے میں ایک بکرے کی قربانی

۲۰۱۱-سوال: لڑکے کے لیے دو بکرے چاہیے، مگر کوئی شخص ایک ہی بکرے سے عقیقہ کرے، تو کیا حکم ہے؟ اس کا عقیقہ معتبر ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

ایک بکرے سے بھی عقیقہ کا استحباب ادا ہو جائے گا۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) لا يجزئ في العقيقة إلا ما يجزئ في الأضحية. (إعلاء السنن-ظفر أحمد العثماني (م: ۱۳۹۴ھ): ۱۷/ ۱۱۷، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، ط: إدارة القران - كراتشي ☆ مالابدمنہ-قاضی ثناء اللہ عثمانی (م: ۱۲۲۵ھ)، ص: ۱۷۳، ط: امدادیہ-دیوبند)

و قال ابن رشد: أما سن هذا النسك و صفته، فسن الضحايا و صفتها و لا أعلم في هذا خلافا في المذهب و لا خارجا منه. (أوجز المسالك: ۱۰/ ۱۹۶، كتاب العقيقة، ط: دار القلم-دمشق)

(۲) عن علي بن أبي طالب قال: عق رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الحسن بشاة، وقال: يا فاطمة، احلقي رأسه، وتصدقي بزنة شعره فضة، قال: فوزنته فكان وزنه درهما أو بعض درهم. (سنن الترمذي: ۱/ ۲۷۸، رقم الحديث: ۱۵۱۹، أبواب الأضاحي، باب العقيقة بشاة، ط: ديوبند)

في شرح السنة: اختلفوا في التسوية بين الغلام والجارية، وكان الحسن وقتادة لا يندبان على الجارية عقيقة، وذهب قوم إلى التسوية بينهما عن كل واحد بشاة واحدة لهذا الحديث، وعن ابن عمر - رضي الله عنهما: كان يعق عن ولده بشاة الذكور والإناث، ومثله عروة بن الزبير، وهو قول مالك. وذهب جماعة إلى أنه يذبح عن الغلام بشاتين، وعن الجارية بشاة. قلت: أما نفي العقيقة عن الجارية فغير مستفاد من الأحاديث، وأما الغلام فيحتمل أن يكون أقل الندب في حقه عقيقة واحدة، وكماله ثنتان... الخ. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح-علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري: ۷/ ۲۶۸۹، تحت رقم الحديث: ۴۱۵۴، كتاب الصيد والذبائح، باب العقيقة، ط: دار الفكر، بيروت-لبنان)

[۱۲] عقیقہ کے جانور میں چوٹ یا زخم کا نشان ہو تو؟

۲۰۱۲-سوال: عقیقہ کے جانور میں کوئی عیب ہو، مثلاً کوئی عضو کٹا ہوا ہو، یا زخمی ہو، یا بدن پر مار کا نشان ہو، تو عقیقہ درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

اگر تمام اعضاء پیر، دم، سینگ، کان، زبان وغیرہ سلامت ہیں، اور صرف زخم یا مار کا نشان ہے، تو کوئی حرج نہیں، عقیقہ درست ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۳] بچے کے والدین اور عقیقہ کا گوشت

۲۰۱۳-سوال: عقیقہ کا گوشت بچہ کے والدین کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کے استعمال کا صحیح طریقہ کیا ہے، رہنمائی فرمائیں۔

الجواب حامداًومصلياً:

عقیقہ کا گوشت بچے کے والدین کھا سکتے ہیں، اس گوشت کو کچا بھی تقسیم کر سکتے ہیں اور پکا کر بھی، نیز پکا کر اس کی دعوت بھی کر سکتے ہیں، چناں چہ شامی میں ہے: سواء فرق لحمها نيئا أو طبخه بحموضة أو بدونها مع كسر عظمها أو لا واتخاذ دعوة أو لا. (شامی: ۲۹۳/۵)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) (ويضحي بالجماء والخصي والثولاء) أي المجنونة (إذا لم يمنعها من السوم والرعي) (، وإن منعها لا) تجوز التضحية بها (والجرباء السمينة) فلو مهزولة لم يجز ؛ لأن الجرب في اللحم نقص. (الدر المختار) ـــــ قال ابن عابدين: (قوله فلو مهزولة إلخ) قال في الخانية: وتجوز بالثولاء والجرباء السمينتين، فلو مهزولتين لا تنقي لا يجوز إذا ذهب مخ عظمها، فإن كانت مهزولة فيها بعض الشحم جاز، يروى ذلك عن محمد اهـ.... قال القهستاني: واعلم أن الكل لا يخلو عن عيب، والمستحب أن يكون سليما عن العيوب الظاهرة، فما جوز ههنا جوز مع الكراهة كما في المضمرات. (در المحتار على الدر المختار: ۳۲۳/۶، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر-بيروت)

وأما صفته فهي أن يكون سليما عن العيوب الفاحشة. (بدائع الصنائع: ۷۱/۵، كتاب التضحية، فصل في محل إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية-ديوبند)

(۲) رد المحتار على الدر المختار: ۳۳۶/۶، كتاب الأضحية، خاتمة: يستحب لمن ولد له ولد، قبيل: كتاب الحظر والإباحة، ط: دار الفكر-بيروت.

ولو دعا إليها قوما جاز، ولو فرق بعضها ودعا ناسا إلى بعضها جاز، ويستحب أن يأكل منها ويتصدق ويهدي، كما في الأضحية. (إعلاء السنن-ظفر أحمد العثماني (م: ۱۳۹۴هـ): ۱۲۰/۱۷، كتاب الذبائح، فائدة، بعد: باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، ط: إدارة القران- كراتشي)

[۱۴] نابالغ کی طرف سے قربانی میں اس کے عقیقہ کی نیت کرنا

۲۰۱۴- سوال: ایک شخص نے اپنے ایک نابالغ پوتے کی طرف سے قربانی کرنے کے لیے جانور خریدا، یہ جانور اس نے اپنے پیسوں سے خریدا تھا، بچے کے باپ کا اس میں کوئی حصہ نہیں تھا، تو کیا اس طرح دادا کا اپنے نابالغ پوتے کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے؟ بہشتی زیور میں لکھا ہوا ہے کہ یہ قربانی نفل شمار ہوگی، دو تین شخصوں سے پوچھا تو ان کا بھی کہنا ہے کہ اگر قربانی کی جائے، تو ثواب ملے گا، لیکن ہوا یہ کہ اس شخص نے اسی شش و پنج میں وہ قربانی نہیں کی اور اب وہ اس جانور سے اپنے اس پوتے کا عقیقہ کرنا چاہتا ہے، تو کیا ایسا کر سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ شخص خود صاحب نصاب ہے، تو اس پر اپنی قربانی واجب ہے، اسی طرح اگر اپنے پوتے کی جانب سے قربانی کرنے کی منت مانی ہو، تو اپنی قربانی کے علاوہ پوتے کی جانب سے بھی قربانی واجب ہے، اس طرح اس کے لیے دو قربانی لازم ہوگی۔ (۱)

اگر پوتے کی طرف سے قربانی کے لیے جانور خریدا اور کوئی منت نہیں مانی، اور نہ ہی زبان سے متعین کیا، تو قربانی لازم نہیں ہوگی؛ (۲) لہٰذا قربانی کی جگہ عقیقہ کرنا چاہے، تو جائز ہے، عقیقہ کر سکتا ہے، البتہ صورت

---

(۱) أجمع أصحابنا رحمهم الله: أن الشاة تصير واجبة الأضحية بالنذر بأن قال: لله علي أن أضحي هذه الشاة، وأجمعوا على أنها لا تصير واجبة الأضحية بمجرد النية، بأن نوى أن يضحي هذه الشاة ولم يذكر بلسانه نيته. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني- أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:۶۱۶ھ):۶/ ۸۷، كتاب الأضحية، الفصل الثاني في وجوب الأضحية بالنذر، وما هو في معناه، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

ولو نذر أن يضحي بشاة - وذلك في أيام النحر - وهو موسر فعليه أن يضحي بشاتين عندنا؛ شاة لأجل النذر، وشاة بإيجاب الشرع ابتداء إلا إذا عنى به الإخبار عن الواجب عليه بإيجاب الشرع ابتداء فلا يلزمه إلا التضحية بشاة واحدة. (بدائع الصنائع:۵/ ۶۳، كتاب التضحية، صفة التضحية، قبيل: فصل في شرائط وجوب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية)

(۲) محض ارادے کی وجہ سے قربانی لازم نہیں ہوگی، حتی کہ اگر کسی مال دار نے بہ وقت شراء قربانی کی نیت کی ہو، تب بھی وہ جانور قربانی کے لیے متعین نہیں ہوتا ہے، ذیل کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وهل تتعين الأضحية بالنية؟ قالوا: إن كان فقيرا وقد اشتراها بنيتها تعينت (وفي حاشية الحموي: قوله: تعينت الخ، بشرط أن يتلفظ الفقير بلسانه، وأما إذا لم يتلفظ فلا تتعين. انتهى) فليس له بيعها، وإن كان غنيا لم تتعين، =

مسئولہ میں قربانی کرنا بہتر تھا، اس طور پر کہ پوتے کی طرف سے قربانی کرتا اور اسی میں عقیقہ کی نیت کر لیتا، تو اس کا عقیقہ بھی ادا ہو جاتا، اور ذمہ سے بری ہو جاتا؛ کیوں کہ نابالغ پر قربانی واجب نہیں ہے اور عقیقہ بھی اس کے لیے واجب نہیں، تو اس بنا پر کہ نوافل میں تداخل کی گنجائش ہے، نیت کی وجہ سے عقیقہ وقربانی دونوں ادا ہو جائیں گے۔(۳) جیسا کہ مسجد میں جاتے ہی نماز سے قبل سنن کی ادائیگی سے، تحیۃ المسجد اور سنت؛ دونوں کا ثواب ملتا ہے۔(۴) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۵] غربت کی وجہ سے باپ 'اولاد کا عقیقہ نہ کرسکے اور اولاد خود اپنا عقیقہ کرے، تو کیا حکم ہے؟

۲۰۱۵-سوال: ایک زمانے میں، میں بہت ہی غریب تھا، غربت کی وجہ سے میرے والدین نے میرا عقیقہ نہیں کیا، آج اللہ رب العزت کے فضل سے میں صاحب مال ہوں، قربانی کرسکتا ہوں، وہ عقیقہ، جو میرے والدین اپنی غربت وافلاس کی وجہ سے نہیں کر سکے ہیں، اگر آج میں اپنی طرف سے کروں، تو کیا وہ ادا ہوگا یا نہیں؟ اس وقت گھر کے اصل فرد کی حیثیت سے میں ہوں، میں ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے اگر اپنے بھائی بہنوں کا اور اپنی بیوی کے عقیقے کروں، تو کیا شرعاً اس کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب آپ اپنی طرف سے اور اپنے بھائی بہن کی طرف سے قربانی کرر ہے ہیں، تو اب الگ سے ان کی طرف سے یا اپنی طرف سے عقیقہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔(۳)

=والصحيح أنها تتعين مطلقا.ـــــــ و في حاشية الحموي: قوله :"و الصحيح الخ"قيل لايلزم إذا نوى أن يضحي ولم يتلفظ وقت الشراء لها لو كان المشتري غنيا لا تجب باتفاق الروايات، فله بيعها، وإن كان فقيرا ذكر في الشافي: أنها تتعين بالنية وعند الجمهور: لا، إلا أن قول بلسانه علي أن أضحي بها. (الأشباه والنظائر مع حاشية الحموي: ۱/ ۹۰، الأولى: لا ثواب إلا بالنية، ت: المفتي محمد يوسف التاؤلوي، ط: مكتبة فقيه الأمة-ديوبند)

(۱-۲) القاعدة الثامنة: إذا اجتمع أمران من جنس واحد، ولم يختلف مقصودهما دخل أحدهما في الآخر غالبا، فمن فروعها: إذا اجتمع حدث وجنابة، أو جنابة وحيض كفى الغسل الواحد. . . . ومنها لو دخل المسجد، وصلى الفرض أو الراتبة دخلت فيه التحية. (الاشباه والنظائر- زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (م: ۹۷۰هـ)، ص: ۱۱۲، القاعدة الثامنة، ت: الشيخ زكريا عميرات، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

(۳) مزید تفصیل وتخریج کے لیے سابق سوال اور اس کے حواشی ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ قربانی سے پہلے کے تمام ذبیحے منسوخ کر دیے گئے ہیں۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۶] بڑے جانور کے چھ حصوں میں قربانی اور ایک حصہ میں عقیقہ کرنا

۲۰۱۶- سوال: قربانی کے لیے بڑا جانور؛ مثلاً: کٹرا خرید رکھا ہے، اس میں چھ قربانی اور ایک عقیقہ رکھنے کا ارادہ ہے، تو کیا قربانی اور عقیقہ دونوں ایک ساتھ ادا ہو جائیں گے؟

الجواب حامدا ومصليا:

بڑے جانور کے سات حصوں میں بعض حصے قربانی کے اور بعض عقیقہ یا کسی اور قربت کی نیت سے ہوں، تو اس میں کوئی حرج نہیں، جائز ہے۔ (عالمگیری)[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وإنا نقول إنها كانت ثم نسخت بدم الأضحية بحديث سيدتنا عائشة، - رضي الله عنها - وكذا روي عن سيدنا علي - رضي الله عنه - أنه قال: نسخت الأضحية كل دم كان قبلها، والعقيقة كانت قبلها كالعتيرة. (بدائع الصنائع: ۶۹/۵، كتاب التضحية، قبيل: فصل في محل إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

ومنها أن وجوبها نسخ كل ذبح كان قبلها من العقيقة والرجبية والعتيرة، كذا في البدائع والله أعلم. (الفتاوى الهندية: ۲۹۴/۵، كتاب الأضحية، قبيل: الباب الثاني في وجوب الأضحية بالنذر وما هو في معناه، ط: دار الفكر)

وقال العيني في شرح البخاري: في قوله صلى الله عليه وسلم "مع الغلام عقيقة" حجة على أنه لا يعق عن الكبير، وعليه أئمة الفتوى بالأمصار. (أوجز المسالك- محمد زكريا الكاندهلوي المدني (م: ۱۴۰۲ھ): ۱۷۹/۱۰، كتاب العقيقة، ط: دار القلم- دمشق)

نوٹ: بچہ یا بچی کی طرف سے عقیقہ کرنا مستحب ہے، اس کا اصلی وقت پیدائش کے ساتویں دن ہے، اگر ساتویں دن نہ کر سکیں، تو ۱۴/ رویں دن یا ۲۱/ رویں دن عقیقہ کریں، ورنہ جب بھی عقیقہ کریں، تو ساتویں دن کا لحاظ کر لینا بہتر ہے، چناں چہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بعد ولادت ہفتم روز یا چہاردہم یا بست ویکم وہمیں حساب، یا بعد ہفت ماہ یا ہفت سال عقیقہ باید کرد، والغرض رعایت عدد ہفت بہتر است۔ (مالابدمنہ، ص: ۱۴۷، ط: سب رنگ کتاب گھر- دہلی)

اگر کسی کا بچپن میں عقیقہ نہ کیا گیا ہو، تو بڑے ہونے کے بعد بھی عقیقہ کیا جا سکتا ہے، مگر فضیلت استحباب حاصل نہیں ہوگی۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اوجز المسالک، کتاب العقیقہ، ط: دار القلم- دمشق ☆ اعلاء السنن، کتاب الذبائح، باب العقیقہ، ج: ۱۷، ط: ادارۃ القرآن- کراچی) [مجتبیٰ حسن قاسمی]

[۲] ولو أرادوا القربة- الأضحية أو غيرها من القرب- أجزأهم سواء كانت القربة واجبة أو تطوعا أو وجب على=

[۱۷] قربانی کے جانور میں عقیقہ کا حصہ رکھنا

۲۰۱۷- سوال: قربانی کے بڑے جانور میں بعض حصے قربانی کے اور بعض حصے عقیقے کے رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز قربانی کے جو تین دن ہیں ان دنوں میں اگر عقیقہ کرنا چاہیں، تو کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی کے جانور میں عقیقہ کا حصہ رکھنا جائز ہے، کوئی حرج نہیں ہے، (۱) نیز قربانی کے دنوں میں عقیقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیمات غفرلہ

=البعض دون البعض، وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت بأن أراد بعضهم الأضحية وبعضهم جزاء الصيد وبعضهم هدي الإحصار وبعضهم كفارة عن شيء أصابه في إحرامه وبعضهم هدي التطوع وبعضهم دم المتعة أو القران وهذا قول أصحابنا الثلاثة رحمهم الله تعالى، وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له من قبل، كذا ذكر محمد - رحمه الله تعالى - في نوادر الضحايا. (الفتاوى الهندية: ۵/ ۳۰۴، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، ط: دار الفكر)

وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له من قبل؛ لأن ذلك جهة التقرب إلى الله تعالى - عز شأنه - بالشكر على ما أنعم عليه من الولد، كذا ذكر محمد - رحمه الله - في نوادر الضحايا. (بدائع الصنائع: ۵/ ۷۲، كتاب التضحية، فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

(۱) سوال سابق کا حاشیہ ملاحظہ کریں۔

(۲) چوں کہ اس کا حتمی وقت مقرر نہیں ہے اور ایام قربانی میں عقیقہ سے مانع کوئی چیز نہیں ہے؛ اس لیے ان ایام میں عقیقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے:

وفي الحديث المذكور أيضا أنها إن لم تذبح في السابع ذبحت في الرابع عشر، وإلا ففي الحادي والعشرين، ثم هكذا في الأسابيع. (إعلاء السنن- ظفر أحمد العثماني (م: ۱۳۹۴هـ): ۱۷/ ۱۱۷، كتاب الذبائح، فائدة، بعد: باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، ط: إدارة القرآن- كراتشي)

ووقتها بعد تمام الولادة إلى البلوغ، فلا يجزئ قبلها، وذبحها في اليوم السابع يسن، والأولى فعلها صدر النهار عند طلوع الشمس بعد وقت الكراهة للتبرك بالبكور... ويسن أن يعق عن نفسه من بلغ ولم يعق عنه. (العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية- ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲هـ): ۲/ ۲۱۳، كتاب الذبائح، العقيقة، ط: دار المعرفة)

[۱۸] بچے کی طرف سے عقیقہ کون کرے؟

۲۰۱۸- سوال: عقیقہ کس پر ضروری ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

عقیقہ واجب اور ضروری نہیں ہے، مستحب ہے، جس کے ذمے بچے کا نفقہ ہو، اسی کو عقیقہ کرنا چاہیے، اگر باپ کے پاس عقیقہ کی گنجائش نہ ہو، اور ماں اپنی طرف سے کرنے کی خواہش رکھتی ہو، تو وہ کر سکتی ہے۔(۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۱۹] باپ کے علاوہ اور کوئی رشتہ دار اولاد کا عقیقہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

۲۰۱۹- سوال: ہماری لڑکی کا ایک لڑکا ہے، جو ایک سال کا تھا تب سے اپنی ماں کے ساتھ ہمارے گھر میں رہتا ہے، ہمیں نہیں معلوم کہ اُس کے باپ نے اُس کا عقیقہ کیا ہے یا نہیں، تو کیا ہم اُس کا عقیقہ کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداومصلیا:

اولاد کا عقیقہ والدین کے لیے سنت ہے، اور اُس کے بہت سے فضائل ہیں، والدین کے علاوہ دوسرا کوئی رشتہ دار مثلاً نانا یا ماموں وغیرہ عقیقہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، جائز ہے۔(۲) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۰] عقیقہ: فائدہ ونقصان

۲۰۲۰- سوال: عقیقہ کرنے سے کیا فائدہ ہوگا؟ اور اگر کوئی نہ کرے، تو اس سے کیا نقصان ہوگا؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداومصلیا:

عقیقے کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی نعمت کا شکر ادا ہو، بچہ آفات اور بلاؤں سے محفوظ رہے

---

(۱) بر ہر کسے کہ نفقہ مولود واجب باشد، اورا او ہم از مال خود باید کرد نہ از مال مولود، ورنہ ضامن خواہد شد، اگر پدرش محتاج باشد مادرش عقیقہ نماید اگر میسر باشد۔ (مالا بدمنہ، ص:۱۷۲، ط: سب رنگ کتاب گھر- دہلی)

(۲) سوال سابق کا حاشیہ ملاحظہ کریں۔

اور قیامت کے روز یہی بچہ سفارش کرے گا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۱] مولود کے بالوں کا حلق کر کے اس کے ہم وزن چاندی یا اس کی رقم کس کو دی جائے؟

۲۰۲۱-سوال: ساتویں روز نومولود کے بال کٹوا کر اس کے وزن کے برابر چاندی یا اس کی قیمت کس کو دی جائے؟ بھائی بہن غریب ہیں، ان کو دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص چاندی یا اس کے وزن کے برابر قیمت صدقہ نہ کرے، تو کیا حکم ہے؟ کوئی گناہ لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداومصليا:

یہ نفلی صدقہ ہے، بھائی، بہن، غریب و مال دار؛ کسی کو بھی دیا جا سکتا ہے۔[2] اگر نومولود کے باپ کی مالی حالت بہتر نہ ہو، اور وہ کسی کو کچھ نہ دے، تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۲] نومولود کے کاٹے جانے والے بالوں کا حکم

۲۰۲۲-سوال: نومولود کاٹے جانے والے بالوں کا کیا حکم ہے؟ کیا انہیں دفن کر دیا جائے؟

---

(۱) عن الحسن، عن سمرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الغلام مرتهن بعقيقته يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه. (سنن الترمذي: ۱/۲۷۸، رقم الحديث: ۱۵۲۲، أبواب الأضاحي، باب بلاعنوان، من العقيقة، ط: ديوبند)

قال الملا علي القاري [م: ۱۰۱۴هـ]: (قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - "الغلام مرتهن"): بضم الميم وفتح الهاء أي مرهون بعقيقته: يعني أنه محبوس سلامته عن الآفات بها أو إنه كالشيء المرهون لا يتم الاستمتاع به دون أن يقابل بها؛ لأنه نعمة من الله على والديه، فلا بد لهما من الشكر عليه، وقيل: معناه أنه معلق شفاعته لهما لا يشفع لهما إن مات طفلا ولم يعق عنه. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري: ۷/۲۶۸۷، تحت رقم الحديث: ۴۱۵۳، كتاب الصيد والذبائح، باب العقيقة، ط: دار الفكر، بيروت - لبنان)

(۲) وأما صدقة التطوع فيجوز صرفها إلى الغني؛ لأنها تجري مجرى الهبة. (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع - علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (م: ۵۸۷هـ): ۲/۴۷، كتاب الزكاة، فصل الذي يرجع إلى المؤدى إليه، ط: دار الكتب العلمية)

(۳) قال ابو عمر بن عبد البر: أهل العلم يستحبون ما فعلته فاطمة مع العقيقة أو دونها. قال الباجي: فعلها رضي الله عنها هذا حسن لمن فعله وليس ذلك بلازم، قاله القاضي أبو محمد، وقال الشيخ أبو القاسم تفريعه ليس على الناس التصدق بشعر المولود ذهبا أو ورقا، فمن فعله فلا بأس به، . . . ومعناه والله أعلم أنه ليس بلازم ولا بأمر مشروع، ومن فعل ذلك ابتداء أمن غير أن يرى ذلك لازما فلا نكير فيه؛ بل هو فعل بر. (أوجز المسالك إلى موطا مالك - محمد زكريا الكاندهلوي (م: ۱۴۰۲هـ): ۱۰/۱۵۸، كتاب العقيقة، باب ماجاء في العقيقة، العمل في العقيقة، ط: دار القلم - دمشق)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نومولود کے عقیقہ کے موقع پر کاٹے جانے والے بالوں کو دفن کر دینا مستحب ہے، نیز زندگی میں جب بھی کوئی مرد بال کٹوائے، ان کا بھی دفن کرنا مستحب ہے۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۳] عقیقے کی صحت کے لیے بالوں کو جمع رکھنا ضروری ہے؟

۲۰۲۳-سوال: باپ نے عقیقہ کرنے کی نیت سے بچے کے بال کٹوا کر ان کو اپنے پاس رکھ لیا؛ لیکن بعض وجوہات کی بنیاد پر عقیقہ نہ ہوسکا اور باپ کا انتقال ہوگیا، اب وہ لڑکا جوان ہوا تو وہ ان بالوں کا کیا کرے؟ کیا اس کو عقیقہ کرنا پڑے گا؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عقیقے کی صحت کے لیے بالوں کا رکھنا ضروری نہیں ہے، ان بالوں کو دفن کر دیا جائے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۴] عقیقہ کرنا اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی کا صدقہ ایک ساتھ ضروری ہے؟

۲۰۲۴-سوال: عقیقہ کرنا اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی کا صدقہ کرنا؛ دونوں ایک ساتھ ضروری ہے یا دونوں میں تقدیم وتاخیر کی اجازت ہے، اس طور پر کہ پہلے بال کٹوا کر اس کے ہم وزن چاندی کا

---

(۱) فإذا قلم أطفاره أو جز شعره ينبغي أن يدفن ذلك الظفر والشعر المجزوز فإن رمى به فلا بأس وإن ألقاه في الكنيف أو في المغتسل يكره ذلك، لأن ذلك يورث داء كذا في فتاوى قاضي خان.——— يدفن أربعة الظفر والشعر وخرقة الحيض والدم كذا في الفتاوى العتابية. (الفتاوى الهندية: ۳۵۸/۵، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان والخصاء وحلق المرأة شعرها ووصلها شعر غيرها، ط: دار الفكر - بيروت ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۴۰۵/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ط: دار الفكر)

(۲) ويدفن أربعة الظفر والشعر وخرقة الحيض والدم، عتابية. (رد المحتار على الدر المختار: ۴۰۵/۶، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ط: دار الفكر)

فإذا قلم أطفاره أو جز شعره ينبغي أن يدفن ذلك الظفر والشعر المجزوز. (الفتاوى الهندية: ۳۵۸/۵، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان والخصاء وحلق المرأة شعرها ووصلها شعر غيرها، ط: دار الفكر - بيروت)

وموونا خن أوراد فن نمايد۔ (مالابد منہ، ص: ۱۷۴، رسالہ احکام عقیقہ، ط: امدادیہ - دیوبند)

صدقہ کردیا جائے اور بعد میں عقیقہ کیا جائے؟

الجواب حامداومصلیا:

بچے کی ولادت کے ساتویں روز بال کٹوانا، نام رکھنا، عقیقہ کرنا اور ختنہ کرنا سنت ہے، اگر فی الحال عقیقے کی استطاعت اور طاقت نہ ہو، تو بعد میں عقیقہ کیا جاسکتا ہے، تقدیم وتاخیر کی صورت میں کوئی گناہ لازم نہیں آئے گا۔ (۱) فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۵] گھر کے جانور پر قربانی کی نیت کرنے سے وہ متعین نہیں ہوتا

۲۰۲۵-سوال: ایک آدمی کی بھینس نے بچہ دیا،، اس وقت اس نے یہ نیت کی تھی کہ اگر یہ بچہ زندہ رہا، تو میں اس کی قربانی کروں گا؛ لیکن جب بچہ بڑا ہوگیا، تو اب وہ اس سے عقیقہ کرنا چاہتا ہے، تو کیا اس کے لیے ایسا کرنا درست ہے؟ یا اسی جانور کی قربانی کرنی ہوگی؟

الجواب حامداومصلیا:

اس جانور کا عقیقہ کرسکتا ہے، ایسا جانور، جو پہلے سے ملکیت میں ہو، اس کی قربانی کی نیت کرلینے سے وہ قربانی کے لیے متعین نہیں ہوجاتا ہے؛ لہٰذا اسی جانور کی قربانی لازم نہیں ہوگی، اگر وہ صاحب نصاب ہے، تو اسے دوسرے جانور کی قربانی کرنی ہوگی۔ (شامی واشباہ) [۲] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) يستحب لمن ولد له ولد أن يسميه يوم أسبوعه، ويحلق رأسه، ويتصدق عند الأئمة الثلاثة بزنة شعره فضة أو ذهبا، ثم يعق عند الحلق عقيقة، إباحة على ما في الجامع المحبوبي، أو تطوعا على ما في شرح الطحاوي، وهي شاة تصلح للأضحية، تذبح للذكر والأنثى، سواء فرق لحمها نيئا أو طبخه بحموضة أو بدونها مع كسر عظمها أو لا واتخاذ دعوة أو لا، وبه قال مالك. وسنها الشافعي وأحمد سنة مؤكدة شاتان عن الغلام وشاة عن الجارية، غرر الأفكار ملخصا، والله تعالى أعلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۳۶/۶، كتاب الأضحية، خاتمة: يستحب لمن ولد له ولد، قبيل: كتاب الحظر والإباحة، ط: دار الفكر - بيروت ☆ أوجز المسالك: ۱۶۹/۱۰، كتاب العقيقة، ط: دار القلم - دمشق)

العقيقة تطوع إن شاء فعلها، وإن شاء لم يفعل وهي أن يذبح شاة إذا أتى على الولد سبعة أيام. (العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية - ابن عابدين، الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲هـ): ۲/ ۲۱۲، كتاب الذبائح، العقيقة، ط: دار المعرفة)

[۲] فلو كانت في ملكه فنوى أن يضحي بها أو اشتراها ولم ينو الأضحية وقت الشراء ثم نوى بعد ذلك لا يجب، لأن النية لم تقارن الشراء فلا تعتبر بدائع. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۲۱/۶، كتاب الأضحية، ط: دار الفكر)

وهل تتعين الأضحية بالنية؟ قالوا: إن كان فقيرا وقد اشتراها بنيتها تعينت (وفي حاشية الحموي: قوله: تعينت=

[۲۶] عقیقہ کے وکیل نے دوسرے شخص کو وکیل بنایا تو عقیقہ ادا ہوگا یا نہیں؟

[کتاب الوکالۃ]

۲۰۲۶-سوال: زید نے خالد کو عقیقہ کے لیے روپیہ دیے کہ میری طرف سے عقیقہ کرا دینا یا سلیم کی طرف سے کرا دینا، اب خالد وہ روپیہ قصاب کو دے کر صاحب عقیقہ کے نام کی وضاحت کیے بغیر یہ کہتا ہے کہ بھائی! دو جانور کا عقیقہ کر کے گوشت مدرسہ میں بھیج دینا، جب کہ صاحب عقیقہ زید نے خالد کو عقیقہ کا وکیل بناتے ہوئے نام کی بھی صراحت کر دی تھی، مگر خالد نے قصاب کے سامنے اس نام کا ذکر نہیں کیا، بل کہ یہ کہا کہ عقیقہ کر کے گوشت بھیج دینا، تو کیا اس صورت میں عقیقہ درست ہو جائے گا؟

الجواب حامداو مصلیا:

زید نے خالد کو عقیقہ کے لیے روپیہ دیا، تو خالد زید کی طرف سے عقیقہ کا جانور خرید نے اور ذبح کرنے کا وکیل ہو گیا، پھر جب خالد نے قصاب کو روپیہ دے دیا، تو قصاب وکیل کا وکیل ہوا، اب اگر خالد کو زید نے دوسرے کو وکیل بنانے کی اجازت بہ صراحت دے رکھی تھی، یا پورا اختیار دے دیا تھا (اور یہی ظاہر ہے) تب قصاب کو وکیل بنانا جائز ہوا؛ کیوں کہ رقم متعین ہے، قصاب نے اسی رقم کا جانور لے کر اپنے موکل

= الخ، بشرط أن يتلفظ الفقير بلسانه، وأما إذا لم يتلفظ فلا تتعين. انتهى) فليس له بيعها، وإن كان غنيا لم تتعين، والصحيح أنها تتعين مطلقا.———— و في حاشية الحموي: قوله :"و الصحيح الخ"قيل لا يلزم إذا نوى أن يضحي ولم يتلفظ وقت الشراء لها لو كان المشتري غنيا لا تجب باتفاق الروايات، فله بيعها، وإن كان فقيرا ذكر في الشافي: أنها تتعين بالنية و عند الجمهور: لا، إلا أن يقول بلسانه علي أن أضحي بها .(الأشباه والنظائر مع حاشية الحموي:۱/۹۰، الأولى: لا ثواب إلا بالنية، ت: المفتي محمد يوسف التاؤلوي، ط: مكتبة فقيه الأمة-ديوبند)

أجمع أصحابنا رحمهم الله: أن الشاة تصير واجبة الأضحية بالنذر بأن قال: لله علي أن أضحي هذه الشاة، وأجمعوا على أنها لا تصير واجبة الأضحية بمجرد النية، بأن نوى أن يضحي هذه الشاة ولم يذكر بلسانه نيته. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني- أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (م:۶۱۶ھ):۶/۸۷، كتاب الأضحية، الفصل الثاني في وجوب الأضحية بالنذر، وما هو في معناه، ت: عبد الكريم سامي الجندي، ط: دار الكتب العلمية-بيروت)

وباليسار؛ لأنها لا تجب إلا على القادر وهو الغني دون الفقير ومقداره مقدار ما تجب فيه صدقة الفطر. (تكملة البحر الرائق:۸/۱۹۸، كتاب الأضحية، ط: دار الكتاب الإسلامي)

کی طرف سے ذبح کر دیا اور قصاب کے مؤکل (خالد) نے اسی کی نیت کر رکھی ہے، جس کی طرف سے عقیقہ کیا جانا ہے، اور وکیل کا فعل مؤکل کی طرف منسوب ہوتا ہے؛ اس لیے قصاب کا ذبح، خالد کے فعل کی طرف منسوب ہو کر عقیقہ درست ہو جائے گا۔

اگر خالد کو زید کی طرف سے کسی دوسرے کو وکیل بنانے کی اجازت نہیں ہے، تو اجازت کے بغیر قصاب کو عقیقہ کا جانور خریدنے کا وکیل بنانا درست نہیں ہے اور خالد کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر جانور ذبح کر دیا، تو عقیقہ درست نہیں ہوگا، خالد ضامن ہوگا دوبارہ اجازت لے کر عقیقہ کرنا ہوگا۔ (شامی، جلد: ۵، صفحہ: ۵۲۷)[۱] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۲۷] ۱- قربانی کے جانور میں عقیقہ کا حصہ

[۲۸] ۲- اطلاع کیے بغیر دوسرے کا عقیقہ کرنا

۲۰۲۷- سوال: بیرون ملک میں مقیم ایک شخص نے اپنے بھانجے یا بھتیجے کا عقیقہ اپنے ملک میں کیا، اور بہن اور بہنوئی کو اس کی اطلاع نہیں دی اور اجازت بھی نہیں لی، پھر بعد میں ان کو خط لکھ کر خبر دی، تو کیا عقیقہ درست ہوگا؟ قربانی کے لیے اصیل کی اجازت ضروری ہے، تو کیا عقیقہ کے لیے بھی ان کی اجازت ضروری ہے؟ یا بغیر اجازت حاصل کیے ہوئے عقیقہ صحیح ہو جائے گا؟

---

[۱] (الوكيل لا يوكل إلا بإذن آمره) لوجود الرضا (إلا) إذا وكله (في دفع زكاة) فوكل آخر ثم دفع الأخير جاز ولا يتوقف، بخلاف شراء الأضحية، أضحية الخانية. [الدر المختار] ـــــــ قال ابن عابدين: (قوله بخلاف شراء الأضحية) فلو وكل غيره بشرائها فوكل الوكيل غيره ثم وثم فاشترى الأخير يكون موقوفا على إجازة الأول، إن أجاز جاز وإلا فلا بحر عن الخانية. (رد المحتار على الدر المختار: ۵/۵۲۷، كتاب الوكالة، فصل لا يعقد وكيل البيع والشراء، ط: دار الفكر-بيروت)

ليس لمن وكل بأمر أن يوكل به غيره إلا أن يكون الموكل قد أذنه بذلك وقال له: اعمل برأيك إذ للوكيل حينئذ أن يوكل غيره، وفي هذه الصورة يكون الذي وكله الوكيل وكيلا للموكل، ولا يكون وكيلا لذلك الوكيل. حتى أنه لا ينعزل الوكيل الثاني بعزل الوكيل الأول أو بوفاته. (مجلة الأحكام العدلية-لجنة مكونة من عدة علماء وفقهاء في الخلافة العثمانية، ص: ۲۸۵، المادة: ۱۴۶۶، الكتاب الحادي عشر: في الوكالة، الباب الثالث: في بيان أحكام الوكالة، الفصل الأول: في بيان أحكام الوكالة العمومية، ت: نجيب هواويني، ط: نور محمد، كارخانه تجارتِ كتب، آرام باغ، كراتشي)

قربانی کے جانور میں دو حصے عقیقہ کے رکھے جائیں تو یہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا، توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئولہ میں عقیقہ درست ہو جائے گا، قربانی پر عقیقہ کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ واجب قربانی اصیل کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہوتی، لیکن نفلی قربانی تو اصیل کی اجازت کے بغیر بھی صحیح ہو جاتی ہے، اور عقیقہ واجب تو ہے نہیں، وہ مستحب یعنی نفل ہے؛ اس لیے اس کو نفلی قربانی پر قیاس کیا جائے گا۔[1]

قربانی کے جانور میں عقیقہ کے حصے رکھنا درست ہے۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ: احمد بن ابراہیم بیمات غفرلہ

---

(۱) ذكر في فتاوى أبي الليث - رحمه الله تعالى - إذا ضحى بشاة نفسه عن غيره بأمر ذلك الغير أو بغير أمره لا تجوز؛ لأنه لا يمكن تجويز التضحية عن الغير إلا بإثبات الملك لذلك الغير في الشاة، ولن يثبت الملك له في الشاة إلا بالقبض، ولم يوجد قبض الآمر هاهنا لا بنفسه ولا بنائبه، كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية: ۳۰۲/۵، كتاب الأضحية، الباب السابع في التضحية عن الغير، وفي التضحية بشاة الغير عن نفسه، ط: دار الفكر)

والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره، صلاة أو صوما أو صدقة أو قراءة قرآن أو ذكرا أو طوافا أو حجا أو عمرة أو غير ذلك، عند أصحابنا للكتاب والسنة. (البحر الرائق: ۶۳/۳، كتاب الحج، باب الجنايات، ط: دار الكتاب الإسلامي ☆ رد المحتار على الدر المختار: ۲۴۳/۲، كتاب الصلاة، باب الجنائز، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له، ط: دار الفكر - بيروت ☆ شرح الصدور بشرح حال الموتى والقبور - عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (م: ۹۱۱هـ): ۳۰۲/۱، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، ت: عبد المجيد طعمه حلبي، ط: دار المعرفة - لبنان، ۱۴۱۷هـ ☆ الهداية في شرح بداية المبتدي - علي بن أبي بكر المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (م: ۵۹۳هـ): ۲۹۶/۱، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ط: ياسر نديم - ديوبند ☆ الفتاوى الهندية: ۲۵۷/۱، كتاب المناسك، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير، ط: دار الفكر - بيروت)

العقيقة تطوع إن شاء فعلها، وإن شاء لم يفعل وهي أن يذبح شاة إذا أتى على الولد سبعة أيام. (العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية - ابن عابدين، الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲هـ): ۲۱۲/۲، كتاب الذبائح، العقيقة، ط: دار المعرفة)

(۲) ولو أرادوا القربة - الأضحية أو غيرها من القرب - أجزأهم سواء كانت القربة واجبة أو تطوعا أو وجب على البعض دون البعض، وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت بأن أراد بعضهم الأضحية وبعضهم جزاء الصيد . . . وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له من قبل، كذا ذكر محمد - رحمه الله تعالى - في نوادر الضحايا. (الفتاوى الهندية: ۳۰۴/۵، كتاب الأضحية، الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا، ط: دار الفكر)

وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له من قبل؛ لأن ذلك جهة التقرب إلى الله تعالى - عز شأنه - بالشكر على ما أنعم عليه من الولد، كذا ذكر محمد - رحمه الله - في نوادر الضحايا. (بدائع الصنائع: ۷۲/۵، كتاب التضحية، فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية، ط: دار الكتب العلمية - بيروت)

[۲۹] متوفی بچوں کی جانب سے عقیقہ

۲۰۲۸- سوال: متوفی بچوں کی جانب سے اس کا باپ بعد میں عقیقہ کرے، تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداو مصليا:

باپ کی ذمہ داری ہے کہ بچہ کی ولادت کے ساتویں دن عقیقہ کرے، حدیث میں آیا ہے کہ جب تک بچے کا عقیقہ نہیں کیا جاتا، اس وقت تک وہ گروی رہتا ہے۔[1]

جس طرح مالک کوئی چیز گروی رکھتا ہے، تو وہ اس شئ مرہون سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اسی طرح جس بچہ کی طرف سے عقیقہ نہیں کیا گیا، اور اس کا انتقال ہو گیا، تو ماں باپ اس کی سفارش سے بھی محروم رہیں گے؛[2] لہٰذا جن بچوں کا انتقال ہو گیا ہے، ان کی جانب سے عقیقہ کرنا سنت ہے۔[3] فقط واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۰] بچے کا عقیقہ بیرونِ ملک میں جائز ہے یا نہیں؟

۲۰۲۹- سوال: بچے جس ملک میں وہ پیدا ہوا ہے، وہیں اس کا عقیقہ کرنا ضروری ہے یا کسی بھی

---

(۱) عن سمرة بن جندب، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: كل غلام رهينة بعقيقته، تذبح عنه يوم سابعه، ويحلق، ويسمى. (سنن أبي داود: ۲/۳۹۲، رقم الحديث: ۲۸۳۸، كتاب الضحايا، باب في العقيقة، ط: ديوبند)

(۲) اگر کسی بچے کا عقیقہ نہ کیا جائے، اور اس کا انتقال ہو جائے، تو وہ اپنے والدین کے حق میں شفاعت کرے گا یا نہیں؟ امام احمدؒ سے منقول ہے کہ وہ شفاعت نہیں کرے گا۔ (فتح الباری: ۹/۵۹۴، کتاب العقیقہ، باب اماطۃ الاذیٰ عن الصبی فی العقیقہ، ط: دار المعرفۃ- بیروت) لیکن فقہاء احناف سے اس سلسلے میں صراحت کے ساتھ کوئی بات منقول نہیں ہے، ملا علی قاریؒ نے "الغلام مرتهن" کے ضمن میں بصیغۂ "قیل" لکھا ہے اگر بچے کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو، تو وہ اپنے والدین کی شفاعت نہیں کر سکے گا: وقيل: معناه أنه معلق شفاعته لهما لا يشفع لهما إن مات طفلا ولم يعق عنه. (مرقاۃ: ۷/۲۶۸۷، تحت الرقم: ۴۱۵۳، کتاب الصید والذبائح، باب العقیقہ، ط: دار الفکر، بیروت)

لیکن فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

حنفیہ کے نزدیک عقیقہ واجب نہیں کہ اس کے ترک پر شفاعت سے محرومی ہو، شفاعت، سقط (ناتمام بچہ، جس کا اسقاط ہو جائے) بھی کرے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/۵۳۲-۵۳۳، کتاب العقیقہ، جس بچہ کا عقیقہ نہیں ہوا، کیا وہ شفاعت کرے گا؟ سوال نمبر: ۸۵۷۸، ط: زکریا- دیوبند)

حقیر کے نزدیک یہ رائے قرین قیاس اور موافق روایت ہے۔ مجتبیٰ حسن قاسمی [خادم حدیث وفقہ: دار العلوم، ماٹلی والا]

(۳) ولو مات قبل السابع استحبت العقيقة عندنا. (إعلاء السنن: ۱۷/۱۲۶، كتاب الذبائح، باب أفضلية الشاة في العقيقة، ط: إدارة القران- كراتشي)

ملک میں اُس کا عقیقہ کر سکتے ہیں؟ اِس کے متعلق سنت طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداومصليا:

بچے کی پیدائش کے ساتویں دِن عقیقہ مستحب ہے، اگر ساتویں دِن عقیقہ نہ کر سکے، تو پھر چودہویں دِن یا اکیسویں دِن بھی کر سکتے ہیں، پھر اُس کے بعد کبھی بھی عقیقہ کرنا درست ہے؛ لیکن عقیقہ کی سنتِ خاصہ کی فضیلت حاصل نہیں ہوگی، ساتویں دِن بچے کا نام رکھے، اور بال منڈوائے، پھر بال کے ہم وزن، سونا یا چاندی کا صدقہ کرے، پھر ایسا جانور ذبح کرے، جس میں قربانی کی تمام شرائط پائی جاتی ہوں، لڑکے کی جانب سے دو بکرے اور لڑکی کی جانب سے ایک بکرا کافی ہوگا، اگر کسی کی اتنی طاقت نہیں ہے، تو لڑکے کی جانب سے ایک بکرا بھی کافی ہے، اگر بڑے جانور کے ایک یا دو حصوں میں عقیقہ کی نیت کر لی، تب بھی کافی ہے، عقیقہ کی جگہ کے متعلق بہتر تو یہی ہے کہ بچے کی جائے پیدائش ہی پر عقیقہ کیا جائے، تاہم بیرونِ ملک یا کسی اور جگہ عقیقہ کرنا بھی درست ہے۔ [1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) وفي الحديث المذكور أيضا أنها إن لم تذبح في السابع ذبحت في الرابع عشر، وإلا ففي الحادي والعشرين، ثم هكذا في الأسابيع. (إعلاء السنن-ظفر أحمد العثماني (م: ۱۳۹۴ھ): ۱۷/ ۱۱۷، كتاب الذبائح، فائدة، بعد: باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، ط: إدارة القران- كراتشي)

ووقتها بعد تمام الولادة إلى البلوغ، فلا يجزئ قبلها، وذبحها في اليوم السابع يسن، والأولى فعلها صدر النهار عند طلوع الشمس بعد وقت الكراهة للتبرك بالبكور... ويسن أن يعق عن نفسه من بلغ ولم يعق عنه. (العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية-ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲ھ): ۲/ ۲۱۳، كتاب الذبائح، العقيقة، ط: دار المعرفة)

قلت: فيه حديث عن ابن عباس قال: سبعة من السنة في الصبي يوم السابع، يسمى، ويختن ويماط عنه الأذى، وتثقب أذنه، ويعق عنه، ويحلق رأسه، ويلطخ بدم عقيقة، ويتصدق بوزن شعره في رأسه ذهبا أو فضة. رواه الطبراني في الأوسط، ورجاله ثقات. مجمع الزوائد: ۴/ ۵۹. (إعلاء السنن-ظفر أحمد العثماني (م: ۱۳۹۴ھ): ۱۷/ ۱۱۹، كتاب الذبائح، فائدة، بعد: باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، ط: إدارة القران- كراتشي)

قال المهلب: وتسمية المولود حين يولد وبعد ذلك بليلة وليلتين وما شاء إذا لم ينو الأب العقيقة عند يوم سابعه جائز وإن أراد أن ينسك عنه، فالسنة أن يؤخر تسميته إلى يوم النسك، وهو السابع. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري- بدر الدين العيني (م: ۸۵۵ھ): ۲۱/ ۸۸، كتاب العقيقة، باب: إماطة الأذى عن الصبي في العقيقة، ط: دار إحياء التراث العربي- بيروت)

ويفهم من رواية النسفي أيضا أن العقيقة غير واجبة. (عمدة القاري: ۲۱/ ۸۳، كتاب العقيقة، باب: تسمية المولود غداة=

[۳۱] عقیقہ یا قربانی کی نیت سے جانور خریدا، پھر وہ مرگیا، تو کیا حکم ہے؟

۲۰۳۰-سوال: میں نے عیدالاضحیٰ کے دن عقیقہ اور قربانی کرنے کی نیت سے ایک جانور (بقرہ) خریدا؛ لیکن اتفاقاً ہوا یہ کہ وہ جانور عیدالاضحیٰ کے اگلے دن ہی کٹ کر مرگیا، تو اب کیا کیا جائے؟ اس کی قیمت ایک ہزار کے قریب تھی۔

الجواب حامداومصلیا:

عقیقہ کی نیت سے خریدے گئے جانور کا ہی عقیقہ کرنا ضروری نہیں ہے، ساتویں دن عقیقہ کرنا مسنون یا مستحب ہے، اگر ساتویں دن ممکن نہ ہو، تو چودھویں دن یا اکیسویں دن عقیقہ کرے، اگر یہ بھی نہ ہوسکے، تو جب میسر ہو، ساتویں دن کا خیال کرکے کرلے۔ قربانی کی طرح' عقیقہ کی نیت سے خریدے گئے جانور کے مرجانے اور وقت گذرجانے سے اس کی قیمت کا صدقہ کرنا کافی نہیں ہوتا، جانور مرگیا ہے، اور ابھی حالات اچھے نہیں ہیں، تو جب میسر ہو، اگر لڑکا ہو تو دو بکرا اور اگر لڑکی ہو، تو ایک بکرا ذبح کرلے، اور لڑکے کے عقیقہ میں ایک ہی بکرا کیا، تب بھی عقیقہ ادا ہوجائے گا۔ (۱)

رہ گئی بات قربانی کی، اگر قربانی کے ایام میں جانور نہیں خریدا اور قربانی کے ایام گزر گئے، تو اس صورت میں ایک بکرے کی قیمت صدقہ کردے اور اگر جانور خریدلیا ہے؛ لیکن کسی عارض کی بنیاد پر اس کی قربانی نہیں کرسکا، تو بعد میں قربانی کے جانور کو صدقہ کرنا ضروری ہے۔

=يولدلمن يعق عنه وتحنيكه)

يستحب لمن ولد له ولد أن يسميه يوم أسبوعه ويحلق رأسه ويتصدق عند الأئمة الثلاثة بزنة شعره فضة أو ذهبا ثم يعق عند الحلق عقيقة إباحة على ما في الجامع المحبوبي، أو تطوعا على ما في شرح الطحاوي، وهي شاة تصلح للأضحية، تذبح للذكر والأنثى، سواء فرق لحمها نيئا أو طبخه بحموضة أو بدونها مع كسر عظمها أو لا واتخاذ دعوة أو لا، وبه قال مالك. وسنها الشافعي وأحمد سنة مؤكدة شاتان عن الغلام وشاة عن الجارية، غرر الأفكار ملخصا، والله تعالى أعلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۳۶/۶، كتاب الأضحية، خاتمة: يستحب لمن ولد له ولد، قبيل: كتاب الحظر والإباحة، ط: دار الفكر-بيروت)

العقيقة تطوع إن شاء فعلها، وإن شاء لم يفعل وهي أن يذبح شاة إذا أتى على الولد سبعة أيام. (العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية-ابن عابدين، الدمشقي الحنفي (م: ۱۲۵۲هـ): ۲/ ۲۱۲، كتاب الذبائح، العقيقة، ط: دار المعرفة)

(۱) تقدم مرارا.

صورتِ مسئولہ میں اگر قربانی اور عقیقہ دونوں کے لیے جانور کیا گیا تھا، اور جانور ہلاک ہوگیا، تو قربانی ذمہ میں واجب رہے گی، وقت رہتے ہوئے قربانی ادا کرلے، اگر کسی وجہ سے نہیں کرسکا، تو ایک بکرے کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔[1] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۲] بچہ- جو مردہ پیدا ہوا ہو- اُس کے لیے عقیقہ کرنا کیسا ہے؟

۲۰۳۱- سوال: اگر کسی عورت کو وضع حمل کے وقت ہی مرا ہوا بچہ یا بچی پیدا ہوئی، تو اُس کے لیے عقیقہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصلیا:

عقیقہ کرنا چاہیے، کیوں کہ قیامت کے دِن مرا ہوا بچہ بھی ماں باپ کے لیے سفارش کرے گا۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۳] عقیقہ: چند مسائل

۲۰۳۲- سوال: (۱) لڑکے کے لیے عقیقہ میں کتنے بکرے ضروری ہیں؟

(۲) کتنی عمر کے ہونے چاہئیں؟

(۳) قربانی کے بڑے جانور گائے یا بھینس میں عقیقہ کا حصہ لینا چاہے، تو کیا یہ صحیح ہے یا نہیں اور اس میں کتنے حصے ہوسکتے ہیں؟

(۴) ساتویں دِن عقیقہ مستحب ہے، اُس کے بعد کب تک؟

الجواب حامداومصلیا:

(۱) لڑکے کے عقیقہ میں اگر دو بکرے ہوں، تو کمالِ مستحب ہے، اگر ایک ہو، تب بھی استحباب ادا ہوجائے گا:

---

(۱) تقدم مرارا.

(۲) عن علي، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " إن السقط ليراغم ربه، إذا أدخل أبويه النار، فيقال: أيها السقط المراغم ربه أدخل أبويك الجنة، فيجرهما بسرره، حتى يدخلهما الجنة ". قال أبو علي: يراغم ربه، يغاضب. (سنن ابن ماجه: ۱/ ۱۱۵، رقم الحديث: ۱۶۰۸، كتاب الجنائز، باب ما جاء فيمن أصيب بسقط، ط: ديوبند)

و أما الغلام فيحتمل أن يكون أقل الندب في حقه عقيقة واحدة، و كماله ثنتان. (مرقاة)[۱]

اِمام شافعیؒ اور اِمام احمدؒ کے نزدیک دو بکرے کا ہونا سنتِ مؤکدہ ہے۔ (شامی: ۲۹۲/۵)[۲]

(۲) کم از کم ایک سال کا بکرا ہونا چاہیے۔ (۳)

(۳) قربانی کے جانور میں سات حصے ہو سکتے ہیں، خواہ تمام شرکاء کی نیت قربانی کی ہو یا بعض کی قربانی کی اور بعض کی عقیقہ کی، البتہ لوجہ اللہ، رضاءِ مولیٰ مقصود ہونی چاہیے، کسی بھی شریک کی نیت گوشت کھانے کی ہوگی تو قربانی اور عقیقہ درست نہیں ہوگا۔ (مجمع الانہر)[۴]

(۴) ساتویں دِن مستحب ہے، اگر ساتویں دِن کسی عارض کی وجہ سے نہیں کر سکا، تو جب بھی قدرت ہو، تو عقیقہ کرے، البتہ قربانی کر لینے سے عقیقہ ساقط ہو جائے گا، یعنی ایک کا دوسرے میں تداخل ہو جائے گا۔ (۵)

فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴ھ): ۲۶۸۹/۷، تحت الرقم: ۴۱۵۴، كتاب الصيد و الذبائح، باب العقيقة، ط: دار الفكر، بيروت.

[۲] وسنها الشافعي وأحمد سنة مؤكدة شاتان عن الغلام وشاة عن الجارية، غرر الأفكار ملخصا، و الله تعالى أعلم. (رد المحتار على الدر المختار: ۳۳۶/۶، كتاب الأضحية، خاتمة: يستحب لمن ولد له ولد، قبيل: كتاب الحظر و الإباحة، ط: دار الفكر)

(۳) وهي شاة تصلح للأضحية. (المصدر السابق)

[۴] (وهي) أي الأضحية (شاة) تجوز من فرد فقط (أو بدنة) تجوز من واحد أيضا (أو سبع) بضم السين بمعنى واحد من السبع (بدنة) بيان للقدر الواجب، و القياس أن لا تجوز البدنة إلا عن واحد؛ لأن الإراقة واحدة وهي القربة و القربة لا تتجزأ إلا أنا تركناه بالأثر وهو ما روي عن جابر - رضي الله تعالى عنه - أنه قال نحرنا مع رسول الله - صلى الله تعالى عليه وسلم - البقرة عن سبعة و البدنة عن سبعة. ولا نص في الشاة فيبقى على أصل القياس، ثم أراد تفسير قوله أو سبع بدنة، فقال (بأن اشترك) المضحي (مع ستة في بقرة أو بعير و كل) واحد منهم (يريد القربة وهو) أي كل واحد منهم (من أهلها) أي أهل القربة بكونهم مسلمين (ولم ينقص نصيب أحدهما عن سبع) ثم فرعه فقال (فلو أراد أحدهم بنصيبه اللحم أو كان كافرا أو نصيبه) أي نصيب أحدهم (أقل من سبع لا يجوز عن واحد منهم). [مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر - عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده، يعرف بداماد أفندي (م: ۱۰۷۸ھ): ۵۱۷/۲، كتاب الأضحية، ط: دار إحياء التراث العربي]

(۵) عن ابن عباس قال: سبعة من السنة في الصبي يوم السابع: يسمى، ويختن، ويماط عنه الأذى، وتثقب أذنه، ويعق عنه، ويحلق رأسه ويلطخ بدم عقيقته ويتصدق بوزن شعره في رأسه ذهبا أو فضة. (المعجم الأوسط - أبو القاسم الطبراني (م: ۳۶۰ھ): ۱۷۶/۱، رقم الحديث: ۵۵۸، باب الألف، من اسمه أحمد، ت: طارق بن عوض الله وغيره، ط: دار الحرمين - القاهرة) =

[۳۴] بچپن میں وفات پانے والی ایسی اولاد، جن کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو، کیا وہ والدین کے لیے شفاعت کریں گی؟

۲۰۳۳-سوال: دیوبند کے ایک بہت بڑے عالم نے اپنی مجلس میں یہ بات کہی کہ چھوٹے بچے، جو بچپن میں مرجاتے ہیں قیامت میں والدین کی سفارش کریں گے، مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ وہ بچے سفارش کریں گے جن کا عقیقہ کیا گیا ہو، اگر عقیقہ نہ کیا گیا تو وہ بچے سفارش نہیں کریں گے، کیا یہ کسی کتاب میں موجود ہے؟ یا حدیث میں کہیں مذکور ہے؟ تحریر فرمائیں۔

اُن سے جب پوچھا گیا کہ یہ مضمون کس کتاب میں ہے؟ تو اُنہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے اساتذہ اور بزرگان سے ایسا ہی سنا ہے اور وہ اساتذہ انتقال کر گئے ہیں، اُن کی بھی تحقیق فرما کر جواب دیں، یہ واقعہ ایک عالم کے ساتھ پیش آیا ہے، اور وہ اِس وجہ سے بہت پریشان ہیں، اِسی وجہ سے میں نے یہ سوال لکھا ہے، برائے مہربانی پوری تحقیق فرما کر جلد از جلد جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیا:

احقر کی بھی یہی رائے ہے کہ پیدا ہونے کے بعد جس بچے کا انتقال ہو گیا ہو، اس کا عقیقہ کرنا مسنون ہے۔[1] فقہاء مطلقاً تحریر فرماتے ہیں کہ جس کے ہاں بچہ پیدا ہو، وہ عقیقہ کرے، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

= وفي الحديث المذكور أيضا أنها إن لم تذبح في السابع ذبحت في الرابع عشر، وإلا ففي الحادي والعشرين، ثم هكذا في الأسابيع. (إعلاء السنن-ظفر أحمد العثماني (م: ١٣٩٤هـ): ١١٧/١٧، كتاب الذبائح، فائدة، بعد: باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، ط: إدارة القران- كراتشي)

القاعدة الثامنة: إذا اجتمع أمران من جنس واحد، ولم يختلف مقصودهما دخل أحدهما في الآخر غالبا، فمن فروعها: إذا اجتمع حدث وجنابة، أو جنابة وحيض كفى الغسل الواحد.... ومنها لو دخل المسجد، وصلى الفرض أو الراتبة دخلت فيه التحية. (الاشباه والنظائر- زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (م: ٩٧٠هـ)، ص: ١١٢، القاعدة الثامنة، ت: الشيخ زكريا عميرات، ط: دار الكتب العلمية- بيروت)

مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: ''نابالغ کی طرف سے قربانی میں اس کے عقیقہ کی نیت کرنا''

(١) ولو مات المولود قبل السابع استحبت العقيقة عندنا. (إعلاء السنن-ظفر أحمد العثماني (م: ١٣٩٤هـ): ١٢٦/١٧، كتاب الذبائح، فائدة، بعد: باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، ط: إدارة القران- كراتشي)

ہے کہ بچہ عقیقہ کے ساتھ گروی ہوتا ہے۔ چناں چہ حضرت سمرہ بن جندب نقل فرماتے ہیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الغلام مرتهن بعقيقته يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه.[1]

"مرتهن" کا ایک ترجمہ ہے، گروی رکھی ہوئی چیز، جس سے فی الحال نفع نہ حاصل ہو سکے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ بچے کا جب تک عقیقہ نہ کیا جائے، والدین کو اس سے نفع نہیں پہنچے گا، یعنی شفاعت کا حق عقیقہ کے بعد ملے گا۔ ــــــــ نیز واضح رہے کہ اولاد اللہ کی نعمت ہے، جب تک عقیقہ نہیں کرو گے، شکر تام نہیں ہوگا، لہٰذا وفات شدہ اولاد کا عقیقہ کرنا مسنون ہوگا۔[2] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

[۳۵] عقیقہ کے گوشت کی ذخیرہ اندوزی

۲۰۳۴- سوال: ایک شخص عقیقہ کر کے گوشت خود اپنے گھر میں حد سے زیادہ رکھتا ہے، تو اس کا یہ عمل جائز ہے یا نہیں؟ اور اس میں سے وہ کھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مستحب یہ ہے کہ گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کر کے، اس کا ایک حصہ فقراء و مساکین پر صدقہ کرے، ایک تہائی اپنے دوستوں اور مہمانوں کو کھلائے اور ایک تہائی اپنے بال بچوں کے لیے رہنے دے، اگر گھر کے افراد زیادہ ہوں، یا یوں ہی مکمل گوشت اپنے پاس رکھ کر استعمال کرے اور کسی کو نہ دے، تو بھی جائز ہے۔[3] فقط، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱) سنن الترمذي: ۱/۲۷۸، رقم الحديث: ۱۵۲۲، أبواب الأضاحي، باب من العقيقة، ط: ديوبند.

(۲) (قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - "الغلام مرتهن") : بضم الميم وفتح الهاء أي مرهون بعقيقته: يعني أنه محبوس سلامته عن الآفات بها أو إنه كالشيء المرهون لا يتم الاستمتاع به دون أن يقابل بها لأنه نعمة من الله على والديه، فلا بد لهما من الشكر عليه، وقيل: معناه أنه معلق شفاعته لهما لا يشفع لهما إن مات طفلا ولم يعق عنه. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح - علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (م: ۱۰۱۴هـ): ۷/۲۶۸۷-۲۶۸۸، تحت الرقم: ۴۱۵۳، كتاب الصيد والذبائح، باب العقيقة، ط: دار الفكر، بيروت)

(۳) وبالجملة هي كالأضحية في أكثر الأحكام عندهم. (إعلاء السنن - ظفر أحمد العثماني (م: ۱۳۹۴هـ): ۱۷/۱۱۷، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة، ط: إدارة القرآن - كراتشي)

= وإنه يستحب الأكل منها و الإطعام و التصدق كما في الأضحية، فما اشتهر على ألسنة العوام أن أصول المولود لا يأكلون منها لا أصل له. (إعلاء السنن: ۱۱۸/۱۷، كتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة)

ويستحب أن يأكل من أضحيته ويطعم منها غيره، والأفضل أن يتصدق بالثلث ويتخذ الثلث ضيافة لأقاربه وأصدقائه، ويدخر الثلث، ويطعم الغني والفقير جميعا، كذا في البدائع. ويهب منها ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي، كذا في الغياثية.

ولو تصدق بالكل جاز، ولو حبس الكل لنفسه جاز، وله أن يدخر الكل لنفسه فوق ثلاثة أيام إلا أن إطعامها والتصدق بها أفضل إلا أن يكون الرجل ذا عيال وغير موسع الحال؛ فإن الأفضل له حينئذ أن يدعه لعياله ويوسع عليهم به، كذا في البدائع. (الفتاوى الهندية: ۳۰۰/۵، كتاب الأضحية، الباب الخامس في بيان محل إقامة الواجب، ط: دار الفكر)